رجسٹرڈ نمبر ۲۷۱

خاتون

نمبر ۶	بابت ماہ جون ۱۹۰۹ء	جلد

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل ایل بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام واقع علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۶۴ صفحے کا علیگڑہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ/) اور ششماہی ۱۲/ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا،

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی، اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے،

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہوتا کہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکہنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں،

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں،

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھہ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جاے گا،

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑہ ہونی چاہیے،

خاتون

بچوں کی پرورش وصحت کے متعلق چند ہدایتیں

(۱) جب بچہ تولد ہو تو زچہ بچہ کو ایسے مکان میں رکھیں جہاں تازہ ہوا، اور آفتاب کی روشنی پہنچتی رہے، اور ہوا کے جھونکے اور شور و غل نہ ہوں اگر موسم سرد ہو تو آگ سے بھی اُس مکان کو گرم رکھیں لیکن دھواں اس مکان میں بھرنے نہ پاوے۔ موسم گرما میں آگ کی ضرورت نہیں کبھی کبھی اسپند۔ لوبان یا عود وغیرہ اُس مکان میں جلاتے رہیں تاکہ ہوا صاف ہوتی رہے۔

(۲) ابتدا میں بچوں کی ہڈیاں نہایت نرم ہوتی ہیں اور سر کی ہڈیوں کا توجوڑ بھی نہیں مضبوط ہوتا اسوجہ سے بہت احتیاط کریں کہ کسی طور پر دباؤ اور زور نہ پڑنے پائے۔

(۳) بچہ کو روز پیدائش سے چالیس روز تک ایک ہی جانب نہ سلائیں کیونکہ اس سے سر کی ہڈیاں دب جاتی ہیں۔ اور دانت نکلنے کے وقت دماغی امراض پیدا ہونے کا

اندیشہ رہتا ہے۔

(۴) بچے سردی کے متحمل نہیں ہوتے۔ اسلیے سردی سے بچائیں اور ولادت کے وقت سے جبتک چلنے پھرنے نہ لگیں۔ گرم کپڑے اور نرم بچھونوں میں رکھے جائیں۔ اس عمر تک چائے کافی وغیرہ نہ دی جائے کیونکہ یہ انکے لیے سم قاتل ہے۔ بچہ کی ابتدائی پرورش اچھی ہو تو وہ ہمیشہ قوی و تندرست رہیگا۔ اگر ابتدائی عمر میں اس کی احتیاط اور اچھی پرورش نہوئی تو کمزور و ناتواں ہوکر امراض میں مبتلا رہیگا۔

(۵) بچوں کو اکثر بلا تعین وقت ماں یا انّا دودہ پلاتی رہتی ہے۔ یہ انکے لیے نہایت مضر ہے۔ اس سے انکا معدہ ضعیف اور اشتہا ساقط ہو جاتی ہے اور اسہال وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور لاغر و کمزور ہوکر امراض مہلکہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر بچ بھی گئے تو نہایت کمزوری کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔ اہل یورپ بچوں کے دودھ پلانے کا وقت مقرر کر دیتے ہیں۔ اور وقت مقررہ ہی پر پلاتے ہیں۔ اور علیحدہ پلنگ پر بچہ کو سلاتے ہیں تاکہ ماں یا انّا کی نفس کی ہوئی ہوا جو زہریلی ہے۔ بچہ کے معدہ میں پہنچکر زہریلا اثر نہ پیدا کرے۔ اس سبب سے اُنکے بچے قوی ہیکل و تندرست ہوتے ہیں۔ اور جلد پیروں چلنے اور دوڑنے ہیں۔ اور ہمارے ملک کے بچے ہر وقت ماں یا انّا کی چھاتی سے لگے رہتے ہیں اور انکے سینہ اور جسم کے بخارات اسکے معدہ میں پہنچتے رہتے ہیں۔ اس سے بچہ لاغر اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔

(۶) چھاتی پر ہمیشہ سینہ کی کثافت اور مضر رطوبت جمع ہوتی رہتی ہے اس سبب سے چاہیے کہ دودہ پلاتے وقت ضرور دہو جائے۔ ہر وقت ممکن نہو تو صبح اور شام ضرور دہو لیا کریں۔ ورنہ بچہ کے معدہ میں یہ مضر رطوبت و کثافت ضرور نقصان کریگی۔

(۷) دو تین مہینے تک بچہ کی خواہش کے موافق دودہ پلائیں اسکے بعد دو ڈہائی گھنٹہ کے فاصلہ سے۔ اس سے ہضم صحیح ہوگا۔ اور اشتہا میں بھی فتور نہ آئیگا۔ رات کو بھی ایسی عادت

ڈالیں کہ بچہ سویرے دودھ پیکر سوجایا کرے۔ اس ترکیب سے تداخل اور بدہضمی نہوگی۔ اور بچہ تندرست اور تنومند ہوگا۔

(۸) ماں یا انا بچہ کو لٹا کر اور خود بھی لیٹ کر دودھ پلائے یا چارزانو بیٹھ کر بچہ کو گود میں لٹا کر ہر حال میں بچہ کا سر اونچا رہے۔

(۹) بعض انا چوری سے بچوں کو افیون کھلادیا کرتی ہے تاکہ بچہ سوتا رہے اور بار بار نہ جاگے اور ضد وغیرہ نہ کرے۔ اس سے بہت احتیاط چاہیے کیونکہ افیون سے اصلی نیند جاتی رہتی ہے۔ اور ایک قسم کی غفلت بچہ میں پیدا ہوجاتی ہے۔ اس سے نشو و نما اور اُس کی بالیدگی و تنومندی میں فتور پڑتا ہے اور لڑکپن اور جوانی دونوں میں نقصان پہنچاتی ہے۔

(۱۰) بچہ و ماں دونوں صحیح و تندرست ہوں تو ماں بچہ کو ایک سال دودھ پلائے۔ اگر ماں ضعیف اور کمزور ہو اور بچہ توانا تو نو مہینہ تک اور بچہ ضعیف اور ماں توانا ہو تو ڈیڑھ یا پونے دو برس تک لیکن دودھ چھڑانے کی حالت میں بتدریج چھڑائیں۔

(۱۱) دانت نکلنے سے پہلے لعاب دہن جو معاون ہاضمہ ہے بچوں میں نہیں پیدا ہوتا اسی واسطے بچے صرف دودھ ہی پر رکھے جائیں اور دوسری غذا اُن کو ہرگز نہ دیجائے ورنہ ہضم نہوگی۔ اور اسہال وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہوجائینگی۔ اور بچہ ہلاکت میں پڑجائیگا۔ پس دانت نکلنے سے پہلے بچہ کو کوئی غذا نہ دیجائے۔

(۱۲) نو دس مہینے کے بعد یعنی جب دانت نکلنے لگیں۔ بچوں کو گوشت کی یخنی اور چوزے کا شوربا یا دوسری غذا مثل ساگودانہ یا اراروٹ یا گلی ہوئی کھچڑی یا گلا ہوا شیر برنج یا دودھ میں بھگو کر ڈبل روٹی یعنی نان پاؤ دیسکتے ہیں۔ اس عمر سے غذا کا دینا بہت ضروری ہے۔

(۱۳) جن لڑکوں کو گائے وغیرہ کا دودھ دیا جاتا ہے ان کو چاہیے کہ جوش دیا ہوا گاڑھا دودھ بچوں کو نہ پلادیں کیونکہ ثقیل اور دیر ہضم ہوتا ہے۔ اور جس دودھ سے بالائی نکال ڈالی

جاتی ہی۔ اس دودہ سے بچہ موٹا تو ہوتا ہی مگر نمک کی مقدار کم ہوجانے سے ہڈیاں برابر نہیں بنتیں اور جسم ناتواں رہتا ہی۔ اور مزاج بیماری کی طرف مائل رہتا ہی۔

(۱۴) بچوں کا لباس ڈہیلا ڈہالا ہو۔ تاکہ نشو و نما میں فتور نہ واقع ہو۔ برہنہ جسم نہ رکھیں۔ کپڑے میلے نہ پہناویں۔ ننگے پیر نہ رہنے دیں کہ اس سے مزاج کثیف ہوجاتا ہے اور مٹی وغیرہ کھانے کی عادت ہوجاتی ہی۔

زیور بھی بچوں کو نہ پہناویں اس سے ہزاروں جانیں بچوں کی تلف ہوگئی ہیں۔ بھوت پلید یا اور کسی فرضی نام سے اُنہیں نہ ڈراویں کہ خیال باطل دل میں جم جاتا ہی۔ لڑکا بزدل اور کم ہمت ہوجاتا ہی۔ اسکے دل کا خوف پھر کبھی نہیں نکلتا اور دنیا کے مہمات عظیمہ کے کام کا نہیں رہتا۔

بچوں کی تربیت کے متعلق اہل یورپ کا یہی دستور العمل ہی۔ جسکے مفید نمونے ٹڈی کے دل کی طرح آپ کے پیش نظر ہیں اور جس سے بڑھکر ان اصول کی عمدگی کے ثبوت کی کوئی بین شہادت نہیں ہوسکتی۔ ہمارے ملک کی خواتین اگر ان اصول کو مد نظر رکھیں تو نشو و نما کے ابتدائی درجے جس خوبی سے طے ہوں ایسے ہی عنفوان اور شباب کے مفید نتائج بھی انہیں دیکھنے نصیب ہوں۔ اور ملک کا ملک جسمانی و دماغی ترقی کا جامہ پہنکر سرسبز و شاداب نظر آنے لگے۔

پس اے میری محترم و عزیز بہنو! اگر تربیت اطفال کے اہم فرائض کو تم آج یورپ کی طرح ادا کرنے لگو تو زمانہ کی قدر دانی تمہارے دامن سے اس دہبہ کو دہو کر تمہیں سرتاج بنائے۔ ذرا متوجہ ہو۔ اور کر کے تو دیکھو،

رقمہ

قیصر دُلہن

ستارہ

افشارقوم کا ایک ادنیٰ سا سردار اٹھارویں صدی کے آغاز میں اپنی ہمت اور مردانگی سے تاج ایران کا وارث بن بیٹھا۔ مدتوں نہایت معمولی حالت میں زندگی بسر کی۔ برسوں رہزنی کی آخر قسمت نے پلٹا کھایا تو نادر قلی خاں لٹیرے سے سپہسالار فوج اور پھر نادر شاہ ایران بنگیا۔ جب ایران سے اندرونی خرخشے دور کرچکا۔ افغانوں روسیوں اور ترکوں سے نجات ملی تو بے چین طبیعت نے بیقرار کیا اور ہند کی تسخیر کا رخ کیا۔ یہاں محمد شاہ کی بادشاہی ملک پر ایک تباہی تھی۔ جری قزلباشوں نے آناً فاناً میں انحطاط رسیدہ مغلوں کا قلع قمع کردیا۔ کرنال پر معرکہ آرائی ہوئی۔ یہ شرط قرار پائی کہ محمد شاہ ۵۰ لونڈیاں سو ہندی غلام بہت سے ہاتھی اور گھوڑے سامان زر و جواہر سے آراستہ پیش کرے اور بذات خاص اظہار عبودیت بجا لائے۔

ستارہ اُن ہی ۵۰ آفت زدہ لونڈیوں میں سے تھی۔ جب نادر شاہ بمعیت آغا باشی خواجہ سرای لونڈیوں کے جایزہ کو آیا تو سب لونڈیوں میں اُس کی نظر ستارہ پر ہی پڑی۔ حسن و جمال خط و خال میں ستارہ سب پر چھائی ہوئی تھی۔ اسکے چہرہ سے نجابت اور شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ بادشاہ نے آغا باشی سے پوچھا یہ لڑکی کون ہے؟ خواجہ سرا نے عرض کیا کہ راجپوت قوم کی کنیا ہے۔ اسیر لڑکی نے غصہ سے بیتاب ہوکر فارسی میں جواب دیا کہ میں کنیا نہیں بلکہ شادی شدہ عورت ہوں۔ لڑکی کی اس صفائی پر آغا باشی کو بہت طیش آیا اور تھپڑ اُٹھایا۔ ستارہ نے اپنے سینہ سے خنجر نکالا اسیر آغا باشی سنبھلا۔ ایسی بے کسی کی حالت میں اس عفیفہ اور معصومہ کی یہ جرأت اور غیرت کی اس درجہ پاسداری دیکھکر نادر جیسے سفاک کا دل بھی پانی پانی ہوگیا۔ اسی وقت سے ستارہ نے اسکے دل میں گھر کرلیا۔

ستارہ قوم راجپوت کی شاخ راٹھوڑ کی ایک ٹھاکر کی لڑکی تھی۔ اسکا اصل نام میرا بائی تھا۔ محمد شاہ نے اسکے کسی ہمسایہ ٹھاکر پر فوج کشی کی۔ اس ٹھاکر اور ستارہ کے باپ میں کچھ اَن بن تھی اسلیئے مغلیہ فوج کی دست درازی کا بالکل اندیشہ نہ تھا کہ ایک رات کو بے خبری میں فوج شاہی میرا بائی کے قلعہ میں گھس آئی۔ ٹھاکر اور قلعہ کے مرد بڑی بہادری سے لڑے مگر اس سراسیمگی میں راجپوتی قاعدہ کے موافق عورتوں کو نہ جلاسکے شاہی فوج نے محلات پر قبضہ کرلیا اور عورتوں کی مشکیں باندہ لائے۔ ستارہ بھی ان ہی اسیران جنگ میں سے تھی۔ بیچاری کو اونٹ پر لادکر قلعہ اجمیر میں پہنچایا۔ یہاں اسے ایک عورت ملی۔ اُسنے سنایا کہ یہ مصیبت اسی کی بدولت نازل ہوئی ہے۔ کسی شہزادے نے اس کی تعریف سنی اور اس مبتذل حرکت پر آمادہ ہوا۔

یہ سنکر تو ستارہ کے حواس اُڑ گئے رنگ زرد پڑ گیا۔ چاہتی تھی کہ خودکشی کرے مگر ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں وہ مغل سردار بھی آگیا۔ اُس بدبخت کی صورت دیکھکر میرا بائی کا غصہ مشتعل ہوگیا مگر بے بس تھی۔ خدا کی قدرت کچھ عرصہ کے بعد یہ سردار مرگیا۔ اور فوج نے اجمیر سے دہلی کو کوچ کیا۔ میرا بائی محمد شاہ کے سامنے پیش ہوئی۔ اور خدمتگاروں میں رکھ لی گئی۔ محمد شاہ کی سب سے چاہتی بیوی اسی قوم کی راٹھوڑ راجپوتنی تھی۔ اسنے ہمقوم اور مصیبت زدہ جانکر اپنی ظل عاطفت میں لے لیا اور بیٹی کی طرح تربیت کیا۔ اسی اثنا میں نادر ترکمان اپنی زبردست فوج کے ساتھ ہندوستان پر ٹڈی دل کی طرح آن پڑا۔ کرنال پر ہندوستانی فوج کا قلع قمع کرچکا تو تاوان میں ۵۰ لونڈیاں بھی مقرر کیں۔ ان لونڈیوں میں کمی پڑی تو میرا بائی پکڑی گئی۔ ملکہ ہر چند روئی تھی اور کسی طرح ستارہ کو جدا کرنا نہ چاہتی تھی مگر بے بس تھی۔ ستارہ کے دل کا بھی خدا ہی حافظ تھا۔ ہندوستان میں نادر کی فوج کے متعلق طرح طرح کے ڈراونے قصے مشہور تھے کوئی کہتا تھا کہ دیوزاد ہیں کوئی جن بتاتا تھا۔ خود نادر کو آتش کا پتلا جانتے تھے۔

مگر یہ کسکو خبر تھی کہ یہ مصیبت زدہ بچی ملکہ جہاں بنے گی اور خود محمد شاہ کی ملکہ اسکے قدموں پر ناک رگڑیگی۔ نادر نے میرا بائی سے شادی کی درخوہست کی۔ میرا بائی کچھ تو نادر کی ہمدردی سے متاثر ہوئی کچھ اس کی دلیرانہ فتحمندیوں نے اسکے اچھوتی دل میں گھر کیا۔ دوسرے اپنے مربیوں نے چار و ناچار جدا ہی کر دیا تھا کنبہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اسوقت نادر کے سوا اسکا کون تھا اسنے بطیب خاطر نادر سے شادی کر لی۔ ستارہ جیسی حسن وجمال میں بے مثال تھی ویسی ہی شائستہ اور بامذاق بھی تھی۔ نادر کو ستارہ سے بیحد الفت تھی اور وہ بھی اُسکے دم کی دیوانی تھی مگر نادر کی سفاکیاں اور بے رحمیاں اکثر اسکے لیے موجب ملال ہو تی تھیں۔ جب تاوان اور خونریزی سے بھی جی ٹھنڈا نہوا تو شہر دہلی کی تاراج کا ارادہ کیا۔ اس ارادہ کی خبر دہلی پہنچی تو سارے شہر میں کھلبلی پڑگئی۔ قلعہ شاہی میں ایک ماتم کا عالم تھا۔ جب نادر دہلی کے قرب وجوار میں پہنچا تو محمد شاہ استقبال کو حاضر ہوا۔ اپنی ملکہ کو ستارہ کے پاس بھیجا کہ اہل شہر کے لیے امان طلب کرے۔ جب ستارہ کے پاس ملکہ آئی تو میرا بائی اپنی سابقہ آقا کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوگئی اور اس کی پہلی ہی سے توقیر کی اسوقت اگرچہ اسکو ملکہ کی بے وفائی کا افسوس تھا مگر اس مصیبت کے وقت ایسی رکیک باتوں کو جگہ دینا اسنے خلاف انسانیت جانا اور بغیر اپنا نفع نقصان سوچے وعدہ کرلیا کہ میں بادشاہ سے امن کی استدعا کروں گی۔ نادر نہایت خونخوار اور بے رحم آدمی تھا مہاتم ملکی میں مستورات کو دخیل بنانا ایک گناہ کبیرہ جانتا تھا۔ ستارہ بھی اسکے مزاج سے ناواقف نہ تھی مگر اسنے سفارش کی۔ اتفاق سے اہل دہلی نے چند قزلباش قتل کر دیے پھر کیا تھا قتل عام کا حکم ملگیا۔ اس کی فوج نے تین دن شہر کو خوب لوٹا۔ ان بے رحموں نے بچوں عورتوں اور بڈھوں تک کو تہ تیغ کر ڈالا۔ ستارہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو سخت رنج ہوا سارا دن روتے ہوئے گزارا مگر بے بس تھی نادر کی طبیعت سے واقف تھی حرف شکایت تک زبان پر نہ لائی اور اپنا خون جگر پی کر رہگئی۔

نادر جب سلطنت مغلیہ کو لوٹ کھسوٹ چکا تو ایران کا قصد کیا چلتے وقت اسنے اپنے فوجی

افسروں کو حکم دیا کہ ہندو لونڈی غلاموں کو چھوڑ دیں۔ اسوقت نادر ستارہ کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں بھی ہندوستانی عورتوں کے ساتھ یہاں چھوڑ جاؤنگا۔ میں نے اپنے افسروں کو حکم دیا ہے کہ ہندوستانی عورتوں کو ساتھ نہ لیجائیں۔ اسوقت ستارہ کا حال نہ پوچھو آنکھوں سے زار زار آنسو جاری ہو گئے اور ایک ایک کرکے اس کی سابقہ مصیبتیں آنکھوں میں پھر گئیں بیتاب ہو کر نادر کے پاؤں پر گر پڑی۔ نادر نے اُٹھایا اور کہا کہ میں تمہاری محبت آزماتا تھا۔ اسپر ستارہ کی جان میں جان آئی۔

ایران کے راستہ میں افغانستان حائل ہے افغانوں کی بے نظیر شجاعت اور وفاداری سے نادر خوب واقف تھا اس کی خواہش تھی کہ یوسف زئی کو مطیع کرکے اپنی فوج میں بھرتی کرلے مگر آزادی کی محبت میں افغان جرگہ اہل عرب کے شاگرد رشید ہیں ان کی گردنوں میں طوق غلامی ڈالنا آسان کام نہ تھا۔ یوسف زئیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رات کی تاریکی میں نادر کا کام تمام کردو۔ چنانچہ آدھی رات کو کچھ آدمی دبے پاؤں نادر کے خیمہ کی طرف بڑھے۔ ستارہ کو اس رات گرمی کی شدت سے نیند نہ آئی تھی۔ خیمہ کے باہر کھڑی سُن سان تاروں بھری رات کی سیر کر رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ان رینگتے ہوئے آدمیوں پر پڑی جو نادر کا کام تمام کرنے کو آرہے تھے۔ نادر بڑا بیخبر سو رہا تھا۔ ستارہ مطلق ہراساں نہوئی چپکے سے جا نادر کو بیدار کر دیا۔ اسنے فوراً ہتیار سنبھالے اور ستارہ کو خیمہ کے عقب میں بھیجا کہ آغا باشی اور افسر دستہ کو خبردار کرے۔ نادر افسر دستہ کو لیکر اپنے قاتلوں سے مقابلہ آرا ہوا اور ستارہ خیمے کے در پر کھڑی نادر کے لیے ہول کھا رہی تھی کہ ایک شخص نے اسپر بھی حملہ کیا مگر یہ اُچک کر الگ ہٹ گئی اور اُسکا وار خطا ہوا۔ ستارہ نے اپنے استقلال اور ہمت سے نادر کی اور اپنی جان بچائی۔

ستارہ نادر کے ساتھ اس کی ہر مہم میں شریک رہی وہ ترکمانی اور ایرانی عورتوں کی طرح گھوڑے پر سفر کرتی تھی۔ نادر نے کچھ دن قیام کیا اسکے بعد بخارا کے امیر کو شکست دی

اور اس قدیم اسلامی سلطنت کو اپنی تیغ بید ریغ سے تاراج کر ڈالا تو خیوا کی فتح کا خیال آیا۔
نادر نے اپنے بیٹے رضا خاں کو ایک جری فوج کے ساتھ تسخیر خیوا کے لیے روانہ کیا۔
خان خیوا کا علاقہ نہایت ہی دشوار گزار تھا اور خان کی فوج نہایت جری تھی۔ ولیعہد نے خوب داد مردانگی دی۔ قزلباش سپاہیوں کو ولیعہد کی بے نظیر شجاعت کی وجہ سے بے حد محبت ہو گئی۔ مگر باوجود ولیعہد کی کوشش کے خان خیوا نے شکست دی۔ اسپر بجائے دلجوئی کرنے کے مغلوب الغضب نادر کو بہت غصہ آیا۔ شہزادہ واپس آیا تو نادر سخت کلامی سے پیش آیا اور طعن و تشنیع کرنے لگا۔

ولیعہد کا دل نادر کی اس بے قدری سے رنجیدہ ہو گیا اور اس میں اور زیادہ بدکلامی سننے کی برداشت نہ رہی۔ نادر اگرچہ بہت بڑا جنرل اور فاتح گزرا ہی مگر اسکو اپنے غصہ پر مطلق قابو نہ تھا اور یہی باعث اس کی سلطنت کی تباہی کا ہوا۔ معاندین نے اس نزاع کو اور بھڑکا دیا۔

الغرض رضا خاں خراب و خستہ فوج کو لیکر مشہد پہنچ گیا۔ نادر نے خان خیوا سے انتقام لیکر ایران کو مراجعت کی مشہد میں قیام کیا مگر یہاں ہی باپ بیٹے کے تعلقات مکدر رہے مشہد سے اپنے بھائی کی شکست کا انتقام لینے لغانیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا رستہ میں پھر اسپر ایک قاتلانہ حملہ ہوا۔ مرو کے علاقہ میں ستارہ اور نادر گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے نادر کی طرف گولی چلائی نادر بچ گیا مگر اسکا گھوڑا مر گیا۔ نادر گر پڑا ستارہ بھی اُسے بچانے کے لیے گھوڑے سے اُتر پڑی۔ اتنے میں محافظ دستہ آن پہنچا۔ مجرموں کی تلاش میں چاروں طرف سوار دوڑائے مگر اسوقت کسی طرح ہاتھ نہ آئے کچھ دنوں کے بعد مجرم گرفتار ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ مجرم رضا قلی خاں کے رسالہ کا ایک بہادر اور جاں نثار افغان تھا۔ نادر نے کسی جرم میں اس سوار کے بھائی کو موت کی سزا دی اسپر اس نے اپنے بھائی کی نادر سے سفارش کی نادر نے اسکو بھی جلا دے سپرد کیا مگر وہ پھر

اس کی خدمات اور بہادری کا نادر کو کچھ خیال آگیا اور اُس کی جان بخشی کر دی مگر رسالہ سے نکال دیا۔
یہ سوار رضا قلی خاں کے پاس مشہد میں گیا اور ملازمت کی درخواست کی باپ کا معتوب تھا
رضا قلی خاں نے ملازمت دینے سے انکار کیا مگر اس کی سابقہ خدمات کے صلے میں کچھ انعام
دیکر رخصت کیا۔ وہ رضا قلی خاں سے انعام لیکر رنجیدہ خاطر رخصت ہوا۔ اپنے بھائی کے
قتل کی وجہ سے نادر سے اُسکے دل میں عداوت پیدا ہو گئی تھی اور اسی لیے اسپر قاتلانہ
حملہ کیا تھا۔

نادر جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہی نہایت مغلوب الغضب آدمی تھا۔ ایرانی گروہ کو نہایت
حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور علانیہ اُن کی تذلیل کرتا تھا۔ نادر کی ایک ایرانی بیوی تھی اسکو محل
میں شیرازی کہتے تھے۔ یہ عورت ستارہ کی عزت سے رشک کرتی تھی اور ایرانیوں کی
تحقیر سنے ملکر اسکو نادر کا جانی دشمن بنا دیا تھا۔ چنانچہ اسنے اپنے بھائی علی اکبر سے کہا کہ اسوقت
باپ اور بیٹوں میں نفاق کرا دو۔ اس سے نادر کی خود بربادی ہو جائیگی۔ چنانچہ علی اکبر نے کہ
جو نادر کا شیرمال تھا مجرم کو یہ پٹی پڑھوائی کہ بادشاہ سے کہدیجو کہ میں نے رضا قلی کے کہنے سے
حملہ کیا۔

ایک تو نادر بیٹے سے بدظن تھا ہی دوسرے اس واقعہ سے اسکو کامل یقین آگیا کہ یہ
کارروائی رضا قلی کی ہی۔ بیٹے کو قید کر دیا اور غصہ کے مارے بیتاب ہو گیا حکیم علوی اور آغا باشی
نے لاکھ سمجھایا کہ شہزادہ بیقصور ہی مگر اس ظالم کو ہرگز یقین نہ آیا، رضا قلی خانکی ماں بڑھیا ہو گئی
تھی اور نادر کی خونخوار طبیعت سے خوب واقف تھی ستارہ کے پاؤں پر گر پڑی اور کہا کہ
میرے بیٹے کے لیے معافی طلب کرو۔

ستارہ خوب جانتی تھی کہ رضا قلی بیگناہ ہی اور یہ سازش شیرازی اور اُسکے بھائی
کی ہی۔ دوسرے اس کی ماں کی منت سماجت دیکھکر اس میں انکار کی طاقت نہ رہی۔ نادر سے
سفارش کرنے کا قصد کیا آغا باشی نے سمجھایا مگر اُسنے نہ مانا اور دیوان خانہ میں جا پہنچی اسوقت

نادر کے موںھ سے جھاگ جاری تھی اور جوش غضب سے کانپ رہا تھا ستارہ آتے ہی پاؤں میں گر پڑی اور رضاقلیخاں کے لیے معافی کی استدعا کرنے لگی اسپر نادر نے اس زور سے تھپڑ اُٹھا کر مارا کہ ستارہ بالکل بیہوش ہوکر گر پڑی۔

آغا باشی نے اسکو بالکل مُردہ تصور کیا تھا مگر حکیم علوی نے نبض دیکھی تو کچھ کچھ سانس باقی تھا۔ نادر نے اس کی کچھ پروانہ کی اور رضاقلی خاں کی آنکھیں نکلوانے کا حکم دیدیا۔

حکیم علوی ستارہ کو اپنے گھر لے آیا اور اسکا ہر طرح کا علاج اور معالجہ کیا آغا باشی نے ستارہ کی جان کے خوف سے نادر سے کہدیا کہ وہ مرگئی اسپر نادر نے بجای افسوس کرنیکے کہا کہ وہ موت ہی کے لایق تھی۔ شیرازی کے گھر میں گھی کے چراغ جل گئے سچ ہے ع

دو ہندو درآید ز ہندوستاں   یکے دزد باشد یکے پاسباں

ستارہ کو کچھ کچھ ہوش ہوا تو اسکے موںھ پر رضاقلی خاں کی سفارش کے الفاظ جاری تھے حکیم علوی نے ستارہ کا علاج کیا مگر ستارہ کو ہوش آتے ہی نادر کی چینی لگی وہ کہتی تھی کہ اُسنے مجھے قتل کرنے کے ارادہ سے نہیں مارا مجھے اسکے پاس بھیجدو۔ نادر کوہ قاف کی مہم پر روانہ ہوگیا تھا۔ اس نے اس اثنا میں ایک لفظ ہی ایسا نہیں کہا جس سے ہمدردی یا افسوس ظاہر ہوتا۔ حکیم علوی نے ستارہ کو ایک آرمینین عورت کے سپرد کیا اور ستارہ کو اسکے جواہرات کا صندوقچہ دیدیا۔ اس عورت نے ستارہ کی خوب خاطر مدارات کی۔ اسکا میاں نادر کی فوج کا ٹھیکہ دار تھا۔

ستارہ اس ارمنی عورت کے ہاں تین سال رہی۔ یہ تین سال اسنے بڑی مصیبت اور تکلیف میں بسر کیے۔ کہاں تو وہ ایک بڑی بااقبال ملکہ تھی۔ کہاں گردش روزگار سے دیہات میں اس بے بسی کی حالت میں رہنا پڑا۔ مگر ستارہ کو سب سے بڑھکر نادر کی مفارقت اور اس کی دن بدن کی تباہی کا صدمہ تھا۔ نادر کے بے درد کے تین آدمی رفیق تھے ایک حکیم علوی۔ دوسرے آغا باشی۔ تیسرے احمد خاں افغان۔ حکیم علوی سے رضاقلیخاں کے بارہ میں بگاڑ ہوگیا۔ آغا باشی

جان کے ڈر سے خاموش ہوگیا۔ احمد خاں نوجوان فوجی افسر تھا،
غرض اب نادر کا کوئی مونس اور مددگار نہ رہا کہ اسکو اُس کی سفاکیوں سے باز رکھتا۔ بیٹے
کی بیگناہی اور ستارہ کی حقیقی محبت کا اسکو یقین ہوگیا اور اس سے اُسکے دل پر ایسا صدمہ
ہوا کہ رات کی نیند اور دن کی بھوک اڑ گئی۔ قاف میں ناکام رہا۔ ترکوں نے سرحد پر قدم بڑھانے
شروع کیے ملک میں بغاوتوں کی چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ ان سب وجوہات نے ملکر اسکو بالکل
وحشی اور مخبوط الحواس کر دیا۔
ستارہ میں اب درمفارقت اور نادر کی بربادی دیکھنے کی تاب نہ رہی اور اسنے نادر سے
ملنے اور اسکو تباہی سے بچانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ارمنی عورت کے خاوند کو لیکر مشہد روانہ
ہوئی اور اس ارمنی قصبہ کا فاصلہ چھ سو کوس کا تھا گھوڑے پر سوار ہوکر مشہد پہنچی وہاں بادشاہ
کی آمد کی خبر تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اخیر اللہ اللہ کر کے نادر شہر میں آیا۔ ارمنی ٹھیکیدار نے ستارہ
کو نادر کے پاس پہنچانے کا بندوبست کیا اور ایک دن دیوان خانہ میں ستارہ کو لیگیا اور بادشاہ کو
اطلاع کرائی کہ ایک عورت بادشاہ سے ملنا چاہتی ہے۔ ستارہ نے نادر کے پاس پہنچتے ہی
نقاب ہٹا لی۔
نادر بڑے شوق سے ملا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ ستارہ بادشاہ کو
محل میں لائی اور اپنی سرگزشت سنائی اور نادر کی کہانی سُنی۔ اسکو ملک کی عام رائے سے مطلع کیا
اسوقت ان میاں بیوی کے شوق اور خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ نادر کو صدمہ تھا کہ میں نے اپنی
چاہنے والے کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا گو وہ کبھی موںھ پر نہ لاتا تھا مگر دل میں ہمیشہ کڑھتا تھا
اب زندہ سلامت پایا تو گویا نئے سرے سے جان میں جان آگئی۔ ستارہ بھی تین برس کی
مصیبت کے بعد نادر سے ملکر اور اُس میں پہلے ہی سی محبت دیکھکر باغ باغ ہوگئی۔
نادر نے کہا کہ میں ان لوگوں کو قتل کر دونگا جنھوں نے مجھے آجتک دہوکے میں رکھا
مگر ستارہ نے کہا کہ اس خوشی کے دن کو خونریزی سے مکدر نہ کرو۔ چنانچہ آج نادر نے کسی مجرم

تک کو سزائے موت نہ دی۔

درباری جو رات دن نادر سے ہراس میں رہتے تھے آج اُسکو بشاش دیکھکر بہت خوش ہوئے مگر شیرازی اور اُسکے بھائی کو بہت صدمہ ہوا۔ اسوقت نادر شاہ نے اپنے بھتیجے کو تسخیر افغانستان کے لیے روانہ کیا تھا مگر نادر کی سفاکیوں سے بیزار ہو کر اُسنے انحراف کیا۔ علی اکبر اور سرداران عجم اس سے سازش رکھتے تھے۔

اب جو نادر کی حالت درست ہونے لگی تو انہیں اپنی پڑی۔ نادر مشہد سے پھر کردوں کی خبر لینے کو روانہ ہوا۔ اور افغانی سردار کو اپنے ہاتھ سے فوجی سرداروں کے نام انکے فوجی دستوں کی جائے قیام کا نقشہ لکھکر دیا۔ یہ نقشے اتفاق سے علی اکبر کے ہاتھ پڑ گئے۔ اُسنے یہ کاغذ افسران فوج کو دکھایا اور کہا بادشاہ کا ارادہ ہے کہ افغانی فوج بے خبری میں قزلباش سپاہیوں اور افسروں کا خاتمہ کردے۔ علی اکبر بادشاہ کا معتمد اور مشیر تھا لوگوں کو اسپر یقین آگیا۔ اس نقشہ کو دیکھکر بادشاہ کے دوست بھی دشمن بنگئے۔ چنانچہ چند سرداروں نے رات کو نادر کا فیصلہ کرنے کا عہد کرلیا۔ نادر تھکا ہارا ستارہ کے خیمہ میں آیا۔ اس رات نادر بہت بے چین رہا اس کی آنکھ کئی بار ڈراونے خوابوں سے کھُل گئی مگر ستارہ نے تسکین دلا کر سُلا دیا جب آدھی رات گزری تو نادر کے قاتل ننگی تلواریں لیے خیمہ میں گھُس آئے ستارہ نے نادر کو بیدار کیا اُسنے اپنا تبر سنبھالا ستارہ نے سینے سے خنجر نکالا اور دونوں میاں بیوی اپنے قاتلوں سے خوب لڑے مگر آخر کار قاتلوں نے انہیں مغلوب کرلیا اور دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔

اس وفادار راجپوت عورت نے نہایت بہادری اور وفاداری سے لڑتے ہوئے اپنے خاوند کے ساتھ جان دیدی۔

ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے ۔۔۔ دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

خاکسار
محمد فضل امین

جوگن

ہم اپنے دوست محمد احتشام الدین صاحب بی اے کی اس تازہ نظم کو جو انہوں نے خاص خاتون کے لیے لکھی ہے شائع کرتے ہیں۔ جوگن کا احوال بلکہ خود جوگن بجاے خود ایک معمّا اور پہیلی ہے جسکا حل کرنا علی الخصوص ناظرات خاتون کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ ہوگا۔ جوگن کون ہے، کس دیس سے آئی ہے، وہاں کا راجہ کون ہے، اور اُسکی نورانی اور کالی دونوں آنکھیں کیا ہیں، اندھیر نگر اور جگمگ نگری سے کیا مراد ہوسکتی ہے، پنچھی ہے سے کیا مراد لیجا سکتی ہے سات کرو ڑ گھر، نومن کا جل، علم کا دریا اور بید وغیرہ ان سب معموں کا صحیح حل جو خاتون تحریر کرینگی ہم اُسکو رسالہ خاتون میں شائع کرینگے۔

اڈیٹر

ہے انگ بھبوت ملے پیاری، اور جوگیا بر میں ہی ساری
اس دیس ہوا، یوں دل بھاری کس دیس سے آنا اجوگن

کیوں سب سے مونھ کو موڑ لیا، کیوں رشتۂ الفت توڑ لیا
کیوں جوگ یہ دنیا چھوڑ لیا، کیا دیکھا زمانہ اے جوگن

کس پی کے دوارے رہتی تھیں، کیا رنج والم وہاں سہتی تھیں
کیا ساس نَنَند کچھ کہتی تھیں، ہے کون گھرانا اے جوگن

کس راجہ جی کی رانی ہو، کیوں جنگل جنگل چھانی ہو
کیا مَن میں اپنے ٹھانی ہو، کس دیس ہے جانا اے جوگن

دن عیش کے تھے آرام نہیں، کہ صبح جہاں وہاں شام نہیں

دُکھ درد سوا، کچھ کام نہیں یا غم کا ترانا اے جوگن
کیوں موت سے پہلے مرتی ہو کس کارن بپتا بھرتی ہو
کیا دل کا کہنا کرتی ہو، ہے دل تو دِوانا اے جوگن!
کیوں پیارا کاجل دہوتی ہیں کس غم میں انکھیاں روتی ہیں
کیوں دم دم گرتے موتی ہیں کیا کھویا خزانا اے جوگن
جنگل کی ہوا کیوں بھائی ہی کو کس کی دل سے لگائی ہی
کیوں خاک پہ دہونی رمائی ہی چھوڑا اوڑہنا کھانا اے جوگن
کیوں بستی سی من بھایا ہی کیوں جگ سے ہاتھ اٹھایا ہی
کیا پی کا پتہ کچھ پایا ہی؟ ہم کو بھی بتانا اے جوگن!
کیوں سونا روپا خاک ہوا، دل دنیا سے غمناک ہوا
کس غم میں یہ کرتا چاک ہوا کہہ اپنا فسانا اے جوگن
سُن جوگن کچھ شرماتی ہی کچھ اُسکو حیا سی آتی ہے
پھر بین پہ ہاتھ بڑہاتی ہی یُوں حمد خدا کی گاتی ہے
تعریف خدا کو ہی ساری کُل دنیا جسنے بنائی ہی
بن پاکھے اور دیوار اُدہر یہ نیلی منڈہیا چھائی ہی
کیا سورج چندر تاروں کا یہ اندر جال بچھایا ہے
کُل کیسی سب کی مروڑی ہی یہ عقل جہاں چکرائی ہی
الغاروں بادل بھیجے ہیں اور پربت مینھ برسایا ہے

کیا ناز کرشمہ کرتی اُتری وہاں سے گنگا مائی ہے

پتی پھول پھلی سب نیارے اَچرج اُسکے کام ہیں سارے
من کی آنکھیں کھول کے پیارے دیکھ تو کیا چترائی ہے

لو ! ندی نالے رِیتے ہیں، کیا گرمی نے جگ جیتے ہیں
موںھ کھولے شیر اور چیتے ہیں کیا موروں بیچ دُہائی ہے

تن کے رُوکھ کھڑے ہیں سوکھے چھوڑ گئے سب پتے روکھے
تپتی بھوبل جھوکے لُو کے بن میں آگ لگائی ہے

لو اب چھینٹے دو ایک ڈیر پڑے ہیں پتے اوڑھے پیڑ کھڑے ہیں
اور بادل جیسے شیر لڑے ہیں برکھا کی رُت آئی ہے

پھر ندی نالے بہتے ہیں کچھ اپنی صدا ہیں کہتے ہیں
ہم اونچے پہاڑوں رہتے ہیں تقدیر بہا کر لائی ہے

لو اب چلتے پانی جم کر ٹھیرے، اوترے سانپ بلوں میں گہرے
برکھا رُت کے بدلے پہرے جاڑوں کی بن آئی ہے

لمبی راتیں دن ہیں چھوٹے روئی میں دبکے چھوٹے موٹے
بجتے بجتے دانت ہیں کھوٹے گھر میں برف جمائی ہے

جہاں داری اُسکی قدرت کے دن رات تماشے ہوتے ہیں!
کچھ آنکھیں موندے دیکھتے ہیں کچھ دیدے کھولے سوتے ہیں!

کچھ حال نہ پوچھو جوگن کا ایک درد بھرا افسانا ہے
جس دیس میں وہ دن بھرتی ہے اُس دیس کا راجہ کانا ہے
دو آنکھ نہیں جو دیکھے وہ دو آنکھ سے اپنی خلقت کو
اس بات سے پر یہ مت سمجھو انصاف کرے اور دانا ہے
گو ظاہر دونوں آنکھیں ہیں دو نیبو کی سی پھانکیں ہیں
ایک نور کی مانند چمکے ہے ایک جیسے کا جل خانا ہے
اُس راجہ کی یہ رانی ہے اس آگ میں جنگل چھانی ہے
اس لاج سے پانی پانی ہے ایک آنکھ سے بالم کانا ہے
اس طعن سے جلتی چھاتی ہے اس دہن میں خاک اُڑاتی ہے
اُندھیر نگر سے آتی ہے اور جگمگ نگری جانا ہے
وہاں لچھمی جی کے محلوں پر دن رات دوالی ہوتی ہے
تقدیر اگر کچھ ساتھ کرے تو سہل مرادیں پانا ہے
دن کھوٹے ہیں ورنہ جوگن کے اور ساری جوانی خاک ہوئی
مٹی اوڑھنا مٹی بچھونا مٹی کا سرہانا ہے
ہر چوکھٹ بین بجائیگی کل رام کہانی گائے گی
گھر سات کروڑ یہ جائے گی کہ نو من کا جل لانا ہے
ایک علم کا دریا بہتا ہے، وہاں بید کنارے رہتا ہے
کل عالم اُسکو کہتا ہے ہمدرد بڑا اور سیانا ہے

سب دنیا چھوڑے جوگ رمائے نومن کاجل مانگ کے لائے
دُکھ کی دارو رانی پائے بید کا یہ فرمانا ہے
جب نومن کاجل پالے گا تب کانی آنکھ اُجالے گا
تو بوجھ کے مورکھ کیا لیگا! یہ جوگن کا افسانہ ہے!!

محمد احتشام الدین دہلوی

کرشمۂ فطرت

ہمارے دوست سید صغیر علی صاحب جنکا یہ پہلا مضمون خاتون میں درج کیا جاتا ہی علیگڈہ کالج کے ایک ممتاز گراجویٹ ہیں۔ اُنھوں نے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں اور نیز مستورات کے فائدہ کے لیے جن میں سے اکثر ان باتوں سے ناواقف ہوتی ہیں یہ مضمون ہمکو عنایت کیا ہے جس میں روزمرہ کی پیش نظر چیزوں کی کیفیت بیان کی ہی۔ مثلاً ہوا کا چلنا، آندہی کا آنا، بادل مینھ، شبنم، وغیرہ کے اسباب نہایت سلیس طور پر سمجھائے گئے ہیں تاکہ ایک بچہ بھی اُسکو آسانی سے سمجھ جائے۔ ہمارے دوست نے یہ بھی وعدہ کیا ہی کہ وہ آیندہ اس مفید مضمون کے سلسلہ کو جاری رکھینگے۔ جسکے لیے خاص طور پر ہم انکے مشکور ہیں۔

اڈیٹر

میں اُن چند ضروری باتوں کی بابت کچھ لکھنا چاہتا ہوں جنکو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں، مگر اُنکے اسباب یا تو سرے سے ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتے۔ یا بعض حالتوں میں سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ یا وہی اسباب دل میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں جو غیر تعلیم یافتہ ماؤں اور جاہل مطلق دایاؤں نے بچپن میں کان میں ڈال دیے تھے۔ اس لیے گھروں میں بیٹھنے والی خاتونیں اور

چھوٹے بچے ہی ان اسباب سے ناواقف نہیں ہوتے، بلکہ خاصے پڑھے لکھے باہر کے پھرنے والے مرد بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔ کسی تعلیم یافتہ قوم کا ایک ایک بچہ ہمارے ہاں کے سن رسیدہ بزرگوں کو حیرت میں ڈال سکتا ہے۔ اور اصل میں دیکھیے تو وہ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک پانچ چھ برس کا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔

سائنس و مذہب

اس کمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معلوم نہیں کن بزرگوں کی مہربانی سے مسلمانوں میں یہ خیال عام طور سے پھیل گیا تھا۔ کہ سائنس (علم طبعی) مذہب کے خلاف ہے اور اس سے آدمی کافر اور بے ایمان ہوجاتا ہے اس لیے اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سخت گناہ ہے۔ اور جس سے بغیر عذاب دوزخ کے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ خدا جانے ان لوگوں نے سائنس کے کیا معنی لیے ہیں، اور اسکو ہوّا کیوں سمجھ رکھا ہے۔ سائنس کے تو اصلی معنی علم کے ہیں۔ خصوصاً اس علم کے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی کچھ واقفیت ہوجائے۔ اس واقفیت سے خدا کی عظمت و شان کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا ایک عجیب حکمت والا ہے دنیا کی چیزوں پر غور کرنے کا ذکر خود قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ ہم نے دنیا کی چیزوں کو تمہارے قبضے میں کر دیا ہے۔

علم خدا کے جاننے کا ذریعہ ہے

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں۔ تو پھر کیا معنی ہوئے، مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے قانون مقرر کر دیے ہیں جنکے موافق تمام چیزیں ہمیشہ عمل کرتی ہیں۔ اور وہ قانون انسانی زندگی کے لیے ایسے ضروری ہیں کہ انکے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ تو گویا یہ تمام چیزیں انسان ہی کے لیے ہوئیں اور جب خاص انسانی زندگی کے لیے پیدا کی گئی ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان کے تابع فرمان ہیں۔ اب اگر ان قانونوں پر غور نہ کیا جائے اور یہ نہ معلوم کیا جائے کہ کس حکمت سے وہ قانون ہماری زندگی کے لیے بنائے گئے ہیں تو خدا کے ایک بہت بڑے احسان اور اپنی زندگی کے ایک بہت بڑے جزو سے ہم بے خبر رہجائیں گے۔ سچ ہے کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ یعنی بے علم آدمی خدا

کو نہیں پہچان سکتا۔ اب میں ان میں سے چند چیزوں کو لیتا ہوں، اور سب سے پہلے ہوا کو لیتا ہوں جو انسان اور حیوان کے لیے ایسی ضروری ہی کہ اگر چند لمحے نہ ملے تو جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔

ہوا کی نسبت بچپن کا گمان

ہوا کی عام خاصیتیں تو اکثر لوگوں کو معلوم ہیں مگر یہ ذرا کم لوگ جانتے ہیں کہ ہوا چلتی کیونکر ہی۔ بچپن میں جب پتنگ اڑانے کا شوق تھا اور ہوا کی تیزی کے سبب اڑانے کا موقع نہ ملتا تو یہ سوچا کرتا تھا کہ ہوا درختوں کے سبب چلا کرتی ہی۔ اگر آس پاس کے تمام درخت کٹوا دیے جائیں تو کیسا اچھا ہو پھر تو ہوا چلیگی نہیں اور ہر وقت پتنگ اڑانے کا موقع ملجایا کرے گا۔ بعض پرانے خیالات کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہوا پہاڑ کے ایک کھو میں بند رہتی ہی۔ جسوقت اللہ میاں کو ہوا چلانی منظور ہوتی ہی تو ایک فرشتے کو حکم دیتا ہی۔ وہ جا کر اس کھو کا موںھ کھول دیتا ہی۔ تو دنیا میں آندھی چلنے لگتی ہی اور جسوقت بند کرنے کا حکم ہوتا ہی فوراً بند کر دیتا ہی اور ہوا رک جاتی ہی۔ غرض اسی طرح کے بہت سے خیالات لوگوں میں مروج تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اثر اب بھی کچھ نہ کچھ پایا جاتا ہی۔

ہوا کا چلنا

ہوا کے چلنے کا سبب ایک نہایت آسان طریقہ سے سمجھ میں آجائیگا۔ ایک دیگچی میں تھوڑا سا پانی بھر کر چولھے پر رکھدو۔ کچھ دیر رکھا رہنے کے بعد پانی دیگچی میں بالکل ٹھہر جائیگا اب اسکے نیچے آگ جلادو۔ پانی میں حرکت شروع ہوگی اور یہ حرکت اور زیادہ ہی ہوتی جائیگی نیچے کا پانی اوپر اور اوپر کا نیچے ہوتا ہوا نظر آئیگا۔ اور پانی ابل کر یعنی پھیلکر تمام دیگچی میں بھر جائیگا یہ بھی دیکھنے میں آئیگا کہ پہلے نیچے کا پانی گرم ہو کر اوپر چڑھتا ہوا معلوم ہوگا اور اوپر کا پانی نیچے کی طرف آجائیگا۔ وہ بھی گرم ہو کر اوپر کی طرف جائیگا۔ معلوم ہوا کہ گرم ہو کر پانی اوپر چڑھتا ہی اور اوپر کا پانی جو کم گرم ہی نیچے آجاتا ہی۔ اور یہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز سے کم اوپر نہیں جاسکتی اور نہ وہاں ٹھہر سکتی ہی جب تک کہ پہلی چیز دوسری چیز سے ہلکی نہو۔ چنانچہ ایک لکڑی کا ٹکڑا پانی پر تیرتا رہتا ہے اور اگر اسکو پانی کی سطح سے نیچے بھی چھوڑا جائے تب بھی

وہ اوپر ہی آجائیگا۔ برخلاف اسکے پتھر کا ٹکڑا ہمیشہ ڈوب جائیگا۔ وجہ یہ ہی کہ لکڑی پانی سے ہلکی ہی اور پتھر بھاری ہی۔ اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ گرمی سے پانی پھیلتا ہی دوسرے پھیل جانے کے باعث ہلکا ہوجاتا ہی۔ تیسرے ہلکا ہونے کے سبب اوپر چڑھتا ہی۔ پانی میں جو دیگچی کے اندر آگ پر رکھا ہوا ہی یہ تلاطم کیوں ہوا اور یہ حرکت کیوں پیدا ہوئی۔ صرف آگ کی وجہ سے۔ بعینہٖ یہی حال ہوا کا ہی۔

بعض جگہ سورج کی گرمی زیادہ ہوتی ہی اور بعض جگہ کم۔ جہاں کہیں زیادہ ہوتی ہی وہاں کی زمین گرم ہوجاتی ہی اور اسکے آس پاس کی ہوا بھی اسکے ساتھ گرم ہوتی ہی۔ ہوا جب گرم ہوئی تو پھیلے گی۔ اور جب پھیلے گی تو ہلکی ہوجائے گی اور جب ہلکی ہوگی تو اوپر کی طرف چڑھیگی۔ جسوقت نیچے کی ہوا اوپر جائیگی تو اوپر کی ہوا جو کم گرم ہی اور نیچے کی ہوا کی نسبت زیادہ بھاری ہی۔ نیچے آجائیگی۔ یہی اُلٹ پھیر ہوتا رہتا ہی۔ یہانتک کہ اس حصہ ملک کی ہوا تمام گرم ہوجاتی ہی۔ وہ ہوا اور اوپر چڑھتی ہی تو آس پاس کے حصوں سے ہوا اس پہلے حصہ میں آنی شروع ہوتی ہی۔ اور پہلے حصہ کی ہوا اور حصوں میں چلی جاتی ہی اس طرح سے ہوا میں حرکت پیدا ہوجاتی ہی۔ اسی کو ہوا کا چلنا کہتے ہیں۔

آندہی جب گرمی بہت زیادہ پڑتی ہی۔ تو ہوا کی حرکت بھی بہت تیز ہوتی ہی اسکو آندہی کہتے ہیں۔ گرمیوں میں آندہی کے ساتھ ریت بھی ہوتی ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ہوا کسی ایسے حصے سے آئی ہی جو بہت ریتلا ہی۔ ہندوستان میں ریتلا حصہ کونسا ہی وہ راجپوتانہ۔ بیکانیر اور مارواڑ ہی۔ وہاں پانی کم ہونے کی وجہ سے گرمی زیادہ پڑتی ہی اسلیے پہلے ہوا کا چلنا وہیں سے شروع ہوتا ہی کیونکہ وہیں کی ہوا بہت گرم ہوگی اور وہ اوپر چڑھیگی اور پھر اور حصوں میں پھیل جائیگی۔ اس سے ہماری طرف آندہی آتی ہی۔

آندہی کا فائدہ آندہی سے اگرچہ تکلیف تو ہوتی ہی۔ مگر یہ بھی خالی از فائدہ نہیں۔ چیزوں کے گلنے سڑنے سے ہوا خراب ہوجاتی ہی اُسکو آندہی اُڑا کر لیجاتی ہے۔ اور غلیظ ہوا کے

بجائے صاف ہوا چھوڑ جاتی ہی۔ آندہی کے بعد ہوا نہایت ہلکی اور خوشگوار ہوجاتی ہی۔

ابر اور بادل — پہلے کی طرح پھر ایک دیگچی میں پانی بھر کر چولھے پر رکھو۔ اور نیچے آگ جلاؤ۔ جب پانی خوب گرم ہوجائے تو چینی ڈھک دو۔ تھوڑی دیر میں چینی پلٹ کر دیکھو تو اسپر پانی کی بوندیں نظر آئیں گی۔ دیگچی کا پانی تو چینی تک آیا نہیں ہی صرف بھاپ اُٹھ اُٹھ کر چینی تک آتی رہی ہی۔ اور یہی بھاپ چینی سے چھوکر اسپر بوندیں بنگئی ہی۔ اسکا سبب یہ ہی کہ وہ بھاپ اصل میں پانی ہی ہوتی ہی۔ آگ کی گرمی کے سبب اس کی صورت بدل جاتی ہی۔ اور جب وہ بھاپ اپنے سے کم گرم چیز سے ٹکراتی ہی تو پھر پانی کی صورت میں آجاتی ہی۔

سورج کی گرمی سے زمین اور سمندر دونوں جگھوں کی ہوا گرم ہوجاتی ہی۔ سمندر کا پانی بھی گرمی کی وجہ سے بھاپ بنکر ہوا میں ملتا رہتا ہی۔ مگر مٹی پانی کی نسبت زیادہ اور جلد گرم ہوجاتی ہی اس لیے پہلے زمین کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑہتی ہی۔ اس کی جگھہ لینے کو سمندر کے بخارات سے بھری ہوئی ہوا آجاتی ہی۔ جب سمندر کی ہوا کی جگھ خالی ہوئی۔ تو زمین کی ہوا جو اوپر چڑھ چکی ہی۔ وہاں چلی جاتی ہی۔ زمین کی ہوا گرم ہو ہوکر اوپر چڑہتی رہتی ہے۔ اور سمندر سے ہوا اس کی جگھ آتی رہتی ہی۔ زمین کی ہوا اوپر چڑھکر سمندر کی طرف چلی جاتی ہی

مون سون — غرض یہی ہوتا رہتا ہی کہ زمین کی خشک ہوا سمندر کی طرف جاتی ہی اور سمندر کے بخارات سے لبریز ہوا زمین کی طرف آجاتی ہی۔ اسی ہوا کا نام مون سون یعنی بارش کی ہوا ہے۔ یہ ہوا بھی گرمی کی وجہ سے اوپر چڑہتی رہتی ہی۔

جب اوپر چڑہتے چڑہتے ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہی جہاں ذرا زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے تو اس ہوا کے بخارات پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں۔ اول اول نہایت چھوٹے چھوٹے قطرے ہوتے ہیں اور آسمان پر دہوئیں کی سی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی کا نام بادل ہی۔ بچپن میں سُنا کرتے تھے کہ بادل سمندر سے پانی بیکر آیا کرتے ہیں۔ اور بعض بزرگ جو حج کر آتے تھے اور سمندر اور اُسکے عجائبات کا حال فخریہ بیان کرتے تھے

وہ اور عجائبات کے علاوہ یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے بادلوں کو سمندر میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہی۔ ہمیں بھی بڑا شوق ہوتا تھا کہ کسی طرح بادلوں کو پانی پیتے ہوئے دیکھیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ اُن کو دیکھنے کے لیے اگر یہ سفر اختیار کرتے تو نہایت ہی مایوسی ہوتی۔

بادلوں کا سمندر سے پانی نکالنا

غالباً ان بزرگوں نے سمندر کی سطح سے اوپر تک بخارات کا سلسلہ دیکھا ہوگا۔ اور سمجھے ہونگے کہ بادل بمبئی تک اُنکے ساتھ ساتھ آئے ہیں اور سمندر میں سے پانی پیکر واپس چلے جائینگے۔ اگر کسی تعلیم یافتہ قوم کا کوئی شخص یہ سُنے تو ہنسی کے مارے پھڑک جائے مگر خیر اب تو نہ وہ حج کے لیے مہینوں کا سفر ہی اور نہ بادلوں کو صرف بمبئی کے راستے سمندر میں سے پانی پینے کے لیے آنے کی ضرورت۔ کبھی بادل سمندر سے بمبئی اور کراچی کے راستے اور کبھی مدراس وکلکتہ کے راستے ہندوستان میں آکر خود پانی پینے کے بجائے اور جانداروں کی پیاس بُجھا دیتے ہیں۔ دہوئیں کی صورت میں جو ننھے ننھے پانی کے قطرے ہوتے ہیں اور جنکو ہم بادل کہتے ہیں وہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ہوا اُن کو سہارے رہتی ہی اور ادہر اُدہر لیے پھرتی ہی مگر جب ہوا کے سبب ایک دوسرے سے ملتے جُلتے ہیں تو بڑے بڑے اور بھاری ہوجاتے ہیں۔ اسوقت ہوا اُن کو نہیں سہار سکتی اور وہ نیچے گرنے لگتے ہیں۔ اسی کا نام مینھ ہی۔ جسوقت بادلوں کا پانی زمین کی طرف گرنے لگتا ہی تو بہت بڑے بڑے ٹکڑوں کی صورت میں ہوتا ہی۔ مگر وہاں سے زمین تک آتے آتے ہوا سے ٹکرانے کی وجہ سے اُن ٹکڑوں کے کونے الگ ہوتے رہتے ہیں اور زمین پر چھوٹے اور گول صورت کے ہوکر گرتے ہیں۔ بارش بھی آندھی کی طرح ہوا کی غلاظت کو صاف کرتی ہی۔ اسکا پانی صاف اور ہلکا ہونے کی وجہ سے صحت کے لیے مفید ہی۔

یہ سبب جو اوپر بیان ہوا۔ اُس بارش کا ہی جو گرمی کے بعد ہوتی ہی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ سردی کے موسم میں تو گرمی ہوتی نہیں جس سے بخارات بنیں تو پھر سردی میں بارش کیونکر ہوتی ہی۔ اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہوں۔

ہوا میں ہر وقت بخارات موجود رہتے ہیں

شیشے کے گلاس میں برف بھر کر رکھو۔ تھوڑی دیر میں گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نظر آئیں گے۔ گلاس میں سوراخ تو ہیں ہی نہیں اسلیے اندر کی طرف سے تو باہر پانی آنہیں سکتا۔ کہیں اور سے ہی آیا ہوگا، اس کی وجہ یہ ہی کہ ہوا میں ہر وقت کچھ نہ کچھ پانی کے بخارات موجود رہتے ہیں۔ وہ ہوا جب ٹھنڈے گلاس سے چھو جاتی ہے تو اس میں جو بخارات ہیں وہ سردی پاکر پھر پانی کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اسی اصول کے موافق سردی کے موسم میں ہی بارش ہوتی ہی۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ زمین سمندر کی نسبت جلد اور زیادہ گرم ہو جاتی ہی مگر قاعدہ ہی کہ جو چیز جلد گرم ہوتی ہی وہ جلد سرد بھی ہو جاتی ہی۔ اسلیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سمندر میں زمین کی نسبت گرمی دیر تک رہتی ہی۔ سردی کے موسم میں بھی آفتاب کی گرمی سے زمین و سمندر دونوں جگہ کچھ نہ کچھ گرم ہو جاتی ہیں۔ مگر رات کیوقت وہ گرمی زمین سے جلد نکلجاتی ہی اور سمندر میں قائم رہتی ہی۔ اس لیے پہلے سمندر کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑھیگی۔ اور زمین کی ہوا سمندر کی طرف جائیگی۔ اس کی جگہ سمندر کی وہ اوپر چڑھی ہوئی

مہاوٹ

ہوا جس میں پانی کے بخارات شامل ہیں زمین کی طرف آئیگی۔ اور پھر پہلے کی طرح اوپر جاکر بخارات پانی کی صورت میں تبدیل ہو جائینگے۔ اسی طرح ابر و بادل بنیں گے اور اسی اصول کے موافق بارش ہوگی۔ مگر چونکہ سردی کے موسم میں حرارت کم ہوتی ہی۔ اسلیے بخارات کم بنتے ہیں اور برسات بھی بارش کی نسبت کم ہوتی ہی۔

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سردی کے موسم میں گرج۔ چمک زیادہ ہوتی ہی۔ اسکا سبب آیندہ پرچے میں لکھوں گا۔

بادل کی بلندی

بادل زمین سے کچھ بہت زیادہ بلندی پر نہیں بنتے ہیں۔ حد سے حد ڈیڑھ میل اونچے ہوتے ہیں۔ بعض وقت تو آدھ میل کے قریب ہی ہوتے ہیں۔ شملے اور اور پہاڑوں پر اکثر مکانوں کی بلندی سے بھی کم اونچے ہوتے ہیں۔ بعض وقت ہوا کے ساتھ مکان کے اندر آجاتے ہیں۔ اُسوقت مکان میں ایک دھواں سا بھر جاتا ہی۔ جس چیز سے وہ چھو جاتے ہیں اُسپر پانی کے

قطرے نظر آنے لگتے ہیں۔

شبنم آفتاب کی گرمی سے دن کے وقت دریاؤں۔ ندی۔ نالوں کا پانی بخارات بن کر اڑتا رہتا ہی۔ اس میں سے کچھ بخارات تو ادہر اُدہر پھیل جاتے ہیں اور کچھ زمین کے قریب کی ہوا میں ملے ہوئے رہجاتے ہیں۔ یہ بخارات ہوا کے ساتھ رات کے وقت جب کسی سرد چیز سے ملتے ہیں تو پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں۔ جس طرح کہ گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نمودار ہوجاتے ہیں پس صبح کو چیزوں پر پانی کے قطرے پڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی کا نام شبنم ہی۔

تیز ہوا میں شبنم نہیں پڑتی جب کبھی تیز ہوا چلتی ہوئی ہوتی ہی تو اُس رات کو شبنم نہیں پڑتی۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ تیز ہوا زمین کے قریب کے بخارات کو ادہر اُدہر اُڑا کر لیجاتی ہی۔ جب بخارات ہی نہیں رہے تو شبنم کیسے پڑ سکتی ہی۔ جس رات کو ابر ہو جب بھی شبنم نہیں پڑیگی۔

ابر کی موجودگی میں شبنم نہیں پڑتی اس کی وجہ یہ ہی کہ ابر بخارات کو زیادہ اوپر نہیں جانے دیتا۔ تمام بخارات زمین کے قریب ہی رہتے ہیں۔ ان کے سبب سے گرمی زیادہ ہوتی ہے اور آس پاس کی چیزیں زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں۔ اُن چیزوں میں اُتنی ہی حرارت باقی رہتی ہی جتنی بخارات میں ہی۔ اس صورت میں بخارات نہ اپنے سے زیادہ سرد چیزیں پائینگے نہ پانی کی صورت میں تبدیل ہونگے۔

درختوں کے نیچے شبنم نہیں پڑتی اگر کوئی چیز درخت کے نیچے ہو تو اُسپر شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔ ناواقف اسکا سبب یہ بتلائینگے کہ شبنم اوپر کی طرف سے گرتی ہی۔ اور درخت اُسکو روک دیتا ہے یہ بات نہیں ہی۔ کیونکہ شبنم مینہ کی طرح تو اوپر سے گرتی ہی نہیں ہی بلکہ ہمارے ہر طرف ہوا میں جو بخارات ملے ہوئے ہیں وہی اپنے سے زیادہ سرد چیزوں کو چھو کر اُنکے اوپر پانی کے قطروں میں ظاہر ہوجاتے ہیں۔

درخت کے نیچے شبنم نہ پڑنے کی وجہ یہ ہی کہ درخت اُن چیزوں کی گرمی کو جو اُسکے نیچے ہیں

نکلنے نہیں دیتا۔ اسلیے وہ چیزیں بخارات کی نسبت زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں۔ اور جب وہ چیزیں زیادہ سرد نہیں ہوتی ہیں تو بخارات بھی اُنسے چھوکر پانی نہیں بنتے اور شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔

شبنم بھی خالی از فائدہ نہیں ہی۔ یہ زراعت کے لیے ایسی ہی مفید ہی جیسی ایک ہلکی بارش۔ اولے۔ برف۔ یخ۔ بجلی۔ گرج۔ کُہر وغیرہ کی بابت آیندہ پرچے میں لکھونگا۔

سید صغیر علی بی اے
علی گڈھ کالج

ہماری تعلیم

اس عنوان سے مسنر عون علی صاحبہ کا مضمون نیچے درج کیا جاتا ہی۔ اُن کے اس بیان سے کسقدر افسوس ہوتا ہی کہ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں نماز پڑھنی بھی ٹھیک طرح سے نہیں جانتیں۔ اگر مسنر عون علی صاحبہ جیسی لائق اور روشنخیال بیویاں ہماری قوم میں موجود ہیں تو موجودہ حالت پر رنج اور افسوس کرنے کے بعد امید ڈھارس بندھاتی ہی۔ کاش جس طرح ہماری معزز بیگم صاحبہ خاتون اور تہذیب نسواں میں لکھنے کے علاوہ اپنے مقام سکونت دائرہ میں لڑکیوں کی تعلیم کی اشاعت کے لیے دم درم قدم اور قلم سے مدد کرتی ہیں اور اپنے دائرہ اثر کو وسیع کرتی جاتی ہیں۔ اسی طرح اور بھی لکھنے والی بیبیاں اپنی اپنی جگہ یہی کریں تو بہت سی مشکلیں پل کے پل میں آسان ہو جائیں۔

ہم جناب مسنر عون علی صاحبہ کا مضمون نہایت شکریہ کے ساتھ درج خاتون کرتے ہیں اور اُنسے متوقع ہیں کہ وہ گوالیار میں اپنے کوششوں کو جاری رکھیں گی اور کسی وقت اُن کوششوں کے نتیجہ کو خوشخبری بناکر سُنائیں گی۔ اس خاص تعلق سے کہ ہمارے مرحوم مگر زندہ نام محسن نواب محسن الملک بہادر کی آپ قریبی عزیز ہیں، ہمیں اس امید کے پورے

ہونے کی آرزو کا حق بھی حاصل ہے۔

ایڈیٹر

زمانہ حال میں جو کچھ ترقی کہ ہندوستانیوں نے کی ہے اور اُن میں علمی روشنی بھی پھیل رہی اگر غور سے دیکھا جائے تو اس ترقی کی بانی تعلیم نسواں نظر آتی ہے جبتک ہم لوگوں کو تعلیم نہیں دیجاتی تھی اسوقت تک ہندوستانیوں میں ایسی ترقی کہاں تھی جیسی کہ آجکل کر رہے ہیں۔ اظہر من الشمس ہے کہ جو قوم ترقی کرنا چاہتی ہے اسکا فرض ہے کہ تعلیم نسواں کی طرف بھی خیال کرے باوجودیکہ اکثر نے اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ تعلیم نسواں کا ہونا ضروری ہے لیکن افسوس ہے کہ ابتک بھی بہت لوگ ایسے خود میرے ہی خاندان میں موجود ہیں جو کہ تعلیم نسواں کی سخت مخالفت کرتے ہیں مستورات کو علم اور تہذیب سے محروم رکھتے ہیں۔ ہمارے لکھانے پڑہانے کو بدعت و خطا سمجھتے ہیں۔ اور اکثر افراد قوم جو لوگ کہ لکیر کے فقیر ہیں اُن کا یہ سوال اور خیال ہے کہ ہمارے بزرگوں کے وقت میں مستورات کو کیوں نہیں تعلیم دیگئی اگر انکے حق میں اچھی ہوتی تو ہمارے بزرگان قوم اسکو ضرور جائز رکھتے۔

یہ لوگ یہ تو کہہ نہیں سکتے ہیں کہ اسلامی شرع و دہرم شاستر کی رو سے تعلیم ناجائز ہے کیونکہ اگر شرع سے ناجائز ہوتی تو اسلام کی وہ عورتیں جو مقدسہ سمجھی جاتی ہیں اور جو واقعی اس قابل ہیں کہ اُنکے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور اُنکے چال وچلن و تہذیب کا نمونہ ہم سب کا دستور العمل بنے علم و فضل سے محروم نہ تہیں۔ ہم کو اس متبرک حدیث سے بھی کتنا فخر ہے جو جناب سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے فرمائی تہی کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اسکے علاوہ قرآن مجید میں ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کے نام ساتھ ساتھ آئے ہیں۔

جن باتوں کی مردوں کو ممانعت ہے عورتوں کو بھی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم علوم عقلی تو درکنار دینی تعلیم سے بھی محروم رکھے جاتے ہیں جسکا قابل افسوس نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے فرائض منصبی

کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ہیں اہل اسلام میں تعلیم نسواں کا رواج اسوجہ سے کم ہوگیا کہ وہ عروج
حاصل کرنے میں رفتہ رفتہ کاہل ہوگئے اور عیش و آرام میں پڑ گئے عورتوں کی تعلیم کا خیال
نہیں رہا یہانتک کہ تھوڑے عرصہ میں اسکو معیوب سمجھنے لگے۔

چنانچہ اب بھی باوجود تعلیم نسواں میں اتنی ترقی ہونے کے مستورات کا یہ حال ہے جسکو مجھے
لکھتے ہوئے شرم آتی ہے کہ اہل اسلام کی شریف زادیاں اب نماز بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتی
ہیں یا ایک وہ زمانہ تھا کہ بڑے بڑے بزرگان قوم اُنسے ہر امر میں مشورہ کرتے تھے اور انسے
علم بھی حاصل کرتے تھے۔ ہمارے اسلام میں تو ایسی ایسی عالمہ و فاضلہ بیبیاں ہوگئی ہیں کہ جنسے
اب تک ہم لوگوں کو فخر حاصل ہے۔ یہاں پر اگر دہرم شاستر کی رو سے دیکھا جائے تو جہانتک
مجھے علم ہے۔ اہل ہنود میں بھی بہت سی بیبیاں ایسی گزر چکی ہیں جنکا ثانی ملنا دشوار ہے
میری بہت سی بہنیں جانتی ہونگی کہ میتری جو یاگ ولک رشی کی بی بی ایسی عالمہ تھیں کہ آجتک
مشہور ہیں۔ مہاراجہ دہرم تراشت کی استری گندہاری جی ایسی قابل تھیں کہ بیاس جی جیسے عالم سے
علمی بحث ہوا کرتی تھی لیلاوتی کے نام سے کون فرد بشر واقف نہیں ہے وہ حساب ایسا اچھا جانتی
تھیں کہ اچھے اچھے محاسب اُن کو مانتے تھے۔ راجہ بھوج کے عہد حکومت میں ودیا دہوی جی
مدارس نسواں کی معلمہ مقرر ہوئی تھیں۔ راجہ بھوج کی صاحبزادی نے راجہ پرتھی راج کے نام
اپنے ہاتھ سے خط لکھکر بھیجا تھا اگر تعلیم نسواں خلاف دہرم شاستر کے ہوتی تو ایسے ایسے لوگ
اسکو کب جائز رکھتے۔

میرے ناقص خیال میں یہ آتا ہے کہ تعلیم نسواں ہندوستان میں اسوجہ سے بری سمجھی جاتی ہے
کہ اگر عورتیں تعلیم یافتہ و مہذب ہوجائینگی تو انکو ناقص العقل ناقص الدین دوزخ میں جانے والیاں
کیونکر کہہ سکینگے کیونکہ بیچاریاں بحالت موجودہ جہالت کے جواب نہیں دیسکتی ہیں اسلیے خود ہم کو بھی
یقین آجاتا ہے کہ شاید ہم ایسے ہی ہونگے۔ اگر مرد تعلیم دلوائیں تو مقابلہ کر کے ثابت کردیں کہ
ہم ہرگز ناقص العقل نہیں ہیں اگر خداوند عالم عورتوں کو ناقص العقل بناتا تو لڑکیاں ایسی ترقی نکرتیں

جیسی کہ انہوں نے زمانہ حال میں کی ہی۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہی کہ عورتیں مردوں سے ذہن و ذکاوت میں کسی طرح کم نہیں ہیں۔ بس بڑی وجہ تو ہم کو تعلیم سے محروم رکھنے کی یہ ہی کہ اگر تعلیم یافتہ ہوجائینگے تو پھر اپنے حقوق طلب کرینگے جنسے کہ ابتک ناواقف ہیں چونکہ جہالت اور غفلت کا پردہ ابتک ہماری آنکھ سے نہیں اُٹھا ہی جوکہ کالی گھٹا کی طرح چھایا ہوا ہی اسلیے ہمکو نیک و بد کچھ نظر نہیں آتا ہی اور یہ پردہ اُسی وقت دور ہوگا جبکہ ہمکو علم کی روشنی نصیب ہوگی پس ہم کو تعلیم میں دلچسپی لینی چاہیے اور ایسی کوشش کرنی چاہیے جس سے کم عقلی وغیرہ کی تہمتیں جو ہم پر لگائی جاتی ہیں مٹ جائیں۔

اسکے علاوہ اکثر ہم لوگ نظر حقارت سے دیکھے جاتے ہیں۔ مستورات جانوروں سے بدتر ہیں کیونکہ مرد جانوروں کو ہمارے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ ہم اُن کی نظروں میں کوڑہ سے بدتر ہیں جاہل اَن پڑہ کا تمغہ مل چکا ہی لیکن تعجب ہے کہ ہم اسپر قناعت کرتے ہیں حالانکہ یہ بالکل بھونڈی قناعت ہی اسلیے جلد تعلیم کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اتنی استعداد پیدا کرنی چاہیے کہ اپنے بھلے بُرے میں تمیز کرسکیں۔ خدائے پاک نے تو مرد عورت دونوں کے حقوق برابر رکھے ہیں۔ جس بات کی تاکید مردوں کو ہی عورتوں کو بھی ہی۔

اسکے علاوہ خداوند عالم نے تو عورتوں کو بھی فضیلت بخشی ہی حضرت فاطمہؓ و حضرت مریمؑ علیہما السلام کے لیے کیسی کیسی آیتیں نازل ہوئی ہیں، آسیہ اگرچہ زن فرعون تھی لیکن اسکا کیسا مرتبہ ہوا ہی۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہی کہ حقوق ملنا تو جدا ہم کو تو یہ ہی نہیں بتلایا جاتا ہی کہ توبہ توبہ معاذ اللہ خدا کیا چیز ہے اور نہ ہم اپنے حقوق معلوم کرسکتے ہیں کیونکہ علم کی ہوا ہی نہیں لگی ہے مستورات کے تعلیم یافتہ ہونے سے کیا ہماری قوم کو فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر عورت تعلیم یافتہ ہوگی تو اپنے فرائض منصبی کو اچھی طرح ادا کریگی۔ شوہر کے حقوق پر نظر رکھے گی۔ اسکے علاوہ اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم بہت عمدہ دیگی۔ اخلاق سکھلائے گی اچھی اچھی باتیں بتائے گی

کیونکہ دس بارہ سال تک تو عموماً بچے ماں کے پاس پرورش پاتے ہیں اسکے عادات واطوار بچے کے دل و دماغ ورگ وریشہ میں اثر کرجاتے ہیں انکے خون میں ملجاتے ہیں اس لیے ناقص العقلی کی بوان میں اثر کرجاتی ہی اور یہ سب باتیں مرد عورتوں ہی سے سیکھتے ہیں دودھ کا اثر تو انسان پر ضرور پڑتا ہی۔ پس معلوم نہیں کہ مرد کہاں سے عقلمند ہوجاتے ہیں۔

پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہوں تو جس قدر بچپن میں بچے عمدہ تعلیم وتہذیب اس سے پاسکتے ہیں وہ کسی طرح دوسرا نہیں دیسکتا ہی۔ بچپن میں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ کھیلتے ہیں تو اُن میں اتنا فرق نہیں معلوم ہوتا ہی۔ مگر چونکہ مرد علم سے آراستہ ہوکر عالم وفاضل ہوجاتے ہیں اور لڑکیاں گڑیا گڈے کے کھیل میں بالکل جاہل رہجاتی ہیں اس سلیے وہ ناقص العقل کہلائی جاتی ہیں۔

خاکسار کے ناقص خیال میں آتا ہی کہ ہرایک گھر میں کم سے کم لڑکیوں کو اخلاق کی کتابیں کفایت شعاری کے رسالے تہذیب نسواں خاتون مطالعہ کرانا چاہیے۔ مذہبی معقول کتابیں پڑہانی چاہیے۔ حساب میں ضرب تقسیم اربعہ تک سکھلانا ضرور ہی اسکے علاوہ گھر کا روزمرہ کا خرچ لکھنا بتانا لازم ہی۔ کیونکہ مستورات میں اتنی استعداد تو ہوکہ اپنے گلاب کے پھولوں کو اُردو ہندی کی کتابیں پڑھا سکیں۔ ضروری مسئلے مسائل بتلائیں اگر مرد توجہ کرینگے تو چاہے کیسی ہی عورت ہو پانچ چھ سال کی تعلیم سے یہ سب بآسانی سیکھ سکتی ہی۔

اسکے علاوہ یہ کتنا بڑا فائدہ ہی کہ اگر عورتیں پڑہی لکھی ہوں تو اپنے شوہروں کو کہیں زیادہ خوش رکھینگی انکے بھلے بُرے کو تمیز کرسکینگی۔ ناخواندہ عورت دوست جاہل ہے اور تعلیم یافتہ بی بی مونس دانا ہی۔

علاوہ بریں پڑہی لکھی عورتیں انتظام خانہ داری کو اس خوبی سے کرسکتی ہیں جس طرح کہ ایک عقلمند بادشاہ اپنی ریاست کا انتظام کرتا ہی اگر غور سے دیکھا جائے تو خانہ داری کا کام بہی ایک چھوٹی سی ریاست ہی جسکا بادشاہ تو مرد ہی اور عورت وزیر ہی اور اس کام کو

دہی عورت خوبی سے انجام دیسکتی ہی جو تعلیم یافتہ ہو جس طرح بغیر عاقل وزیر کے ریاست کے کاروبار میں مشکل ہو جاتی ہی اسی طرح اگر عورت تعلیم یافتہ نہو تو گھر میں کھٹ کھٹ مچی رہتی ہی بیشک خوش قسمت ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنکو علم کی لازوال دولت و روشنی نصیب ہوئی ہی۔

راقمہ عاجزہ
مسز عون علی

لنڈن کی سوسائٹی

جنکے نام نامی سے یہ مضمون چھپتا ہی اُن کے نام اور کارہائے نمایاں، علم وفضل، خاندانی شرافت اور اعزاز سے خاتون کی سب بیویاں آشنا ہیں۔ اُن کی شہرت ہندوستان سے باہر ممالک یوروپ میں بھی ہی جہاں مدتوں اُنھوں نے تعلیم اور سیر و تفریح میں گزاری ہی۔ ان کی مفید کوششوں کا مختلف مقامات پر احسان ہی۔ حال ہی میں بمبئی میں ایک لڑکیوں کا مدرسہ کھلا ہی جو اُن کی توجہ اور کوشش کا نتیجہ ہی جسکا ہم کسی وقت علیحدہ ذکر کرینگے۔

مضمون کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہی کہ یہ انکے مدتوں کے ذاتی مشاہدہ اور غور کا نتیجہ ہے، اور جو مواقع اُن کو یوروپ اور خصوصاً لنڈن کی اعلیٰ سے اعلیٰ سوسائٹیوں کے دیکھنے کے ملے ہیں بہت کم کسی ہندوستانی بیگم کو ملے ہیں۔ انکے ذاتی اور مُبصرانہ مشاہدوں کا خیال کرکے بہت سی پرشوق طبیعتیں چاہینگی کہ وہ یوروپین سوسائٹی پر سلسلہ وار مضامین لکھیں۔ جو اُردو زنانہ لٹریچر میں ضرور ایک جدید اور مفید اضافہ اور نہایت دلچسپ ثابت ہونگے۔ یہ مضمون اصل میں انگریزی تھا اسلیے کہ عطیہ بیگم صاحبہ ان خیالات کو بآسانی اُردو میں نہیں بیان کرسکتی ہیں۔ اڈیٹر

(۱) گزشتہ صدی میں اس قدر انقلابات اور عجیب و غریب ترقیاں ہوئی ہیں کہ یہ تصور کرنا دشوار معلوم ہوتا ہی کہ نئی صدی بھی اُسی قدر باامتیاز ہوگی۔ وہ بڑے انقلابات جنہوں نے انگریزوں کے طرز معاشرت کو اس قدر بدل دیا ہی گزشتہ صدی کے آخری نصف حصہ میں ہوئے ہیں اور پہلا نصف حصہ تقریباً اُتنا ہی بے امتیاز تھا جس قدر اسکا ماقبل۔ انقلابات تو ہمیشہ ہوتے رہینگے۔ ضرور ہونگے۔ مگر وہ معاشرت میں ایسی پوری کایا پلٹ نہیں کرسکتے جیسی کہ ان دو باتوں نے کی ہی۔ جنہوں نے معاشرت کی تمام حالتوں کو بدل دیا ہی اور وہ دو باتیں کیا ہیں؟ تبدلہ خیالات میں زیادہ آسانیاں پیدا ہونا اور عورتوں کا غلامی سے آزادی کے درجہ پر پہنچنا۔ مذکورہ آسانیوں میں اور بھی ترقیاں ہونگی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ سوسائٹی اور اُسکے تمام اغراض زیادہ وسیع ہوجائینگے اور قوم کا ہر جزو قومی زندگی میں حصہ لینے اور مشارکت کے قابل ہوجائیگا۔

(۲) گزشتہ صدی کے انقلابات نے ہر قوم کی جماعت پر اثر کیا ہی لیکن انکا اثر سب سے زیادہ اور وسیع تر عورتوں کے فرقہ پر ہوا ہی۔ اُن میں سے بہت سوں کی امور معاشرت میں ایسی رائیں پیدا ہوگئی ہیں جو اس فرقہ کی زیادہ بڑے حصہ کی رائیں نہیں ہیں۔ عورتوں کی خودمختاری تقریباً کامل معلوم ہوتی ہی اور جو آزادی اُن کو اپنے مشاغل اور روزانہ زندگی کے امور میں حاصل ہی اُس میں مشکل ہی سے کسی زیادتی کے مطالبہ کی گنجایش ہی۔ اُن کے دھندھوں اور دل بہلاؤں کی کوئی حد نہیں۔ اُن کے مشاغل میں کوئی روک نہیں۔ گزشتہ زمانہ کی تحفظانہ رعایتوں کی حاجت نہیں اور وہ مخالطت اور ملاطفت جو عورتوں اور مردوں کے درمیان پیدا ہے اُس نے نگہداشت یا دباؤ کی ضرورت کو رفع کردیا ہی۔ نشاط و انبساط عیش و آرام کی انتہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ پہنچگئی ہی۔ روزانہ زندگی کے ہر کام میں ذاتی آرام کا شوق متحرک ہی۔ گرانبہا لباس پہنتی ہیں، اِصراف سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ایک گہرا خیال اور احساس ذمہ داری کا اور بھلائی کرنے کا، ایک پرجوش شوق محتاج اور بیکسوں کی دردمندی اور تکالیف رفع کرنے کا بھی ہی۔ وہاں کے تمدن کی آجکل ایک بڑی اور نمایاں شکل انسانی ہمدردی ہی اور ہم وہاں وہ

غیر معمولی نظارہ دیکھتے ہیں کہ دو انتہائی حالتوں کی بیویاں اس کام میں ایک دوسرے کی دست بدست
متعاون اور شریک ہیں۔

(۳) سوسائٹی کا سارا رجحان آجکل اُن ترغیبوں پر چشم پوشی کا ہی جو انسان اور بشریت کے
ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ پچھلی خطاؤں پر درگزر کرنے حال کی غلطیوں کو معاف کرنے کی طرف
سوسائٹی کا میلان ہی اور عام طور پر خواہش باتوں اور حالتوں کے سمجھنے کی ہی تاکہ انسان دوسروں
کی مشکلات کمزوریوں اور خطاؤں کی رعایت کر سکے۔ انسانی ہمدردی کی طرف یہ میلان اُن کی
خاص حالتوں کی حدود سے متجاوز ہو جاتا ہی اور اُن کی ہمدردی اور رعایت ایسی خطاؤں پر بھی
واقع ہوتی ہی جس کی طرف اُن کو خود کوئی ذاتی میلان نہیں اور ایسے آرام اور مصائب کے لیے بھی
جنکو غالباً انہیں خود کبھی برداشت کرنا نہیں ہوتا بلکہ جنکے خیال کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتیں۔
اس قسم کا رجحان روز بروز بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہی اور بعض صورتوں میں اس سے ایک قسم کی کمزوری کا
ثبوت ملتا ہی۔ یعنی ایسی صورت میں جب اُس رجحان کی بدولت شخصی فائدہ کو قومی فائدہ پر سبقت
اہمیت اور فضیلت دیجاتی ہی۔

(۴) لندن کی سوسائٹی کا دعویٰ تو دنیا جہان کی سوسائٹیوں میں بے مثل و بے نظیر ہی مگر
اور ملکوں میں اس دعوی کی ویسی آؤبھگت اور ویسا اعتبار نہیں ہی جیسا کہ لندن کی سوسائٹی والے
چاہتے اور سمجھتے ہیں ہاں اور ملکوں میں اس کی تضحیک اور تحقیر کم ہوتی ہی۔ سوسائٹی کے فائدہ کو
مدنظر رکھنا اور اپنے زمرہ میں دولتمند عامی شخصوں کو لیلینا ایک ایسی دنیا میں جہاں قدیم ثروت یا
شرافت کا اثر اور اعزاز کا خیال اسوقت تک موجود ہی اور اسکے علاوہ لندن کی سوسائٹی کا سوداگرانہ
طبیعت کی رعایت کرنا نہ صرف باہر والوں کے ساتھ بلکہ خاص اپنے گروہ والوں اور اپنے رؤسا
کے ساتھ، اور ملکوں کی سوسائٹی میں شک اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی۔ لیکن انگریزوں کی
یہ طرز اور طبیعت قومی طرز اور طبیعت ہی۔ اور یہ طرز طبیعت اعلیٰ اور ادنیٰ صورتوں میں اتنی مدت
تک پیدا ہو کر موجود رہی ہی کہ بجائے دور اور مفقود ہونے کے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ زیادہ پھیلے اور

بڑھیگی۔ کم از کم اسوقت تک جبتک انگلستان دنیا ے تجارت میں اپنی مثال آپ اور سربرآوردہ رہیگا۔

(۵) دل بہلاوے کے مشاغل، ظاہرا تو دل بہلاوے ہی کے مشاغل ہیں، تاہم دل بہلنا اور بہلانا ہی صرف سوسائٹی کی اصل غرض اور مطلب نہیں ہی بلکہ لہو ولعب کے پیرایہ میں ایک بڑا اہم اور پائدار کام کر لیا گیا ہی۔ وہ بیبیاں بنی نوع انسان کی ہمدردی اور فائدہ کے لیے پُرشوق دل اور حیرت انگیز جوش اور محنت کے ساتھ کام کرتی ہیں۔

دستخط

عطیہ ایچ فیضی

ورزش جسمانی

بقیہ سابق

ورزش سوم۔ سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور ایڑیوں کو ملاؤ اور پیر کی اُنگلیوں کو باہر کی طرف کر دو اور ہاتھوں کو کمر پر رکھو جیسا کہ نقشہ (۳) میں دکھلایا گیا ہی اور انگوٹھوں کو پیٹ (پشت) کے نرم حصہ پر پیچھے سے دباؤ۔ شش کو خوب ہوا سے بھر لو اور ہوا کو شش کے پیچھے کے حصہ میں داخل ہونے دو اور پیٹ کے اس حصہ کو انگوٹھے سے خوب دباؤ۔ مستورات میں بہت تھوڑی ایسی ہونگی جو شش کے اُس حصہ کو کام میں لا سکیں اور یہ بات انگریزوں کی عورتوں کے لیے مشکل ہی کیونکہ وہ کمر کو بہت تنگ کستی اور باندھتی ہیں، مگر ہماری مستورات اس کام کو آسانی کر سکینگی کیونکہ ہمارے ہاں ایسی چیزوں کا استعمال نہیں ہی۔ اس ورزش کو ابتدا ابتدا میں چھ سات بار کیا جائے اور جیسے جیسے تجربہ اور قوت بڑھتی جائے اس کی تعداد میں اضافہ ممکن ہی۔

ورزش چہارم۔ ورزش سوم کی حالت میں کھڑے ہو جاؤ اور شش کے اوپر کے حصہ کو ہوا سے بھر لو اور شش کے نیچے اور پیچھے کے حصہ میں زور سے ہوا کو داخل ہونے دو اور یھ عمل سینہ کے اوپر اور نیچے کے عضلات یعنی پٹھوں کو یکے بعد دیگرے بھینچنے سے ہو سکیگا، یھ ورزش نہ صرف شش کے لیے مفید ہی بلکہ جگر کے لیے بھی فائدہ مند ہی۔ اس ورزش کو جاری رکھو جب تک کہ چکر سا معلوم ہو اسوقت اسکو موقوف کرکے چند بار خوب لمبی سانس لیکر پھر اسکو جاری کرو،

ورزش پنجم۔ جیساکہ نقشہ (۴) میں دکھلایا گیا ہی کھڑے ہو جاؤ اور پہلے ہاتھوں کو چھوڑکر جسم سے ملے ہوے رکھو اسکے بعد ان کو آہستگی سے بلند کرو اور ساتھ ہی اسکے سانس اندر لو یہانتک کہ شش ہوا سے خوب بھر جاے، اور دونوں ہات سر کے اوپر آجائیں جیساکہ نقشہ (۴) سے ظاہر ہی۔ اب سانس کو چند ثانیہ تک شش میں روکے رکھو، اسکے بعد ہاتھوں کو آہستگی سے نیچے اُتارو اور پہلی حالت میں لے آؤ جبکہ جسم سے ملے ہوئے تھے، اسی طرح چند مرتبہ عمل کرو اور جبکہ ہوا شش میں بھری ہوئی ہو چند ثانیہ تک روکے رکھو اور تیزی کے ساتھ ہاتھوں کو چند بار اُٹھاؤ اور اُتارو۔
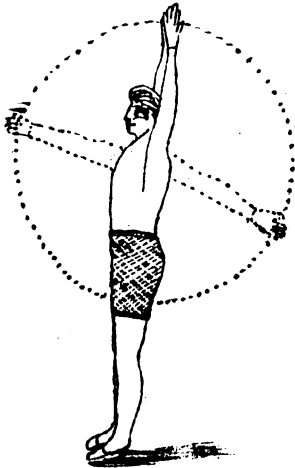
ورزش ششم۔ نقشہ (۴) کے مطابق کھڑے رہو اور دونوں ہاتھوں کو جوڑکر سامنے کی جانب لے آؤ جیساکہ اس نقشہ میں نقطہ دار خطوط سے دکھلایا گیا ہے بعد اسکے ہاتھوں کو پلیٹ (پشت) کی جانب جہانتک ممکن ہو سکے لیجاؤ اور لمبی سانس لو۔ اسکے بعد ہاتھوں کو اُنکے اصلی موقع پر یعنی اپنے سامنے لے آؤ اور سانس باہر چھوڑو، اس ورزش کو چھ سات بار کرو، جبکہ ہوا شش میں بھری ہوئی ہو

سانس کو روک کر ہاتھوں کو تیزی کے ساتھ چند مرتبہ سامنے لاؤ اور پیچھے لیجاؤ۔ اس ورزش میں جسوقت سانس لیتے ہو تو شش کو ہوا سے خوب بھر لیا کرو اور جسوقت سانس لیتے ہو تو پوری ہوا کو خارج ہونے دو،

ورزش ہفتم۔ نقشہ (۴) کے مطابق سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور سیدھے ہاتھ کو گھما کر ایک دائرہ بناؤ جیسا کہ اس نقشہ کے نقطہ دار خط سے ظاہر ہوتا ہے پہلے تو گھمانے میں چند بار ہاتھوں کو سامنے سے نیچے کی طرف لے کر اٹھاؤ اور دائرہ بناؤ، بعد کو پیچھے کی طرف سے گھماؤ یعنی اس عمل کا عکس کرو، اسی طرح دونوں ہاتھوں سے کام لو' اسکے بعد شانے کو پیچھے کی طرف جہانتک ممکن ہو موڑو اور ہاتھ کو ویسے ہی گھماتے رہو، اور جہانتک ہات پیچھے پہنچ سکیں جانے دو، اسکے بعد بائیں ہات سے بھی ایسا ہی عمل کرو، اسکے بعد دیگرے دائیں اور بائیں ہاتھ کو گھماتے جاؤ اور ایکبار آگے کی طرف حرکت دو اور ایکبار پیچھے کی جانب اور پھر اس عمل کا عکس کرو مگر ہاتھوں کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دینا چاہیے گویا کہ بیجان ہیں،

ان تمام حرکات میں برابر سانس لیتے رہو اور شش میں اچھی طرح سے ہوا بھر لیا کرو اور بعد کو پوری ہوا خارج کر دیا کرو، اس ورزش سے نہ صرف شش بالیدہ اور قوی ہوگا بلکہ شانوں کے پٹھوں جو سختی ہے وہ جاتی رہیگی جسم میں قوت بڑھیگی اور عضلات (پٹھوں) میں چستی و چالاکی پیدا ہوگی۔

ورزش ہشتم۔ بستر پر یا زمین پر اوندھے لیٹ جاؤ اور ہتیلیوں کو اپنے پہلو میں زمین پر برابر رکھو اب اپنے اوپر کے جسم کو سخت کر کے ہاتھوں کے بل جسم کو بستر سے بلند کرو یعنی انگوٹھوں اور ہتیلی کے سہارے سے جسم کو بستر سے اٹھاؤ اس طرح پر کہ جسم ہاتھوں اور انگوٹھوں پر قائم رہے پھر آہستگی سے جسم کو اپنی اصلی حالت پر لے آؤ تاکہ سینہ پھر بستر یا زمین پر آجائے۔ اس ورزش میں جسوقت جسم کو زمین سے بلند کرتے ہو تو شش میں ہوا خوب بھر لو اور جسم کو اتارتے یعنی نیچے کرتے وقت شش سے ہوا باہر چھوڑ دو۔ یہ ورزش کسی قدر مشکل ہے۔ مگر شش کی بالیدگی اور مضبوط کرنے میں بےمثل ہے، اس میں سینہ اور بازو اور کلائی کے پٹھے کام میں آتے ہیں اور مضبوط ہوتے ہیں، شروع میں ایک دو بار سے زیادہ نہ کرو اور بتدریج بڑھاتے ہوئے دس بارہ مرتبہ تک پہنچا دو،

اگر ابتدا میں یہ ورزش سخت معلوم ہو تو حسب ذیل عمل کرو۔ دیوار کی طرف مونھ کرکے اپنے
ہاتھوں کی لمبائی کے برابر دیوار سے دور کھڑے ہو جاؤ اور اپنی ہتیلیوں کو دیوار سے لگا دو لیکن
دونوں ہاتھوں کی ہتیلیوں میں ایک یا ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ ہونا چاہیے، اب دیوار کی جانب جھکو یہانتک
کہ سینہ دیوار سے ملجائے اسکے بعد ہاتھوں کے پٹھوں کے بل پھر اپنی اصلی حالت پر آجاؤ، اس
ورزش کے لیے جسم کو سخت کرو یعنی تنا ہوا رکھو اور ہر حرکت کے ساتھ سانس اندر لیکر پھر ہوا کو باہر
چھوڑتے جاؤ۔ چند روز میں اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس ورزش کے پہلے حصہ کو تم بآسانی کرسکوگے،

ورزش نہم۔ ایسے کھڑے ہو جاؤ جیسا کہ نقشہ (۵) میں دکھلایا گیا ہی اور شش کے نیچے کے حصہ
کو ہوا سے خوب بھر لو معہ پاؤں اور کولے کے
پٹھوں کو تنے ہوئے رکھکر کمر سے اوپر کے حصہ جسم
کو آگے کی جانب خم کرو اور اثنائے عمل میں سانس باہر
چھوڑو، اسکے بعد پھر سیدہے کھڑے ہو جاؤ اور لمبی
سانس اندر لو اور دس بارہ مرتبہ اسی طرح عمل کرو،
اسکے بعد دھڑ کے اوپر کے حصہ کو پیچھے کی طرف خم کرو
اور اسی طرح سے سانس لیتے رہو اور باہر چھوڑا کرو
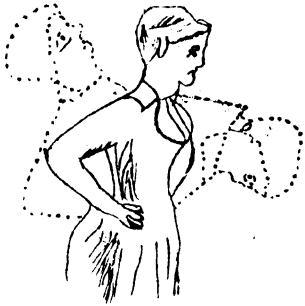
نقشہ ۵

اسکو بھی دس بارہ مرتبہ کرو۔ خم ہونے کی تصویر نقشہ (۵) سے ظاہر ہو گی۔ اسکے بعد شش کو ہوا سے
بھر کر چند مرتبہ تیزی کے ساتھ جسم کے اوپر کے حصہ کو آگے اور پیچھے خم کرتے جاؤ،

یہ ایک نہایت مفید ورزش ہی جس سے شش اور جگر بالیدہ ہوتے ہیں اور اُن میں قوت
پیدا ہوتی ہی اور اوپر کے دھڑ کے پٹھے مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں، جسم سڈول بنتا ہی، اور جسم میں
چستی و چالاکی پیدا ہوتی ہی۔

ورزش دہم۔ کمر سے اوپر کے نصف دھڑ کو پہلے چند مرتبہ دائیں طرف پھر چند مرتبہ بائیں طرف
خم کرو یعنی جھکاؤ، اسکے بعد ایکبار آگے ایکبار پیچھے کی جانب متواتر چند مرتبہ جسم کو خم کرکے سیدھا

کرتے جاؤ۔ نقشہ (۶) میں پہلا حصہ اس ورزش کا دکھلایا گیا ہی۔ یہ نہایت موزوں حرکات ہیں اور امریکہ کے بعض مدارس میں لڑکیوں سے باجے کے ساتھ ایسی ورزش کرائی جاتی ہی۔

ورزش یازدہم۔ نقشہ (۶) کے موافق کھڑے ہوجاؤ اور بازوؤں اور کہنیوں کو سامنے کی جانب جہانتک ممکن ہوسکے ایک دوسرے پر دباؤ اور سانس کو باہر چھوڑ دو۔ اسکے بعد ہاتھوں کو پیچھے کی جانب جہانتک ممکن ہوسکے لیجاؤ اور شش میں سانس بھرو۔

بازو اور انگلیوں کی ورزش

ورزش دوازدہم انگلیوں اور ہاتھوں کے پٹھوں کو کلائی کے جوڑ سے بالکل ڈھیلے چھوڑ دو اور اوپر نیچے اور دائیں بائیں ہلاؤ مگر انگلیاں بالکل ڈھیلی رہنی چاہیے، پھر اُن کو جیساکہ نقشہ (۷) سے ظاہر ہوتا ہے دائرہ کے طور پر گھماتے جاؤ۔ اس ورزش سے انگلیوں اور کلائی کے جوڑوں کی سختی بالکل دور ہوجائے گی اور اُن میں ایک قسم کی لچک اور نرمی پیدا ہوگی۔

اس کے بعد داہنے بازو کو شانہ سے بالکل افقی حالت میں بڑھاؤ اور کہنی سے پنجوں تک کے حصہ کو زمین کی طرف خم کرو اور کہنی کے جوڑ سے اسکو گھماتے جاؤ مگر

بازو یعنی شانہ سے کہنی تک کا حصہ بالکل افقی حالت میں رہنا چاہیے۔

راقم

مرزا مہدی خاں

شوہر کی کمائی میں بد دیانتی

بعض بیبیاں اپنے شوہر سے پوشیدہ گھر کی اشیا فروخت کرتی ہیں۔ اگر کہو کہ یہ بُرا کام ہی تو کہتی ہیں کہ ہم اپنی ضروریات کہاں سے پوری کریں لیکن یہ محض بہانہ ہی اگر ہم اونسے صاف مُعاملہ اور صاف دل رہیں تو ممکن نہیں کہ ان کو ہماری ضرورتیں پوری کرنے میں دریغ ہو۔ جہانتک ممکن ہوسکے ہم کو عادت بد کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا چاہیے اور خاوند کے روپیے پیسے کو غیر کا سمجھکر گھر کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم اس عادت بد کے طفیل ادنیٰ سے ادنیٰ لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہوجاتی ہیں۔ پس کیسے نقصان کی بات ہی کہ ہم اعتبار جیسی بے بہا چیز کو ضائع کردیں اور ہر خورد کلاں کی نظر میں بے وقعت ثابت ہوں۔

لیکن تاہم میرا تجربہ مجھے بتلا رہا ہی کہ بیوی کو چوری کی عادت پڑنے کا الزام خاصکر اُسکے خاوند پر ہی عائد ہوتا ہی۔ کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہی کہ بیوی اپنے خاوند کی غمخوار و مددگار رہے۔ لیکن جہاں خاوند بیوی پر ناحق بدگمانی کرتا ہی اور نیز جہاں خاوند اپنے روپیے پیسے کو بیوی سے الگ قفل دیکر رکھتے ہیں وہاں اکثر دیکھنے میں آیا ہی کہ اچھی دیانتدار بیویاں شوہر کی غیبت میں گھر کی اشیا میں کاٹ چھانٹ کرکے اپنی الگ گرہ بناتی ہیں اور اپنے میں

ایک وصف بڑہیدا کرنے کے علاوہ اپنے کو بیقدر اور بیوقر بنالیتی ہیں۔

چنانچہ تمثیلاً لکھا جاتا ہی کہ ایک شخص کی قدرتی عادت شکی تہی۔ وہ ہمیشہ اپنی نیکبخت اور کفایت شعار بیوی پر بدگمان رہتا۔ وہ عورت نہایت شریف اور اوّل درجہ کی کفایت شعار محنتی تہی۔ لیکن جب اُسنے اپنا روپیہ پیسہ الگ مقفل رکھنے کے علاوہ اسپر بدگمانی بہی کی اور ماہوار خرچ مقرر کیا تو کفایت شعار بیوی نے اپنے شوہر کی غیبت میں ہر چیز میں کاٹ چھانٹ شروع کی تو گھر سے برکت بالکل جاتی رہی جہاں ہر چیز سے آدہی۔ پونی اُڑالی جائے وہاں برکت کیا خاک ہوگی۔

پس اسکے خاوند نے روزانہ خرچ مقرر کیا۔ لیکن جوں جوں وہ سخت حفاظت کرنی چاہتا ویسے ہی اُسکے برخلاف ظہور میں آتا۔ اگر وہ شخص تمام بوجھ اخراجات خانگی کا اپنی بیوی کے ذمہ ڈالدیتا اور اسپر پورا اعتبار قائم کرلیتا تو یہ کافی علاج تھا۔ غرضکہ اس بیوی نے برابر کاٹ چھانٹ جاری رکھی یہانتک کہ اس کاٹ چھانٹ سے اُسنے دوسو روپیہ جمع کرلیا۔ لیکن چونکہ عورتوں کو اپنا گھر ہی عزیز ہوتا ہی اور شاذونادر ایسی ہونگی جو گھر کی چیزیں باہر پھینکنے والی ہوں۔ غرضکہ کچھ عرصہ کے بعد اُسکے شوہر کو کوئی سخت ضرورت پیش آئی تب اُس شریف بی بی نے تمام روپیہ نکال اُسکے آگے رکھکر کہا کہ میرے فلاں رشتہ دار نے آپ کی یہہ ضرورت رفع کرنے کو بھیجا ہی۔ لیکن وہ اس تمام حال سے بیخبر نہ تھا۔

کچھ عرصہ بعد وہ بیوی فوت ہوگئی تو اُسنے اپنے رشتہ داروں میں ایک شریف لڑکی سے نکاح کرلیا جو عمر میں بہت چھوٹی تھی۔ جسکو خود اسی نے پڑہایا۔ پرورش کیا۔ بعدازاں اس سے بہی وہی سلوک کیا جو اُس کی عادت تھی۔ تو اس لڑکی نے بہی اپنے شوہر کی عنایت سے وہی عادتیں اختیار کیں۔ غرضکہ وہ شخص تمام عمر خوش اور امن سے نہ رہا۔

بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہی کہ جہاں خاوند بیوی سے الگ روپیہ وغیرہ رکھنے کی خواہش نہیں کرتے اور بیوی پر پورا اعتبار قائم کرکے کل اخراجات خانگی کا بوجھ اسی پر ڈالدیتے

ہیں وہاں ادنیٰ سے ادنیٰ جاہل عورتوں نے بڑی ہوشیاری اور کفایت شعاری سے
گھر کو چلایا اور بڑی دیانت داری سے گھر کی کُل اشیا کی محافظ رہیں اور ہمیشہ خاوند کے
روپیے میں اور روپیہ ڈالنے کی کوشاں رہیں، آدمی خواہ کتنا ہی کفایت شعار کیوں نہو
اگر بیوی دیانت داری اور کفایت شعاری سے گھر چلانے والی نہو تو ذرا برکت گھر
میں نہو گی،

یہ دونوں واقعات سچے اور قابل تقلید ہیں، جو چاہے ان سے عبرت پکڑے اور
اپنے حسب حال غور کرکے کوئی نتیجہ نکالے،

رقمہ

ع، ف از بستی نوجالندہر

اڈیٹوریل

سکندر جہاں بیگم صاحبہ لکھتی ہیں کہ ۱۹ مئی ۱۹۰۹ء کو زنانہ نارمل اسکول علیگڈہ میں خدیجہ بیگم
اعجاز حسین صاحب بیرسٹر کی لڑکی کی آمین کی مبارک رسم ادا ہوئی، خدیجہ بیگم کے والدین نے
اس رسم کی ادائگی مدرسہ ہی میں قرار دی تہی، خدیجہ کو گیارہواں سال ہے، مدرسہ میں پارہ عم
کی ابتدائی سورتیں پڑہتی آئی تھی اور اب چوتھی جماعت کی پڑہائی پڑہتی ہے۔

۱۹ مئی کو آٹھ بجے سے مدرسہ کی طالبعلم لڑکیاں جمع ہونی شروع ہوئیں جو رنگ برنگ
کے کپڑے اور سونے چاندی کے زیور پہنکر آئی تہیں، تین بجے کا بلاوہ اور بہنوں کو مسز عبداللہ
کی طرف سے دیا گیا تہا، چونکہ گرمی تیزی سے پڑتی ہے اسلیے پانچ بجے تک بیبیاں آئیں،
اُس روز سب طالبعلم لڑکیاں ایک ہی جگہ جمع رہیں، اندر کے صدر دالان میں مہمان بیبیاں
بیٹھی تہیں اور باہر کے دالان میں دو صف طالبعلم لڑکیوں کی بیٹھی تہی لڑکیاں بہت خوش
نظر آتی تہیں اور اپنے اپنے سیپارہ کی پڑہائی کا اور کلام مجید کے ختم کا حساب آپس میں شوق سے

کرتی تہیں، ہر ایک لڑکی اور مہمان بی بی بہت شوق سے خدیجہ کو پوچھتی تھی، سو سے زیادہ طالبعلم لڑکیاں اور چالیس کے قریب بیگمات، ان کے علاوہ کئی طالبعلم لڑکیوں کی مائیں ابھی تہیں، پانچ بجے دالان کے بیچ میں خدیجہ کو جو اسوقت عمدہ کپڑے اور زیور پہنے ہوئے تھی کھڑا کیا، ایک طرف استانی صاحبہ کھڑی تہیں اور دوسری طرف اُس کی جماعت کی لڑکیاں کھڑی تہیں، پہلے لڑکیوں نے خدا کی تعریف اور شکریہ میں نظم خوش آواز سے پڑہی، اسکے بعد (آمین)، جو نظم ہی کی شکل میں تہی پڑہی گئی، ہر نظم کے ختم پر مدرسہ کی طالبعلم لڑکیاں آمین ایسی بلند آواز سے کہتی تہیں کہ دالان گونج جاتے تہے، آمین ختم ہونے کے بعد خدیجہ سے دعا منگوائی گئی اور بتاشے کچھہ تو خدیجہ کے اوپر ڈالے گئے باقی لڑکیوں کی طرف اُچھال دیے گئے، سب نے استانی صاحبہ اور خدیجہ کی والدہ صاحبہ کو مبارکباد دی،

خدیجہ کی والدہ صاحبہ نے ایک جوڑہ کپڑے کا اور دس روپیہ نقد استانی صاحبہ کو نذر کیا جو استانی صاحبہ نے خدیجہ کی والدہ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد نارمل اسکول کی امداد میں دیدیا، سب مہمان اور طالبعلم لڑکیوں کی شربت اور پان سے تواضع کی گئی پہر سب مہمان اور لڑکیاں رخصت ہو گئیں،

انجمن خاتونان اسلام اس انجمن کا ماہواری جلسہ ۴ جون کو بیگم صاحبہ خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا کے مکان پر ہوا، لاہور کی بہت سی مسلمان بیگمات شریک تہیں، ایک بجے کے وقت سب نے ایک جگہ نماز ادا کی، اسکے بعد مسز محبوب عالم صاحبہ نے قرآن شریف کی چند آیتیں سنائیں، اور ایس بی محمد شاہ صاحبہ نے اسکا ترجمہ بیان کیا، ایف بی محبوب عالم صاحبہ نے اسلام کی تاریخ پر ایک دلچسپ مضمون پڑہا، جو عام طور پر پسند کیا گیا، پھر ایس بی محمد شاہ صاحبہ نے بھی ایک نہایت قابل تعریف مضمون پڑہا، وکٹوریہ گرلز اسکول کی استانی صاحبہ نے اپنی صاحبزادی کی تصنیف کردہ

ایک نعت نہایت خوش الحانی سے پڑہی، مس محمد شفیع صاحبہ و مسز عبد الحمید صاحبہ نے
ایک نعتیہ نظم ملکر پڑہی، بعد ازاں ایس بی محبوب عالم صاحبہ کی تحریک پر محتاجوں کو کپڑے
دینے کے لیے پانچ روپیے چھ آنے کا چندہ جمع ہوا، اور بعض بیبیوں نے آیندہ اس
مد میں کچھ دینے کا وعدہ کیا، معزز میزبانہ مسز محمد شفیع صاحبہ نے مہمانوں کی پُر تکلف
ماکولات و مشروبات سے تواضع کی، آخر میں مسٹر محمد شفیع صاحب کے ممبر پروانشل کونسل ہونے
پر خوشی کا اظہار کیا گیا، اور میزبانہ کے شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا،

ہندوستان میں عورتوں کی ترقی

ماہ مارچ کے رسالہ انڈین میگزین میں ناظرین کی توجہ مدراس کانفرنس میں ہندوستانی
عورتوں کے قابل ذکر حصہ لینے کی طرف دلائی گئی ہے،

مدراس میں پبلک کے روبرو کسی اعلیٰ ذات کی عورت کے تقریر کرنے کا یہ پہلا
موقع تھا، اور لوگ یہ دیکھکر حیران اور خوش تھے کہ عورتیں بھی ایسی اچھی تقریر کر سکتی ہیں،
عورتوں نے بلاشبہ یہ بات ثابت کر دکھائی کہ ان معاملات پر جنکا اُن سے تعلق ہے
وہ زیادہ فہم سے رائے زنی کر سکتی ہیں، اور معلوم ہوتا ہی کہ نئی زنانہ تحریک جو بلحاظ
دنیا کے ہر حصے میں پھیل رہی ہی، اس میں ہندوستان بھی حصہ لے رہا ہی، مستورات
اگر مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کریں تو یہ بجائے نقصان کے فائدہ کی بات ہی۔ یا دوسرے
الفاظ میں اسکا مطلب یہ ہی کہ مرد اور عورتیں دونوں ملکر جہالت اور برائیوں کے خلاف
جدوجہد کر رہے ہیں،

اس سوشیل کانفرنس میں جہاں مرد عورتیں دونوں جمع تھے، عورتوں نے بچپن
کی شادی اور سلوک بیوگاں کے خلاف بہت کچھ کہا، مسز سروجنی نیڈو نے ایک پُر جوش
تقریر میں کہا کہ گو دوسرے ملک میدان تہذیب میں بڑھ چڑھکر قدم رکھ رہے ہیں لیکن ہم

ابھی تک ان سوشل جھگڑوں میں ہی الجھے ہوئے ہیں، جنہیں بہت مدت پہلے طے ہو جانا چاہیے تھا،

پنڈتہ اچلمبکا اماں نے جو ایک اعلیٰ درجہ کی شاعرہ ہی تامل زبان میں ایک بہت فصیح تقریر کی، جو دلچسپ نصیحت خیز اور قابل تعریف تھی اور اسکے دوران میں حاضرین جا بجا نعرہ ہائے خوشی بلند کرتے رہے، سوبھاگیہ وتی سرلونگ اماں بی اے نے ایک ہندوستانی لیڈی کے حیادار طریقہ پر تقریر کرتے ہوے بیان کیا کہ لڑکیوں کو اسوقت سکولوں سے نکال لینا جب ان کے اندر تعلیم کی خوبیاں جاگزین ہونے لگی ہوں، سخت غلطی ہی. مس سندری نرائن نے بیان کیا کہ تمام مہذب ملکوں میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش ترقی کر رہی ہیں، اور اس قدیم مقولے کی تصدیق ہو رہی ہی کہ جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہی، دنیا پر حکومت کرتا ہی" پونا کے بیوہ آشرم کی مسنر کاشی بائی دیودھر نے کہا کہ سوشل رفارم کی تحریک کے آغاز کے زمانے سے اسکے مؤید بچپن کی شادیوں کے خوفناک نتائج کو لکچروں میں ظاہر کرتے رہے ہیں،

غرض لیڈی ڈیلیگیٹوں نے جو تقریریں کیں، وہ تمام سننے والوں کے لیے اعلیٰ درجہ کی ذہانت کا نمونہ تھیں، بہت سے اہم معاملات پر بحث ہوتی رہی اور اس بات کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہی کہ اجلاس کانفرنس کا ایک قابل ذکر حصہ وہ تھا، جو ہندوستانی لیڈیوں نے اسکی کارروائی میں لیا،

اسی موقع پر ایک بکس آلات جراحی کا پبلک طور پر مسنر دوارکا بائی کملاکر کو پیش کیا گیا، جس نے ایڈنبرا، گلاسگو، ڈبلن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ کی میڈیکل ڈگریاں حاصل کی ہیں، جس صاحب نے یہ بکس پیش کیا تھا، اس نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہندوستانی عورتیں وفادار بیبیاں اور مہربان مائیں بنتے ہوئے ہی طبابت کے شریف پیشے میں بہت اچھی طرح حصہ لے سکتی ہیں،

اسکا جواب دیتے ہوئے اس نیک نہاد لیڈی نے ذیل کے الفاظ میں اپنے شوہر کی

تعریف کی" اپنی زندگی میں جو کامیابی مجھے حاصل ہوئی، وہ سب میرے زندگی کے حصہ دار کی وجہ سے ہے، اور میں اپنے فرض سے محروم رہوں گی، اگر میں اس امداد کا ذکر نہ کروں، جو اس سے مجھے حاصل ہوتی رہی ہی، زندگی کے نشیب و فراز میں جو جو مشکلات مجھے درپیش ہوئی ہیں، ان سب کا وہ ہندوستان اور یورپ دونوں ملکوں میں حصہ دار رہا ہی،

اسی میگزین میں لاہور پردہ کلب کی دو سال کی کامیابی کی رپورٹ درج ہی جس میں ہندو، مسلمان، ہندوستانی، عیسائی، پارسی و انگریزی لیڈیاں شامل ہیں؛ اور اسکے ذریعہ سے مشرق و مغرب کی لیڈیوں میں اچھی طرح باہمی اختلاط و میل جول ہوتا رہا ہی، ہندو اور مسلمان عورتوں نے انگریزی و انگریزی عورتوں نے اردو سیکھنے کی طرف میلان ظاہر کیا ہی، سال بھر میں اس انجمن کے دس جلسے ہر ایک مذہب و ملت کی لیڈیوں کے مکان پر منعقد ہو چکے ہیں، معلوم ہوتا ہی کہ لاہور میں باہمی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش ہو رہی ہی،

ماہ جنوری کے رسالہ انڈین ورلڈ میں سنت نہال سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ اب جبکہ ہندوستان اپنی سوسائٹی کی از سر نو تعمیر میں مصروف ہی، اس قسم کی عمارت کے لیے عورت کو نہایت قابل قدر پتھر سمجھا جاتا ہی، عورتوں کی اصلاح کے متعلق ہندوستان کی تمام قومیں متفق الرائے ہیں، اس معاملے میں ہندو مسلمان برہمن، پارسی سب لوگ یکساں دلچسپی لیتے ہیں؛ یہانتک کہ پرانے خیالات کے لوگوں میں بھی یہ خیال بہت جلد ترقی کر رہا ہے،

زنانہ اسٹور

ہمارے کرمفرما سید خورشید علی صاحب حیدر آباد سے تحریر فرماتے ہیں کہ حیدر آباد میں ایک زنانہ اسٹور" دی دکن زنانہ اسٹور" کے نام سے قائم ہوا ہی، یہ اسٹور کسی ذاتی

منفعت کے خیال سے نہیں قائم کیا گیا ہی بلکہ اس کے قائم کرنے والیوں نے جو بہاتے بعض بہت سربرآوردہ خوش حال خاندانوں کی روشنخیال خواتین ہیں، محض بربنا ہمدردی اس کی تکلیف گوارا فرمائی ہے، شریف بیبیوں اور معزز خاتونوں کے لیے کسی ایسی دوکان کی ضرورت جہاں موجودہ رسم و رواج کی پابندیوں کے ساتھ مختلف ضروریات زندگی حسب دلخواہ بذات خود خرید کیجا سکیں محتاج بیان نہیں، حیدرآباد جیسے عظیم الشان شہر میں کسی اس قسم کی دوکان کے موجود نہ ہونے سے معزز بیگمات کو سخت تکلیف تھی، اب اس اسٹور کے قیام سے پردہ نشین بیبیوں کے لیے بڑی سہولت ہوگئی ہی، زنانہ اسٹور کا مکان اسٹیشن روڈ پر محلہ کٹل منڈی میں حبیب علی شاہ کی مسجد کے متصل ایک نہایت عمدہ، مناسب اور آرام بخش موقع پر واقع ہے، پردہ وغیرہ کا بہت معقول انتظام کیا گیا ہی، شریف بیبیاں اسٹور کی منتظم ہیں اور ہر طرح اس کی اطمینان بخش حالت ہی،

اسٹور کی عالی حوصلہ بانیوں نے بڑی ہمت کرکے اسکو قائم تو کر دیا ہی لیکن اب تمام خاتونوں کا فرض ہی کہ وہ اس کی سرپرستی کرکے اپنی نیک دل بہنوں کی محنت کو ٹھکانے لگائیں؛ ابنائے ملک کا بھی یہ فریضہ ہی کہ وہ حتی الوسع ہر ممکن اعانت سے دریغ نہ کریں،

یہ اسٹور صرف حیدرآباد ہی کی خواتین کے لیے فائدہ مند نہیں ہے بلکہ حیدرآباد کے باہر رہنے والی بیبیاں بھی مخصوص مقامی اشیاء کی خرید و فروخت میں اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں،

خصوصاً اس قسم کے زنانے کارخانے جو دلی وغیرہ میں قائم ہیں اس اسٹور کو اپنا حیدرآبادی ایجنٹ دو کیں، تصور کرکے اس سے بہت کچھ کام لے سکتے ہیں،

میری یہ دلی دعا ہے کہ خدا اس اسٹور کو عمر نوح عطا کرے۔ ابنائے ملک اس کی ضرورتوں کو سمجھکر اس کی سرپرستی کریں اور اس کی بقا کے لیے متفقہ کوشش کریں۔ اور اسی قسم کے کارخانے ملک کے ہر حصہ میں قائم ہوں،

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اعلان

بیگمات مندرجۂ ذیل نے ازراہ قومی ہمدردی وظائف فنڈ میں مندرجہ ذیل رقومات مرحمت فرمائی ہیں۔

۱۔ مسنز مولوی حشمت اللہ صاحب لشکر گوالیار .. .. عہ/
۲۔ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر علی گڑھ .. .. عام/
۳۔ مسنز عبداللہ علیگڈھ .. .. عہ/
۴۔ مسنز عبداللہ علیگڈھ .. .. عام
۵۔ مسنز مولوی حشمت اللہ صاحب گوالیار .. .. عہ/
۶۔ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر علی گڈھ .. .. عہ/

مندرجہ ذیل چندے تعلیم نسواں فنڈ میں وصول ہوئے، عطا کرنے والے حضرات کے نام نامی مع شکریہ کے درج کیے جاتے ہیں،

۱۔ عطیہ ریاست ٹونک بابتہ ماہ اپریل و مئی ۱۹۰۹ء ۱ما/
۲۔ جناب سید خورشید علی صاحب حیدر آباد دکن .. .. عہ/

۳۔ جناب فاطمہ بائی بنت محمد عبد اللہ صاحب سکرٹری انجمن حامی اسلام ناگپور لعہ

۴۔ جناب بیگم صاحبہ ایچ ایم ملک مہدی باغ ناگپور.. .. ..عہ

۵۔ مسٹر منشی سید عطاء اللہ صاحب چھاونی ناگپور.. .. ..عہ/

۶۔ مسٹر محمد امیر خانصاحب صدر بازار ناگپور.. .. .. للعہ/

۷۔ مسٹر محمد حبیب صاحب صدر بازار ناگپور.. .. .. ۶

۸۔ جناب بیگم صاحبہ ایچ ایم ملک مہدی باغ ناگپور.. .. ..عہ/

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۴

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبوعہ فیض عام پریس علی گڈہ

۸ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

شیخ محمد عبداللہ بی اے پبلشر نے علی گڈھ سے شائع کیا

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ ۱) اور ششماہی عہ ۱۲ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہو نگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاے۔ جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالے کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جاے گا۔

۷۔ تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈھ ہونی چاہیے۔

ام سلیمؓ

نام رمیصا ہے، اور ملحان بن خالد کی بیٹی ہیں جو مدینہ کے باشندے اور انصار کے قبیلہ بنی نجار میں سے تھے، ان کی والدہ کا نام ملیکہ تھا، ولادت ہجرت سے تخمیناً تیس سال پہلے ہوئی تھی، ان کا نکاح انہیں کے قبیلہ کے ایک شخص کے ساتھ ہوا جنکا نام مالک تھا، انسے ایک لڑکا پیدا ہوا اسکا نام انس بن مالک رکھا،

یہ انس وہی ہیں جنھوں نے دس سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے میں خدمت گزاری کی، بڑے مشہور صحابیوں میں سے ہیں، بہت سی حدیثیں ان سے روایت کی گئی ہیں،

انسؓ ابھی دودھ پیتے تھے کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے، اور وہ اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، مدینہ سے لوگ سال بسال مکہ کو حج کے موقع پر جایا کرتے تھے، انہوں نے جب آنحضرت کو دیکھا اور کلام اللہ کی آیتیں سُنیں تو ان میں سے بعض لوگ مسلمان ہو گئے،

ام سلیم نے بھی انہیں مسلمانوں کی زبانی قرآن شریف کی آیتیں اور آنحضرت کے حالات سُنے

ان کے دل میں بھی اسلام کی سچائی اثر کر گئی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔ ان کے شوہر مالک نے ان سے پوچھا کہ کیا تو بیدین ہو گئی؟ انھوں نے کہا کہ بیدین نہیں بلکہ دیندار ہو گئی، انسؓ کو بھی کلمہ سکھلانا شروع کیا، مالک بہت خفا ہوتے تھے کہ تو نے خود بھی باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا اور میرے بیٹے کو بھی بگاڑنا چاہتی ہے۔ حضرت ام سلیم نے کہا کہ یہ تو خیر بچہ ہی میں تو یہ کوشش کرونگی کہ تم بھی اسلام کی سچائی سمجھو اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرو،

اسی درمیان میں، مالک کو کہیں باہر جانا پڑا۔ راستہ میں کسی دشمن نے ان کو قتل کر ڈالا۔ حضرت ام سلیم کو انسؓ کے ساتھ کچھ معمول سے زیادہ محبت تھی، مالک کے مرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے انکے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش کی، لیکن انھوں نے کہا کہ جب تک میرا بیٹا اس قابل نہو جائے کہ لوگوں میں بیٹھے اور مجلسوں میں گفتگو کرے اسوقت تک میں ہر قسم کی تنگی ترشی برداشت کرونگی اور نکاح نہ کرونگی۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتی تھیں کہ سوتیلے باپ سے ممکن ہی کہ انس کو تکلیف ہو، چنانچہ حضرت انس بعد میں اپنی ماں کے اس احسان کو نہایت شکریہ کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ میری ماں نے میری محبت اور تربیت کا حق ادا کر دیا،

جب آنحضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے اسوقت انس کی عمر دس سال کی تھی، ام سلیمؓ ان کو لیکر خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ اس بیٹے کو میں نے بڑی آرزوں سے پالا ہی، اور میری دلی تمنا یہ ہی کہ یہ آپ کی خدمت میں رہے، چنانچہ حضرت نے اس بات کو قبول فرمایا۔ اور اخیر عمر تک انسؓ خدمت گزاری کرتے رہے، یہی انسؓ بیان کرتے ہیں کہ دس سال تک میں نے رسالت مآب کی خدمت کی لیکن کبھی نہ فرمایا کہ انس تمنے ایسا کیوں کیا۔ ایسا کیوں نہ کیا۔

ام سلیمؓ جب انس کو حضور کی خدمت میں سپرد کر چکیں تو انہیں کے قبیلہ کے ایک معزز آدمی نے جنکا نام ابو طلحہ تھا نکاح کا پیغام بھیجا،

ام سلیم نے کہا کہ میں رسول اللہ پر ایمان لائی ہوں اور تو کافر ہے میں تیرے ساتھ کیوں کر نکاح کروں، ابو طلحہ افسوس ہے کہ تو بت کو پوجتا ہے۔ لکڑی کے بت کو پوجتا ہی جو زمین سے اُگتا ہی اور جسکو حبشی غلام بسولے سے گھڑ کر بناتا ہے۔ جو تجکو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور تو اس زندہ اور طاقتور اللہ کو نہیں پوجتا جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

ابو طلحہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی، بت کو توڑ کر چولھے میں جھونکا اور آنحضرت کے پاس جاکر کلمہ پڑھا،

چونکہ حضرت ام سلیم کے سمجھانے سے ابو طلحہ مسلمان ہوئے تھے اسوجہ سے ان کو اس بات کی نہایت خوشی ہوئی، اور بلا مہر کے انکے ساتھ نکاح کرنے کو رضامند ہوگئیں چنانچہ ابو طلحہ کا اسلام ہی انکا مہر قرار دیا گیا اور نکاح ہوگیا،

ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکا نام ابا عمیر رکھا، یہ بڑا شوخ اور پیارا بچہ تھا،

آنحضرت کبھی کبھی ابو طلحہ کے گھر جایا کرتے تھے، ابا عمیر کی شوخیوں سے خوش ہوتے تھے ایک دفعہ آپ تشریف لے گئے، ام سلیم نے کچھ کھانا سامنے لاکر رکھا آپنے تناول فرمایا، پانی پینے کے لیے کوئی برتن نہ تھا، مشکیزہ سے ہی موںھ لگاکر پی لیا۔ ام سلیم نے مشکیزہ کا موںھ جو حضورؐ کے دہن مبارک سے چھو گیا تھا برکت کے خیال سے فوراً کاٹ کر ایک ڈبیہ میں رکھ لیا۔

ابا عمیر اُس دن کچھ غمزدہ معلوم ہوتا تھا۔ آپنے پوچھا کہ آج یہ کیوں سُست ہے۔ ام سلیم نے کہا کہ اسنے ایک نُغیر (مثل لال کے ایک چھوٹی سی چڑیا ہوتی ہے) پالی تھی اسکے ساتھ کھیلا کرتا تھا آج وہ مرگئی۔ آپ مسکرائے اور قریب بلاکر اسکے سر پر ہات پھیرا اور فرمایا یا ابا عمیر مافعل النغیر، اے ابا عمیر تیری نغیر کیا ہوئی؟ بچہ ہنس پڑا۔

یہی ابا عمیر بیمار پڑا، اور سخت بیمار پڑا، ایک دن صبح کو اس کی حالت زیادہ خراب ہوگئی ابو طلحہؓ کو اُس دن کوئی ضروری کام تھا مجبوراً جانا پڑا، ادہر لڑکا گذر گیا۔ ام سلیم نے گھر کے سب لوگوں کو منع کر دیا کہ ابو طلحہ کو اسکے موت کی خبر کوئی نہ دے۔ میں خود ہی اُنسے کہونگی

بچّے کو نہلایا، کفنایا اور گھر کے ایک حجرہ میں اسکا جنازہ بند کر دیا، شام کو ابو طلحہ آئے،
آتے ہی پوچھا کہ بچہ کیسا ہے، ام سلیم نے کہا کہ جس حالت میں تم چھوڑ گئے تھے اس سے
اچھی حالت میں ہے، وہ سمجھے کہ اب اچھا ہے، انکے سامنے کھانا لاکر رکھا جب کھا پی کر
فارغ ہوئے اور اطمینان کے ساتھ بیٹھے تو ام سلیم نے کہا کہ اگر ہم کو کوئی چیز عاریتاً ملے اور
اس سے کچھ دن تک نفع اٹھائیں اور پھر وہ ہم سے واپس مانگی جائے تو کیا ہم کو رنج و غم
کرنا چاہیے۔ حضرت ابو طلحہ نے کہا کہ وہ تو غیر کی تھی ہی، اس پر رنج و غم کرنا حماقت ہے۔
ام سلیم نے کہا ابا عمیر بھی اللہ کی امانت تھا اب واپس لے لیا گیا۔ صبر کرو۔

ابو طلحہ نے جو یہ سنا تو کہا کہ اوہو، ام سلیم! تم چاہتی ہو کہ آج کی رات صبر میں مجھ سے
سبقت لیجاؤ۔ واللہ یہ کبھی نہوگا انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم سب اللہ ہی کی امانت ہیں
اور اسی کی طرف جائینگے) یہ کہکر اُٹھے۔ اور بچے کو دفنایا،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ اُن کو
اس صبر کا اچھا بدلہ دیگا اور انکے لیے برکت کی دعا مانگی، چنانچہ دس مہینے کے بعد اللہ تعالےٰ
نے ابا عمیر کا نعم البدل انکو ایک دوسرا بیٹا دیا جسکا نام عبداللہ رکھا گیا، یہ عبداللہ عرب کے
شیروں میں سے ایک شیر گزرے ہیں اور ان کی اولاد کو اللہ تعالےٰ نے بڑے بڑے رتبے
دیئے،

جنگ احد میں ام سلیم معہ اپنے شوہر ابو طلحہ کے شریک تھیں: ابو طلحہ آنحضرت کی حفاظت
میں سینہ سپر رہے۔ دشمنوں کے تیر اور بھالے اپنے جگر پر روکتے تھے اور حضرت ام سلیم پیاسوں کو
پانی پلاتی تھیں۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں،

جنگ حنین میں جو بڑا بھاری معرکہ تھا باوجود اسکے کہ عبداللہ اُسوقت پیٹ میں تھے
موجود تھیں، ایک خنجر کمر سے بندھا ہوا تھا، ابو طلحہ نے آنحضرت سے کہا کہ یہ دیکھیے ام سلیم بھی
خنجر باندھکر لڑنے کے لیے آئی ہے، ام سلیم بولیں کہ میں نے یہ خنجر اسلیے رکھ چھوڑا ہے کہ اگر

کوئی کافر میرے قریب آیا تو اسکے پیٹ میں بھونک دونگی، حضور مسکرائے اور فرمایا کہ انشاءاللہ یہانتک نوبت ہی نہ پہونچیگی،

ایک مرتبہ آپ ابوطلحہ کے گھر گئے، روزہ رکھے ہوئے تھے، تھوڑی دیر بیٹھے اسکے بعد فرمایا کہ میں نماز پڑہونگا، ام سلیم نے ایک کونے میں چٹائی بچھا دی، آپنے نفلی نماز پڑہی سلام پھیر کر ام سلیم کے گھرانہ کے لیے دعا مانگی، ام سلیم نے اسوقت نبوت کے دریا کو جوش میں پایا (کہا کہ یا رسول اللہ میں سب سے زیادہ اپنے بیٹے انس کو چاہتی ہوں جو آپ کا خدمتگار ہے اسکے لیے خاص طور پر دعا فرمائی، آپ نے دین اور دنیا کی کوئی بھلائی ایسی نہیں چھوڑی جس کی انس کے لیے دعا نہ کی ہو، اور کہا کہ یا اللہ تو اسکو مال دے، اولاد دے اور اس کی عمر میں برکت عطا فرما،

چنانچہ اس پاک دعا کا اثر دیکھیے، یہی مفلس خدمتگار انس بعد میں تمام انصار سے زیادہ دولتمند ہوئے اور سو سال سے زائد عمر پاکر ۹۳ھ میں تمام صحابہ کے بعد بصرہ میں انتقال کیا، اولاد کا یہ حال تھا کہ ایک سو انتیس ۱۲۹ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں،

جب رسالتمآب حج کے لیے تمام اہل وعیال کو ساتھ لیکر چلے اور تقریباً سارا مدینہ ہمراہ تھا تو ام سلیم کے پاس سواری نہ تھی کہ وہ حج کو چلتیں، آپنے ازواج مطہرات سے کہا کہ ان کو بھی اپنے ہمراہ سوار کرالو، راستہ میں عورتوں کے اونٹ پیچھے رہ گئے، ہانکنے والے کا نام انجشہ تھا اس نے زور زور سے اونٹوں کو ہانکنا شروع کیا، آپ یہ دیکھکر جھٹ پلٹ کر آئے اور فرمایا کہ انجشہ آہستہ آہستہ! شیشوں کو کہیں ٹھیس نہ لگجائے۔ یعنی عورتیں جو مثل شیشہ کے نازک ہیں ان کو تکلیف نہ پہونچے،

حج سے فارغ ہوکر مقام منا میں جب آپنے موئے مبارک منڈوائے تو ام سلیم نے ابوطلحہ سے کہا کہ حجام سے ان بالوں کو مانگ لاؤ۔ برکت کی غرض سے حفاظت کے ساتھ ان کو ایک شیشی میں بند کرکے رکھا۔

وفات کے متعلق صرف یہ معلوم ہو سکا کہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے زمانے میں انتقال فرمایا،

اسلم۔ جیراجپوری

طرز تعلیم

کئی مہینے کا عرصہ ہوا کہ بہن رابعہ بیگم نے عبادت یا نماز کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، مجھے اس مضمون کو دیکھکر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا قصہ یاد آیا، آپ کی والدہ ماجدہ نے ابتدا سے ہی آپ کو نماز کا پابند کر دیا تھا، بچپن میں آپ کو شکر سے بیحد رغبت تھی! آپ کی والدہ فرماتیں بیٹا فرید جو کوئی نماز پڑہتا ہے اللہ میاں اسکو شکر کھلایا کرتے ہیں، حضرت اس خواہش شکر کی وجہ سے نماز کو نہایت شوق سے گذارتے، آپ کی والدہ صاحبہ شکر کی ایک پڑیہ مصلے کے نیچے رکھدیتیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر مصلے اُٹھاتے تو وہ پڑیہ آپ کو ملجاتی، حضرت کو اپنی والدہ صاحبہ کے کہنے کا یقین ہوجاتا تھا اور دوسری مرتبہ پہلے سے زیادہ شوق سے دوگانہ ادا کرتے۔

اس واقعہ کے بیان کرنے سے صرف یہ مقصود تھا کہ سمجھدار ماں نے سعادتمند بیٹے کو کس طریقہ سے پابند نماز بنایا۔ اسی طور سے ہر تعلیم کے لیے ایک طریقہ ہوتا ہے، جب تک تعلیم طریقے اور اصول سے نہ دیجائیگی کبھی عمدہ نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

ہم جہاں ہندوستان میں اور بہت سی باتیں قابل اصلاح دیکھتے ہیں وہاں ایک نماز کی عدم پابندی اور طرز تعلیم کا خراب ہونا بھی ہے، بچّہ کا دل موم کی مانند ہوتا ہے جس طرف کو پھیر دیا جائے پھر جائے گا۔ اگر بچپن ہی سے عمدہ اور آسان طریقوں سے بچوں کو نماز کا پابند کیا جائے تو یقین ہے کہ وہ بڑے ہو کر اپنی اس اچھی عادت کو ترک نہ کریں۔ لیکن بدنصیب

ہندوستان میں اچھی باتوں کا ذکر کہاں۔

ذرا بچے کی ابتدائی حالت پر غور کیجیے۔ جہاں وہ کسی وجہ سے رویا فوراً ماں نے زبان میں اُنگلی ڈالی اور اُنگلی کو حرکت دیکر آواز نکالی۔ جس سے ایک نہایت بھیانک آواز پیدا ہوئی اُسکے ساتھ ہی کہا گیا! ہے ہے ہُوا آیا، دیکھ دال بھات کا ڈلا پیٹ میں گھس جائیگا بی بی چپاتی موتھ میں بیٹھ جائینگی۔ خبردار جو رویا ورنہ ہَوا آکر کاٹ لیگا۔ غرض کہ اس ننھی سی جان کو جو بمنزلہ ایک کونپل کے ہے اور جسکا نازک کلیجہ ان باتوں کا متحمل نہیں ہوسکتا ڈرا ڈرا کر سلا دیا۔ درحقیقت وہ سوتا نہیں ہی بلکہ بچے کا ڈر کر سہم جاتا ہی چنانچہ اس امر کا یہ اثر ہوتا ہی کہ اُس کے دل میں خوف اور ڈر کا زبردست دیو قبضہ کر لیتا ہی۔

اب ذرا انصافاً اندازہ فرمائیے کہ وہ ہونہار بڑے ہو کر کیا کرینگے۔ یہی نا کہ اگر رات برات میں کہیں چلنے پھرنے کا موقع ملا تو وہی خیالی ہّوا اور ہّوا جو اُن کے ذہن میں جمے ہوتے ہیں پیش نظر ہو کر اُن کے دل کو دہلا دیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزوری قلب کمزوری دل و دماغ کی شکایت جوان ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ بھلا اندھیری رات میں کہیں بھیج تو دیجیے۔

شاید بہنیں میرے اس خیال کو سُن کر ہنسیں لیکن میرا یقین ہی کہ ہندوستانی لوگ جو زیادہ کمزوری دل و دماغ میں مبتلا ہوتے ہیں اس کی بنا ہی بچپن کا طرز عمل ہے جو اُنکے والدین انکے ساتھ کرتے ہیں۔ بخلاف ترک لوگوں کے کہ وہ قوی الجثہ زبردست دل و دماغ کے لوگ ہوتے ہیں اس کی وجہ صرف یہی ہی کہ وہ بچپن سے ہی اپنے بچوں کے دلوں کو خوف اور ڈر کا عادی نہیں بناتیں، خوف اور ڈر یہ دونوں لفظ ترکوں نے اپنی ڈکشنری اور محاورہ سے پھینک دیے ہیں، کیا یہ ضروری ہی کہ تم اپنے بچے کو سلاؤ تو اُنہیں ڈرانے والے الفاظ سے سلاؤ۔ اور بہت طریقے ہیں،، ملاحظہ ہو،

لوری ننھے! (پیارے بچوں کو اکثر ننھا کہتے ہیں) بیٹا لے اب سو رہو ڈرے مت بیاں

کوئی شے تجھے خوف دلانے والی نہیں، سامنے تیرے ابّا میاں بیٹھے ہیں۔ بیٹا تمہارے باپ بڑے نمازی ہیں اور ہمیشہ اپنے قوت بازو سے کماکر کھایا۔ دس کو کھلاکر کھایا۔ بیٹا تم بھی اسطرح سے کرنا۔ پیٹ بھرنے کو تو کتّا بلّی بھی بھرتے ہیں مگر کس کام کا۔ شیر کی طرح رہنا۔ ایک شکار کیا۔ اور دس نے بچا ہوا کھایا۔ شاباش ننھے (بچہ ہنسنے لگتا ہی) ہاں میرا پوت بڑا متقی ہوگا۔ بڑا نمازی پرہیزگار ہوگا! ہاں میرا لعل سورہو۔ تو عربی پڑھنا فارسی پڑھنا اور اپنی بہنو بھائیوں کی فلاح میں محو رہنا۔ ننھے! سب سے اچھا وہ ہی جس سے دس کو فیض ہو بچے خود نیک کام کرنا دوسروں کو ترغیب دلانا۔ ہمارے حضور نے فرمایا ہی الدال علی الخیر کفاعلہ جسکا مطلب یہ ہی کہ نیک کام بتانے والا بھی مثل نیک کام کرنے والے کے ہی اقوال رسول پر عمل کرنا، خدا کے احکام کو ماننا (بچہ سو رہتا ہی)

اب ذرا بتلائیے کہ وہ حوا لتوا کے خیالات بچے کے ذہن میں جمانے مفید ہیں یا یہ خیالات جو مثلاً میں نے بیان کیے۔ قاعدہ کی بات ہی کہ جس طرح کے الفاظ بچہ سُنے گا ویسا ہی اسپر اثر پڑے گا،

بہنوں! اسی طرح اور بہت سی باتیں ہیں جنکو اگر تھوڑا خیال کیا جائے تو مناسب ترمیم ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ ہی کہ جو بات اور خیالات بچے کے ذہن نشین کیے جائیں تو وہ مستحکم ہو جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہی کہ اسکے سامنے وہ کام کیے جائیں جو آیندہ جاکر اسکو نفع دینگے مثلاً چھوٹوں کو لازم ہی کہ آپس میں آپ کے لفظ سے خطاب کریں بلکہ بڑے بھی چھوٹوں کے ساتھ انہیں الفاظ سے پیش آئیں جسکا پہلا نفع تو یہ ہوگا کہ وہ ہر شخص سے اسی خطاب سے پیش آئینگے۔ دوسرے وہ بچہ جو پرورش پارہا ہی۔ ہوش سنبھالتے ہی گھر والوں کی تقلید کرے گا۔

ماں باپ کو لازم ہی کہ خود نماز کے پابند بنیں جنکو بچہ دیکھکر خود ہی اس نیک عادت کا

پابند بنے۔ لیکن اگر ماں باپ ہی بے خبر ہوں تو بچّہ کا کیا قصور ہے۔ ع

اد خویشتن گم ہست کرا رہبری کند

آیندہ بھی بچّے نافرمان ہوجاتے ہیں۔ اور جو اُن کے دل میں آتا ہی کرتے ہیں۔ یہ جو کچھ خرابی ہوتی ہی صرف طرز تعلیم کی وجہ سے ہوتی ہی۔ اگر تعلیم کا طرز ابتدا ہی سے سیدھا سادھا اور خوش اسلوب رکھا جائے تو پھر یہ جھگڑے پیش ہی کیوں آئیں۔ اسی طور سے اور تمام باتیں ہیں جو غور کرنے سے جلد سمجھ میں آسکتی ہیں۔

ابتدا میں جو حضرت بابا صاحب کا قصہ قلمبند کیا گیا۔ اسکا مفہوم یہی تھا کہ ہر بات ماں باپ کے اثر سے بچّے میں پیدا ہوتی ہی۔ لیکن جبکہ ماں باپ ہی تعلیم سے کورے ہوں تو وہ دوسرے کو کیا ناک بتائیں۔

شکر ہی کہ اب کسی قدر توجہ ہو چلی ہی ورنہ پہلے تو عورتوں کا تعلیم پانا گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ یہی جہالت کی وجہ تھی۔ ورنہ اگر زمانہ سابق پر نظر ڈالی جائے تو صاف عیاں ہوجاتا ہی کہ تمام اعلیٰ خاندانوں کی خواتین زیور علم سے آراستہ ہوتی تھیں،

راقمہ
زہرہ

خاتونان مہدی باغ

حسن اتفاق سے رنگون کے جلسۂ کانفرنس میں ایک بزرگ قوم سے خاصہ تعارف پیدا ہوگیا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی نسبت آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب بیرسٹر ایٹ لا نے اپنی ایک پُرجوش تقریر کے دوران میں قومی رہنماؤں کا تذکرہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ منجملہ دیگر دردمندان قوم کے (ہاتھ سے آپنے اُن کی طرف اشارہ کرکے) "ایک وہ دیکھیے خان بہادر شیخ ․ یم ملک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں جو ممالک متوسطہ کی تعلیم کے ناخدا ہیں"

سفر رنگون سے میں اور میرے رفیق جناب میرزا نذیر بیگ صاحب تعلقدار ریاست نظام بنگال ناگپور لائن سے واپس ہونے والے تھے اس لیے جناب ملک صاحب نے ہم سے یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ ہم ایک روز کے لیے ناگپور میں قطع سفر کریں مگر افسوس کہ مرزا صاحب کی رخصت بالکل ختم ہو چکی تھی اس وجہ سے وہ تو وہاں نہ ٹھہر سکے۔ مگر میں وہاں اُتر پڑا۔ ملک صاحب کو پہلے سے بذریعہ تار برقی اطلاع ہو چکی تھی اسلیے مولانا ملک اور جناب شیخ عبداللطیف صاحب اسٹیشن پر رونق افروز تھے۔ انہوں نے جناب مرزا نذیر بیگ صاحب کو وہاں ٹھہرنے کے لیے بہت کچھ فرمایا مگر مرزا صاحب نے نہایت افسوس کے ساتھ اپنی مجبوری کا اظہار فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ریل سیٹی دیکر چلتی ہوئی اور میں یہاں اپنے رفیق سفر سے جدا ہو گیا۔

جناب ملک صاحب کا سنٹرل پروونس میں جو اثر ہے اسکا اور وہاں ان کی قومی خدمت کا تذکرہ چونکہ میں ایک علیحدہ مضمون میں لکھنے والا ہوں اس لیے یہاں اسے قلم انداز کرتا ہوں اور اس وقت صرف وہی مضمون لکھتا ہوں جو زیادہ تر رسالہ خاتون کے لیے مناسب ہے۔

مجھے چونکہ مہدی باغ میں رہنے کی عزت حاصل ہو چکی ہی اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ حقیقت میں ناگپور آکر مہدی باغ کو دیکھنے کے بعد آنریبل صاحب کے اس جملہ کی پوری تصدیق ہو جاتی ہی جو انہوں نے رنگون میں ملک صاحب کی نسبت ارشاد فرمایا تھا۔

یہ باغ ناگپور کی آبادی کے ایک جنوبی گوشہ میں واقع ہی جس میں کئی باترتیب خوشنما مکانات اور کئی چھوٹے چھوٹے بنگلے بنے ہوئے ہیں اور یہ سب مل جل کر ایک فرحت بخش باغ ہے۔ جسے مہدی باغ کہتے ہیں۔ اس باغ میں رہنے والوں کے لیے اسی کے احاطہ میں ایک چھوٹی سی خوشنما مسجد ایک مدرسہ۔ ایک کتب خانہ، ایک ڈبیٹنگ کلب اور ایک دوا خانہ موجود ہے۔

ملک صاحب نہ محض لڑکوں ہی کی تعلیم کے حامی ہیں بلکہ انہوں نے اسکے ساتھ ساتھ اپنی پوری توجہ تعلیم نسواں پر بھی مبذول کر رکھی ہی اور اس میں ان کی بیگم صاحبہ ان کی

شریک غالب ہیں۔

امور خانہ داری اور دستکاری کے علاوہ یہاں عمدہ اخلاقی اور ادبی تعلیم بھی ہوتی ہے اور خاتونان مہدی باغ اُن ڈبیٹ کے جلسوں میں جو ہر مہینے میں دو دفعہ منعقد ہوتا ہے برابر شریک ہوتی ہیں اور بے خوف وخطر اپنے بھائیوں پر اعتراضات اور اُن سے مباحثے کرتی ہیں،

مہدی باغ جسے میں فردوس بریں سے تعبیر کرسکتا ہوں حقیقت میں فرشتوں کے رہنے کا مقام ہے۔ یہاں کا ہر چھوٹا بڑا انسانی ہمدردی سچائی اور دولت خلوص سے مالامال نظر آتا ہے اور یہ سارا فیضان ملک صاحب اول اور جناب مولانا ملک ایچ۔ یم۔ یعنی خان بہادر بدرالدین غلام حسین صاحب ملک ثانی اور ان کی تعلیم یافتہ خاتون کا ہے۔

خاتونان مہدی باغ کو دیکھ کر اس بات کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ہماری قوم تعلیم نسواں کی طرف سے غافل نہیں ہے اب عام طور پر وہ اگلی سی تعلیم نسواں سے منافرت باقی نہیں ہے اور تعلیم نسواں کی ضرورت محسوس ہو چکی ہے دردمندان قوم اس طرف بھی متوجہ ہو چلے ہیں جو اس وقت تک غافل ہیں اُنہیں ہمارے شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی جھنجوڑ جھنجوڑ کر بیدار کر رہے ہیں۔

خدا ان کی ہمت میں برکت دے

رنگون کی کانفرنس میں مجھ سے ایک بڑے سبز عمامہ اور سفید لمبی ڈاڑہی والے مولوی صاحب فرماتے تھے کہ بھئی جبتک یہ قرآن مجید کے خلاف اور حد شرع سے متجاوز پردہ نسواں کے بیجا قیود اُٹھائے نہ جائیں تعلیم نسواں کے حامیوں کو کبھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوسکتی" معلوم نہیں ہمارے مولوی صاحب کے بیان میں کس قدر سچ اور جھوٹ شامل ہے۔ اسکا جواب تو ہمارے شیخ صاحب ہی دیسکتے ہیں۔

عبدالغنی خاں رافت
از عثمان آباد۔ دکن

ایرانیوں کی شادی

آجکل چونکہ ایرانیوں میں انقلاب عظیم ہوا ہے اور مہذب دنیا میں ایرانیوں کی اتحاد اور وطن پرستی کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس لیے میں اگر وہاں کی عورتوں کے حالات و زنانہ رسم و رواج کو جو چشم دید ہیں ۔ ناظرات خاتون کی دلچسپی کے لیے لکھوں تو بیجا نہو گا ۔ اس مضمون میں صرف شادی کے رسومات بیان کیے جائینگے ۔ اگر میری معزز بہنیں اسکو پسند فرمائیں گی تو آیندہ انشاءاللہ ایرانی عورتوں کی طرز زندگی وغیرہ پر مضمون لکھوں گی ۔

ایران میں کم سنی کی شادی بالکل عنقا ہی اگرچہ متوسط امرا میں منگنی کی رسم بہت جلد ادا کر دی جاتی ہی ۔ لیکن شادی دولہا اور دولہن کے جوان ہونے تک نہیں ہوتی ۔ مثل ہندوستان کے ایران میں بھی لڑکی کی تلاش لڑکے کے والدین کرتے ہیں یا دوسرے رشتہ دار کرتے ہیں ، انتخاب کے بعد لڑکے کی ماں یا دوسری رشتہ دار عورتیں ایک انگشتری اور دو شالہ لیکر لڑکی کے گھر جاتی ہیں اور لڑکی کے والدین سے یہ کہتی ہیں کہ " میلے دارم فلاں پسر را در غلامی فرمایند " یعنی ہماری تمنا ہی کہ آپ فلاں لڑکے کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیں ۔ لڑکی کے والدین اس درخواست کو اگر کوئی خاص سبب مانع نہو تو قبول کر لیتے ہیں ۔ اسکے بعد مہر و جہیز کا تصفیہ بھی اسی وقت ہو جاتا ہے ان امور کے طے ہونے پر دولہا کے جانب سے دولہن کی ماں کے لیے ایک کافی رقم حسب مقدرت بھیجی جاتی ہے جسکو ایرانی شیر بہا کہتے ہیں ۔ دلہن کی ماں کے لیے کئی خوان میوہ کے اور متعدد کشتیاں لباس و زیور کی بھیجی جاتی ہیں ۔ چند روز کے بعد شادی شروع ہو جاتی ہی ۔

سب سے پہلے عقد کا دن معین کیا جاتا ہی جسکو ایران میں روز شیرنی خورند کہتے ہیں عقد کے بعد کئی روز تک دعوتیں ہوتی رہتی ہیں اور رسومات ادا کیے جاتے ہیں اور اس وقت تک دولہن اپنے ہی مکان میں رہتی ہی ۔ شیرنی خورند کے روز دولہا معہ قاضی و دیگر ہمراہیوں کے دُلہن کے گھر جاتا ہی اُس کے ساتھ کئی بیش قیمت میوے چھوارے بادام قند اور شکر کی کشتیاں

لیے جاتے ہیں دولہن کے مکان پر پہنچکر عورتیں دُلہن کے پاس چلی جاتی ہیں اور مرد دولہ کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں بیٹھتے ہیں۔ عقد کے بعد دولہا اپنے دوستوں اور مہمانوں سے رخصت ہوکر زنانہ مکان میں جاتا ہے۔

وہاں تمام عورتیں اسکو مبارکباد دیتی ہیں دولہا بھی ہر ایک کو نذر دیتا ہی امیروں میں عمومًا ایک ایک اشرفی نذر دیجاتی ہی پھر دولہا اور دلہن ایک ہی دسترخوان پر شیرنی میوہ وغیرہ کھاتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو نہیں دیکھتا۔ جب تک رسومات ادا نہوں دلہن کو سرخ برقعہ اُڑہاتے ہیں۔ اسکے بعد دولہا مردانے میں جاتا ہی اور زنانہ مردانہ میں علیحدہ علیحدہ رقص وسرود کا انتظام کیا جاتا ہی محفل گرم ہوتی ہی مہمانوں کی تواضع خوب دل کھول کر کیجاتی ہے۔ میوہ اور مٹھائی کے کئی کئی دور ہوتے ہیں۔ اور اخیر کھانے سے فارغ ہوکر ہر ایک مہمان آیندہ رسم شادی میں شریک ہونے کا وعدہ کرکے رخصت ہوتا ہے۔

رسومات شادی دولہا کے مکان پر ادا کیے جاتے ہیں جو کئی روز تک ہوتے رہتے ہیں ان ایام میں ہر روز دعوتیں دیجاتی ہیں آخر روز دولہا جلوس کے ساتھ غسل کرنے جاتا ہی۔ دُلہن کے جانے سے پہلے دولہا کے لیے قیمتی لباس وانگشتری آتی ہی۔ دلہن شام کے وقت اپنی ماں کے ہمراہ گھوڑے پر یا گاڑی میں جلوس کے ساتھ دولہا کے گھر آتی ہے۔

جب برات دولہا کے گھر پہنچ جاتی ہی تو کئی بکرے اور اونٹ دولہا کے مکان کی دہلیز میں ذبح کیے جاتے ہیں تاکہ دلہن اُن کے خون پر سے گزرے اسکو ایرانی نیک فال خیال کرتے ہیں۔ اس روز دولہا کی طرف سے پُرتکلف دعوت دی جاتی ہے اور شادی ختم ہوتی ہے۔

(باقی آیندہ)

افسر دلہن
از حیدرآباد دکن

ہمایوں نامہ

گلبدن بیگم بابر بادشاہ کی بیٹی تھیں اور ہمایوں کی بہن۔ انہوں نے اپنے گھرانے میں تین بادشاہ دیکھے۔ ایک باپ، دوسرے بھائی، تیسرے ایسا بھتیجا جسکو تاریخ نے اکبر اعظم کا خطاب دیا ہے عرش آشیاں شہنشاہ کی علم دوستی تاریخ داں صاحبان سے مخفی نہیں۔ اس نے اپنی محترمہ پھوپی سے درخواست کی کہ فردوس مکانی حضرت بابر بادشاہ اور جنت آشیاں ہمایوں بادشاہ کے زمانے کے حالات جو آپکے چشم دید ہوں۔ ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دیں۔ چنانچہ گلبدن بیگم نے ایک کتاب لکھی اور ہمایوں نامہ نام رکھا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ یہ انمول موتی انقلاب سلطنت کے ساتھ زمانے نے تیموریہ خزانے سے نکال کر برٹش میوزیم (لندن کا شاہی کتب خانہ) میں پہنچا دیا۔

تاریخی اور علمی دنیا ابتک اس گوہر بے بہا کی قدر و قیمت سے ناواقف تھی۔ انگلستان کی ایک فاضلہ مسز بیوریج۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس نے اسکو برٹش میوزیم میں دیکھا تو نہ چاہا کہ خود ہی اس کے دلچسپ مضامین کا لطف اُٹھائیں اور دنیا محروم رہے۔ لیڈی صاحبہ نے بڑی محنت و تحقیق کیساتھ اسکا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اصل کتاب سو صفحے کی ہی مگر یورپین لیڈی کی ہمت و محنت پر آفریں ہی کہ ترجمہ اور حاشیہ تین سو صفحے کا لکھا ہی۔

ہمایوں نامہ کی بڑی خصوصیت یہ ہی کہ محلات شاہی کے حالات اور بیگمات کے تذکرے لکھے ہیں۔ اس قسم کے واقعات کسی مورخ کو معلوم ہی ہونے مشکل ہیں لکھنا تو درکنار۔ اسی مناسبت سے مترجمہ لیڈی صاحبہ نے تاریخی دنیا پر یہ خاص احسان کیا ہی کہ تمام خاتونوں اور بیگمات کے حالات جنکے نام اس کتاب میں آئے ہیں جس قدر تاریخی کتابوں میں مل سکے نہایت محنت سے جمع کر دیے ہیں۔ یہ کتاب مع ترجمہ ضمیمہ اور حاشیہ لندن میں چھپ گئی ہے۔

جی چاہتا تھا کہ جیسے ایک تیموری بیگم کی ہوئی کتاب کا ترجمہ ایک انگریزی بیگم نے انگریزی میں کیا ہے

ایسے ہی اسکا ترجمہ کوئی ہندوستانی بیگم اُردو میں کریں۔ اسی غرض سے میں نے یہ کتاب چند تعلیم یافتہ خاتونوں کی خدمت میں بھیجی۔ مگر افسوس ہی کہ ہماری قوم میں ایسی فاضلہ عورتیں بہت کم ہیں کہ فارسی اور انگریزی کی لیاقت کے ساتھ اعلیٰ علمی مذاق رکھتی ہوں اور تصنیف و ترجمہ کے مشکل کام کو کرسکیں۔

یہ معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی کہ مولوی محمد محسن صاحب فاروقی ایچ پی پروفیسر علوم مشرقی مشن کالج اندور اسکا ترجمہ کر رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب کو ترجمہ کا خاص ملکہ ہی۔ متعدد کتابیں پبلک کے سامنے پیش کرچکے ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی انجمن ترقی اُردو کے ہاں اُن کا ترجمہ الفوز الاصغر زیر اشاعت ہے۔

شاہی بیگمات کے حالات رسالہ خاتون کے لیے نہایت مناسب ہونگے اسلیے مولوی صاحب سے استدعا کی کہ کچھ حالات رسالہ کے لیے دیدیں اگر معزز ناظرات کو پسند ہونگے تو آیندہ دلچسپ ترین کا وعدہ ہے۔

مجھے یہ معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی کہ میرے ناچیز مضمون کرشمہ فطرت کو معزز ناظرات نے دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ افسوس ہی کہ ایم اے کے امتحان کی تیاری کی وجہ سے میں اس سلسلہ کو جاری نہ رکھ سکا۔ اگلے مہینے میں امتحان سے فارغ ہوکر لکھنے کا ارادہ ہے۔

صغیر علی۔ ہلکر کالج اندور

آفاق بیگم

لفظ آفاق کے معنی چاروں طرف آسمان کے ہیں جس سے تمام عالم مراد ہی لہذا آفاق بیگم کے معنی ہوئے دنیا کی بیگم یا شاہزادی۔ بابر نے اس بیگم کو سلطان حسین میرزا بایقرا کی زوجہ لکھا ہے لیکن اسکے والدین کا کوئی ذکر نہیں لکھا۔ دوسرے موقع پر اس بیگم کا میرزا ے مذکور کی بیوہ بیگمات کے ساتھ بمقام ہرات ۹۱۲ھ ۱۵۰۷ء میں دیکھنا بیان کیا ہی۔ توزک بابری فارسی و ترکی دونوں میں اس موقع پر ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ وہ سلطان ابوسعید میران شاہی کی دختر تھی۔

توزک کے فقرہ کو مسٹر ارسکن اس طرح ترجمہ کرتے ہیں "پایندہ سلطان بیگم میری پھوپی اور خدیجہ بیگم اور سلطان ابو سعید میرزا کی اور لڑکیاں" یہاں ترکی توزک میں "نیہ" کا لفظ ہی اور فارسی میں "دیگر" جسکا اردو ترجمہ "دوسری" یا "اور" کیا جا سکتا ہی۔

ایک تہنیت کے موقع پر بابر آفاق بیگم کو خدیجہ پر ترجیح و امتیاز بخشتا ہی اور یہ قصہ لکھتا ہی اسلیے کہ خدیجہ اعلیٰ خاندان کی نہ تھی۔

حسین بایقرا سے ابو سعید کی تین لڑکیوں سے شادی کی تھی۔ شہر بانو، پایندہ، آفاق۔ آفاق کے کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اُس نے حسین بایقرا کے نوبچوں کی تعلیم و تربیت کی جو اُس کی رضاعی بہن بابا آغاچہ کے بطن سے تھے۔ ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء کے ابتدائی مہینوں میں وہ ہرات سے کابل کو گئی اور بابر نے اس کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ بابر نے ہندوستان کا سفر نومبر ۱۵۲۵ء میں کیا ہی یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہی۔ بابر لکھتا ہی کہ وہ نہایت محبت کرنے والی اور جاں نثار صورت تھی اور یہ لکھا ہی کہ زمانہ علالت میں اُس نے اپنے شوہر کی ایسی خدمت و تیمارداری کی کہ حرم کی عورتوں میں سے کسی سے نہو سکی۔

بابر کو اس کی وفات کی خبر اُسوقت ملی جب وہ چندیری کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ سنہ ۹۳۴ھ مطابق جنوری سنہ ۱۵۲۸ء (از توزک بابری)

آغا بیگم بایقرا

سلطان حسین میرزا بایقرا اور پایندہ سلطان بیگم میراں شاہی کی لڑکی تھی۔ جبکہ دونوں طرف سے ایسی اعلیٰ نسل کی بیگم کا نام آغا ہی تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ معزز ہی ورنہ اکثر ادنیٰ درجہ کی عورتوں کے لیے اسکا استعمال پایا جاتا ہی۔ یہاں اس لفظ کے معنی شاہزادی یا رئیسہ کے پیدا ہوتے ہیں۔

اس بیگم کی شادی اسکے قریب کے رشتہ دار مراد سے ہوئی جو ربیعہ بیگم بیدکہ کا لڑکا تھا۔

حبیب السیر میں لکھا ہی کہ وہ جوان ہونے سے پہلے انتقال کرگئی۔ لیکن بابر کا بیان اسکے خلاف ہی۔ حبیب اس کی وفات ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء سے پہلے بتاتا ہی (توزک بابری وحبیب السیر)

آغا سلطان سلطانم دوغلات

محمد حیدر مرزا دوغلات کی دختر ہے لہذا مصنف تاریخ رشیدی کی پھوپی ہوئی۔ اس کا نکاح عبدالقدوس دوغلات سے کاشغر میں ۸۷۷ھ ۷۳-۱۴۷۲ء کے بعد ہوا۔ اسکا شوہر ۹۰۰ھ ۹۵-۱۴۹۴ء میں زندہ تھا اور سلطان محمود میرزا ایران شاہی کی طرف سے خوست کا حاکم ہوا (توزک بابری وتاریخ رشیدی)

آئی بیگم میران شاہی

آئی ترکی لفظ ہی جسکے معنی چاند کے ہیں۔ اسکا نام توزک بابری میں نہیں ہی مگر مسٹر ارسکن نے لکھا ہی سلطان محمود میرزا میران شاہی کی خانزادہ بیگم ترمذی کے بطن سے چوتھی لڑکی ہی۔ اور جہانگیر میرزا بابر کے سوتیلے بھائی کی زوجہ ہے۔ اس کی منگنی ۹۰۱ھ ۹۶-۱۴۹۵ء میں ہوئی اور ۹۱۰ھ ۱۵۰۵ء شادی ہوئی۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی ۹۱۴ھ ۱۵۰۹-۸ء تک بیوہ ہوگئی (توزک بابری ڈیوٹ ڈی کورٹیلی)

آکا بیگم بایقرا

آکا ایک لقب ہے۔ اصلی حال نہ معلوم ہوسکا۔ اس کی بہن جوبیدا کا کے لقب سے مشہور ہے۔ معلوم ہوتا ہی کہ اسکا نام ربیعہ سلطان تھا۔

منصور میرزا بایقرا اور فیروزہ بیگم میران شاہی کی بیٹی ہی۔ سلطان حسین میرزا کی حقیقی بڑی بہن ہی۔ بابر کہتا ہی کہ اس کی شادی سلطان احمد میرزا (جو بابر کا چچا تھا) سے ہوئی اور ایک بچہ کچک میرزا ہوا (کچک میرزا کے معنی چھوٹا سا شاہزادہ۔ اسلیے کہ کوچک کا مخفف کچک ہی) لیکن اس نے احمد کی بیبیوں کا ذکر کرتے وقت (توزک صفحہ ۲۲) اس بیگم کا ذکر نہیں کیا

نہ آکا کا نام لیا نہ کوئی دوسرا نام لیا۔ بابر کہتا ہے کہ احمد کے دو لڑکے ہوئے جو نوجوانی میں ہی مر گئے
مگر کچک میرزا کی زندگی کا پتہ چلتا ہے اور وہ بجائے فوجی خدمات کے علمی اشغال میں مصروف رہا
یہ عجیب بات ہے کہ یہ نکاح میران شاہی خاندان کی ایک لڑکی کا بایقرا خاندان کے لڑکے سے ہے
(جو غالباً نیا اور سب سے پہلا رشتہ ہوگا) مگر سلطان احمد میرزا کے حالات میں اسکا کچھ ذکر
نہیں پایا جاتا۔ (توزک بابری)

آق بیگم بایقرا

ترکی میں آق کے معنی خوبصورت کے ہیں یہ لفظ بطور لقب یا خطاب مستعمل ہوتا ہے۔
بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے خطابات جن عورتوں کے ہیں اُنکا اصلی نام معلوم ہو جاتا ہے
جیسے یاسین دولت کا لقب آق سلطان ہے اور سلیقہ بیگم کا آق بیگم۔ اکثر اصلی نام کا پتہ ہی نہیں چلتا
اور وہ لقب ہی مشہور ہوتا ہے۔ یہ بیگم سلطان حسین میرزا بایقرا کی لڑکی پایندہ سلطان بیگم میران شاہی
کے بطن سے ہے۔ بابر کی پھوپی زاد بہن تھی۔ اپنی بہنوں میں سب سے بڑی ہے۔ محمد قاسم ارلات کی زوجہ
تھی۔ اس کی ایک لڑکی تھی قراقوز بیگم (سیاہ چشم) (توزک بابری)

عائشہ سلطان بیگم میران شاہی

سلطان احمد میرزا میران شاہی اور قوتوق (کنگک) بیگم کی تیسری لڑکی تھی۔ بابر کی بڑی پھوپی زاد
بہن اور اس کی سب سے پہلی بیوی تھی۔ اُس کی نسبت بمقام سمرقند ۸۹۴ھ - ۱۴۸۹ء میں جب بابر پانچ
برس کا تھا ہوئی تھی اور شعبان ۹۰۵ھ مطابق مارچ ۱۵۰۰ء میں بمقام خجند مصائب کے زمانے میں
نکاح ہوا جبکہ خسرو شاہ اور احمد تنبول سے میدان جنگ و جدل گرم تھا۔
بابر کہتا ہے کہ مجھے پہلے ہی سے عائشہ سے محبت تھی اور بعد کو تو بالکل ہی جاتی رہی۔
بابر کی پہلی اولاد فخر النساء ولادت ۹۰۶ھ ۱۵۰۱ء اسی کے بطن سے ہوئی۔
تاشقند کی ویرانی جو شیبانی نے ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء میں کی ہے۔ اس سے پہلے عائشہ بابر سے علیحدہ

ہو گئی تھی۔ اور یہ جدائی اپنی بڑی بہن (شاید) سلیقہ بیگم کے ساتھ سازش میں شریک ہونیکے سبب سے تھی۔ کیونکہ سلیقہ ان چند رشتہ داروں میں سے ایک کی منکوحہ تھی جنھوں نے فرغانہ کے کمسن بادشاہ کو تخت سے اُتارنے کی کوشش کی تھی۔

گلبدن نے اپنی کتاب میں عائشہ سلطان بیگم کے طلسمی دعوت میں شرکت کا ذکر کیا ہے مگر کچھ اور تفصیل نہیں بیان کی۔ (ہمایوں نامہ تو زک بابری)

محمد محسن

چائے

تقریباً چارسو برس کا زمانہ گزرا کہ چائے پہلے پہل چین سے انگلستان لائی گئی۔ اُس وقت اس قدر گراں قیمت تھی کہ ایک پونڈ (نصف سیر) دو سو روپے کو ملتی تھی۔ اور اس قدر نادر الوجود شئے تھی کہ ایک مرتبہ ایک سوداگر نے بادشاہ انگلستان کے حضور میں ایک سیر چائے بطور ہدیہ کے پیش کیا تھا تو بادشاہ نے اس تحفہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ اور اب یہ زمانہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ چائے کی قیمت پانچ روپے سیر سے زیادہ نہوگی۔ انگلستان تو انگلستان ہندوستان میں بھی معمولی سے معمولی گاؤں میں چائے نوشوں کی کثرت ہے۔

چائے کی پیداوار پودوں سے ہوتی ہے۔ اسکے پودوں کا اصلی وطن چین ہے۔ جہاں کے لوگ اسکو صدہا سال پیشتر سے پیتے ہیں۔ بہت زمانہ تک تمام دنیا چائے کے لیے چین ہی کی محتاج تھی۔ لیکن تقریباً پچاس ساٹھ سال سے اس کی کھیتی سیلون۔ شمالی بنگال آسام اور ہندوستان کے پہاڑی خطے میں بھی ہونے لگی۔

چائے کا پودا اگر بڑھنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو وہ آٹھ نو فٹ تک بلند ہو جائیگا لیکن چائے کے باغچوں میں یہ ہمیشہ چھانٹ دیا جاتا ہے تاکہ وہ تین فٹ سے زیادہ بلند

نہونے پائے۔ چائے کے پھول سفید رنگ کے یاسمن کے پھول سے کچھ مشابہ ہوتے ہیں مگر ویسی خوشبو نہیں ہوتی۔

چائے کی پیداوار کے لیے پہاڑ کے دامن کی زمین عمدہ ہوتی ہے۔ پودے چار چار فیٹ کے فاصلہ پر قطاروں میں لگائے جاتے ہیں۔ پودوں کی شاخوں کے چھانٹ دینے کے چند ہی دن بعد نئے پتے اور کلیاں نکل آتی ہیں اور چھوٹی ٹہنیوں پر چھا جاتی ہیں۔ درخت سال میں تین بار چھانٹے جاتے ہیں۔ اور سال میں تین ہی بار محاصل بھی دیتے ہیں۔

نئے پتے نہایت ہوشیاری سے چُن لیے جاتے ہیں اور ٹوکریوں میں رکھ کر گھر لائے جاتے ہیں۔ اول درجہ کی چائے کلیوں کی ہوتی ہے۔ دوم درجہ ننھی پتیوں کا ہے اور سوم درجہ بڑی پتیوں کا۔ پتیاں ایک ایسے مکان میں سوکھائی جاتی ہیں۔ جہاں آگ دہکتی رہتی ہے یا لوہے کے کسی بڑے اور چوڑے کڑاہ میں اولائی جاتی ہیں۔ اس ترکیب سے پہلے وہ زرد ہوجاتی ہیں بعدہ بھوری اور آخر میں سیاہ۔ ہر پتی سُکڑ کر اینٹھ جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے ریزے جو ٹوٹ کر الگ ہوجاتے ہیں جمع کیے جاتے ہیں وہ گرد چائے کہلائے جاتے ہیں۔ اس حالت میں پہنچکر اب وہ چائے قابل استعمال ہوگئی اور کاغذ کے پیکٹوں یا ٹین کے بکسوں میں بند کرکے بازاروں میں پہنچا دی گئی۔

چائے ایک عمدہ اور قابل نوش چیز ہے۔ تکان دور کرنے میں بہت اکسیر ہے۔ گرم وخشک ہے فہم وفراست وطبیعت میں جودت بخشنا۔ حرارت غریزی کا نگاہ رکھنا۔ حافظہ وبصارت کو تیز نیند کا کم کرنا۔ نزلہ کا روکنا۔ رطوبات دماغی کا خشک کرنا۔ دماغ ودل کو قوت دینا۔ غذا کا ہضم کرنا، خون کا صاف کرنا، شور مادہ کا خارج کرنا۔ جگر، گردہ، مثانہ کے نقصانات کو دفع کرنا اسکے خواص سے ہے۔ لیکن اس کی کثرت نے موقع یا بے طریقہ استعمال کرنا خصوصاً گرم مزاج والوں میں یا گرم فصلوں میں یا بہت گرم شہروں میں بالعکس نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اسکا مصلح دودھ

یا روغن بادام ہی۔ خلوے معدہ میں اسکا پینا مضر ہے۔

کافی (قہوہ)

قہوہ نوشی بہت مقبول اور مرغوب عربوں اور تُرکوں میں ہی۔ ان ملکوں میں اسکا رواج ٹھیک اسی طریقہ پر ہی جس طرح ہمارے ہاں حقہ اور پان کا ہی۔ جب کوئی کسی سے ملنے کے لیے جاتا ہی تو ایک فنجان قہوہ ضرور پیش کیا جاتا ہی۔ پینے سے انکار کرنا بہت ہی معیوب حرکت خیال کی جاتی ہی۔ نیند کے دفعیہ کے لیے قہوہ واقعی بہت کارآمد چیز ہے۔ کافی کے بیج چھوٹے اور سبز ہوتے ہیں۔ یہ بیج کسی چوڑے ظرف میں آگ پر بھونے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ بھورے رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ بھوننے سے اُن کی باس بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ تب وہ پیسکر سفوف بنائے جاتے ہیں۔ اس سفوف کی تھوڑی سی مقدار کسی برتن میں ڈالکر اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالدیا جاتا ہی۔ پانچ منٹ کے بعد وہ باریک کپڑے میں چھان لیا جاتا ہے۔ بعض آدمی اس کو سادی پیتے ہیں لیکن عام رواج دودھ اور چینی ملاکر پینے کا ہی

کافی کے پھل سے اسکے بیج نکال لیے جاتے ہیں۔ ہر پھل میں دو بیج ہوتے ہیں، پھل جب پکتا ہی تب سرخ ہو جاتا ہی، مقدار میں بچوں کی کھیلنے کی گولی کے برابر ہوتا ہی پھل کے گُچھے درختوں کے تنے پر لٹکتے رہتے ہیں۔

بہت زمانہ گذرا کہ کافی کا درخت اس ملک میں ملک عرب کے بعض عربی سیاح لائے تھے اور جنوبی ہندوستان میں میسور کی پہاڑیوں پر لگایا گیا تھا۔ اب یہ میسور، کورگ، نیلگری وغیرہ کی پہاڑیوں میں بکثرت ہوتا ہی۔ کافی کے ہی باغ ہیں۔ جہاں ہزاروں درخت نظر آئینگے۔ ہندوستان سے باہر عرب میں اور وہاں سے زیادہ برازل (جنوبی امریکہ) میں ہوتے ہیں۔

کافی کا اثر بھی قریب چائے کے ہی مگر اس میں یبوست بہت زیادہ ہی۔ قلب کے واسطے بہت مضر ہی۔ اس لیے ضروری کہ اسکے استعمال کی حالت میں مفرحات کا استعمال رکھیں۔ بہت حار مزاج والوں کا اس سے احتراز ہی کرنا بہتر ہے۔ حکمائے متقدمین کے تجربہ سے ثابت

ہوتا ہے کہ کافی کے ہمراہ دودھ کا استعمال کرنا برص کا مورث ہوتا ہے۔

ابوالکمال دیسنوی

گناہ کا اگن کنڈ[1]

کنور پرتھی سنگھ مہاراجہ جسونت سنگھ کے بیٹے تھے۔ زیورِ حسن و شجاعت سے آراستہ۔ ایران مصر، شام وغیرہ ملکوں میں سیر و سیاحت کی تھی۔ اور کئی زبانوں میں مہارت تام رکھتے تھے ان کی ایک بہن تھی۔ راج نندنی حسن و ملاحت کی تصویر، شیریں زباں، خوش ادا، اور بلند خیال، گناہ سے اُسے خلقی نفرت تھی۔ یہانتک کہ وہ بارہا مہاراجہ صاحب سے اخلاقی مسائل پر دلیلیں کر چکی تھی۔ اور جب کبھی انہیں نظم و سیاست کے پردے میں کوئی غیر واجب کام کرتے دیکھتی تو حتی الوسع اُسے روکنے کی کوشش کرتی۔ اس کی شادی کنور دھرم سنگھ سے ہوئی تھی جو ایک چھوٹی سی ریاست کے ولی عہد تھے اور جسونت سنگھ کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ پر مامور تھے۔ دھرم سنگھ بڑا شجاع اور کارپرداز آدمی تھا اسے ہونہار دیکھکر مہاراجہ صاحب نے راج نندنی کو اُس کی آغوش محبت میں سونپ دیا تھا اور یہ دونوں بڑے اخلاص سے رہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے شیدا تھے۔ دھرم سنگھ زیادہ تر جودھپور ہی میں رہتے۔ پرتھی سنگھ اُن کے دلی دوست تھے۔

ایک جان دو قالب، ان میں وہ دوستی تھی جو برادرانہ تعلقات سے بھی زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے رازدار اور ہمدرد، جس طرح ان دونوں راج کماروں میں یگانگت تھی۔ اسی طرح دونوں راجکماریاں بھی ایک دوسرے پر جان دیتیں۔

پرتھی سنگھ کی بیوی درگا کنور بہت ہی نیک مزاج۔ متین اور درگذر کرنے والی عورت تھی، عام طور پر نند بھاوج میں چشمکیں رہا کرتی ہیں۔ مگر یہ دونوں عورتیں ایک دوسرے کی عاشق زار تھیں۔ اور دونوں سنسکرت علم ادب کی شیدا،

[1] آتشکدہ گناہ

ایک روز دونوں راجکماریاں باغیچہ میں محوخرام تھیں کہ ایک کنیز نے راج نندنی کے ہاتھ میں ایک پرچہ لاکر رکھدیا۔ راج نندنی نے کھولا تو وہ سنسکرت کا ایک رقعہ تھا۔ اسے پڑھکر اس نے کنیز سے کہا جاکر انہیں اندر بھیجدے۔ ذرا دیر میں ایک عورت بوسیدہ کپڑے پہنے آتی دکھائی دی۔ اسکا سن پچیس سال سے زائد نہ تھا مگر رنگت زرد تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور ہونٹ خشک چال ڈھال میں نزاکت تھی اور خط وخال نہایت دلفریب۔ قیاس یہ کہتا تھا کہ اس وقت زمانہ نے اس کی یہ حالت بنا رکھی ہی مگر کسی وقت میں وہ نہایت حسین عورت ہوگی۔ اُس عورت نے آکر چوکھٹ چومی اور دعائیں دیکر فرش پر بیٹھ گئی۔ راج نندنی نے اُسے سر سے پاؤں تک بغور دیکھکر پوچھا تمہارا نام کیا ہی۔ اُس نے جواب دیا مجھے برج بلاسی کہتے ہیں۔

راج نندنی۔ "کہاں رہتی ہو"

برج بلاسی۔ "یہاں سے تین دن کے رستہ پر ایک گاؤں وکرم نگر ہی وہیں میرا مکان ہے"

راج نندنی "سنسکرت کہاں پڑھی"

برج بلاسی "میرے باپ سنسکرت کے بڑے پنڈت تھے۔ انہیں نے تھوڑا بہت پڑھا دیا"

راج نندنی "تمہارا بیاہ تو ہوگیا ہے نہ"

بیاہ کا نام سنتے ہی برج بلاسی کی آنکھوں سے موتی جھڑنے لگے۔ آواز سنبھال کر بولی اسکا جواب میں پھر کبھی دونگی میری رام کہانی بڑی دردناک ہے۔ آپ لوگوں کو سنکر رنج ہوگا۔ اسوقت معاف رکھیے"

آج سے برج بلاسی یہاں رہنے لگی، سنسکرت ادب میں اُسے بڑی رسائی تھی۔ اور شعرا کے کلام کی دلدادہ۔ وہ ہر روز دونوں راجکماریوں کو نظم ونثر کے کلام پڑھکر سُناتی۔ اُسکے حسن مذاق اور وسیع علمیت نے رفتہ رفتہ راجکماریوں کے دل میں اُس کی محبت اور عزت پیدا کردی۔ یہانتک کہ پاس اور رُتبہ کی تمیز اُٹھ گئی۔ اور برج بلاسی سہیلیوں کی طرح بے تکلف رہنے لگی۔

۲

کئی مہینے گذر گئے۔ کنور پرتھی سنگھ اور دہرم سنگھ دونوں مہاراجہ صاحب کے ساتھ افغانستان کی مہم کو سرکرنے گئے ہوئے تھے۔ جدائی کی یہ گھڑیاں یہاں میگدوت اور رگھونبس کے مطالعہ میں کٹیں برج بلاسی کو کالیداس کے کلام سے بہت رغبت تھی اور وہ اس کی توضیح ایسی خوبی سے کرتی اور ایسے لیسے نکتے نکالتی کہ دونوں راجکماریاں وجد کرنے لگتیں۔

ایک روز شام کا وقت تھا دونوں راجکماریاں پائیں باغ کی سیر کرنے لگیں تو دیکھا کہ برج بلاسی ہری ہری گھاس پر لیٹی ہوئی ہے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ راجکماریوں کے حسن سلوک خاطر ومدارات اور بے تکلفانہ برتاؤ نے اسکا حسن بہت کچھ چمکا دیا تھا۔ وہ اب ان کے ساتھ خود بھی راجکماری معلوم ہوتی۔ مگر باوجود ان دلجوئیوں کے یہ غریب عورت اکثر تنہائی میں بیٹھکر رویا کرتی۔ اس کے دل پر ایک ایسا صدمہ تھا جو اُسے دم بھر بھی چین سے نہ بیٹھنے دیتا۔

راجکماریوں نے اسوقت اسے روتے دیکھا تو کمال ہی ہمدردی سے اسکے پاس بیٹھ گئیں۔ راج نندنی نے اسکا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور اسکے گلابی رخساروں کو تھپک کر بولی۔ سکھی! تم اپنے دل کا حال ہمیں نہ بتاؤگی۔ کیا اب بھی ہم غیر ہیں تمہارا یوں اکیلے اکیلے غم کی آگ میں جلنا ہم سے نہیں دیکھا جاتا۔

برج بلاسی۔ آواز سنبھال کر بولی "بہن میں ابھاگن ہوں۔ میرا حال مت سنو۔

راج نندنی۔ اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔

برج بلاسی۔ کیا کہو۔

راج نندنی۔ وہی جو میں نے پہلے دن پوچھا تھا۔ تمہارا بیاہ ہوا ہے کہ نہیں۔

برج بلاسی۔ اسکا جواب میں کیا دوں ابھی نہیں ہوا۔

راج نندنی۔ کیا کسی کے پریم میں مبتلا ہو

برج بلاسی۔ نہیں بہن ایشور جانتا ہے۔

راج نندنی۔ تو اتنی اداس کیوں رہتی ہو محبت کی خوشی حاصل کرو۔

برج بلاسی۔ نہیں غم کے سوا دل میں محبت کی جگہ نہیں ہے۔

راج نندنی۔ ہم محبت کی جگہ پیدا کر دیں گے۔

برج بلاسی کنایہ سمجھ گئی بولی۔ بہن ان باتوں کا چرچا مت کرو۔

راج نندنی۔ میں اب تمہارا بیاہ رچاؤں گی۔ دیوان جے چند کو تم نے دیکھا ہے۔

برج بلاسی۔ آبدیدہ ہو کر بولی۔

راجکماری! میں برت دھارنی ہوں اور اپنے برت کا پورا کرنا ہی میری زندگی کا خاص مقصد ہے اس عہد کے پورا کرنے کے لیے میں جیتی ہوں ورنہ میں نے ایسی ایسی آفتیں جھیلی ہیں کہ جینے کی آرزو دل میں باقی نہیں رہی۔ میرے باپ وکرم نگر کے جاگیردار تھے۔ میرے سوا انکے کوئی دوسری اولاد نہ تھی۔ مجھے جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ میری ہی خاطر انہوں نے برسوں تک سنسکرت ودیا سیکھی تھی۔ فنون سپہ گری میں بڑے ماہر تھے۔ کئی بار لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ ایک دن شام کا وقت تھا۔ گائیں مرغزار سے لوٹ رہی تھیں۔ میں اپنے دروازے پر کھڑی تھی اتنے میں ایک شخص بانکی پگیا باندھے، بدن پر ہتیار لگائے نشہ جوانمردی سے جھومتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ میری پیاری گائے موہنی اسی وقت چراگاہ سے لوٹی تھی۔ اور اسکا بچہ ادہر ادہر کلیلیں کر رہا تھا۔ اتفاق سے بچہ اُس نوجوان کے پیروں تلے دب گیا۔ گائے اس آدمی پر جھپٹی۔ راجپوت بڑا دلیر تھا اُس نے شاید خیال کیا کہ بھاگتا ہوں تو کلنک کا ٹیکا لگتا ہے۔ فوراً تلوار میان سے کھینچ لی اور گائے پر حملہ کر بیٹھا۔ گائے جھلائی ہوئی تھی مطلق نہ ڈری۔ میری آنکھوں کے سامنے راجپوت نے اس پیاری گائے کو جان سے مار ڈالا۔ دیکھتے دیکھتے صدہا آدمی جمع ہو گئے اور اس شخص کو سخت سست کہنے لگے۔

اتنے میں پتاجی بھی آ گئے۔ وہ سندھیا کرنے گئے ہوئے تھے۔ دروازہ پر آ کر دیکھا تو صدہا آدمیوں کا مجمع ہے۔ گائے تڑپ رہی ہے اور اسکا بچہ کھڑا رو رہا ہے۔ پتاجی کی آواز سنتے ہی گائے نے بڑی پُر درد آواز سے کراہا اور اُن کی طرف کچھ ایسی دردناک نگاہوں سے دیکھا کہ پتاجی کو طیش آ گیا

میرے بعد انہیں یہ گائے ہی پیاری تھی۔ للکار بولے "میری گائے کس نے ماری ہے" نوجوان شرم سے سر جھکائے سامنے آیا اور بولا میں نے،

پتاجی۔ تم چھتری ہو؟

راجپوت۔ ہاں۔

پتاجی۔ تو کسی چھتری سے ہاتھ ملاتے۔

راجپوت کا چہرہ تمتما گیا بولا! کوئی چھتری سامنے آجائے۔

ہزاروں آدمی کھڑے تھے مگر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس راجپوت کا سامنا کرے۔ یہ دیکھ کر پتاجی نے تلوار کھینچ لی اور اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے بھی تیغہ نکال لیا اور دونوں آدمیوں میں تیغے چلنے لگے۔ پتاجی بوڑھے تھے۔ سینہ پر زخم کاری لگا۔ گر پڑے۔ انہیں اُٹھا کر لوگ گھر میں لائے اُن کا چہرہ زرد تھا۔ مگر آنکھوں سے غصہ کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ میں روتی ہوئی ان کے سامنے آئی۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سب آدمیوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ جب میں اور وہ تنہا رہ گئے تو پتاجی بولے۔ بیٹی تم رجپوتنی ہو۔

میں۔ جی ہاں۔

پتاجی۔ راجپوت بات کے دھنی ہوتے ہیں۔

میں۔ جی ہاں۔

پتاجی۔ اس راجپوت نے میری گائے کی جان لی ہے۔ اسکا بدلہ تمہیں لینا ہوگا۔

میں۔ آپ کا حکم بجالاؤں گی۔

پتاجی۔ اگر میرا بیٹا زندہ ہوتا تو میں یہ بوجھ تمہاری گردن پر نہ رکھتا۔

میں۔ آپ کا جو کچھ ارشاد ہوگا میں بسر و چشم بجالاؤں گی۔

پتاجی۔ تم عہد کرتی ہو؟

میں۔ جی ہاں۔

پتا جی۔ اس عہد کو پورا کر دکھاؤ گی۔

میں۔ جہانتک میرا بس چلے گا میں ضرور یہ عہد پورا کروں گی۔

پتا جی۔ یہ میرا تیغہ لو۔ جب تک تم یہ تیغہ اس اچھوت کے کلیجہ میں نہ پیوست کر لینا اپنے اوپر عیش و آرام حرام سمجھنا۔

یہ کہتے کہتے پتا جی کی جان نکل گئی۔ میں نے اسی دن سے جوگن کا بھیس کیا۔ اور اس تیغہ کو پہلو میں چھپائے اُس راجپوت نوجوان کی تلاش میں گھومنے لگی۔ برسوں گزر گئے۔ میں کبھی بستیوں میں جاتی۔ کبھی کوہ و بیاباں کی خاک چھانتی۔ مگر اس نوجوان کا سراغ نہ ملتا۔ ایک روز میں ایک سنسان جگہ میں بیٹھی ہوئی اپنی حسرت نصیبوں پر رو رہی تھی کہ وہی نوجوان شخص آتا ہوا دکھائی دیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟

میں۔ میں ایک دُکھیاری براہمنی ہوں آپ مجھ پر دیا کیجیے اور مجھے کچھ کھانے کو دیجیے۔

راجپوت۔ اچھا میرے ساتھ آ۔

میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ شخص بے خبر تھا۔ میں نے بجلی کی طرح چمک کر پہلو سے تیغہ نکالا اور اُس کے سینہ میں بھونک دیا۔ اتنے میں کئی آدمی آتے ہوئے دکھائی دیے میں اتنی خوف زدہ ہوئی کہ تیغہ چھوڑ کر بھاگی۔ تین سال تک پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپی رہی۔ بار بار جی میں آیا کہ کہیں ڈوب مروں۔ مگر جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ نہ جانے کیا کیا ذلت و خواری جھیلنی بدی ہوئی ہے کہ اب تک زندہ ہوں۔ آخر جب بہائم کی طرح جنگل میں رہتے رہتے جی اکتا گیا تو جودھپور چلی آئی یہاں آپ لوگوں کی غربا پروری کا شہرہ سنا۔ آپ کی سیوا میں آپہنچی اور تب سے آپ کی شفقتوں کی بدولت آرام سے زندگی بسر کر رہی ہوں۔ یہ میری مختصر رام کہانی ہے"

راج نندنی نے لمبی سانس لیکر کہا "اوہ۔ دنیا میں کیسے کیسے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ خیر تمہارے تیغہ نے اسکا کام تو تمام کر دیا۔

برج بلاسی۔ کہاں بہن! وہ بچ گیا۔ زخم اوچھا پڑا تھا۔ اسی شکل کا ایک نوجوان راجپوت میں نے

جنگل میں شکار کھیلتے ہوئے دیکھا تھا۔ نہیں معلوم وہی تھا یا اور کوئی شکل بالکل ملتی تھی۔

(۲)

کئی مہینے گزر گئے راجکماریوں نے جب سے برج بلاسی کی سرگذشت سنی تھی اس کے ساتھ اور بھی محبت اور ہمدردی کا برتاؤ کرنے لگی تھیں۔ پہلے بے تکلفی میں کبھی کبھی چھیڑ چھاڑ ہو جاتی۔ مگر اب دونوں ہر دم اس کی دلجوئی کیا کرتیں۔ ایک روز بادل گھرا ہوا تھا۔ راج نندنی نے کہا آج بہاری لال کی ست سئی سُننے کو جی چاہتا ہے۔ برکھا رت پر اس میں بہت عمدہ دوہے ہیں"

دُرگا کنور۔ بڑی انمول کتاب ہے۔ سہیلی! تمہاری بغل میں جو الماری رکھی ہوئی ہے۔ اس میں وہ کتاب ہے ذرا نکالنا۔

برج بلاسی نے کتاب اُتاری اور اسکا پہلا ہی ورق کھولا کہ اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی، اسکے سرورق پر ایک تصویر زیب دے رہی تھی۔ اسی ظالم کی تصویر تھی جو اس کے باپ کا قاتل تھا۔ برج بلاسی کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ تیوری پر بل پڑ گئے۔ اپنا عہد یاد آ گیا۔ مگر اسکے ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ اس شخص کی تصویر یہاں کیسے آئی اور اسے ان راجکماریوں سے کیا تعلق ہے کہیں ایسا نہو کہ مجھے زیر بار احسان ہو کر اپنا عہد توڑنا پڑے؟

راج نندنی نے اس کی صورت دیکھکر کہا۔ سکھی کیا بات ہے؟ یہ غصہ کیوں۔ برج بلاسی نے آہستہ سے کہا کچھ نہیں۔ نہ جانے کیوں چکر آ گیا تھا۔

آج سے برج بلاسی کے دل میں ایک اور فکر ہو گئی۔ کیا مجھے زیر بار احساں ہو کر اپنا عہد توڑنا پڑیگا؟

(۴)

پورے سولہ مہینے کے بعد افغانستان سے پرتھی سنگھ اور دھرم سنگھ لوٹے۔ شاہی مہم کو بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ برف کثرت سے پڑنے لگی۔ پہاڑوں کے درے برف سے ڈھک گئے۔ آمد و رفت کے راستے بند ہو گئے۔ رسد کے سامان کمیاب ہونے لگے۔ سپاہی بھی

بھوکوں مرنے لگے تب افغانوں نے موقع دیکھکر شبخوں مارنے شروع کیے آخر شہزادہ محی الدین کو ناکام اور پسپا ہو کر واپس آنا پڑا۔

دونوں راجکمار جوں جوں جودہپور کے نزدیک پہنچتے تھے انکے دل شوق سے اُمڈے آتے تھے اتنے دنوں کی جدائی کے بعد پھر وصال نصیب ہوگا۔ شوق دیدار قدم بڑہا جاتا ہے۔ رات دن منزلیں طے کرتے چلے آتے ہیں۔ نہ تھکن معلوم ہوتی ہے نہ ماندگی۔ دونوں نے زخم کھائے ہیں۔ مگر پھر ملنے کی خوشی میں زخم کی تکلیف بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ پرتھی سنگھ درگا کنور کے لیے ایک صفہانی تیغہ لائے ہیں۔ ادھرم سنگھ نے راج نندنی کے لیے کشمیر کی ایک بیش بہا شال مول لی ہے۔ دونوں کے دل اُمنگ سے بھرے ہوئے ہیں۔

راجکماریوں نے جب سنا کہ دونوں بیر واپس آتے ہیں تو نشۂ مسرت سے متوالی ہوگئیں سنگار کیا جانے لگا۔ مانگ موتیوں سے بھری جانے لگی۔ اُن کے چہرے فرط مسرت سے گلنار ہوئے جاتے تھے۔ اتنے دنوں کی جدائی کے بعد پھر ملاپ ہوگا۔ خوشی آنکھوں سے اُبلی پڑتی ہے۔ دونوں ایک دوسری کو چھیڑتی ہیں اور خوش ہو ہو کر گلے ملتی ہیں۔

اگہن کا مہینہ تھا برگد کی ڈالیوں میں مونگے کے خوشے لگے ہوئے تھے جودہپور کے قلعہ سے سلامیوں کی گھن گرج صدائیں آنے لگیں۔ سارے شہر میں شور مچگیا کہ کنور پرتھی سنگھ بخیر و عافیت افغانستان سے واپس آئے

دونوں راجکماریاں تھالوں میں آرتی کے سامان لیے ہوئے دروازے پر کھڑی تھیں۔ پرتھی سنگھ درباریوں کے سلام لیتے ہوئے محل میں آئے درگا کنور نے آرتی اُتاری اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھکر خوش ہوگئے۔ کنور دھرم سنگھ بھی جوش شجاعت سے اینڈتے ہوئے اپنے محل میں داخل ہوئے مگر اندر قدم بھی نہ رکھنے پائے تھے کہ چھینک کی آواز سُنائی دی اور داہنی آنکھہ پھڑکنے لگی۔ راج نندنی آرتی کا تھال لیکر پکی۔ مگر پیر پھسل گیا اور تھال ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا دہرم سنگھ کا ماتھا ٹھنکا۔ اور راج نندنی کا چہرہ زرد ہوگیا۔ یہ بدشگونی کیوں؟

(۵)

برج بلاسی نے دونوں راجکماروں کے آنے کی خبر پاکر ان دونوں کی شان میں دو پُر زور قصیدے کہہ رہے تھے۔ صبح کو جب کنور پرتھی سنگھ سندھیا سے فارغ ہو کر بیٹھے تو وہ اُن کے سامنے آئی اور ایک خوبصورت تش کی طشتری میں قصیدہ رکھکر پیش کیا۔ پرتھی سنگھ نے دست شوق بڑھا کر قصیدہ لے لیا۔ شاعری گو اعلیٰ پایہ کی نہ تھی۔ مگر کلام میں تازگی۔ درد متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی پرتھی سنگھ نے نفیس شاعرانہ مذاق پایا تھا۔ اس قصیدے کو پڑھکر بہت محظوظ ہوئے اور ایک موتیوں کا ہار انعام دیا۔

برج بلاسی یہاں سے فرصت پاکر کنور دھرم سنگھ کے پاس پہنچی وہ بیٹھے ہوئے راج نندنی سے میدان جنگ کے واقعات بیان کر رہے تھے مگر جوں ہی برج بلاسی کی نگاہ اُن پر پڑی وہ بے اختیار جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ کنور دھرم سنگھ نے بھی اُسے دیکھا اور چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور ہاتھ پاؤں میں رعشہ سا آگیا۔ برج بلاسی تو اُلٹے پاؤں واپس ہوئی اور دھرم سنگھ نے چارپائی پر لیٹ کر دونوں ہاتھوں سے مونھ ڈھانپ لیا۔ راج نندنی نے یہ کیفیت دیکھی اور اسکا پھول سا بدن پسینے میں تر ہو گیا۔

دھرم سنگھ سارے دن پلنگ پر پڑے کروٹیں بدلتے رہے۔ چہرہ ایسا کمھلا گیا جیسے برسوں کا مریض۔ راج نندنی اُن کی دلجوئیوں میں مصروف تھی۔ دن تو یوں کٹا رات کو کنور صاحب سر شام ہی سے تھکن کا بہانہ کر کے لیٹ گئے۔

راج نندنی حیران تھی کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کیا برج بلاسی انہیں کے خون کی پیاسی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ میرا پیارا۔ میرا عالی دماغ دھرم سنگھ ایسا سنگدل ہو۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہر چند چاہتی ہے کہ اپنی خوش اداؤں سے اُن کے دل کا بوجھ ہلکا کرے۔ مگر ناکام رہتی ہے۔ آخر اُسے بھی نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

رات زیادہ آگئی تھی۔ آسمان نے تاریکی کی چادر مونھ پر لپیٹ لی تھی۔ سارس کی دردناک آواز

کبھی کبھی سنائی دیجاتی ہے اور رہ رہ کر قلعہ کے سنتریوں کی آواز کان میں آپڑتی تھی۔ راج نندنی کی آنکھ یکایک کھلی تو دہرم سنگھہ کو پلنگ پر نہ پایا۔ اندیشہ ہوا۔ تیزی سے اُٹھ کر برج بلاسی کے کمرے کی طرف چلی۔ اور دروازہ پر کھڑی ہو کر اندر جھانکا۔ شک یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ کیا دیکھتی ہے کہ برج بلاسی ہاتھ میں تیغہ لیے کھڑی اور دہرم سنگھ دونوں ہاتھ جوڑے۔ اسکے سامنے بکیسوں کی طرح گھٹنے ٹیکے بیٹھے ہیں۔

یہ نظارہ دیکھتے ہی راج نندنی کا خون خشک ہو گیا اور سر میں چکر سا آنے لگا۔ پیر لڑکھڑانے لگے معلوم ہوا کہ گری جاتی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آئی اور مونھ ڈھانپ کر لیٹ رہی مگر اس کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔

(۶)

دوسرے دن پرتھی سنگھ علی الصباح کنور دہرم سنگھ کے پاس گئے اور مسکرا کر کہا "بھیا موسم بڑا سہانا ہے شکار کھیلنے چلتے ہو؟

دھرم سنگھ کسی گہرے خیال میں غرق تھے سر اوپر اُٹھایا تو چہرہ اداس تھا۔ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں بولے "کیا کہا؟

پرتھی سنگھ۔ شکار کھیلنے چلتے ہو۔

دھرم سنگھ۔ ہاں چلو۔

دونوں راجکماروں نے گھوڑے کسوائے۔ اور شکارگاہ کی طرف چلدیے۔

پرتھی سنگھ کا چہرہ شگفتہ تھا۔ جیسے کنول کا پھول کھلا ہو۔ ایک ایک حرکت سے تیزی و رچستی ٹپکی پڑتی تھی۔ مگر کنور دھرم سنگھ کے چہرہ پر زردی چھائی ہوئی تھی گویا بدن میں جان نہیں ہے۔ پرتھی سنگھ نے انہیں کئی مرتبہ چھیڑا۔ مگر جب دیکھا کہ یہ بہت زیادہ دلگرفتہ ہیں تو خاموش ہو گئے۔ چلتے چلتے دونوں آدمی ایک جھیل کے کنارے پر ہو نکلے۔ یکایک دہرم سنگھہ ٹھٹک گئے اور بولے میں نے آج رات کو ایک سخت عہد کیا ہے" یہ کہتے کہتے ان کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں

پرتھی سنگھ نے گھبرا کر پوچھا کیسا عہد۔

دہرم سنگھ۔ تم نے برج بلاسی کی سرگذشت سُنی ہے۔

پرتھی سنگھ۔ ہاں۔

دہرم سنگھ۔ میں نے عہد کیا ہے کہ جس شخص نے اس کے باپ کا خون کیا ہے اُسے بھی جہنم میں پہنچا دوں۔

پرتھی سنگھ۔ تم نے واقعی بڑا دلیرانہ عہد کیا ہے۔

دہرم سنگھ۔ ہاں بشرطیکہ پورا کر سکوں۔ کیوں تمہارے خیال میں ایسا شخص گردن زدنی ہے یا نہیں؟

پرتھی سنگھ۔ ایسے موذی کی گردن کُند چھری سے کاٹنی چاہیے۔

دھرم سنگھ۔ بیشک! میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر میں کسی وجہ سے یہ کام نہ انجام دے سکوں تو تم میرا عہد پورا کر دو گے۔

پرتھی سنگھ۔ بڑے شوق سے۔ تم اُسے پہچانتے ہو نہ۔

دہرم سنگھ۔ ہاں اچھی طرح۔

پرتھی سنگھ۔ تو بہتر ہو گا کہ یہ کار خیر مجھی کو کرنے دو۔ تمہیں شاید اُس پر رحم آجائے۔

دہرم سنگھ۔ بہت خوب۔ مگر یاد رکھو۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے کئی بار موت کے مونھ سے بچ نکلا ہے۔ کیا عجب ہے کہ تم بھی نرم ہو جاؤ اس لیے تم بھی عہد کرو کہ اُسے ضرور واصل جہنم کر دو گے۔

پرتھی سنگھ۔ میں درگا کی قسم کھاتا ہوں کہ اس شخص کے خون سے اپنے تیغہ کی پیاس بجھاؤنگا۔

دہرم سنگھ۔ بس ہم دونوں ملکر یہ مہم سر کریں گے۔ تم اپنے عہد پر قائم رہو گے نہ۔

پرتھی سنگھ۔ کیوں! میں سپاہی نہیں ہوں۔ ایک دفعہ جو عہد کیا بس سمجھ لو کہ وہ پورا ہو کر رہے گا چاہے اس میں اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

دہرم سنگھ۔ ہر حالت میں۔

پرتھی سنگھ۔ ہاں ہر حالت میں۔

دہرم سنگھ۔ اگر وہ تمہارا کوئی عزیز ہو تو؟

پرتھی سنگھ (دہرم سنگھ کو ٹٹولتی ہوئی نگاہوں سے دیکھکر) کوئی عزیز ہو تو۔

دہرم سنگھ۔ ہاں ممکن ہے کہ وہ تمہارا کوئی رشتہ دار ہو۔

پرتھی سنگھ۔ (جوش سے) کوئی ہو۔ اگر میرا بھائی ہو تو زندہ چنوا دوں۔

دہرم سنگھ۔ گھوڑے سے اُتر پڑے اُن کا چہرہ مُرجھایا ہوا تھا۔ اور ہونٹ کانپ رہے تھے انہوں نے کمر سے تیغہ کھول کر زمین پر رکھدیا۔ اور پرتھی سنگھ کو للکار کر بولے پرتھی سنگھ تیار ہو جاؤ۔ وہ موذی ملگیا۔ پرتھی سنگھ نے چونک کر اِدہر اُدہر دیکھا۔ مگر دہرم کے سوا اور کوئی نہ دکھائی پڑا۔

دہرم سنگھ۔ تیغہ کھینچو۔

پرتھی سنگھ۔ میں نے اُسے نہیں دیکھا۔

دہرم سنگھ۔ وہ تمہارے سامنے کھڑا ہی۔ وہ سیہ کار موذی دہرم سنگھ ہی ہی۔

پرتھی سنگھ (گھبرا کر) ایں! یہ سنگدلی۔

دہرم سنگھ۔ راجپوت! اپنا عہد پورا کر۔

اتنا سنتے ہی پرتھی سنگھ نے بجلی کی طرح کمر سے تیغہ کھینچ لیا۔ اور اُسے دہرم سنگھ کے سینہ میں چُبھو دیا۔ تیغہ دستہ تک چبھ گیا۔ خون کا فوارہ بہ نکلا۔ دہرم سنگھ زمین گر پڑے اور آہستہ سے بولے۔ پرتھی سنگھ! میں تمہارا بہت مشکور ہوں۔ تم سچے ہیر ہو۔ تم نے مرد کا فرض مرد کی طرح پورا کیا۔

پرتھی سنگھ نے یہ سنا۔ اور زمین پر بیٹھکر رونے لگے۔

آج راج نندنی ستی ہونے جارہی ہے۔ اُس نے سولھوں سنگار کیے ہیں اور مانگ موتیوں سے بھروائی ہے۔ کلائی میں بیاہ کا کنگن باندھا ہے۔ پیروں میں سرخ مہندی رچائی ہے اور گلنار جوڑا زیب بدن بدن کیا ہے۔ اس کے بدن سے خوشبو اُڑ رہی ہے کیونکہ آج وہ ستی ہونے جاتی ہے۔
راج نندنی کا چہرہ بدر کامل کی طرح روشن ہے۔ اس کی طرف دیکھتے ہی آنکھیں جھپک جاتی ہیں۔ نشۂ محبت سے اسکا رویاں رویاں مست ہو گیا ہے اس کی آنکھوں سے روحانی نور برس رہا ہے وہ آج آسمان کی دیوی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی چال کیسی مستانہ ہے۔ نشۂ محبت میں جھوم رہی ہے وہ اپنے پیارے پتی کا سر گود میں لیے ہوئے آتی ہے اور اس چتا میں بیٹھ جاتی ہے جو صندل خس اور عود سے بنائی گئی تھی۔

سارے شہر کے لوگ یہ نظارہ دیکھنے کے لیے اُمڈے چلے آتے ہیں۔ باجے بج رہے ہیں پھولوں کی برکھا ہو رہی ہے۔ ستی چتا میں بیٹھ چکی تھی کہ اتنے میں کنور پرتھی سنگھ آئے اور ہاتھ جوڑ کر کہا "مہارانی میرا قصور معاف کرو"۔

ستی نے جواب دیا "معاف نہیں ہو سکتا تم نے ایک نوجوان راجپوت کی جان لی ہے۔ تم بھی جوانی میں قتل کیے جاؤ گے"۔ ستی کے بچن کبھی جھوٹے ہوئے ہیں۔ یکایک چتا میں آگ کا شعلہ نمودار ہوا۔ جے جے کار کے نعرے بلند ہوئے آگ میں ستی کا چہرہ یوں چمکتا تھا جیسے افق کی سرخی میں آفتاب چمکتا ہے۔ ذرا دیر میں وہاں ایک تودۂ خاک کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

اس ستی کے مزاج میں کیسا ستّ تھا۔ پرسوں جب اس نے برج بلاسی کو جھجک کے دہرم سنگھ کے سامنے جاتے دیکھا تھا۔ اسی وقت اسکے دل میں شک پیدا ہو گیا تھا۔ مگر جب رات کو اُس نے دیکھا کہ میرا شوہر اس عورت کے سامنے بیکسوں کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ تو شک یقین کے درجے تک پہنچ گیا۔ اور یقین ستّ کا جذبہ اپنے ساتھ لیتا آیا۔ سویرے جب دہرم سنگھ اُٹھے تو راج نندنی نے کہا کہ میں برج بلاسی کے دشمن کا سر چاہتی ہوں تمھیں لانا ہوگا۔ دہرم سنگھ نے کہا کہ شام تک تمہارے سامنے وہ سر آجائے گا، اور ایسا ہی ہوا۔ اپنے

سستی ہونے کے سب اسباب راج نندنی نے خود بخود جان بوجھکر پیدا کیے کیونکہ اسکے مزاج میں ست تھا۔

کیسا اعلیٰ اخلاقی معیار ہی۔ اور کیسی عبرتناک داستان! گناہ کی آگ کیسی تیز ہوتی ہے اس کی لپٹ جانسوز ہوتی ہی۔ ایک گناہ نے کتنی جانیں جلاڈالیں۔ شاہی خاندان کے دو کنور اور شاہی خاندان کی دو کنوریاں دیکھتے دیکھتے اس اگن کنڈ کی نذر ہوگئیں۔ کیونکہ ستی کا بچن ست ہوا۔ اور ساتھ ہی ہفتہ کے اندر پرتھی سنگھ بھی دہلی میں قتل کیے گئے۔ اور درگا کنور نے اپنے تئیں اُن پر قربان کر دیا۔

افسانہ کہن

بقیہ شاہ لیر

گانرل (شاہ لیر سے) کیوں صاحب میری ہمشیرہ کا مجھ سے ہاتھ ملانا آپ کو کیوں بُرا معلوم ہوا۔ آپ میرا کوئی قصور بھی بتاتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی زود رنج سترہ بہترہ آدمی دوسروں کو بات بات میں قصور وار ٹھہرائے تو اس میں دوسروں کا کیا قصور ہے۔

لیر۔ او خاک کے پُتلے تو کس درجہ سخت واقع ہوا ہی کہ باوجود اس درجہ سختیاں جھیلنے کے بھی ابھی تک قائم ہی۔ سخت جانی تیرا بُرا ہو۔ اچھا مجھے کوئی یہ تو بتاؤ کہ میرے ملازم کو کس نے قید کیا۔

کارنوال۔ صاحب میں نے اسکو قید کیا تھا۔ لیکن اسکو اپنے قصور کی سزا اس سے بھی زیادہ ملنی چاہیے تھی۔

لیر۔ تم نے قید کیا تھا! تم نے ا

ریگن۔ والد صاحب میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ اس قدر کمزور اور بڈھے ہیں کہ آپ کو ان گیدڑ بھبکیوں سے باز آنا چاہیے۔ اب اگر آپ لوٹ کر میری ہمشیرہ کے ہاں جانا چاہیں تو جائیے اور ایک ماہ تک حسب قرارداد اُنکے پاس رہیے اور اسکے بعد اپنے ہمراہیوں میں سے آدمیوں کو موقوف

کرنے کے بعد اگر میرے ہاں آپ آئینگے تو میں اپنے گھر میں آنے کی آپ کو اجازت دونگی اور اس وقت آپ جانتے ہیں کہ میں خود اپنے گھر سے دور پڑی ہوں۔ میرے پاس آپ کی خاطر مدارات کے لیے کوئی سامان نہیں ہے۔ میں مجبور ہوں اور آپ کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتی معاف فرمائیے۔

لیر۔ اب گانرل کے ہاں لوٹ کر جاؤں۔ اور پچاس آدمیوں کو موقوف کر کے پھر آؤں۔ نہیں نہیں یہ مجھ سے ہرگز نہوگا۔ اب میں کسی کے گھر میں نہیں رہ سکتا۔ میں گھروں میں رہنا بھی ترک کرتا ہوں۔ میں بہتر سمجھتا ہوں کہ مینھ اور سرد ہوا کی سختی اور تکلیف برداشت کروں بہ نسبت اسکے کہ تم لوگوں کی سختیاں جھیلوں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جنگل کے رہنے والے بھیڑیے اور بشتر کو اپنا ہمنشیں بناؤں اور محتاجی کے تیز دانتوں کے سامنے اپنے جسم کو پیش کروں کہ وہ پھاڑ پھاڑ کر کھالے

اسکے مکان پر لوٹ کر چلا جاؤں! کیوں میں شاہ فرانس کے تخت کے سامنے ہی جاکر ہاتھ جوڑ کر سجدہ میں کیوں نہ گر پڑوں جو بلا کسی جہیز کے طیش میں آکر ہماری سب سے چھوٹی بیٹی کو بیاہ کرلے گیا ہے اور ایک ادنیٰ خادم کی طرح اس سے اپنی پنشن مقرر کرالوں تاکہ یہ ذلیل زندگی کچھ دنوں تک اور بسر کرسکوں۔ اسکے ہاں لوٹ کر جاؤں! تم یوں ہی کیوں نہیں کہتی ہو کہ اس قابل نفرت سائیس (آسولڈ کی طرف اشارہ کرکے) کی غلامی اور خدمت گزاری اختیار کروں۔

گانرل۔ ہزار مرتبہ دل چاہے تو کیجیے ورنہ مت کیجیے۔

لیر۔ بیٹی مجھپر تمہاری مہربانی ہوگی اگر تم ایسی سخت باتوں سے مجھے رنج پہنچا پہنچا کر بالکل ہی دیوانگی کی حالت تک نہ پہنچادوگی۔ میری بیٹی میں اب کبھی بھی آپ کو تکلیف نہ دونگا۔ خدا حافظ! اب میں آیندہ کبھی بھی تم سے نہیں ملونگا۔ اب ہماری تمہاری زندگی بھر کبھی ہی ملاقات نہوگی۔ خون کے رشتے کو میں کیسے مٹا سکتا ہوں۔ تم میری لڑکی ہو۔ میرا خون اور گوشت پوست تم میں بھی موجود ہے نہیں نہیں تم میرے خون اور گوشت میں ایک بیماری کے طور پر ہو کہ میں تم کو اس طریقہ سے اپنی کہنے پر مجبور ہوں جیسے ایک بیمار آدمی بیماری کو اپنی بیماری کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ تم میرے

بگڑے ہوئے خون میں ایک پھوڑا ہو۔ بلکہ ناسور ہو۔ نہیں بلکہ اڈیٹ پھوڑا ہو جو جسم پر اُبھرا ہوا نظر آتا ہے
لیکن میں تم کو اب شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔ ندامت اور شرمندگی خود بخود کبھی تو تم تک پہونچیگی
میں اس وقت ان کو بلانا نہیں چاہتا۔ میری اس وقت یہ خواہش نہیں ہی کہ آسمانی گولا تمہارے سر پر
گرے اور نہ میری خواہش ہی کہ بجلی تمہاری نالایقی کا قصہ اُس حاکم تک پہنچاے جو انصاف کی غرض
سے سب سے اعلیٰ عرش پر بیٹھا ہی۔ جہانتک تم سے ہو سکے تم اپنی اصلاح کرلو اور اطمینان سے
فرصت پاکر اپنے کو اچھا ثابت کرنے کی فکر کرو۔ میں تحمل اور برداشت سے کام لونگا۔ میں اب اپنی
بیٹی ریگن کے پاس معہ اپنے ایک سو ہمراہیوں کے رہجاؤنگا۔

ریگن۔ والد صاحب معاف کیجیے آپ کا یہ خیال ٹھیک نہیں۔ اسوقت میرے ہاں رہجانیکا
خیال اپنے دماغ سے نکال ڈالیے۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ آپ اس قدر جلد میرے ہاں آکر
دہرنہ دینگے۔ آپ کے خیر مقدم کے لیے میرے پاس کوئی سامان نہیں ہی۔ جو بات ہمشیرہ صاحبہ
آپ سے کہہ رہی ہیں آخر اُسکے ماننے میں آپ کو کیا عذر ہی۔ جو لوگ آپ کو طیش میں آنے پر
نیک مشورہ دیتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی عقل ٹھیک نہیں رہی
ہے اسلیے درگذر ہی مناسب ہے لیکن میری بہن اپنے کاموں کو خود ہی اچھی طرح سمجھتی ہی۔

لیر۔ کیا ریگن تم کو مجھ سے ایسی باتیں کرنی مناسب ہیں۔

ریگن۔ جناب میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں نے کوئی بات نامناسب نہیں کہی۔ کیا
پچاس ہمراہی آپ کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ کی آپ کو ضرورت ہی کیا ہے۔
بلکہ یہ بھی زیادہ ہیں۔ اس قدر بڑی تعداد کا صرف اور انکو ایک جگہ رکھنے کا اندیشہ یہ دونوں باتیں
آپ کی ضد کے مقابل میں ملحوظ رکھنی پڑینگی۔ آپ ہی فرمائیے کہ ایک گھر میں دو مختلف آقاؤں کی
ماتحتی میں اتنی بڑی تعداد کا اتفاق کیسے ممکن ہی۔ یہ میرے خیال میں ناممکن ہی۔

گانرل۔ کیوں صاحب کیا آپ ریگن کے اور میرے ملازموں سے بھی تو خدمت لے
سکتے ہیں۔

ریگن۔ اگر ہمارے ملازموں سے آپ خدمت لینے پر رضامند ہوں تو جب کبھی وہ آپ کی خدمتگزاری میں کوتاہی یا غفلت کرینگے۔ تو ہم ان کو مجبور کر سکتے ہیں یا سزا دے سکتے ہیں۔ اب مجھے آپ کے بہت ملازموں کے متعلق ایک ڈر اندیشہ پیدا ہوتا ہی۔ آپ مہربانی سے میرے ہاں جب تشریف لائیں تو پچیس آدمیوں سے زیادہ نہ لائیگا۔ اور اگر آپ زیادہ لائینگے تو میرے ہاں انکا ٹھکانا نہیں ہے۔

لیر۔ بیٹی تمہارے پاس یہ سب کچھ میرا ہی تو دیا ہوا ہے۔

ریگن۔ ہاں ہی تو سہی اور آپ نے بہت مناسب وقت پر میرے حوالہ کر دیا۔

لیر۔ مینے تم کو اپنا سرپرست اور محافظ بنا کر صرف لینے لیے یہ شرط لگائی تھی کہ میرے ساتھ اتنے ہمراہی رہا کرینگے۔ کیا ریگن واقعی تمہارا یہ خیال ہی کہ مجھے صرف پچیس ہمراہیوں کے ساتھ تمہارے ہاں آنا چاہیے۔

ریگن۔ جناب میں پھر آپ سے کہے دیتی ہوں کہ اس سے زیادہ تعداد میرے ہاں نہ لائیگا۔

لیر۔ بعض وقت جب بُرے آدمی بھی اپنے سے بروں کے مقابل میں کھڑے ہوتے ہیں تو اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں (گانرل کی طرف مخاطب ہوکر) میں اب تمہارے ساتھ جانے پر رضامند ہوں۔ تم میرے پچاس ہمراہیوں کو رکھنے پر رضامند ہو۔ اور یہ تو صرف پچیس ہی رکھنا چاہتی ہی۔ تمہاری مجھ پر دوچند مہربانی ہی۔

گانرل۔ حضور کو پچاس یا پچیس یا دس یا پانچ ہمراہیوں کو بھی کیا ضرورت ہی۔ آپکے لیے میرے ہاں خدمت گزاروں کی کیا کمی ہے۔

ریگن۔ ایک آدمی کی بھی ضرورت نہیں۔

لیر۔ بیٹی ضرورت کا کیا ذکر کرتی ہو۔ ذلیل فقیروں کے پاس بعض وقت کم سے کم اور ذلیل سے ذلیل اشیا بھی زائد از ضرورت معلوم ہوتی ہیں۔ اگر محض زندگی کا قائم رکھنا ہی مقصود ہوتا تو ہماری ضروریات جانوروں کی ضروریات سے زیادہ نہیں ہو سکتیں۔ تم بیگم صاحبہ ہو اگر تم کو

اپنے کو گرم رکھنا مدنظر ہوتا تو تم ایسی بھڑکدار پوشاک جو مشکل سے تم کو گرم رکھہ سکتی ہی کیوں پہنتیں۔
لیکن اے خدا میری اصلی ضرورت جس کی میں آپسے خواہش کرتا ہوں وہ صبر ہی۔ مجکو صبر عطا کر۔
میرے خدا تو اس بڑھاپے میں میری مصیبت زدہ حالت کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہی۔ میرا بڑھاپا
اور میرا موجودہ رنج دونوں میرے لیے سخت مصیبت خیز ہیں۔ اے خدا اگر ان بیٹیوں کے
دل تو نے میری مخالفت پر آمادہ کیے ہیں تو مجھ پر اتنا تو رحم کر کہ میں بے عزتی اور بیحیائی سے
اُن کی نالائقانہ سختیوں کو تو نہ برداشت کروں۔ مجکو شریفانہ عزت عطا کر تا کہ میں عورتوں کی طرح
آنسو بہا بہا کر اپنے مردانہ رخساروں کو ذلیل نہ کروں۔

خیر نا خلف چڑیوں میں تم دونوں سے ایسا بدلہ لونگا کہ جس سے تمام دنیا کو عبرت ہوگی
ابھی تک میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کیا کرونگا مگر یاد رکھو کہ میں تمہاری ایسی دُرگت کرونگا کہ دیکھنے والو
کلیجہ دہل جائے۔ کیا تم خیال کرتی ہو کہ میں صرف رونے دہونے پر اکتفا کرونگا۔ نہیں ہرگز نہیں
میں ایک آنسو بھی نہیں بہانے کا۔ گو میرے رونے کے لیے تو آپ لوگوں نے بہت سے سامان بہم
پہنچا دیے ہیں۔ اگر یہ دل آئینہ کی طرح ٹوٹ کر اس کے ہزار ٹکڑے بھی ہو جائینگے تو بھی میں نہیں
روؤنگا۔ میرے دیوانے اب میں بھی پاگل ہو چلا ہوں۔

(لیر، گلاسٹر، کینٹ اور دیوانہ اسٹیج سے چلے جاتے ہیں)

کارنوال (دور سے زور کی آندہی اُٹھتی دیکھکر) چلو یہاں سے چلدو۔ سخت آندہی
آرہی ہے۔

ریگن۔ بھلا اس چھوٹے سے مکان میں اس بڈہے اور اسکے ہمراہیوں کا گذارہ کیسے
ہو سکتا تھا۔

گانرل۔ یہ اُنکا اپنا قصور ہی۔ خود اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری اور اپنے کو آرام سے بے آرام
کیا ہی۔ اب اپنی حماقت کا مزہ چکھیں۔

ریگن۔ اگر وہ خود تن تنہا میرے ہاں رہنا چاہیں تو میں خوشی سے رکھ لونگی لیکن اُنکے ایک

ہمراہی کی بھی روادار نہیں ہوں۔

گانرل۔ میرا بھی بالکل یہی خیال ہے۔ شاہزادہ گلاسٹر کہاں تشریف لے گئے۔

کارنوال۔ وہ اسی بڈھے کے ساتھ گئے ہیں۔ وہ واپس آگئے۔

(گلاسٹر پھر اسٹیج پر آتا ہے)

گلاسٹر۔ بادشاہ سلامت تو سخت طیش کی حالت میں تھے۔

کارنوال۔ وہ کس جانب کو گئے ہیں۔

گلاسٹر۔ وہ اپنے گھوڑ کسوا رہے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ کہاں جائینگے۔

کارنوال۔ ان کو اپنی مرضی پر چھوڑ دو وہ کس کی سنتے ہیں۔

گانرل۔ مہربانی سے ان کو ہرگز نہ روکیے۔

گلاسٹر۔ افسوس! رات کی تاریکی بڑہتی جاتی ہے اور تیز ہوا کا جھکڑ طوفان برپا کر رہا ہے۔ یہاں آس پاس میلوں تک کہیں درخت یا جھاڑی کا نشان بھی نہیں پایا جاتا۔

ریگن۔ صاحب ضدی آدمی جو اپنے لیے خود مصیبت ڈہونڈہ کر لاتے ہیں اُنکو مصیبت اُٹھانے دو کہ وہ آیندہ کے لیے سبق حاصل کریں۔ مکان کے دروازے بند کرا دیجیے۔ آپ جانتے ہیں کہ اُن کے ساتھ ایک نہایت بدمعاش خودسروں کا گروہ ہے۔ نہ معلوم وہ اُن کو کس کس بات پر نہ آمادہ کرینگے اور دور اندیشی اور احتیاط کا یہ مقتضےٰ ہے کہ ہم ہوشیار رہیں۔

کارنوال۔ صاحب ضرور دروازے بند کرا دیجیے آج بہت ہی سخت اور مصیبت کی رات ہے۔ میری پیاری ریگن نے آپ کو بہت اچھا مشورہ دیا ہے۔ آپ مینھ اور طوفان میں سے ہٹ جائیے۔

(باقی آیندہ)

اڈیٹوریل

مدرسہ نسواں علی گڈہ میں اکثر موقعوں پر شہر کی بیویوں کو مدعو کیا جاتا ہے تاکہ ان میں اپنی بچیوں کی تعلیم کے لیے دلچسپی پیدا ہو۔ ابکے ایک بہت اچھا موقع ہاتھ آیا جس کی وجہ سے ہمنے کسی قدر اہتمام کے ساتھ معزز گھرانوں کی خواتین کو بلاکر ایک شاندار جلسہ کیا۔

موقع یہ تھا کہ مدرسہ کی چھ لڑکیوں نے قرآن شریف ختم کیا تھا اور ان میں سے پانچ لڑکیوں کے والدین نے خواہش کی کہ آمین کی مبارک رسم مدرسہ میں ادا کی جائے۔ لڑکیوں میں سے ایک لڑکی ہمارے محب قوم مولوی بشیرالدین صاحب اڈیٹر اخبار البشیر کی سگی بھانجی ہیں۔ دوسری مولوی رشید احمد صاحب سالم کی صاحبزادی اور مولانا عبداللہ صاحب انصاری ناظم دینیات علیگڈہ کالج کی نواسی ہیں اور تیسری مولوی سعید احمد صاحب تہانوی کی صاحبزادی ہیں اور چوتھی اکرم علیخاں صاحب رئیس علیگڈہ کی نواسی ہیں اور پانچویں مطبع فیض عام جس میں ہمارا رسالہ خاتون چھپتا ہے اسکے مالک مولوی عبدالسلام کی بہن ہیں مسز عبداللہ نے تقریباً ایک سو چھپے ہوئے دعوتی خطوط شہر اور چھاونی کی معزز بیویوں کے نام جاری کیے ان میں سے ستر بیویاں تشریف لائیں اور جلسہ میں شریک ہوئیں۔ یہ جلسہ ۶۔ اپریل ۱۹۱۰ء کو ہوا۔ مدرسہ کے مکان میں سامنے کے بڑے وسیع چبوترے پر ایک شامیانہ نصب کر دیا گیا تھا اور اسکے نیچے قرینے سے کرسیاں لگادی گئی تھیں۔ نیز اندر دالان میں چاندنی کا فرش کر دیا گیا تھا اول دس بجے سے ایک بجے تک مدرسہ کی طالب علم لڑکیاں قریب سو کے آآکر جمع ہوتی رہیں اور دو بجے سے مہمان بیویاں آنی شروع ہوئیں۔ کچھ بیویاں تو اندر دالانوں میں چاندنی پر بیٹھ گئیں۔ کیونکہ علی گڈہ شہر میں ابھی تک زیادہ علم کی روشنی نہیں پھیلی ہے اسلیے پُرانے خیال کی بیویاں چاندنی کے فرش کو کرسیوں پر ترجیح دیتی تھیں۔ لیکن بعض شہر کی بیویاں اور تقریباً کُل وہ بیویاں جو چھاونی سے تشریف لائی تھیں کُرسیوں پر بے تکلف بیٹھ گئیں۔

تین بجے کے بعد اول مولود شریف پڑھا گیا۔ ایک اُستانی اور ایک مہمان بیوی نے

نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جس سے سب بیبیاں اور بچیاں محظوظ ہوئیں۔ کیونکہ دو بیویوں کا آواز ملاکر پُرلطف لہجے میں پڑھتے ہوئے علیگڈھ میں شاید یہ پہلے ہی بار تھا۔ میلاد شریف کے ختم ہونے کے بعد مدرسہ کی ہیڈ معلمہ محمدی بی بی صاحبہ نے لڑکیوں کو ایک ایک کرکے آمین پڑہائی ہم اس موقع پر محمدی بی صاحبہ کی قابلیت اور محنت اور پوری توجہ کا اعتراف کرتے ہیں جو انکو مدرسہ کی کامیابی کے لیے ہے۔

آمین ختم ہونے کے بعد اُستانی شفاعت فاطمہ بیگم صاحبہ نے ایک دعائیہ نظم جو اُنہوں نے خود تصنیف کی تھی خوش الحانی کے ساتھ پڑہی جسکو سُنکر حاضرات کو بہت لطف آیا۔ اسکے بعد تمام لڑکیوں اور بیویوں میں شرینی تقسیم ہوئی۔ اور پان وعطر بھی تقسیم ہوا۔ جن لڑکیوں کی آمین پڑہی گئی۔ اُنکے والدین نے بڑی اُستانی صاحبہ کو کچھ نقد اور کپڑے نذر کیے لیکن ہماری سیر چشم ہیڈ معلمہ صاحبہ نے وہ کل رُپیے اور کپڑے وغیرہ مدرسہ کی اعانت کے لیے دیدیئے۔ ہم اسکے لیے ہیڈ معلمہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے مسلمان مردوں کے لیے ان استانیوں کی مثال قابل تقلید ہے۔

نمایش۔ گذشتہ نمایش رنگون کے متعلق ہندوستان میں جو کچھ دلچسپی تھی اس سے ناظرین وناظرات واقف ہیں لیکن ہم کو اس بات کے دیکھنے سے بہت خوشی ہوئی کہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ہماری نمایش کے متعلق دلچسپی لیجانے لگی ہے۔ اور سب سے زیادہ خوشی کی بات ہے کہ کانفرنس کی اس خاص شاخ کی یہانتک قدردانی ہوئی ہے کہ مفصلہ ذیل مضمون میں جو مصر کے اخبار المؤید سے ترجمہ کیا جاتا ہے نمایش کو کانفرنس کا بہترین شعبہ بیان کیا گیا ہے۔ اُسکا نامہ نگار لکھتا ہے۔

اس سے پہلے مراسلے میں مینے جو آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا حال لکھا تھا اُس میں زنانہ نمایش کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ حالانکہ وہ کانفرنس کا بہترین شعبہ ہے۔ اس نمایش کا افتتاح برہما کے گورنر صاحبہ کی اہلیہ صاحبہ نے کیا تھا۔ اور اس موقع پر شہر رنگون کے

عمائد وینز سر چارلس فاکس چیف جسٹس اور خود گورنر صاحب تشریف لائے تھے۔ مسز ڈانٹر صاحبہ نے نہایت فصیح و بلیغ زبان میں لیڈی وائٹ کو ایڈریس پیش کیا۔ اسکے بعد حضرت فاضل صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب نے ایک نہایت پُرزور اور شاندار اسپیچ دی۔ جس میں اس نمایش کی تاریخ بیان کی اور بتایا کہ مسلمان اسکے انعقاد کے لیے کس قدر اہتمام کرتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ اس سے کس قدر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کی بھی تعریف کی کہ وہ ترویج علم اور حامیان تعلیم کی امداد میں کس قدر کوشش کرتی ہے۔

بینڈ باجہ بج رہا تھا۔ اور اسپیچوں کے درمیان میں زور زور کی چیرز ہوتی تھیں اسکے بعد پھر لیڈی وائٹ نے نمایش کی افتتاح کا اعلان کیا۔ اور حاضرین نے اشیاء نمایش کا ملاحظہ کیا۔ جن میں کارچوبی اور ریشم کے کام کے نہایت نفیس نمونے موجود تھے۔ انکے علاوہ اور بھی متعدد قسم کی چیزیں تھیں جنکی مجموعی تعداد پانچ سو نمونوں سے زیادہ تھی۔ اس نمایش کی ترتیب و نظم جنس رطیف کے ذوق سلیم کا نتیجہ تھا۔ برہمی لڑکیوں نے اپنی دستکاریوں کے عمدہ عمدہ نمونے پیش کیے تھے۔ دیگر اقوام نے بھی اس ملکی اور وطنی خدمت میں شرکت سے گریز نہیں کیا تھا۔ برہما کی مسلمان لیڈیوں کی مصنوعات میں ایک سفید ریشم کا پردہ جسپر سرخ دھاریاں تھیں خصوصیت کے ساتھ نہایت دلفریب نمونہ تھا اسپر خوبصورت عربی خط میں یہ جملہ لکھا ہوا تھا۔ السلطان ظل اللہ داخلہ کے دروازہ کے سامنے ہی یہ پردہ لگایا گیا تھا تاکہ ہر شخص کی نگاہ پڑے۔ اور اس صنعت اور اسکے صانع کی ذوق کا داد دے۔ نمایش کے منتظمین نے ایک دن خصوصیت کے ساتھ اس غرض کیلیے مخصوص کردیا تھا کہ صرف مسلمان پردہ دار خواتین آکر اس دن نمایش کو دیکھیں کاتب سطور نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر اپنی قوم کی خدمت کی کہ اس نمایش میں ترکی مصنوعات کے بھی پچاس نمونے رکھدیے۔ جو سب از قسم پارچہ جات تھے۔ ان کو سب لوگوں نے بہت

پسند کیا جتنی کہ جکو امید نہ تھی۔

اعلان - گو امسال الہ آباد میں ایک بہت بڑی نمایش کی وجہ سے جسکا افتتاح دسمبر ۱۹۱۰ء میں ہوگا۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ زنانہ نمایش ملتوی کردی جائے۔ لیکن بعض معاونین کا یہ خیال ہی کہ کسی حالت میں بھی نمایش ملتوی نہیں ہونی چاہیے۔ اُنکا یہ خیال ہی کہ اگر نمایش نہو تو کانفرنس میں کوئی لطف باقی نہیں رہیگا۔ ہم اس حد تک تو اُنسے اتفاق نہیں کرسکتے۔ لیکن پھر بھی نمایش کو کانفرنس کا ایک نہایت ہی اہم شعبہ خیال کرکے ہم بھی اسکے سلسلے کو توڑنا پسند نہیں کرتے اور عام طور پر اعلان کرتے ہیں کہ دسمبر کانفرنس کے ساتھ ناگپور میں زنانہ نمایش ضرور ہوگی۔ عام طور پر پبلک کو معلوم ہی کہ نمایش میں کس قسم کی اشیاء اور مصنوعات بھیجی جاتی ہیں اور وقت بھی بہت کافی ہی جو بیویاں اس میں حصہ لینا چاہتی ہیں وہ ابھی سے اشیاء تیار کرنا شروع کریں۔ خط و کتابت یا تو سکرٹری تعلیم نسواں علی گڈھ سے ہونی چاہیے۔ یا ایم ایم ملک صاحب رئیس ناگپور سے۔ تمغے اور انعامات حسب معمول دیے جائینگے۔

مدرسہ دائیان دہلی کا اجلاس ۱۹- اپریل کو اس مدرسہ کا پہلا سالانہ اجلاس اسکے اپنے مکان میں منعقد ہوا۔ شہر کے تمام ہندو مسلمان معززین بہ تعداد کثیر جلسہ میں موجود تھے۔ حکیم اجمل خانصاحب کی تحریک اور آنریبل لالہ سلطان سنگھ صاحب و لالہ ایشر پرشاد صاحب سرکاری خزانچی کی تائید سے صدر نشین جلسہ ہز ہائنس نواب صاحب مالیر کوٹلہ بنائے گئے۔

سالانہ کیفیت - شیخ عطاء اللہ صاحب آنریری سکرٹری نے سالانہ رپورٹ مدرسہ کی سُنائی اور بتایا کہ کس طرح ابتدا ہی میں مدرسہ کامیابی کے ساتھ کام کرتا رہا ہی۔ چنانچہ ۱۲ لڑکیاں جن میں ۷ مسلمان اور ۵ اہل ہنود ہیں اسمیں داخل ہوئیں۔ ۸۰۷۔ ان ڈور اور آٹھ ہزار تین سو دس آوٹ ڈور مریض عورتوں کا اور بچوں کا مدرسہ کی معرفت معالجہ ہوا۔ ۸۷ (اپریشن) طبی عمال نہایت کامیابی کے ساتھ مریضوں کے کیسے گئے۔ مدرسہ کی کل آمدنی ۲۳ ہزار ۲۰۴ رُپیے ہوئی جس میں ۱۱ ہزار روپیہ ہندوستانی دواخانہ

دہلی نے دیا۔ اسکے مقابلہ میں مصارف کا اندازہ امسال ۵ ہزار ۵ سو ۶۲ روپیہ رہا۔ اگرچہ زر و فنڈ سے سکو کوئی خاص اعانت (سپیشل گرانٹ) نہیں ملی۔ تاہم وہ اپنے بل پر نہایت استقلال کے ساتھ ترقی کر رہا ہے جس کی ایک خاص وجہ نئے مہتمم صاحب کی حسن سعی بھی ہے۔

شکریہ پھر کمیٹی نے حضور بیگم صاحبہ بھوپال، نواب صاحب رامپور۔ ہز ہائنس میر صاحب خیرپور سندہ، کرنل ڈوڈسن سول سرجن دہلی۔ سردار محمد اسمٰعیل خانصاحب اور دوسرے معززین کا شکریہ ادا کیا کہ اس مدرسہ سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ نیز ہز ہائنس نواب صاحب مالیر کوٹلہ ہز ہائنس مہاراجہ صاحب دربھنگہ اور ہز ہائنس میر صاحب خیرپور سندہ کی نسبت اس درسگاہ کے مربی ہونے کا اعلان کیا گیا۔ کمیٹی نے توقع ظاہر کی کہ گورنمنٹ اپنی معمولی مہربانی سے جو وہ ایسے مفید کاموں کی حوصلہ افزائی کیلیے کرتی ہے۔ اس مدرسہ کو بھی عمارت کیلیے ایک قطعہ زمین دیکر مرہون منت فرمائیگی۔ پھر نواب سرج الدین احمد خانصاحب سائل کی نظم کے بعد کرنل ڈوڈسن نے کھڑے ہوکر اجمل خانصاحب کا شکریہ ادا کیا۔ کہ انہوں نے اس مفید مدرسے سے پردہ نشین مستورات کے علاج کے بہترین انتظام کی بنیاد رکھی ہے۔

پریسیڈنٹ کی تقریر۔ نواب احمد علیخانصاحب نے اپنی پر مغز تقریر میں ان تکالیف کا ذکر کیا جو عورتوں کو جاہل دائیوں کے باعث برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسکے انسداد کا ذریعہ سوچنے کیواسطے حاذق الملک کا شکریہ ادا کیا اور دعا کی کہ خدا اس نہایت ضروری مدرسہ کے بانی کو اپنی کوششوں کی بارآوری تک زندہ و سلامت رکھے۔ پھر مدرسے میں دلچسپی لینے والے معاونین کا ذکر خیر کرتے ہوئے ہندو مسلمانوں سے اسمیں فیاضی سے مدد کرنے کی اپیل کی اور ریاست مالیر کوٹلہ کیجانب سے ایک ہزار روپیہ کے عطیہ کا نیز بیگم صاحبہ ریاست مالیر کوٹلہ کی جانب سے پانچسو روپیہ کا اعلان کیا۔ بعد اس تقریر کے حاذق الملک حکیم اجمل خانصاحب نے صدر نشین کا اتنی دور سے زحمت سفر گوارا فرماکے دہلی آنے پر ووٹ آف تھینکس تجویز کیا۔

زنانہ مجلس۔ اسی شام کو مدرسہ کی کامیاب متعلمات کو ایک زنانہ جلسے میں انعام تقسیم کئے گئے۔ بہت سی ہندو مسلمان خواتین کے علاوہ چند پارسی مستورات بھی تھیں۔ ہز ہائنس بیگم صاحبہ مالیر کوٹلہ اور مہارانی صاحبہ نرسنگھہ گڈھ کی عدم تشریف آوری میں مسز لالہ سلطان سنگھہ صاحبہ صدر جلسہ قرار پائیں۔ مسز محمد اکرام اور عالمہ انکے نے جلسہ

مدرسہ کی ضرورت پر اپنے اور آئندہ نسلوں کے فوائد کے لحاظ کو ملحوظ رکھ کر تقریریں کیں اور حاذق الملک حکیم اجمل خانصاحب کا اس مبشر بہا درسگاہ جاری کرنے پر شکریہ ادا کرنیکے علاوہ اسکو حتی الامکان اعانت دینے کی صلاح دی۔ اسکے بعد کچھ نواکہات سے مہمانوں کی تواضع کیگئی اور میر مجلس کے ووٹ آف تھینکس کے ساتھ جلسہ برخاست ہوا۔

ایک ترک شہزادی سے ملاقات

گریس ایلیسن نامی ایک انگریز لیڈی نے ولایت کے مشہور رسالہ ٹی ٹرو کیلی میں ایک ترک شہزادی سے ملاقات کا دلچسپ حال لکھا ہے۔ چونکہ اس سے ترکی خواتین کے اخلاق اور ان کی کئی مراسم پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلیے ہم بھی ترجمہ کے ذریعہ سے اسکا ضروری اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

جولائی ۱۹۰۸ء کے دستور سے پیشتر عثمانی شہزادیوں کو یورپین لیڈیوں سے ملاقات کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ دول غیر کے سفرائے متعلقہ باب عالی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ یہانتک کہ جب سلطان عبدالحمید خاں کے عہد میں قیصر جرمنی معہ قیصرہ کے قسطنطنیہ گئے ہیں اور قیصرہ نے سلطانہ سے ملاقات کی خواہش کی ہے تو اسکو نہایت صفائی کے ساتھ رد کر دیا گیا تھا۔ ناکتخدا شہزادیوں کے لیے یہ قاعدہ اب بھی جاری ہے۔ میں (اسوقت کے) وزیر اعظم کی لڑکی کے ہاں مقیم تھی۔ اور جب انہوں نے مجھے وہ تمام مشکلات بتائیں (جو ممبران خاندان شاہی کے ساتھ ملاقات کرنے میں پیش آتی ہیں) اور پھر باوجود اسکے جب انہوں نے میری ملاقات شہزادی فنائیہ سے کرادی تو میں اُنکی بہت ممنون ہوئی۔ یہ شہزادی سلطان مراد مرحوم کی صاحبزادی اور سلطان معزول عبدالحمید خاں کی بھتیجی ہیں۔ میں پہلی یورپین عورت ہوں جسکو شہزادی نے دیکھا اور اسکے ساتھ ہمکلام ہوئیں۔ اُنہیں حرم سے نکلنے کا سوائے اسکے اور کبھی موقع نہیں ملتا کہ جمعہ کے روز مسجد کو جائیں۔ بس اسوقت پردہ میں سے ان دختران مغرب کو دیکھ لیتی ہوں تو دیکھ لیتی ہوں جو سلاملق کے دیکھنے کیلیے راستے میں مکانوں کے چھجوں وغیرہ پر موجود ہوتی ہیں۔

شہزادی سے ملاقات کرنے کیلیے میری میزبان نے کپڑے بدلے اور بال سنوارے جسمیں کئی گھنٹے صرف ہوئے۔ انکی پوشاک میں بعض چیزیں پیرس کی بنی ہوئی تھیں۔ پیرس کے ایک سے زیادہ من چلے کارخانے سال میں دو بار اپنے ہوشیار ایجنٹوں کو قسطنطنیہ میں بھیجتے ہیں جو ترکی خواتین سے فرمائشیں حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ان کارخانوں کی معقول بکری ہو جاتی ہے اور یہ لوگ مونھ مانگے دام حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ ترکی عورتیں نرخ چکانا

اپنے اور دوسرے کے رتبہ کے خلاف اور اسکی عزت پر ایک قسم کا حملہ سمجھتی ہیں۔ جس طرح انگلستان میں مشرقی دستکاری
کے عجیب و غریب نمونوں کی قدر ہوتی ہے۔ اسی طرح ترکی خواتین مغربی اشیاء سے اپنے مکانات کو آراستہ کرنا پسند کرتی ہیں
مینے ارزاں سے ارزاں چیزیں مشرقی مکانات میں بہت تکلف کیساتھ سجی دیکھیں۔ جب میری میزبان جانیکے لیے تیار ہو چکیں
اور قہوہ بنایا جا چکا تو مینے ترکی لباس کو اُتار کر (جو میں قسطنطنیہ کے قیام کے زمانہ میں پہنا کرتی تھی) اپنا انگریزی لباس پہنا۔ اسوقت
معلوم ہوا کہ سارے محل کی خواتین میرے کپڑوں کو باری باری سے شوقیہ پہن چکی تھیں۔ کسی شہزادی سے ملاقات کیلیے
جاتے وقت زیورات پہننے کا دستور نہیں ہے۔ مگر جن خواتین کو تمغہ شفقت ملا ہوا ہو وہ ایسے موقع پر زیور پہن سکتی ہیں۔
لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ترکی میں عورتوں کو زیور کا زیادہ شوق نہیں ہوتا۔ حالانکہ یورپین ممالک میں سمجھا جاتا ہے کہ ترکی عورتیں
زیورات کے طوق و سلاسل میں ہمیشہ جکڑی رہتی ہیں، خود میری میزبان زیورات کی صرف اسوجہ سے قدر کرتی تھیں کہ انکے
ذریعہ سے ضرورت کیوقت روپیہ فوراً دستیاب ہو جاتا ہے۔ میں نے ترکی کے امیر سے امیر گھروں میں بیش بہا زیورات
نہایت بیقدری کیساتھ پڑے پھرتے دیکھے ہیں۔ ترک عورتیں زیور پہنتی بھی ہیں تو بہت ارزاں مثلاً ایسے جو انگلستان میں
شلنگ دو شلنگ (۱۲ آنے یا ڈیڑھ روپیہ) میں آجاتے ہیں، حرم کی زندگی میں صرف ایک چیز جسکا میں اپنے آپ کو عادی
نہ بنا سکی وہ خواجہ سراؤں کا سردار تھا۔ حرم سراؤں میں خواجہ سراؤں کا سردار گویا مختار کل ہوتا ہے۔ وہ آپکے کمرہ میں بغیر
دستک دیے چلا آتا ہے اور اس طرح گفتگو کرتا ہے گویا آپ کا بھی افسر ہے۔ وہ بڑے طمطراق سے رہتا ہے، میری میزبان نے
اسکا لمبا اور مشکل نام کئی بار لکھ کر مجھے یاد کرانا چاہا، مگر مجھے وہ نہ یاد ہونا تھا نہوا، میں اُسے ہمیشہ چاکلیٹ (ایک قسم کی
انگریزی مٹھائی کا نام) کہا کرتی تھی جسپر وہ اکثر بڑبڑایا کرتا تھا۔ جس روز ہم شہزادی کی ملاقات کو جانے والے تھے تو اُس نے
نہایت سنجیدگی سے مجھ سے کہا کہ آپکا یہ خیال غلط ہے کہ آپ شہزادی کے محل سے پھر واپس آئینگی۔ کیونکہ انہوں نے کسی یورپین
لیڈی کو کبھی نہیں دیکھا اسلیے وہ ضرور آپ کو عجائب چیز سمجھ کر قید کر لینگی" یہ سنجیدہ مذاق کر کے اسنے اپنے نزدیک مجھ سے
اسکا بدلہ لیا کہ میں اسکا نام بگاڑ کر لیا کرتی تھی، غرض ہم شہزادی کے محل کو روانہ ہوئے جو باسفورس کے کنارہ پر واقع ہے۔
جب محل کے سامنے پہنچے تو اسکے بلند پھاٹک کو پانچ خواجہ سراؤں نے ہمارے لیے کھول دیا۔ اور خواجہ سراؤں کے
سردار نے شہزادی کی طرف سے ہمارا استقبال کیا، اور ہمیں لیجا کر ایک کمرہ میں بٹھایا جہاں مرصع ظروف میں قہوہ پیش ہوا
قہوہ اور سگرٹ نوشی کے بعد ہمیں شہزادی کے حضور میں باریاب ہونے کے لیے زینہ پر جانا پڑا۔ شہزادی نے تخت سے اتر کر

ہمارا خیر مقدم کیا۔ یہاں فرش تک مکلل بہ جواہر تھا۔ اور یہ میری زندگی میں پہلا (اور شاید آخری) موقع تھا کہ میں فرش جواہر پر چلی تھی، اوہ! جواہرات کے فرش پر چلنے کا خیال کیسا دل آویز ہے۔ میری میزبان نے شہزادی کے دامن کو بوسہ دیا، لیکن قبل اسکے کہ میں ان کی تقلید کروں شہزادی مجھ سے لپٹ گئیں اور میری پیشانی کو بوسہ دیا اور لیجا کر تخت پر اپنے پہلو میں بٹھایا، تخت پر بٹھاتے ہوئے شہزادی نے مجھ سے کہا کہ "اس سے تمہیں خوش نصیبی حاصل ہوئی" میں نے سوال کیا کہ شہزادی! خوش نصیبی آپ کس چیز کو سمجھتی ہیں؟ جواب دیا "نیک شوہر کو" میں نے عرض کیا کیا نیک شوہر ایسی نایاب چیز ہے" فرمایا "ہاں تمہارے وہاں تو بیشک یہ کوئی نایاب چیز نہیں" میں نے اس کی تردید کرنی مناسب نہ سمجھی، گو میں اس ریمارک سے بالکل متفق نہ تھی، میری میزبان ہمارے قدموں پر بیٹھی ہوئی ہمارے درمیان ترجمانی کا کام کر رہی تھیں، میری تمام ترکی دوست اپنی لونڈیوں کے ساتھ برتاؤ تقریباً بہنوں کا سا کرتی ہیں، اگر لونڈیاں کام میں غفلت کریں تو ان کو اتنی ہی اور اسی قسم کی تنبیہ کی جاتی ہے جتنی خاندان کے دوسرے لوگوں کو ہو اگر وہ اپنے فرائض میں سستی کریں، بعینہٖ یہی کیفیت شہزادی کے محل کی لونڈیوں کی تھی، اتنی دیر میں شہزادی مجھ سے بے تکلف ہو گئیں اور میں نے اُن سے (دربار کے آداب کو خیرباد لکھکر) ہر قسم کی باتیں کرنی شروع کیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے ایک چھوٹا بچہ بھی ہے جس کی میں ہر روز تصویر لیتی ہوں، شہزادی موسیقی کی بےحد شایق ہیں اور خود بھی اعلیٰ درجہ کی موسیقی داں ہیں؛ تفریحی کھیلوں کا بھی اُنہیں شوق ہے اور وہ اپنے باغ میں ایک شایستہ گھوڑے پر سوار ہو کر پھرا کرتی ہیں؛ شہزادی مطالعہ کتب کی بہت زیادہ شایق نہیں ہیں؛ بخلاف دوسری ترکی خواتین کے کہ مطالعہ کتب جنکا بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ شہزادی سوائے ترکی کے اور کوئی زبان نہیں جانتیں؛ اور انہوں نے یہ معلوم کرنیکے لیے کہ انگریزی بولی کیسی ہوتی ہے، مجھ سے انگریزی بُلوا کر سُنی۔ ہم ایک گھنٹہ تک باتیں کرتے رہے، اسکے بعد شہزادی میرا ہاتھ پکڑ کر کھانے کے کمرے میں لیگئیں اور وہاں چاے وغیرہ پلائی۔ میز پر بیس پچیس مہمانوں کا انتظام تھا۔ کیونکہ شہزادی کو امید تھی کہ میرے ساتھ اس قدر عورتیں اور بھی ہونگی۔ شہزادی نے مجھے یقین دلایا کہ میں آپ سے ملکر ہمیشہ خوش ہونگی، رخصت کے وقت انہوں نے بہت افسوس کیا اور کئی بار مجھے اللہ کے سپرد کیا۔ ہماری مشایعت اسی طریقہ سے ہوئی جس طرح استقبال ہوا تھا، مجھے یہ دور افتادہ شہزادی اکثر یاد آتی ہے۔

عجیب چالاکی - ایک عورت دربار صاحب امرتسر کا طواف کر رہی تھی بچہ گود میں تھا۔ ایک نہایت چالاک عورت اُس کو ملی۔ اُس نے جلدی سے بڑھکر نہایت تپاک سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا کہ بہن بہت دن میں دکھائی دیں۔ میں تو تمہارے ملنے کو تڑپ رہی تھی، آج حسن اتفاق سے ملاقات ہوئی۔ یہ کہتے ہوئے اُس نے بچّے کو اپنی گود میں لے لیا اور پیار کرنا شروع کیا۔ نوکر کو بھیجکر فوراً ایک روپیے کی شیرینی منگائی اور بچّے کو معہ ایک روپیہ نقد کے دی۔

بچّے کی ماں نہایت حیران تھی کہ یہ کون عورت ہی جو اس قدر محبت سے پیش آتی ہی وہ شرما گئی اور یہ پوچھ نہ سکی کہ تم کون ہو۔ اس نے سوچا کہ یہ کیا کہے گی کہ مجھے پہچانا بھی نہیں۔ آخر چپ ہی رہی اور سمجھی کہ شاید میرے شوہر کے کسی دوست کی بیوی ہوگی۔

وہ عورت بچّے کو چومتی چاٹتی رہی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ جی تو نہیں چاہتا مگر اب کیا کروں۔ اچھا لو پرسوں تمہارے گھر آؤں گی۔ عورت نے بچّے کو گود میں لے لیا اور حیران اور خوش گھر آئی۔

مگر گھر آکر یہ عقدہ کھُلا۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ بچّے کے ہاتھوں کے سونے کے کڑے غائب ہیں۔ تب یہ معلوم ہوا کہ پیار کرنے والی خالہ نے دو روپیے دیکر ۲۵ پچیس روپیے لے لیے۔

زراعتی کالج - انگلینڈ میں عورتوں کے لیے بھی ایک زراعتی کالج ہی۔ اس میں عورتوں کو کھیتی اور باغیچہ لگانے کا علم سکھایا جاتا ہے۔ ایک نہایت نامی اور دولتمند عورت نے جس کا نام لیڈی باریک تھا ۱۸۹۵ء میں اس کالج کو قایم کیا۔ اسی کے نام سے یہ کالج باریک کالج کہا جاتا ہے۔

لیڈی منٹو کی یادگار۔ لاہور میں ہندوستانی بیگمات کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں بیگم صاحبہ ذوالفقار علی خاں صاحب جاگیردار مالیرکوٹلہ نے پنجابی خواتین سے لیڈی منٹو کی یادگار قائم کرنے کی تحریک کی۔ اور کہا کہ لیڈی صاحبہ کی نیک دلی۔ مہربانی اور ہندوستانیوں سے ہمدردی کا معاوضہ یہ ہے کہ ہم پنجاب کی رہنے والیاں خلوص کے ساتھ اُن کی یادگار قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ عرصہ تک اُن کا نام نیک لوگوں کو یاد رہے۔

بیگم صاحبہ بھوپال کی علم دوستی۔ مسلمانوں کو ہر ہائنس علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۰ء کو ایک اعلان عام کے ذریعہ سے حضور عالیہ نے اپنے تمام ملازمین ریاست کو جو دیوبند کے جلسہ دستاربندی میں شریک ہونا چاہیں ایک ہفتہ کی رخصت عطا فرمائی۔ اور یہ رخصت استحقاقی رخصت میں نہیں محسوب ہوگی۔

تصحیح

نومبر ۱۹۰۹ء کے خاتون میں "[illegible] اور خاتون اور تعلیم نسواں" کے عنوان سے جو مضمون درج ہوا ہے وہ ہمشیرہ خورد مولوی کمال الدین احمد صاحب ایم اے کا لکھا ہوا ہے۔ غلطی سے اڈیٹوریل نوٹ میں اہلیہ مولوی کمال الدین احمد صاحب لکھا گیا ہے۔ ہم کو اس نادانستہ غلطی پر افسوس ہے۔ امید ہے کہ ناظرین تصحیح فرمائینگے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۷

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۵

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ۔ ایل ایل بی ۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا
۳ جون سنہ ۱۹۱۱ء

شیخ عبداللہ بی اے پبلشر

خاتون

۱ - یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت (للعہ)
اور ششماہی عہ ۱۲ ہے۔

۲ - اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳ - مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے
ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴ - ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے
جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے
کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے
انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ - ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو
زبان میں لکھے جائیں۔

۶ - اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی
سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت
کے لیے طیار کیا جائے گا۔

۷ - تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈھ ہونی چاہیے۔

سوکن

اس سے قبل خاتون میں سوکن کے مضمون پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ سب سے اول
اصغری کی سرگزشت سے ہم نے اس رنج دینے والے مضمون کو شروع کیا تھا اور پھر خاتون
میں اور مختلف اخبارات میں خوب بحثیں ہوئیں اور ہمیں یہ توقع تھی کہ کم سے کم تعلیم یافتہ
حضرات اگر اس نہایت نامناسب رواج کی بیخ کنی کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو کم از کم
خود اس سے پرہیز کرینگے اور قوم کے سامنے ایک عمدہ مثال اور نمونہ اپنی زندگی کا
پیش کرینگے۔ لیکن زم صاحبہ کے مضمون سے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے معلوم
ہوتا ہے کہ بری رسمیں مثل متعدی بیماریوں کی مشکل سے انسان کا پیچھا چھوڑتی ہیں۔ گو طبیب
اور ڈاکٹر کتنی ہی کوشش کریں مگر ایسی بیماریوں کا زہریلا اثر کم ہوتے ہوتے ہی ایک زمانہ لگتا ہے

تعدد ازدواج کے مسئلے پر ہم نے اس وقت تک اپنی دلی خواہش کے موافق قلم
نہیں اٹھایا کیونکہ اسکو ہنوز قبل از وقت خیال کرتے ہیں اور اس بات کا انتظار کر رہے

ہیں کہ خود بیبیاں اس مسئلہ کی طرف توجہ کریں کیونکہ عورتوں کی حق تلفی کے جس قدر طریقے مردوں نے ایجاد کیے ہیں ان سب میں سخت اور نہایت اذیت ہو پہنچانے والا طریقہ دوسری شادی کا ہی۔

اگر بیبیاں اس معاملہ میں ہم کو تھوڑی سی بھی مدد دیں اور محض وقتاً فوقتاً ایسے واقعات جیسا کہ ز۔م صاحبہ نے تحریر فرمایا ہے اور جو ہمارے علم میں اس وقت بکثرت موجود ہیں ہمارے پاس تحریر کرکے بھیجتی رہا کریں تو ہم آیندہ ایک بڑے جہاد کے لیے میدان اور سامان تیار کر سکتے ہیں۔

سوکن کے جلاپے سے ہم ہندوستان کی مستورات کو نجات دلانے کی فکر میں ہیں اور بشرط زندگی ہم اس کی کوشش کرینگے اور اگر خدا کو منظور ہوا تو ہمیں کامیابی ہوگی۔ مگر سب سے پہلی شرط یہی ہی کہ بیبیوں میں خود ایک حس پیدا ہو جائے اور وہ اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

ایک مقولہ مشہور ہی کہ "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند" اگر ماں دوسری بی بی پر اپنی لڑکی دینے کو رضامند ہو جاتی ہی۔ اگر بہن کو یا دادی یا نانی کو یہ بات معیوب نہیں معلوم ہوتی کہ ایک بدنصیب کے سر پر جو گھر کی مالک ہی اپنی بہن یا بیٹی اسکو بیاہ کر اُس بدنصیب کی کُل زندگی تلخ کر دی جائے تو پھر اُن کو اس بات کی شکایت کا کیا حق ہو سکتا ہی کہ ہم کو سوکن کے جلاپے سے نجات دلوائی جائے۔ اگر اس تکلیف اور رنج سے نجات منظور ہی تو سب سے اول بڑی مضبوطی سے اس اصول کی پابندی کیجیے کہ کبھی کسی اپنی رشتہ دار لڑکی کو دوسری بی بی دینے پر رضامندی ظاہر نہ کیجیے۔

مردوں کو رفتہ رفتہ معلوم ہو جائیگا کہ ہم ابتک بڑی غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ دنیا میں اصلی اور سچی خوشی کا خون ہماری ہی گردن پر ہوگا اور سخت ظلم اور ناجائز سختی کا الزام ہمارے سر پر رہے گا۔ پھر تو باز آئینگے۔

اس وقت بعض لوگ ایک سے زیادہ شادیوں کی حمایت میں مذہبی روایات سے کام لیتے ہیں مگر ہم اپنے ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا پاک مذہب اس قسم کی لغویات کا ملزم قرار نہیں پا سکتا۔ ہمارے مذہب نے ہمارے لیے سہولیت اور آرام کے سامان بہم پہونچائے ہیں اور کوئی بات معقولیت کے خلاف نہیں کی اور نہ کسی نامعقول بات کے اختیار کرنے پر ہم کو مجبور کیا ہے۔ ہندوستان کے تمدن کے لحاظ سے **ایک گھر کی مالک ایک بی بی ہو سکتی ہے اور یہی معقول بات ہے اور اسی کو اختیار کرنی چاہیے۔**

اڈیٹر

سوکن! ہائے افسوس کس قدر دل دکھانے والا لفظ ہے کسی بیکس مظلوم جس پر یہ صدمہ ہوا ہو۔ اس کے دل سے پوچھنا چاہیے کہ بیچاری کے دل پر کیا گذرتی ہے۔ افسوس! بجز رات دن جلنے رنج غم کھانے رونے کے اور کیا کر سکتی ہے۔ مگر افسوس ظالم بے رحم کو خدا کا خوف اور نہ مظلوم کی شرم! افسوس کیسے کیسے دنیا میں سنگدل لوگ ہوتے ہیں مگر کوئی توجہ نہیں کرتا۔

آج کل کے تعلیم یافتہ مرد اور عورت تمام دنیا کی لغویات کی طرف جن کی کہ فی الحال کوئی ضرورت بھی نہیں۔ بہت متوجہ ہوتے ہیں مگر اسکے اوپر کوئی غور بھی نہیں کرتا۔ کیسا ظلم ہے کہ ایک غریب جس کی تمام زندگی جینا۔ مرنا۔ خوشی۔ رنج و راحت غرض کہ تمام دنیا کی باتیں صرف اس کی وجہ سے پامال ہوتی ہیں۔ مگر اسکو کچھ اسکا خیال نہیں۔ وہ مرے تو بلا سے مرے۔ اور جیے تو صدقے سے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ایک بیوی اچھی خاصی۔ کوئی خاص عیب نہیں۔ اسکو چھوڑ اس کے ساتھ بچوں کو بھی چھوڑ۔ دوسرا نکاح کر کے کیونکر خوشی سے زندگی گزار سکتے ہیں۔

کس طرح اُن کے دل کو چین آتا ہوگا جس وقت وہ یہ خیال کرتے ہونگے کہ ایک

غریب مظلوم کی تمام زندگی ہماری وجہ سے تلخ ہوگئی۔ اور اس بیوی کو کیونکر اطمینان یا خوشی ہو سکتی ہی جبکہ وہ یہ جانتی ہے کہ یہی شخص جو مجکو اتنا اچھا سمجھتا ہی میری خوشیاں پوری کرتا ہی کسی دوسری خدا کے بندی پر جو بالکل میری مانند جاندار ہی ایسا ظلم کرتا ہی کہ اُس کی خبر بھی نہیں لیتا، بالکل ممکن ہی کہ کل وہ کسی تیسری کو ان پر ترجیح دے۔ ان کو پہلی کی طرح چھوڑ تیسری کے ساتھ رہنے لگے۔ اس وقت ان کا دل کیا کہے گا۔ اسی طرح اس غریب کو سمجھنا چاہیے۔

جاہل ہی۔ تو اس میں اس غریب کا کیا قصور۔ ان کا فرض تھا کہ پہلے اچھی طرح دریافت کرتے۔ نہ کہ اس مظلوم کا۔

بدصورت ہی۔ تو اس بیچاری سے کیا لڑائی۔ خدا سے لڑو۔ کہ اس کی شکل ایسی بُری کیوں بنائی۔ یا بنائی تھی تو ہماری ہی قسمت میں اس سے بیاہ ہونا کیوں لکھا۔ یا ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا تو اس کی شکل اچھی اور ہمارے مزاج کے مطابق اسکو پیدا ہی کیا ہوتا نہیں تو کسی ایسے ہی جاہل بدصورت بے وقوف کے پالے ڈالا ہوتا۔

جو لوگ یہی یہی نکتہ چینی کر کے دوسرا نکاح کرتے ہیں وہ یہ کیونکر خیال کرتے ہیں کہ اب جس سے ہوگا وہ ہماری پسند ہی آجائے گی۔

لڑکی کے والدین کو یہ کیونکر یقین ہوتا ہی کہ ان کی لڑکی ضرور ایسے دماغدار نکتہ چیں شخص کے مزاج کے مطابق ہوگی۔ کیا معلوم ہی۔ کہ وہ شخص کس کو اچھا کہتا ہی اور لوگ کس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اپنی اپنی پسند الگ ہوتی ہی۔

جاہل ہونے کا نقص تو میری رائے میں کوئی ایسا نقص نہیں کہ اس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکے۔ صرف ذرا سی محنت درکار ہے۔ پھر سب معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

اگر ذرا توجہ کرے اور عقل اور صبر سے کام لے تو اس کو بھی تعلیم یافتہ لائق

ہوشیار بنا سکتا ہے۔

غریب عورتیں اپنے میاں ماں باپ بھائی بہن کی خاطر اپنی جان کو بے جان سمجھتی ہیں۔ پھر بھی بیچاریوں پر کیسے کیسے ظلم ہوتے ہیں۔ مگر شاباش ہے کس صبر سے برداشت کرتی ہیں۔ مرد اگر چاہے تو جاہل سے جاہل عورت کو روشن خیال اور تعلیم یافتہ بنا سکتا ہے اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں۔

اب تو لوگ وحشی نہیں رہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ وحشیانہ حرکت کیوں کرتے ہیں۔ افسوس! کہلائیں تو تعلیم یافتہ اور حرکتیں کریں ایسی چھوٹی چھوٹی۔ کیا فائدہ ہوا۔ ان کے تعلیم یافتہ ہونے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے بنے۔ کیمبرج اور اکسفورڈ کی ڈگریاں حاصل کرنے سے جبکہ ان میں اتنی بھی تمیز نہ آئی۔

بہنوں کو چاہیے کہ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اور ناممکن ہے کہ بہنیں اپنا اثر ڈالیں اور کامیاب نہوں۔

میری رائے میں تعلیم یافتہ اور روشن خیال بیویوں کو یہ کرنا چاہیے کہ لڑکی کے والدین سے ملنا جلنا چھوڑ دینا چاہیے۔ خواہ وہ کیسے ہی معزز اور شریف تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہوں۔

آخر اس کے کیا معنی کہ ایک دوسرا شخص جو بالکل ان کے ہی بیٹی کی طرح ہے اسکے ساتھ تو یہ سلوک کریں کہ اس کے لیے دنیا میں ہی دوزخ بنائیں اور اپنی بیٹی کو چین کرتے دیکھکر خوش ہوں۔

کیسی سنگدل ہیں وہ عورتیں جن کو کسی کے رنجیدہ ہونے کا رنج و افسوس نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس کو بھی اسی طرح رکھتا ہے۔ جیسا کہ خدا کا حکم ہے۔ بالکل برابر ہر بات میں سمجھتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ برائیوں سے بچنے کے لیے اگر کوئی بات کرے اور بشرطیکہ دونوں کو یکساں سمجھے تو بیشک ان بیویوں کو خوش ہونا چاہیے۔ لڑکی بیچاری بیشک

غریب مظلوم کی تمام زندگی ہماری وجہ سے تلخ ہو گئی۔ اور اس بیوی کو کیونکر اطمینان یا خوشی ہو سکتی ہی جبکہ وہ یہ جانتی ہے کہ یہی شخص جو مجکو اتنا سمجھتا ہی میری خوشیاں پوری کرتا ہی کسی دوسری خدا کے بندی پر جو بالکل میری مانند جاندار ہی ایسا ظلم کرتا ہی کہ اُس کی خبر بھی نہیں لیتا، بالکل ممکن ہی کہ کل وہ کسی تیسری کو اُن پر ترجیح دے۔ ان کو پہلی کی طرح چھوڑ تیسری کے ساتھ رہنے لگے۔ اس وقت ان کا دل کیا کہے گا۔ اسی طرح اس غریب کو سمجھنا چاہیے۔

جاہل ہی۔ تو اس میں اس غریب کا کیا قصور۔ ان کا فرض تھا کہ پہلے اچھی طرح دریافت کرتے۔ نہ کہ اس مظلوم کا۔

بدصورت ہی۔ تو اس بیچاری سے کیا لڑائی۔ خدا سے لڑو۔ کہ اس کی شکل ایسی بُری کیوں بنائی۔ یا بنائی تھی تو ہماری ہی قسمت میں اس سے بیاہ ہونا کیوں لکھا۔ یا ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا تو اس کی شکل اچھی اور ہمارے مزاج کے مطابق اسکو پیدا ہی کیا ہوتا نہیں تو کسی ایسے ہی جاہل بدصورت بے وقوف کے پالے ڈالا ہوتا۔

جو لوگ یہی یہی نکتہ چینی کر کے دوسرا نکاح کرتے ہیں وہ یہ کیونکر خیال کرتے ہیں کہ اب جس سے ہو گا وہ ہماری پسند ہی آجائے گی۔

لڑکی کے والدین کو یہ کیونکر یقین ہوتا ہی کہ ان کی لڑکی ضرور ایسے دماغدار نکتہ چیں شخص کے مزاج کے مطابق ہو گی۔ کیا معلوم ہی۔ کہ وہ شخص کس کو اچھا کہتا ہی اور لوگ کس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اپنی اپنی پسند الگ ہوتی ہی۔

جاہل ہونے کا نقص تو میری رائے میں کوئی ایسا نقص نہیں کہ اس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکے۔ صرف ذرا سی محنت درکار ہے۔ پھر سب معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

اگر ذرا توجہ کرے اور عقل اور صبر سے کام لے تو اس کو بھی تعلیم یافتہ لائق

ہوشیار بنا سکتا ہے۔

غریب عورتیں اپنے میاں ماں باپ بھائی بہن کی خاطر اپنی جان کو بے جان سمجھتی ہیں۔ پھر بھی بیچاریوں پر کیسے کیسے ظلم ہوتے ہیں۔ مگر شاباش ہے کس صبر سے برداشت کرتی ہیں۔ مرد اگر چاہے تو جاہل سے جاہل عورت کو روشنخیال اور تعلیم یافتہ بنا سکتا ہے اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں۔

اب تو لوگ وحشی نہیں رہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ وحشیانہ حرکت کیوں کرتے ہیں۔ افسوس! کہلائیں تو تعلیم یافتہ اور حرکتیں کریں ایسی چھوٹی چھوٹی۔ کیا فائدہ ہوا۔ ان کے تعلیم یافتہ ہونے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے بنے۔ کیمبرج اور اکسفورڈ کی ڈگریاں حاصل کرنے سے جبکہ ان میں اتنی بھی تمیز نہ آئی۔

بہنوں کو چاہیے کہ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اور نا ممکن ہے کہ بہنیں اپنا اثر ڈالیں اور کامیاب نہوں۔

میری راے میں تعلیم یافتہ اور روشن خیال بیویوں کو یہ کرنا چاہیے کہ لڑکی کے والدین سے ملنا جلنا چھوڑ دینا چاہیے۔ خواہ وہ کیسے ہی معزز اور شریف تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہوں۔

آخر اس کے کیا معنی کہ ایک دوسرا شخص جو بالکل ان کے ہی بیٹی کی طرح ہے اسکے ساتھ تو یہ سلوک کریں کہ اس کے لیے دنیا میں ہی دوزخ بنائیں اور اپنی بیٹی کو چین کرتے دیکھکر خوش ہوں۔

کیسی سنگدل ہیں وہ عورتیں جن کو کسی کے رنجیدہ ہونے کا رنج و افسوس نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس کو بھی اسی طرح رکھتا ہے۔ جیسا کہ خدا کا حکم ہے۔ بالکل برابر ہر بات میں سمجھتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ برائیوں سے بچنے کے لیے اگر کوئی بات کرے اور بشرطیکہ دونوں کو یکساں سمجھے تو بیشک ان بیویوں کو خوش ہونا چاہیے۔ لڑکی بیچاری بیشک

بے قصور ہے کہ وہ والدین کے آگے کچھ نہیں بول سکتی۔

افسوس آتا ہی قوم پر کہ وہ لوگ کہتے ہیں اپنے کو تعلیم یافتہ روشنخیال بنتے ہیں قوم کے لیڈر۔ اے کاش کہ وہ جاہل۔ کم لیاقت۔ بے وقوف۔ نالائق ہوں۔ تو بلا سے صبر تو آئے کہ خیر بھئی جاہل ہیں۔ کیا کریں ان کو خدا نے کچھ سمجھ سوچنے کی عقل ہی نہیں دی۔

کیسے افسوس کی بات ہی کہ وہی لوگ جو تمام دنیا کی باتوں پر غور کریں۔ انجمنیں قائم کریں۔ جلسے کریں۔ اور اس بات پر غور نہ کریں۔ ہم نے تو جب سے ایک بیکس مظلومہ کو دیکھا ہی اس قدر اُسکا ہر وقت خیال رہتا ہی۔ مگر افسوس ان ظالموں کو کچھ خیال نہیں۔ بیچاری بیمار پلنگ پر پڑی ہوئی۔ اور چھوٹا سا چھ سات مہینے کا بچہ اس کے سینے پر کھیل رہا تھا۔ آہ کیسے ارمان بھرے دل اور حسرت بھری نگاہ سے اسکو دیکھ رہی تھی۔ اور بیچاری اپنی زندگی کو بے کار سمجھ رہی تھی۔

بیچاری کے دل میں کیا کیا امیدیں ہونگی اپنے لیے اور کیا کیا اپنے بچوں کے لیے چاہتی ہوگی۔ مگر افسوس اب سب خاک میں مل گئیں۔ افسوس اب اس کے ارمان اس کے دل میں ہی رہیں گے اور اس کا بچہ یوں ہی خراب و خستہ ہوگا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ نئی بیگم جو تعلیم یافتہ روشنخیال آئی تھیں۔ جاہل غریب کو انکے زیر سایہ رکھکر تعلیم یافتہ روشن خیال بنایا ہوتا۔ بچوں کو تربیت کرائی ہوتی تاکہ اسکو بھی معلوم ہوتا کہ تعلیم کیا ہے۔ اور لوگ جو دیکھتے یا سُنتے وہ سمجھتے کہ ہاں یہ قوم کے بہی خواہ ہیں۔

اگر مرد جو دوسرا بیاہ کرکے ایسا نہ کرے تو اُن کی تعلیم یافتہ بیگم صاحبہ کا فرض ہی کہ وہ مجبور کریں تاکہ ان کی تعلیم تربیت و لیاقت سے دوسرے لوگ فائدہ اُٹھائیں۔ اور معلوم ہو کہ ہاں تعلیم یافتہ میں اور جاہل میں کیا فرق ہے۔

اس سے کیا فائدہ ہوا کہ تعلیم یافتہ لیکر بیاہ کیا۔ اور جاہلوں کی طرح بیوی کو الگ کر دیا اور تعلیم یافتہ ہونے کا کوئی فائدہ نہ نکلا۔ ایسی تعلیم سے کیا فائدہ جو اپنے ہی تک محدود رہے اور دوسرے شخص کو فائدہ نہ پہنچے۔

بچوں کو اچھی طرح تربیت کرے۔ تعلیم دے۔ اسکے ساتھ محبت سے پیش آئے اسکو تعلیم کے فائدے بتائے تو خیر کچھ تعلیم یافتہ ہونے کا فائدہ بھی معلوم ہو۔

ہائے افسوس کیسا مجکو صدمہ ہوا جس وقت اس کے ہمساؤں سے یہ معلوم ہوا کہ بیچاری تمام دن رو رو کر گزارتی ہے۔ کیا کرے غریب اپنی جان کے سوا اور کس پر بس چلتا ہے۔ روتی ہے اور جان کھوتی ہے۔ افسوس! صد افسوس!

اب مجکو یہ دیکھنا ہے کہ کون کون تعلیم یافتہ بہنیں اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور کیا رائے دیتی ہیں۔ اخباروں اور رسالوں۔ انجمنوں اور جلسوں میں کیا فیصلے ہوتے ہیں۔ جو مرد عورتیں تعلیم وغیرہ پر زور دیتے ہیں وہ کیا اس پر رائے قائم کرتے ہیں اور کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

اگر اسپر کسی کی توجہ نہ ہو۔ تو یہ خیال کرنا چاہیے کہ کسی تعلیم یافتہ میں سچی انسانی ہمدردی اور روشن خیالی نہیں۔ بلکہ جو کچھ کہتے ہیں صرف اپنی شہرت اور ناموری کے لیے،

خاکسار
ز۔ م

غذا

حفظان صحت کا جس قدر گہرا اور ضروری تعلق عورتوں سے وابستہ ہے اس قدر مردوں کے ساتھ نہیں ہے۔ عورتیں خاندان اور گھرانہ کے تمام امور کی نگاہداشت رکھتی ہیں۔ اُن کا یہ بھی فرض ہے کہ اپنی اور خاندان کے بچوں کی حفظ صحت کا بھی خیال رکھیں۔ لیکن اسکے لیے یہ امر نہایت

ضروری ہی کہ وہ حفظان صحت کے اصُول سے بھی واقف ہوں۔

ہمارے دوست سید خورشید علی صاحب جو قومی ہمدردی میں مشہور ہیں وہ فزیالوجی یعنی علم ترکیب اجسام حیوانی پر مضامین کا ایک سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں جسکا پہلا حصہ ذیل میں شائع کیا جاتا ہی۔ ان مضامین کی غرض یہ ہے کہ عورتوں کی معلومات اصول صحت میں اضافہ ہو اور وہ اس کی خاطر خواہ نگاہداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ہم کو امید ہے کہ اس ضروری سلسلہ مضامین کو مستورات نہایت غور سے پڑھیں گی اور ان کو دستور العمل کے طور پر سمجھ کر ان سے نفع اُٹھانے کی کوشش کرینگی

اڈیٹر

ہم لوگ روزانہ جو غذائیں کھاتے ہیں ان میں کی ہر چیز مختلف کیمیاوی اجزا سے مرکب ہوتی ہی۔ علمائے فزیالوجی (علم ترکیب اجسام حیوانات و نباتات) نے غذا کے ان اجزا کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہی جو یہ ہیں۔

(۱) پروٹیئڈس

(۲) کاربو ہائیڈرس

(۳) روغن۔

(۴) نمک

(۵) پانی

انسانی جسم بھی ان ہی اجزا سے مرکب ہوتا ہی جو مندرجہ بالا حصوں میں پائے جاتے ہیں اس لیے انسانی جسم کی بقا کے لیے ان تمام اجزا کا غذا کے ذریعہ ہمیشہ مہیا ہوتے رہنا نہایت ضروری ہی۔

ایک زندہ انسان کا جسم ہمیشہ متحرک رہتا ہی۔ بلکہ حرکت ہی کا نام زندگی ہی۔ جب یہ حرکت موقوف ہو جاتی ہی تو اس کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہی اور آدمی کا مُردوں میں شمار ہوتا ہے،

حرکت سے مطلب یہاں چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا نہیں ہی بلکہ جسم انسانی کے کسی عضو کا بھی متحرک ہونا ہی۔ ہم لوگ خواہ سوتے ہوں یا جاگتے ہمارے بعض اعضاء برابر کام کیے جاتے ہیں اور متحرک ہوجاتے ہیں۔ خصوصاً دل اور سینہ کا ہر حالت میں متحرک ہونا نہایت ضروری ہی۔ دل کی حرکت سے دوران خون کا عمل ہوتا ہی اور سینہ کی حرکت سے جسم میں ہَوا پہونچی ہے۔ یہ دونوں حرکتیں حیات انسانی کے لیے لازمی ہیں۔ جب تک دل اور سینہ کی حرکت جاری رہتی ہی انسان زندہ رہتا ہی۔ جہاں یہ حرکت موقوف ہوئی آدمی کا رشتۂ حیات منقطع ہوجاتا ہی۔

ان دونوں اعضاء یعنی دل اور سینہ کے فعل کی ایک خاص غرض یہ ہی کہ جسم کی تمام کوٹھریوں میں "اکسیجن" پہونچ سکے۔ سانس لینے سے ہَوا پھیپھڑوں میں کے خون سے ٹکراتی ہی اور خون ہَوا میں کے آکسی جن کو جذب کرلیتا ہی۔ اس کے بعد اس خون کو جو آکسی جن سے بھرا ہوا ہوتا ہی دل تمام جسم کے اندر کی کوٹھریوں میں پہنچاتا ہی۔ جو جو اعضا دل اور سینہ کے اس فعل میں حصہ لیتے ہیں اور جسم کے جو جو حصے اس سے متاثر ہوتے ہیں ان میں اس عمل سے فرسودگی پیدا ہوجاتی ہی اور وہ تحلیل ہونے لگتے ہیں۔ اس تحلیل و فرسودگی کا علاج غذا اور ہَوا سے ہوتا ہی۔ کیونکہ غذا میں بھی وہ اجزا موجود ہوتے ہیں۔ جن سے انسان کا جسم مرکب ہے اس لیے غذا کے ذریعے جسم کے مستعمل اور فرسودہ حصوں کی مرمت اور تجدید ہوتی رہتی ہی۔ یہ عمل تحلیل و تجدید کا جب تک جسم میں جان باقی ہی برابر جاری رہتا ہے۔

انسانی جسم کا جو جو ہر روزانہ اس طرح ضائع ہوتا اور پھر غذا کی بدولت پیدا ہوتا ہے اس کے اجزائے بسیط خصوصاً کاربوئن، نیٹروجن، ہائیڈروجن، اور آکسی جن ہوتے ہیں۔ ان میں سے آکسی جن ہی ایک ایسی چیز ہے جو اپنی اصلی حالت میں سانس کے ذریعے انسانی جسم کو حاصل ہوجاتی ہی۔ دوسری چیزیں اس طرح مہیا نہیں ہوتیں بلکہ مختلف شکلوں میں

دوسرے اجزا کے ساتھ ملی ہوئی غذا کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں۔ پس غذا ایسی ہونی چاہیے
جس سے تمام مستعملہ اجزا کی تجدید ہو سکے۔ کیونکہ سب اجزا ایک ہی چیز کے ذریعہ مہیا نہیں
ہو سکتے اور ہر چیز اپنے اجزائے کیمیاوی کے لحاظ سے دوسری سے ضرور فرق رکھتی ہے
کسی میں کاربن کا جزو زیادہ ہوتا ہے کسی میں نائٹروجن کا۔ کسی میں کسی چیز کا۔ کسی میں کسی چیز کا
اس لیے غذا کا کھانے کی مختلف چیزوں سے مرکب ہونا نہایت ضروری ہے۔

حساب لگایا گیا ہے کہ معمولی حالت میں ایک آدمی کے جسم سے چار ہزار گرین کاربن کے
ہر روز صرف ہوتے ہیں۔ جن میں سے تین ہزار آٹھ سو چالیس (۳۸۴۰) گرین سانس
کے فعل میں خارج ہوتے ہیں۔ نائٹروجن کے صرف تین سو گرین اسکے ساتھ خرچ ہوتے
ہیں۔ اب غذا ایسی ہونی چاہیے جن سے ان ضائع شدہ چار ہزار گرین کاربن اور تین سو
گرین نائٹروجن کی تجدید و تکمیل ہو سکے۔ یعنی غذا میں کاربن اور نائٹروجن کا جزو اسی مناسبت
سے ہونا چاہیے۔

یہ بات صرف مرکب غذا ہی سے حاصل ہوتی ہے اسی لیے غذا کا مرکب ہونا نہایت
ضروری ہے۔ اس صورت میں کیمیاوی اجزا کی مقررہ اور ضروری مقدار بلا دقت مہیا ہوتی ہے
غذا کی کسی چیز میں کوئی جزو زیادہ ہوتا ہے کسی میں کوئی جزو اس لیے جب مختلف چیزوں کو
ملا لیا جاتا ہے تو ان میں ایک تناسب قائم ہو جاتا ہے اور کسی چیز کے زیادہ یا کم پیدا ہونے کی
مضرت سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص صرف روٹی کھایا کرے تو اُس کو نائٹروجن کی روزانہ مقدار تین سو گرین
حاصل کرنے کے لیے دو سیر روٹی ہر روز کھانا پڑے گی۔ مگر ان تین سو گرین نائٹروجن کیساتھ
دو سیر روٹی میں کاربن کے نو ہزار گرین پیدا ہونگے۔ یعنی اس کو پانچہزار گرین ضرورت سے
زیادہ ملیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص گوشت کھایا کرے تو اس کو کاربن کی روزانہ مقدار چار ہزار

گرین حاصل کرنے کے لیے ہر روز تین سیر گوشت کھانا پڑیگا مگر کاربن کے ان چار ہزار گرین کے ساتھ تین سیر گوشت میں نائٹروجن کے ایک ہزار گرین پیدا ہوں گے یعنی سات سو گرین نائٹروجن کے بالکل بے ضرورت مہیا ہو جائیں گے۔

غرض اس قسم کی غذا سے آلات ہاضمہ کو بے ضرورت مشقت برداشت کرنی پڑتی ہی اور نظام اعضا میں بہت بڑی خرابی واقع ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے مرکب غذا میں چونکہ تمام اجزا ٹھیک طور پر شامل ہوتے ہیں اور ایک چیز کی کمی کو دوسری چیز کی زیادتی درست کر دیتی ہے اس لیے جن جن اجزا کی جسم کو ضرورت ہوتی ہے وہ برابر مہیا ہو جاتی ہیں۔

یہ حساب لگایا گیا ہی کہ ایک معتدل موسم میں ایک متوسط حال شخص جس کا وزن اور ڈیل ڈول اوسط درجے کا ہو ایسی غذا کھانے پر جس میں حسب ذیل اجزا موجود ہوں قوی اور تندرست رہ سکتا ہے۔

پروٹیڈس	۱۰۰ گرام (۳٫۵ اونس)
روغن	۵۰ گرام (۱٫۸ اونس)
کاربوہائیڈریٹس	۵۰۰ گرام (۱۷٫۵ اونس)
نمک	۳۰ گرام (ایک اونس)
پانی	۲۸۰۰ گرام (۱۰۰ اونس)

پروٹیڈس سے نائٹروجن۔ کاربن اور ہائیڈروجن اور اسی طرح کاربوہائیڈریٹس اور روغن سے کاربن اور ہائیڈروجن پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں آکسیجن کا بھی کسی قدر حصہ ہوتا ہی مگر وہ چنداں قابل التفات نہیں۔ کیونکہ آکسیجن کی ضروری اور بہت بڑی مقدار سانس کے ذریعہ مہیا ہو جاتی ہے۔

ذیل میں سرمائکل فاسٹر اور ڈاکٹر لیوس ٹی شور کی کتاب فزیالوجی سے ہماری

بعض روزمرّہ کی غذاؤں کے اجزا کا ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے جس سے ان چند غذاؤں کے اجزا کا باہمی تناسب معلوم ہوگا۔

غذا	پانی	پروٹیڈ	نشاستہ[1]	شکر[2]	روغن	نمک
روٹی	۳۷	۸	۴۷	۳	۱	۲
چانول	۱۳	۶	۷۹	،۴	،۷	،۵
مٹر	۱۵	۲۳	۵۵	۲	۲	۲
آلو	۷۵	۲	۱۸	۳	،۲	،۷
گوشت	۷۲	۱۹	۰	۰	۳	۵
دودھ	۸۶	۴	۰	۴	۴	،۸
انڈا	۷۴	۱۴	۰	۰	۱۰	،۵

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ غذا کی عمدگی صرف اجزا کی کثرت پر منحصر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے سریع الہضم اور خوش ذائقہ ہونے کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ مٹر میں بمقابل گوشت کے پروٹیڈس اور کاربوہائیڈرٹیس کے اجزا زیادہ ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے مٹر گوشت سے عمدہ غذا نہیں کی جاسکتی کیونکہ مٹر گوشت کی طرح سریع الہضم اور ہلکی غذا نہیں ہے۔

سید خورشید علی
حیدرآباد۔ دکن

[1] و [2] یہ دونوں اجزا کاربوہائیڈرٹیس کی ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔

مُومیاتِ مصر

سرزمین مصر کا چپّہ چپّہ اس کی گزشتہ تہذیب اور قدیمی عظمت کی یادگاروں سے لبریز ہے دنیا کے کسی ملک میں اس کے قدیم باشندوں کی پُرانی نشانیاں اس قدر نہیں ملسکتیں جتنی کہ مصر میں۔ اس کی خاک کے نیچے وہاں کی قدیمی شائستگی کی خاموش تاریخ کا ایک عظیم الشان ذخیرہ مدفون ہے۔ جو سیکڑوں سال سے ابتک برابر نکلتا جارہا ہے اور ایک نہ گھٹنے والے خزانہ کی طرح نہیں معلوم کب تک نکلتا چلا آئے گا۔ مصر کی سرزمین دنیا میں قدیمی تاریخی یادگاروں کا ایک بے نظیر عجائب خانہ ہے۔

یہ یادگاریں مختلف شکلوں میں نکلتی آتی ہیں۔ مثلاً جانوروں کی مورتیں۔ دیوتاؤں کے بت۔ بادشاہوں کے مجسمے۔ کتبے۔ عمارتیں عبادت خانے۔ تہ خانے وغیرہ جن کی عمریں پانچ پانچ اور چھ چھ ہزار سال کی ہیں۔ اور گو مصر کے قدیمی طرز تحریر کا پورا علم نہ ہونے کے سبب سے آثار قدیمہ کے مُبصرین بہت سی یادگاروں کے صحیح معنی نہیں سمجھ سکے ہیں۔ تاہم لگاتار غور و فکر کرنے سے اس کا کچھ حصّہ سمجھ میں آگیا ہے جس سے قدیم اہل مصر کی تمدنی اور مذہبی تاریخ پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔

ان سب قدیمی یادگاروں میں جو دنیا کی دوسری قوموں کی پُرانی نشانیوں سے اپنی نوعیت میں مختلف لحاظ سے ممتاز ہیں۔ سب سے عجیب اور حیرت میں ڈالنے والی وہ یادگاریں ہیں جن کو "مومیہ" کہتے ہیں۔ یعنی مرے ہوئے آدمیوں کی دواؤں سے بنائی ہوئی مُسلّم لاشیں جو چار چار اور پانچ پانچ ہزار سال سے زمین کے نیچے دفن تھیں اور ابتک اُن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے مرے ہوئے آدمیوں کی لاشیں ہیں۔ یہانتک کہ بعض طبیب جو ان لاشوں کے چہرے کے رنگ سے ماہر ہیں

یہ بھی پہچان سکتے ہیں کہ یہ شخص کس مرض میں مرا تھا۔

قدیم اہل مصر مُردوں کے اعزاز و احترام میں انتہا درجہ کی توجہ رکھتے تھے۔ ان کی لاش کی حفاظت میں جس قدر انسانی طاقت سے ممکن تھا کمی نہیں کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ایسے ذرائع ایجاد کر لیے جس سے مُردہ کی لاش ایک غیر محدود زمانے تک سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ وہ صرف دو ایک چادروں یا خوشنما کفنوں میں مُردہ کو لپیٹ دینا کافی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اُس کے لیے طرح طرح کے دواؤں سے بنے ہوئے کفن تیار کراتے تھے۔ جس پر ہزاروں روپیہ صرف ہوتے تھے۔ اور تابوت جس میں مُردہ رکھا جاتا تھا۔ بڑی کاری گری اور نقش و نگار کے ساتھ بنائے جاتے تھے۔ ہزاروں قسم کی دعائیں اُن پر لکھی جاتی تھیں اور ان کے دفن کرنے کے لیے بڑی بڑی پختہ عمارتیں تیار کی جاتی تھیں۔

چنانچہ دنیا کی قدیم ترین اور نہایت مستحکم اور مشہور عمارتیں اہرام مصر مردوں ہی کے مدفن ہیں جن میں سے ایک "ہرم" کے بانی نے یہ دعوے کے ساتھ لکھا ہے کہ "میں نے اس ہرم کو ساٹھ سال کی مدت میں تعمیر کیا ہے۔ لیکن میں آیندہ نسلوں کو بڑا زبردست سمجھونگا اگر وہ چھ سو سال میں بھی اس کو گرا سکیں"۔

اکثر مدفن زمین کے نیچے بنائے جاتے تھے ان کے ساتھ تہ خانے اور عبادت خانے بھی تعمیر کرائے جاتے تھے۔ اُن مدفنوں میں مومیات کے تابوت مختلف قسم کے مضبوط صندوقوں میں رکھ کر دفن کیے جاتے تھے۔

صدیوں سے مصر کا محکمہ آثار قدیمہ پُرانی یادگاروں کی تلاش میں مصروف ہے۔ قدیمی قبرستان جو اب "کفریہ" کے نام سے مشہور ہیں کھودے جا رہے ہیں۔ ابتک صرف چند گورستان کھُدے ہیں۔ اور اُن میں سے سیکڑوں مومیات دستیاب ہوئی ہیں۔

یہ مومیات عام طور پر تو کالی کالی اور بھاری بھاری نکلتی ہیں۔ دور سے ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے آبنوس کا ایک پراگندہ۔ لیکن قریب سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کی لاشیں ہیں۔ جو کفن میں لپیٹ کر کسی کالے مادہ سے لیسی گئی ہیں تاکہ ہوا اندر نہ جاسکے مگر بعض بعض مومیہ ایسی بھی نکل آتی ہیں جو انسان کے طبعی رنگ کی ہوتی ہیں مثلاً سرخ و سپید گندم گوں یا زرد ان میں سے خوشبو بھی آتی ہے اور اگرچہ وہ کئی کئی ہزار سال کی ہوتی ہیں لیکن ان میں وہی طراوت اور تازگی پائی جاتی ہے جو ایک زندہ انسان کے جسم میں ہوتی ہے اگر ان میں اُنگلی دھنسایئے تو اسی طرح دھنسے گی جس طرح کہ زندہ انسان کے جسم میں۔

پہلی قسم کی کالی مومیہ سے کفن کا جدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن دوسری قسم کی مومیہ کا کفن ہر وقت اسی آسانی کے ساتھ نکالا جاسکتا ہے جس آسانی سے ایک زندہ آدمی اپنا لباس اُتارتا ہے۔ بہت بڑے بڑے محقق عرصہ سے اُن دواؤں کی جستجو میں مصروف ہیں جن کے ذریعہ سے یہ لاشیں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ لیکن اب تک بالکل پتہ نہیں چل سکا۔ پُرانی تاریخوں اور خود مصر کے پُرانے کتبوں سے بھی اب تک اس بے نظیر نسخہ کا سراغ نہیں لگ سکا۔

یونان کا مشہور سیاح اور دنیا کا پہلا مورخ ہیروڈوٹس مصر کے ان مراسم کے حالات جو مُردوں کے متعلق وہاں انجام دیے جاتے تھے لکھتا ہے۔

مصر کے ملک میں جب کوئی مرتا ہے تو اُس گھر کی تمام عورتیں اپنے سر اور مُنہ پر کیچڑ ملتی ہیں۔ مُردے کو مکان کے اندر چھوڑ کر وہ باہر نکلتی ہیں۔ کمر باندھ کر سینہ کھول دیتی ہیں اور چھاتی پیٹتی ہوئی شہر میں گھومتی ہیں۔ ان کی تمام رشتہ دار عورتیں بھی ان کے ساتھ ساتھ پھرتی ہیں۔ گھر کے مرد بھی عورتوں کی طرح سینہ کوبی کرتے ہیں۔ لیکن وہ عورتوں کے ساتھ ساتھ نہیں رہتے۔ بلکہ ان کی ٹولی عورتوں کی ٹولی سے الگ رہتی ہے۔ جب اس طرح پر تمام شہر کا گشت ہولیتا ہے تو ماتم ختم ہوچکتا ہے۔

اس کے بعد مُردہ اس مقام پر لایا جاتا ہی جہاں اس کی تعبیر (دواؤں سے لاش کو صاف کرنا کہ وہ سڑنے سے محفوظ رہے) کی جاتی ہی۔ تعبیر کرنے والے یہاں بہت کثرت کے ساتھ ہیں۔ جن کا یہی پیشہ ہی۔ وہ مذہبی قانون کے مطابق لاش کی تعبیر کرتے ہیں۔ جب انکے یہاں کوئی مُردہ پہنچایا جاتا ہی تو اُس کے رشتہ داروں کو مصبّر کئی قسم کی مومیہ کے نمونے دکھلاتے ہیں۔ کوئی اپنے طبعی رنگ اور حالت پر کوئی مصنوعی رنگ اور کوئی اس سے کم درجہ کی وغیرہ میت کے رشتہ دار جس قسم کی تعبیر پسند کرتے ہیں تا کر لاش کو مصبّروں کے حوالے کر دیتے ہیں اور اپنے گھروں کو واپس چلے آتے ہیں۔

مصبّر اس لاش پر اپنا عمل شروع کرتے ہیں۔ وہ پہلے ایک ٹیڑھے آلہ کے ذریعے سے اسکا دماغ ناک کے راستہ سے نکال لیتے ہیں یا چند دوائیں ناک کے راستہ سے دماغ میں پہنچاتے ہیں اور پھر کنپٹی میں سوراخ کر کے آسانی کے ساتھ دماغ نکال لیتے ہیں۔ بعدازاں اُس کا ایک پہلو چاک کر کے اس کی تمام آلایش آنتیں وغیرہ نکال کر صاف کر کے کھجور کی شراب میں ڈالدیتے ہیں اور مختلف قسم کی خوشبودار دوائیں کوٹ کر ان میں بھرتے ہیں۔ جب وہ صاف ہو چکتی ہیں تو پھر اسی طرح ان کو شکم کے اندر رکھ کر کُندر کے تاروں سے سی کر لاش کو نطرون میں (ایک کب سیال جس میں نمک کا حصہ زیادہ ہوتا ہی) ڈال دیتے ہیں۔ یہ لاش ڈھائی مہینے تک اس میں پڑی رہتی ہی۔ بعدازاں اسکو دھو کر گوند چڑھائے ہوے کفن میں لپیٹتے ہیں۔ اور تابوت میں جو اسی کے ڈھانچہ کا بنایا جاتا ہی رکھ کر اسکے رشتہ داروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ اس تابوت کو لاکر گھر میں کسی دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔

تصبیر کا یہ طریقہ جو اوپر بیان کیا گیا ہی بہتر ہی۔ لیکن اس میں اخراجات بہت پڑتے ہیں۔ اگر میت کے اقربا اتنا صرفہ برداشت نہیں کر سکتے تو دوسری طرح پر اُن کی تصبیر کی جاتی ہی یعنی لاش سے آنتیں اور دماغ نہیں نکالا جاتا۔ بلکہ ایک خاص قسم کی شراب اس کے دل کے ذریعے سے تمام رگوں اور جسم کے ہر حصہ میں پہنچائی جاتی ہی اور بدن کے خارجی سوراخ بڑی مضبوطی سے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر نطرون میں ڈالکر مدت معینہ کے بعد نکال کر بندشیں کھول دی جاتی ہیں۔ بدن کے اندر سے وہ شراب نکل جاتی ہی اور لاش صاف کر کے رشتہ داروں کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

ایک تیسرا طریقہ اور بھی ہی جسکو صرف غربا استعمال کرتے ہیں۔ وہ یہ ہی کہ ایک معمولی دوا سے بدن کو صاف کر کے نمک کے ذریعہ سے اسکا گوشت تحلیل کر دیا جاتا ہی اور صرف پوست استخواں باقی رہ جاتے ہیں۔ اسکو تابوت میں رکھ کر اہل میت کو دیدیتے ہیں۔

عورتوں کی لاش تصبیر کے لیے تین دن کے بعد حوالہ کی جاتی ہی۔

ایک دوسرا یونانی مورخ "دیوڈورس" جو ہیروڈوٹس کے بعد مصر میں آیا ہی اُس نے بھی تصبیر کی کیفیت کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھی ہی اُس کے کلام کا خلاصہ حسب ذیل ہی:

مصریوں کے عجیب و غریب مراسم جو وہ مُردوں کے متعلق ادا کرتے ہیں نہایت حیرت انگیز ہیں۔ جب کوئی شخص مرتا ہی تو اسکے گھر کے مرد اور عورتیں اپنے سر اور مُنھ پر کیچڑ ڈالتے ہیں۔ اور تمام عزیز و رشتہ دار بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ پھر ماتم شروع ہوتا ہی۔ وہ روتے اور چلاتے ہوئے تمام شہر میں گھومتے ہیں۔ اور جب تک مُردے کو دفن نہیں کر لیتے اُس وقت تک نہانا۔ شراب پینا۔ اچھے کھانے کھانا۔ عمدہ لباس پہننا سب کچھ ترک کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے مردوں کی

تصبیر کراتے ہیں جو کئی طرح کی ہوتی ہی۔ اچھی تصبیر کی لاگت ایک ہزار دینار
(تقریباً ڈہائی ہزار روپیہ) اور درمیانی درجہ کی دوسو دینار ہوتی ہی۔ معمولی
تصبیر بہت سستے داموں ہوجاتی ہی۔ تصبیر کرنے والی ایک خاص جماعت ہے
جنکا باپ دادا کے زمانہ سے وراثتاً یہی پیشہ چلا آتا ہی۔ اہل میت لاش کو انکے
پاس لیجاتے ہیں۔ مصبر انکے سامنے ایک کتاب لاتا ہی جس میں ہر قسم کی
تصبیر کی اُجرت اور کیفیت درج ہوتی ہی۔ وہ جس قسم کی تصبیر پسند کرتے ہیں
اسکا صرفہ دیکر لاش کو حوالے کرتے ہیں۔ مصبروں کی جماعت میں سے ہر شخص
کے متعلق ایک ایک کام ہوتا ہی۔

مثلاً پہلے ایک شخص آتا ہی اور لاش میں جہاں سے وہ چاک کی جائے گی
نشان بنادیتا ہی۔ اس کا صرف اسی قدر کام ہی۔ اسکے بعد دوسرا شخص آتا ہی
جو لاش کو چیرتا ہے۔

یہ عجیب بات ہی کہ جب چیرنے والا اپنا عمل ختم کرچکتا ہی تو فوراً بھاگتا ہی
تمام حاضرین اس کو لعنت ملامت کرتے ہوئے اور پتھر مارتے ہوئے
اُس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ نگاہ سے غائب ہوجاتا ہے
اس فعل سے گویا وہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ شخص مُردے کو زخم لگاکر ایک گناہ
کبیرہ کا مرتکب ہوا ہی۔ اس وجہ سے یہ سزا کا مستحق ہی اور اس لیے اس کو
مارنے کو وہ دوڑتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک کسی مُردے کی
بے ادبی ایک ایسا گناہ ہی جو بخشش کے قابل نہیں ہی۔ بخلاف اس کے مصبروں
کی جماعت کے اور لوگ ایسے خیال نہیں کیے جاتے ان کی بہت عزت
کی جاتی ہے۔ وہ کاہنوں کی محرابوں اور عبادت گاہوں میں بھی
جاتے ہیں۔

تصبیر کا طریقہ یہ ہی کہ مصبّر لاش کے ارد گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک شخص شگاف میں ہاتھ ڈال کر آنتیں وغیرہ باہر کھینچ لیتا ہے۔ دوسرا اُٹھ کر اُس کو دھوتا ہی اور شراب میں بھگو دیتا ہی۔ جسم پورے ایک مہینے تک ایک خاص قسم کے تیل سے روزانہ صاف کیا جاتا ہی پھر مصبّر (ایک تلخ دوا ہے جسکو اُردو میں ایلوا کہتے ہیں) قرفہ اور چند خوشبو دار دوائیں اُس میں کوٹ کر بھری جاتی ہیں تاکہ کسی قسم کے کیڑے اس کو نہ کھائیں اور وہ سڑنے سے محفوظ رہے۔

یہ سب کام اس صفائی اور خوبی سے انجام دیئے جاتے ہیں کہ مُردے کی ہیئت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں واقع ہونے پاتا۔ جب یہ سب کام ختم ہو چکتے ہیں تو اقربا اس کو تابوت میں رکھ کر اپنے مکان کی دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیتے ہیں اور اس طرح پر وہ اپنے گزشتہ آبا و اجداد کو ہمیشہ اپنا ہمعصر بنائے رکھتے ہیں اور ان کی صورتیں دیکھ کر روحانی خوشی حاصل کرتے ہیں۔

ایک یہ امر بھی عجیب و غریب ہے کہ جب لاش کو تابوت میں رکھ کر لے چلتے ہیں تو تمام شہر میں ایک خط گشت کرایا جاتا ہی کہ فلاں شخص کا جنازہ اُٹھتا ہی سب لوگ جمع ہوں۔ وہ تابوت ایک کھلے ہوئے میدان میں رکھدیا جاتا ہی۔ تمام لوگ اس کے آس پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کاہنوں کی ایک جماعت جن کی تعداد چالیس سے زیادہ ہوتی ہی ایک چبوترے پر جو ان کے لیے بنایا جاتا ہی بیٹھتی ہی۔ پھر پکار ہوتی ہی کہ جس کو اس میت پر کسی قسم کا دعوےٰ ہو وہ پیش کرے۔ اگر کسی شخص کو میت پر کوئی دعوےٰ نہیں ہوتا تو اہل میت اسی وقت اپنا ماتمی لباس اُتار دیتے

ہیں اور نہایت خوشی کے ساتھ اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں کہ اس نے
بہت عمدہ اور قابل تقلید زندگی بسر کی کہ بعد مرنے کے اس سے کوئی ناخوش
نہیں ہی۔ اس کی ایک ایک نیکی کو جو اس نے اپنی زندگی میں کی ہی فخر کے
ساتھ وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور اُس کی پرہیزگاری اور اخلاقی خوبیوں کی
مدح کرتے ہیں. کاہنوں کی جماعت ایسے مُردے کو گورستان میں
دفن کرنے کی اجازت دیتی ہی۔ لوگ ہنسی خوشی سے اس کے جنازے کو
اُٹھاکر آگ کے دیوتا کی مورت کے سامنے لیجاکر رکھتے ہیں اور تمام حاضرین
اس کی نجات کے لیے رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔

اگر کسی نے مُردے پر دعویٰ کیا اور اس کا ثبوت بھی دیدیا تو اسکا تاوان
میت کے اقربا کو دینا پڑتا ہی اگر قرضہ ہو تو وہ قرضہ ان کو ادا کرنا پڑتا ہے
اور تاوقتیکہ یہ قرضہ یا تاوان ادا نہ کر دیا جائے اُس وقت تک مُردہ کو گورستان
میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیجاتی۔ بلکہ رشتہ دار اس کے تابوت کو
لاکر گھر میں دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں ہاں جب اس قسم کے بہت
سے مُردے کسی گھر میں جمع ہوجائیں تو کاہن خاص طور پر ان کے دفن
کی اجازت دیدیتے ہیں۔

میت کے جنازے پر اس قسم کے دعووں کی سماعت اور اس کو لوگوں
کی نارضامندیوں اور ہر قسم کی دنیاوی ذمہ داریوں سے پاک وصاف کر کے
دفن کرنا ایک ایسا زبردست اخلاقی سبق ہی کہ جس کی بدولت مصر کے لوگ
عام طور پر نیک۔ پرہیزگار اور بے آزار ہیں۔ اور وہ اپنی آخری رسوائی کے
خوف سے ہر وقت گناہ اور ایذا رسانی سے بچتے رہتے ہیں"

قدیم اہل مصر کا مُردوں کا اعزاز و احترام کرنا کئی سبب سے تھا۔ پہلا سبب تو یہ تھا کہ ان کا

یہ عقیدہ تھا کہ حشر جسمانی ہوگا اور عالم آخرت میں انسان ہمیشہ زندہ رہیگا اس کی روح جو دنیا میں جسم سے بوجہ موت کے جدا ہو جاتی ہے ایک نامعلوم زمانے کے بعد پھر جسم میں داخل ہوگی اس لیے لازم ہے کہ جس کوشش سے ممکن ہو جسم اپنی حالت پر باقی رکھا جائے تاکہ روح اسکو پہچان لے اور اُسی میں داخل ہو اور پھر روح اور جسم کا اتصال دائمی ہو کیونکہ اُنکے اعتقاد میں جنت صرف بقار کا نام تھا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ مصر کے لوگ بھی اہل فارس وغیرہ قدیم اقوام کی طرح یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ دنیا دو فریقوں کا میدان جنگ ہے جو ہر وقت دن اور رات ایک دوسرے سے لڑائی میں مشغول ہیں۔ وہ دونوں فریق نیکی اور بدی ہیں۔ وہ لوگ بدی کو خدا کی مخلوق نہیں مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کہ خدا ایسی ناپاک چیز کو پیدا کرے۔ وہ خدا کی نورانی سلطنت میں اس کو ایک اجنبی دشمن سمجھتے تھے جو اس کی بادشاہت کو برباد اور تباہ کرنے کے لیے گھس آئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ خدا کی ساری مخلوق کا یہ فرض قرار دیتے تھے کہ جس طرح سے ممکن ہو وہ بدی کا مقابلہ کرے۔ یہاں تک کہ اُس کو خدا کی خدائی سے نکال دے چونکہ بعد موت کے جسم کا تلف ہو جانا بھی ایک قسم کی بدی تھی اس لیے وہ اس کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوگئے اور انھوں نے ایسے وسائل مہیا کیے کہ انسانی جسم ہر قسم کی خرابی اور فساد سے محفوظ رہے۔

موسیو ماریٹ جو مصر کے انتقہ خانہ خدیوی (عجائب گھر) کا کسی زمانے میں مہتمم رہا ہے ایک اور بھی عجیب وغریب وجہ لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اصلی سبب مومیہ بنانے کا یہ تھا کہ ملک مصر کی طبعی خاصیت نے اہل مصر کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جبتک مصر میں مومیات بنتی رہیں اس وقت تک وہاں کوئی عام مہلک وبا نہیں پھیلی اور جب سے یہ رسم مٹ گئی اس وقت سے بارہا مہلک وبائیں دورہ کر چکی ہیں۔

موسیو موصوف کی اس توجیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مصر کی قدیمی تاریخ

پورا عبور حاصل کرلیا ہے اور انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ قدیم زمانے میں مصر میں کبھی کوئی مہلک وبا نہیں آئی۔ لیکن افسوس ہے کہ مصر کی کوئی مفصل قدیم تاریخ ہی موجود نہیں ہے۔

جہانتک وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اہل مصر کا لاشوں کی حفاظت میں کوشش کرنا اور اس پر اپنی تمام ہمت اور دولت صرف کردینا کسی طبی خیال سے نہیں تھا بلکہ مذہبی اعتقادات پر مبنی تھا۔ ایک قدیمی سیاح نے جو مصر میں اسلام سے تین ہزار سال پہلے گیا تھا لکھا ہے " اہل مصر اپنے گھروں کو گذرگاہ اور اپنی قبروں کو دائمی آرام گاہ سمجھتے ہیں "

وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے کہ انسان کی روح میں ہمیشہ زندہ رہنے کی قابلیت موجود ہے۔ اگر وہ کوشش کرے تو دائمی زندگی حاصل کرسکتا ہے یعنی اگر خدا کے حکم اور مرضی کے مطابق وہ زندگی گزارے اور نیک کاموں میں اسکو صرف کرے تو اس کو خوش آئند اور مدامی زندگی نصیب ہوگی جس پر موت کو کبھی دسترس نہ ہوسکے گی۔ لیکن اگر اس نے خدا کے فرمان کی اطاعت نہ کی اور بری زندگی بسر کی تو اس پر عذاب کیا جائے گا۔ اور وہ عذاب یہی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فنا کردی جائے گی۔ وہ لوگ جنت اور دوزخ کے قائل تھے لیکن بقاء کو جنت اور فنا کو دوزخ سمجھتے تھے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اہل مصر تناسخ کے قائل تھے۔ یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انسان کی روح مرنے کے بعد اپنے اعمال کی جزا یا سزا میں کسی دوسرے انسانی یا حیوانی قالب میں چلی جاتی ہے۔ لیکن یہ خیال بے بنیاد ہے کیونکہ مصری اس عقیدہ سے کبھی آشنا نہیں ہوئے۔ ان کی کسی پرانی یادگار سے متعلق اسکا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یونان کے چند فلسفیوں نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے لیکن اہل مصر کا یہ عقیدہ کبھی نہیں رہا وہ دنیاوی زندگی کو دن کی روشنی سے مشابہ سمجھتے تھے اور موت کو غروب آفتاب

سے تشبیہ دیتے تھے جس طرح رات میں تاریکی ہو جاتی ہے اسی طرح بعد موت کے روح سرگشتگی اور آوارگی کی تاریکی میں پڑ جاتی ہے اور یہ تاریکی کا زمانہ اس کے امتحان کا زمانہ ہوتا ہے۔

ان کا یہ خیال تھا کہ نیک بندوں کی روح مرنے کے بعد "اوزیریس" (روحوں کا رہنما دیوتا) کے پاس جاتی ہے جو اس کی رہبری کرتا ہوا موت کی تاریکی میں اسکو آگے لے چلتا ہے۔ اس تاریکی میں روح کو آگے جا بجا بند دروازے ملتے ہیں جن پر نہایت سخت نگہبان ہوتے ہیں۔

ان دروازوں پر پہنچ کر روح نے زندگی میں جو اچھے اچھے کام کیے ہیں ان کو وہ بیان کرتی ہے اگر نگہبان اس کو ترقی کے قابل سمجھتے ہیں تو دروازہ کھول دیتے ہیں۔ روح آگے جاتی ہے پھر اسی طرح دوسرا اور علی ہذا تیسرا دروازہ ملتا ہے اور ہر ایک پر اس کا امتحان لیا جاتا ہے اور آخر کار روح اس طرح پر امتحان کے برزخ کو طے کرتی ہوئی عالم قدس کو پہونچتی ہے جہاں اسکا آخری فیصلہ ہونے کو ہے۔

اس نورانی مقام میں رب الارباب عدل کی کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ روح اس کی تعظیم کے لیے سجدہ میں گر جاتی ہے اور نہایت سریلی راگ میں ادب اور نیازمندی کے ساتھ اپنے تمام نیک کاموں کو گاتی ہے جو اس نے دنیا میں کیے تھے۔ مثلاً میں نے پڑوسیوں کو سکھ دیا۔ چھوٹے بچوں پر ترس کھایا۔ بھوکوں کو روٹی کھلائی۔ پیاسوں کو پانی پلایا۔ ننگوں کو کپڑا پہنایا۔ امیدواروں کی امیدیں پوری کیں۔ ماں باپ کی اطاعت کی وغیرہ۔

رب الارباب یہ راگ سن کر مہربان ہو جاتا ہے اور اس وقت ۴۲ حاکم جو اُسکے آس پاس بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ اس روح کو خوشی کا دائمی گھر عنایت کیا جاتا ہے۔ پھر اس روح کا موت کی تاریکی کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔

اور وہ صبح کے آفتاب عالمتاب کی طرح جنت میں جو حقیقی اور دائمی انبساط کا مقام ہے خوشی سے چمکتی رہتی ہے نہ بڈھی ہوتی ہے نہ مرتی ہے۔ البتہ اس کو اس بڑی قیامت کا انتظار رہتا ہے جس میں جسم اُٹھائے جائیں گے۔

اسی غرض سے مومیات کے تابوت پر اکثر اوزیریس دیوتا کی مورت اور وہ دعائیں جن کے ذریعہ سے روح امتحان کے مرحلوں کو طے کرتی ہے نقش کی جاتی تھیں تاکہ روح ان کو یاد رکھے اور دیوتا اس پر مہربان رہے۔ مدفن کے قریب پختہ حجرے اور عبادت خانے بھی بنائے جاتے تھے کہ میت کے اقربا آئیں اور وہاں عبادت کریں اور روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے زکات وخیرات کریں تاکہ وہ امتحانوں میں کامیاب ہو اور اس کو حیات ابدی ملے۔

قبروں پر گائے کی تصویر بنائی جاتی تھی۔ یہ ہاتور دیوتا کی مورت تھی جو گائے کی شکل میں تھا۔ یہ نہایت مہربان دیوتا تھا روح پہلے اسی کے پاس جاتی تھی یہ اس کو اوزیریس کے پاس پہنچاتا تھا جس کے اندر روح حلول کر جاتی تھی۔ اور پھر امتحان کی کڑی منزلیں طے کرتی تھی اوزیریس ان کے اعتقاد میں نیکیوں کا بادشاہ ہے۔ دنیا میں جس قدر نیکیاں اچھی اچھی باتیں۔ علوم وفنون۔ صنعت وحرفت ہیں۔ سب اوزیریس ہی نے سکھائے ہیں۔ وہ پہلے انسانی شکل میں دنیا میں آیا تھا اور ان سب چیزوں کی اُس نے آدمیوں کو تعلیم دی۔ اس کے بھائی ٹیفون کو جو بُرائیوں کا سرغنہ ہے اوزیریس پر غصہ آیا۔ اُس نے کئی دیوتاؤں کو اپنا ہمراز کر لیا اور ایک دن اچانک پہنچ کر اوزیریس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں ڈال دیے۔ اوزیریس کی بیوی ایزیس کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ اپنی بہن کو لیکر اپنے شوہر کی تلاش میں نکلی۔ اُس نے سارے ٹکڑے دریائے نیل سے نکالکر جمع کیے اور اُن پر نیکیوں کی تعریف کا راگ سُریلی آواز میں گانے لگی۔ اس راگ کو سُنکر وہ زندہ ہو گیا لیکن پھر دنیا میں نہیں آیا بلکہ اُسی وقت سے وہ دونوں

غائب ہو گئے۔

یہ بھی ایک حیرت انگیز امر ہی کہ بعض بعض مدفنوں سے کاغذ پر لکھی ہوئی کتابیں بھی نکلی ہیں جو ابتک ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہیں۔ فرعون (حضرت موسے علیہ السلام کے زمانے کا) جس کا نام غالباً منفطا ہے اس کی لاش بھی تقریباً تین سال ہوئے ایک گورستان سے بجنسہ نکلی اس کی قبر میں بھی کاغذ پر لکھی ہوئی ایک کتاب ملی ہی جو کئی گز لمبی ہی۔

کاغذ کی ایجاد کو چھ سات سو برس سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا لیکن مصریوں نے آج سے چار پانچ ہزار سال پہلے کاغذ بنانا شروع کر دیا تھا۔ وہاں ایک قسم کا درخت ہوتا ہے جس کو بردی کہتے ہیں۔ اس درخت کے پتوں کو پانی میں سڑا کر کوٹ کر کوئی مصالحہ ڈالکر بڑے بڑے تختے بنا لیتے تھے۔ دہوپ میں خشک ہونے پر وہ سفید ہو جاتے تھے۔ انہیں پر ایک طرف لکھتے تھے اور ایک تختے کے ساتھ دوسرا تختہ جوڑتے ہوئے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ بعض بعض اسی قسم کی کتابیں تیس تیس گز لمبی پائی گئی ہیں جو لپیٹ کر رکھی جاتی تھیں۔ ان کتابوں میں زیادہ تر روح کی نجات کی دعائیں اور معبودوں کی تعریفیں لکھی ہوئی ہیں۔

الغرض مصر کی اس قدیم تہذیب سے جس کی نہ مٹنے والی بے انتہا یادگاریں اس کی خاک کے نیچے دفن ہیں یہ معلوم ہوتا ہی کہ گزشتہ زمانے میں وہاں کے باشندے روح کے تزکیہ کو جو انسان کی علت غائی ہی اپنا حقیقی مقصد سمجھتے تھے اور اس لحاظ سے وہ شائستگی اور انسانیت کی اعلیٰ شاہراہ پر تھے۔ فقط

(از زمانہ) اسلم۔ جیراج پوری

صغر سنی کی شادی کے بُرے نتائج

اور

تعلیم نسواں و تعلیم مذہبی کی ضرورت

میں اضعف العباد و احقر الانام محمد ایوب ایک فرد قوم میمن سے ہوں۔ میرے والد بزرگوار سیٹھ محمد ہاشم ولد حاجی عبد القادر ایک معزز تاجر سکندرآباد کے تھے۔ ان کو انتقال کیے ہوئے آج دس ماہ کا عرصہ گزر چکا ہی۔ خداوند کریم غریق رحمت کرے۔ آمین۔

چونکہ مرحوم ایک خداترس و متقی شخص تھے۔ انہوں نے سنہ ۱۹۰۴ء میں تجارت سے قطع تعلق کرکے گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور چند مکانات خرید کر اُن کی ماہانہ آمد پر بسر اوقات کیا کیے۔ لیکن مشیت ایزدی اس طرح تھی سنہ ۱۹۰۶ء سے ان سے ایسے افعال سرزد ہوگئے جن سے یہ بات تسلیم کی جا سکتی تھی کہ ان کے قوار دماغی میں فتور نے کچھ اپنا گھر کرلیا ہے۔

والد مرحوم کی اس حالت کو جو کہ سطور ما سبق سے ظاہر ہی دیکھتے ہوئے ہمشیرہ صاحبہ اور دیگر اقربا، کو (واضح ہو کہ والدہ ماجدہ سنہ ۱۳۱۶ھ ہی میں اس دار فانی سے رحلت فرما چکی تھیں) یہ خیال گزرا کہ مرحوم کے حین حیات ہی میری کہیں نسبت مقرر کیجائے اور رسم نکاح بھی جلد ظہور پذیر ہو۔ اور وہ لوگ جو کہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مستعد ہوئے تھے آج تک تہ دل سے خدا کا شکریہ ادا کررہے ہیں کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے اُن لوگوں کو ان کے ارادہ میں بہت جلد کامیاب کیا۔

اصل مقصود یہ ہی کہ میری نسبت میرے چچا سیٹھ حاجی محمد عبد اللہ کی دوسری لڑکی سے قرار پائی۔ اور میں ان دنوں سکنڈ فارم میں تعلیم پا رہا تھا اور میری عمر ۱۵ سال کی تھی۔ بعد ازاں بفضل ایزد باری سنہ ۱۹۰۷ء کے امتحان مڈل اسکول میں جو کہ ممالک محروسہ بندگان عالی متعالی

والی دکن نظام حیدرآباد میں سالانہ ہوا کرتا ہی میں درجۂ آنرس میں کامیاب ہوا۔
ماہ مئی ۱۹۰۸ء میں میری شادی بحیثیت تاجر ایک طمطراق سے بسرپرستی خسر و دیگر اقربا مطابق مراسم مروجہ کہ جن کی نسبت فقرۂ نتیجہ نادانی وجہالت کہنا بیجا نہ ہوگا۔ ظہور پذیر ہوئی۔

اب اُن اسباب کو سُنیئے کہ جنھوں نے مجکو حصول علم کے زینے پر عروج کرنے سے ملتوی رکھا۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ میں مڈل اسکول میں کامیاب ہونیکے بعد ففتھ فارم یعنی پری میٹرکولیشن میں تعلیم پارہا تھا اور اسی سال میری شادی ہوئی۔ شادی کے دو ماہ قبل واسطے لانے ہمشیرہ صاحبہ کے جو کہ اپنے خاوند کے ساتھ بہاری میں سکونت پذیر تھیں مجکو بہاری جانا پڑا۔ یا یوں کہو کہ چند روز تک اسکول کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور بعد شادی کے ان کو ان کی جای سکونت پر پہنچانے کا ذمہ بھی میرے گلے باندھا گیا۔
اس ذمہ سے سبک دوش ہونے کے بعد بھی چند در چند وجوہ ایسے درپیش ہوئے کہ میں نصف آخر ۱۹۰۸ء میں کوئی ہفتہ کلاس میں بلاناغہ حاضر نہ ہوسکا۔ اور اسی سبب سے گو میں ایک ذہین۔ محنتی و چست طالب علم مانا جاتا تھا لیکن سالانہ امتحان میں پوری طور سے کامیاب نہ ہوسکا تاہم مجکو ان وجوہ و نیز دوسرے کلاسوں کی شہرت کے باعث ایک کامیاب شدہ طالب علم تصور کرکے میٹرکولیشن میں داخل کرلیا گیا۔ لیکن سال گزشتہ بھی مجکو بسا اوقات امور خانہ داری کے باعث غیرحاضر ہونا پڑا۔ اور ان تمام پر مزید مصیبت پڑی کہ والد بزرگوار نے ماہ جون ۱۹۰۹ء میں انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون بہرکیف مجکو سالانہ امتحان یونیورسٹی میں شریک ہونے کی اسکول سے اجازت ملی اور میں ماہ دسمبر سال گزشتہ کے امتحان میں شریک ہوا۔ لیکن وجوہ مذکورہ بالا سے میں ناکامیاب رہا اور ابتک اسی کلاس میں تعلیم پارہا ہوں۔
اب میں چند کلمات اپنی اہلیہ کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ زمانہ شادی میں انکی

عمر ۱۱ سال کی تھی اور شادی کے دو ماہ قبل تعلیم کی یہ حالت تھی کہ قرآن شریف کے چند ہی پارے ختم کئے تھے۔ لیکن جب شادی کو ایک ماہ باقی رہا تو ہماری ساس صاحبہ نے ۱۵ یا ۲۰ روز کے عرصہ میں بقیہ پارہائے قرآن شریف برائے نام ختم کروا ڈالے۔ اور انہی دنوں میں آمین (ایک رسم کا نام ہے) بھی کر دی۔ پھر بعد شادی کے میں نے ان کی تعلیم کو بند نہ کروایا بلکہ اُسی اُستانی کے زیر نگرانی تعلیم دلوایا گیا۔ لیکن خاطر خواہ ترقی ہونے نہ پائی

معزز ناظرین مجکو اس کیفیت کے درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مجکو مٹریکیولیشن کے امتحان میں بیٹھنے کے بعد نتیجہ کے انتظار میں ڈیڑھ ماہ کاٹنا پڑا۔ میرے ایک محب صادق نے مجھ سے یوں کہا کہ اگر تم اس ماہ میں کتب بینی کیا کروگے اور اخبارات و رسائل دیکھا کروگے تو تمہاری معلومات اور خیالات وسیع تر ہو جائینگے۔ اس سلیے میں کتب خانہ اسلامیہ واقع جیمس اسٹریٹ سکندرآباد دکن میں شریک ہوا اور چند مفید اخبارات و رسائل مثلاً وطن۔ البشیر، انتخاب لاجواب۔ ہندوستان۔ مخبر، مشیر۔ پیسہ اخبار ...ان۔ صحیفہ۔ خاتون۔ عصمت۔ زمانہ وغیرہ جو کہ کارکنان کتب خانہ مشارٌ الیہ برائے فادۂ عام ہر وقت لائبریری میں رکھا کرتے ہیں پڑھنا شروع کیا۔ اور خصوصاً ان مضامین سے مجکو زیادہ تر دلچسپی ہونے لگی۔ جو کہ ذرائع بہبودی اہل اسلام کے لقب سے ملقب ہو سکتے ہیں۔ اور جن کے مطالعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اصحاب اشاعت اسلام کو مسلمانوں کی ترقی کا ایک ذریعہ تصور کرتے ہیں

بعض اصحاب تعلیم نسواں کو۔ بعض مذہبی و اخلاقی تعلیم کو۔ بعض صنعتی و حرفتی تعلیم کو۔ بعض ترقی زبان اردو کو۔ بعض اتفاق مابین ہنود و مسلمین کو۔ بعض امداد سرکاری کو وغیرہ وغیرہ۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرق مذکورۂ بالا سے کوئی ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی مخالفت کرتا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ ایک دوسرے کو وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ہر ایک فرقہ ایک ایک ذریعہ کے بہم پہنچانے میں کوشاں ہے اور شکریہ کا مستحق ہے۔ میں اپنی رائے میں

تعلیم نسواں و مذہبی تعلیم کو مقدم شمار کرتا ہوں اور اس کے چند وجوہ پیش کرتا ہوں۔
(۱) جب تک کہ مستورات کسی ایک کسب کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھا کرینگی۔ نوجوان مسلمانان ہند جوق جوق صنعتی و حرفتی تعلیم پانے کے لیے آمادہ نہونگے کیونکہ یہ مقولہ مسلمہ و عین الیقین ہی کہ جیسی ماں ویسا بچہ۔ یعنی جس قسم کے خیالات کہ ماں بچپن میں بچے کے ذہن نشین کر دیتی ہی وہی خیالات اس کی بقیہ زندگی میں نمایاں و ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔
(۲) اگر عام طور پر تعلیم نسواں رائج ہو جائے تو ابتدائی تعلیم مفت میں ہو سکتی ہی۔ یعنی بچے اپنی ماں کی گود ہی گود میں تھوڑا سا حصہ ابتدائی اخلاقی و مذہبی تعلیم کا پا سکتے ہیں۔
(۳) اکثر دیکھا گیا ہی کہ بعض لوگ فہرست چندہ میں اپنا نام بڑے جوش سے درج کرتے ہیں اور صرف ایک رات کے گزرتے ہی ان کے کچھ اور ہی خیالات ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جوش اور وہ ہمت جو کہ ایک روز قبل پائی جاتی تھی کہیں کی کہیں چلی جاتی ہی اور وعدہ خلافیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یہ سب کیا ہی؟ "جہالت نسواں" کا ظہور ہے۔
(۴) یہ بھی دیکھا گیا ہی کہ بعض تعلیم یافتہ لوگ جب کہ تقریر کرتے ہیں تو ہر سامع ان کے خیالات وسیع ہونے کی داد دیتا ہی۔ لیکن جبکہ وہ گھر میں قدم دھرتے ہیں تو گویا اُن کے ساتھ ہی ان کے خیالات بھی گھر کی چار دیواری ہی میں چھوٹے چھوٹے اور چھوٹے تفکرات اور بے سود رنج و غم سے ٹکراتے ہیں اور ساتھ ہی ان تفکرات کو دور کرنے سے عاجز آجاتے ہیں۔ اور جو جو اصلاحات کہ وہ اپنی فصیح و بلیغ اسپیچ میں بیان کرتے ہیں۔ ان کو عملی جامہ پہنا نہیں سکتے۔ اسکا کیا سبب ہی؟ اسکا سبب بھی وہیٔ "جہالت نسواں" کا ظہور ہی۔ اور ایسے ہی لوگوں پر حافظ کا یہ شعر صادق آتا ہی۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند　　　　چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

کیا یہ لوگ اپنے گھر والوں کو تعلیم دیکر اپنا ہمخیال نہیں بنا سکتے ہیں۔ اور کیا ان کو اس کام

کے کرنے سے مدد نہ ملیگی۔ کیوں نہیں ضرور مدد ملیگی۔ اگر وہ اپنے گھر والوں کو اپنا ہمخیال بنا لینگے تو صرف ان کو اپنے نیک ارادوں میں ہی مدد نہ ملے گی بلکہ وہ اپنے بقیہ دن راحت میں گزار دینگے۔ چانکیہ (نام ہی ایک معتبر سانسکرت فلاسفر کا) کا قول ہے کہ "جس کا بیٹا فرماں بردار ہوتا ہی اور جس کی عورت مرضی کے موافق چلتی ہی اور حالت موجودہ میں خوش اور اس پر قانع ہوتی ہی اسکے لیے دنیا بہشت سے کم نہیں ہوتی" دوسری جگہ کہتا ہی کہ "عورت وہی ہی کہ جس سے راحت حاصل ہو"، ایک اور مقام پر کہتا ہی کہ "جو لوگ دنیا کی تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کو راحت پہنچانے والی تین چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک دوست۔ دوسرے عورت خندہ رو۔ تیسرے نیک اور خدا پرستوں کی صحبت" ایک اور مقام پر کہتا ہی کہ "عورت وہی ہی جسکا خیال ہمیشہ نیک کاموں کی طرف ہو۔ اور جو لائق۔ باعصمت اور راست گفتار ہو اور جسکو شوہر کے ساتھ بے انتہا محبت ہو ایسی ہی عورت خانہ داری کے قابل ہی"۔

(۵) تعلیم نسواں کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم مرد اور عورتوں کو دیجائے تو مسلمانوں کی ترقی کو چار چاند لگ جائیں گے اور کسی قسم کی خرابی اصلاحوں میں سدّ راہ نہو گی۔

ناظرین اب میں بیان کرونگا کہ کس طرح میں اپنے اس خیال کو جو کہ آپ کو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا عملی کارروائی میں لایا۔ میں آپ سے پہلے عرض کرچکا ہوں کہ میرے مکان میں استانی جی کی تعلیم سے خاطر خواہ ترقی نہوئی۔ اس لیے میں خود تعلیم دینے پر ماہ گزشتہ میں آمادہ ہوا۔ لیکن پہلے تو میں اس اندیشہ سے رُک گیا کہ عورتیں میری مخالفت کرینگی اور نیز اس خیال سے کہ شاید وہ مجھ سے تعلیم پانے پر رضی نہو۔ لیکن میں نے بعد ازاں دو ایک کتابوں میں اس طرح لکھا پایا کہ مذہبی و اخلاقی مسائل (مثلاً مسائل طہارت۔ نماز روزہ۔ تیمارداری۔ پرورش و تربیت شیر خواراں) نہ سکھانے کے باعث ایک عورت کے لیے چار مرد بگڑے جائیں گے۔ باپ۔ بھائی۔ شوہر۔ بیٹا۔

اور ایک کتاب میں اس طرح لکھا پایا کہ "جاننا چاہیے کہ مردوں کو لازم ہے کہ اپنی بیویوں کو علم دینی سکھاویں کہ فرمایا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کُلِّ مُسلِمٍ ومسلمۃٍ یعنی طلب کرنا علم کا فرض ہے ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر۔ ہکذا فی المشکوٰۃ۔ تاکہ وہ بسبب جہالت کے کفر وگناہ میں گرفتار نہوں اور دونوں کی دنیا و آخرت میں اچھی گزرے۔ بڑا فساد دین ودنیا کا تو اسی سے ہوتا ہے کہ مرد نہ آپ علم دین پڑھتے ہیں اور نہ بیویوں کو پڑھاتے ہیں۔ پس بھلائی برائی دین ودنیا کی کیونکر معلوم کریں۔ اور حق ہے مردوں پر کہ اپنی بیویوں اور بچوں اور گھر والوں کو شرک اور کفر اور گناہ کی باتوں سے باز رکھیں اور بجالانے طاعت کے لیے تاکید کریں کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ یعنی اے ایمان والو بچاؤ اپنے نفسوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے کہ اسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ اس کی تفسیر میں صاحب مدارک نے یوں لکھا ہے کہ آپ بھی طاعت بجالاؤ اور ترک معصیت کرواؤ اپنے گھر والوں کو بھی طاعات کرنے کو کہو اور گناہوں سے باز رکھو۔ انتہیٰ"

معزز ناظرین میں نے اس قسم کی اور بہت سی آیات اور احادیث صحیحہ دیکھیں اور آخر الامر میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں جو محض حیا ولحاظ کے خیال سے رُک گیا تھا وہ دراصل عین بے حیائی ہے کہ اپنے مالک حقیقی سے تو شرم نہ کیا اور لوگوں سے شرم کیا، اس لیے مصمم ارادہ کرلیا کہ ضرور اسی روز سے پڑھائی شروع کردونگا۔ شعر

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد — اگر خارے بود گلدستہ گردد

اور میں تہ دل سے خدا کا شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ اس نے میری مطلب برآری کی یعنی میں نے تعلیم دینا شروع کردیا۔

جب یہ بات ہماری ساس صاحبہ اور دوسرے اقربا کو پہونچی تو انہوں نے مجھ سے اس قسم کے سوال کیے کہ کیا لڑکی کو منشی بنا کر کہیں نوکر رکھے گا۔ کیا تیرا ارادہ ہے کہ

اسکو لکھا پڑھا کر اپنے ساتھ روز گاڑی میں بٹھا کر ہوا خوری کو لیجایا کریگا۔ ایسا تو ہم لڑکی کو بگاڑنا نہیں چاہتے اور تو بھی کب تک پڑہتا رہیگا۔ کیا بڈھا ہونے تک پڑہتا رہیگا۔ زیادہ پڑھنے سے آدمی دیوانہ ہوجاتا ہے۔

ناظرین اب آپ خیال کرسکتے ہیں کہ انکے خیالات کا دائرہ کس قدر محدود ہے۔ لیکن پھر بھی میں ان لوگوں کی تائید میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک ان لوگوں کا تجربہ ہے وہ دیکھتے ہوئے آئے ہیں کہ وہ لوگ جو کہ یورپ کی ہوا کھائے ہوئے ہیں یا جو یورپ کی طرز معاشرت کو مطابق عقل کے تصور کرتے ہیں وہ کسی کی نہیں مانتے اور تعلیم نسواں کے ذریعہ سے پردۂ نسواں کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اور حقیقت میں تو ان ہی لوگوں کی ایسی ناشایستہ حرکتوں سے تعلیم نسواں معیوب ہو چلی ہے۔

افسوس صد افسوس! کہ عورتوں کی تو ایسی نازک حالت ہو اور ابھی ہی سے تعلیم نسواں بھی ساتھ ہی ساتھ معیوب متصور ہو۔ ہمیں حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ آیندہ ایسی شکایتیں ظہور پذیر نہوں۔ میں اپنی اس شکستہ تحریر و ناکمل و خام خیالات کو زیادہ طوالت دینا پسند نہیں کرتا اور دست بدعا ہوں کہ اے پاک پروردگار تو اپنے فضل و کرم سے جملہ مسلمان مرد و عورتوں کو راہ رست پر لا اور نار جہنم سے نجات دے۔ آمین۔

محمد ایوب
سکندرآباد دکن

اندلس کا طلسمی برج

رقم ہے یہ طلسم باستانی — سُنا جو کچھ زمانے کی زبانی

خاصب راذریق اخیر شہنشاہ اسپین کو اپنے اقبال کے زمانے میں شوق ہوا کہ وہ اس رازسربستہ کی حقیقت دریافت کرے جو شاہ ہرقلس نے بقائے سلطنت کے لیے ایک برج

میں مقفل رکھا تھا۔ اس برج کے کھولنے کی ہر شخص کو ممانعت تھی۔ وہ برج نہایت مضبوط اور مدوّر بنا ہوا تھا۔ اور اس کی دیواریں کسی ایسے مصالحہ سے بنائی گئی تھیں جو بالکل آہنی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ سالہا سال سے اسی طرح بند چلا آتا تھا اور یہیں کوئی ایسا زبردست طلسمی کارخانہ تھا جس کے دیکھنے سے ہر شخص خائف تھا۔

اس کے متعلق ایک وصیت تھی وہ یہ کہ ہر بادشاہ ایک قفل اسکے مضبوط اور آہنی دروازہ میں ڈالتا جائے۔ چنانچہ یہی درخواست شاہ راذریق سے کی گئی جس کی تعمیل کرنیکے بجائے اس نے اس قدیم وصیت کے توڑنے کا ارادہ کیا۔ یعنی اُس نے چاہا کہ وہ اس برج کو کھول کر اس کے عجائبات مشاہدہ کرے۔ اس کے اس خوفناک ارادہ کو سُن کر اس کے تمام خیرخواہوں اور بڑے بڑے عالموں نے نہایت سختی سے اُسکو روکا مگر وہ ظالم اور ضدی بادشاہ کس کی سنتا تھا۔ ناچار سب کو خاموش ہونا پڑا۔ اور اس نے اس عجیب برج کے لاتعداد فولادی قفل کھولنے کا حکم دیا۔ سارا دن اس کے قفل کھولنے پر صرف ہوگیا قریب شام کے وہ دروازہ کھولا گیا۔ مگر کسی کے ہاتھ سے وہ نہیں کھلتا تھا۔ چنانچہ شہنشاہ راذریق نے خود اسکو کھولا۔ جس وقت دروازہ کھولا گیا ہے تو اُس میں سے ایک آواز آہ کی سنائی دی۔ اس وقت سب کے دل دھڑکنے لگے۔

دروازہ کھلتے ہی ایک جانفزا دالان دکھلائی دیا۔ جس کے بیچ میں ایک ہیبت ناک شکل نظر آئی۔ اس شکل کے ہاتھ میں ایک چوب تھی جو بے تحاشہ دالان کی سنگین زمین پر پڑ رہی تھی۔ اُس کے سینہ پر بحروف جلی کندہ تھا "میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں" یہ ماجرا دیکھ کر کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہوتی تھی۔ مگر کم بخت راذریق نے جسکو اس کے دیکھنے کی دھن لگی ہوئی تھی آگے بڑھ کر کہا "مجکو نکل جانے دے" یہ سُن کر وہ ٹھہر گئی۔ بادشاہ اور اُس کے ہمراہیوں کو رستہ دیدیا۔

آگے بڑھ کر اس نے اس مکان میں عجیب عجیب اور مشاہدے کیے۔ یہاں سے

آگے جاکر ایک اور مکان دیکھا جو سب سے زیادہ دلچسپ تھا۔ اس مکان میں کوئی رستہ روشنی کے آنے کا مطلق نہیں تھا۔ مگر اس مکان کی ہر شے بیش بہا جواہرات کی تھی۔ جس سے یہ تمام مکان جگمگا رہا تھا۔

اس میں ایک خوبصورت کمرہ کے وسط میں ایک عجیب الصنعت میز دیکھی جسپر کندہ تھا کہ یہ برج پیدائش آدم کے حساب سے ۱۰۰۶۰ سنہ میں بنایا گیا ہے۔ وسط میز پر ایک طلائی مرصع صندوقچی تھی۔ جسپر لکھا تھا اس میں وہ راز ہے جسکو سوائے بادشاہ کے اور کوئی نہیں کھول سکتا اس کے کھولنے پر اسکو ان عجیب و غریب باتوں کا انکشاف ہوگا جو اسکو اس کی زندگی میں پیش آئیں گی۔

یہ دیکھ کر شاہ راذریق نے نہایت اشتیاق اور بے صبری کے ساتھ اس خوفناک صندوقچی کو کھولا جو اسکو اس کی قسمت کا فیصلہ سُنانے والی تھی۔ صندوقچی کھولنے پر اسکو تانبے کی تختیوں پر ایک باریک کاغذ لپٹا ہوا نظر آیا۔ کاغذ کھولنے پر اسکو مسلح عربوں کی تصویریں نظر پڑیں جو نئے نئے نشان لیے گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے آتے تھے۔ ان تصویروں پر تحریر تھا۔ "اے بدبخت بادشاہ یہ وہ لوگ ہیں جو تیرا ملک اور تخت و تاج چھین لیں گے اور جبکہ تو خواب غفلت میں ہوگا یہ تیری سلطنت پارہ پارہ کر دینگے"۔

یہ دیکھکر راذریق سراسیمہ ہوگیا اور ساتھی بھی چلا اُٹھے۔ وہ کپڑا ابرا ہونا شروع ہوا اور اس قدر تنا کہ ابر کی مانند تمام برج پر محیط ہوگیا۔ دفعتاً تصویروں کو حرکت ہوئی اور تمام آوازیں لڑائی کی آنی شروع ہوگئیں۔ ایک طرف گاتھک علم لہرانے لگا۔ دوسری طرف عربی جھنڈا۔ اور وہ مسلح عرب سیلاب کی طرح بڑھنے شروع ہو جنہوں نے سرزمین ہسپانیہ کو ہلا ڈالا۔ اس نے دیکھا کہ بالکل اسی کی شکل کا ایک سوار گھوڑے سے اُتارا گیا اور اسپین کا نشان سرنگون کر دیا گیا۔

یہ دیکھ کر فوراً اسکے سامنے اپنی تباہی اور خوفناک جنگ کا نقشہ پھر گیا۔ اس خوفناک

منظر کو دیکھ کر ظالم بادشاہ تھرا گیا اور اس کے ساتھیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ اُسنے جلدی جلدی اس صندوقچی کو بند کرنا شروع کیا۔ اور چاہا کہ اس طلسمی برج کو بند کر دیا جائے ناگاہ ایسا سخت طوفان آیا جس سے زمانہ ہل گیا اور تمام باشندگان اسپین میں کھلبلی مچ گئی مصیبت زدہ راذریق اور اُس کے ساتھی بمشکل گھر تک پہونچے۔

دوسرے دن اس نے یہی ارادہ کیا کہ وہ اس خوفناک برج کو بند کردے۔ مگر دیکھتا کیا ہے کہ ایک عقاب آسمان سے اُتر کر اس برج پر بیٹھا۔ اس کے مونہ میں ایک دہکتا ہوا انگارہ تھا جسکو اُس نے اپنے پروں سے خوب دہکایا۔ تھوڑی دیر میں اس خوفناک عجیب غریب برج کی مضبوط عمارت جل کر خاکستر ہوگئی۔

تھوڑی دیر میں ایک جھنڈ ابابیلوں کا نہایت شور سے اُڑتا ہوا آیا۔ جسکے پروں کی ہوا سے خاکِ اسپین اُڑ کر آسمان کو جا لگی۔ پھر وہ خاک خون کی شکل میں منتقل ہو کر پھیل گئی کہتے ہیں کہ وہ خون جس پر گرا وہ تیغِ عرب سے نہ بچا۔

اسکے بعد جو کچھ تباہی شاہ راذریق پر آئی وہ اظہر من الشمس ہی۔ صرف اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ چند روز کے بعد جبکہ غافل راذریق نے اپنے مظالم سے ہسپانیہ میں اندھیر مچا رکھا تھا تو خدائے واحد کے سچے پرستش کرنے والے عربوں نے اسپین کو فتح کرلیا اور اس خوفناک پیشین گوئی کے بالکل مطابق ہوگیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

خاکسار

بنت اشفاق حسین وکیل۔ از سنبھل

بقیہ شاہ لیر

ایکٹ ۳ سین ایک جنگل کا مقام

(ایک زور کی آندھی چل رہی ہے۔ قیامت کا طوفان برپا ہے۔ بجلی چمک رہی ہے۔

بادل گرج رہے ہیں۔ سردرات کی تاریکی اور موسم کی سختی نہایت خطرناک صورت میں ظاہر ہوتی ہیں)
کینٹ معہ ایک افسر کے اسٹیج پر آتے ہیں۔

کینٹ۔ یہ کون ہے۔ کیا اس وقت طوفان کے علاوہ اور بھی کوئی باہر پھر رہا ہی؟

افسر۔ ہاں اس وقت وہ لوگ بھی باہر پھر رہے ہیں جنکے دلوں میں رنج اور افسوس کا طوفان برپا ہی۔ اور جو بدقسمتی سے نہایت بے چینی کی حالت میں ہیں

کینٹ۔ میں نے آپ کو پہچان لیا۔ بتایئے بادشاہ کہاں ہیں؟

افسر۔ بادشاہ ہوا اور طوفان سے مقابلہ کر رہے ہیں اور آندھی سے التجا کر رہے ہیں کہ کل زمین کو اُٹھا کر سمندر کے اندر غرق کر دے یا سمندر کی موجوں کو زمین پر لے آئے تاکہ تمام روے عالم کی حالت بالکل بدل جائے یا سب موجودات بالکل نیست و نابود ہو جائے۔ وہ اپنی سفید لمبی ڈاڑھی نوچ نوچ کر آندھی اور جھکڑ کی نظر کر رہے ہیں اور ہوا کے سخت جھونکے اسکا ایک ایک بال بکھیر کر کہیں نہ کہیں اُڑائے لیے جا رہے ہیں۔ اپنے کمزور جسم سے وہ سخت طوفان اور مینھ کا مقابلہ کر کے ان کی تحقیر کرنا چاہتے ہیں۔ آج کی وہ رات ہی کہ جس میں بچوں والی ریچھنی اپنے بھٹ میں جا کر گھس کر بیٹھے گی۔ اور شیر اور بھوک سے نڈھال بھیڑیا بھی کسی مقام پر چھپ کر بیٹھیں گی۔ کہ اپنا جسم خشک اور گرم رکھہ سکیں۔ ایسی رات میں بادشاہ سلامت ننگے سر ادہر اُدہر بھاگ رہے ہیں اور اس چیز کا مقابلہ کر رہے ہیں جو کہ سب کو خاک میں ملا سکتی ہے۔

کینٹ۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اُن کے ساتھ کون ہی؟

افسر۔ سواے دیوانہ کے اور اُن کے ساتھ اس وقت کوئی نہیں ہی۔ غریب دیوانہ بہت کوشش کر رہا ہے کہ ہنسی مذاق سے بادشاہ سلامت کے زخم دل پر کچھہ مرہم پٹی کرے۔

کینٹ ۔ صاحب میں تو آپ کو اچھی طرح سے جانتا ہوں اور اپنی گزشتہ واقفیت کے لحاظ سے میں ایک نہایت ہی ضروری راز تم پر ظاہر کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ یہ مجکو معلوم ہوا ہے کہ شاہزادہ ایلبنی اور کارنوال کے درمیان دلوں ہی دلوں میں رنج پیدا ہو گیا ہی گو دونوں اپنی ہوشیاری اور ظاہر داری سے اس معاملہ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے لیکن ان دونوں کے بعض بعض ملازم ایسے ہیں اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کونسا بڑا آدمی یا بادشاہ ہے جس کے پاس ایسے ملازم نہیں ہیں جو جاسوسی کا کام کر رہے ہیں اور یہاں کی تمام خبریں فرانس میں پہنچاتے ہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ آیا ان دونوں شاہزادوں کے ظاہری طرز عمل سے یا اُس سختی اور نہایت سخت بدسلوکی جو انہوں نے مہربان بڈھے بادشاہ سے کی یا اس سے بھی کوئی بھیتری بات ہے اور یہ وجوہات محض ایک حیلہ قرار دیے گئے ہیں۔ بہرحال کوئی وجہ ہو لیکن یقینی امر ہے کہ فرانس سے ایک فوج اس پریشان اور خستہ حال ملک پر چڑھائی کرنے کی غرض سے آرہی ہے۔ جو ہماری غفلت سے فائدہ اُٹھا کر پہلے ہی بعض بعض بڑی ضروری بندرگاہوں پر پورے طور پر مسلط ہو گئی ہے۔ اور اب ظاہرا طور پر اپنا جھنڈا کھڑا کرنے کے لیے بالکل آمادہ ہے۔ اب اگر تم میرے اعتبار پر اتنا بھروسہ کر سکو تو تم ڈاور کی بندرگاہ پر نہایت عجلت کے ساتھ پہونچ جاؤ وہاں پر تم کو کوئی ایسا شخص ملیگا جو تمہاری اس محنت کے لیے عملی طور پر شکرگزاری کریگا۔ وہاں جا کر تم کل حالات کہہ سناؤ اور بادشاہ سلامت کے اوپر جو سختیاں ہوئی ہیں اور جو جو مصیبتیں اُن کو برداشت کرنی پڑی ہیں اور کر رہے ہیں اور جو جو رنج اُن کو پہنچائے گئے ہیں۔ اُن سب کا حال مفصل بیان کر دو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں ایک باوقعت خاندانی آدمی ہوں اور جو بات میں تم سے کہتا ہوں یہ کسی بڑے اعتبار اور بھروسہ پر کہتا ہوں اور تمہارے سپرد یہ ایلچی کا عہدہ کسی معتبر وجہ سے

کرتا ہوں ۔

افسر ۔ لیکن مجھے آپ کے بارے میں کچھ اس سے زیادہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے
کینٹ ۔ نہیں تم کو کچھ ضرورت نہیں ہے ۔ تم کو یقین دلانے کے لیے تو میں اس سے
بہت زیادہ عزت اور عہدہ رکھتا ہوں جو تم میرے ظاہری لباس سے سمجھتے ہو ۔
میں یہ اشرفیوں کی تھیلی تمھارے سامنے رکھتا ہوں ۔ تم سب اشرفیاں اس میں سے
نکال لو ۔ وہاں پر مجھے یقین ہے کہ تمہیں شاہزادی کارڈیلیا ملے گی ان کو یہ انگوٹھی
دکھا دینا وہ تمہیں بتا دینگی کہ میں کون ہوں ۔ اُف اُف کس درجہ سختی کے ساتھ آندھی
چل رہی ہے اور مینھ برس رہا ہے ۔ اب میں جاتا ہوں تاکہ بادشاہ کو دیکھوں کہ وہ کہاں
ہیں ۔

افسر ۔ خدا حافظ ۔ کیا آپ کو اور کچھ نہیں کہنا ہے ؟

کینٹ ۔ اب صرف اتنا کام کرتے جاؤ کہ تم ادھر سے جاؤ اور میں ادھر سے جاتا ہوں
جس شخص کو بادشاہ سب سے پہلے ملیں وہ دوسرے کو پکارے ۔

دوسرا سین جنگل کا دوسرا مقام

ابھی تک آندھی اور مینھ اُسی سختی سے برپا ہو رہے ہیں لیر اور دیوانہ اسٹیج پر
آتے ہیں

لیر ۔ اے طوفان اور آندھی تمہیں قسم ہے کہ تم اپنی سختی تمام آج ہی ختم نہ کر دو ۔ تم
اس قدر جوش میں آؤ اور چلو کہ خود بھی پاش پاش ہو جاؤ ۔ اے سمندر کے گرداب
اور طوفان اُبل کر زمین پر چلا آ یہاں تک کہ ہمارے بڑے بڑے گرجاؤں اور میناروں
کی چوٹیاں بھی ڈوب جائیں ۔ اے شرربار بجلی جو اپنے گولوں سے شاہ بلوط
کے زبردست درختوں کے ٹکڑے کر دیتی ہے میرے سفید سر کو

جھلس کر خاک سیاہ کر دے۔ اے تختہ دنیا کے لرزانے والی گرج اس گول زمین کے اوپر اس طور پر آکر گر اور اسکو ایسا صدمہ پہنچا کہ وہ بالکل چپٹی ہو جائے تاکہ وہ قدرتی سانچے یعنی ماں کے رحم پھٹ جائیں اور ایکبار گی تمام حمل گر جائیں تاکہ ناشکرے انسان کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے۔

دیوانہ۔ جناب چچا صاحب کسی خوش گھر میں بیٹھ کر مرنا بہتر ہے بہ نسبت اسکے کہ اس ٹھنڈی ہوا اور مینھ میں کوئی جینے کی خواہش کرے۔ آپ گھر میں تشریف لے چلیے اور اپنی بیٹیوں کے سامنے اپنا سر جھکائیے۔ دیکھیے یہ آج کی کیسی رات ہے کہ نہ عقلمند پر رحم کرتی ہے نہ دیوانہ پر۔

(باقی آیندہ)

اڈیٹوریل

وفات حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم

نہایت رنج و قلق کے ساتھ آج ہم ایسی خبر لکھتے ہیں جس کے تصور تک سے کلیجہ موںھ کو آتا اور دل خون کے آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے۔ افسوس ۶ اور ۷ مئی کی درمیانی شب کے پونے بارہ بجے کی گھڑی ہندوستان بلکہ کل جہان کے لیے کیسی منحوس تھی جس میں اجل نے ہمارے رحم دل نیکی مجسم شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم جنت آرام گاہ کو ان کی وفادار رعایا سے یکایک جدا کر لیا۔

اس سخت اندوہناک وقعہ کی تفصیل یہ ہی کہ حضور ممدوح اپنی عزیز رعایا کی فلاح کی فکر میں ہمہ تن و ہمہ وقت مستغرق رہنے کی وجہ سے اکثر نادرست مزاج رہتے تھے

چنانچہ ان دنوں بھی بغرض حصول صحت بیارٹز (فرانس) گئے ہوئے تھے۔ اور حال ہی میں انگلستان تشریف لائے تھے۔ ۵ مئی کا تار تھا کہ "ملک معظم پر خناق کا سخت حملہ ہوا ہے اور حضور کمرہ سے برآمد نہیں ہوتے، حالت اضطراب انگیز ہے۔ بیارٹز میں حضور کو جو زکام ہوا تھا اس کا پورے طور پر ازالہ نہیں ہوا۔" ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ حضور نے ملاقاتیں موقوف نہیں کیں اور بدستور مصروف کار رہیں" ۶ تاریخ کا یہ تار تھا کہ "سانس کی نالیوں پر پہلے سے زیادہ زور ہے۔ حالت نازک ہے۔ اضطراب پھیلا ہوا ہے۔ پرنس آف ویلز کو بلیٹن (پرچہ خبر علالت) کا سخت انتظار ہے۔ تمام ارکان خاندان شاہی حضور کے بستر کے قریب طلب کیے گئے ہیں۔ یہ یقین بڑھتا جاتا ہے کہ ہز مجسٹی کی حالت بالکل مایوسانہ ہے۔"

(بعد کی خبر) ملک معظم کی شب خیریت سے گزری اور اب وہ کسی قدر اچھے ہیں ہز مجسٹی نے ایک دوست سے بیان کیا کہ مجھے زکام تھیٹر میں ہوا تھا۔ قصر بکنگم میں مزاج پرسی اور ہمدردی کے تاروں کی بارش ہو رہی ہے۔"

تار مورخہ ۷ مئی "ہز مجسٹی شاہ ایڈورڈ رات کے پونے بارہ بجے ملکہ معظمہ، پرنس و پرنسس آف ویلز، پرنسس رائل، ڈیوک آف فائف۔ پرنسس وکٹوریہ اور پرنسس لوئی کے سامنے بہ آرام تمام جاں بحق ہو گئے۔"

بعد کی خبر "دم واپسیں ملک معظم کے تمام بچے سوائے ملکہ ناروے کے (جو یکشنبہ کو پہنچنے والی تھیں) موجود تھے۔ ڈیوک و ڈچس آف کناٹ نہر سوئیز سے آ رہے ہیں۔ ۹ اور ۱۰ بجے کے درمیان افاقہ ہو گیا تھا۔ مگر اس کے بعد غافل ہو گئے۔ قصر بکنگھم کے باہر لوگوں کا ایک جم غفیر و انبوہ کثیر باوجود بارش بے خبر نیک کی امید میں ہمہ تن گوش و چشم کھڑا ہوا تھا۔ سوا بارہ بجے حضور پرنس و پرنسس آف ویلز کی مالبرا ہاؤس کو روانگی انجام کی پہلی خبر تھی۔

لارڈ میئر لنڈن کے نام حضور پرنس آف ویلز کے تار کا مضمون یہ تھا "میں نہایت رنج کے ساتھ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میرے پیارے والد پونے بارہ بجے بہ آرام گزر گئے" لارڈ میئر نے منجانب باشندگان لندن ہمدردی اور تعزیت کی اور کہا کہ "خدا اپنے فضل سے آپ کو اور شہزادی صاحبہ کو صبر دے۔ قوم کی دعا آپ کے ساتھ ہے۔ قوم دل سے آپ کے غم میں شریک ہے" لارڈ میئر نے اسی مضمون کا تار ملکہ الگزنڈرا کو بھی بھیجا ہے۔

اس خبر وحشت اثر کا اعلان ہندوستان میں سرکاری طور پر اُن الفاظ میں ہوا ہے۔ گورنر جنرل بہادر با اجلاس کونسل گہرے رنج کے ساتھ اڈورڈ ہفتم شاہ سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ و برٹش مقبوضات ماورائے بحر و قیصر ہند کی وفات کا اعلان کرتے ہیں۔ تا صدور حکم ثانی تمام سول و فوجی افسر ماتم میں رہیں گے۔ قلعہ ولیم اور تمام دوسرے قلعوں کے جھنڈے نصف بلندی پر رہیں گے اور تمام گیریزنون اور اسٹیشنوں میں ۶۸ توپیں سر کی جائیں گی،، (شملہ مورخہ ۹ مئی) ہز مجسٹی شاہ جارج پنجم (یادشن بخیر) کی تخت نشینی کا اعلان ہوگیا۔ ۱۰۱ توپوں کی سلامی سر ہوئی اور جھنڈے صرف شام تک کے لیے پوری بلندی پر پہنچائے گئے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے ناظرین کو اپنے سابق شہنشاہ کی بیش قیمت زندگی کے حالات سے بھی مطلع کریں۔

ہز مجسٹی کی ولادت ۹ نومبر ۱۸۴۱ء کو ہوئی تھی۔ آپ انیسویں صدی کے بہترین والدین پرنس البرٹ اور ملکہ وکٹوریہ کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کی مادر مشفقہ ملکہ وکٹوریہ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اور بعد ازاں علی الترتیب اڈنبرگ۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں۔ ۱۸۵۹ء میں اٹلی اور اسپین کا اور ۱۸۶۰ء میں کینڈا کا سفر کیا۔ ۱۸۶۱ء میں تکمیل تعلیم کی۔ ۱۸۶۲ء میں اپنے والد ماجد مرحوم کی خواہش کی ایفا کی غرض سے ارض مقدس کا دورہ کیا۔

۱۸۶۳ء میں پریوی کونسل کے ممبر ہوئے اور ہاؤس آف لارڈز میں بحیثیت ڈیوک آف کارنوال کے نشست کی۔ اسی سال ڈنمارک کی شہزادی الگزنڈرا سے شادی ہوئی ۱۸۷۱ء میں آپ پر موتی جھرے کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ زیست سے مایوسی ہوگئی ۱۸۷۵ء میں آپ نے ہندوستان کو اپنے قدوم فرخی لزوم سے افتخار بخشا اور ۷ ا ہفتے یہاں قیام فرمایا۔ ۱۴۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو آپ کے فرزند اکبر پرنس البرٹ وکٹر نے صرف پانچ روز علیل رہکر انتقال کیا۔ دسمبر ۱۸۹۹ء میں سینٹ پیٹرسبرگ جاتے ہوئے بمقام برسلز آپ پر ایک دیوانہ نوجوان انارکسٹ نے گولی فیر کی۔ ۲۲۔ جنوری ۱۹۰۱ء کو آپ اپنی مادر مہربان ملکہ وکٹوریہ مرحومہ کے تخت پر متمکن ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں آپ نے آسٹریلیا کو آزادی کا پروانہ عطا کیا۔ آپ ہی کے عہد میں جنوبی افریقہ کو پارلیمنٹ عطا ہوئی۔ جون ۱۹۰۲ء میں جب کہ ولایت میں آپ کا دربار تاج پوشی ہونے کو تھا آپ کو ایک نہایت شدید مرض لاحق ہوا۔ اس وقت بھی آپ کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ آخر ولایت میں ۹ اگست ۱۹۰۲ء کو اور ہندوستان میں یکم جنوری اور ۳ ۱۹۰ء کو دربار تاج پوشی ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں آپ نے اپنے فرزند ارجمند حضور پرنس آف ویلز کو معہ پرنسس آف ویلز ہندوستان کی سیاحت کے لیے بھیجا۔ یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو ملکہ وکٹوریہ مرحومہ کے مشہور اعلان شاہی کی پچاسویں برسی کے موقع پر آپ نے بھی اپنی ہندوستانی رعایا کو ایک پیغام شاہی سے معزز و ممتاز فرمایا۔ نومبر ۱۹۰۹ء میں آپ کی ہندوستانی رعایا کو قانون توسیع کونسل کے ذریعہ سے حکومت میں حصہ ملنے کی نعمت حاصل ہوئی۔

آپ طبعاً نہایت امن پسند اور صلح جو واقع ہوئے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا نے آپ کو "صلح جو" کا خطاب دیا۔ فرانس اور انگلستان کی صدیوں اور نسلوں کی دشمنی دلوں سے محو ہو کر دونوں قوموں کے مابین رابطۂ اتحاد قائم ہوا۔ بحیثیت شہنشاہ کے آپ کو جو سطوت و جبروت حاصل تھا وہ تو ظاہر ہے۔ لیکن یہ بتانا بھی ہمارا فرض ہے کہ آپ

بحیثیت انسان نہایت شریف النفس اور وسیع الاخلاق تھے۔ روس کے اخبار نوو وریما میں آپ کے حال کے قیام بیارٹز کی جو کیفیت شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں محض ایک معمولی امیر کی سی زندگی بسر کرتے تھے اور بازاروں میں نہایت بے تکلفی کے ساتھ چلتے پھرتے تھے جس سے آپ وہاں کے باشندوں میں بہت ہر دل عزیز ہوگئے تھے۔ آپ کے ناگہانی اس دنیاے فانی سے رخصت ہوکر عالم جاودانی کی کو سدھار جانے سے ایک عالم وقف ماتم ہو رہا ہے۔ جگہ جگہ جلسے ہو رہے ہیں اور اظہار غم کے لیے تار دوڑ رہے ہیں۔

چنانچہ ۹ مئی ۱۹۱۰ء کو صبح کے آٹھ بجے ایک ماتمی جلسہ علی گڑھ کالج میں اس کے اسٹریچی ہال کے اندر بصدارت مسٹر جے ایچ ٹول پرنسپل منعقد ہوا جس میں ٹرسٹیان ممبران یورپین و انڈین اسٹاف۔ طلباے سابق و حال، دیگر بہی خواہان کالج۔ اور اسٹیشن کے یورپین و ہندوستانی حکام شریک تھے۔ مسٹر ٹول نے جلسہ کی غرض بیان کی۔ بہ تحریک نواب وقار الملک بہادر و بتائید راجہ نوشاد علی خاں صاحب و بہ اتفاق راے حاضرین ذیل کا رزولیوشن پاس ہوا۔

"یہ کہ یہ جلسہ چاہتا ہے کہ اپنا گہرا اور دلی رنج اس نقصان کی نسبت ظاہر کرے جو سلطنت کو اس کے نامور شہنشاہ حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی ناگہانی وفات سے پہنچا ہے نیز یہ کہ خاندان شاہی کی خدمت میں اپنی نہایت مودبانہ ہمدردی پیش کرے۔ مزید براں یہ جلسہ ہز مجسٹی ملک معظم کی ذات شاہانہ کی نسبت اپنی ناقابل تغیر وفاداری کا نہایت سچے تیقن کا عاجزی کے ساتھ اظہار کرتا ہے"

اس رزولیوشن کو حاضرین نے نہایت احترام کے ساتھ کھڑے ہوکر پاس کیا۔ قرار پایا کہ یہ تار حضور ملک معظم جارج پنجم کی پیشگاہ کو بتوسط حضور کے وزیر ہند کے روانہ کیا جائے۔

دوسرا رزولیوشن بہ تحریک آنربل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب و بتائید خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب و بہ اتفاق رائے حاضرین اس مضمون کا پاس ہوا ٹرسٹیان، اسٹاف ۔ طلبا اور اولڈبوائز علی گڑھ کالج جو آج اس جلسہ میں شریک ہیں اپنا گہرا اور دلی رنج اس نقصان پر ظاہر کرتے ہیں جو سلطنت کو اسکے نامور شہنشاہ حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی ناگہانی اور نہایت المناک موت سے پہنچا ہی ۔ اور اپنی نہایت وفادارانہ اور مودبانہ ہمدردی خاندان شاہی کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ۔ مزید براں وہ ہز مجسٹی ملک معظم کی ذات شاہانہ کی نسبت اپنی ناقابل تغیر وفاداری کی نہایت سچے یقین کا عاجزی کے ساتھ اظہار کرتے ہیں"۔ قرار پایا کہ یہ رزولیوشن حضور ویسرائے کشور ہند اور ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کی خدمت میں مرسل ہو۔

اس قدر کارروائی کے بعد صاحب صدر نے جلسہ برخاست کیا اور بحیثیت پرنسپل کالج کے ایک روز کے لیے بند رہنے کا اعلان کیا

کالج کی طرف سے غربا و مساکین کو غلہ بھی تقسیم کیا گیا ۔

اعلان تخت نشینی

ہز موسٹ گریشس مجسٹی جارج پنجم بفضل خدا شاہ سلطنت متحدہ برطانیہ عظمی و آئرلینڈ و برٹش مقبوضات ماورائے بحر قیصر ہند کی تخت نشینی کا اعلان ۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو کل ہندوستان میں ہوا ۔ مختلف صدر مقاموں پر اعلان پڑہا گیا ۔ جھنڈے پوری بلندی پر پہنچائے گئے اور ایک سو ایک توپوں کی سلامی سر ہوئی ۔ حضور کی تخت نشینی کے موقع پر ہندوستان میں ہر طبقہ رعایا کی جانب سے کثرت سے جلسے ہو رہے ہیں ۔ ان سب میں حضور کے تخت کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا گیا ہی ۔ اس موقع پر جناب مولانا محمد عزیز مرزا صاحب بی اے

سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے پرائیویٹ سکرٹری حضور ویسرائے کو حسب ذیل تار ارسال کیا ہے

ہز موسٹ گریشس مجسٹی شاہ جارج پنجم کے قیصر ہند ہونے کے اعلان پر میں مسلمانان ہند کا دلی اور وفادارانہ خیر مقدم پیش کرتا ہوں - یہ کہ حضور ممدوح کا عہد طویل. شاندار اور اپنی وسیع ہمدردی انصاف اور نفع رسانی کے لیے مشہور ہو ہز مجسٹی کی وفادار مسلمان رعایا کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعا ہے "

ہمارے نئے ملک معظم

جب معرکہ ٹریفلگر میں انگلستان کے امیر البحر نیلسن نے دشمن کی گولی کے صدمہ سے عین اس وقت جان دی ہے جب کہ غنیم شکست کھا چکا تھا اور نیلسن کی موت اور برٹش بیڑہ کی فتح کی خبریں ساتھ ساتھ انگلستان پہنچی ہیں تو مورخوں کا بیان ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا تھا کہ نیلسن کے مرنے کا غم یا برٹش بیڑہ کی فتح ان دونوں میں سے کس کا اثر زیادہ ہے - کہنا چاہیے کہ بعینہٖ یہی حالت اس وقت برٹش سلطنت کی ہے - باشندگان سلطنت برطانیہ کو اپنے موجودہ نقصان میں اگر کچھ تسکین ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ملک معظم آنجہانی نے ایسا جانشین چھوڑا ہے جو اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھتا ہے - اور سلطنت کے بار عظیم کے اٹھانے کے ہر طرح قابل ہے - ہمارے نئے ملک معظم حضور جارج پنجم نے اپنی ۴۵ سالہ عمر میں دو نہایت کامیاب عہد دیکھے ہیں - اور کئی موقعوں پر انہوں نے ایسے اوصاف کا اظہار کیا ہے جو ایک کامیاب بادشاہ کے لیے ضروری ہیں - وہ اپنی سیر و سیاحت (جس کی وسعت کا سلاطین عالم میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا) اس کے ذریعہ سے عظیم الشان برٹش سلطنت کے مختلف حصوں اور ان کے باشندوں سے براہ راست واقف ہوگئے ہیں -

سنہ ۱۹۰۶ء میں ہندوستان سے واپس جاکر بمقام گلڈ ہال (لندن) اور پھر اب تخت نشینی کے موقع پر آپ نے جو تقریریں کی ہیں وہ آپ کی اعلیٰ تدبیر پر دال ہیں -

حضور ملک معظم آنجہانی نے اپنی تخت نشینی کے وقت جس طرح اپنی والدہ محترمہ کے نقش قدم پر چلنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسی طرح حضور ملک معظم جارج پنجم اپنے پدر بزرگوار کے نقش قدم چلنے کا اپنی رعایا کو اطمینان دلاتے ہیں جو آپ کے عہد ہمایوں کے لیے ایک نہایت مبارک فال ہی۔ ذیل میں ہم حضور کے حالات زندگی لکھتے ہیں۔

جارج اول	۱۷۱۴	—	۱۷۱۷	(۱۳ سال)
جارج دوم	۱۷۱۷	—	۱۸۶۰ کو	(۳۳ سال)
جارج سوم	۱۸۶۰	—	۱۸۲۰	(۶۰ سال)
جارج چہارم	۱۸۲۰	—	۱۸۳۰	(۱۰ سال)
جارج پنجم	۱۹۱۰	—	مدعہدہ	

حضور ملک معظم جارج پنجم شاہ ایڈورڈ ہفتم کے دوسرے فرزند ہیں۔ آپ کی پیدائش ۲۔ جون ۱۸۶۵ء کو ہوئی۔ ۷۔ جولائی کو قصر ونڈسر میں نام رکھنے کی رسم ادا ہوئی۔ ۱۲ برس کی عمر تک آپ کو مختلف علوم اور مختلف زبانوں کی تعلیم دیجاتی رہی۔ ۵ جون ۱۸۷۷ء کو آپ بحری تعلیم کے لیے جہاز برطانیہ پر بھیجے گئے۔ اس شاہی طالب علم اور دوسرے طالب علموں کے مابین سوائے اس کے اور کوئی امتیاز نہ تھا کہ آپ کے کمرہ میں کسی اور کو شریک نہیں کیا گیا تھا۔

۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۳ء تک آپ دنیا کے گرد سفر کرتے رہے اور سفر سے واپس ہوکر اپنے برادر پرنس وکٹر البرٹ ڈیوک آف کلیرنس کے انتقال پر ملازمت سے سبکدوش ہوکر وارث تاج وتخت انگلستان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

مئی ۱۸۹۳ء میں آپ کی شادی پرنسس وکٹوریا آف ٹک سے ہوئی۔ جن کی نسبت ابتدا میں ڈیوک آف کلیرنس آنجہانی سے ہوئی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں آپ ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر پرنس آف ویلز ہوئے۔

سنہ ۱۹۰۱ء ہی میں آپ برٹش بیڑہ کے امیر البحر بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۰۵ و ۱۹۰۶ء میں آپ نے ہندوستان کی سیاحت فرمائی۔ آپ بچپن ہی سے خوش مزاج فیاض اور ذہین ہیں۔ سنہ ۱۸۹۷ء کے قحط ہند کے موقع پر آپ نے قحط فنڈ میں رقم کثیر عطا فرمائی تھی۔ آپ کے ذرائع تفریح میں کتب بینی، سیر و شکار اور بائیسکل رانی شامل ہے۔ زمانہ شہزادگی میں آپ کو پرانے ٹکٹ اور عجیب و غریب کھلونے جمع کرنے کی بھی عادت تھی۔

حضور ملک معظم کے شہزادوں اور شہزادیوں کے نام یہ ہیں (۱) ایڈورڈ البرٹ کرسچین جارج اینڈ رو پیٹرک ڈیوڈ (پیدائش ۲۳ جنوری سنہ ۱۸۹۴ء) جو اب ولی عہد سلطنت ہیں (۲) شہزادہ البرٹ (پیدائش سنہ ۱۸۹۵) - (۳) شہزادی میری (پیدائش سنہ ۱۸۹۷ء) (۴) شہزادی ہنری (پیدائش سنہ ۱۹۰۰ء) (۵) شہزادہ جارج (پیدائش سنہ ۱۹۰۲ء) (۶) شہزادہ جان (پیدائش سنہ ۱۹۰۵ء)

۷ - مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو آپ برٹش سلطنت کے تخت پر متمکن ہوئے۔ یہ یقین رکھنے کی ہر ایک وجہ ہی کہ ہمارے نئے ملک معظم جارج پنجم داد دادگستری دینے میں نہ صرف اپنے اسلاف کرام کی شہرت اور آزادی انگلستان کی روایات کو قائم رکھیں گے بلکہ اس میں معتد بہ اضافہ فرمائیں گے۔ خدا ہمارے قیصر کو تادیر گاہ سلامت رکھے۔"

عورتوں کی تعلیم اور آزادی

ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب اسلام نے مسلمان عورت پر علم لازم کر دیا ہی۔ یعنی عورت پر بھی طلب و تحصیل علم فرض ہی۔ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بخلاف بعض دیگر ادیان کے اسلام نے عورت کو حق ملکیت بھی عطا کیا ہی۔ یعنی جن چیزوں کی عورت مالک ہی۔ ان کی بیع ہبہ۔ وقف غرض ہر قسم کے تصرف میں بالکل آزاد ہے اور اس بارہ میں اس کے شوہر یا باپ یا کسی اور رشتہ دار کو روک ٹوک کرنے کا مطلق

حق نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ شرع اسلام کا یہ حکم ہے۔

کون مسلمان ہے جو عورت کے مکلف بالعلم ہونے میں شک کریگا؟ کون مسلمان اس کے حق تملک میں شک کریگا؟ اور کون انسان اس میں شک کریگا کہ عورت بطن مادر سے آزاد پیدا ہوئی ہے؟ لیکن اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ مردوں نے عورتوں کے یہ دونوں حقوق غصب کر لیے ہیں۔ وہ نہ ان کو تعلیم دیتے ہیں نہ ان کی املاک میں انہیں تصرف کا پورا حق دیتے ہیں۔

آج کل کی مسلمان عورت کی یہ حالت ہے کہ ہم اس کو اپنی آنکھ سے جاہل دیکھتے ہیں اور اسکو اس قدر مجبور پاتے ہیں کہ اُسے اپنی مملوکہ اشیاء سے آزادی کے ساتھ فائدہ اُٹھانے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ وہ اپنی ذرا ذرا سی ضروریات کے لیے اپنے اقارب کی دست نگر رہتی ہیں۔ اگر ضرورت ہوتی ہے تو مرد عورت کو اس کی آزادی تصرف سے محروم کرنے کے لیے اس کے ساتھ دہوکہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آج کل کی مسلمان عورت جاہل ہے۔ اُسے اپنے اور دوسروں کے حقوق کا مطلق علم نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ لوگوں نے اصُول اسلام کو فراموش کر دیا اور اس کے اجتماعی قواعد کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

جب حالت یہ ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ ترقی کریں؟ محال ہے کہ کوئی قوم ترقی کرے بحالیکہ اُس کی عورتوں کی یہ حالت ہو کہ وہ جاہل اور حق تصرف سے محروم ہوں ممکن نہیں کہ مسلمان مجرد اس دعوے کی بنا پر عروج حاصل کر سکیں کہ اسلام نے عورت کو مکلف بالعلم اور آزاد کیا ہے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ مسلمان عورت قوم کا ایک کارآمد عضو ہو۔ اور اس درجے پر پہنچے جو اسلام نے اسکو عطا کیا ہے۔ اپنے جائز حقوق سے متمتع ہو۔ اپنی اولاد کی تربیت کرے۔ اپنے گھربار کی نگرانی کرے۔ اور زندگی کی کشمکش میں اپنے شوہر کی مدد کرے

ام عمارہؓ

حضرت ام عمارہ عربی بہادری۔ محبت رسول اور اسلامیت کا بے نظیر نمونہ ہیں
سنہ ۱۹۰۸ء میں سیرۃ ابن ہشام کا مطالعہ کرتے وقت جنگ احد کے بیان میں ان کا ذکر
دیکھنے میں آیا۔ اسی وقت سے میں ان کے حالات کی جستجو میں پڑگیا۔ لیکن اگلی تاریخوں میں
عورتوں کے حالات نہایت مختصر لکھے گئے ہیں۔ سیرۃ النبویہ اور سیرۃ محمدیہ میں وہی ابن ہشام
والی روایت دہرائی گئی ہے۔ سیرۃ الحلبیہ میں بھی صرف وہی واقعہ ہے لیکن کسی قدر
تفصیل کے ساتھ۔

اصابہ۔ اسد الغابہ اور استیعاب میں ان کے حالات اس قدر کم ملے کہ اس شبنم
سے میری پیاس نہ بجھ سکی۔ تاریخ طبری۔ تاریخ الخمیس اور بعض دوسری مستند تاریخوں
میں بھی ان کا نام آتا ہے لیکن مورخ ان کے کارناموں کی طرف سرسری اشارہ کرتے
ہوئے گزر جاتا ہے۔

ان کے جنگ یمامہ کے کارنامہ کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے لیکن تفصیل کسی نے نہیں لکھی البتہ فتوحات اسلامیہ کے مصنف نے اپنے معمول کے خلاف اس واقعہ کا کسی قدر بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ریاض المستطابہ میں بھی کچھ حالات ملے لیکن نہ ملنے کی برابر۔ ابن سعد نے طبقات کی آٹھویں جلد میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور اگرچہ فی الجملہ دوسرے مورخوں سے زیادہ لکھا ہے لیکن پھر بھی ناکافی ہے۔ تاریخ وفات تک کا پتہ نہیں۔

تہذیب التہذیب کا خلاصہ تو صرف ناموں کی فہرست ہے۔ اب اصل کتاب چھپ رہی ہے اس کی گیارہ جلدیں چھپ کر آبھی چکی ہیں مگر افسوس کہ ان کا تذکرہ بارہویں جلد میں ہے اور وہ ابھی تک نہیں آئی۔

بی بی زینب فواد کی کتاب درالمنثور مصر میں چھپی ہے اسکے لیے دو خط بھیجے کہ شاید انہوں نے کچھ مفصل لکھا ہوگا۔ ہر چند وہاں تلاش کی گئی لیکن بدقسمتی سے نہیں ملی۔
ان سب کوششوں کے بعد مجبور ہو کر جو حالات مل سکے ہیں بالفعل اُنہی کو پیش کرتا ہوں۔

ابھی تک میں نے ہمت نہیں ہاری ہے جستجو کا سلسلہ انشاءاللہ جاری رکھوں گا یہاں تک کہ اس شیر دل بہادر صحابیہ کی جو آنحضرت کے لیے سینہ سپر ہو کر لڑی ہے مکمل سوانح عمری لکھنے کے قابل ہو جاؤں۔ ؎

مرا عہدیست باجاناں کہ تا جاں در بدن دارم ہوادارانِ کویش را چو جانِ خویشتن دارم

ام عمارہ کا نام نسیبہ ہے لیکن یہ اپنی اسی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔ باپ کا نام کعب تھا۔ وہ قبیلہ بنی نجار میں سے تھے۔ ان کی والدہ رباب بنت عبداللہ قبیلہ خزرج میں سے تھیں۔ ولادت ہجرت سے تخمیناً چالیس سال پہلے مدینہ میں ہوئی۔ ان کا نکاح

انہی کے چچا زاد بھائی زید بن عاصم کے ساتھ ہوا۔ ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ عبداللہ اور حبیب زید بن عاصم کے انتقال کے بعد ان کا دوسرا نکاح انہی کے قبیلہ کے ایک شخص غزیہ بن عمر سے ہوا۔ ان سے ایک بیٹا تمیم اور ایک بیٹی خولہ پیدا ہوئی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی اور آپ نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا تو مکہ کے اکثر لوگ دشمن ہو گئے اور اُنھوں نے اسلام کی سخت مخالفت شروع کی۔ جو لوگ مسلمان ہوتے تھے اُن کو تکلیفیں پہنچاتے تھے ان کی ایذا رسانی کی وجہ کوئی مسلمان مکہ میں مشکل سے ٹھہر سکتا تھا چنانچہ آپ سب کو حبشہ کی طرف بھیج دیا کرتے تھے کیونکہ وہاں کا بادشاہ مسلمانوں کا بڑا حامی تھا اور اُن کو آرام دیتا تھا۔ جب آپ نے سالہا سال کوشش کر کے دیکھ لیا کہ وہ لوگ اسلام نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے۔ اور اُن کی عداوت اور دشمنی برابر بڑھتی چلی جاتی ہے تو ان کا پیچھا چھوڑ دیا۔ اور بڑے بڑے بازاروں اور مجمعوں میں جہاں عرب کے تمام قبائل جمع ہوتے تھے لوگوں کے سامنے اسلام کو پیش کرنے لگے۔ یہ خواہش بھی تھی کہ اگر کوئی دوسرا قبیلہ اسلام کی حمایت کے لیے آمادہ ہو جائے تو آپ مکہ والوں کو چھوڑ کر اُنہی میں جا ملیں۔

اتفاق سے ایک سال مدینہ کے چھ آدمی آپ کا وعظ سُن کر مسلمان ہو گئے۔ دوسرے سال چھ اور بڑھے۔ اب حضور نے ایک صحابی کو جن کا نام مصعب بن عمیرؓ تھا مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کو روانہ کر دیا کہ وہاں قرآن کی تعلیم دیں حضرت مصعب اور اُن بارہ مسلمانوں کی کوشش سے مدینہ کے بڑے بڑے سردار اسلام لائے اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ انہی اسلام لانے والوں میں حضرت ام عمارہ اور ان کا گھرانہ تھا۔

تیسرے سال مدینے سے ۷۵ مسلمان مکے پہنچے۔ مشرکوں کے خوف سے

حج کے دو تین دن کے بعد رات کو پچھلے پہر ایک پہاڑ کی گھاٹی میں یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ وہاں حضور کے ہاتھ پر ان سب لوگوں نے بیعت کی اور یہ عہد و پیمان ہوا کہ "حضور مدینہ تشریف لے چلیں۔ ہم جان مال اور اولاد سب کچھ اللہ کے دین کی مدد میں قربان کرینگے"۔ اسی بیعت کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔ جو لوگ اس میں شریک تھے اُن کا درجہ تمام انصار میں بلند ہے۔ اس بیعت میں دو عورتیں بھی تھیں ایک تو یہی ام عمارہؓ اور دوسری ام منیعؓ۔

اس عہد و پیمان کے مطابق آنحضرت مکّے سے ہجرت کر کے مدینے چلے آئے۔ کفار مکّہ نے یہاں بھی چین نہ لینے دیا کئی بار چڑھائی کر کے آئے اور لڑائیاں کیں یہاں تک کہ بدر کی لڑائی ہوئی جس میں مکہ کے کافروں کے اکثر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کفر پر نمایاں فتح عطا فرمائی۔ کفار نے اپنے سرداروں کا بدلہ لینے کی غرض سے بڑی سخت تیاری کی اپنے آس پاس کے تمام قبیلوں کو جمع کیا سب کو ہتھیار اور سواری دی اور تین ہزار سے کچھ زیادہ جنگی آدمی جمع کر کے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سُن کر مسلمانوں کو جمع کیا۔ تقریباً ایک ہزار آدمی تھے۔ ان کو لیکر جب لڑائی کے لیے نکلے تو ان میں سے بھی تین سو منافق راستہ سے واپس چلے آئے۔ اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے۔ منافقوں کے بھاگ آنے سے اُن کا حوصلہ بھی پست ہو گیا تھا۔ مگر آنحضرت نے اُن کو ہمت دلائی اور اللہ پر بھروسہ کر کے مقابلہ کے لیے بڑھے۔

مدینے سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کا نام اُحد ہے اسکے دامن میں شنبہ کے دن ۱۱ شوال ۳ھ کو مقابلہ ہوا۔ مسلمان اچھے موقع پر پہنچ گئے تھے کافروں میں سات آٹھ سو سوار تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے ان سواروں کے سردار تھے۔ ایک نہایت محفوظ درّہ تھا اور سوائے

اس درّہ کے ان سواروں کے آنے کا اور کوئی رستہ نہ تھا۔ آنحضرت نے اس درّہ پر پچاس مسلمانوں کو مقرر کر دیا کہ اس طرف سے جب سوار حملہ کریں تو تم لوگ اُن کو روکنا آگے نہ بڑھنے دینا۔ اور جب تک ہم حکم نہ دیں اُس وقت تک ہرگز اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ یہ لوگ لوہے کی دیوار کی طرح وہیں جم گئے۔ جب کفار ادھر سے آنے لگے تو ان تھوڑے سے مسلمانوں نے اُن کو تیروں پر رکھ لیا۔ مجبور ہو کر رُک گئے اور میدان میں نہ آسکے ادھر گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ قریب تھا کہ مشرکوں کو شکست ہو جائے کہ اتنے میں اسلامی فوج کا علم بردار شہید ہو گیا۔ بعض کافروں نے سمجھا کہ یہی رسول اللہ تھے۔ انھوں نے خوشی کا نعرہ لگایا کہ ہم نے نبی کو قتل کر دیا۔

مسلمانوں نے جب یہ آواز سنی تو اکثر بدحواس ہو گئے۔ ان کو کسی چیز کی خبر نہیں رہی۔ کوئی جہاں تھا وہیں مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ کوئی گر پڑا۔ کوئی بیہوش ہو گیا۔ کسی کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں اور ہاتھ سے ڈھال تلوار گر پڑی۔ مشرک خوشی کے جوش میں ٹوٹ پڑے۔ درّہ پر جو مسلمان تھے وہ بھی سراسیمہ ہو کر دوڑے کہ یہ کیا ماجرا گزرا۔ ان لوگوں کا وہاں سے ہٹنا تھا کہ خالدؓ نے اپنے سواروں کو لیکر حملہ کیا اور قیامت پر قیامت برپا کر دی۔ سرورِ کائنات کے عم محترم امیر حمزہؓ اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور بہتوں کے میدان سے قدم اُکھڑ گئے۔

اس سخت وقت میں حضورؐ کے ارد گرد صرف چند مسلمان جن کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہوگی حفاظت کے لیے رہ گئے۔ انہی میں ام عمارہؓ ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور حبیب اور اُن کے شوہر غزیہ بن عمر تھے۔ خود حضرت ام عمارہؓ کی زبانی مورخوں نے اس واقعہ کی کیفیت لکھی ہے ہم اسکا ترجمہ کرتے ہیں۔

"ام عمارہ نے کہا کہ میں اپنے کندھے پر مشک لیے ہوئے پیاسوں کو پانی پلا رہی تھی۔ یکایک مسلمانوں نے شکست کھائی اور ان کے قدم اُکھڑ گئے

کفار نے چاروں طرف سے سخت حملہ کیا۔ میں نے اسی وقت مشک پھینکی۔ اور ایک تلوار اُٹھا کر آنحضرت کی حفاظت کے لیے کھڑی ہو گئی۔ میرے پاس ڈھال نہ تھی کسی پلٹ کر جانے والے کی طرف حضرت نے اشارہ کیا وہ اپنی ڈھال پھینکتا گیا۔ میں دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کو اسی ڈھال پر روکنے لگی۔ مصیبت یہ تھی کہ ہم پیدل تھے اور غنیم سواریوں پر اگر وہ بھی ہماری طرح پیدل ہوتے تو ہم آسانی سے اُن سے بھگت لیتے سوار اپنی پوری قوت سے ہمارے اوپر حملہ کرتے تھے۔ اُس کا روکنا بہت دشوار ہوتا تھا۔ میں نے تو یہ ترکیب نکالی کہ جب کوئی سوار وار کرتا تو اسکو روک لیتی اور جوں ہی وہ آگے بڑھتا پیچھے سے ایک ایسا وار کرتی کہ اُسکے گھوڑے کا پاؤں کٹ جاتا اور وہ معہ سوار کے گر پڑتا۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے عبد اللہ کو زور سے آواز دیتے کہ اپنی ماں کی مدد کر۔ وہ فوراً آجاتا اور میں اور وہ دونوں مل کر اس سوار کا خاتمہ کر دیتے ؛؛

حضرت ام عمارہ کے بیٹے عبد اللہ کی زبانی روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ "میں اور میری ماں دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے میں دوسری طرف مشغول تھا کہ ایک مشرک نے پیچھے سے آکر میرے بازو پر ایک تلوار ماری۔ زخم بہت کاری پڑا۔ میں نے مڑ کر اُس پر حملہ کیا لیکن وہ سیدھا نکل گیا۔ میں لڑ رہا تھا مگر میرا خون بند نہیں ہوتا تھا۔ حضورؐ نے ام عمارہ کو حکم دیا کہ اس کے زخم پر پٹی باندھو۔ وہ اپنے ساتھ اسی غرض کے لیے بہت سی پٹیاں لائی تھیں۔ فوراً ایک پٹی نکال کر زخم کو خوب مضبوط باندھا اور بولیں کہ بیٹا اٹھو اور لڑو۔ میں خون کے نکلنے سے بہت کمزور

ہو گیا تھا اُٹھنے کی طاقت نہیں تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے ام عمارہ ہر شخص میں وہ طاقت کہاں ہوتی ہے جو تجھ میں ہے۔ اتنے میں وہ شخص جس نے مجھے زخمی کیا تھا پھر پلٹ کر اسی طرف آیا۔ آنحضرت نے اسکو فرمایا کہ اے ام عمارہ دیکھ وہی شخص آرہا ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا ہے۔ ام عمارہ نے لپک کر اُس پر تلوار کا وار کیا۔ اس کی ایک پنڈلی صاف کٹ گئی۔ اور وہ اُسی جگہ دہم سے گر پڑا۔ پھر اُنھوں نے آگے بڑھ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ حضور مسکرائے اور فرمایا کہ ام عمارہ اللہ تعالےٰ نے بڑا تازہ بدلہ تجکو عطا کیا۔"

کئی گھنٹے تک یہی حالت رہی۔ حضرت ام عمارہ کے زخموں کا کچھ شمار نہ تھا لیکن ان کے جسم میں فولاد کے تاروں کی رگیں تھیں۔ ذرا بھی تو ان زخموں کی پروا نہیں کرتی تھیں۔ اور برابر چستی و چالاکی کے ساتھ حضور کی حفاظت میں مشغول تھیں۔ اسی درمیان میں کسی کافر نے ایک پتھر پھینک مارا۔ جس سے سرور کائنات کا بھی نیچے کا لب زخمی ہو گیا۔ اور نیچے کے سامنے کے دو دانتوں میں سے داہنا دانت شہید ہو گیا۔ پھر ایک مشہور کافر نے جس کا نام ابن قمئہ تھا اور جو بہت بہادر اور مشہور سوار تھا آپ پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے۔ حضرت ابی عبیدہ بن الجراح رضؓ نے ان حلقوں کو نکالا۔ رخسار مبارک سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے یہ دیکھ کر حضرت ام عمارہ نے بے تابی کے ساتھ اُچھل کر ابن قمئہ پر حملہ کیا۔ اس نے ان کے مونڈھے پر بھی ایک تلوار ماری جس سے بڑا گہرا زخم آیا۔ باوجود اس زخم لگنے کے بھی حضرت ام عمارہ نے اس پر تلوار کے پیاپے کئی وار کیے لیکن وہ دشمن خدا دو زرہیں پہنے ہوئے تھا۔ ابن قمئہ تو بھاگ گیا۔ لیکن حضرت ام عمارہ کو بڑا کاری زخم لگا تھا خون میں لت پت ہو گئیں۔ حضور نے اپنے سامنے کھڑے ہو کر ان کے زخم پر پٹی

بندھوائی اور فرمایا کہ واللہ ام عمارہ کا آج کا کارنامہ فلاں فلاں (چند بہادر صحابہ کے نام لیکر) کے کارناموں سے بہت بڑھ کر ہی۔ ام عمارہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالی آپ کے ہمراہ مجکو جنت میں داخل کرے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ ام عمارہ نے کہا کہ بس اسکے بعد دنیا میں جو مصیبت چاہے میرے سر پر گزر جائے مجھے ذرا بھی پرواہ نہیں۔

میدان جنگ سے جن مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے اُن میں سے بعض بعض مدینہ کے قریب تک پہونچ گئے۔ ایک صحابیہ جنکا نام ام ایمن تھا مدینہ سے مشک لیکر اُحد کی طرف آرہی تھیں کہ مسلمانوں کو پانی پلائیں۔ دیکھا کہ لوگ بھاگے آرہے ہیں کیفیت پوچھی اُنھوں نے واقعہ بیان کیا حضرت ام ایمن نے زور سے چلا کر ان کو ڈانٹا اور مٹھی میں خاک بھر کر ان کی طرف پھینکی اور کہا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر تم لوگ کس مونھ سے یہاں چلے آئے۔ مرد بنے ہو۔ لو۔ یہ ہماری چوڑیاں پہنو۔ گھر کا چولھا چکی سنبھالو۔ اور اپنی تلواریں ہم کو دیدو ہم جاکر لڑیں۔ ان کے اس کہنے سے وہ غیرت مند مسلمان پلٹے۔ اُدھر یہ بھی معلوم ہوا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں۔ اب ان کی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھی اور میدان میں جم گئے ظہر کے وقت لڑائی ختم ہوگئی۔ حضرت ابو بکر۔ حضرت عمرؓ اور بڑے بڑے صحابہ کے ساتھ آپ پہاڑ پر گئے وہاں نماز پڑھائی پھر مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک اور صحابیہ کا حال سنیے۔ مدینہ میں جب آنحضرت کے شہید ہو جانے کی خبر اُڑی تو وہ رنج و غم سے بیتاب ہو کر نکل کھڑی ہوئیں۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور گرتی پڑتی اُحد کی طرف چلی جارہی تھیں۔ راستہ میں ایک شتر سوار ملا دوڑ کر اس سے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ اُس نے کہا کہ خیریت ہی لیکن تمھارا باپ۔ بیٹا۔ شوہر تینوں شہید ہوگئے انھوں نے کہا اور رسول اللہ؟ کہا کہ وہ ٹیلہ کے پاس دیکھو فوج کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں

دیکھکر خوشی سے اُچھل پڑیں اور کہا کہ جب رسول اللہ زندہ ہیں تو ہم کو کسی کی کچھ پرواہ نہیں ہو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے شہادت عطا فرمائے۔

حضور کو ام عمارہ کا بڑا خیال تھا۔ آپ نے کے ساتھ ہی عبداللہ بن کعبؓ کو ان کے دیکھنے کے لیے بھیجا۔ معلوم ہوا اب حالت اچھی ہو۔ زخم مہلک نہیں ہو۔ تب آپ کو اطمینان ہوا۔ پورے ایک سال تک علاج کرنے کے بعد یہ زخم اچھا ہوا۔

بالاتفاق تمام مورخ لکھتے ہیں کہ واقعہ حدیبیہ۔ خیبر اور حنین کی لڑائیوں میں بھی ام عمارہ آنحضرت کے ہمراہ شریک ہوئیں لیکن مجکو اب تک کسی کتاب سے ان لڑائیوں میں ان کے کارناموں کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی ہو۔ جنگ یمامہ کا حال جو کچھ معلوم ہوا ہی وہ لکھتا ہوں۔

اہل یمامہ کا سردار مسیلمہ کذاب ایک نہایت زبردست اور بڑا جابر شخص تھا۔ پہلے تو مسلمان ہوا لیکن پھر دنیا کے لالچ میں مرتد ہوگیا۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد اس نے بڑی سرکشی پر کمر باندھی۔ اسکا قبیلہ بہت بڑا تھا لڑنے والے تقریباً چالیس ہزار آدمی تھے اس نے اپنی اس قوت کے گھمنڈ میں آکر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور سب سے اپنے آپ کو نبی کہلانا شروع کیا۔ جو نہ کہتا اسکو طرح طرح کی سزائیں دیتا۔

حضرت ام عمارہ کے بیٹے حبیب عمان سے مدینہ شریف کو آرہے تھے۔ مسیلمہ نے راستے سے ان کو پکڑوالیا اور کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ ہاں۔ اسنے کہا نہیں۔ یہ گواہی دو کہ مسیلمہ رسول اللہ ہے اُنھوں نے کہا ہرگز نہیں۔ تب اُس نے ان کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ پھر یہی سوال کیا۔ اُنھوں نے پھر وہی جواب دیا۔ دوسرا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ الغرض پھر پاؤں کاٹے۔ زبان کاٹ ڈالیں لیکن انھوں نے اس کذاب کی نبوت کا اقرار نہ کیا پر نہ کیا۔ اور جان دیدی حضرت ام عمارہ نے جب یہ واقعہ سُنا تو کلیجہ تھام کے رہ گئیں۔ اور اپنے دل میں

ٹھان لیا کہ اگر مسلمانوں نے لشکر کشی کی تو اس مرتد ظالم کو میں انشاء اللہ خود اپنی تلوار سے جہنم رسید کروں گی۔

حضرت ابوبکرؓ خلیفہ نے جب مسیلمہ کذاب کے حالات سنے تو حضرت خالد بن ولید کو چار ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ حضرت ام عمارہ حضرت ابوبکر کے پاس گئیں اور ان سے اجازت چاہی کہ اس لڑائی میں مجھے بھی جانے دیجیے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم تمھاری بہادری اور جرأت بہت اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اس لیے تم شوق سے جاؤ ہم تم کو روک نہیں سکتے۔ مسیلمہ کذاب نے بڑا سخت مقابلہ کیا اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ قدم قدم پر لاشوں کے ڈھیر لگ گئے بارہ سو مسلمان شہید ہوئے اور آٹھ نو ہزار کافر مارے گئے۔ اس کش مکش اور ہنگامہ میں حضرت ام عمارہ نے اپنی نگاہ کے سامنے مسیلمہ کو رکھ لیا۔ جنگی بہادروں کو اپنے سامنے سے ہٹاتی برچھی کی نوک اور تلوار کی دھار سے اپنا راستہ نکالتی ہوئی غنیم کی بیچ فوج میں گھستی چلی جا رہی تھیں۔ نیزے اور تلوار کے گیارہ زخم لگے اور جب مسیلمہ کے بالکل قریب پہنچ گئیں تو کلائی پر سے ایک ہاتھ بھی کٹ گیا لیکن مطلق پرواہ نہ کی اور آگے بڑھی تھیں کہ مسیلمہ پر وار کریں۔ اتنے میں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک دم سے اس پر دو تلواریں پڑیں اور وہ کٹ کر گھوڑے سے گر پڑا۔ انھوں نے دیکھا تو اُن کے بیٹے عبد اللہ کھڑے ہیں۔ پوچھا کہ تو نے اسکو قتل کیا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ ایک تلوار میری پڑی ہے دوسری وحشی کی (یہ وحشی وہ ہے جس نے اپنی کفر کی حالت میں جنگ اُحد میں حضرت امیر حمزہ کو شہید کیا تھا) اب معلوم نہیں کہ کس کے وار سے وہ مرا ہے۔ یہ دیکھکر ام عمارہ اسی وقت سجدہ میں گر گئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

زخموں کی وجہ سے اور خاصکر ہاتھ کے کٹ جانے سے وہ کمزور ہو گئی تھیں۔ حضرت خالد جو فوج کے سردار تھے اور جن کی بہادری ضرب المثل ہے وہ ام عمارہ کی

شجاعت اور بزرگی کی وجہ سے ان کا بڑا ادب کرتے تھے۔ انھوں نے ان کے زخموں کے علاج اور تیمار داری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ چنانچہ حضرت ام عمارہ نے بعد میں کمال شکر گزاری کے ساتھ خالد کی تعریف کی کہ "وہ نہایت ہمدرد شریف النفس اور متواضع سردار ہیں انھوں نے بہت غمخواری کے ساتھ ہماری تیمار داری کی۔"

جب حالت کچھ ٹھیک ہوگئی تو عبداللہ ان کو مدینے میں لائے خود خلیفہ وقت حضرت ابوبکرؓ ان کو دیکھنے کے لیے ان کے گھر آتے تھے۔

حضرت عمرؓ خلیفۂ دوم کے زمانے میں ایک مرتبہ مال غنیمت میں چند بیش قیمت کپڑے آئے۔ ان میں سے ایک دوپٹہ مزرکش نہایت قیمتی تھا۔ کسی نے حضرت عمرؓ کو یہ رائے دی کہ آپ اسے اپنے بیٹے عبداللہ کی بیوی کو دیں۔ کسی نے کہا کہ نہیں بلکہ اپنی بیوی ام کلثوم کو دیجیے جو حضرت علی کی بیٹی ہیں۔ غرض مختلف لوگوں نے مختلف رائیں ظاہر کیں۔

حضرت عمر نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں میں سب سے زیادہ اسکا حقدار ام عمارہ کو سمجھتا ہوں۔ اُنہی کو دونگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے احد کے دن سنا تھا۔ (آپ فرماتے تھے) کہ میں جدہر نظر ڈالتا تھا ام عمارہ ہی ام عمارہ مجکو نظر آتی تھیں۔ دائیں دیکھتا ہوں تو ام عمارہ۔ بائیں دیکھتا ہوں تو ام عمارہ۔ چنانچہ انہی کے پاس اُسکو بھیجدیا۔

راقم کو اس وقت تک اس سے زیادہ حالات نہیں معلوم ہو سکے۔ فقط

(از الناظر)

راقم
اسلم جیراجپوری

مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے

رباعی

ناصح مشفق ہیں ہم ان کے نہ مصلح او مشیر | درد مندانِ کے نہ انکے درد کے دِل ہیں ہم
پھوٹ پڑتے ہیں بہار اس باغ کی ہم دیکھ کر | نالۂ بے اختیار بلبل نالاں ہیں ہم

الحمد للہ اسلام ہی ایسا مذہب ہی جس نے عالم ایجاد میں قدم رکھتے ہی اس سچے اور عظیم الشان **کلمہ** کی تصدیق کی جو دنیا میں ہماری دل کی زندگی اور روشنی اور آخرت میں مسرت دائمی اور نجات ابدی کا وسیلہ ہی۔ آسمان کی گردش ستاروں کی چمک موسموں کا تغیر دریاوں کا مدّ و جزر، دن رات کا ہونا راحت و تکلیف نفع و نقصان شادی و غمی۔ عبادت و خدا پرستی، غفلت اور خود فراموشی کے متواتر دورے ہونگے اور ختم ہو جائیں گے مگر اس کلمۂ پاک کی سچائی جس طرح قایم ہی قائم رہے گی۔ یہ وہ پھولا پھلا باغ ہی کہ جسکو نہ باد صرصر کا خطرہ ہی نہ موسم خزاں کا کھٹکہ نہ کسی باغبان کی حاجت ہی۔ اس کے شگفتہ اور خوشگوار پھول ہمیشہ مہکتے رہتے ہیں اور کبھی نسیم سحر کے بار منت کے ممنون نہیں ہوتے۔

اوائل اسلام کے لوگوں کے دلوں میں جس عظمت کے ساتھ اس پاک کلمے کی وقعت تھی ویسی ہی اُنھوں نے دینی و دنیوی عزت و برکت حاصل کی۔ مگر افسوس ہی کہ اب نہ وہ لوگ ہیں نہ وہ اسلام ہی یہ مشہور ضرب المثل (مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب) بالکل اس زمانہ کے موافق ہی۔

اللہ اکبر اس پاک کلمہ کی تصدیق کرنے والے ایک وہ لوگ تھے کہ جن کی سچی نیت اور راسخ الاعتقادی کی وجہ سے یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے کی معاونت

میں ایسے تلے ہوئے تھے کہ جس طرح ایک جسم میں متعدد اعضا کو باہمی نسبت ہوتی ہی وہ اسی پاک کلمہ کی بدولت ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو گرویدہ اور مسخر بنا لیتے تھے علوم بحر و بر ان کے دماغوں کے خانہ زاد اور اسرار قدرت اُن کی چشم بینا کا نور تھی وہ عزت کے مرنے کو زندگی پر ترجیح دیکر دنیا کو محل امتحان سمجھے ہوئے تھے - وہ مغرور اور سرکش لوگوں کی خدا کے سامنے جھک کر گردن جُھکا دینے والے تھے. طلب میں جینا اور جستجو میں مرنا اور کسی حالت میں ہمت نہ ہارنا ہی اُن کا ایمان تھا - وہ سفر کی تکالیف درس کی دشواریاں اور غیر معمولی محنت اُٹھا کر علم اور دنیا اور عقبیٰ حاصل کر کے خدای عزوجل کی خوشنودی حاصل کرتے تھے - وہ ایسے بے ریا اور منکسر اور عالی ظرف تھے کہ باوجود دولت وحکومت کے بھی کبر اور طمع سے اپنے قلب مصفا کو پاک رکھتے عدل اور احسان اور وفا میں کوئی قوم ان کی نظیر نہ تھی - اپنے دشمنوں کی تحقیر یا دل شکنی بھی ان کے نزدیک گناہ عظیم سمجھے جاتے تھے -

برخلاف ان کے ایک ہم ہیں کہ نخوت و غرور میں سرشار دانش و بینش سے معرا غیرت و حمیت سے عاری خواب غفلت سے مدہوش، اتفاق سے بیزار نفاق میں مبتلا - جھوٹی خوشامد کرنے والے چاپلوسی پسند کرنے والے - قوم کی مصیبت و ذلت سے بے پروا - عزیز و اقارب کے افلاس سے بے غم اپنی فارغ البالی پر آسودہ ہمدردی اور ذوق حق پرستی کا نام نہیں جسکو دیکھیے اپنے غرض کا شہید ہی - خلاصہ یہ کہ یہی ہمارا تقویٰ یہی ہماری عبادت ہی - شعر

بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں ۔۔۔ دیکھیے کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا

کیا یہ افسوس ناک بات نہیں ہی کہ جس قوم کے اسلاف کی یہ خوبیاں ہوں انکے اخلاف میں برائے نام بھی کوئی خوبی نہ ہو - کیا یہ لوگ بھی مثل گزشتہ گروہ کے اس کلمے کی اسی سرگرمی اور صدق سے تصدیق کرنے والے ہیں - یہ نہایت

شبہ کی بات ہی۔

یہ شبہ کیوں پیدا ہوتا ہی۔ غیرت وحمیت کے نہونے سے تحصیل علوم کے شوق نہونے سے ذلیل رہنے پر قناعت کرنے سے۔

کیا یہ لوگ بھی اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ضرور رکھتے ہیں۔ پس میں یہ کہنے کی اجازت چاہتی ہوں کہ وہ اسلام کے ساتھ نہایت بیدردی سے پیش آتے ہیں۔ اسلام نے ان کو وہ خوبیاں عنایت فرمائیں کہ جن کا شکر ہر طرح سے ناممکن ہے اسلام نے ان کو اخوت سکھائی۔ اسلام نے اُن کو قوت دی اسلام نے ان کو سلطنت اور اُن کی سلطنت کو عظمت اور جلال بخشا۔ ان کو اخلاق حسنہ کی راہ بتائی انسانی معاشرت کے طریقے سکھائے۔ خدا کی رضامندی کا دستور العمل پیش کیا۔ اتفاق کے فوائد اور نفاق کی خرابیاں ذہن نشین کیں۔

کیا اس احسان اور مبارک تعلیم وتلقین کا یہی بدلہ ہی کہ ہم ان سب سے چشم پوشی کرکے کفران نعمت پر آمادہ ہوں اور کبھی بھول کر بھی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوں اور نہ اس پر غور کریں کہ ہم کون ہیں اور ہمارے فرائض کیا ہیں اور ہم دنیا میں کس لیے آئے ہیں اور ہم کو یہاں کب تک رہنا ہی اور ہمارے ان کرتوتوں کا کوئی حساب لینے والا بھی ہی یا نہیں۔

یہ جو کچھ کہ ہم نے کیا اور کر رہے ہیں اس کے پھل ہم کو مل چکے اور مل رہے ہیں اور ملتے رہیں گے ہمارے اعمال ہمارے ہی سامنے نئے نئے رنگ بدل کر اور طرح طرح کے بھیسوں میں روپ اختیار کرکے کبھی وبا کی شکل میں کبھی گرانی کی صورت میں کبھی موسیٰ ندی کی ہیئت کذائی میں نمودار ہوتے ہیں اور ہم کو زبان حال سے پکار پکار کر خبردار کرتے ہیں کہ اب تو ہوش میں آؤ اب تو سنبھلو مگر ہم ایسے تھوڑا ہی سوئے ہیں کہ جو یہ باتیں ہمارے عبرت اور خوف دلانے کو کافی ہوں اس غفلت کے

یہ تمام نتیجے اُٹھا چکے ذلیل ہوئے خوار ہوئے جاہل کہلائے اور اپنی دولت و عزت گنوا کر دوسری قوموں کا حلقہ غلامی کانوں میں ڈالے ہوئے ہیں اور اس حلقہ بگوشی پر بجائے اسکے کہ شرم کریں فخر کرتے ہیں۔ پس اب ہم کو یہ دیکھنا ہی۔

(۱) کہ زیادہ تر ہماری ذلتوں اور خرابیوں کے اسباب کیا ہیں۔

(۲) ہماری موجودہ حالت کے اسقام کس طرح سے دور ہو سکتے ہیں۔

(۳) ہم کو اپنی بہتری کے متعلق کیا چارہ اختیار کرنا چاہیے۔

پس ہم ان تینوں امور تنقیح طلب کی تجویز اپنی عقل کے موافق اس طرح کرتے ہیں۔

ہمارے امر اول کا جواب یہ ہی کہ وہ خدائے پاک کہ جس نے اپنی کریمی اور باعتبار رب ہونے کے۔ ابتدائے پیدائش سے ہی نہیں بلکہ اس زمانہ سے کہ جب انسان ایک نطفہ مدہوش تھا طرح طرح کی فیاضیوں کے ساتھ اُس کے آرام و آسایش پہنچانے میں بلا کسی غرض یا مطلب کے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اس کے عالم ظہور میں آنے کے بعد زمانہ طفلی و جوانی و پیری میں تمام وقت اس کی تمام ضرورتوں کا کفیل رہا ہمارے قلب پر اس کی عظمت و جلال کے اثر نہ رہنے سے یہ نتیجہ ہوا کہ ہمدردی خداترسی، حق شناسی، عدل و احسان اور وفا۔ غرض جتنی خوبیاں تھیں وہ سب ہم سے متنفر ہو کر چلی گئیں اور بجائے ان کے خود غرضی، فریب، دغا اور ریاکاری وغیرہ وغیرہ ہماری رفیق ہو گئیں۔ ان تمام اسباب سے ہم اپنی سابقہ عظمت کو خیرباد کہہ کر طرح طرح کے عذابوں میں تعذیباً و تنبیہاً مبتلا ہیں اور اپنے کیے ہوئے کو بھگت رہے ہیں۔

جواب دوم کا یہ ہی کہ سب سے پہلے ہم کو خدای قادر مطلق کی عظمت و شکوہ و جلال اور اس کے دانا اور بینا ہونے کے اوصاف اور اپنے کاموں کی جزا و سزا پانے کا

واثق یقین اور اسکا ازلی اور ابدی ہونا اور اپنے کو اور تمام چیزوں کو کہ جن کے ہم عارضی طور پر مالک کہلاتے ہیں اُسی کی ملک تصور کرنا اور دنیاوی تمام چیزیں و نیز وہ چیزیں جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہیں ان کو فانی اور متغیر اور چھوٹ جانے والی سمجھ کر بقدر ضرورت ان سے تعلق رکھنا اور خدای پاک کی محبت کو کہ جو باقی ہی اور ہمیشہ رہنے والی ہی تمام محبتوں پر افضل اور اعلیٰ خیال کرنے سے پھر وہی خوبیاں کہ جو ہم کو نااہل اور ناپاک سمجھ کر دور اور علیحدہ ہوگئی تھیں عود کر آئینگی۔ اور وہ ہمارے تمام اسقام دور کرنے کے لیے کافی و وافی ہیں۔

جواب امر سوم کا یہ ہی کہ ہم کو باہمی اتفاق کی سخت ضرورت ہی۔ اتفاق کے فوائد بیان کرنے کی ہم کو چنداں اسلیے حاجت نہیں ہی کہ کمی و بیشی کے ساتھ تقریباً اسکو ہر شخص جانتا ہی۔ لیکن اولاً کس بات پر اتفاق کیا جائے۔ دویم اس بات کے حاصل کرنے کے لیے کون سے وسائل کام میں لائے جائیں۔ سویم وہ وسائل کیونکر بہم پہونچائے جائیں اور کیا عملی کارروائی کی جائے۔

یہی تین باتیں ایسی ہیں کہ جن سے قوم دوسری قوموں کے مقابل میدان ترقی میں بہت پیچھے ہے۔ لیکن ان امور تنقیح طلب کا فیصلہ کوئی معمولی بات نہیں ہی اور ہر شخص اس کے فیصلے کی قابلیت نہیں رکھتا ہی۔ البتہ یہ بڑے بڑے ذی علم مصنفوں کا کام ہی جنکو اقوام کی پہلی تاریخ اور دنیا کی موجودہ حالت اور قوموں کے باہمی برتاؤ سے پوری آگاہی ہو۔ اور قانون قدرت کی تاثیرات سے ایک حد تک واقفیت رکھتے ہوں کیونکہ ایک بہت بڑے قوم کے عمدہ حالت کا انقلاب مقصود ہی۔ اور وہ حالت یکساں نہیں ہی۔ بلکہ باعتبار مختلف مواقع کے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

ہم کو کسی بڑے ذی علم اور صاحب فراست اور اہل تصنیف سے اس سوال کا

جواب قابل اطمینان نہیں مل سکتا۔ مذہب کہتا ہی کہ تقدیر ساری باتوں کا ایک دن میں فیصلہ کر سکتی ہی لیکن اس کی کوئی مدت معین نہیں کرسکتا جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ فیصلہ کب تک ہو سکتا ہے۔

پس اس امر پر غور کرنے کے بعد کیا یہ مناسب نہیں ہی کہ ہم خدا کی دی ہوئی دولت سے (یعنی اپنے ہاتھ پاؤں کو) ہلا کر کوئی کام میں کیونکہ حرکت ہی سے برکت ہوتی ہی اور یہ کونسی دانشمندی ہی کہ آثار تنزل سے ترقی کے امیدوار رہیں۔ کیوں کہ آیت لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ کے بموجب ہم کو اپنی کوششوں ہی کے پھل ملنے کی امید ہوسکتی ہی۔

کیا ہم سب پر یہ فرض نہیں ہی کہ اعلیٰ درجہ کے علوم دینی اور دنیوی کے ذریعہ سے کافی تعداد ایسے عالموں کی اپنی قوم میں موجود کریں جو قافلہ قومی کو دشوار گزار اور تیرہ و تار راستہ سے علوم کی روشنی میں خدا کی مدد سے آگے بڑھا لیجائیں۔

مفید اور کارآمد اتفاق اُن ہی لوگوں کا ہوتا ہی جن کے خیالات ہموار ہوں اور عوام بھی اُن ہی لوگوں پر بھروسہ کرسکتے ہیں جنھوں نے اپنے کو دانشمند ثابت کیا ہو۔ ہموار اور پیچیدہ لکڑیاں کیسی ہی احتیاط کے ساتھ اگر ایک جگہ باندھی جائیں تاہم جدا جدا رہیں گے۔ یہی حال آج کل ہمارے جلسوں کا ہی۔

خیالات کی ہمواری علم سے ہوتی ہی۔ تا وقتیکہ علم خیالات کو ہموار نہ کردے اُس وقت تک ترقی قومی کا ظہور ناممکن الوقوع ہی۔ غرض علم سے خیالات ہموار ہوسکتے ہیں۔ اور خیالات کی ہمواری سے اتفاق کے ساتھ ترقی علوم و فنون متعلقہ تجارت و زراعت صنعت و حرفت اور سارے کام جن سے راحت اور عزت اور دولت ملسکتی ہے۔ خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام پاسکتے ہیں۔

اب ایسی پیاری اور دلکش آواز سے اس وقت کوئی پکارنے والا نہیں ہے کہ

مخلوق جسکو سُن کر صدیوں کے کینے اور عناد دل سے ایک لخت دور کرکے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اور اُس قوم نے جو نان شبینہ کو محتاج تھی شتربانی سے جہانبانی کا رتبہ حاصل کرکے غیر قوموں کو حیرت اور استعجاب میں ڈال دیا۔

وہ تو ایک حالت تھی جو گزر گئی۔ اور جن کی تقدیر میں اُس خوش آیند آواز کے مزے لینے تھے وہ لے چکے۔ اب وہ نہایت آرام سے بستر خاک پر میٹھی میٹھی نیند پڑے سو رہے ہیں۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تمھارے واسطے اس میں سے کچھ حصہ باقی نہیں رہا۔ اور حریفاں بادہا خوردند و رفتند' کا مضمون ہمارے واسطے ہے اگر خیال کریں اور عمل کریں تو بہت کچھ باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمھارے گوش دل میں بھی تو ہادی کی وہ آواز پہونچی ہے جس نے عرب سے عجم تک ہلا دیا اور ہمارا تعلق بھی تو اسی برگزیدۂ آفرینش سے ہے کہ جس کی آواز میں یہ اثر تھا اور ہم کو بھی تو اُسی آقا کی غلامی کا دعویٰ ہے۔ جس کے ایسے فرماں بردار اور جاں نثار غلام تھے جن کے کارناموں سے تاریخوں کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور جنکا مجملاً ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں۔ ہاں اگر فرق ہے تو اتنا ہی جتنا فرماں بردار اور نافرمان غلام میں ہوتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ نسبت ضرور ہے۔ شعر

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اہل یورپ ہی کو دیکھو علم نے ان کو کیا سے کیا کر دیا پس حقیقت میں علاج ساری خرابیوں کا تحصیل علم ہے۔ مگر علوم سیکھنے سے یہ غرض ہماری بالکل نہیں ہے کہ نوکری کے ذریعہ سے اپنی آزادی کو بیچ کر غلامی خرید کی جائے بلکہ علوم صنعت و حرفت فنون متعلقہ تجارت و زراعت کو اشاعت کرکے اپنی اور اپنی قوم کی آزادانہ زندگی بسر کرنے کی کوشش کیجائے۔

علوم دنیاوی کے ساتھ مذہبی و دنیوی تعلیم بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ قومی ترقی کو

مذہب سے بہت کچھ تعلق ہی خداوند عالم ہماری قوم کے دلوں میں مذہب کی عزت وقعت اور محبت پیدا کرے۔ آمین۔

خاکسار
رابعہ سلطان بیگم

کعبہ

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جسکو تاکا ۔۔۔ کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدا کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

دنیا میں سب سے پہلا گھر جو اکیلے اللہ کی پرستش کے لیے بنایا گیا وہ کعبہ ہی جو ملک عرب کے شہر مکہ شریف میں ہے اور جس کی طرف تمام دنیا کے مسلمان رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔
اللہ کے نزدیک اس معبد سے زیادہ کوئی دوسرا معبد متبرک اور مقدس نہیں ہی اسکے بعد مسجد نبوی کا جو مدینہ میں ہی اور مسجد اقصیٰ کا جو شام میں ہی درجہ ہی۔
مخلوق کا خالق کے ساتھ حقیقی رشتہ عبودیت وبندگی جس پاک معبد سے سب سے پہلے قایم ہوا ہے، وہ یہی کعبہ ہے۔
ح خ بیگم صاحبہ نے اس معبد کے فضائل میں وہ روایتیں لکھی ہیں جو اُن مورخوں کی ہیں جو بہت زیادہ مذہبی جذبے اور جوش محبت میں سرشار تھے۔ امید ہی کہ ہم کسی وقت اس مقدس خانہ خدا کی تفصیلی تاریخ بھی چھاپ سکیں گے۔

اڈیٹر

حق سبحانہ تعالیٰ نے اس جہان فانی میں ایک ایسا گرامی قدر گھر قائم کیا ہے کہ

جس کی خوبی و بزرگی سے واقفیت نہ رکھنے والا شاید اس عالم میں پیدا ہی نہ ہوا ہوگا
بلکہ از آدم تا ایندم کوئی متنفس ایسا نہ گزرا کہ اس والاشان مکان کی آگاہی سے کچھ بھی
خبر نہ رکھتا ہو۔

واضح ہو کہ قبل از تخلیق کل کائنات عالم کے ارض کعبہ مکرم معین ہو کر موجب پیدائش
دو جہاں کا ہوا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ خالق ذو الجلال نے
چالیس برس پیش از خلقت ارض و سما کعبہ شریف پیدا کیا تھا۔ اور جب ارادہ الٰہی خلقت
زمین کی طرف مائل ہوا تو بچھانا شروع کیا اسکو زیر کعبہ سے اور رکھا کعبہ کو اُس کے وسط
میں۔ پس شان اُس کی یہیں سے عیاں ہے کہ اسی کی زیر سایہ اس جہان نے یہ مرتبہ
پایا اور وہی جزو اول تھا اس کی بنا کا۔ اس خانۂ ذیشان کی جس قدر تعریف ہو کم ہے۔
درحقیقت وصف میں اسکے ناقص قلم ہے۔

کتاب حدیث سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جب کسی امت پر
امم پیشیں سے کچھ عذاب نازل ہوتا تھا تو اسی گھر سے رجوع لاتے تھے اور اسی جگہ
مشغول عبادت ہوتے تھے۔ عجائبات اور واقعات اس بیت شریف کے شمار سے
باہر ہیں۔ بعض اُن میں سے تحریر کرتی ہوں۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے ہر شخص
کے دل میں اس کی زیارت کا شوق ایسا ڈالا ہے کہ اس کے دیکھنے سے دل سیر نہیں ہوتا
اور جو کوئی وہاں جاتا ہے پھر اسکا دوبارہ جانے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ بہ تجربہ معلوم ہوا ہے
کہ جو شخص ایک مرتبہ حج کو گیا اور پھر آیا وہ مدت العمر مشتاق رہا۔ اگرچہ راہ میں قسم قسم کے
شدائد اور مصائب بھی اُٹھائے ہوں۔ پس تعظیم و تکریم اس خانۂ منورہ کی گویا اضطراری ہے
کہ نہ دل سے جوش مارتی ہے بلکہ یہ تعظیم جبلی ہے کہ خصوصیت نفع اور ضرر پر موقوف نہیں اور
یہی سبب ہے کہ حیوانات بھی اس پاک گھر کی تعظیم کرتے ہیں۔

کتاب معتبرہ سے مروی ہی کہ طلق ابن حبیب نے بیان کیا ہی کہ میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سایۂ کعبہ میں بیٹھا تھا۔ یہانتک کہ آفتاب بلند ہوا اور دہوپ آگئی سایہ جاتا رہا کہ مجلس اُٹھ چلی یکایک ایک چمک دروازۂ مسجد الحرام سے ظاہر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ آتا ہی پھر سب لوگوں نے اسکو دیکھنا شروع کیا وہ سیدھا خانہ کعبہ میں آیا اور سات مرتبہ اس نے طواف کیا بعد اس کے مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے اُس نے دو رکعت نماز ادا کی اور عبداللہ ابن عمر وغیرہ کبرائے مجلس نے اس سانپ کے پاس جاکر کہا کہ اے عزیز تیرا طواف اب ہو چکا یہاں شہر کے لوگ تجھ سے ناواقف ہیں شاید تجکو ضرر پونہچائیں اور غلام و خدمتگار بھی یہاں بہت ہیں بہتر ہی کہ اپنے آپ کو ان سے پوشیدہ رکھ ورنہ ایذا دینگے۔ بمجرد اس کلام کے وہ سانپ اپنا سر دُم میں دباکر آسمان کی جانب اُڑا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔

ابو طفیل نے نقل کیا ہی کہ ایک نوجوان ذی طوی کا رہنے والا سانپ کی صورت بنکر ہمیشہ طواف کو آتا اور مقام ابراہیم پر نماز پڑہتا۔ ماں اس کی جنیہ تھی وہ اکثر شفقت سے منع کرتی اور کہتی کہ ایسا نہ ہو تجکو آدمی مار ڈالیں لیکن وہ باز نہ آتا تھا آخر کار جماعۂ ابو سہم نے اسکو مار ڈالا۔ بعد اسکے ایک غبار عظیم اُٹھا اور جماعۂ مذکور ساری مرگئی۔

تواریخ مکہ میں ایک حکایت اونٹ کی مشہور ہی خلاصہ اُسکا یہ ہی کہ ۵۰۱ھ ہجری جمادی الثانی کے مہینے میں ایک اونٹ فاروقی اپنے مالک سے کعبہ کی طرف گریزاں ہوا اور مسجد الحرام میں سات بار طواف کرکے حجر اسود کو چوما بعد اسکے مقام حنفیہ پر ٹھہرا اور میزاب الرحمۃ پر کھڑا ہوکر رونے لگا پھر زمین پر گرکے مرگیا آدمیوں نے اسکو صفا اور مروہ کے درمیان دفن کردیا۔

پوشیدہ نرہے کہ جذب اور میلان قلوب کی چار وجہیں ظاہر میں معلوم ہوتی ہیں

ایک یہ کہ اخذ میثاق بطن نعمان میں ہوا ہے کہ مواضع عرفات سے ہے اسی جگہ ذریات آدم علیہ السلام کو ظاہر فرما کر خطاب الست بربکم سے مخاطب فرمایا ہے اور ذریات آدم نے اقرار کر لیا ہے وہ اقرار صحیفہ حکمت پر لکھا گیا اور حجر اسود میں امانت ہوا۔ پس گویا وطن اوّل آدمیوں کا وہی ہے اور کشش طبع جانب وطن اگرچہ اُسے نہ پہچانتا ہو جبلی ہے۔ ومن الایمان حب الوطن اور عدد مکہ کہ ہنیسٹھ ہیں مطابق ہیں عدد وطن کے۔

دوسری یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ قلوب خلائق کو اس مکان سے منجذب کرے۔

تیسری یہ کہ حجار بیت المقدس مقناطیس ارواح ہیں اور جذبۂ شوق سے ارواح کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور جملہ اجسام تابع ارواح ہیں۔

چوتھی اخبار صحیحہ سے واضح ہے کہ شب نیمۂ شعبان اس گھر پر نظر عنایت حق ہوتی ہے اور قلوب مومنین بھی منظور نظر الٰہی ہیں۔ پس بسبب جنسیت کے یہ میلان حاصل ہوتا ہے اور ایک سبب رجوع کا یہ بھی ہے کہ کئی جگہ کعبہ میں دعا قبول ہوتی ہے۔ اہل تحقیق نے مکے اور اسکے اطراف میں دعا کی مقبولیت کے مقام بہت لکھے ہیں کہ میں اس مختصر صفحے میں اُس کی توضیح کی گنجایش نہیں رکھتی ہوں۔

ارزقی نے حویطب سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز ایام جاہلیت میں کعبے کے سایہ میں بیٹھا تھا یکایک ایک عورت آئی اور پردۂ کعبہ پکڑ کر فریاد کرنے لگی کہ یا الٰہی میں اپنے شوہر کے ہاتھوں سے تنگ ہوں کہ مجھے بے سبب مارا کرتا ہے۔ بمجرد اس دعا کے ہاتھ اُس کے شوہر کے شل ہو گئے۔ چنانچہ حویطب نے اسکو اسلام میں ہاتھوں سے شل دیکھا۔

پھر اسی نے اپنی تاریخ میں بسند صحیح بیان کیا ہے کہ ایک عورت عقیمہ نے ایام جاہلیت میں ایک لڑکا اپنے اقارب سے لیکر پرورش کیا اور آپ اکثر اوقات اسکو تنہا چھوڑ کر

کسب معاش کے لیے جاتی۔ ایک روز اُس لڑکے نے تنہائی کی شکایت کی تب اُس نے
کہا اے لڑکے اگر کوئی ظالم تجھ پر بحالت تنہائی کچھ ظلم کرے تو بے تامل خانۂ خدا میں
جاکر فریاد کرنا کہ مالک خانہ تیری فریاد کو پونہچے گا۔ اتفاقیہ ایک ظالم نے ایک دن اُسے
تنہا پاکر اُٹھا لیا اور لے بھاگا ایک مدت تک اپنے پاس رکھا۔ ایک مرتبہ کعبہ شریف
میں آیا تو وہ لڑکا بھی اسکے ساتھ تھا۔ چنانچہ اُس نے جوں ہی کعبہ معظم کو دیکھا تو آدمیوں سے
پوچھا کہ یہ کیا مکان ہی۔ سب نے کہا خانۂ خدا ہی اُس نے اپنی ماں کی بات یاد کرکے
کعبے شریف کی طرف ارادہ کیا دوڑکر پونہچ گیا اور پردے کو مضبوط پکڑکر کھڑا ہو رہا۔ وہ
غاصب بھی اُس کے پیچھے دوڑتا ہوا اسی کے ساتھ کعبے میں پونہچا۔ چاہا کہ داہنا ہاتھ
بڑھاکر پکڑوں ہاتھ شل ہوگئے پھر بایاں ہاتھ بڑھایا وہ بھی شل ہوگیا۔ جب اُس نے یہ
معاملہ دیکھا تو سرداران قریش سے اپنا حال کہا اور یہ بھی کہا کہ میں اس لڑکے سے دستبردار
ہوں جہاں چاہے چلا جائے مگر میرے ہاتھ درست ہوجائیں پس تم اسکا علاج جو
کچھ جانتے ہو بتلاؤ اکابر قریش نے کہا دونوں ہاتھوں سے قربانی ایک ایک اونٹ کی کر
چنانچہ اس نے قربانی کی اسکے ہاتھ اچھے ہوئے۔

نقل ہی کہ ایک شخص بنی کنانہ کا اپنے چچازاد بھائی پر ظلم کیا کرتا تھا اور یہ بیچارہ ہر چند
عاجزی کرتا لیکن یہ ظالم اپنے ظلم سے باز نہ آتا۔ ناچار مظلوم نے خانۂ کعبے سے پناہ
پکڑی اور دعا کی کہ یا الٰہی فلاں شخص مجھ پر ظلم کرتا ہی سو تو اسکو ایسے درد میں مبتلا کرکہ لادوا
ہو۔ اور یہ دعا کرکے اپنے گھر چلا آیا تو اس ظالم کا پیٹ پھول گیا۔ ہر چند معالجہ کیا مگر کچھ مفید نہوا
آخر کو پیٹ پھٹ گیا۔

ابن عباس سے منقول ہی کہ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک شخص خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا اپنے
ظالم پر فریاد کررہا تھا کہ یا الٰہی وہ اندھا ہوجائے۔ فی الفور وہ اندھا ہوگیا۔ چنانچہ لوگ اسکا ہاتھ
پکڑے لیے جاتے تھے۔

اسی طرح کے کرشمے اور عجائبات اس مکان معجز نشان کے بیکراں ہیں اور ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور یہی وجہ ہی کہ ہمیشہ یہ مکان محفوظ و مصئون رہا ہی اسواسطے کہ کوئی فرد بشر بخوف عقوبت عاجلہ ساکنان مکہ معظمہ سے تعرض نہیں کرتا اور سب لوگ ہتک حرمت سے اس مکان کے بدل پرہیز رکھتے ہیں اور اصلا اس مکان میں باہم مناقشہ نہیں کرتے۔

قطع نظر ان سب باتوں کے یہ مکان معبد خلائق اور قبلہ عبادات اور مرجع عاشقان صادق اور مطاف محبان واثق ہوا۔ پس تخصیص اس بیت شریف کی ظہور تجلی الٰہی ہے کہ یہ سب تعظیمات اور محبت اسی تجلی پر واقع ہوتی ہیں اور اسی تجلی کا انبیاے سابقین کے کلام میں اشارہ ہی کہ اسکو کتب بنی اسرائیل میں ذکر کرتے ہیں جس طرح سے کہ پاک ہے وہ صاحب کہ اس نے تجلی فرمائی کوہ طور پر اور روشن ہوا نور اسکا بیت المقدس کے پہاڑ ساعیر سے اور بے پردہ ظاہر ہوا کوہستان فاران سے اور فاران نام ہی کعبۂ معظم کا۔ اور اسی تجلی کی یہ خاصیت ہی کہ جو کوئی زائرین سے ذکی ہو یا بلید جب اس بیت مکرم پر نظر ڈالتا ہی عجب عظمت اور وقار مقرون بجلال پاتا ہی اور سمجھ جاتا ہی کہ یہاں ایسی شان عظیم ہی کہ دوسری جگہہ نہیں۔ اور محبوبیت اور انجذاب قلوب خاصہ اسی تجلی کا ہی۔

مخفی نہ رہے کہ معالم التنزیل میں لکھا ہی کہ خانہ کعبہ ام رحم بھی کہلاتا ہی باین وجہ کہ اُسمیں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہی۔ طائفین اور عاکفین پر کہ جو کوئی محتاج نقیر معہ تحفۂ افلاس روے نیاز اس مامن اناس پر لایا خازن خزائن لطف و عنایت نے اس قدر نقد و جنس اپنی رحمت سے عنایت کیا کہ دامن امید میں گنجایش نہ رہی۔ کون مفلس بے سر وپا اس درگاہ میں آیا کہ نقد مراد اس کے دامن افلاس میں نہ رکھا گیا اور کس عاجز بیکس نے سر عجز اور نیاز اس عتبۂ مکرم پر رکھا کہ دُر مقاصد اُس کے دست توقع میں مکشوف نہ ہوا بمصداق اس شعر کے۔

کدام بندہ بریں آستاں نہاد سرے　　　　کہ لطف خواجہ نہ بر روی وگشاد درے

حمد بے قیاس وبیحد سپاس اس خالق کبریا کو زیبا ہی کہ جسنے اپنی قدرت کاملہ سے ایک مشت خاک کو ایسی برکت بخشی کہ باعث عظمت دو عالم ہوا اور خدا پرستوں کا قبلہ قرار پایا۔ اور کل نوع بنی آدم کا موجب تسکین قلوب ہوا۔ یہ بات غور طلب ہی کہ اگر خداوند عالم کعبہ شریف کو قائم نہ فرماتا تو علاوہ تسکین عارفاں ہزارہا اہل اسلام راہ رست سے گمراہ ہوتے رہتے اور یہ جوش وخروش جو کہ مذہب اسلام میں بالخصوص پایا جاتا ہے بہت ہی کم ہوتا بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا کہ ہر سال لاکھوں مسلمان واسطے حج کے یکجا جمع ہوتے ہیں جس میں شان اہل اسلام کے علاوہ ایک بہت بڑی شان وحدانیت خدا اے لایزال کی عیاں ہی

اگر کعبہ نہ ہوتا تو حج نہ ہوتا اور حج نہ ہونے سے ہمیشہ لوگ اپنے ہی ارادے میں خواہ حق پر ہوں یا باطل سرگرداں رہتے۔ ہر سال کیا مدت العمر میں ایک بار بھی مجمع مسلمین اور بجا آوری فرمان حق تعالیٰ نصیب نہ ہوتی اور نہ حکمت الٰہی ورحمت ایزدی کے ایک شمہ تعریف میں اس طرح سرگرم گفتار ہوتے۔ اور دبدبۂ اہل ایمان اور شوکت سبحان جو اس کی وجہ سے نمایاں ہی معدوم ہوتا۔ ظاہر ہی کہ عدم موجودگی میں اسکے مذہب اسلام ضعیف اور کل مسلمان نحیف رہتے۔

ہر برس زمانۂ حج میں اکثر ادنیٰ واعلیٰ کی زبان پر زیادہ ذکر درباب حج وحجاج ہی رہا کرتا ہی جو واسطے استظہار شوق جبلّی وتعظیم بزرگی کعبہ کے کافی ہے۔

(باقی ۰ ارم)

رقمہ
ح خ　از کلکتہ

آئینۂ وفا

سلسلے کے لیے فروری نمبر ملاحظہ ہو

لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ساوتری کو اسکے شوہر کے مرنے کے خوفناک خیالات پریشان رکھنے لگے اور وہ الفاظ جو نارو کی زبان سے نکلے تھے ایک آن بھی اُسکے دل سے نہ بھولتے۔ جب جتنے دن گزرتے جاتے وہ اُن کو گنتی جاتی تھی۔ جس قدر موت کا سال نزدیک آتا گیا ساوتری خدا سے دعا مانگنے میں زیادہ مصروف رہنے لگی۔

آخرکار اُس سال کے چار روز باقی رہ گئے۔ ساوتری نے منت مانی کہ تین دن اور تین رات تک نہ تو میں کچھ کھاؤں گی نہ پیونگی بلکہ تین روز روزے رکھ کر خدا کی عبادت میں گزاروں گی۔ اسکا خاوند یا ساس یا سسر کوئی اس راز سے آگاہ نہ تھا اور نہیں جانتے تھے کہ ساوتری کا ایسے کام کرنے سے کیا مطلب ہے۔

یہاں تک کہ موت کا دن آپہنچا اور ساوتری اپنے شوہر کی حیات کے لیے درگاہ باری میں بڑی بیقراری سے دعائیں مانگنے لگی۔ صبح تو خیریت سے گزری اور دوپہر بھی جوں توں کرکے کٹ گئی۔ اب شام کا وقت تھا۔ سورج نے آسمان کا نصف سے زیادہ حصہ طے کر لیا تھا۔ در و دیوار کا سایہ زمین پر پڑ رہا تھا جس سے ساوتری کی پریشانی دمبدم بڑھتی جاتی تھی۔ لیکن ستی وان میں ابھی تک کوئی غیر معمولی بات نہیں پائی جاتی تھی۔ ساوتری نے اُسے دم بھر بھی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ اور ذرا سی دیر کو بھی اُسے تنہا نہ چھوڑا۔

ساوتری کی ساس نے اس سے کہا۔ لو اب تمھاری منت کے دن پورے ہوگئے کچھ کھاؤ پیو۔ ساوتری نے جواب دیا جی ہاں کھا لوں گی رات کا اور انتظار ہے۔

اب رات ہوگئی تھی اور ستی وان نے بھی حسب معمول کلہاڑی کندھے پر رکھ جنگل

کی راہ لی - ساوتری نے جو اس وقت تک طرح طرح کے خیالات میں محو تھی جوں ہی اسکو جاتے دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور ایک آہ سرد کھینچ کر اپنے دل سے مخاطب ہوئی -

"افسوس یہ جنگل نہیں جا رہا ہی بلکہ بد قسمتی اسکو موت کے موںھ میں لیے جاتی ہے دیکھیے جنگل میں تقدیر کیا گل کھلاتی ہی - دل چاہتا ہی اسے روک لوں اور جانے سے باز رکھوں لیکن یہ مصلحت کے خلاف ہی - اور اگر جانے دیتی ہوں تو جیتے جی یہ نہیں دیکھا جاتا - بس اب غیرت اور وفاداری کا تقاضا مجھے اسی بات پر مجبور کرتا ہے کہ اُٹھوں اور میں بھی اسکا ساتھ دوں (دل ہی دل میں) ستی دان تیرے ساتھ مجھے جنگل میں بھی رہنے سے عار نہیں اور تجھ بن مجھے گل بھی خار معلوم ہو گا - جب قدرت نے ہم دونوں کی قسمت کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیا تو پھر جدائی کیسی" یہ سوچ کر اور آنکھوں کے آنسو پونچھ کر اس طرح جھٹ سے کھڑی ہو گئی کہ گویا خود بھی اپنے پتی کے ساتھ جانفروشی کے لیے تیار ہی -

ساوتری جو خوب سیرتی کی مجسم تصویر تھی اس حالت میں بھی بغیر والدین کی رضامندی کے اس کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئی - فوراً ان کے سامنے گئی اور ان سے اجازت کی درخواست کی - اُنھوں نے کہا بیٹی شوق سے جا - مگر تیری یہ حالت دیکھ کر جو ان تین دن کے فاقوں میں ہو گئی ہی - رات کے وقت سنسان جنگل میں بھیجنے کو دل نہیں چاہتا -

ساوتری جو ستی دان کے ہمراہ ہونے کی اجازت پا کر ظاہرا خوش تھی غمزدہ صورت بنائے اس کے ساتھ ہو لی -

ستی دان تمام راستے جنگل کی ہوا اور وہاں کے خوشنما منظر سے محظوظ ہوتا گیا - برخلاف اسکے ساوتری کو درختوں کی سائے مہیب شکلیں معلوم ہوتی تھیں - اور وہاں کی

ہر چیز اُسے کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ اسکو یہ تمام چیزیں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ گویا وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ اُس کی باتیں اور شادی کا زمانہ اُسے خواب و خیال ہوگیا۔ ستی وان اسکو مثل اس شخص کے معلوم ہوتا تھا جو مدتیں گزریں کہ اس دنیا سے کوچ کر گیا ہو۔ وہ چپ تھی اور خاموشی سے اسکے ساتھ ساتھ چلی جاتی تھی۔ وہ اسکے چہرے کو یا تو اس غرض سے کہ اسکے پیارے شوہر کا آخری وقت تھا یا کسی اور مصلحت سے بہت غور سے دیکھتی جاتی تھی۔ اس کی ایک ایک قدم پر نگاہ تھی کہ دیکھیے گھڑی کی گھڑی میں کیا ہونے والا ہی۔

چلتے چلتے وہ ایک جگہ ٹھہر گیا اور کلہاڑی سے درختوں کی لکڑیاں کاٹنے لگا۔ یہانتک کر پسینہ میں شرابور ہوگیا۔ رات کا وقت تھا اور اوپر سے جنگل کی سرد ہوا چلی ستی وان کو یکایک سردی محسوس ہوئی اور اسکے ہاتھ سے کلہاڑی گر پڑی۔

ساوتری ہر ایک بات کو غور سے دیکھ رہی تھی اور خوب جانتی تھی کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

ستی وان (سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر) میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے یہ معلوم ہوتا ہی کہ کوئی سوئیاں چبھو رہا ہے۔ اُف! اُف!! میری آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں۔ بہتر ہی کہ میں سو جاؤں" اتنا کہا اور زمین پر گر پڑا۔

ساوتری بھی بیٹھ گئی اور اسکو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

ستی وان (کمزور لہجے میں) میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا آیا جاتا ہی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے جاتے ہیں۔ تمام چیزیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ آہ سانس بھی رُک رُک کر آنے لگا۔ یہ درد موت کا درد ہی۔ مجھے کوئی چیز نہیں سوجھتی (ٹٹول کر) پیاری ساوتری کہاں ہی۔ (اسکے چہرے کو حسرت کی نگاہ سے دیکھکر) اے نیک اور وفادار بیوی اچھا اب تجکو میں آخری سلام کرتا ہوں۔ بس۔ یہ کہا اور ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔

دم واپسیں یا ہر شے کا پچھلا حصہ ایک درد بھرا ہوتا ہی۔ ناظرین آپ خیال کرسکتے ہیں کہ ساوتری پر کتنا بڑا صدمہ پہنچا ہوگا۔ لیکن ہنوز اسکے ماتم کرنے کی فرصت نہیں ملی تھی کہ ساوتری کو ایک مہیب شکل اس کے پاس کھڑی ہوئی دکھلائی دی۔ سرخ کپڑے تھے۔ سر پہ تاج تھا۔ سیاہی مائل رنگ۔ سرخ اور بڑی بڑی آنکھیں۔ شکل پر رعب برستا ہوا۔ ہاتھ میں بانس جس میں ایک پھندا لگا ہوا تھا۔

ساوتری نے جب یہ عجیب شکل دیکھی تو جگہ سے اُٹھی۔ لیکن خوف اس درجہ غالب تھا کہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اُٹھ کر بہت تعظیم کی اور کہا۔

اگرچہ یہ تیری شان و شوکت تیرے دیوتا ہونے کا ثبوت دے رہی ہی۔ لیکن میں جاننا چاہتی ہوں کہ تو کون ہی اور اس وقت یہاں آنے سے کیا مطلب ہے؟

اس نے جواب دیا۔ میرا نام یم ہی اور ستی وان کی روح قبض کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ وہ نہایت نیک آدمی ہی۔ اس واسطے بجائے اپنے کسی نوکر کو بھیجنے کے میں خود آیا ہوں یہ کہہ کر اُس نے ستی وان کی روح جسم سے علیحدہ کرلی۔ جو ساوتری کو انگوٹھے کی برابر دکھائی دی۔ یم اُسے پھندے میں باندھ کر ایک سمت کو روانہ ہوا۔

ساوتری بھی جواب تک خاموش کھڑی یہ دیکھ رہی تھی اس کے پیچھے پیچھے ہولی۔ اگرچہ وہ ستی وان کی طرف سے بالکل مایوس ہوگئی تھی۔ مگر امید نے اس وقت بھی اسکا دامن پکڑ رکھا تھا۔ اور اپنے پیارے شوہر کو اسی حالت میں چھوڑنے کو دل نہیں مانتا تھا۔

یم نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور کہا "لڑکی تو کیوں میرے پیچھے آتی ہی۔ وہ جگہ زندہ آدمیوں کے جانے کی نہیں ہی۔ جو کچھ تیرے امکان میں تھا سو تو کرچکی۔ بس اب واپس جا۔

ساوتری نے جواب دیا۔ جہاں میرا خاوند جائیگا۔ خواہ خوشی سے یا مجبوراً میرا فرض ہی کہ اسکا ساتھ نہ چھوڑوں۔

اسی طرح اس سے سوال و جواب کرتی اسکے پیچھے۔ پیچھے چلی گئی۔

یم پھر ٹھہر گیا اور اس کی اپنی شوہر کے ساتھ جاں نثاری اور محبت پر صد آفریں کی اور کہا۔ اے لڑکی بس اب واپس لوٹ جا۔ بہت دور تک آچکی۔ اور دیر زیادہ ہوتی جاتی ہی۔ راستہ دمبدم خوفناک اور دشوار گزار آتا جاتا ہی۔ تیرے پاؤں تھک کر زخمی ہو گئے ہونگے"

ساوتری نے کہا اے یم اپنا ساتھ چھوڑنے کو مجھے منع مت کر۔ میں بھی دوسری دنیا میں جاؤں گی۔ مجھے مرنے کا مطلق خوف نہیں کیا میں نے اپنی زندگی عمدہ طرح سے بسر نہیں کی ہی۔ میں اس دنیا کی جس کی ہر چیز فانی ہی مطلق پروا نہیں کرتی۔ یہ زندگی محض ایک خیال ہی اور ایسی جگہ جہاں ہر ایک کو موت آنے والی ہی کون سکونت گزیں ہونا چاہیے گا۔ علاوہ ان سب باتوں کے جو فرض ہی اسکو پورا کرنا چاہیے۔ اور میرا فرض اس دنیا فانی ہی میں نہیں بلکہ عالم جاودانی تک بھی اپنے خاوند کا ساتھ دینا ہے۔ اسواسطے تو ہی بتا دے کہ میں کس طرح اسے تنہا چھوڑ سکتی ہوں۔

یم نے کہا میں تیری ان باتوں سے بہت خوش ہوا۔ اگر تیری ایسی ہی خوشی ہی تو مجھ سے کوئی مراد مانگ (سوائے ستی وان کی جانبری کے جو میں نہیں کر سکتا) اُسے البتہ میں پوری کر دونگا۔

ساوتری نے کہا اچھا ستی وان کے باپ کو اُس کی آنکھیں اور سلطنت جو وہ کھو چکا ہی دوبارہ حاصل ہوں۔

یم نے کہا اچھا مجھے منظور ہی لیکن اب تو واپس لوٹ جا۔ بہت تھک گئی ہوگی، لیکن ساوتری کو اب یم سے وہ دہشت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اس کی مہربانی نے اس کی زیادہ ہمت بڑھا دی۔ اور بولی۔ مجھے کیا تکان محسوس ہو سکتی ہی۔ جب میں اپنے شوہر کے ساتھ ہوں۔ اور تیرے ہمراہ ہونا کیا میرے لیے ایک دیوتا کے حضور

میں موجود ہونا نہیں ہی۔ کیا اس سے زیادہ اور بھی کوئی بات میرے لیے فخر کی ہو سکتی ہی۔ اے یم لوگ تجھ سے ڈرتے ہیں۔ لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو بڑا مہربان ہی۔ لوگ تجھے یم کہتے ہیں کیونکہ تیرا حکم کوئی رد نہیں کر سکتا۔ دیوتا ہر ایک پر مہربان ہوتے ہیں میں تجھ پر پورا بھروسہ رکھتی ہوں۔ میں تیری پرستش کرتی ہوں تیرے پاؤں پر گرنا باعث فخر سمجھتی ہوں۔ اے یم تو بھی مجھ پر رحم کر"۔

ان الفاظ نے یم کو بہت خوش کیا اور کہنے لگا۔ اچھا میں ایک اور مراد (سوائے ستی وان کی جان کے) پوری کر دونگا۔

ساوتری نے کہا میرے باپ کے کوئی لڑکا نہیں ہی میں چاہتی ہوں کہ اس کے سنو بیٹے ہو جائیں تاکہ اُس کی نسل مدت تک قائم رہے۔

یم نے کہا اچھا یہ بھی منظور ہی اب لوٹ جا تو بہت دور تک چلی آئی ہی۔ ساوتری نے کہا مجھے اپنے خاوند کے ساتھ ہونے میں رستہ کی دوری کی کچھ پروا نہیں۔ اے یم تو مہربانی اور انصاف کا مالک ہی۔ مجھے تجھ پر اعتماد کلّی ہی۔ وہ جو نیک اور مہربان ہوتے ہیں اپنے اوپر بھروسہ رکھنے والوں کو کبھی ناامید اور شکستہ دل نہیں کرتے۔

اس پر یم نے کہا آج تک کسی نے مجھے اس طرح سے خطاب نہیں کیا۔ آدمی مجھ سے ڈرتے ہیں لیکن مہربان اور منصف مجھے کوئی نہیں کہتا۔ اس واسطے اے ساوتری کوئی اور خواہش ظاہر کر (سوائے ستی وان کی زندگی کے)

ساوتری نے کہا اچھا میرے اور ستی وان کے سو لڑکے پیدا ہوں۔ یم نے کہا اچھا میں نے قبول کیا۔ یہ کہا اور مونھ پھیر کر چلنے پر آمادہ ہوا۔ مگر ساوتری پھر اسکے پیچھے۔ مختصر یہ کہ وہ اسی طرح یم کے ساتھ ساتھ اپنے موثر الفاظ میں اس کی تعریف کرتی چلی گئی۔

یم ایک دفعہ اور ٹھہرا اور کہا ایک اور مراد مانگ ساوتری! اور پھر واپس چلی جا

ساوتری اسکے قدموں پر گر کر کہنے لگی۔

اے زبردست اور عالیشان یم انصاف پسند لوگ وہی کرتے ہیں جو بجا اور درست ہوتا ہی۔ تونے مجھے اور ستی وان کو سو بیٹے دینے کا اقرار کرلیا ہی۔ اور یہ ممکن نہیں جب تک اس کی جان بخشی نہ کیجائے۔ آہ! ابمجھے اس بغیر جنت بھی درکار نہیں۔ اے یم تونے اس وقت کوئی شرط بھی نہیں لگائی تھی۔ اس واسطے پھر میرے پیا کو مجھ سے ملا۔

یم نے کہا اے پاک اور اپنے خاوند کی جان نثار بیوی میں تیری خواہش پوری کرونگا اس سے پیشتر آج تک کوئی ذی روح مرنے کے بعد جاں بر نہوا۔ تو اور تیرا خاوند ایک مدت تک عیش وعشرت کی زندگی بسر کرینگے اور تیرا نام پاک طینتی اور وفاداری کے ساتھ صفحہ ہستی پر تا ابد قایم رہے گا۔

اب ساوتری جنگل میں تنہا کھڑی ہی۔ لیکن دل باغ باغ ہی۔ اپنے نقش پا پر قدم رکھتی ہوئی اُسی جگہ پہنچی جہاں ستی وان بستر مرگ پر پڑا تھا۔ ساوتری نے ایک دفعہ اور اُسکا سر اپنے زانو پر رکھا۔

سر رکھتے ہی ستی وان کی آنکھیں کھُل گئیں اور تمام ماجرا دریافت کیا۔ ساوتری نے تمام سرگذشت بیان کی۔ دونوں بامراد گھر لوٹے۔

اب پھر وہی خوشی کے دن آگئے۔ دمتیسن کو مسند شاہی پر جلوہ افروز پایا۔ اور افسران ملک اس کے گرد۔ اس کے بعد مدت تک اُس نے بادشاہت کی۔ اور ساوتری کا پیارا نام وفاداری کے ساتھ ہر خاص و عام میں مشہور ہوگیا۔

رقمہ
انور علی طالب علم

حُسن آرا بیگم

جس طرح سے رضیہ سلطانہ کا نظم سلطنت اور نورجہاں بیگم کی نازک خیالیاں صفحۂ تاریخ سے معدوم نہ ہوں گی۔ اُسی طرح حُسن آرا بیگم کی عقلمندیاں اور ذہانت فلک تاریخ پر ستارہ بن کر چمکتی رہیں گی۔

اس بیگم کی سوانح پر نظر کرنے سے صاف ظاہر بلکہ اظہر من الشمس ہی کہ اگر ہماری بہنیں کوشش کو اپنا شعار بنائیں تو اپنی گردنوں سے ناقص العقلی کا ناموزوں اور بھدا طوق نکال سکتی ہیں۔ کتب تاریخ میں عورتوں کی دانشمندیاں، سخاوت، شجاعت، عدالت اور عبادت کا ذخیرہ موجود ہی۔ نسواں کے کارناموں سے اوراق تاریخ مملو ہیں۔ واقعات عالم شاہد ہیں کہ عورتیں کسی بات میں مردوں سے کم نہیں اور نہ ہونا ہی چاہیے۔ ورنہ خداوند کریم کے عدل پر حرف عائد ہونگے۔ البتہ ہماری پست ہمتیاں ضرورت سے زیادہ ذیل کرا سکتی ہیں۔ آج اقوام یورپ سے دوسری قومیں لگّا نہیں کھا سکتیں کیا باعث؟ مردمان یورپ کو زنان یورپ پر کسی قسم کی فضیلت اور فوقیت نہیں دیجا سکتی۔ آخر کیا وجہ؟ یہی علم ہی جس سے عقل آتی ہی۔ یہی علم ہی جو انسان کو انسان بناتا ہی اور بام ترقی کا زینہ یہی علم ہی۔ اگر ہماری بہنیں کوشش کریں تو ممکن ہی کہ زنان یورپ سے کسی بات میں پیچھے نہیں رہ سکتیں۔ خداوند کریم مردمان ہند کو تعلیم نسواں کی طرف جلد متوجہ کرے۔

آمدم برسر مطلب حُسن آرا بیگم اُن عورتوں پر گوی سبقت لے گئی ہی جو سرمایہ ناز تھیں۔ یہ بیگم قبلا خاں جیسے شہنشاہ کی بیگم اور زینت محل تھی۔ قبلا خاں اُن بادشاہوں میں سے تھا جن کا ثانی پیدا نہیں ہوا۔

مصنف تاریخ چین جو ایک مشہور و معروف مورخ گزرا ہی بیان کرتا ہی کہ قبلاخاں کے برابر کوئی بادشاہ روے زمین پر نہیں ہوا ہی۔ چونکہ جولیس سیزر قیصر روم قدیم اور سکندر اور فرانس کا شہنشاہ نپولین بوناپارٹ سب سے نامی گرامی ہوئے ہیں۔ مورخ موصوف نے ہر ایک کے افعال کو قبلاخاں کے ساتھ مطابق دیکر اہل انصاف سے داد چاہی ہی کہ ان چاروں میں بزرگ ترین کون ہی۔

حسن آرا بیگم نہایت حسینہ اور جمیلہ خوشخو اور خوش روتھی انتظام مملکت میں لاثانی سخاوت میں حاتم ہمم اور شجاع ترتھی۔ علاوہ ازیں ایسی نیک بخت اور عاقلہ تھی کہ قبلاخاں کے سے شخص کو اُس سے مشورہ کرنے کی حاجت ہوتی تھی۔ اور جب کوئی مہم درپیش ہوئی۔ یا نیا قانون اجرا کرنے کا قصد کیا تو وزیروں کی صلاح کے علاوہ خاتون کا مشورہ لینا ضرور تھا اور میاں بی بی میں پہلے رد و کد ہو لیتا تھا تب امر سنگین میں حکم ناطق دیا جاتا تھا۔ اس کی عقلمندی کی ایک یہ بڑی دلیل ہی کہ جب سنگ کے گھرانے کا فغفور جو جنگ کر رہا تھا گرفتار ہو کر آیا۔ تو قبلاخاں نے خوشی سے پھول کر بیگم کو آگاہ کیا۔

خاتون نے آہ سرد بھر کر کہا کہ اے خاقان یہ مقام خوشی کا نہیں بلکہ رنج کا ہی کیوں کہ جب تجربے میں یہی آیا ہی کہ انقلاب روزگار تمام سلطنتوں کے لیے لازم ہی تو یہی روز زوال و خرابی کا تمھارے گھر کے لیے بھی آسکتا ہی۔ بس ان بچاروں کے ساتھ ایسا پیش آؤ جیسا کہ چاہتے ہو کہ تمھاری آل کے ساتھ پیش آوے۔ اگر خدانخواستہ ایسا نامبارک دن دیکھنا اُن کے نصیب میں بھی ہووے۔

یہ نصیحت سُن کر خاقان سناٹے میں سر زانو پر رکھے دیر تک خاموش رہا اور اس کے بعد حکم دیا کہ ہر طرح کی عزت و آرام سے فنا کا شہنشاہ نظر بند رکھا جائے۔

مسز آغا محمود نمازی

از ٹانگو (لوئر برما)

خاموشی

جہاں اخلاق وعادات کی اور تعلیمیں ہیں۔ وہاں خاموشی کی تعلیم بھی دی گئی ہے اس میں چند باتیں قابل غور اور فائدہ دینے والی ہیں۔ اول کم بولنے والا اکثر گناہوں سے جو زبان کے متعلق ہیں محفوظ رہتا ہی۔ غیبت چغل خوری جو مردوں خصوصاً عورتوں کے لیے سب سے زیادہ لاعلاج مرض ہیں خاموش رہنے والے کے پاس نہیں آتے۔ دوسرے جو شخص کم بولتا ہی۔ اس کی وقعت ہر شخص کی نگاہ میں ہوجاتی ہی۔ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جسکا مطلب یہ ہی کہ جب تک انسان گفتگو نہیں کرتا اُس کے عیب و ہنر لوگوں کی نگاہوں سے چھپے ہوئے رہتے ہیں۔ خواہ وہ عیب زبان کی کم مائگی کے ہوں۔ یا دوسری قسم کے۔

بوستاں جو سعدی کی تصنیف ہی اس میں حاتم اصم کا قصہ لکھا ہی جو قصداً بہرے بنے ہوئے تھے۔ اصم زبان عربی میں بہرے کو کہتے ہیں اُن کا اس سے یہ منشا تھا کہ اگر کوئی مجھے بُرا بھلا کہے تو مجھے اسکو جواب دینا نہ پڑے۔ جس سے میں گناہگار نہ ہوں اور اسکے حسنات یعنی نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں۔ اسلیے کہ یہ مسئلہ ہی کہ جو کوئی کسی کی بُرائی کرتا ہی۔ بُرائی کرنے والے کی نیکیاں جس کی وہ بُرائی کرتا ہی اسکے نامۂ اعمال مین لکھی جاتی ہیں۔ بھلا انصاف بھی کوئی چیز ہی۔ اس سے زیادہ بیوقوفی اور کیا ہوسکتی ہی کہ ناحق اپنی نیکیاں کسی دوسرے کو دیدی جائیں۔ مردوں میں یہ بات اس قدر نہیں ہے جس قدر عورتوں میں ہی۔ عجب نہیں کہ اسی وجہ سے بمقابلہ مردوں کے عورتوں کو خوراک دوزخ زیادتی کے ساتھ کیا گیا ہو۔

جہاں دس بیس عورتیں ایک جگہ اکٹھی ہوئیں اور دنیا کے قصے قضیے چھڑے۔ خواہ وہ کسی کے گھر شادی کی شرکت سے گئی ہوں یا غمی کی۔ لیکن وہ بُری عادت ہر جگہ اُن کے ساتھ رہیگی۔ اس کوچہ میں تعلیم یافتہ جاہل شریف رذیل سب برابر ہیں۔ بڑے گھرانے کی بیگمات ہوں یا چھوٹے گھرانوں کی خاتونیں۔ لیکن یہ رنگ یادہ گوئی اور دوسروں کی عیب جوئی ہر ایک میں جھلکتا نظر آئے گا۔

زبان کو تلوار سے مشابہت دی گئی ہے۔ پس جس طرح تلوار کو کسی خاص موقع پر نیام سے نکالا جاتا ہے اگر اسی طرح زبان کو کسی مناسب جگہ استعمال کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ جس طرح تلوار کی جا و بیجا ضرب سے انسان نقصان اُٹھاتا ہے اسی طرح زبان سے جا و بیجا کام لینے والا خرابی میں پڑجاتا ہے۔ تمام فسادوں کا گھر لڑائی کی جڑ یہ زبان ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان نیک نام ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے بدنام۔

یہ بھی خیال رہے کہ جب گفتگو زیادہ کیجائے گی۔ خواہ کتنی ہی احتیاط کیوں نہ کی جائے مگر کوئی نہ کوئی بات ایسی زبان سے نکل جائے گی جس سے فساد پیدا ہو جائیگا۔ جہاں کسی موقعہ پر عورتیں ایک جگہ بیٹھیں کوئی نہ کوئی اس قسم کا واقعہ نکل آئیگا جس سے کائیں کائیں شروع ہو جائے گی۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ تمھیں دوسروں کے معاملات سے کیا غرض۔ اگر اتنی دیر کسی دینی مسئلہ کے متعلق تم گفتگو کرو تو کونسی بُرائی ہے۔ اور اگر کوئی بیچاری اس جماعت میں خاموش بیٹھی رہی تو سب کے سب اسکو نکو بنائیں۔ سبحان اللہ۔

جراح الکلام اشد من جراح السہام اسکا مطلب یہ ہے کہ زخم بات کا تیر کے زخم سے زیادہ تکلیف دینے والا ہے۔ لیکن جب ہی تو کہ زبان کی تلوار کو موقعہ بے موقعہ چلایا جائے۔ اور اگر انسان خاموش رہے تو کیوں کسی کے اس بیجا وار کا زخم لگے۔

سفیان بن عبداللہ جو رسول اللہ کے صحابی تھے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کون سی شے میرے لیے زیادہ خوفناک ہے

حضور نے اپنی زبان پکڑ کر ارشاد فرمایا "یہ" مطلب یہ کہ اگر خاموشی کو اپنا شعار بناؤ گے تو کبھی کسی بلا میں مبتلا نہ ہو گے۔ بعض لوگ کسی کا عیب بیان کرتے وقت یہ کہدیا کرتے ہیں کہ جب اس میں یہ عیب موجود ہی تو پھر ہم کیوں گنہ گار ہوئے۔

یہ خیال محض غلط ہی۔ غیبت نام ہی اسکا ہی کہ کسی کے عیب کو جو اُس میں موجود ہو اظہار کرنا اور اگر وہ عیب اس میں موجود نہ ہو اور اس کی جانب منسوب کیا جائے تو وہ بہتان ہی جو غیبت سے زیادہ گناہ ہی۔ غرض کہ خاموشی ایسی چیز ہی جس کی وجہ سے انسان تمام آفتوں سے محفوظ رہتا ہی۔

حدیث میں ہی من سکت سلم ومن سلم نجا جس نے خاموشی اختیار کی سلامت رہا اور جو سلامت رہا اُس نے نجات پائی۔ لفظ سلامت کا یہاں یہی منشا ہی کہ تمام آفات زبانی سے محفوظ اور بچا ہوا رہا۔ اور جب ان آفتوں سے جو (اُم الآفات ہیں) سلامت رہے گا۔ نجات بھی ضرور پائے گا۔

جھوٹ بھی اسی سے پیدا ہوتا ہی غیبت وچغلخوری بھی اسی کی بدولت ہوتی ہے پس لازم ہی کہ اس گوشت کے لوتھڑے کو جو تمام حصۂ جسم سے زیادہ نقصان دہ ہے جا و بیجا استعمال نہ کیا کریں۔

کرتی ہی فزوں قدر بشر خاموشی ہر عیب کو کرتی ہی ہنر خاموشی

کیسا ہی کوئی جاہل ہو اور خاموشی اختیار کرے ہرگز اسکا عیب لوگوں پر ظاہر نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ایسے آسان اور عمدہ طریقہ کو چھوڑ کر ہماری بہنیں ہر وقت دوسروں کی عیب جوئی غیبت وغیرہ میں پھنسکر مفت کے گناہ سمیٹتی ہیں۔

راقم

مقبول احمد نظامی سیوہاروی

آپ بیتی

مفصلہ ذیل مضمون بہت عرصہ ہوا کہ ہمارے پاس آیا تھا ہم نے اسکو بوجوہات نہیں چھاپا تھا لیکن اب پھر مضمون نگار نے ہم سے تقاضا کیا کہ ہم اسکو چھاپیں۔ مصلحت کا لحاظ صرف اسی حد تک ہو سکتا ہے۔ جب تک انصاف اور راستی ہاتھ سے نہ جانے پائیں۔ ہم نے غور کیا اور ان واقعات پر نگاہ دوڑائی جو ہمارے تجربے میں آچکے ہیں تو ہمیں انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم مظلوموں کی آواز ناظرین خاتون تک نہ پہنچائیں۔

ہندوستانی مذموم اور خلاف شرع وخلاف عقل رسوم کو قائم رکھنا اب آسان بات نہیں خدا کسی نہ کسی وقت سب برائیوں کے انسداد کرنے کے سامان خود بخود بپیدا کر دیتا ہے۔ اب شادیوں میں اصلاح کا وقت آگیا ہے اور اگر لڑکیوں کے والدین خود اس اہم مسئلہ کی طرف متوجہ ہوں گے تو پھر اُن کو اصلاح پسند پارٹی سے شکایت کا کوئی موقع نہ ہوگا۔

اڈیٹر

زندگی گزارنے کو کتا بلّی بھی گزار دیتے ہیں۔ لیکن کس کام کی۔ اسی طرح ہر شخص کی زندگی کٹ جاتی ہے۔ زمانہ حیات کا ختم ہو جاتا ہے۔ مگر بری گھڑی کی یاد اُس کے دل سے نہیں جاتی۔ قوم ترقی کے زینے طے کر رہی ہے اور کررہے گی خیالات میں سیکڑوں تبدیلیاں ہوگئیں۔ ہوا کا رخ بدل گیا۔ زمانہ کا رنگ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ مگر واہ میری پھوٹی قسمت کہ جس بات کے لیے دُہائیاں دی گئیں۔ ہزاروں قسم کے بہانے کیے گئے۔ ہرچند ٹالا مگر وہ ہو کر ہی ٹلی۔

آہ مجھ جیسا بدنصیب کوئی نہ ہوگا۔ اس سے تو مجھے چولھے میں جھونک دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ یہ تکلیف یہ ہر وقت کی جلن تو نہ ہوتی۔ گھڑی ساعت پل غرضکہ کوئی لمحہ ایسا

نہیں گزرتا جو مجھے اپنے پھوٹے ہوئے نصیب کے نوحہ سے فرصت ملتی ہو۔ یہی غم ہی جو تمام زندگی کے
لیے کافی ہوگیا ہی۔ دنیا خوش و خرّم ہی۔ زمانہ کی دلہنیں عیش و عشرت میں زندگی کاٹ رہی ہیں۔ لیکن
میں ہوں کہ ہر وقت کف افسوس ملنے کے سوا دوسرا کام نہیں۔

لیکن یہ قصور کس کا ہی۔ یا تو میرے ماں باپ کا یا اُس ناشاد رسم کا جس کی وجہ سے لڑکی اپنی
زبان سے مرضی نامرضی کا اظہار نہیں کرسکتی۔ خدا اُن کو خوش رکھے جنھوں نے مجھے اس تنگ و تاریک
تکلیف دینے والی کوٹھری میں قید کیا۔ ہر چند میں نے اشارات کنایات سے سمجھایا رو دھو کر جتلایا
کہ یہ شادی میری مرضی کے خلاف ہی لیکن کم بخت لالچ کا بُرا ہو کہ مال کی ہوس میں اپنے اُس
خون جگر کو جسے حوادثات زمانہ سے مثل اُس پھول کے بچایا جسے باغباں کیاری میں محفوظ رکھتا ہی
آن کی آن میں دست ظلم گلچیں کی طرح مل دَل کر پھینک دیا۔ بھلا ان سے پوچھو کہ تمام عمر اس نالائق اور
کم ظرف خاوند سے میری گزرے گی یا تمھاری۔ لیکن اسکا خیال کسے ہوتا ہی نہ معلوم بیٹی کا کیا بار ہوتا ہی
کہ اُس کی زندگی کا شریک خواہ کیسا ہی ہو ہاتھ پکڑ کر حوالہ کر دیا جاتا ہی۔

میں اپنے واقعہ کو ان سچے لفظوں میں سنانا چاہتی ہوں جو مجھ پر گزرے ہیں میری عمر اب ۱۸ سال کی ہی
میری شادی کو ایک برس کا زمانہ ہوگیا۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ شادی کے کیا معنی ہیں۔

میرے والدین نے بس اور تو کیا کہوں۔ خدا انہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے مجھے ایک ایسے
شخص کے حوالہ کرنا چاہا جو علاوہ حسن ظاہری کے سیرت باطنی سے بھی مُعرا تھا لکھا پڑھا بھی کچھ یونہی سا
تھا۔ ہاں اسکا خاندان ایک بڑے پایہ کا شریف صحیح النسب اور مالدار تھا۔ اور ہر طرح کے جہیز کی امید تھی
لڑکا علیل تھا۔ اور بیماری گو مہلک نہ تھی تاہم خطرناک ایسی تھی کہ شادی کا کرنا نہ کرنا برابر تھا۔ میرے والدین کو
باوجودیکہ اسکا علم تھا لیکن جان بوجھ کر مجھے اندھے کنوئیں میں ڈالدیا۔ صرف اس کنوئیں میں ایک سنہرا
جال چمکتا ہوا نظر آتا تھا جو اُن کو نہایت بھلا معلوم ہوا۔ غیروں نے سمجھایا اپنوں نے فہمایش کی لیکن
ان کی سمجھ میں خاک نہ آیا اُن کو یہ کہکر تسلی دیدی کہ مرض کا علاج ہونا ممکن ہی۔ مانا۔ لیکن حسن صورت و سیرت
بھی تو غور سے دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ دولت چلتی پھرتی مایا ہی۔ آج یہاں ہی کل وہاں۔ اس ہرجائی

چیز کا کیا اعتبار دیکھنا قابلیت کا ہی جو ہمیشہ کام آنے والی شے ہے۔

نکاح کے وقت آنے والی مصیبت کی گھڑی کے خیال سے مجھے غش آگیا اور روتے روتے ہچکیاں لگ گئیں لیکن کسی کم بخت کو یہ خیال نہ ہوا کہ اب بھی انکار ہو سکتا ہی۔ آخر دیدہ دانستہ مجھے آگ میں ڈال دیا۔ شعلوں نے میرے دامنوں کی طرف توجہ کی اور میں آناً فاناً جل کر راکھ ہو گئی۔

خدا اس ناپاک رسم کا بُرا کرے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ نکاح کس طور سے جائز ہوا جبکہ میری مرضی اس مجوزہ شادی کے خلاف تھی۔ میں اب زندہ ہوں لیکن مُردوں سے بدتر۔ کھاتی پیتی ہوں لیکن آہ وہ کھانا خود مجھے کھائے جاتا ہی۔ بہنو! کوئی وجہ نہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق گفتگو نہ کی جائے۔ مجھ سے کوئی رائے لے تو میں زور سے کہوں گی کہ جبتک فریقین کی مرضی کھُلے الفاظ میں نہ لے لی جائے ہرگز نکاح نہ کیا جائے۔ ماں باپ کا کیا ہی وہ تو دو بول پڑھا کر نچنت ہو جاتے ہیں۔ غریب لڑکی کی جس طرح زندگی گذرے خواہ وہ خوش رہے یا غم و غصہ کھا کر زندگی بسر کرے۔ ہزاروں مثالیں موجود ہیں بیسیوں خرابیاں پڑگئیں خاندان کے خاندان تباہ و برباد ہو گئے مگر آنکھیں نہیں کھُلتیں ہوش نہیں آتا۔

بہنو! جب کبھی تمھاری مرضی کے خلاف کوئی شادی کی تجویز ہو فوراً انکار کر دو اس کی قطعی پروا نہ کرو کہ ماں باپ ہمارے خوش ہونگے یا ناخوش۔ پڑے ہو جاؤ۔ تمام عمر کنوارے پنے میں گزار دینی اچھی ہی لیکن ہمیشہ آگ میں سلگنا اچھا نہیں۔ نالائق اور نافرمان کہلائی جاؤگی بُری کہلائی جاؤ۔ اس ہر گھڑی کی مصیبت سے تو بچ جاؤگی۔

پاس شرافت ہی جس طرح گزرتی ہی گزارتی ہوں۔ لیکن خدا سے دعا ہی کہ میری کسی بہن کو اُس کی طبیعت کے خلاف شوہر نہ دے۔

راقمہ
زہرہ

اڈیٹوریل

اصلاح کی فتح اور مضر رسوم کی شکست

ذیل میں ہم نہایت خوشی کے ساتھ ایک جلسہ شادی کی مختصر کیفیت درج کرتے ہیں
جس میں بجائے غیر مفید رسوم پر روپیہ برباد کرنے کے اس کو نہایت مفید طریقہ سے
صرف کیا گیا۔ خدا تمام مسلمانوں کو ایسی انجام بینی کی توفیق عطا فرمائے۔

قصبہ بڑوت ضلع میرٹھ میں حافظ محمد خلیل صاحب ٹھیکہ دار نہر نے اپنی لڑکی کی
شادی میں جو نمونہ اصلاح مراسم کا دکھایا ہی وہ اس قابل ہی کہ بذریعہ اخبارات اسلامی
حلقہ میں پیش کیا جائے تاکہ اس کی تقلید سے مسلمانوں کو دین دنیا کا فائدہ پہونچے

۲۲- اپریل ۱۹۱۰ء کو روڑکی سے برات آئی دولھا کی جانب سے سامان
بری (جس میں رنگا رنگ مٹی کی مٹکیوں میں میوہ کھیلیں شکر مہندی وغیرہ بھری تھی)
اور خوانوں میں متعدد جوڑے جو گوٹہ پٹہ سلمہ ستارہ سے جگمگا رہے تھے پیش کیا
گیا مگر حافظ صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر ہر طرف سے آواز آئی کہ یہ کیا
غضب کرتے ہو کہیں خدا کی خدائی میں بری واپس ہوا کرتی ہی۔

گھر میں جب یہ خبر پہونچی تو تمام مستورات نے جن کی آنکھیں بری کے اشتیاق میں
فرش راہ ہو رہی تھیں شور مچایا کہ شریفوں اور بھلے آدمیوں میں کوئی ایسے بدشگون
کرتا ہی کہ بری واپس کی جائے۔

ناظرین خوب سمجھتے ہونگے کہ اس درمیان میں کس قدر لغو مراسم مثلاً پیر گھڑی
ہاتھ دھلائی دسترخوان وغیرہ ہوا کرتے ہیں۔ ایک نہونے دیے۔ اب صبح ہوئی
تو پھر رسوم کا وقت آیا یعنی صبحائی رونمائی جلوہ سلامی گوٹہ اور پٹہ وغیرہ مگر شیر مرد نے

ایک نہ ہونے دی اور کسی کی ایک نہ چلنے دی۔ رخصت کے وقت سامان جہیز (جو نہایت سلیقہ کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر کار آمد اور آسایش کی چیزوں سے مہیا کیا گیا تھا) باہر نکالا گیا۔ آخر وقت تک ایک حبّہ دولھا کی طرف سے خرچ نہیں کرایا گیا بکھیر وغیرہ بھی موقوف رہی۔ البتہ مندرجہ ذیل کارہائے خیر کے لیے ۶۹ رُپیے کی رقم مخصوص کی گئی جس میں سے ۳۵ روپیے کی رقم دولھا والوں کی طرف سے ہے۔

تعمیر جامع مسجد بڑوٹ تیس روپیہ، عام مسجد بڑوٹ آٹھ روپیہ، مدرسہ اسلامی بڑوٹ پانچ روپیہ، اسلامیہ اسکول اٹاوہ بارہ روپیہ۔ مدرسۃ العلوم علی گڈہ پانچ روپیہ، مدرسہ عربی دیوبند پانچ روپیہ، حجاز ریلوے دو روپیہ، اس کے بعد لڑکی کو بخیر و خوبی رخصت کیا گیا۔ خداوند عالم اس شادی اور کار خیر کو مبارک کرے۔

مدرسہ مصباح الاسلام

بفضلہ تعالیٰ مورخہ ۲۹۔ اپریل ۱۹۱۰ء کو مدرسہ مصباح الاسلام قصبہ اترولی ضلع علی گڈہ میں ایک جلسہ بعد نماز جمعہ منعقد ہوا جس میں تمام قصبہ کے مسلمان اور بہت سے ہندو برادران بھی شامل ہوئے۔ اول وعظ مولانا سعید احمد صاحب نے فرمایا۔ بعد کو میلاد شریف پڑھا گیا۔ بعد ختم ہونے میلاد شریف حاضرین پر پھول برسائے گئے۔ اور افتتاح مدرسہ کی شاخ انگریزی کا اس ساعت سعید میں ہوا۔ ہیڈ ماسٹر مدرسہ کے رشید الملک صاحب سابق طالب علم علی گڈہ کالج مقرر ہوئے ہیں۔ انگریزی کی باقاعدہ تعلیم ۲۔ مئی ۱۹۱۰ء سے شروع ہو گئی ہے۔

ہندوؤں میں تعلیم نسواں کی ترقی

بھاؤنگر میں ۲۶ مئی کو بمقام مہوا لڑکیوں کے مدرسے میں تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد ہوا تھا۔ حضور مہاراجہ صاحب معہ رانی صاحبہ رونق افروز جلسہ تھے انعامات مہارانی صاحبہ نے دست مبارک سے تقسیم فرمائے اور اپنی تقریر میں تعلیم نسواں سے جو فوائد ملک کو پہنچتے ہیں ان پر بڑا زور دیا۔

اب سے چار سال پیشتر جب رانی صاحبہ بیاہی آئی تھیں تو شد بد گجراتی جانتی تھیں ان کا مجمع عام میں اب تقریر کرنا اس بات کا ثبوت ہی کہ انھوں نے خود اپنی تعلیم میں کس قدر ترقی کی ہی۔ غالباً یہ پہلا ہی موقع تھا کہ انھوں نے عام جلسے میں تقریر کی۔ مہارانی صاحبہ نے انگریزی میں بھی خاصی مہارت پیدا کر لی ہی۔ مہارانی صاحبہ کا اپنی شادی کے بعد تعلیم میں ترقی کرنا اس بات کا ثبوت ہی کہ حضور مہاراجہ صاحب کس قدر بیدار مغز اور ضروریات زمانہ سے واقف ہیں۔

افسوس کہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کی بہت ہی کمی ہی اور اگرچہ قوم اس بات کا بارہا اعتراف کر چکی ہی کہ تعلیم نسواں کو بیحد ترقی دے کر قوم کی ترقی کے لیے راستہ پیدا کر دیا جائے لیکن اس وقت تک جیسی کوشش کہ اس تعلیم کو فروغ دینے کے لیے لازم تھی اس کا عشر عشیر بھی ظہور میں نہیں آیا۔ اس لیے اب تو مسلمانوں کو اس کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔

زنانہ نارمل اسکول

ناظرین اس بات کو سن کر بہت خوش ہونگے کہ جو اراضی زنانہ اسکول علی گڈھ کے لیے گورنمنٹ سے چاہی گئی تھی۔ اب دو سال کے بعد گورنمنٹ عالیہ نے

مہربانی کرکے اراضی مذکور کا ہم کو عطا کرنا تجویز کر دیا ہی۔ اور ۲۸۔ مئی ۱۹۱۱ء کے گورنمنٹ گزٹ میں اس کا اعلان کر دیا ہے۔ معاوضہ کے نقشے تیار ہو رہے ہیں۔ امید ہی کہ ایک مہینہ کے اندر اندر قبضہ مل جائیگا۔ ہم نے مکان اور بورڈنگ ہاؤس کی عمارات کے نقشے کالج سے تیار کرا رکھے ہیں۔ عمارات کے شروع کرنے کے لیے ہمارے پاس روپیہ بھی ہی۔ اور ہم کو توقع ہی کہ ان کی تکمیل پبلک کی فیاضی سے بہت جلد ہو جائے گی۔

تعلیم نسواں کی اصلی بنیاد علی گڈھ کا مرکزی مدرسہ ہی۔ قوم کو اس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہی۔ ہم بہت جلد امداد کے لیے اپیل شائع کرنے والے ہیں ہم کو امید ہی کہ اس قومی کام میں امداد دینے میں کسی کو دریغ نہ ہوگا۔

کمیٹی انتظامیہ

اراضی اور عمارت اسکول کی تیاری کے ساتھ ہم نے زنانہ اسکول کی انتظامی کمیٹی کا بھی بفضل خدا پورا استحکام کر دیا ہی۔ انتظامی کمیٹی کے لیے دو سال سے قواعد مرتب تھے لیکن بوجوہات ان کے پاس ہونے میں تعویق ہو رہی تھی۔ اب ۱۹۔ جون ۱۹۱۱ء کو بروز اتوار صبح ۷ بجے سے لیکر قریب ایک بجے دن تک ایک بااثر و منتخب کمیٹی نے جس کے پریسیڈنٹ نواب وقار الملک بہادر تھے بڑے غور و توجہ کے ساتھ بعد بحث اور ضروری تبدیلیوں کے وہ قواعد پاس کر دیے۔ اب کمیٹی انتظامی ایک رجسٹری شدہ جماعت اپنے پورے اختیارات اور ذمہ داریوں کے ساتھ اپنا کام انجام دینے کے قابل ہو گئی ہے۔

اس کمیٹی میں انتہائی تعداد ممبروں کی ایک سو قرار دی گئی ہی اور اس وقت منجملہ اس تعداد کے نو اسی ممبر کمیٹی نے نامزد کیے ہیں جن میں سے چھبیس بیگمات

ہیں جنکو از روے قواعد کے وہی اختیارات اور حقوق دیے گئے ہیں جو مرد ممبروں کو حاصل ہیں۔ غالباً ہماری ملکی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہی کہ مردوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہی کہ عورتیں انتظامی معاملات میں مردوں کے برابر راے دینے کی اہلیت رکھتی ہیں۔

گو اس وقت یہ کام بہت شاندار معلوم نہیں ہوتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس واقعہ سے ایک شاندار عمارت کی بنیاد قائم ہوئی۔

تربیت

ایک عرصہ سے ہم اس معاملہ پر غور کر رہے ہیں کہ لڑکیوں کو اوائل عمر ہی سے کس قسم کی تربیت دی جائے کہ وہ اپنی بعد میں آنے والی کش مکش کی زندگی کو عمدہ طور سے بسر کریں۔ تربیت اولاد میں بہت سی باتیں قابل لحاظ ہوتی ہیں اور ان سب کا ایک جگہ جمع کرنا بہت دشوار ہی۔ ہر شخص اپنے تجربے اور فہم و فراست کے لحاظ سے اپنی اولاد کی تربیت کے لیے ایک خاص ضابطہ بنا سکتا ہی اور ہمارے خیال میں وہی ضابطہ زیادہ موثر اور مفید ہوتا ہی۔ لیکن بعض باتیں عام ہیں اور اصُولی ہیں جن کی طرف ہر شخص کو توجہ کرنا بالکل لابدی ہے۔

منجملہ ان کے ایک زبردست اصُول جس کی جانب سے ہمارے ملک میں بہت زیادہ لاپروائی اختیار کی جاتی ہی وہ یہ ہی کہ اولاد کو کام میں دل لگانے کا عادی اور شوقین نہیں بنایا جاتا۔ یہ بالکل ماں کے اختیار میں ہی کہ وہ بچے کے دل میں ہر کام میں دل لگانے کا شوق پورے طور پر بٹھا دے۔ لیکن جو دولتمند مائیں ہیں وہ تو یہ خیال کرتی ہیں کہ گھر کے ادنیٰ ادنیٰ کاموں میں مصروفیت غریب اور رذیل لوگوں کا کام ہی ہمیں اپنی اولاد کو ان کاموں کے لیے تیار کرنا کچھ ضروری نہیں ہی۔ اور اس غلط فہمی میں

آجکل کی بہت سی روشنخیال بہنیں بھی مبتلا ہیں۔

ہم سب سے پہلے اپنی ناظرات کو اس بات کا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اپنے ہاتھ سے اپنے لیے کام کرنا اس سے بہتر انسان کے لیے کوئی شغل نہیں۔ اپنے لیے کسی کام کے بھی کرنے میں انسان کو عار نہ کرنا چاہیے۔ بزرگان دین کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ہمیشہ اپنے کام خود کرتے تھے۔

چنانچہ سرور کائنات اپنے کاموں کو خود کرتے تھے اور کبھی ان کو اس بات کی محتاجی نہ تھی کہ دوسروں سے اپنے کسی کام کی خواہش کریں۔ سیدۃ النسا حضرت فاطمہ اپنے گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں۔ نیز امہات المومنین اپنے اپنے کام خود انجام دیتی تھیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور خلفاء راشدین سب اپنے کام خود ہی کرتے تھے۔ باوجود اسکے کہ آنکے پاس کافی ذریعے موجود تھے اگر وہ دوسروں سے کام لینا چاہتے۔

بزرگان دین کے علاوہ زمانہ حال کے بادشاہوں کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں اور ہم کو عمدہ سبق سکھا رہی ہیں۔ ملکہ معظمہ آنجہانی نے اپنی سب بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا اپنے کمروں اور سامان آرائش وغیرہ کو خوب صاف رکھنا اور سینا پرونا سب پورے طور پر سکھا دیا تھا۔ یہ بچپن کی تربیت مابعد کی زندگی میں انکے لیے ایک بڑا سرمایہ مسرت ثابت ہوا۔ اور انھوں نے بیکاری کی تکلیف دہ بیماری میں کبھی اپنے آپ کو مبتلا نہ پایا۔

ہمارے موجودہ بادشاہ سلامت کو سب سے اول جہازرانی کی تربیت دی گئی جو ملاحوں کا کام ہی۔ ایک ادنی سے ادنیٰ جہاز کا ملازم بھی وہی کام کرتا تھا جو سلطنت برطانیہ کے تخت و تاج کا وارث کرتا تھا

شاہ جرمنی جسکا مرتبہ یوروپ کے کسی دوسری سلطنت کے تخت نشیں سے کم نہیں ہے

اور جو ایک نہایت طاقتور سلطنت کا مالک ہی اُس نے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو معمولی دستکاریوں کے کام سکھائے۔ چنانچہ اپنے بیٹوں سے ہل چلوائے اور اپنی بیٹیوں کو علاوہ ان تمام کاموں کے جو فرائض خانگی کے متعلق ہیں جن میں کمروں میزوں اور فرنیچر وغیرہ کا صاف کرنا بھی ہے۔ اپنے ہاتھ سے اینٹھیں پاتھنی اور پکانی بھی سکھائیں۔ اور وہ سب کے سب اپنی موجودہ زندگی میں اپنے والدین کی فراست اور اچھی تربیت کے مشکور ہیں۔ اور ہر کام کو بڑی مستعدی اور خوشی کے ساتھ انجام دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

اس آخری زمانے میں سلطان عبدالحمید خاں معزول جو مسلمانوں میں سب سے طاقتور اور بڑے بادشاہ تھے قصر یلدز میں اکثر بڑھئی کا کام کرتے تھے اور اس فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

مسٹر گلیڈ اسٹن جنکو لوگ بے تاج کا بادشاہ کہتے تھے وہ اپنے ہاتھ سے لکڑیاں کاٹا کرتے تھے اور اس ورزش کی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ اپنی صحت کو قائم رکھا اور نوّے سال کی عمر تک ان کے ہوش و حواس بالکل درست رہے اور آخری دم تک اپنے ملک اور قوم کی خدمت انجام دیتے رہے۔

اب دوسری جانب ایک قصہ سُنیے جو غور کرنے کے قابل ہے کہ ایک متمول شخص کی بیوی جسکو ماں باپ نے بڑے ناز و نعم میں پرورش کیا تھا اور جس نے کبھی کوئی دُکھ نہیں سہے تھے۔ اس کی جب شادی ہوئی تو پلنگ پر لیٹے لیٹے اپنی ماما کو بلا کر کہا کہ میرا ہاتھ ادہر کا تھک گیا ہے میرا پہلو ذرا ادہر سے اُدہر کو بدل دو۔ تم کہاں مر گئی تھیں مجھے دیر سے تکلیف ہو رہی ہی۔

علاوہ اسکے کہ کام کرنے سے انسان کو مستعدی اور ایک خاص مسرت اور تندرستی حاصل ہوتی ہی اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہی کہ بوجہ نشیب و فراز کے انسان کو

بعض وقت کام کرنے کے لیے مجبوریاں بھی پیش آجاتی ہیں۔

چنانچہ امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم جب اپنے چچا سے لڑکر ملک سے بھاگے تو روس میں پہونچے جہاں اُن کو کوئی نہیں جانتا پہچانتا تھا۔ ان کے پاس ایک دن کے بھی کھانے پینے کا سامان نہ تھا۔ روس کے گورنر کے پاس جاکر اپنا حال ظاہر کرنا اور اپنے گذارہ کے لیے پنشن مقرر کرانا اسکے لیے کچھ عرصہ درکار تھا۔ ایسی حالت میں شہزادہ عبدالرحمٰن خاں نے اپنے ہاتھ سے محنت کرکے کچھ عرصہ کے لیے اپنا پیٹ پالا۔ اگر وہ ہندوستانی شہزادوں کی طرح نازک اندام اور کام سے متنفر ہوتے اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عار سمجھتے تو شاید ان کو کابل کے تخت تک رسائی ممکن نہ تھی۔

نمایش

نمایش کے متعلق ہم اس سے قبل اعلان کرچکے ہیں کہ دسمبر میں ضرور ہوگی ناظرات خاتون کو ابھی سے تیاری کرنی چاہیے۔ ناگپور میں اس کے متعلق ابھی سے ایک کمیٹی قائم کرنے کی تجویز ہے۔ اور چند بڑی بڑی معزز یوروپین لیڈیوں نے اس کام میں مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور جناب چیف کمشنر صاحب بہادر کی میم صاحبہ نے جو صوبہ وسط ہند میں سب سے بڑے حاکم ہیں اس نمایش کی سرپرستی منظور فرمائی ہے۔
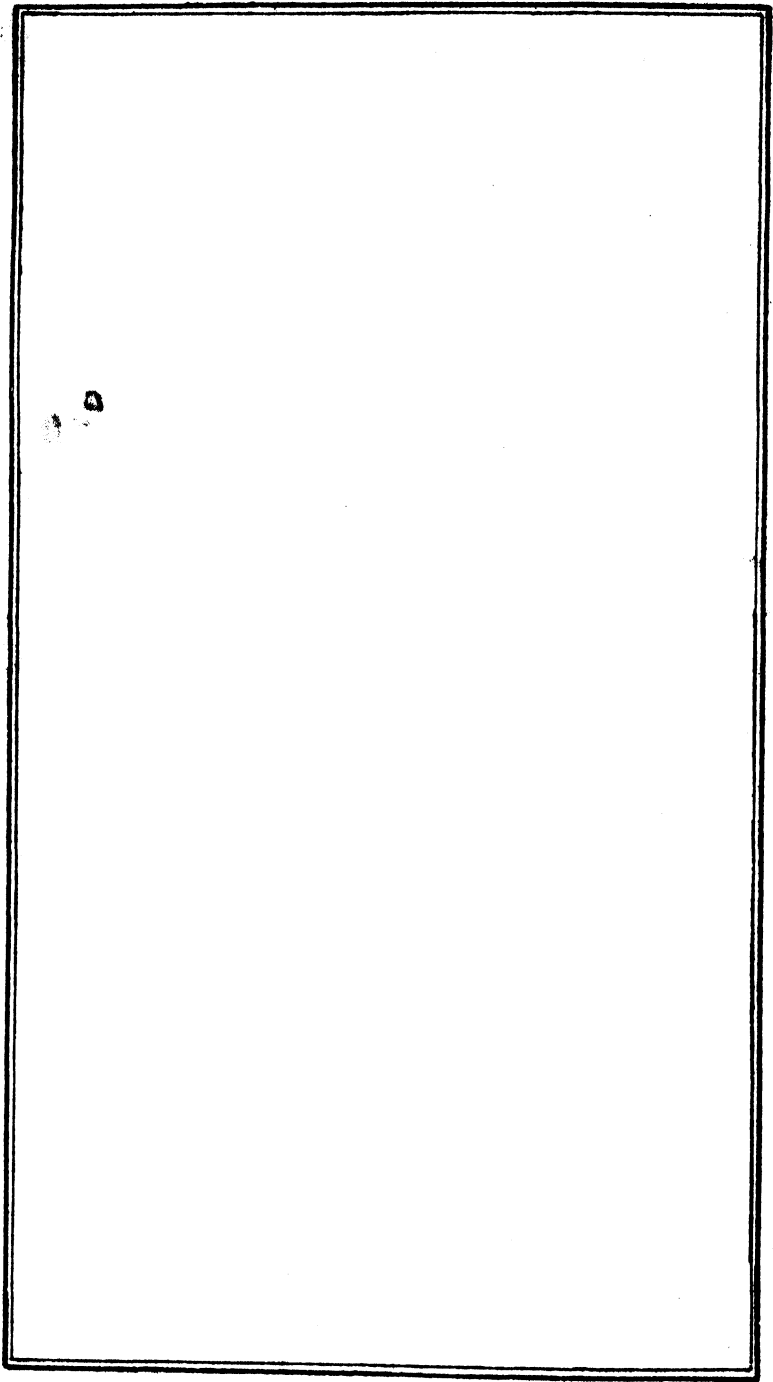
نوٹس منجانب سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن علی گڈہ

مجکو زنانہ نمایش کی مصنوعات کے متعلق کسی جوشیلے نوجوان کی اشد ضرورت تھی کہ وہ خط و کتابت میں اور نیز اشیاء کی فراہمی میں مجکو مدد دیں۔ مجکو بہت خوشی ہی کہ مسٹر نور محمد صاحب بی اے علی گڈہ کالج نے امسال مجکو پوری مدد دینے کا وعدہ کیا ہی اور میں نے اُن کو نمایش کے لیے اسسٹنٹ سکرٹری مقرر کیا ہی اور اُن کو اختیار دیا ہی کہ وہ میری جانب سے نمایش کی کامیابی کے لیے میری ہدایت اور مشورہ سے کوشش کریں۔ اِس وقت میں اُن کا مشکور ہوں اور مجھے امید ہی کہ وہ اپنے کام سے قوم کو بھی مشکوریت کا موقع دینگے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۶	بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۱ع	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکریٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبدالسلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڈھ میں چھپا

۱۲۔ اگست سنہ ۱۹۱۱ع

شیخ عبداللہ بی اے پبلشر نے علی گڈھ سے شائع کیا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت سے اور ششماہی عہ ۱۲/۲ ہے۔

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعے سے مستورات کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے گا۔

۷۔ تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

فتح اندلس

زمانہ جاہلیت یعنی طلوع نیر اسلام سے پہلے عرب دنیا کی نظروں سے اوجھل اپنے جزیرہ نما میں نہایت بے باکانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے دین ابراہیمی کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی تھی۔ جابجا قبیلہ قبیلہ کا جدا جدا ایک بت تھا۔ نہ دنیا کو ان کی خبر تھی اور نہ وہ ہی کچھ گردوپیش کی اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی حالت میں انہیں صدیاں گزر گئیں۔

آخر کار جب مشیت ایزدی نے ان کے جوہروں کو مجلی اور ان سے دنیا کو فیض یاب کرنا چاہا تو ان میں ایک پیغمبر برحق بھیجا جس کی پاک تعلیم نے ملک کی حالت میں ایک عجیب انقلاب پیدا کر دیا۔ صدیوں کے سوئے ہوئے اللہ اللہ کر کے جاگے۔ اسلام کی نورانی تعلیم نے ان کی ایسی کایا پلٹی کہ جس سرزمین میں رشک و حسد کے شعلے مشتعل تھے وہاں محبت اور صدق و صفا کا باغ لہلہانے لگا۔

خواب غفلت سے بیدار ہوئے تو آناً فاناً میں ایران و رومہ کی گردن کش بادشاہوں نے ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیئے۔ روم اور عجم کی دھاک ایک زمانہ میں تھی اصل یہ ہے کہ اس وقت کی دنیا انہی دونوں سلطنتوں پر منحصر تھی پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ عرب کے بادیہ نشین اُٹھ کر انہیں آن کی آن میں حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے نابید کر دیں۔

اس کا جواب ایک جہاں دیدہ رومی نے خوب دیا ہے۔ جب قیصر کو عربوں نے پے در پے شکستیں دیں تو ان کے قلت سامان و لشکر کو دیکھ کر وہ بہت جلا اور جھنجلا کر رومہ کے سرداروں سے اس کا سبب دریافت کیا سب نے سر نیچے ڈال دیئے۔ اس پر ایک تجربہ کار دانا رومی سے نہ رہا گیا اُس نے کہا "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں برابری سے ملتے جُلتے ہیں۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شرابیں پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں۔ قول و اقرار سے پھر جاتے ہیں اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ اُن کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہے۔"

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عربوں کو اکثر اپنے سے چند بلکہ بعض اوقات دس گنے دشمن سے لڑنا پڑا مگر میدان جب رہا عربوں ہی کے ہاتھ رہا ان کے پاس سامان حرب بھی دشمن سے کم درجہ کا تھا۔ ایک دفعہ تو رومیوں نے عرب کے تیروں کو مسخر اپن میں تکلوں سے تشبیہ دی مگر ان ہی تیروں سے عربوں نے اُن کے تکلے کی طرح سب بل نکال دیئے۔

یرموک کے معرکہ پر جب رومیوں کا ٹڈی دل دیکھ کر ابو عبیدہؓ پریشان ہوئے

تو کمک کے واسطے سیدنا فاروق اعظم کو مدینے میں لکھا آپ نے جواب میں لکھا کہ کمک بھیجنے کو بھیجدی ہے مگر فتح اور شکست فوج کی قلت اور کثرت پر موقوف نہیں۔ مسلمانوں کی کامیابی کا راز خدا اور اُس کے پیغمبر برحق کے احکام کی اطاعت تھا۔ جب تک وہ ان پاک تعلیمات پر کاربند رہے نصرۃ اور ظفر ان کے آگے آگے چلتی رہی۔

الغرض فتوحات عرب کے سیلاب نے ایک طرف دریای سندھ پر جا کر دم لیا تو دوسری طرف سارا شمالی افریقہ طے کرتا ہوا مراکو کے اُس پار پہنچا اسوقت بہادران اسلام کی تلواریں نیام سے باہر تھیں۔ فتح مندی اور اشاعت حق کے شوق سے طبیعتیں بھرپور تھیں۔ مراکو کے اُس پار سمندر موج زن تھا تو ادھر غازیوں کے سینہ میں شہادت کا دریا اُمنڈا چلا آتا تھا۔ جب اور زمین فتح کرنے کو نہ رہی تو اللہ کا نام لیکر کشتیاں سمندر میں ڈال دیں۔ افریقہ اور یورپ کے درمیان ایک ابنای حائل ہے۔ اس مسافت کو طے کرنے کے بعد ملک سپین آتا ہے جس کو عرب اندلس یا اندلوسیہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

اس وقت ولید ابن عبدالملک سریر خلافت پر جلوہ افروز تھا۔ اسکا نائب موسیٰ افریقہ اور مراکو کا مختار کل تھا۔ موسیٰ کے افسر چند جہاز لے کر اندلس کے ساحل پر حملہ آور ہوئے تھے مگر باقاعدہ فتوحات کا آغاز ۱۲۱۷ء مطابق ۹۲ھ سے ہوا۔ اندلس پر اس وقت عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ نہایت جری اور مضبوط تھے ان کے بادشاہ نہایت ظالم تھے امیر اور مالدار غریبوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ کاشتکاروں کے گلے میں کتوں کی طرح ایک طوق ہوتا تھا۔ جب کسی امیر کو زمین فروخت کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ ان غریب زمینداروں کو بھی بیچ ڈالتا تھا۔ ان کے بچے ماں باپ سے

جدا کر کے امرا خدمت کے لیے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ یہودیوں کا حال ان سے بھی بدتر تھا ان کو شہروں تک میں رہنے کی اجازت نہ تھی۔

اس زمانہ میں بلکہ صدیوں بعد تک نہ صرف سپین کی بلکہ تمام عیسائی دنیا کی یہی حالت تھی خود انگلستان میں ملکہ آنجہانی کے منصفانہ عہد میں رومن کیتھلک اور یہودیوں کے ساتھ برابری کا سلوک ہونے لگا ہی۔ اگرچہ پروٹسٹنٹ یعنی شاہی مذہب رکھنے والی رعایا کے بالکل مساوی اب بھی حقوق حاصل نہیں۔

غرض سپین کے بادشاہوں اور امیروں کے اس سلوک سے رعایا نہایت خستہ تھی مگر کسی کو فوجوں کے خوف سے حرف شکایت موں٘ھ پر لانے کی مجال نہ تھی۔ سپین کے بادشاہ کو ایک زبردست امیر زارزق ثانی نے تخت سے اُتار کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ فرنگستان میں پہلے زمانے میں قاعدہ تھا کہ امرا اپنی لڑکیوں کو بادشاہی محل میں آداب محفل سیکھنے کے لیے بیگمات شاہی کی خدمت میں رکھا کرتے تھے۔ سپین کے جنوبی صوبہ کے گورنر جولین کی بیٹی فلوریڈا بھی کہ حسن و جمال میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ زارزق کے محل میں رہتی تھی۔ کہتے ہیں اس بدبخت بادشاہ کو یہ خیال نہ رہا کہ فلوریڈا کا حق بیٹی کے برابر تھا۔ اس لڑکی کو اپنی پاکدامنی کا بڑا پاس تھا۔ ایک وفادار ملازم کو اپنے باپ کے پاس بھیجا اور اُس کو زارزق کی اس حرکت سے جس کی طرف اشارہ کرنا بھی ہم نامناسب جانتے ہیں مطلع کیا۔

جولین غصہ سے بے تاب ہو گیا اور اُس نے بادشاہ سے انتقام لینے کا عہد کر لیا۔ فوراً دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ اثنائے قیام میں جولین نے اپنے کبھی قول اور فعل سے ناخوشی کا اظہار تک نہ ہونے دیا۔

بادشاہ نے جانا کہ فلوریڈا نے راز رکھا۔ چلتے وقت جولین بیٹی کو ساتھ لیتا آیا

بادشاہ نے کہا کہ جنوب کے باز اچھے ہوتے ہیں ہمارے شکار کے لیے بھیجنا جولین نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ حضور کے لیے ایسے باز بھیجوں گا کہ کبھی نہ دیکھے ہوں نہ سُنے بادشاہ اس پر بھی نہ سمجھا۔

جولین نے اپنے صوبے میں پہونچتے ہی موسیٰ کے پاس پیغام بھیجا کہ آجتک تمھارے حملوں کی میں نے مدافعت کی مگر آج سے خدا گواہ ہے کہ کبھی تمھاری مخالفت نہ کروں گا۔ میری طرف سے اطمینان رکھو میدان خالی ہے۔

موسیٰ نے اندلس کی شادابی اور جولین کی باتوں کو خوب غور سے سُنا اور اپنے ایک سردار کو ۷۰۰ آدمی دیکر اندلس کے ساحل پر جولین کی تصدیق کرنے کو بھیجا اور ولید بن عبد الملک کو اجازت کے لیے لکھا۔ خلیفہ نے حملے کی اجازت دیدی اور وہ سردار کامیاب واپس آیا اور کہا کہ جولین کا وعدہ سچا ہے۔

موسیٰ نے اپنے لشکر کے ایک جری جنرل طارق کو کہ جس کے نام سے آج تک جبل الطارق یورپ میں مشہور ہے ۷۰۰۰ آدمی دیکر ۹۲ھ مطابق ۷۱۲ء میں روانہ کیا۔ یہ سچ ہے کہ جنوبی ساحل پر کوئی مقابلہ کو پیش نہیں آیا کیونکہ حاکم صوبہ حکومت سے منحرف تھا اور رعایا حکمراں قوم کے ظلم سے تنگ آگئی تھی مگر دریائے گاڈیسٹ کے اُس پار زار زرق نے ایک لشکر جرار جمع کیا تھا کسٹائل اور گن خاندان شہزادے اور دور دور سے عیسائی اُمرا مسلمانوں سے لڑنے کو جمع ہوئے تھے۔ خود عیسائی مصنفوں کو اس کا اعتراف ہے کہ عیسائیوں کی قوم مسلمانوں سے چھٹ گئی تھی۔ موسیٰ نے احتیاطاً طارق کو ۵۰۰۰ کی اور کمک بھیج دی اس لیے لشکر اسلام کی تعداد ۱۲۰۰۰ تھی عیسائی ۷۰۰۰۰ سے متجاوز تھے۔

اس وقت یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ عیسائیوں کو اپنے ملک کے اندر رہکر اپنی حفاظت کرنی تھی وہ ملک کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔

غرض گاڈیلیٹ کے اُس پار بڑی گھمسان کا رَن پڑا - بہادران اسلام نے اپنے نیزے تانے اور دشمن پر شیروں کی طرح اللہ اکبر کے نعرے مارتے ہوئے جا پڑے - عرب کے بہادر میمنہ میسرہ غرض جس طرف جاتے تھے عیسائیوں کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے تھے -

عیسائیوں کے راہب ہاتھوں میں چاندی سونے کے صلیبیں لیے اپنے ولیوں کی جے پکارتے تھے اور ہزیمت زدہ فوج کو ہمت دلاتے تھے -

(باقی دارد)

شادی

(۱)

ہندوستان کے ایک مشہور شہر کے بہترین حصہ میں ایک خوبصورت، خوشنما بنگلہ واقع ہی- مکان کی وضع قطع سے نہ صرف مالک مکان کا اوسط درجہ کا تمول اور خوش حالی ظاہر ہوتی ہی بلکہ اس کی نہایت اعلیٰ درجہ کی نفیس طبعی - پاکیزہ مذاقی اور شایستگی کا بھی صاف صاف پتہ چلتا ہی سلیم جو اس دل فریب مختصر کوٹھی کا خوش قسمت مالک ہی ایک معقول عہدہ پر ممتاز ہی اور شہر کے معززین میں شمار ہوتا ہے اس کی روشن دماغی شایستہ خیالی اور نفاست طبع کی ہمچشموں میں دھوم ہے اگرچہ بعض پرانے خیال کے بزرگ اس بیچارے پر محض اس کی اعلیٰ معاشرت کی بدولت کفر اور نیچریت کے الزام لگانے میں پس و پیش نہیں کرتے لیکن اس کو مطلقاً اس کی کچھ پرواہ نہیں - وہ جانتا ہے کہ:-

ہُنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است ۔

خدا کی عنایت سے اس کو بیوی بھی ایسی تعلیم یافتہ اور روشن خیال ملی ہی جو اپنی ہمقوم بہنوں میں بے نظیر کہی جا سکتی ہی۔ ان دونوں میاں بیوی کے صرف ایک اولاد ہی اور وہ ان کا اکلوتا فرزند فہیم ہے ۔

فہیم کی عمر اس وقت اکیس سال کی ہی۔ گیارہ برس کی عمر میں یہ علی گڈھ کالج بھیج دیا گیا تھا ۔ اس عالیشان قومی مدرسے میں اتنے دنوں تک تعلیم پانے کے بعد اس نے اسی سال نہایت کامیابی سے بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا ہی اور اب تکمیل تعلیم کے لیے ولایت جانے کے ارادے سے گھر آیا ہوا ہی ۔ ابھی اس کی روانگی میں چار مہینے باقی ہیں ۔ اسی لیے فہیم آج کل اپنے عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات میں وقت بسر کرتا ہی چنانچہ وہ ابھی صبح کی چاے پی کر اپنے کسی رفیق کے ہاں گیا ہوا ہے ۔

فہیم کو گھر سے نکلے ہوئے کوئی آدھ گھنٹہ نہ گزرا ہوگا کہ اس کا نہایت عزیز جانی دوست وحید سلیم کے خوش قطع بنگلہ میں داخل ہوا اور فہیم کی موجودگی یا غیر موجودگی کے متعلق دریافت کرنے کے عوض خود سلیم کو اپنی حاضری کی اطلاع کرائی ۔ چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ ہم وحید کو ایک خوب صورت اور آراستہ کمرے میں سلیم کے مقابل ایک بہت خوش وضع کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں ۔ چار پانچ منٹ کے سکوت کے بعد ان دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہونے لگی ۔

سلیم ۔ میں نے آپ کو اس وقت اس لیے تکلیف دی کہ ایک نہایت ضروری امر میں آپ کی اعانت کی سخت ضرورت ہی بلا آپ کی مدد کے وہ کام انجام نہیں پا سکتا ۔

وحید۔ میں تعمیل ارشاد کے لیے بسر وچشم حاضر ہوں۔ اگر میری ناچیز شرکت سے جناب کا کوئی کام انصرام پا سکے تو اس سے بڑھ کر میری خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔

سلیم۔ میں آپ کی اس مہربانی کا مشکور ہوں۔ بیشک مجھے آپ سے ایسی ہی امید ہے (چند لمحہ ٹھہر کر) بات اصل یہ ہے کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ فہیم سول سروس کے لیے ولایت جاتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اس عرصہ میں ان کے ولایت روانہ ہونے سے پہلے کہیں ان کی نسبت ہو جائے اور بات ٹھہر جائے۔ دو تین لڑکیاں اس غرض سے ہم نے منتخب کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مجھکو ناصر کی لڑکی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ فہیم کی والدہ کو بھی یہی لڑکی سب سے زیادہ پسند ہے لیکن جب تک فہیم کی مرضی نہ معلوم کر لی جائے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتے۔ فہیم کی پسند اور فہیم کی رائے سب سے مقدم ہے۔ ان کی رغبت اور ان کے میلان طبع کو پیش نظر رکھنا ہمارا اولین فرض ہے ہم کو ہرگز اس بات کا حق نہیں ہے کہ بلا ان کا مافی الضمیر معلوم کیے بطور خود ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیں۔ شادی یا ازدواج کا بالکل میاں بی بی کی ذات سے تعلق ہے۔ اس اہم کام کے انصرام میں ہم لوگ محض مددگار و معاون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مروجہ طریقہ کو میں سخت ناپسند کرتا ہوں۔ ہماری قوم میں آجکل جو شادیاں ہوتی ہیں وہ شادیاں نہیں خانہ بربادیاں ہوتی ہیں۔ کیسے غضب کی بات ہے کہ جن کا عمر بھر کا ساتھ ہے انہیں زبان تک کھولنے کی اجازت نہیں۔ بازار سے جب ایک پیسہ کی ہنڈیا خریدی جاتی ہے تو اُسے خوب ٹھوک بجا کر دیکھتے ہیں۔ مگر افسوس جو شخص عمر بھر کے لیے کسی کو اپنا شریک و سہیم بناتا اپنی زندگی اس کے ساتھ وابستہ کرتا اور تمام عمر نباہ کرنیکا

عہد کرتا ہی اسے اتنا بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنی رضامندی یا ناپسندگی کا اظہار کرسکے
سچ تو یہ ہی کہ ہمارے ہاں کے شادی بیاہ لڑکے اور لڑکی کے لیے نہیں ہوتے
بلکہ والدین رنگ رلیاں مناکر چند روز اپنے جی کو خوش کرنے کے لیے بڑے
چاؤ چوچلے سے اپنی بدقسمت اولاد کی شادیاں رچاتے ہیں۔ ہائے کیسی
شرمناک بات ہی۔ افسوس ہم لوگ چند روزہ مسرت کی خاطر اپنی جان سے
پیاری اولاد کو تباہ کرتے ہیں۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہی کہ میں علانیہ
"کورٹ شپ" کرتے پھرنے کو جائز قرار دیتا ہوں یا والدین کی رضا و مشورہ کو
غیرضروری سمجھتا ہوں۔ نہیں نہیں میرا یہ منشا ہرگز نہیں ہی۔ والدین ہی اس فریضہ کو
انجام دیں اور شوق سے انجام دیں مگر اتنی عنایت کریں کہ وہ استمزاج کو مقدم
سمجھیں۔ کیا یہ اسی استمزاج کے نہ ہونے کا نتیجہ نہیں ہی کہ ہمارے گھروں اور
ہمارے خاندانوں میں نااتفاقی۔ پھوٹ۔ عداوت اور خصومت کی کوئی انتہا
نہیں ہوتی۔ کیا اس عظیم الشان کام کو ایک بازیچۂ اطفال سمجھ کر اس کی تحقیر کرنے
اور اس کی واجبات کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ نہیں کہ ہماری قوم ازدواج کی خوبیوں
اور برکتوں سے بالکل بے بہرہ ہی۔ افسوس ہم لوگ خود اپنے ہاتھوں تباہ ہو رہے
ہیں اور آپ اپنی بربادی کر رہے ہیں۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ غرض میں چاہتا ہوں کہ فہیم کی رائے اس نسبت
کے متعلق معلوم ہو جائے۔ لہٰذا آپ مہربانی کرکے فہیم سے اس کا تذکرہ کیجیے۔
ناصر کی لڑکی ہماری دیکھی بھالی ہی۔ ناصر سے ہمارے قدیم تعلقات ہونے کے باعث
فہیم کی والدہ نے اس لڑکی کو اکثر دفعہ دیکھا ہی۔ لڑکی کی صورت شکل اچھی ہونے کے
سوا وہ تعلیم یافتہ بھی ہی اور آج کل کی تعلیم نسواں کے لحاظ سے وہ اعلیٰ درجے کی
تعلیم یافتہ کہی جاسکتی ہی۔ انٹرنس پاس ہونے کے علاوہ اس نے بطور خود بڑی

لیاقت و قابلیت پیدا کی ہے۔ صورت و سیرت دونوں پسندیدہ ہیں۔ حیا۔ لحاظ نیک مزاجی۔ ملنساری۔ ادب۔ قاعدہ۔ سلیقہ۔ روشن خیالی۔ ہوشیاری دانائی وغیرہ تمام ضروری صفتیں اس میں موجود ہیں۔

ولیم کابٹ نامی ایک انگریز مصنف نے اپنی مشہور و معروف کتاب ایڈوائس ٹو ینگ من (نوجوانوں کو نصیحت) میں بیوی کے لیے آٹھ صفتیں گنائی ہیں یعنی (۱) عفت و پاک دامنی (۲) پرہیزگاری و خداترسی (۳) تن دہی و محنت و مشقت (۴) کفایت شعاری و سلامت روی (۵) نفاست و پاکیزگی (۶) امور خانہ داری کی واقفیت (۷) نیک مزاجی (۸) حسن و خوبصورتی۔ خدائے تعالیٰ نے اس لڑکی کو تو اس سے بہت زیادہ خوبیاں مرحمت فرمائی ہیں۔ میرے خیال میں آج کل جبکہ ہماری قوم میں اس قسم کے اوصاف والی لڑکیوں کا کال ہے ایسی لڑکی کا ملنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ آپ یہ تمام باتیں فہیم کے ذہن نشین کر دیجیے اور کہہ دیجیے کہ میں اور اُن کی والدہ دونوں اس لڑکی کو دل سے پسند کرتے ہیں اور ہماری رائے میں اس سے زیادہ موزوں بیوی ان کو نہیں مل سکتی۔

دوسری دو لڑکیاں جو ہماری نظر میں ہیں وہ ڈاکٹر اکرام اور مشتاق احمد مجسٹریٹ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ دونوں بھی بہت کچھ قابل تعریف ہیں۔ ناصر کی لڑکی کے بعد ان دونوں سے بہتر اور کوئی جگہ ہمارے خیال میں نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں آپ فہیم کو سمجھا دیجیے اور ساتھ ہی یہ بھی ضرور کہہ دینا کہ فوراً جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اطمینان کے ساتھ وہ اس معاملہ میں غور کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تین مہینے اس کے لیے بہت کافی ہوں گے۔ اس عرصہ میں وہ جو کچھ رائے قایم کریں بلاتامل آپ کے ذریعے اس کا اظہار ہو جائے۔ اگر میں خود فہیم سے

اس کے متعلق گفتگو کروں تو وہ مارے شرم و لحاظ کے اپنا عندیہ صاف صاف ظاہر نہ کر سکیں گے۔ انہیں اس میں ضرور تکلف ہو گا۔ چونکہ آپ فہیم کے بہت گہرے دوست ہیں اور آپ سے اُن کے نہایت عزیزانہ تعلقات قایم ہیں اس لیے آپ سے بہتر مجھے کوئی اور ذریعہ نہیں مل سکتا۔ اب آپ کی مدد سے مجھے امید ہی کہ یہ معاملہ حسب دلخواہ طے ہو جائے گا۔ اسی لیے میں نے آپ کو تکلیف دینا ضروری سمجھا۔

وحید۔ بہت خوب! میں آپ کے فرمان کو دلی مسرت کے ساتھ بجا لاؤں گا۔ یہ آپ نے کس قدر اچھا طریقہ اختیار فرمایا ہی۔ اگر ہمارے ہم قوم بھائی اس مفید اور نہایت ضروری طریقے کی پابندی کرنے لگیں تو ہماری اس زبوں حالت کی کیسی کچھ اصلاح ہو سکتی ہے۔ آپ کا ارشاد بالکل درست ہی۔ واقعی جب کھانے اور پہننے میں والدین کا انتخاب کام نہیں دے سکتا تو شادی جیسے نازک معاملے میں استمزاج نہ کرنا سخت نادانی اور جہالت ہی۔ اچھا تو میں آج ہی فہیم سے اس کا تذکرہ کروں گا اور بہت جلد اُن کے ارادے سے اطلاع دوں گا۔

(باقی دارد)

فاطمہ اُمّ جعفر برمکی

مکرم اڈیٹر صاحب!

ابھی تک ہمارے معلومات کا دائرہ بہت تنگ۔ اور ہمارے خیالات کا احاطہ بالکل محدود ہی۔ اس لیے گزشتہ ترقیوں پر بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور فوراً مبالغہ آمیز کہانیوں اور بازاری گپوں کا حکم لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم بدگمانیوں سے الگ ہو کر

انصاف کی آنکھوں سے دیکھیں تو ہم کو علمی میدان میں مرد تو مرد بعض خاتونیں ایسی نظر آئیں گی جن کی نظیر شاید مشکلوں سے مل سکے۔

چنانچہ معتبر تاریخ سے ثابت ہی کہ ایام سفر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر عالم و فاضل شاگرد رشید عبداللہ بن مبارکؒ ایک ایسی عورت سے ملے جو ہر موقع اور اُن کے ہر سوال پر بے تامل قرآن مجید کی آیتوں سے جواب شافی دیتی تھیں۔ دریافت سے اُن کو معلوم ہوا کہ اس نیک بخت عورت کو کلام مجید پر اس قدر عبور و ملکۂ تام حاصل ہی کہ یہ چالیس برس سے روزمرہ کی بات چیت میں بے تکلف و بے تردد کلام الٰہی کی آیتوں کو بولا کرتی ہیں۔ اس خوف سے کہ مبادا زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکلے جس کی پرسش خدا کے ہاں ہو۔

مگر اب ہم خود دوسرے عالم ہیں اور ہماری علمی کائنات مفقود ہی۔ اس لیے ہم کو اس قسم کے واقعات خواب و خیال نظر آتے ہیں۔ اور ہم اس وقت جس تاریخی واقعہ پر قلم فرسائی کر رہے ہیں۔ عجب کیا اس پر بھی مبالغہ و بناوٹ کا داغ لگے۔

بہرحال ہمارا ماخذ مستند تاریخ ہی۔ ہمارے احباب جو کچھ اس پر ریمارک کریں ہم اُس کے سُننے اور سراہنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ ؎

سرِ تسلیم خم ہی جو مزاجِ یار میں آئے

فاطمہ[1] ملقب بعتابہ بنت محمد حسین بہت بڑی عالمہ و متکلمہ تھی خصوصاً خوش نویسی و حساب میں بے مثل تھی۔ یہ علمی عزت صرف فاطمہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ مردوں کی طرح عموماً برامکہ کی عورتیں بھی زیور علم سے آراستہ ہوتیں اور اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔

چنانچہ روایت ہی کہ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید دربار عام میں بیٹھا تھا۔

[1] دیکھیے المستطرف جلد اول صفحہ ۱۴۹

اراکین سلطنت وکل اہل دربار حاضر تھے کہ ایک عورت آئی اور ہارون الرشید کو اپنا مخاطب صحیح بناکر یہ دعائیں دیں یا امیر المومنین اقر اللہ عینک۔ وفرحک لما اتاک۔ واتم سعدک۔ لقد حکمت فقسطت یعنی خدا امیر المومنین کی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ اور اُس نے جو تجھے دیا ہی۔ اُس سے فرحت بخشے۔ اور سعادت کو پوری کرے۔ بیشک تو نے انصاف سے حکومت کی۔

جب وہ عورت یہ کہہ چکی۔ تو خلیفہ نے پوچھا کہ تو کون ہی؟

اُس نے کہا میں خاندان برامکہ کی ایک عورت ہوں جنکے مردوں کو تو نے ہلاک کیا دولت وثروت چھین لی۔ اور اُن کی فیاضیاں بند کر دی ہیں۔

یہ سُن کر خلیفہ نے کہا کہ مردوں کے بارے میں کچھ ہو نہیں سکتا۔ قضائے الٰہی جاری ہو چکی۔ البتہ مال تجھے واپس ہو سکتا ہی۔ پھر خلیفہ اہل دربار کی طرف مخاطب ہوا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے بھی کچھ سمجھا۔ اس عورت نے مجکو کیا کہا؟

سب یک زباں ہو کر بولے کہ جی ہاں اس نے امیر المومنین کو دعائیں دی ہیں۔

خلیفہ نے کہا کہ نہیں تم لوگ بالکل غلط سمجھے۔ یہ عورت مجکو دعائیں نہیں دیتی بلکہ کوستی ہی۔

پہلی بات تو وہ یہ کہتی ہی کہ "میں اندھا ہو جاؤں" کیونکہ آنکھوں کا نور حرکتوں سے ہے اور جب حرکت میں معمولی سکون ہو گا تو آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور بصارت زائل ہو جائے گی۔

دوسرا جملہ اس آیت سے لیا گیا ہی اذا فرحوبما اوتوا اخذ ناھم بغتۃ ہ یہاں تک کہ اُن کو جو نعمتیں دی گئی تھیں۔ جب اُن کو پاکر خوش ہوئے ہم نے اُن کو (عذاب میں) پکڑ لیا۔

تیسرا جملہ اس شعر سے مستنبط ہی ؎

اذا تمّ امرٌ بدء نقصہ　　ترقب زوالاً اذا قیل تمّ

یعنی جب کوئی کام پورا ہوجاتا ہی تو اُس میں کمی شروع ہوجاتی ہی اس لیے ہر چیز کے تمام ہونے پر زوال کا امیدوار رہنا چاہیے۔ کیا معنی کہ اب مجکو اپنے زوال سلطنت کا انتظار کرنا چاہیے۔

اور چوتھا جملہ اس آیت سے ماخوذ ہی واما القاسطون فکانو الجھنم حطبا یعنی جس نے سرتابی و نافرمانی کی وہ دوزخ کے کُندے بنے۔

اہل دربار ہارون کی اس نکتہ سنجی و موشگافی پر متعجب ہوئے۔ اور بہت تعریف کی۔

مگر ہم سے پوچھیے اور ایمان سے پوچھیے تو سراہنے اور ستائش کے قابل وہ خاتون ہے جس نے اس قسم کے کلام کہے جس کے سمجھنے کے لیے عوام قاصر تھے اور ہارون الرشید جیسے عالم و فاضل آدمی کو حل کرنے کی ضرورت پڑی۔

م - ح - ف دیسنوی
از بختیارپور ضلع پٹنہ

اسلام کی بے تعصبی

اس سے ہم کو انکار نہیں ہی کہ جملہ مذاہب میں بھلائی اور بُرائی کے احکام دییے گئے ہیں بُرائی کی سزا اور بھلائی کی جزا معقول طور پر بتائی گئی ہی۔ جو امور خلاف فطرت انسانی اور خلاف تہذیب ہیں وہ تمام مذاہب میں یکساں ممنوع ہیں یعنی کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں چوری اور دغابازی وغیرہ ذمائم اخلاق و

نہیں کی گئی بلکہ عام طور سے اجازت دی گئی کہ ہر شخص بے خوف وخطر اُس کے ادا کرنے میں دلیر ہو یہ جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں مذہبی آزادی کے لیے بڑی باتیں ہیں اور اسلام کی بے تعصبی کا قوی ثبوت ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اسلام کو غیر متعصب ہونے کے متعلق ہم اور ایک واقعہ ۹ ھ کا بیان کرکے اپنے بیان کی تصدیق کرانا چاہتے ہیں یعنی جب کہ بنی نوا کے عیسائی مدینہ منورہ میں آئے تو اُن کو جناب رسالت مآب نے خود اپنی مسجد میں اُتارا اور خاطر داری کی حالانکہ وہ رومن کتھلک عیسائی تھے۔ جب کہ اُن کی نماز کا وقت آیا اور اُنھوں نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ کو تردد ہوا اور بعض کو خیال آیا کہ ہماری مسجد سے باہر نماز پڑھیں لیکن ہمارے سرور کائنات نے جن پر ہم کو فدا ہونا چاہیے یہ حکم دے دیا کہ اسی مسجد میں نماز ادا کرلو۔

اسلام کی تاریخ اُٹھا کر دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کیسی مذہبی آزادیاں تھیں جو اسلام نے عطا کی تھیں اسی مذہبی آزادی کے متعلق ہم ایک اور واقعہ بھی یہاں پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔

جس وقت کہ ایران۔ دمشق۔ مصر کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے اور اسلامی حکومت وہاں پونہچی تو جو عہد نامجات لکھے جاتے تھے انہیں ہمیشہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تصریح کے ساتھ یہ شرط لکھتے تھے کہ تمام گرجے تمام معابد تمام خانقاہیں برقرار رکھے جائیں گے ان میں تمام مراسم مذہبی جس طرح ہوتے آئے ہیں ادا ہوتے رہیں گے اور غیر مذہب والوں کا کوئی شخص اسلامی مذہب کی وجہ سے سرکاری عہدوں سے برطرف نہ کیا جائیگا۔

(باقی دارد)

سینٹ المو

دیباچہ

یہ قصہ جسکا خلاصہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہی امریکہ میں کسی عورت نے انگریزی زبان میں لکھا تھا جسکو اتفاقیہ میں نے بھی دیکھا مجھے بہت ہی پاکیزہ و نصیحت آمیز و قابل پڑھنے اور غور کرنے دختران خوانده خاندان شرفا کے معلوم ہوا۔ لہذا میں نے خاص کر انہی کے فائدے کے لیے لکھنا شروع کیا ہی۔ ترجمہ نہیں ہی خلاصہ ہی۔

اکثر انگریزی خواں حضرت کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ مرد عورت دونوں اپنی اپنی پسند سے ہندوستان میں شادی کیا کریں۔ میری رائے اس کے خلاف ہے۔

اوّل تو ہندوستان کے شرفا خاندان میں رسم پردہ رائج ہے جس کی وجہ سے تعلیم مثل یورپین لیڈیوں کے محالات سے ہی۔ کیونکہ صرف کتابوں کا پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ تجربہ بھی درکار ہی اور اسکا کوئی موقع ان بیچاریوں کو علی الخصوص نہیں مل سکتا۔ دوم بلحاظ موسم گرم یہ ضرور ہی کہ لڑکی کی شادی ۱۶ سولہ ۲۰ بیس برس کی عمر میں کردی جائے۔ اور اسی طرح لڑکے کی ۲۰ بیس و ۲۴ چوبیس برس کی عمر میں شادی کردینی لازم ہی۔ برخلاف سرد ملکوں کے جہاں اکیس سال سن بلوغ کے لیے قانوناً قرار دیا گیا ہے اور شادی عموماً تیس و چالیس برس کی عمر میں ہوتی ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ ہندوستانی لڑکے و لڑکی کو اس قدر کم سنی میں کوئی تجربہ یا پختگی مزاج حاصل نہیں ہوسکتی۔ بدیں وجہ میری سمجھ میں اُن حضرات کی رائے صحیح نہیں بلکہ جب تک پردہ کی رسم بالکل اُٹھ نہ جائے والدین و دیگر محافظین کی پسند میں شادی ہونی مناسب ہے۔

جس آدمی نے تمام عمر تاریکی میں بسر کی ہو اسکو دوپہر کی روشنی میں یکایک لے آنے سے

کچھ نہ دکھائی دیگا بلکہ چکا چوند لگ جائے گی۔ یہ بعینہٖ کیفیت اُس لڑکی کی ہوگی جس نے ہمیشہ پردے میں بسر کی اور جس نے کبھی غیر مرد کی صورت نہیں دیکھی نہ کسی غیر شخص سے بات تک کی پھر ایسی حالت میں یکایک کسی غیر مرد سے ملاقات کے جو بد نتائج مرتب ہوتے ہیں اس کا اندازہ ناظرین خود فرما سکتے ہیں ۔ اور حق تو یہ ہے کہ کوئی بڑا تجربہ کار بھی کسی نوجوان کو دیکھ کر اُس کے عادات و خصائل کو نہیں جان سکتا ہے بغیر تجربہ مدت العمر کے ۔ چہ جائے کہ ایسی امید کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی سے کیجائے ۔ ہاں ایک ہی گھر کے لڑکا لڑکی ہوں تو اس کی بات دوسری ہے ۔

جن اقوام میں پردے کی رسم جاری نہیں ۔ اور جہاں نوجوان لڑکے و لڑکیاں ابتدائے عمر سے آزادی کے ساتھ باہم ملتی جلتی رہتی ہیں ۔ اور قبل نکاح کے ایک مدت تک اسی مناکحت کے خیال سے ایک دوسرے کے مزاج اور اتفاق طبیعت کو دیکھتی رہتی ہیں اور تعلیم یافتہ بھی ہوتی ہیں پھر بھی اکثر غلطی ہی کرتی ہیں ۔ جہاں اگر کوئی بڑا اختلاف نہیں ہوتا یا کوئی خاص سبب پیدا نہیں ہوجاتا وہاں کا پردہ فاش نہیں ہوتا ورنہ اکثر افسوس ہی کرتے ہیں مگر بدنامی کے خیال سے اظہار نہیں کرتے ۔ کمتر میاں بی بی ان میں بھی ہونگے جو فی الواقع خوش کہے جائیں ورنہ اکثر وضع نباہتے ہیں ۔

الغرض یہ قصہ اس بات کو ظاہر کرے گا کہ ایک ادنیٰ درجہ کی لڑکی کو کیا کیا مواقع اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانے کے حاصل ہوئے اور وہ اپنی پاکیزہ و قابل تحسین خیال و سمجھ پر باوجود طمع دنیاوی کے قایم رہی ۔ اور کسی طرح وہ خود بلا کسی یار و مددگار کے اپنی دلی خواہشات پر قادر رہی اور بالآخر اپنی ہی پسند کے قابل جب اپنے شوہر کو بنا لیا تب شادی کی ۔ اور پھر تمام عمر خوشی میں بسر کی ۔ مگر ہر خوبصورت و نوجوان لڑکی سے ایسی امید رکھنی صریح ظلم ہے ۔

یہ خلاصہ محض لڑکیوں کے پڑھنے و سمجھنے کی غرض سے لکھا گیا ہے جو میرے خیال

میں مذہباً و تعلیماً و اخلاق کی درستی کے لیے ان کے واسطے بہت مناسب ہے۔ اور بمقابلہ دیگر قصص بے ہودہ و مخش کے جیسے کہ رائج ہیں بہت ہی پاکیزہ اور مصلح ہے۔

میں نے اس قصہ کے حق تالیف کو اس وجہ سے محفوظ کرنا نہیں چاہا کہ فائدہ عوام کے لیے اگر کسی صاحب کا دل چاہے تو بہ نقل ایک کتاب کے چھپوائیں۔ اور کسی طمع سے یہ نہیں لکھا گیا ہے۔ میں نے اسکو بحق عام لڑکیوں کے وقف کر دیا ہے۔

باب اول

ایک چھوٹا قریہ جسکا نام چھمنگا ہے وہاں کا یہ واقعہ ہے۔ یہ قریہ دامن کوہ میں واقع ہے، جہاں کی مردم شماری دو سو سے کچھ اوپر تھی صبح کا وقت تھا جب تک آفتاب نہ نکلا تھا۔ اسی وقت ایک لڑکی ۱۲ برس کی عمر کی سر پر گھڑا رکھے پانی بھرنے جا رہی تھی۔ چشمہ گاؤں سے پورب کی سمت کو واقع تھا اور سامنے جنگل اور پہاڑ تھا۔ راستہ کٹنے کے خیال سے لڑکی بزبان حال (سونے کا گگرا گنگا جل پانی) اپنی باریک و سُریلی آواز و دُھن میں گاتی چلی جاتی تھی۔ چشمہ پر پہونچکر لڑکی نے گھڑا سر سے اُتار کر جگت پر رکھدیا اور صبح کے آفتاب کا نکلنا سویرے کی کرنوں کا پہاڑی مختلف بلند چوٹیوں پر پڑنا دیکھ رہی تھی۔ اُسوقت اُسیطرف سے دو پستولوں کی آواز جنگل میں سے ایک ساتھ لڑکی کے کان میں آئی۔ اس اچانک آواز سے لڑکی جھجک گئی اور معاً دیکھا کہ درختوں کی آڑ میں چند آدمی بھی ہیں اور ایک آدمی چاروں خانے چت زمین پر گرا پڑا ہے۔ لڑکی بے اختیار گھڑا چشمہ پر چھوڑ اُس مقام پر پہنچی جہاں پستول چلے تھے اور جہاں وہ شخص زمین پر پڑا تھا اور جس کے سینے سے تازہ خون نکل رہا تھا۔ جان نکل گئی تھی۔

لڑکی کی زبان سے بیساختہ قتل عمد۔ نکل گیا۔ دیگر اشخاص موجودہ کو اس نا آشنا آواز کے سننے سے لڑکی کا موجود ہونا محسوس ہوا۔ قاتل نے لڑکی سے پوچھا تو کون ہی یہاں تیرا کیا کام ہی۔

لڑکی۔ تو نے اسکو کیوں قتل کرڈالا۔ اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہ معاف کرے گا۔

قبل اسکے کہ قاتل کوئی جواب دے اس کے اور دوست آگئے اور کہا کہ کلنتن تم اب یہاں سے چل دو۔ ریل کا وقت بہت قریب ہی ورنہ ڈنٹ کا بھائی فساد برپا کریگا۔ کلنتن نے لاش کی طرف بھی نہیں دیکھا مگر لڑکی کی طرف بڑے غصہ کی نگاہ سے دیکھتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

لڑکی۔ کیا تم لوگ اس قاتل کو بلا قصاص کے کورا جانے دوگے؟

ڈاکٹر۔ اس کی سزا کوئی نہیں ہی۔ قانوناً یہ جرم نہیں ہی۔

لڑکی۔ کیا آدمی کے قتل کے بدلے آدمی پھانسی نہیں پاتا۔

ڈاکٹر۔ ہاں قاتل پھانسی پاتا ہی۔ مگر یہ قتل نہیں یہ ڈویل ہی جو قانوناً جائز ہی۔

لڑکی نے کبھی ڈویل کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ ڈاکٹر نے بتلایا کہ یہ معزز شریفانہ طریقہ بقاے سلامتی عزت کا ہی کہ دو آدمی برابر کھڑے ہوکر برابر کے امتیاز سے لڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کو زخمی کرتا یا مار ڈالتا ہی اور جو راستی پر ہوتا ہے اسکو خدا فتح دیتا ہے اور اس طرح سب نزاع کا فیصلہ ہوجاتا ہی۔

لڑکی۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی کتاب میں کسی قتل کو مستثنےٰ نہیں کیا۔ موت کی سزا موت ہی لکھی ہے۔

ڈاکٹر۔ اے بچّی تیرا کیا نام ہی اور کیا تیرا گھر یہاں سے قریب ہی۔

لڑکی۔ میرا نام اڈنا آرل ہی۔ جی ہاں میرا گھر بہت قریب ہی۔

ڈاکٹر۔ تیرا باپ اس وقت گھر پر ملیگا۔

لڑکی ۔ میرے باپ نہیں ہیں۔ میرا نانا ہے جو ابھی دوکان پر نہیں گیا ہوگا ۔
ڈاکٹر ۔ بیٹا تم اپنے گھر کی راہ ہم کو بتا دو ۔ ہم کو مدد کی بڑی سخت ضرورت ہے ہم یہاں جنبی جگہ کسی کو نہیں جانتے پہچانتے ۔
اڈنا ۔ جی بہت اچھا ۔ کیا اس لاش کو بھی آپ وہاں ہمارے گھر لیجائیے گا ۔
لڑکی کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر وغیرہ چلے ۔ لڑکی نے گھڑا پانی سے بھرا اور سر پر رکھکر آگے آگے چلی ۔ گھر کے پھاٹک پر جب پونہچی اور پھاٹک کھولا تب دیکھا کہ اُسکا نانا سیڑھی پر بیٹھا پائپ پی رہا ہے ۔ لڑکی نے اپنے نانا کے پاس جاکر کہا کہ آج اسی وقت صبح کو جنگل میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو مار ڈالا اور مقتول کی لاش گھانس پر بڑے درخت کے نیچے پڑی ہے ۔
نانا ۔ بیٹا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ کسنے مار ڈالا ہے ۔
ڈاکٹر ۔ گڈ مارننگ ۔ آپ کی نواسی نے اتفاقیہ یہ واقعہ دیکھ لیا ۔ ایک ڈویل ہوا جس میں مسٹر ڈنٹ زخمی ہوکر مر گیا ۔ میں آپ کی اجازت لینے آیا ہوں کہ آپ کے مکان میں ہم لاش کو لاکر رکھیں جب تک تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جائے ۔
اڈنا گھڑا پانی کا لیے ہوئے باورچی خانے میں گئی ۔ جہاں ایک اڈھیڑ عورت چالیس پچاس برس کی کچھ پکا رہی تھی ۔ اِڈنا کو آتے دیکھکر عورت نے غصہ میں آنکھیں نیلی پیلی کرکے اُس کی طرف دیکھا اور بولی کہ اتنی دیر تو آج کہاں رہی ۔ گھر میں اتنا پانی نہیں کہ میاں کے لیے چاے بنائی جائے ۔ میں خود آدھی دور تک تجھے ڈھونڈھنے گئی مگر تیرا پتہ نہیں لگا ۔ بتا اب تیری کیا سزا ہے ۔ میاں نے ابتک حاضری نہیں کھائی اور دوکان جانے میں دیر ہو رہی ہے ۔
یہ کہتی ہوئی وہ عورت اڈنا کی طرف لپکی مگر اڈنا کی حالت دیکھکر چیخ اُٹھی ۔ اڈنا تیری کیا حالت ہے ۔ تیرا تمام جسم کیوں کانپ رہا ہے ۔ کیا تجھ کو لرزہ آگیا ہے ۔

یا جنگل میں کوئی بھوت یا چڑیل تو نے دیکھی ہے۔

اِڈنا۔ آج صبح کو ایک آدمی نے میرے سامنے جنگل میں ایک آدمی کو مار ڈالا۔ اور مقتول کی لاش دیگر ساتھی اُس کے اسی مکان میں لاکر رکھیں گے اور جو زائد کچھ سُننا چاہتی ہو تو باہر جاکر سنو۔ ڈاکٹر نانا سے باتیں کر رہی۔

تھوڑی ہی دیر میں مسٹر ڈنٹ کی لاش لوگ مکان پر اُٹھا لائے اور پہلے اڈنا ہی کے بستر پر اُس لاش کو رکھا۔ سہ پہر کے قریب صندوق بن کر گاؤں سے آگیا اور لاش صندوق میں رکھی گئی۔ پہلے یہ صلاح ہوئی کہ اُسی بڑے درخت کے نیچے جہاں لاش پہلے پڑی تھی دفن کر دیں مگر پھر یہ صلاح ہوئی کہ ریل پر لاش لیجائیں۔ سب لوگ لاش کو مکان میں چھوڑ کر اسٹیشن پر لے جانے کے انتظام کے لیے گئے۔

شام کو اِڈنا نے دروازہ اُس کمرہ کا کھولا جہاں لاش کا صندوق رکھا تھا اور اندر گئی اور گودی میں پھول بھی لیتی گئی۔ لاش کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مقتول کا سن تیس سال کا ہوگا اور اُنگلی میں نکاح کا چھلا طلائی بھی تھا۔ لڑکی کو اُسی وقت خیال ہوا کہ مقتول کی بی بی بچے بھی ہونگے۔ اسی سوچ میں کھڑی تھی کہ اُسی وقت اُس کمرے میں ایک عورت جس کا سن شاید چوبیس سال کا ہوگا چیختی ہوئی ایک ضعیف مرد کے سہارے آگئی اور بے اختیار یہ الفاظ عورت کے مُونہ سے نکلے "ہائے! میرے شوہر! میرے میاں! اور لاش پر بیساختہ گر پڑی اور بیہوش ہوگئی۔ دیگر اشخاص اُس عورت کو بیہوشی کی حالت میں اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے جہاں ڈاکٹر نے ہوش میں لانے کی پہلے کچھ تدابیر کیں بعد ازاں کہا کہ فالج گرا ہے جس سے یہ جاں بر نہوگی۔ اور بڈھے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے اسی واسطے کہا تھا کہ پہلے دفن کر دینا بہتر ہے ناحق اطلاع کر دی۔ آپ اس عورت کو ناحق لائے

بڈہا مقتول کا باپ تھا جسنے ڈاکٹر سے کہا کہ میں نے بہت منع کیا مگر اس نے نہ مانا
اس کے دونوں چھوٹے بچوں کو اللہ تعالیٰ صبر دے۔ غرضکہ کچھ رات رہی عورت کی
بھی جان نکل گئی۔ صبح کو جب چند آدمی اور جمع ہو گئے۔ عورت کی لاش کو بھی اُسی صندوق
میں رکھ دیا اور اُسی درخت کے نیچے جہاں مسٹر ڈنٹ زخمی ہو کر گرا تھا اور مرا تھا قبر
کھود کر دونوں میاں بی بی ایک ہی صندوق ایک ہی قبر میں دفن کر دیے گئے
سب لوگ آخر چلے گئے۔ مگر ہفتوں اور مہینوں کے بعد بھی اڈنا کے سامنے سے وہ
سماں دفع نہ ہوتا تھا۔ اور اوّل اوّل کئی رات تک نیند اچھی طرح نہ آتی تھی اور خواب
پریشاں دیکھ کر ڈرتی تھی۔ مگر جب پانی بھرنے جاتی تھی روز جنگل کے پھول توڑ کر اُس
قبر پر چڑہا آتی تھی۔

اڈنا ارل کے ماں باپ دونوں ایسی کم سنی میں مر گئے تھے جبکہ اُس کو کچھ یاد
بھی نہ تھی۔ اڈنا کی ماں ارن ہنٹ گاؤں کے آہنگر کی بیٹی تھی۔ اور اس کا باپ نجار تھا
یہ نوجوان ۲۵ - ۲۶ برس کی عمر میں کسی چھت پر کام کرتا تھا وہاں سے اتفاقیہ گر کر مر گیا
اُس وقت اڈنا چھ مہینے کی تھی۔ برس کے اندر ہی اندر اڈنا کی ماں بھی چند روز بیمار
رہ کر مر گئی۔ یہ برس ڈیڑھ برس کی جان بیچارے آہنگر کے سر پڑی۔ لوہار کی پہلی
بی بی عرصہ ہوا مر چکی تھی۔ اسی نواسی کی خاطر اسکو دوسری شادی کرنی لازم ہوئی
اسی گاؤں میں ایک چالیس برس کی بیوہ عورت تھی اُس کے ساتھ لوہار نے شادی
کر لی تھی۔ یہ عورت اگرچہ رحم دل تھی مگر جاہل مطلق اور غصہ ور بھی تھی۔

اس طرح یتیم اڈنا اپنے نانا و سوتیلی نانی کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ ہم سایے
میں کوئی اُسکا ہم سن لڑکا یا لڑکی نہ تھی جس کے ساتھ کھیلتی۔ اُسی اپنے بڈہے
نانا سے جی بہلاتی تھی۔ خوش قسمتی سے لوہار بیچارے نے اپنے شروع میں کچھ
پڑھ لیا تھا اور وہ بھی اس قدر کہ انجیل پڑھ لیتا تھا اسی قدر اس نے اڈنا کو بھی پڑہایا

اور ہمیشہ علم کی فضیلت لڑکی سے بیان کرتا تھا اور دینداری اور ایمان داری کی باتیں بتلایا کرتا تھا۔ سوائے انجیل کے ایک لغت کی کتاب بھی اس کے پاس تھی اور اسکے علاوہ چند معمولی کتابیں کسی پادری کی اس مکان میں تھیں جو یکایک بیمار ہو کر اسی مکان میں مرگیا تھا اور کتابیں اُس کی لاوارثی پڑی رہیں۔ یہ کل کتب خانہ اڈنا کے لیے تھا۔ نانا کی باتوں سے لڑکی کے دل میں شوق پڑھنے کا ضرور تھا مگر بوجہ مفلسی کے کوئی ذریعہ نہ تھا کہ ترقی کرتی۔

گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر جہاں دو سڑکیں آکر ملی تھیں وہاں پر اس لوہار کی دوکان مختصر سی تھی۔ اور دوکان کی پشت پر ایک بڈھا گھوڑا بندھا گھانس کھایا کرتا تھا جو شام کو لوہار کو گھر پہنچاجاتا تھا اور پھر صبح کو دوکان پر لیجاتا تھا۔

ایک دن سات آٹھ مہینے بعد اس واقعہ کے جسکا تذکرہ اوپر لکھا گیا لوہار کو کام زائد تھا جس کی وجہ سے اس کو جلدی تھی وہ اپنا کھانا لیجانا بھول گیا۔ چنانچہ جب اڈنا کو خیال آیا کہ نانا آج اپنا کھانا نہیں لے گیا تب خود نانا کا کھانا لے کر گھر سے چلی۔ اور راستے میں کوئی مناجات گاتی ہوئی چلی جاتی تھی اور کچھ ایسی مصروف اپنے دُھن میں تھی کہ پیچھے سے جب تک ایک سخت آواز سوار کی نہیں سُنی کہ "تو کیا بالکل بہری ہو بتلا کہ لوہار کی دوکان اس گاؤں میں کہاں ہے" اُس وقت تک گھوڑے کے سُم کی آواز بھی اس نے نہیں سُنی تھی۔ پیچھے مُڑکر لڑکی نے دیکھا کہ ایک شخص بہت تیز گھوڑے پر سوار اُس کے قریب آگیا ہے۔ اُسی کی یہ آواز تھی۔ اور سوار نے گھوڑا روک لیا تھا اور جواب کا منتظر تھا۔

اڈنا۔ جی ہاں ا نصف میل آگے دوکان ہے جہاں دونوں سڑکیں ملی ہیں۔

سوار نے ٹوپی ہاتھ میں اُٹھائی اور گھوڑے کو ایڑ مار چل دیا۔ اڈنا جب دوکان پر پہونچی تب دیکھا کہ وہی سوار گھوڑے پر سے اُتر پڑا ہے اور دوکان کے آگے ٹہل رہا ہے۔

اور اُس کا نانا گھوڑے کا سُم اُٹھا کر دیکھ رہا ہی۔ یہ سوار بہت طاقت ور لانبا آدمی تھا جس کے کندھے پر ایک شال قیمتی پڑی تھی اور سمور کی ٹوپی سر پر تھی۔

لڑکی نے کھانا زمین پر رکھ دیا اور اپنے نانا سے لپٹ گئی اور پوچھا بتاؤ میں کیا لائی ہوں۔ نانا نے ہنس کر جواب دیا میں اپنا کھانا لانا بھول گیا تھا وہی تو لائی ہوگی۔ میری پیاری میرے پاس سے ہٹ جا ایسا نہ ہو کہ یہ شریر گھوڑا لات مارے اور تیرا بھیجا نکل پڑے۔

اُسی وقت سوار نے گالی دیکر کہا میں کب تک منتظر تیرے لیے کھڑا رہوں گا ذرا سے کام میں اتنی دیر لگا دی۔

لوہار۔ میں خود جلدی کر رہا ہوں مگر گھوڑا میرے قابو میں نہیں آتا۔

سوار نے شال کندھے سے اُتار کر گھانس پر ڈال دی اور گھوڑے کے پاس آکر گھوڑے سے ایسی زبان میں کچھ کہا جسکو کوئی اور نہ سمجھا مگر گھوڑا بالکل خاموش ہوگیا اور اپنے مالک کے شانے سے اپنا مونہ رگڑنے لگا۔ ذرا دیر میں لوہار کا کام ختم ہوگیا۔ اڈنا دوکان کے اندر چلی گئی تھی۔ وہ شخص گھوڑے پر سوار ہوگیا اور پوچھا تیری کیا اُجرت ہوئی۔ اور اپنی واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سونے کا ڈالر کا لکر لوہار کی طرف پھینک دیا اور یہ کہا کہ میرے پاس اس سے کم قیمت کا کوئی اور سکہ اس وقت نہیں ہی۔ لوہار نے اسی قدر جواب دیا کہ ایسے ذرا سے کام کی کوئی اجرت میں نہیں چاہتا۔ سوار چل دیا جب چند قدم گیا ہوگا تب اڈنا کی نگاہ شال پر پڑی اور شال اُٹھاکر سوار سے پکار کر کہا کہ آپ اپنی شال بھولے جاتے ہیں۔ سوار نے گھوڑا روک لیا اور لڑکی کے ہاتھ سے شال لے لی اور کہا لڑکی میں تیرا مشکور ہوا۔ اور گھوڑے کو مہمیز لگائی اور نظر سے غائب ہوگیا۔ (باقی دارد)

ملکہ الکزنڈرا کا خط

قوم کے نام

ملک معظم شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم آنجہانی کے انتقال پُرملال کے موقع پر شہنشاہ بیگم کے ساتھ مختلف طریقوں سے جب اظہار ہمدردی کیا گیا تو اسکے جواب میں بیوہ ملکہ نے ایک خط اپنے ہاتھ سے لکھا جس کا اطراف عالم میں آجکل بڑا چرچا ہے۔

شہنشاہ بیگم کے مصائب و آلام کا احساس جیسا کچھ ہماری خواتین فرماسکتی ہیں وہ کسی اور سے ممکن نہیں، اُنہیں خصوصیت سے بیوہ ملکہ کے ساتھ ضرور دلی ہمدردی ہوگی۔ اس لیے ملکہ کے جواب کا ان غائبانہ ہمدردوں تک پہونچنا بھی بہت ضروری ہے۔ لہذا اُس خط کا ترجمہ ناظرات خاتون کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

قصر بکنگ ہام

سہ شنبہ - ۱۰ - مئی سنہ ۱۹۱۰ء

میں اپنے دردرسیدہ۔ مصیبت زدہ اور شکستہ دل سے اپنی تمام قوم اور عزیز رعایا کا جس کے ساتھ ہم کو بے انتہا محبت ہے اس سچی اور دلی ہمدردی کے لیے شکریہ ادا کرتی ہوں جو اُس نے میرے بے پایاں غم و اندوہ اور ناقابل بیان مصیبت پر ظاہر کی ہے۔

اپنے پیارے شوہر کی وفات سے نہ صرف میں ہی تمام چیزوں سے

محروم ہو گئی ہوں بلکہ قوم کو بھی ایک بہترین دوست ۔ مہربان باپ اور شفیق حکمراں کے اس طرح اچانک اُٹھ جانے کا ناقابل تلافی صدمہ برداشت کرنا پڑا ہی۔

خدائے کریم ہم سب کو اس جانکاہ صدمہ اور روح فرسا مصیبت کے سہنے کی توفیق اور قوت عطا فرمائے ۔ خدا کی مرضی ہمیشہ پوری ہو کر رہتی ہی دعا کرو کہ میری جان زار کو تسکین اور دل کو قرار حاصل ہو۔ اور جو کچھ مجھے ابھی آیندہ برداشت کرنا ہی اُسے صبر و سکون کے ساتھ برداشت کروں۔

میں تہ دل سے ان تمام اظہارات ہمدردی اور خطوط تعزیت کے لیے شکریہ ادا کرتی ہوں جو میرے پاس ادنیٰ ۔ اعلیٰ ۔ امیر ۔ غریب ۔ ہر فرقے اور ہر طبقے کی طرف سے بکثرت وصول ہو رہے ہیں۔ اگر میں فرداً فرداً اُن بیشمار ہمدردوں کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں تو میرے لیے بالکل ناممکن ہے اور میں کبھی اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی ۔

میں اپنے پیارے لخت جگر کو آپ لوگوں کے سپرد کرتی ہوں ۔ مجھے اس بات کا علم اور یقین ہے کہ میرا عزیز فرزند اپنے شفیق محترم باپ کے نقش قدم پر چلے گا ۔ آپ لوگوں سے میری یہ استدعا ہی کہ آپ اُس کے ساتھ اسی وفاداری اور عقیدت مندی کا برتاؤ کریں جو اُس کے عزیز باپ کے ساتھ آپ کرتے تھے ۔

مجھے اس کا پورا یقین ہے کہ میرا پیارا نور نظر اور میری عزیز بہو دونوں اس بات کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے کہ وہ اپنے آپ کو آپ کی عقیدت مندانہ وفاداری کا مستحق ثابت کریں اور اس کی قدر کریں ۔ فقط ۔

(دستخط) الکزنڈرا

ملکہ نے اجازت دی ہی کہ اس خط کی نقل تیار کرا کے فروخت کی جائے اور اس طرح جو آمدنی ہو وہ کسی قومی کام میں صرف کی جائے۔ اب اس خط کے عکس مسرز ریفائل ٹک کے کارخانے میں تیار ہو رہے ہیں۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

زنانہ اسکول علی گڈہ

ہمارے کالج کے معزز و نامور ٹرسٹی جناب حاجی محمد موسیٰ خاں صاحب کی بیگم صاحبہ نے مہربانی سے گذشتہ مارچ میں زنانہ اسکول علی گڈہ کا معائنہ کیا تھا اور اُن کے ہمراہ حاجی صاحب موصوف کی دختر نیک اختر جنکا نوٹ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں تشریف لائی تھیں۔ اگر ہمارے قوم کے معزز شرفار کی لڑکیاں زنانہ اسکول میں ابھی سے ایک دلچسپی پیدا کریں تو اسکو ہم اسکول کی آیندہ ترقی کے لیے ایک نیک فال سمجھتے ہیں کیونکہ کسی زمانے میں یہی لڑکیاں جب معزز بیویاں بنیں گی تو مدرسہ کا چلانا اپنے اوپر فرض سمجھ کر اس کے استحکام کی ہر طرح سے کفیل و ضامن بن جائیں گی۔

اس نوٹ میں چند امور بطور آیندہ ہدایت کے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دوسرے شہروں میں لڑکیاں پیدل آتی جاتی ہیں اس سے کسی کو کہیں یہ خیال نہ گزرے کہ ہمارے مدرسہ کی حالت کے متعلق یہ ریمارک ہی۔ باقی اور جس قدر باتیں دلسوزی و ہمدردی سے اس معصوم اور نیک دل بچی نے ظاہر کی ہیں اُن پر ہماری معزز بیگمات کو غور کرنا چاہیے۔ اڈیٹر۔

۲۔ مارچ سنہ حال کو میری والدہ مکرمہ زنانہ مدرسہ علی گڈھ دیکھنے تشریف لے گئیں تھیں اور مہربانی کر کے مجھے بھی اپنے ہمراہ لے گئی تھیں۔ اسکول دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہی کہ ہر چہار جانب تعلیم نسواں کا چرچا ہوتا جاتا ہی۔ خداوند کریم راست لائے اور اس کے حامیوں کو جزاے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم لوگ بغیر اطلاع کیے گئے تھے اس لیے کہ اصلی حالت دیکھیں۔ لیکن اتنی امید نہیں تھی جیسی ترقی دیکھی۔ لڑکیاں بھی کافی تعداد میں تھیں اور پڑھائی بھی اچھی طرح ہو رہی تھی۔ جائنٹ سکرٹری صاحب کی بہن سے بھی ملاقات ہوئی وہ اُس وقت لڑکیوں کی پڑھائی وغیرہ کی نگرانی کر رہی تھیں۔ جو گفتگو والدہ صاحبہ اور بیگم صاحبہ سے مدرسہ کے متعلق ہوئی اُس کو سُن کر اور بیگم صاحبہ کے خیالات دریافت کر کے میں بہت خوش ہوئی۔ کاش کم از کم اسکول کے دیگر متعلقین کی بھی بیگم صاحبہ موصوفہ کی سی رائے ہو اور ایک رائے ہو کر اسکول کے کام کو اپنا سمجھ کر کریں تو یقین ہے کہ اسکول نہایت خوبی سے چل سکے گا۔ لیکن مسلمانوں میں اس قدر ملنساری کہاں ہی۔ اور خاص کر اسکول کے کام سے تو سب اس وجہ سے ڈرتے ہیں کہ خدانخواستہ کوئی بدنامی ہمارے سر نہ آئے۔

جب سر سید مرحوم نے کالج کھولا تھا تب اسی طرح مرد بھی ڈرتے تھے اور اب اس کے کام کو شرف سمجھتے ہیں۔ یہی نواب محسن الملک بہادر جنھوں نے اس قدر گرمجوشی سے کالج کا کام کیا۔ سید صاحب کے مخالف تھے جتنے پہلے ممبر کالج کے ہیں سب کو سید صاحب نے زبردستی ممبر کیا تھا۔ اُن دنوں کوئی اُن کا ساتھ دینے کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ یہی حال آج کل زنانہ اسکول کا ہی کہ کوئی اسکا اور اس کے حامیوں کا ساتھی نہیں۔ لیکن انشاء اللہ کسی روز یہی اسکول کالج کی طرح نام

پیدا کریگا اور اُس کے مخالفین پچھتائیں گے۔

میری ناقص رائے میں معزز بیگمات کو ہرگز کسی کے کہنے کا خیال نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ کارِ خیر ہی ضرور اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا اور اس کے حامیوں کو بدنامی سے بچائے گا انشاء اللہ۔

کم از کم علی گڈھ کی سب تعلیم یافتہ بیگمات کو خوب سرگرمی سے کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن ایک بات ضرور ہی کہ ابھی کم از کم جب تک بورڈنگ ہاؤس کا انتظام نہ ہو اُس وقت تک بڑی بڑی لڑکیاں اسکول میں داخل نہ ہوں۔ صرف گیارہ بارہ سال تک کی عمر کی لڑکیاں اسکول میں پڑھیں اس لیے کہ گھر سے اسکول کو روز کا آنا جانا ہی۔ جب اسکول بن جائے تب زیادہ عمر کی لڑکیاں بھی پڑھیں تو کوئی بُرائی نہیں۔ لیکن پھر روز کا اُن کا گھر جانا ملتوی ہو۔ اور اُن کے عزیزوں کو ہدایت ہو کہ جس کا باپ یا بھائی تعطیل کے روز خود لڑکیوں کو لینے آئیگا تو وہ بھیجی جائیں گی ورنہ پھر سات روز تک نہیں جاسکیتں اور گھر سے اسکول کو بھی کسی اپنے عزیز کو ساتھ لے کر آئیں۔

سُنا ہی کہ اور شہروں میں جہاں لڑکیوں کے اسکول ہیں بعض لڑکیاں جو اُسی شہر کی ہوتی ہیں تعطیل کے روز پیدل رات کے وقت اپنے گھر چلی جاتی ہیں اور پھر دوسرے روز پیدل ہی گھر سے اسکول آتی ہیں اتنی آزادی یہاں کے اسکول کی لڑکیوں کو ہرگز نہیں دینی چاہیے۔

جن لڑکیوں کو وظیفہ ملے دوسری لڑکیوں پر ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا خیال بھی چاہیے کہ وظیفہ کا تذکرہ علانیہ نہ کیا جائے اس تذکرے سے وظیفہ پانیوالی طالب علم کی قدرتی دلیری میں فرق آجاتا ہی اور وہ دب جاتی ہی پھر اُس کی رفتار مدھم ہو جاتی ہے۔

لباس بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ میری رائے میں عربی لباس مناسب ہوگا۔
تنگ پائجامہ نیچا کرتہ اور کرتے پر سدری اور ڈوپٹہ اوڑھکر بائیں (یعنی اُلٹے)
کندھے پر ڈوپٹہ میں سیفٹی پن لگانی چاہیے۔ رنگ بھی ایک ہی ہو اگر پاجامہ
اور سدری سیاہ۔ کرتہ اور ڈوپٹہ سرخ ہو تو مناسب ہوگا ورنہ کوئی اور ہی رنگ
ہو لیکن پاجامہ اور سدری کا ایک ہونا چاہیے اور دوپٹہ اور کرتہ ایک رنگ۔
ایک لباس ہونے میں امیر و غریب کی پہچان نہیں ہوتی۔ جیسا کہ کالج میں ہے
میری دعا ہی اور خدائے تعالیٰ سے امید بھی ہی کہ جیسا ہمارے کالج کا نام نیک نامی
کے ساتھ مشہور ہوا ہی ویسا ہی باری تعالیٰ لڑکیوں کے اسکول کا کرے۔
آمین ثم آمین۔

دختر کلاں حاجی موسیٰ خاں صاحب
از دتاولی

بقیہ شاہ لیر

کینٹ اسٹیج پر آتا ہی

کینٹ۔ یہ کون ہے۔
دیوانہ۔ واللہ یہاں پر ایک حضور عالی ہیں اور ایک خالی چنا۔ یعنی ایک عقلمند
آدمی اور ایک دیوانہ۔
کینٹ۔ ہائے افسوس! کیوں صاحب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ جو جانور
کہ رات کی تاریکی کے شائق ہوتے ہیں وہ بھی تو ایسی رات کا وقت پسند نہیں
کرتے جیسی کہ آج کی ہی۔ خشمناک ڈراونے سیاہ بادلوں سے رات کی تاریکی ہیں

پھرنے والوں کے دل دہل جاتے ہیں اور مارے ڈر کے وہ کھوؤں میں گھس جاتے ہیں۔ جب سے مجکو ہوش ہی میں نے ایسی آنکھوں کو چُندھیا دینے والی چمک اور ایسی دل کو ڈرا دینے والی گرج اور ایسی وحشت ناک ہوا اور مینھ کا طوفان نہ کبھی دیکھا اور نہ سُنا۔ انسان کی طبیعت اس مصیبت اور دہشت کی برداشت مشکل سے کرسکتی ہی۔

لیر۔ عالیشان دیوتا جو ہمارے سر پر ان مصیبتوں کا ہجوم لائے ہیں اُن کو اب موقع ہی کہ وہ اپنے دشمنوں کو اس وقت میں سزا دیں۔ اے ذلیل انسانوں جن کے دلوں میں جرم اور گناہوں کے راز پوشیدہ ہیں اور جنھوں نے اپنے جرموں کی سزا اس وقت تک نہیں بُھگتی ہے اب تم بھاگ جاؤ اور کہیں چھُپ جاؤ۔ تم جنکے ہاتھوں بیگناہوں کا خون ٹپک رہا ہی۔ تم جنھوں نے دروغ حلفی کیے ہیں۔ تم جو نیکی کا مونھ چڑاتے ہو اور اصل میں فاسق اور فاجر ہو۔ جاؤ اور اپنی کمینہ زندگی کے بچانے کی فکر کرو۔ اے بدبختو! تم پاش پاش ہوجاؤ جو اپنے ہر کام میں ظاہرداری برتتے ہو اور تمھارے دلوں میں دوسروں کے گلا کاٹنے کے لیے خنجر پوشیدہ ہیں۔ گناہگار دلوں کی تاریکی میں جو بدیاں چھُپ رہی ہیں وہ اپنے تاریک کونوں سے باہر نکلیں اور اس خوفناک گرج اور چمک سے اپنی نجات کی دعا مانگیں۔ میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ جس نے خود تو اس قدر گناہ نہیں کیے ہیں جس قدر دوسروں نے مجھے اپنے گناہوں کا نشانہ بنایا ہی۔

کینٹ۔ کس قدر سخت افسوس کی بات ہی کہ اس قدر سخت آندھی۔ مینھ گولہ باری۔ برف اور سردی کے وقت آپ ننگے سر جنگل میں پھر رہے ہیں حضور آپ مجھ پر مہربانی کیجیے۔ اور یہاں سے قریب ایک جھونپڑی ہے

اُس میں تشریف لے چلیے۔ امید ہو کہ اس جھونپڑی کے رہنے والے اس موسم کی سختی سے کچھ تو آپ پر رحم کرینگے۔ اور اس موسم کی سختی سے کچھ تو آپ کو پناہ دینگے۔ اور اتنے میں مَیں اُن سنگ دلوں کے پاس جاؤں جو اس عالیشان پتھر کے قلعے میں رہتے ہیں جنھوں نے ابھی مجکو تو اندر آنے کی اجازت نہیں دی لیکن حضور کے بارے میں دریافت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کو اندر آنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ ممکن ہو کہ وہ لوگ میری التجا کو قبول کریں اور حضور کو اندر گھُسنے کی اجازت دیں۔

لیر۔ اب تو میرے حواس خبط ہوئے جاتے ہیں (دیوانہ سے) چل لڑکے آگے چل۔ کیوں لڑکے تمھاری حالت کیا ہے۔ تم تو سردی میں ٹھٹھرے جاتے ہو۔ مجھے بھی سخت سردی لگ رہی ہے (کینٹ سے) بھائی اُس جھونپڑی ہی کا پتہ دو کہ کہاں ہے۔ ہماری ضرورتیں بھی بعض وقت عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے ذلیل اور ادنی ادنیٰ چیزیں بھی بڑی عالیشان معلوم ہونے لگتی ہیں۔ چلو بھئی چلو جھونپڑی کی طرف چلو (دیوانہ کی طرف) بیچارے دیوانے ابھی تک میرے دل میں انسانی ہمدردی کا ایک شمہ باقی ہے جس سے مجھے تمھاری مصیبت دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہو۔

لیر۔ ہاں لڑکے ٹھیک کہہ رہا ہو۔ (کینٹ سے) چلو بھئی وہ جھونپڑی کہاں ہے۔

(کینٹ اور لیر چلے جا رہے ہیں)

دیوانہ۔ میں اپنے جانے سے قبل ایک پشین گوئی کرنا چاہتا ہوں۔

(پیشین گوئی) جبکہ مذہبی پیشوا اصلیت کو چھوڑ کر صرف لفاظی پر اُتریں گے اور جبکہ شراب بنانے والے اپنی شراب میں پانی ملا کر اسکو خراب کرنے لگیں گے۔ جبکہ اعلیٰ طبقے کے لوگ اپنے لباس کی کتر بونت میں دن رات

اپنا صرف کرنے لگیں گے۔ اور جبکہ بدعتی لوگ آگ سے جلائے نہیں جائینگے اور جبکہ اس ملک پر اندھیر نگری چوپٹ راجہ کی مثل صادق آنے لگے گی۔ اور جبکہ کسی سپاہی پر قرض نہیں ہوگا اور کوئی سردار بھوکا نہیں مریگا۔ اور جبکہ لوگوں کی عیب گوئی زبانوں پر باقی نہیں رہے گی۔ اور جبکہ گانٹھ کٹے میلوں ٹھیلوں میں آنا بند کر دینگے۔ اور جبکہ سود خوار کھلے میدانوں میں اپنی اشرفیاں گنا کرینگے۔ اور جبکہ بدکار عورتیں مسجدیں تعمیر کرانا شروع کریں گی۔ اُس وقت انگلستان کے ملک میں حشر برپا ہوگا۔ وہ ایک وقت ایسا ہوگا جو زندہ رہیں گے اُسے دیکھیں گے کہ لوگ اُس وقت اپنے پاؤں پاؤں چلنا شروع کرینگے۔ یہ پیشین گوئی میرے بعد دوسرے ولی خدا جناب مسٹر مرلن صاحب اکثر لوگوں کو سُنائیں گے کیونکہ میں تو پہلے ہی مرجاؤں گا۔

سین تیسرا

قلعہ گلاسٹر کا ایک کمرہ

گلاسٹر اور اڈمنڈ داخل ہوتے ہیں۔

گلاسٹر۔ افسوس صد افسوس! اڈمنڈ میں اس قسم کا سلوک جوان بیٹیوں نے اپنے باپ سے کیا ہی کسی طرح پسند نہیں کرسکتا ہوں۔ میں نے جب اُن سے اجازت چاہی کہ میں بادشاہ سے کچھ ہمدردی کروں اور اُن کو گھر میں بُلالوں تو اُن کمبختوں نے میرے پاس سے چابیاں چھین لیں۔ اور میرے قلعہ پر خود قبضہ کرلیا۔ اور مجکو حکم دیا کہ اگر تم اُن کی نسبت کبھی بات کروگے یا سفارش کروگے یا کسی طرح سے اُن کو مدد دوگے تو ہم ہمیشہ کے لیے تم سے ناخوش ہونگے۔

اڈمنڈ۔ یہ حرکت نہایت وحشیانہ اور خلاف فطرت ہے۔

گلاسٹر۔ چپ چپ تم اپنی زبان سے کچھ مت کہو۔ تمھیں معلوم ہی کہ ان دونوں شہزادوں کے درمیان سخت اختلاف واقع ہوا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ایک وحشتناک خبر ہی جس کے بارے میں آج رات میرے پاس ایک خط آیا ہی اُس کے متعلق ذکر کرنا بھی خطرناک ہے۔ میں نے اُس خط کو اپنی الماری میں تالے کے اندر بند کر دیا ہی۔ یہ بدسلوکی اور صدمات جو بادشاہ کو برداشت کرنے پڑے ہیں ان کا انتقام بہت پورے طور سے لیا جائے گا۔ ایک فوج کا دستہ پہلے ہی کنارے پر پہونچ گیا ہی۔ ہم کو بادشاہ کا ساتھ دینا چاہیے۔ میں ابھی جاتا ہوں کہ خفیہ خفیہ بادشاہ سلامت کی کچھ مدد کروں۔ تم جاکر شاہزادہ کو باتوں میں لگا لو تاکہ اُن کو یہ معلوم نہو کہ میں بادشاہ کی مدد کر رہا ہوں۔ اگر وہ میری نسبت دریافت کریں تو کہدو کہ میں بیمار ہوں اور سو گیا ہوں۔ گو وہ مجکو موت کی دھمکی دیتے ہیں لیکن میں اپنے آقا کی ضرور مدد کرونگا چاہے اسکا نتیجہ موت ہی کیوں نہ ہو۔ ایڈمنڈ! کچھ عجیب وغریب حالت آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہی ہی تم میرا کہا مانو اور بڑی احتیاط کرو۔ (گلاسٹر چلا جاتا ہی)

ایڈمنڈ اچھا اب موقع ہی۔ باوجود منع کرنے کے میرا بڈھا باپ بادشاہ سے سلوک کرنے گیا ہی میں اس کی اطلاع ابھی شاہزادہ کو جاکر دیتا ہوں۔ اور اُس خط کی بھی اطلاع ان کو دینی ضرور ہے گو اس میں میرے باپ کو بہت نقصان پہونچے گا۔ لیکن اُس کے نقصان میں میرا فائدہ ہے۔ اور شاہزادہ اس سے بڑھ کر اور کسی بات کو خیرخواہی نہ سمجھیں گے۔ اور بڑی بات تو یہ ہے کہ اب بڈھے کے گرنے اور بچے کے اُبھرنے کا وقت آگیا ہے۔

(اسٹیج سے چلا جاتا ہی)

چوتھا سین

جنگل

جھونپڑی کے سامنے لیر، کینٹ اور دیوانہ کھڑے ہیں

کینٹ - حضور وہ یہی جھونپڑی ہی - میرے مہربان آقا. اس کے اندر تشریف لے چلیے. کُھلے میدان میں ہوا اور موسم کی سختی انسان کے لیے بالکل ناقابل برداشت ہے -

لیر- چلو مجھے مت چھیڑو. مجھے اپنی حالت پر رہنے دو -

کینٹ - مہربان آقا. اسی کے اندر تشریف لے چلیے -

لیر- کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسی ذلیل جھونپڑی میں جاکر اپنی ذلت کے صدمے سے مرجاؤں -

کینٹ - میں چاہتا ہوں کہ قبل اسکے کہ آپ مریں میں ہی مرجاؤں (موئنھ دوسری طرف کرکے آنسو بہاتا ہی) میرے پیارے آقا موسم نہایت سخت ہی آپ اندر تشریف لے چلیے -

لیر- شاید تم یہ خیال کرتے ہو کہ یہ پانی کی بوچھار اور سرد ہوا جو ہمارے جسم کو تر اور ٹھنڈا کیے دیتے ہیں یہ کوئی بڑی سختی اور مصیبت کی بات ہی - ہاں بے شک تمھارے لیے تو اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہی لیکن تم کو معلوم ہے کہ انسان کے جسم میں اگر کوئی بہت سخت درد ہوتا ہی تو معمولی تکلیف اُسکو کبھی محسوس نہیں ہوتی - اس موسم کی سختی میرے لیے معمولی تکلیف ہی - جبکہ ناشکرگزار بیٹیوں کی نامہربانی. اور ناشکرگزاری کے زہریلے اور تیز تیز تیر میرے دل میں لگ رہے ہیں اور نہایت شدید درد پیدا ہو رہا ہی - اگر کسی کو راستے

میں ریچھ ملجائے تو اُس کی دہشت سے انسان ضرور بھاگے گا۔ لیکن اگر سامنے سمندر کی طوفان خیز موجیں نظر آتی ہوں تو وہ لوٹ کر ریچھ کا مقابلہ کرنا بہتر سمجھے گا بہ نسبت اسکے کہ وہ سمندر میں یکایک غرق ہوجائے۔ جب انسان کے دل میں کوئی فکر نہیں ہوتی تو اُسکو جسم کی آسایش کا خیال آتا ہی لیکن تم کو معلوم ہے کہ وہ طوفان جو میرے دل میں برپا ہی اُسی نے اس طوفان کو جس سے تم ڈرتے ہو اور مجھے ڈراتے ہو میری نگاہ میں بالکل بے حیثیت کر دیا ہی اور مجکو اُس کی سختی ہرگز محسوس نہیں ہوتی۔ اولاد کی ناشکرگذاری! تیرا بُرا ہو۔ کیا اولاد کی ناشکرگزاری ایسی نہیں ہی جیسے ہمارے دانت اُس ہاتھ کو جو موںھ میں لقمہ دے پھاڑ کھائیں؟ خیر اب میں زیادہ رونے دھونے پر اپنا وقت صرف نہ کرونگا ان بدذاتنیوں کو سزا دونگا۔ ہاے غضب ایسی رات میں مجھے گھر سے نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ او آسمان کے سیاہ سیاہ بادل اپنے خزانوں میں سے ٹھنڈے ٹھنڈے برف گراے جا۔ میں سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہوں اور یگن! اگانرل! یہاں پر تمھارا بُڈھا باپ سرد ہَوا اور مینھ میں کھڑا ہے۔ یہ وہی تمھارا باپ ہے جسنے مہربانی سے سب اپنی سلطنت تمھارے حوالے کردی۔ ہیں ہیں یہ خیالات مجکو دیوانہ کر دیں گے میں ان خیالات کو اپنے دل میں جگہ نہیں دوں گا۔ میں ان خیالات سے باز آنا چاہتا ہوں۔

کینٹ۔ حضور انور۔ چلیے اندر تشریف لے چلیے۔

لیر۔ مہربانی سے آپ خود ہی جائیے اور اپنے آرام کے سامان کیجیے۔ یہ صدمہ جو میرے دل پر ہی مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں کسی ایسی تکلیف کا خیال دل میں لاؤں جو مجھے اس سے زیادہ رنج پہونچا سکتی ہی۔ مگر خیر میں اندر چلتا ہوں (دیوانہ سے) چل لڑکے سب سے پہلے تو ہی چل۔ مجھے تیری حالت پر

رحم آتا ہی۔ چل اندر چل۔ میں پہلے دعا مانگوں گا اور پھر سو جاؤں گا۔

(دیوانہ اندر جاتا ہے)

لیر۔ وہ دنیا کے مصیبت زدہ ننگے بھوکے مفلس لوگ جہاں کہیں بھی ہوں جو اس طوفان اور مینھ اور گولہ باری کی مصیبتیں جھیل رہے ہوں گے ایسی حالت میں تمھاری مصیبت کا خیال مجکو سب سے پہلے آنا چاہیے تھا لیکن اپنی مصیبت میں میں تمھاری حالت کو بھول گیا۔ اے غرور۔ تمول اور شان و شوکت تجھے اگر اپنی اصلاح منظور ہو تو اپنے کو اُسی حالت میں ڈال جس میں کہ مصیبت زدہ لوگ رہتے ہیں تاکہ تجھے حقیقت معلوم ہو جائے اور تو کسی وقت میں مصیبت زدوں کی کچھ مدد کر سکے۔ اور خدا تم پر بھی رحم کرے۔

ایڈگر (جھونپڑی کے اندر سے چونکتا ہی) سو سو گز گھیرا ہے۔ سو سو گز گھیرا ہی

(دیوانہ جھونپڑی سے باہر بھاگتا ہی)

دیوانہ۔ چچا صاحب یہاں مت آئیے یہاں مت آئیے۔ یہاں ایک بھوت ہے، میری مدد کیجیے۔ میری مدد کیجیے۔

کینٹ۔ کیا ہی بھئی۔ یہاں کون ہی۔ کیا کہتے ہو۔

دیوانہ۔ ایک بھوت ہے۔ ایک بھوت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا نام ٹوم ہے۔

کینٹ۔ تم کون ہو۔ اندر کیا کر رہے ہو۔ ذرا باہر تو آؤ۔

(باقی دارد)

اڈیٹر

اڈیٹوریل

پردہ۔ بعض لوگوں کے نزدیک پردہ محض ایک سوشیل رسم ہی اور مذہب کا کوئی خاص حکم اسکے متعلق موجود نہیں ہی۔ برخلاف اسکے ایک بڑے گروہ اہل اسلام کا اسپر اتفاق ہی کہ پردے کی ابتدا احکام خدا اور رسول پر مبنی ہی۔ جو لوگ پردہ کو احکام مذہب سے خارج سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی حکم عام مسلمات کے پردہ کی نسبت نہیں ہی بلکہ پیغمبر خدا کی بیبیوں یا امہات المومنین کے لیے خصوصیت کے ساتھ حکم آیا ہی۔ اگر عام مسلمات کے لیے بھی پردہ کی تاکید مقصود ہوتی تو خصوصیت کی کیا وجہ تھی اور جب ایک حکم خاص کر دیا گیا تو پھر اُس میں کھینچ تان کی کیا ضرورت ہی۔ عام مسلمات کو اس حکم میں شامل کیوں کیا جاتا ہے۔

یہ حضرات دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ احادیث میں بھی پردہ کی کوئی خاص صراحت نہیں ہی اور برخلاف اس کے فقہ کی کتابوں میں بھی صاف طور پر صراحت کر دی گئی ہی کہ موںھ اور ہاتھ کا پردہ نہیں ہی۔ چنانچہ شرع شریف کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہدایہ میں جو تمام اہل سنت والجماعت کا دستور العمل ہے واضح طور پر موجود ہی کہ موںھ اور ہاتھ کا پردہ نہیں ہی۔ پس اس گروہ کے حضرات کے نزدیک پردہ محض ایک رسمی چیز ہے اور زمانۂ حال میں مہذب دنیا کے سامنے ہم کو اس رسم کی وجہ سے شرمندہ ہونا پڑتا ہی کہ ہم اپنی عورتوں کو ہمیشہ قید میں بند رکھتے ہیں۔ علاوہ بریں پردہ نشین عورتوں کی صحت کبھی ٹھیک نہیں رہ سکتی اور اس سے بچوں کی صحت پر بھی بُرا اثر پڑتا ہی اور ہماری نسل روز بروز کمزور اور بودی ہوتی جاتی ہے۔

دوسری جانب سے یہ کہا جاتا ہے اور اس پر تمام علمار اور قریب قریب جمہور اہل اسلام اور بالخصوص مسلمانان ہند کے بہت بڑے گروہ کا اتفاق ہے کہ پردے کی پابندی عین احکام اسلام کی تعمیل ہے اور جو لوگ اسکے خلاف کہتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ آیات قرآنی میں سے کوئی آیت پردے کی نسبت بطور سند کے پیش نہیں کیجا سکتی۔ البتہ متعدد احادیث موجود ہیں جن میں پردے کی تاکید آئی ہے۔ اور نیز جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر کا طرز عمل بطور نظیر کے ہمارے سامنے موجود ہے۔

پیغمبر خدا کے زمانے کی دیگر مستورات اور بالخصوص صحابی عورتوں کے متعلق ٹھیک ٹھیک نہیں کہا جا سکتا کہ آیا وہ بھی پردہ کرتی تھیں یا نہیں یا اُن میں سے بعض پردہ کرتی تھیں اور بعض نہیں کرتی تھیں۔ عورتوں کے متعلق مسلمان مورخین بہت ہی کوتاہ قلم معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں پر اُنہوں نے دیگر پہلوؤں سے فن تاریخ نویسی کو درجہ اوج تک پہونچایا ہے وہاں پر اُنہوں نے ہم کو عورتوں کے مفصل حالات سے محروم رکھنے میں بھی کمی نہیں کی۔ اس سے ہم یقینی طور پر کبھی نہیں کہہ سکتے کہ آنحضرت کے زمانے میں اور اُن کے بعد حضرات خلفار راشدین کے زمانے میں عام مسلمان عورتوں کی کیا حالت تھی ایا وہ زمانہ حال کی طرح پردے میں رہتی تھیں یا پردہ محض ایک اختیاری چیز تھی جسکا دل چاہا پردے میں بیٹھی اور جسکا دل چاہا نہ بیٹھی۔

انفرادی طور پر عورتوں کے حالات اور واقعات جو وقتاً فوقتاً رسالہ خاتون میں شائع ہوتے رہے ہیں اُن سے یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ عام طور پر پردے کی پابندی لازمی نہ تھی۔ عورتیں جنگ میں جاتی تھیں۔ گھوڑوں پر سوار

ہوتی تھیں۔ مردوں کی طرح تلوار مردوں پر چلاتی تھیں۔ زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں اور میدان جنگ سے اُٹھا کر امن کے مقام پر پہونچانے میں مدد دیتی تھیں۔ اکثر احادیث سے ثابت ہی کہ عورتیں آنحضرت کے پاس عام مجمعوں میں آکر سوال کرتی تھیں اور آنحضرت اُسکا جواب ارشاد فرماتے تھے اور اسی طور پر یہ بھی ثابت ہی کہ خلافت راشدہ کے زمانے میں عورتیں دربار میں برملا آکر خلفار کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتی تھیں اور سرکار دربار کے متعلق جو کام ہوتے تھے اسکو خود انجام دیتی تھیں۔ لیکن اس میں پھر یہ کہا جا سکتا ہی کہ ممکن ہی وہ برقعے اوڑھکر آتی ہوں اور مرد اُن کا مُونھ اور ہاتھ نہ دیکھ سکتے ہوں گے جس سے حامیان پردہ قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ برقعہ کا استعمال ہوتا تھا۔ اسی طور پر مخالفین پردہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔

اب سوال یہ ہی کہ بالفرض اگر پردے کے احکامات قرآن اور حدیث میں موجود نہ بھی ہوں اور عام طور پر قرون اولی کی مسلمان عورتیں پردہ نہ بھی کرتی ہوں تو پھر کیا رسم پردہ یک قلم موقوف کرنے کے قابل ہی۔ دنیا میں رسمیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی اور غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہماری تمدنی زندگی کی اکثر باتیں رسم و رواج پر مبنی ہیں۔ جو باتیں بزرگوں کے زمانے سے چلی آتی ہیں خواہ وہ مذہبی احکامات پر مبنی ہوں یا نہوں اون پر بلا کافی غور اور تامل کے حملہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی بات تو ہوگی کہ جس کی وجہ سے کسی زمانے میں کل مسلمان اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ مستورات کو غیر مردوں کے سامنے بے حجاب نہیں آنا چاہیئے کوئی بہتری تو پردے میں مخفی ضرور تھی کہ جس کی وجہ سے امہات المومنین کے لیے خصوصیت کے ساتھ پردے کے متعلق وحی آتی تھی۔ کوئی بہتری اور مصلحت تو اب بھی ہماری نگاہ کے سامنے ہی جس کی وجہ سے غیر مردوں سے حجاب کرنا

ہمیں عورتوں کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہی۔
ناظرین کو یہ بات معلوم ہی کہ ایشیا کی کل اقوام میں خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا بودہ مذہب۔ شروع زمانہ تاریخ سے آجتک عورتوں اور مردوں کے درمیان اُس طریقہ کا اختلاط باہمی روا نہیں رکھا گیا جسکو اقوام یورپ نے روا رکھا ہی۔ اکثر ہندو عورتیں بھی اس قسم کا پردہ نہیں کرتیں جسکو عرف عام میں پردہ کہا جاتا ہے۔
یعنی مکان کی چہار دیواری کے اندر محصور نہیں رہتیں اور صبح کے وقت دریاؤں اور تالابوں پر نہانے کے لیے جاتی ہیں۔ لیکن اُن میں جوان عورتیں جب عام طور پر بازار میں نکلتی ہیں تو گھونگٹ نکال کر نکلتی ہیں یعنی چہرے کا حجاب کرتی ہیں۔ اور گھروں میں مرد اور عورتیں کبھی مل کر ایک جگہ نہیں بیٹھتے بلکہ مردوں کے بیٹھنے اُٹھنے کی جگہ الگ ہوتی ہی اور عورتوں کی الگ۔ چین میں بھی یہی حالت سُنی ہی۔
اسلامی ممالک میں دوسری ہی قسم کا پردہ کیا جاتا ہی جو ہندوستان کے مسلمانوں سے تو ضرور مختلف ہی مگر اکثر ہندوؤں اور چینیوں کی نسبت بہت زیادہ سختی ہی۔ پس ایشیا کی کل اقوام کی طبائع مرد اور عورت کے بے تکلفانہ اختلاط باہمی کے خلاف ہیں۔
پس جو لوگ اس قسم کی بے حجابی کے حامی ہیں جیسی کہ اقوام یورپ میں ہیں اُنہوں نے ملکی اثرات اور قومی رجحان طبائع کا مطلق کچھ لحاظ نہیں کیا۔ اور برخلاف اسکے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ چہار دیواری کے اندر مقید رہنا ہی پردہ ہے وہ بھی پُرانی لکیر کے فقیر بن گئے ہیں اور اُن کو جاننا چاہیے کہ اگر ایک فریق تفریط کی حالت کو پہونچا ہی تو وہ خود بھی افراط کے مرتکب ہیں۔ اور افراط

اور تفریط دونوں کے خلاف ہمارے رسالت مآب نبی برحق کا فتویٰ ہی۔

ہمارے معزز و مخدوم دوست اُردو شاعری کے برگزیدہ رکن جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج ہم کو پردے کا مخالف خیال فرماتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں دست بستہ گذارش ہی کہ وہ ہماری مذکورہ بالا رائے کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور اُس سے جو کچھ نتیجہ اخذ ہو اُس کے لحاظ سے ہم کو ملزم قرار دیں۔ اور اگر مذکورہ بالا خیالات کے لحاظ سے ہماری رائے پردے کے خلاف ہی تو ہم اس درجہ تک موجودہ پردے کی مخالفت کا الزام اپنے اوپر لینے کو آمادہ ہیں۔

لیکن ہم کُل حامیان پردہ کی خدمت میں ملتمس ہیں کہ وہ شروع سے آجتک کے تمام خاتون کے فائل اُٹھا کر ملاحظہ فرمائیں کہ ہم نے کبھی اس بات کی تائید نہیں کی کہ عورتیں بے حجاب مردوں کے سامنے آئیں۔ ہم ہمیشہ اس بات کے حامی رہے ہیں اور اب بھی ہیں کہ مثل اور اسلامی ممالک مصر۔ ٹرکی۔ شام۔ عرب۔ ایران اور کابل کے مستورات برقعے اوڑھکر اور پورے حجاب کے ساتھ باہر نکلیں اور اپنے ضروری کاروبار کو انجام دینے کے علاوہ اپنی صحت جسمانی کو قائم رکھیں۔

لیڈیز کانفرنس

ہم کو اس بات کے دیکھنے سے انتہا درجہ کی خوشی ہوئی ہی کہ جس قدر اُردو کے رسالے حمایت تعلیم نسواں میں مدد دے رہے ہیں۔ اُن سب میں رسالہ الناظر کی توجہ اور کوشش بہت زیادہ نمایاں ہی۔

لیڈیز کانفرنس کے متعلق جو بحث رسالہ مذکور میں ہو رہی ہے اُس سے جناب اڈیٹر صاحب کی خالص ہمدردی اور بے لاگ کوشش کا پتہ چلتا ہے اڈیٹر صاحب الناظر نے اگست کے نمبر میں اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اب زیادہ غور اور تامل کا موقع نہیں ہے۔ ہمیں فوراً لیڈیز کانفرنس کے متعلق کوئی عملی تجویز پیش کرنی چاہیے۔ اور جہانتک ممکن ہو یہ کام شروع کرنا چاہیے۔

اڈیٹر صاحب کے جوش اور ہمدردی کے شکریہ کے ساتھ اس بات کی بھی التماس ہے کہ اگر کسی معاملہ میں کُل قوم یا اُس کا ایک معتدبہ حصہ ہمارے ساتھ شرکت کے ساتھ تیار نہو تو پھر دہی فرمائیں کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے۔

لیڈیز کانفرنس کا انعقاد ایک ضروری امر ہے اور سال دو سال میں اُسکا عملی نتیجہ ضرور ظہور پذیر ہوگا۔ لیکن سب حامیان تعلیم نسواں سے اس وقت یہ گذارش ہے کہ وہ کسی خاص بات پر اتفاق قائم فرماکر خاکسار اڈیٹر کو اطلاع دیں تاکہ اُسی رائے کے لحاظ سے کام شروع کیا جائے۔

رقومات مندرجۂ ذیل تعلیم نسواں فنڈ میں وصول ہوئیں۔ عطا کنندگان کے اسمائے گرامی نہایت شکریہ کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ سید خورشید علی صاحب خورشید کا ٹیج حیدرآباد دکن للعہ

۲۔ مسیز حشمت اللہ خاں صاحب گوالیار سٹیٹ ۵ر

۳۔ مسیز محمد احمد میرزا صاحب صر

۴۔ عطیہ گورنمنٹ گرانٹ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء	مالعہ ۸/۶/۹
۵۔ عطیہ گورنمنٹ گرانٹ بابتہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء	لعہ ۸/۶/۹
۶۔ عطیہ ریاست ٹونک از دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء لغایتہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء	ما/صہ
۷۔ سید خورشید علی صاحب خورشید کا ٹیج حیدر آباد دکن	للعہ ۴/
۸۔ مولوی نیاز محمد خاں صاحب پلیڈر جالندھر	عہ/
۹۔ سید خورشید علی صاحب حیدر آباد دکن	للعہ ۳/
۱۰۔ عطیہ ریاست بہاول پور واسطے سنہ ۱۹۱۰ء	سمار/
۱۱۔ عطیہ ریاست خیر پور میرس ″	سمار/
۱۲۔ عطیہ گورنمنٹ گرانٹ بابتہ ماہ مئی ″	ماللعہ ۱۴/۱۱/۹
۱۳۔ عطیہ ریاست ٹونک ″ ″ ″	صہ/
۱۴۔ عطیہ گورنمنٹ بابت ماہ جون ″	ماعہ ۱۳/۱۰/۹
۱۵۔ عطیہ ریاست ٹونک ″ ″ ″	صہ/
۱۶۔ عطیہ ریاست بھوپال بابتہ سال سنہ ۱۹۱۰ء	الـ مار
۱۷۔ سید خورشید علی صاحب حیدر آباد دکن	للعہ ۳/

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۸	بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۱۰ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

۱۰۔ ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء

شیخ عبد اللہ بی اے پبلشر نے علی گڈھ سے شائع کیا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت (دیے) اور ششماہی عہ ۱/۱۲ ہے۔

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے گا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

فتح اندلس

(سلسلے کے لیے دیکھو نمبر ماہ جولائی)

چنانچہ ایک دفعہ تو عیسائیوں کے اُکھڑتے اُکھڑتے پاؤں جم گئے اور اُنھوں نے مسلمانوں پر ایسا جی توڑ کر حملہ کیا کہ اگر اُس وقت طارق جیسا بہادر جنرل نہ ہوتا تو لڑائی کا پاسہ بالکل برعکس پڑتا۔ اُس نے بہادران عرب کو خدا کا وعدہ یاد دلایا اور کہا کہ آگے دشمن پیچھے دریا۔ اس وقت ہمت کی تو میدان تمھارا ہی۔ اس پر شجاعان اسلام نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے غازیوں کے نعروں سے دشمن کا زہرہ پانی پانی ہوگیا اور ایک ہی حملے میں غروب آفتاب سے پہلے عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی زارزرق مارا گیا اور گسٹائل خاندان کا جھنڈا سرنگوں ہوگیا۔ یہ نہایت عبرت ناک سماں تھا۔

اس لڑائی سے اندلس کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔ بہادران اسلام کی تلوار کا دھاکہ سارے ملک میں پڑگیا۔ طارق نے اپنے جنرل مختلف شہروں کی فتح کے لیے روانہ کیے۔ مغیث کو قرطبہ کی فتح کے لیے بھیجا۔ مغیث کی جمعیت ۷۰۰ آدمی کی تھی قلعہ نہایت مستحکم تھا۔

رات کو فوج قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئی تھی کہ ایک غازی انجیر کے درخت پر سے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گیا اوپر پہونچکر فصیل پر اپنے عمامہ کو لٹکا دیا اور اپنے چند ساتھیوں کو اوپر چڑھا لیا۔ ان بہادروں نے جاکر دروازے کے محافظوں کو قتل کر دیا۔ اور شہر کا پھاٹک کھول دیا فوج اندر داخل ہوگئی۔ شہر والے ہکے بکے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ فاتحین نے سب کو امن و امان دیا۔

شہر اوہورسیا کی فتح کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ جب تھوڈور حاکم مروشیا کو عربوں نے پے در پے شکستیں دیں تو وہ شہر ہورسیا میں پناہ گزین ہوا۔ یہاں آکر اس نے جمعیت پیدا کر لی اور مسلمانوں سے لڑتا رہا آخر کار اس کی ساری قوم کام آئی۔ یہ دیکھکر کہ اب لڑنا بیکار ہے اس نے یہ چال کی کہ شہر کی عورتوں کو سپاہیوں کی وردیاں پہنا کر فصیل پر کھڑا کر دیا اور خود بھیس بدل کر صلح کے شرایط لیکر مسلمان سپہ سالار کے پاس گیا۔ سپہ سالار نے جب شرایط صلح منظور کرلیں تو سفیر کا چغہ اُتار کر کہنے لگا کہ میں ہی تھوڈور ہوں اس پر مسلمان سردار کو بڑا تعجب ہوا اور اُسے تھوڈور کی دانشمندی ایسی پسند آئی کہ قلعہ فتح کیا کرایا اس کی سپرد کر دیا۔

اندلس کی فتوحات کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ ان کی خوبی اخلاق کے عیسائی گرویدہ ہوگئے۔

طارق کی انتھک ہمت نے جب ساری سپین کو فتح کر لیا تو موسیٰ کے

دل میں رشک پیدا ہوا۔ اس وقت موسیٰ مراکو سے اسپین کی طرف بڑھا طارق کی خدمت کا اعتراف کرنے کے بجائے موسیٰ نے سرزنش کی کہ میرے بے حکم آگے کیوں بڑھا۔ اس پر ولید موسیٰ سے برہم ہوگیا اور اس کو واپس بلالیا۔

ایک فرنگی مورخ لکھتا ہی کہ اگر موسیٰ کو واپس نہ بلایا جاتا تو آج تمام یورپ میں دین اسلام کا ڈنکا بجتا مگر افسوس ہی کہ جس نفاق نے عیسائیوں کو قعر مذلت میں گرایا تھا وہ اب مسلمانوں میں بھی نمودار ہوا۔

تقریباً ۲۰ برس تک فتوحات اسلامی کا سلسلہ جاری رہا جنوبی اور وسطی فرانس کا کچھ حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ مسلمانوں کی حکومت اندلس میں سنہ ۱۴۹۱ء تک رہی۔ اس عرصہ میں اُنھوں نے اندلس کو رشک فردوس بنادیا سارے ملک میں علمی چرچے ہونے لگے جابجا مدارس اور مکاتب قائم ہوگئے جبکہ مسلمان اندلس میں نہایت ترقی پر تھے یورپ وحشت اور جاہلیت کے پنجے میں گرفتار تھا۔

چنانچہ یورپ کے فلسفہ حکمت اور مذہبی صلاح سب کا مبدا اسپین ہی اور آج تک یورپ میں مسلمان علما کے نام مشہور ہیں۔ اس ملک میں تعلیم کا یہ زور تھا کہ عورتیں تک فلسفہ کا درس دیا کرتی تھیں۔

رقمہ
م - ن

شادی

(سلسلے کے لیے دیکھو نمبر ماہ جولائی)

حسب قرارداد تین ماہ کے بعد وحید نے سلیم سے پھر ملاقات کی اور فہیم

کی رضامندی کا مژدہ سُنایا۔ اس کے بعد بہت جلد ناصر سے بات طے کر لی گئی۔ فہیم چونکہ ناصر کی لڑکی کے لیے نہایت موزوں شوہر تھا اسلیے ناصر نے بڑی خوشی کے ساتھ اس رشتہ کو منظور کیا۔

ناصر ایک تعلیم یافتہ۔ روشن خیال شخص تھا جس کی روشنخیالی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ اُس نے اپنی لڑکی نجمہ کو بہت اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اُسے کافی سمجھ دی تھی۔ طبیعت انصاف پسند واقع ہوئی تھی۔ انتخاب زوجین کے بارے میں وہ سلیم کا ہمخیال تھا۔ مخدوم ومحترم شمس العلما مولانا حالی کا یہ شعر ہمیشہ اس کے پیش نظر رہتا۔

بیاہا تمھیں ماں باپ نے اے بے زبانو! اس طرح
جیسے کسی تقصیر پر مجرم کو دیتے ہیں سزا

اسلیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی پیاری بیٹی کو مروجہ رسم ورواج کے جابرانہ اصول پر قربان کرتا۔ اس نے بھی بالکل وہی تدبیر اختیار کی جس سے سلیم نے کام لیا تھا۔ نجمہ کی ایک خالہ زاد بہن تھی جو اس کی ہم سبق بھی رہی تھی اور ایک سال قبل جس کی شادی بھی ہوچکی تھی۔ اس سے نجمہ کو بہت ہی محبت تھی۔ ناصر نے اس سے مدد لی اور اس کے ذریعہ نہایت مناسب طریقہ سے نجمہ کی رضامندی معلوم کرلی۔

غرض ان تمام مراتب کے طے ہونے کے بعد بہت سادگی کے ساتھ ایک روز فہیم کی والدہ ناصر کے ہاں گئی اور ایک قیمتی انگشتری نجمہ کو پہنا آئی۔ اُسکے دوسرے روز ناصر کی بیوی اُسی سادگی سے سلیم کے پاس گئی اور فہیم کو ایک بیش قیمت انگوٹھی پہنا آئی۔ اس طرح فہیم اور نجمہ ایک دوسرے سے منسوب ہوگئے۔

(۲)

پچھلے واقعات کو گزرے آج چار سال ہو چکے ہیں۔ فہیم اس عرصہ میں ولایت گیا بھی اور بڑی سرخروئی کے ساتھ سول سروس کا امتحان پاس کر کے آ بھی گیا۔ کامیاب طلبا کی فہرست میں اسکا نمبر پہلا رہا۔ قاعدہ کے مطابق ایک معقول عہدہ اسکا تقرر ہو چکا ہے اور گزشتہ تین چار ماہ سے وہ اپنے فرائض منصبی بڑی خوش اسلوبی سے بجالا رہا ہے۔

حسب قرار داد اب اس کی شادی کا زمانہ آپہونچا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل سلیم کی کوٹھی میں کچھ غیر معمولی چہل پہل معلوم ہوتی ہے۔ غالباً آج ہی عقد خوانی ہو گی۔ جب ہی تو برات کے سامان نظر آرہے ہیں۔ اوہو! بیشک!! یہی بات ہے!!! وہ دیکھیے اس نفیس خوشنما گاڑی میں فہیم دولھا بنے ہوئے سوار ہو رہے ہیں اس موقع پر لباس کتنا عمدہ استعمال کیا ہے۔ نہ تو عام دُلھوں کی طرح منقش اور زرتار میں ملفوف ہو کر ایک مضحکہ انگیز تماشہ بن گئے ہیں اور نہ بالکل صاحب بہادر بنے ہوئے ہیں۔

کشمیر کے ایک بہت خوش وضع اور نہایت مہذبانہ جامہ دار کی حیدرآبادی شیروانی فہیم کے خوب صورت جسم پر کس قدر بہار دے رہی ہے۔ سفید فلالین کے پتلون۔ ریشمی پاتابوں۔ سیاہ پمپ شو اور ترکی ٹوپی نے اس نظر افروز شیروانی کے ساتھ عجب مناسبت پیدا کر لی ہے۔ گلے میں پڑے ہوئے پھولوں کے ہار فہیم کے دولھا ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ غرض فہیم اسوقت ایک مہذب اور شایستہ دولھا بنے ہوئے ہیں۔

فہیم کے بعد سلیم اور وحید بھی اُسی گاڑی میں سوار ہوئے اور عروس کے مکان کو روانہ ہوئے۔ ان کی گاڑی کے پیچھے چند اور بگھیاں ان کے اعزا و

احباب کی تھیں۔ دولھا کی سواری کے ساتھ نہ تو کسی فضول تزک و احتشام کے سامان تھے نہ آتشبازی اور نوبت نقارہ کا انتظام۔ جس طرح روشنخیال سلیم نے ساچق مہندی وغیرہ ناحق کے نفرت انگیز ڈھکوسلوں کو اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی میں ترک کیا اسی طرح برات کے فضول لغویات کو بھی بالائے طاق رکھا۔

پندرہ بیس منٹ کے عرصہ میں جب یہ سیدھا سادھا جلوس ناصر کے مکان پہونچا تو خود ناصر معہ چند احباب کے دولھا اور براتیوں کے استقبال کی غرض سے پھاٹک پر موجود تھا۔ ناصر نے بعوض اسکے کہ عام لوگوں کی طرح محض اس خطا پر کہ کیوں ایک لڑکی کا باپ بنا ہی کسی کونے میں موںھ چھپائے پڑا رہتا اور مارے ندامت کے کسی سے آنکھیں چار نہ کرتا بکشادہ پیشانی ہر براتی سے مصافحہ کرنے کے بعد سبھوں کو ایک آراستہ دالان میں لیجا کر بٹھالا۔ پانچ۔ سات منٹ میں اور دعوتی بھی جمع ہو گئے۔

اس کے بعد بلا مزید انتظار و تاخیر کے ناصر کی اجازت سے ایک مقدس بزرگ نے حسب قاعدہ اس مبارک رسم کو ادا فرمایا جو انسان کی زندگی کا ایک اہم ترین عظیم الشان انقلاب انگیز واقعہ ہے۔

عام دستور اور رواج کے موافق عقد خوانی کے وقت نہ تو مہر وغیرہ کا کوئی جھگڑا بکھیڑا نکلا اور نہ کسی قسم کے بحث و تکرار کی نوبت آئی جس سادگی اور سنجیدگی سے تمام ابتدائی مراتب طے ہوئے اسی طرح عقد خوانی بھی نہایت متانت و تہذیب کے ساتھ بلا غل وغش اختتام کو پہونچی۔

نکاح کے بعد سب لوگ معہ دولھا کے کھانے کے کمرے میں بلائے گئے جہاں انواع و اقسام کے لذیذ اور لطیف کھانے تیار تھے۔ براتیوں کی خاطر خواہ مدارات ہوئی۔ ناصر نے مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہ کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ سستانے کے بعد فہیم اور سلیم زنان خانے میں بُلائے گئے۔ ناصر بھی ان کے ساتھ تھا۔ زنانہ مکان کے صدر دالان میں نجمہ لباس عروسی سے آراستہ ایک شاندار مکلف چوکی پر بیٹھی تھی۔

نجمہ کا لباس بھی فہیم کے لباس کی طرح نہایت مہذب اور شایستہ تھا۔ وہ اس وقت نہ تو عام دلہنوں کی طرح مشجر اور کرکری تاش میں لپٹی ہوئی تھی اور نہ انواع واقسام کے غیر ضروری فضول زیور کے بوجھ میں دبی جارہی تھی، نہایت سادہ لیکن مناسب موقع خوشنما لباس اسکے جسم پر تھا۔ لباس کی وضع قطع وہی تھی جو آج کل کی تعلیم یافتہ۔ روشن خیال۔ مہذب خواتین استعمال فرماتی ہیں۔ ریشمی ساڑی۔ اطلسیں جاکٹ۔ ولایتی جوتہ وغیرہ یہی چند چیزیں نجمہ کے نورانی جسم کو سر سے پانک چھپائے ہوئے تھیں۔

غرض نجمہ شرم وحیا کی تصویر بنی ہوئی دالان کے وسط میں ایک خوبصورت کوچ پر متمکن تھی۔ ناصر۔ فہیم اور سلیم بھی وہیں آن کر دوسری کرسیوں پر جو وہاں بچھی ہوئی تھیں بیٹھ گئے۔ دو تین منٹ تو سکوت کا عالم طاری رہا اس کے بعد ناصر نے کہا۔

مجھے تو اس کی بے انتہا مسرت ہے کہ میں آج ایک بہت بڑے فرض سے بوجہ احسن سبکدوش ہو رہا ہوں۔ خداوند کریم نے نجمہ کی پرورش اور تربیت کا مجکو ذمہ دار ٹھیرایا تھا۔ اس ذمہ داری کو پیش نظر رکھ کر میں نے اپنی عزیز بیوی کی شرکت سے اپنے فرض کے ادا کرنے کی نہایت مستعدی کے ساتھ کوشش کی۔

خدا کا شکر ہے کہ ہماری محنت ومشقت کا بہت عمدہ اور دل خوش کن

نتیجہ برآمد ہوا۔ ہماری کوئی کوشش بیکار نہ گئی۔ تمام امیدیں پوری ہوئیں اور خدا کے فضل سے ہم سُرخ رو ہوئے۔

میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہمیں اپنی پیاری نجمہ پر فخر و ناز ہے یہ خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ نجمہ کی تقدیر فہیم جیسے موزوں ترین شوہر سے لڑی۔ مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ دونو میاں بیوی نہایت پیار و اخلاص محبت اور سازگاری سے بڑے ہی امن و چین کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔ فہیم اور نجمہ دونوں اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے حقوق سے بخوبی واقف ہیں۔

میری یہ دلی دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ فرائض زوجیت کے ادا کرنے میں ان کی مدد فرمائے۔ اور یہ ہمیشہ خوش و خرم رہیں۔ خوب پھلیں پھولیں اور اپنے خاندان اور اپنی قوم کا نام کریں۔

اس مختصر تقریر کے بعد ناصر نے اپنی بیٹی کا ہاتھ فہیم اور سلیم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔

اب میں اپنے لخت جگر کو آپ کے حوالے کرتا ہوں۔

سلیم نے جو ناصر کے اس اخیر جملہ سے خصوصاً بہت متاثر معلوم ہوتا تھا اپنی بہو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر جواب دیا۔

انتہا درجہ کی شادمانی اور مسرت کے جذبات اس وقت میرے دل پر اس شدت سے قبضہ کیے ہوئے ہیں کہ میں اپنی دلی کیفیت کے اظہار سے قاصر ہوں۔ آپ یقین کیجیے کہ میں اپنے عزیز فرزند کو دولھا بنا ہوا دیکھ کر اتنا خوش نہیں ہوں جتنا اس بات سے باغ باغ ہوں کہ مجکو بالکل اپنی آرزو کے مطابق ایک ایسی بہو خدا نے

مرحمت فرمائی ہے جو حقیقت میں اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ ہماری بہت بڑی خوش نصیبی ہے جو نجمہ کے مبارک قدم ہمارے گھر کی رونق بڑھا رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ نجمہ کی شرکت سے ہمارے خاندان کو بھاگ لگ جائیں گے۔ میں اس کو خدا کی بہت بڑی عنایت سمجھتا ہوں اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر بجا لاتا ہوں جو نجمہ جیسی بہو قابل قدر ہم کو میسر ہوئی۔ فہیم کی خوش قسمتی میں کوئی شک نہیں کہ خداوند عالم نے ان کو ایک ایسی ہمہ صفت موصوف بیوی عنایت کی ہے جس سے بہتر شریک زندگی ملنا ممکن نہ تھا۔

میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ فہیم بیوی کے حقوق اور شوہر کے فرائض سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ ان حقوق کی نگہداشت اور فرائض کے ادا کرنے میں سر مو کوتاہی نہ کریں گے اور ہمہ صفت موصوف نجمہ کی قدر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ مجھے اپنے عزیز سعادتمند فرزند سے اس بات کی توی امید ہے کہ ہماری ایک ایک آرزو وہ پوری کر کے ہم کو سرخ رو کرے گا۔

مجھے یقین کلی ہے کہ ومن ایاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ[۱] کا مقدس منشا ہمیشہ ان کے پیش نظر ہو گا

ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف[۲] ،، اور وعاشروہن

[۱] اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ اُسنے تمہارے لیے تمہارے ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو اُن کی طرف (رغبت کرنے سے) راحت ملے اور تم (میاں بیوی) میں پیار اور اخلاص پیدا کیا (سورہ ۳۰۔ روم۔ آیت ۲۰)

[۲] جیسے (مردوں کا حق) عورتوں پر ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ہے (سورہ ۲۔ بقر۔ آیت ۲۲۸)

بالمعروف[1]،، اور واخذن منکم میثاقاً غلیظاً[2]،، کے فرمان واجب الاذعان ان کی آیندہ زندگی کے دستور العمل کا کام دینگے۔

استوصوا بالنساء خیراً فانھن عوان عندکم[3]،، اور خیارکم خیارکم لنسائکم[4]،، اور اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا و الطفھم باھلہ[5]،، کے حکیمانہ ارشادات ان کی رہنمائی کریں گے خدا ان دونوں میاں بیوی کو ہمیشہ شادکام رکھے۔

اس کے بعد فہیم، سلیم اور ناصر باہر چلے آئے اور روانگی کا سامان ہونے لگا۔ ناصر کی بیوی نے اپنی چاہیتی بیٹی نجمہ کو فہیم کی والدہ کے حوالے کیا۔ ان دونوں سمدھنوں میں تقریباً ویسی ہی باتیں ہوئیں جیسی ناصر اور سلیم میں ہوئی تھیں۔ غرض ناصر کی بیوی نے ہنسی خوشی نجمہ کو رخصت کیا۔ فہیم کی والدہ اپنی بہو کو ساتھ لے کر گاڑی میں سوار ہوئیں اور دولھا کی گاڑی کے پیچھے پیچھے گھر کی جانب روانہ ہوئیں۔

ملک کے عام دستور کے موافق نجمہ کے ساتھ اس وقت نہ تو بھاری بھاری مصالح دار۔ کارچوبی جوڑوں کا ڈھیر تھا نہ جڑاؤ زیور کا انبار۔ نہ چھکڑوں جہیز نہ سونے چاندی یا گنگا جمنی کا چھپر کھٹ ناصر اگر چاہتا تو عام رواج کے موافق ان سب کا انتظام کر سکتا تھا مگر خدا نے اس کو عقل سلیم عطا فرمائی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کا فضول نمائشی سامان نجمہ کی آیندہ زندگی کو پُرلطف بنانے میں کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتا۔ اسے معلوم تھا کہ ایک تعلیم یافتہ۔ روشن خیال شوہر اور سنجیدہ و مہذب سسرال کی نظر

---

[1] اور بیبیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو (سورۂ ۴۔ نساء۔ آیت ۲۳)

[2] بیبیاں (نکاح کے وقت) تم سے پکا قول لے چکی ہیں (سورہ ۴۔ نساء۔ آیت ۲۵)

[3] عورتوں کے ساتھ بھلائی اور نکوئی کرنے میں میری نصیحت قبول کرو اس لیے کہ وہ تمہاری اعوان و مددگار ہیں۔

[4] تم میں سب سے زیادہ نیک کردار شخص وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ عمدگی اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔

[5] کامل الایمان وہ شخص ہے جسکا خلق عمدہ ہو اور جو اپنی بی بی کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتا ہو۔

میں ان چیزوں سے لڑکی کی اصلی عزت اور وقعت نہیں پیدا ہو سکتی۔ وہ سمجھتا تھا کہ میاں بیوی کی باہمی محبت والفت میں یہ سازو سامان ہرگز کوئی اضافہ نہیں کر سکتا۔ لہذا اس نے اس قسم کے مصنوعی اور بے حقیقت اسباب کے جمع کرنے میں تضیع اوقات کرنے کے عوض اپنی اکلوتی بیٹی کو اس حقیقی اور اصلی زیور سے آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جس سے بڑھ کر ایک ہونہار لڑکی کے لیے آیندہ زندگی میں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ نجمہ کے ساتھ اس وقت لیاقت و دانائی سلیقہ و ہنرمندی۔ شائستگی و روشن خیالی۔ ادب وتمیز۔ حیا و لحاظ۔ والدین کی لاکھوں محبت بھری دعاؤں اور کنبہ والوں کی خوشنودی وہ بیش بہا جہیز تھا جس کو نہ دنیا کا کوئی خزانہ خرید سکتا ہی نہ کوئی حکومت زبردستی حاصل کر سکتی ہی اور جس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

اسلام کی بے تعصبی

(سلسلے کے لیے دیکھو نمبر ماہ جولائی)

ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ اور ایک دو مثالیں بھی اس وقت پیش نظر ہیں بیان کرنے سے اسلام کی بے تعصبی کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہی۔

ولید بن عبد الملک کو جو بنی اُمیّہ کا بڑا بادشاہ گذرا ہی ایک مسجد بنوانے کا شوق ہوا اور ایک کروڑ روپیے کی لاگت سے دمشق میں مسجد تیار کرائی۔ مسلمانوں کو جب یہ حال معلوم ہوا کہ اس قدر روپیہ مسجد میں صرف ہوا ہی تو اُن میں ایک برہمی پھیلی۔ وہ زمانہ پورا پورا مذہبی آزادی کا تھا۔ ہر شخص کو خلیفہ وقت پر اعتراض کرنے کا حق تھا

اور تا وقتیکہ اُس کے اعتراض کا شافی و کافی جواب نہ ملجائے وہ خلیفہ کی اطاعت کرنے اور اُس کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور نہیں ہو سکتا تھا۔

مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ نماز پڑہنے کے لیے ایک سادہ مسجد کافی تھی۔ ولید گو بادشاہ ہی لیکن اسکو یہ حق نہیں ہی کہ بے ضرورت کروڑوں روپیہ مسلمانوں کے بیت المال کا اپنی خواہش پورا کرنے کے لیے ضایع کردے۔ روپیہ پبلک کا ہی اور پبلک فنڈ اس وجہ سے نہیں ہی کہ یوں بے دریغ روپیہ بلا کسی کے مشورہ کے صرف کر دیا جائے۔

چونکہ عام طور پر یہ برہمی پھیل گئی تھی اور کھُلم کھُلا لوگ اعتراض کرتے تھے۔ ولید کو اس کی اطلاع ہوئی اور ساری قوم کو بُلایا۔ دربار میں ایک اسپیچ دیکر اس بناپر معافی چاہی کہ اب بھی پبلک فنڈ میں اس قدر روپیہ ہی کہ اگر ملک میں متواتر دس برس تک قحط پڑے، کافی ہوسکتا ہی اور کسی متنفس کو ذرہ برابر تکلیف نہیں پہونچ سکتی۔

قصہ مختصر اسی مسجد کے پاس جسکو ولید نے اس شوق سے بنایا ایک گرجا یوحنّا کا تھا۔ مسجد میں زمین کی کمی تھی۔ ولید نے عیسائیوں سے گرجے کی زمین مانگی اور کہا جس قدر قیمت چاہو لو اُنھوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ رضامندی سے تو دینا غیر ممکن ہی اور اگر زبردستی لیجائیگی تو ہمارے گرجے کو جو گرائے گا اُسے کوڑہ ہو جائے گا۔ ولید چونکہ اُن بادشاہوں میں سے کہ جنکا کوئی فعل قابل تقلید سمجھا جائے نہ تھا اسکو پادریوں کی یہ بات ناگوار ہوئی اور اس گرجے کو گرا کر وہ زمین مسجد میں شامل کر لی۔

اس کے بعد عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوا۔ یہ شخص فی الحقیقت اس نسل کا تھا کہ مسلمانوں کو جس قدر اس پر ناز ہو وہ بجا ہی۔ اسکے بادشاہ ہونے پر عیسائیوں نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ ولید نے ہمارے بغیر مرضی ہمارے گرجے کو گرا کر فلاں مسجد میں شامل کر لیا ہی۔ اس شکایت پر فوراً عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ

اُستاد نہ مانا لیکن کوئی نہیں دکھا سکتا کہ عربی تاریخوں میں مسلمانوں نے مجوسیوں اور آتش پرستوں کا نام حقارت سے لیا ہو اس سے زیادہ مسلمانوں کی علمی بے تعصبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

بغداد میں جس وقت عباسیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو انہوں نے مجوسیوں کا لباس اختیار کیا ٹوپی وہ پہنی جو مجوسی پہنتے تھے۔ باوجود مقدرت اور سلطنت اور حاکم ہونے کے محکوم رعایا کی تقلید کی ورنہ حاکم کی تقلید تو رعایا کرتی ہے۔ بے تعصبی اسکو کہتے ہیں۔

چونکہ ہماری غرض یہ تھی کہ اسلام کا غیر متعصب ہونا ثابت کریں خدا کا شکر ہے کہ ہم کو اپنے مقاصد میں کامیابی ہو چکی اور اسلام کی بے تعصبی ہر پہلو سے ثابت کر چکے اور اب یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔ سمع خراشی کی معافی چاہتی ہوں۔

خاکسار
رابعہ سلطان بیگم
ازجنوبی اسٹیٹ (سرکار نظام)

سینٹ المو

(سلسلے کے لیے دیکھو نمبر ماہ جولائی)

جب اڈنا شال دیکر اپنے نانا کے پاس آئی تب لوہار نے کہا کہ یہ سوار بڑا بد آدمی تھا۔

اڈنا۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔

نانا۔ کوئی نیک آدمی ایسی گالیاں نہیں بکتا جیسی وہ بکتا تھا۔ یقیناً یہ کوئی مجرم ہے جو قانون کے خوف سے بھاگا جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے شرارت برستی تھی۔

اڈونا۔ میں نے اسکا چہرا یا آنکھ نہیں دیکھی سوائے اسکے کہ جب شال لیتے وقت میری طرف اُس نے دیکھا تھا۔ خدا ایسے بدآدمی کی مجھے پھر کبھی صورت نہ دکھلائے۔ مجھے تو اس کی صورت سے ڈر لگتا ہی۔ اور ڈالر زمین سے اُٹھا کر اپنے نانا کے پاس لیگئی۔ اور کہا کہ یہ ڈالر میں نانی کو دوں گی تاکہ نیا چاے دان آپ کے لیے منگالیں۔ پُرانا چاے دان اب بالکل خراب ہوگیا ہی۔ مگر گھانس پر وہ کیا پڑا ہی کیا وہ سوار کچھ اور بھول گیا۔ اڈونا اُدہر گئی اور اُٹھا کر دیکھا تو ایک کتاب تھی جس کی جلد بہت عمدہ چمڑے کی تھی اور ورق سُنہری تھے جو دور سے چمکتے تھے۔ کتاب کے شروع صفحہ پر .S. E. M لکھے تھے۔ جسکا مطلب اڈونا کچھ نہیں سمجھی۔ جب اپنے نانا کو دکھایا اُس کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آیا۔ مگر یہ کہا کہ خدا جانے یہ کون زبان ہی یونانی ہی یا عبرانی۔ وہ سوار ایسی ہی کسی زبان میں اپنے گھوڑے سے بھی باتیں کرتا تھا۔ اس سوار کا نہ کوئی مذہب تھا اور نہ اُس کے مزاج میں شایستگی تھی۔ وہ اب اس کتاب کو بھی لینے نہ آئیگا۔ قرینہ یہی ہی کہ وہ کوئی جرم کرکے بھاگا جاتا تھا۔

جب بہت دن گزر گئے اور سوار اپنی کتاب لینے نہیں آیا تب اڈونا نے اُس کتاب کو بھی اپنے کتب خانہ میں داخل کرلیا۔ اڈونا اسکا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھتی تھی۔ نہ اُس کا نانا اسکو سمجھا سکتا تھا۔ اڈونا اکثر کتابیں دیکھا کرتی تھی اور یہ عادت اُس کی نانی کو پسند نہ تھی بلکہ اس عورت کو پڑہنے کے نام سے نفرت تھی۔ اسکا عقیدہ تھا کہ پڑہنے سے عورتوں کا افلاس بڑہتا ہی۔ کیونکہ پڑہنے سے عورتیں اپنا دھندا چھوڑ کر کتاب میں زائد وقت صرف کرتی ہیں۔ یہی شکایت اڈونا کی نانی نے اسکے نانا سے بھی کی۔ تب لوہار نے کہا کہ بی بی تم اُس سے نہ بولو اور اس میں دخل نہ دو۔ اور لڑکی سے مخاطب ہوکر بولا کہ اللہ چاہیگا تو ایک دن وہ ہوگا جب میری پیاری اڈونا اسکول کی اُستانی ہوگی اور لڑکیوں کو پڑھاتی ہوگی اور میں اس قدر بڈھا ہو جاؤنگا کہ کام نہ کرسکوں گا

تب میری اڈنا مجھے کھانا کھلائے گی۔ کیوں بٹیا تو ایسا کریگی۔
اڈنا۔ ہاں نانا میں ضرور ایسا کروں گی۔ مگر کیا یہ ممکن ہی کہ میں اس قدر پڑھ جاؤں کہ اسکول میں پڑھانے کی نوکری کرسکوں۔
لوہار۔ یاد رکھ کہ جس کام کے کرنے کی انسان دل سے کوشش کرتا ہی تو اللہ تعالےٰ اُس کی تدبیر بھی کر دیتا ہی۔ جب میں قرضہ پیٹر کا ادا کر دونگا تب تیرے لیے نئی اور اچھی کتابیں خرید کر دونگا۔ اور ہاں بیٹی کوئی چادر اوڑھ لے اور دیکھ گائے کہاں چلی گئی اُسکے دودھ دُہنے کا وقت قریب آگیا ہے اور گائے کہیں سامنے دکھائی نہیں دیتی۔
اڈنا۔ ہاں آج آپ کا جی کیسا ہی۔ آپ آج دوکان پر بھی نہیں گئے۔
لوہار۔ میں اچھا ہوں۔ آج صبح سے مجھے کئی دست آئے اور دو تین بار استفراغ ہوا ہی۔ جلدی گائے لیکر آجانا اور پھر مجھے انجیل پڑھکر سُنانا۔
یہ جنوری کا مہینہ تھا۔ جب اڈنا کو گائے ڈھونڈھنے کے لیے بھیجا تھا تب کسی قدر دن باقی تھا اور لوہار دھوپ میں کرسی بچھائے بیٹھا تھا۔ اور اپنا پائپ پی رہا تھا۔ اڈنا جنگل میں گائے کو ڈھونڈھتی پھری۔ دن بھی ختم ہوگیا تب بہت گھبرائی کیوں کہ گائے کو ڈھونڈھنے میں گھر سے بہت دور چلی گئی تھی۔ آخر کار اڈنا کے پکارنے پر گائے بولی اور اس کے پاس چلی آئی۔ اڈنا خوشی خوشی معہ گائے کے گھر کی طرف لوٹی۔ اس وقت چاندنی بھی نکلی ہوئی تھی۔ اور سردی بھی زائد ہوگئی تھی۔ جب گھر پہنچی اور پھاٹک کھول کر دیکھا تو اسکا نانا اسی طرح کرسی پر بیٹھا تھا۔ گائے کو جلدی بند کرکے اڈنا اپنے نانا کے پاس آئی کہ آج آپ آگ کے پاس کیوں نہیں گئے کیا آپ میرے انتظار میں ابتک سردی میں باہر بیٹھے رہے۔ گائے اگر میری طرح بھوکی دہتکی ہوگی تو اسکو گھر واپس آنے کی ایسی ہی خوشی ہوگی جیسی مجھے ہی۔ اس پر بھی لوہار نے

جواب نہ دیا نہ یہ معلوم ہوا کہ اُس نے سُنا بھی یا نہیں۔ تب لڑکی چلا کر پکارنے لگی
کہ نانا جاگو تمھاری اڈنا تمھارے پاس کھڑی ہی۔ میں گاے ڈھونڈھ لائی ہوں۔
جب مایوسی ہوئی تب رونے لگی اور نانا کے پیروں پر گر پڑی کیونکہ اب اسکو یقین ہوگیا
کہ نانا مرگیا۔ اسکے بعد اڈنا کو ہوش نہیں کہ کیا ہوا کون اسکو اُٹھا لیگیا اور وہ ایک ہفتہ
تک کہاں اور کس طرح رہی۔ آخر جب اسکو ہوش ہوا تو دیکھا کہ پیٹر کے گھر میں ہے
آخر ایک روز پیٹر کی عورت نے اسکو تبلایا کہ تیرے نانا و نانی دونوں دو ہی دن کے بیچ
میں بعارضہ ہیضہ مرگئے۔ مگر اڈنا کی آنکھ میں ایک آنسو نہ تھا۔ بُت کی طرح بیٹھی سُنا
کی۔ ایک ہفتہ اور یہی کیفیت اڈنا کی رہی۔ آخر جب طاقت کسی قدر آئی تب اپنے نانا
کی قبر پر گئی۔ ایک لکڑی کا تختہ ایک درخت میں لٹکا تھا جسپر اسکے نانا کا نام اور ایماندار
لوہار لکھا تھا۔ بڑی دیر تک بیٹھی رہی۔ وہیں اُس کا پہلا آنسو نکلا تب سے اسکو کسی قدر
ہوا اور نیند بھی آئی۔ روز اپنے نانا کی قبر پر جاکر پھول چڑہاتی تھی اور رویا کرتی تھی۔
ایک دن پیٹر نے اس سے کہا کہ اب تو قبر پر نہ جایا کر۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔
اڈنا۔ بہت اچھا اب میں قبر پر نہ جاؤں گی۔ آج میں خود ہی نانا سے رخصت ہو آئی
اب میں یہاں رہوں گی بھی نہیں۔ مکان و گھوڑا و گاے آپ اپنے قرضہ میں لے لیجیے
میں آپ کی مہربانی کی تمام عمر مشکور رہوں گی آپ نے میرے حال زار پر بہت مہربانی
فرمائی۔ اب میرا یہاں رہنا مناسب نہیں۔ میں کہیں اور چلی جاؤں گی۔
پیٹر۔ تو اکیلی کہاں جائیگی۔ تجھے کھانا کہاں ملیگا۔ رہیگی کہاں؟
اڈنا۔ میں نے سُنا ہی کہ کلبیا میں کوئی کارخانہ روئی کا ہی وہاں جو لڑکے کام کرتے ہیں
اُن کو کھانا بھی ملتا ہی اور کام کی اُجرت بھی ملتی ہی۔ وہیں میں بھی کام کروں گی۔ اور اپنے
کھانے بھر کے لیے کما لوں گی۔
پیٹر اور اُس کی بیوی نے بہت کچھ سمجھایا مگر اڈنا نے ایک نہ مانا۔ اور آخر یہی کہا کہ

میں کلبیا ہی چلی جاؤں گی۔ میرے پاس چودہ ڈالر ہیں جو میرے نانا نے مجھے علیحدہ کر کے دیئے تھے۔ اور گاے کا بچہ بھی نانا نے مجھے دیدیا تھا اس کی قیمت اگر آپ کچھ دیدیں تو آپ کی مہربانی ہے۔

غرضکہ دوسرے دن سہ پہر کو پیٹر اپنی گاڑی میں اڈنا اور اُسکے مختصر اسباب کو لاد کر خود اسٹیشن ریلوے پر لے گیا۔ اڈنا کا کُتا بھی گاڑی کے ساتھ چلا گیا۔ اڈنا اور اُس کے کُتے کا ٹکٹ خرید کر کے دونوں کو گاڑی پر سوار کر کے پیٹر چلا آیا۔ اور ریل روانہ ہوگئی۔ جب تک گاؤں کی کوئی علامت مثل مکانات وپہاڑ دکھائی دیتے رہے اڈنا اُسی طرف بہ حسرت و یاس دیکھتی رہی۔ بعد ازاں چُپ ہو کر بیٹھ رہی۔ آخر شام ہوگئی اور تھک کر بنچ پر لیٹ رہی۔

جس کمرے میں اڈنا تھی اُسی میں ایک میاں بی بی اور اُن کا بچہ بھی دوسری بنچ پر تھے۔ چُپ لیٹے لیٹے اڈنا سو گئی۔ چونکہ دن بھر کی تھکی تھی۔ غافل ہو کر سوئی آدھی رات کے بعد کئی بار زور کی سیٹی ریل کی سُنائی دی اور اسی کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ریل لڑگئی۔ اور بہت سی گاڑیاں و انجن ٹوٹ گیا بہت سے مسافر مر گئے اور اکثر زخمی ہوئے۔

حسن اتفاق سے اڈنا بہت پیچھے کی گاڑی میں تھی جب اڈنا جاگی تب اسکو معلوم ہوا کہ اسکے پیروں میں درد زیادہ ہی اور اُن پر اس قدر بار ہے کہ وہ اپنے پیر نکال نہیں سکتی نہ حرکت دیسکتی ہی۔ بچہ پٹری پر سے گر کر مر گیا اس کے ماں باپ رو رہے تھے۔ بچہ کے ماں باپ البتہ محفوظ رہے۔ اُس وقت اڈنا کے دل میں آیا کہ کاش اس بچے کے بدلے میں مر جاتی۔ اس بچے کے پیار کرنے والے موجود ہیں میرا کوئی چاہنے والا دنیا میں نہیں ہی۔ میرے مرنے کا کسی کو رنج بھی نہوتا اور میں بھی مصیبت سے نجات پا جاتی۔ مگر اے اللہ تیری مصلحت تو ہی جانتا ہی۔ نہیں معلوم میں کس کام کے لیے ابتک

زندہ بچی ہوں۔ اُسی وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ اسٹیشن کے بہت قریب یہ واردات ہوئی ہی اور بہت سے لوگ لال ٹین لیے مسافروں کو دیکھتے بھالتے ہیں اور ہر طرف زخمی مسافروں کی آہ و فغاں سُنائی دیتی ہی۔

غرضکہ چند آدمی اڈنا کی گاڑی میں آئے تب اڈنا نے اپنی مصیبت بیان کی اور اُن لوگوں نے بمشکل وہ بوجھ ہٹایا جو اڈنا کے پیروں پر تھا اور جس کی وجہ سے اُسکا پیر ٹوٹ گیا تھا اور پیر دونوں سُن ہو گئے تھے۔ اور دو آدمیوں نے اڈنا کو اُٹھا کر گھاس پر زمین میں لٹا دیا۔

ذرا دیر میں ڈاکٹر راڈلی زخمیوں کو دیکھتا ہوا اڈنا کے پاس بھی آیا۔ اب آفتاب بھی نکل آیا تھا۔ اڈنا کی صورت دیکھ کر ڈاکٹر اڈنا کے پاس گھاس پر بیٹھ گیا اور جہاں جہاں اڈنا نے چوٹ بتلائی وہاں آہستہ آہستہ اڈنا کا بدن ٹٹول کر کہا۔ اے میری لڑکی میرے چھونے سے تیرے درد تو ضرور ہوگا تیرا شانہ اُکھڑ گیا ہی اور تیرے پیر کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ مگر جہانتک مجھ سے ممکن ہی ایسی آہستگی سے کام کرونگا کہ تجھے تکلیف کم ہوگی۔ لیکن تاہم شدت درد کی وجہ سے اڈنا بیہوش ہوگئی مگر ایسی بے ہوشی کی حالت میں ڈاکٹر نے جلدی جلدی بندش درست کردی۔ جب اڈنا کو ہوش ہوا تب دیکھا کہ ڈاکٹر اسکا مونھ دہو رہا تھا۔ اور اڈنا کے بال چہرے پر سے ہٹا کر پوچھا۔ کیا تیرے ماں باپ بھی اسی ٹرین میں تھے۔

اڈنا۔ جی نہیں میرے ماں باپ دونوں اُس وقت مرگئے تھے جب میں شیر خوار بچہ تھی۔

ڈاکٹر۔ تیرے ساتھ پھر کون تھا؟ تیرا کوئی رشتہ دار اسی گاڑی میں تھا؟

اڈنا۔ میرا اس دنیا میں کوئی رشتہ دار نہیں۔ میں ہی تنہا ہوں۔

ڈاکٹر۔ تو کہاں سے آتی ہی اور کہاں جاتی تھی۔

اڈنا۔ میں چٹینگا سے آتی ہوں میرا نانا مر گیا۔ میرا کوئی محافظ نہیں رہا میں کلبیا جاتی تھی کہ وہاں روئی کے کارخانہ میں مزدوری کروں گی۔

ڈاکٹر۔ تو بہت بڑے کام دنیا میں کریگی اور تو بہت دن زندہ رہے گی۔

اڈنا۔ ہاں صاحب مجھے نہیں معلوم کہ میرا کُتا کیا ہوا، ورنہ وہ میرے پاس ضرور ہوتا

ڈاکٹر کے دریافت کرنے پر ایک خلاصی نے کہا کہ اُس کُتے کے دونوں پیر ٹوٹ گئے تھے مگر بڑا خونخوار اور زبردست کُتا تھا کسی کو گاڑی میں جانے نہ دیتا تھا تب میں نے ایک ہتوڑا اُسکے سر پر مار دیا تاکہ اسکو تکلیف سے نجات ہو جائے۔

اڈنا نے یہ سُنکر اپنا مونھ گھاس میں چھپا لیا تاکہ آنسو بہتے کوئی نہ دیکھے اور اپنے دل میں کہا کہ شکر ہی تیرا کہ میرا چاہنے والا ایک کُتا تھا وہ بھی دنیا میں نہ رہا۔ یا اللہ مجھ لنگڑی لولی اور لاوارث کی قسمت میں آیندہ کیا لکھا ہی۔ ڈاکٹر اور زخمیوں کو دیکھنے چلا گیا تھا۔ جب اڈنا اپنی حالت پر غور کر رہی تھی۔

ڈاکٹر پھر اڈنا کے پاس آیا اب ڈاکٹر کے ساتھ ایک امیرزادی بھی تھی۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔ اے میری بہادر لڑکی تیرا کیا نام ہی۔

اڈنا۔ ادنا ارل میرا نام ہی۔

امیرزادی۔ تیرے کوئی رشتہ دار نہیں۔

اڈنا۔ جی نہیں۔ میم صاحبہ۔

ڈاکٹر۔ یہ بڑی پیاری لڑکی ہی۔ مسز مرے۔ اگر آپ براہ مہربانی اسکو اپنی حفاظت میں دو چار ہفتہ کے لیے لے لیں کیونکہ اسی عرصہ میں وہ اچھی ہو جائے گی تو آپ بڑا ثواب کمائیں۔ میں نے تمام عمر میں ایسے مضبوط دل کا کوئی آدمی اس عمر کا نہیں دیکھا۔ بخار اسکو چڑھتا آتا ہی لہذا جلدی ہونی لازم ہی اگر آپ اسی وقت اپنے مکان کو لیجائیں تو بہت بہتر ہے۔

مسز مرے - ہاں میں ضرور ایسا کروں گی - مہربانی کر کے کوچبان کو حکم دیجیے کہ جلد میری بگھی یہاں قریب تر لے آوے - میں ایک گدہ بھی اپنے ہمراہ لیتی آئی ہوں اور بگھی پر اسکو تکلیف بھی کم ہوگی - کیسی پیاری اور دل آویز اُس کی آنکھیں ہیں ہاں ڈاکٹر صاحب آپ اگر اس کا نسخہ لکھدیا کریں گے اسکے تیمار کی نگرانی میں خود رکھوں گی -

گاڑی قریب آگئی اور دونوں سائیسوں نے اڈنا کو بہ آسانی اُٹھا کر گدّے پر لٹا دیا - مسز مرے اڈنا کو لیکر جلد روانہ ہوگئی - رستہ بھر کوئی بات چیت نہیں ہوئی کیونکہ اڈنا نے تکلیف کی وجہ سے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں - پھاٹک پر جب گاڑی پہنچی اُس وقت اڈنا نے آنکھ کھولی - پھاٹک سے مکان تک فاصلہ زائد معلوم ہوا - بہت بڑا احاطہ باغ تھا اور مکان بھی ویسا ہی عالیشان تھا - مسز مرے نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ میرے کمرے کے برابر والے کمرے میں اس لڑکی کو لے آؤ - اور خود آگے چلی - سنگ مرمر کے فرش کا بہت بڑا وسیع زینہ تھا - اُس پر سے نوکر اڈنا کو اُٹھا کر کمرے میں لے گئے اور بہت صاف ستھری مسہری پر اڈنا کو لٹا دیا -

راقمہ
شیخ مسعود الزماں

سیر جزیرۂ جلستان

یوں تو نئے شہر کے دیکھنے کا سب کو شوق ہوتا ہے - مگر جہاں اپنی عزیز بہنیں ہوں وہاں جانا بہت ہی شوق کے ساتھ ہوتا ہے - ہماری عزیز بہن زہرا فیضی صاحبہ اور بہن عطیہ فیضی صاحبہ کے جزیرے سے محبت بھرے بُلاوے آرہے تھے اور

اور وہ ایسے نہ تھے کہ یونہی ٹالے جاتے۔ اگرچہ جہاز کے سفر کا موسم اخیر ہوگیا تھا اور جہاز بند ہونے کو تھا لیکن بہن صاحبہ کے بلاووں نے بُلاکر چھوڑا۔

میں ۲۱۔ مئی کو بمبئی روانہ ہوئی ۲۲۔ کو بمبئی پہونچ کر بہن مسز سید محمد صاحبہ کے ہاں ٹھہری اور اپنے بمبئی پہونچنے کی اطلاع جزیرے کی۔ وہاں سے سب انتظام ہوجانے کے بعد ۲۷۔ مئی کی صبح کو مسز سید محمد صاحبہ اور ہمشیرہ سید محمد صاحبہ۔ ہم تینوں اسٹیشن پر گئے۔ کنارے سے ملا جہاز کھڑا تھا۔ سیڑہی کے ذریعہ جہاز میں اُترے۔ ہم سٹیمر کے اوپر کے درجے میں بیٹھے تھے۔ جہاز کے ایک حصہ میں قنات روک کر چاروں طرف پردے گرادیے گئے تھے۔ بنچوں پر بستر لگا کے آرام سے بیٹھے ہوئے سمندر کی سیر کرتے رہے۔ ہز ہائنس نواب صاحب کے حکم سے پردے وغیرہ کا انتظام بہت اچھا تھا جس کی وجہ سے ہمیں بہت آسایش رہی۔

پونے آٹھ بجے سٹیمر نے لنگر اُٹھایا اور چلنا شروع کیا اول جہاز کی چال ریل جیسی رہی۔ ہم بھی مطمئن رہے کہ جہاز سیدھا چل رہا ہے پانی کی سیر کریں گے۔ لیکن بمبئی کا کنارہ غائب ہوتے ہی سمندر نے آنکھیں دکھائیں۔ گو کہ اُس دن کچھ طوفان نہ تھا تو بھی پانی میں جوش اور بے چینی اور جہاز میں جھوکے پیدا ہوگئے تھے۔ جو کہ نئے سفر کرنے والوں کے ڈرانے کا خاصہ پہلا ذریعہ تھا۔ جب بیچ سمندر میں جہاز پہونچا ہے تو سوائے پانی اور آسمان کے خشکی کا پتہ نہ تھا۔

دل حولا جاتا تھا زیادہ تر چکر اور متلی نے گھبرا دیا تھا۔ جزیرے سے جو ملازم آئے تھے اُنھوں نے ناشتہ کرنے کو کہا مگر یہاں متلی بات نہیں کرنے دیتی تھی آخر ادرک اور سوڈے کی بوتل پر گزارہ کرتے ہوئے سات گھنٹے پورے کر کے جزیرے کے بندر پر پہونچے خدا کا شکر کیا۔

سٹمبر کے ٹھرتے ہی کئی ملازم اور کشتی نظر آئی اور جہاز کے برابر آکر لگی۔ اب ہم اور بھی پانی کے قریب کشتی میں جا بیٹھے اور کنارے پر پہونچے۔ وہاں سے اُتر کر بیلی میں سوار ہو کر پہاڑی راستہ طے کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ہماری گاڑی ایک گاؤں میں سے گزری۔ راستے میں ملازموں نے ناریل کا پانی بھیجا ہم سب نے پیا کچھ دل ٹھرا۔ بیلی میں تین میل چل کر سمندر کے دوسرے کنارے پر پہونچے وہاں ایک اور کشتی ہماری منتظر دکھائی دی اور فکر ہوئی کہ پھر پانی سے پالا پڑنے والا ہی۔ لیکن کشتی میں بیٹھ کر پانچ چھ منٹ میں دوسرے کنارے پر اُتر گئے۔

سامنے گاڑیاں نظر آئیں۔ ایک گاڑی میں اپنی عزیز بہن زہرا فیضی صاحبہ کو بیٹھا ہوا دیکھکر بہت ہی خوشی ہوئی اور ان کی اس تکلیف اُٹھانے کی مشکور ہوئی بہن صاحبہ کے ساتھ بیٹھکر راستہ بھر سمندر کی شکایت کرتی ہوئی مہمان خانہ پہونچے اتفاق سے بہن مسز علی صغر فیضی صاحبہ کو بھی وہاں پایا۔ ان سے اور بہن عطیہ فیضی صاحبہ سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ معمولی سلام اور مزاج پُرسی کے بعد ناشتہ کیا۔

اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا اور بزم اتحاد جو بیگم صاحبہ جزیرہ نے بنا رکھی ہی اسکا جلسہ تھا۔ بہن عطیہ فیضی نے ہم سے بھی بزم میں چلنے کو کہا اور ہماری سہولیت کے لیے وہیں بیگم صاحب سے ملاقات ٹھری۔ ہم تینوں بھی تیار ہو کر بہن زہرا فیضی صاحبہ کے ساتھ بزم کی طرف چلے۔ تھوڑی دیر میں جلسے کے مکان میں پہنچ گئے۔

یہ عمارت خاص بزم اتحاد کے لیے ہی بنوائی گئی ہی۔ جس میں ہر جمعہ کو بیبیاں جمع ہوتی ہیں۔ بہن عطیہ فیضی ہمیں اندر کمرے میں لے گئیں۔ وہاں کمرے کے دونوں طرف ممبر بیبیوں کی قطار کھڑی تھی۔ اور سامنے کرسی صدارت پر نواب بیگم صاحبہ تشریف فرما تھیں۔ اول ہم بیگم صاحبہ سے ملے۔ پھر ہز ہائنس نواب صاحب کے

عزیزوں سے ملاقات ہوئی ۔ اخیر میں ممبر بیبیوں سے علیک سلیک ہونے کے بعد بیٹھ گئے ۔

جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی ۔ بزم اتحاد کے دو سکرٹریوں میں ایک ہندو بیبیوں کی طرف سے دوسری مسلمان بیبیوں کی طرف سے ۔ جلسے میں جو تقریریں ہوئیں اور تحریریں پڑھی گئیں وہ سب گجراتی زبان میں ہونے کے سبب ہماری کسی کی سمجھ میں نہ آسکیں ۔

بزم اتحاد اچھی حالت میں چل رہی ہے ۔ ممبر بھی خاصی تعداد میں ہیں ۔ آپس میں ملنے جُلنے اور تہذیب و دستکاری سکھانے کا اس سے بہتر اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے بہن زہرا فیضی صاحبہ اپنی نئی اور عمدہ سلائی اور سینے کا کام بہنوں کو سکھاتی ہیں ہفتہ بھر میں جو کام بناتیں وہ لاکر دکھاتی ہیں ۔ اس ہفتہ میں بھی کئی لڑکیاں اپنی سلائی لائی تھیں ہم نے بھی دیکھی اکثر کام خوب صورت نفیس بنے ہوئے تھے جن کا رواج ابھی تک ہماری طرف نہیں ہے ۔

جلسہ کی کارروائی ختم ہونے کے بعد ہر ہائنس بیگم صاحبہ نے مہربانی سے نہایت موزوں الفاظ میں ہمارے جزیرے کا ذکر کیا اور اپنی خوشی کا اظہار کیا ۔ اور ملاقات کا سبب بھی زہرا فیضی صاحبہ کو قرار دیا ۔ انکے بعد بہن زہرا فیضی صاحبہ نے ہمارے بُلانے پر اور بیگم صاحبہ اور اور قابل بیبیوں سے ملوانے پر ارشاد فرمایا اخیر میں میں نے معزز ہر ہائنس بیگم صاحبہ اور معزز بہن صاحبہ موصوفہ کا مختصر الفاظ میں شکریہ ادا کیا ۔ اگرچہ ایسے معزز میزبان بہت زیادہ شکریہ کے قابل تھے ۔ اس کے بعد اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔ بیگم صاحبہ نے سفر کا حال دریافت کیا موسم کا ذکر ہوا ۔ واقعی تعلیم ایسی چیز ہے کہ انسان میں سے بے جا ناز اور نخوت نکال کر سیدھا سادہ انسان بنا دیتی ہے ۔ بیگم صاحبہ جزیرہ ایسی خلیق اور ملنسار اور سادہ مزاج ہیں

کہ ایک دفعہ ان سے مل کر ہمیشہ کے لیے ان کا شائق ہو جائے۔ یہ ان کی خوبی اور شائستگی اچھی تعلیم اور تربیت کا سبب ہے۔

سورج غروب ہونے پر سب کمرے سے باہر آئے اور سمندر کے کنارے گئے بہن عطیہ فیضی تو بیبیوں کے ساتھ دو ایک کھیل کھیلتی رہیں اور خوب دوڑواتی رہیں بیگم صاحبہ اور اور بیبیاں اور ہم تینوں ریت کے سفید چمکیلے ٹیلوں پر بیٹھ گئے۔ بہن زہرا فیضی صاحبہ نے گکرونده کے خوب چٹ پٹے کچالو بنوائے اور وہیں ٹیلے پر سمندر کے پاس کھلائے۔ اس وقت وہ کچالو بہت مزے کے معلوم ہوتے تھے۔ اور خیال آتا تھا کہ کہاں ہم اور کہاں یہ سمندر کا کنارہ اور کہاں یہ بیگمات۔ کوئی آدھے یا ایک گھنٹہ تک بیٹھکر قیام کی جگہ پر واپس آئے۔ کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر میں بیگم صاحبہ تشریف لائیں۔ باتیں چیتیں ہوتی رہیں۔ دس بجے سب سونے کے لیے رخصت ہوئے۔

۲۸ مئی صبح کو ضروریات سے فارغ ہو کر گول کمرے میں آئے بہن مسز علی صغر فیضی بھی ہمارے پاس ہی مہمان خانہ میں ٹھری ہوئی تھیں۔ یہ مہمان خانہ چار مہمانوں کے ٹھرنے کا ہے۔ ہر ایک کے لیے دو غسلخانے اور دو کمرے الگ الگ تھے اور ان میں سب ضروری سامان مہیا تھے۔ بیچ میں ایک کھانے کے لیے اور ایک بڑا کمرہ مل کر بیٹھنے کو ساتھ تھا۔ سب کمرے نہایت عمدگی اور خوشنمائی سے آراستہ تھے ساڑھے چھ بجے کے قریب بہن زہرا فیضی صاحبہ اور بہن عطیہ فیضی صاحبہ آئیں اور ہم سب مل کر نازی پارک پر ناشتہ کرنے گئے وہاں بیگم صاحبہ بھی ناشتہ میں شریک ہوئیں

ناشتہ سے فارغ ہو کر سب سیر کے لیے چلے۔ راستے میں درختوں میں سے پھل کھاتے ہوئے مصنوعی پہاڑ دیکھنے گئے۔ یہ پہاڑ آسٹریا کے معمار نے سنگ کے

بنایا ہی۔ سارا پہاڑ اصلی معلوم ہوتا ہی۔ اس کے اندر دو کھوئیں ہیں جگہ جگہ خودرو درخت
اُگ آئے ہیں۔ پہاڑ کے باہر کے رخ سے پانی چھوڑا جاتا ہی تو اونچی نیچی چٹانوں
پر سے بہ کر آتا ہوا بھلا معلوم ہوتا ہی۔ قدرتی آبشار لگتا ہی۔ وہاں سے واپسی پر
ہز ہائنس نواب صاحب کی کچہری اور دفتر جو کہ اس وقت بند تھا کھلوا کر دیکھا۔
یہ عمارت بھی اچھی خوبصورت بنی ہوئی ہی۔ کمرے ائیل ٹائل کی گلکاری کے
تھے۔ ایک کمرہ جو خاص نواب صاحب کے بیٹھنے کا ہی وہ اچھے سامان سے
آراستہ ہی۔ دیکھ بھال کر اپنے مہمان خانے میں آئے اور کھانا کھاکر پھر محل میں
گئے۔ وہاں کچھ دیر بیگم صاحبہ کے پاس بیٹھ کر بہن زہرا فیضی صاحبہ کے ساتھ
محل دیکھنے گئے۔

قصر احمد کو بنے ہوئے ابھی تین سال ہوئے ہیں۔ اس محل کا نقشہ خود
بیگم صاحبہ نے بنایا ہی۔ بعض ایشیائی وضع کی تعمیر جو انگریز انجنیر کے سمجھ میں نہ آسکتی
بھی اُسکے بنوانے اور سمجھانے میں بھی خود ہی شریک رہیں۔ محل میں مشرقی اور
اور قدیم عمارتوں کی خصوصیت تعریف کے قابل ہی۔ سارا محل مغربی طرز کا ہی جو کہ
زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے آرام کا نمونہ ہی۔ مگر اپنی ایشیائی وضع کی عمارتوں
میں جو خوبصورتی ہوتی ہی وہ بھی پورے خیال سے بنائی گئی ہی۔ صحن میں ماہتابی جو دہلی
کے پُرانے مکانوں میں ہوتی ہی اور اُس سے سارا صحن خوبصورت ہوجاتا ہے
وہ بھی محل میں ہی اور کئی جھروکے بھی بنے ہوئے ہیں۔ محل کی دیواریں رنگ
برنگی انیمل ٹائل کے پھول کاری کی ہیں۔ دیوار کے نیچے کا رخ بھی سارا انیمل ٹائل کا
بنا ہوا ہی۔ غسل خانے بہت آرام کے ہیں مجھے بہت پسند آئے۔ بمبئی کی طرف جیسے
غسل خانے آرام کے بنائے جاتے ہیں اسکا رواج ابھی ہماری طرف نہیں ہوا۔ ہوجائے
تو بہت اچھا ہو۔

محل چار منزلہ ہی۔ دو منزلیں خوب آراستہ ہیں آرایشی سامان میں بھی بہت کچھ چیزیں مشرقی ساخت کی بنی ہوئی ہیں۔ کرسیوں کا سیٹ مصری بناوٹ کا ہی اور اُس پر بنارسی زربفت کے گدے لگائے گئے ہیں۔ زمین میں کہیں فرش نہیں ہی۔ کرسیوں کے پاس جگہ جگہ ایرانی قالین بچھے ہوئے ہیں۔ بمبئی کی طرف بعض اور شہروں کی طرح سب کا لباس اس قسم کا ہی کہ فرش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محل کی زمین میں بھی رنگین اسمل ٹائل ہوا ہی جو کہ فرش معلوم ہوتا ہی۔

ایک کمرے کی دیوار میں سیپیوں کا گلدستہ شیشہ کے خانہ میں لگا ہوا تھا۔ یہ گلدستہ استنبول کی ایک صنعت کار بی بی نے سلطان عبدالحمید کے حضور میں پیش کرنے کو بنایا تھا۔ سُنا ہی کہ وہاں اسکو اپنی محنت کا پورا معاوضہ نہ ملنے پر اُس نے واپس لے لیا اور وہ یہاں فروخت ہوا۔ واقعی گلدستہ صنعت کا نمونہ ہی۔ جس جس رنگ کے پھول ہوتے ہیں اُسی رنگ کی باریک سیپیاں جمع کرکے اس گلدستہ میں پھول بنائے ہیں آبی رنگ کی سیپی کا پھول ہی تو اُسی رنگ کی چھوٹی سی کلی ہی۔ اسی طرح گلابی شربتی کاسنی ہر رنگ کی سیپی کا کھلا ہوا پھول ادھ کھلا پھول چٹخی ہوئی کلی بالکل بند کلی سب موجود ہیں۔ ایک کلی جتنے رنگ بدل کر پھول بنتی ہی وہ سب رنگ اور شکلیں ویسی ہی بنی ہوئی ہیں۔

ایک کمرے میں کئی الماریاں زیور اور کپڑے وغیرہ کے لیے رکھی تھیں۔ ان الماریوں کے کواڑوں کے چاروں طرف پرانے سکّے لکڑی کے حلقوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ الماری کے سیاہ رنگ میں بڑے بڑے سفید روپیے چمکتے ہوئے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اس طرح پُرانی یادگار بھی محفوظ رکھی ہی۔

محل کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دروازہ کے پاس ایک شیر کھڑا ہے یہ شیر کوئی چھ سات سال ہوئے بیگم صاحب نے خود شکار کیا تھا۔ محل میں صفائی اور سب

چیزوں کا قرینہ اور قاعدہ کہہ رہا تھا کہ بیگم صاحبہ خود سلیقہ مند ہیں اور ہر ایک کام پر خود نظر رکھتی ہیں۔ اور محلوں کا سا لاؤبالی پن جیسا کہ سُننے میں آتا ہی یہاں نہیں ہی کہ سب کچھ ہی اور کچھ نہیں۔ یہاں یہ بھی نہیں ہی کہ سینکڑوں نوکر بھرے پڑے ہیں اور شور وغل مچ رہا ہی اور بے تہذیبی کی واہیات باتیں ہو رہی ہیں۔ جدہر جاؤ نوکروں کے بستروں کے ڈھیر سامنے پڑے ہیں۔ کھاتے ہیں پہنتے ہیں لڑتے ہیں۔ کام دیکھا جائے تو ہر جگہ ان کی کاہلی نظر آئے گی۔

یہاں کے نوکر وقت پر کام کر کرا کر ایسے چھپے رہتے ہیں کہ بے ضرورت سامنے نہیں آتے۔ جب نوکر کام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو چھوکرے چھوکریوں کو الگ الگ کمرے میں بٹھا کر سلائی دی جاتی ہی۔ اس سے کئی فائدے ہیں ایک تو وہ سب اچھے دستکار بن گئے ہیں دوسرے مفت میں خوبصورت کام بن جاتا ہے سب سے زیادہ یہ کہ بیکاری میں جو مشغلے سوچتے ہیں اُنسے نجات ملتی ہی۔ یہ سب بیگم صاحبہ کے حسن انتظام کا نتیجہ ہی۔

ایک بجے کے قریب اپنے مہمان خانے میں واپس آئے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آرام لیکر چار بجے کے قریب بہن زہرا فیضی اور بیگم صاحبہ ایک آبشار دکھانے لے گئیں دو گاڑیوں میں ہم سب سوار ہو کر چلے۔ پہاڑ پر لینڈو اور موٹر کار نہیں چڑھ سکتی تھیں اسلیے کئی بہنیں بہلی میں سوار ہو گئیں اور بیگم صاحبہ بہن عطیہ فیضی اور میں پیدل ہی چڑھتے رہے۔ ان دونوں بہنوں کو تو پہاڑ پر چڑھنے کی عادت تھی مجھے کچھ تکان معلوم ہوئی مگر خوب چلتی رہی۔ باتوں میں رستہ معلوم نہیں ہوا۔ اگرچہ موسم خشک تھا تو بھی خاصی سبزی پھیلی ہوئی تھی۔ پہاڑ کے دامن میں کگرونده کا بھی گھرا گھٹا تھا۔ جزیرہ کا کگرونده جامن کے مشابہ ہی صورت بُری ہی مزا اچھا ہی بہت میٹھا ہوتا ہی۔ ہماری طرف کا کگرونده دیکھنے میں اچھا لگتا ہی مگر مزے میں اتنا کھٹا ہوتا ہی کہ کھانے کی چیز

نہیں سمجھا جاتا۔ سوائے مربے اچار کے۔ دور سے ایک آبشار دیکھتے ہوئے دوسری پہاڑی پر گئے وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا اور آگے چبوترا تھا۔ اس پر دری بچھی ہوئی تھی سب نے وہاں بیٹھ کر آرام لیا۔ اور ناشتہ کرنا شروع کیا۔ بیسن کی پھلکیاں اور کئی تلی ہوئی چیزیں بہت مزے کی معلوم ہوتی تھیں۔ ناریل کا پانی پیا۔ جزیرے کے ناریلوں میں کوئی کوئی بہت میٹھا نکلتا ہے اس کا کچھ خاص نام ہے جو مجھے یاد نہیں۔ اسوقت کا سماں خوب یاد تھا۔ شام کا وقت درختوں سے گھیری ہوئی جگہ کوئی فرش پر بیٹھا ہے تو کوئی پہاڑی کی چٹان پر کھڑے کھڑے کھا رہا ہے خاصی دیر اس لطف میں گزار کر رات کی سیاہی پھیلنے سے پہلے واپس آ گئے۔

۲۹۔ مئی آج بھی زہرا فیضی صاحبہ نے کئی جگہ لے جانے کو کہا مگر اخیر میں یہی بہتر سمجھا کہ گھر بھی رہ کر دن گزاریں کیونکہ کل ۳۰ کو بمبئی آنا تھا ۳۱ کو جہاز بند ہونے کو تھے سمندر میں طوفان کی بھی خبر تھی۔

نازی پارک پر سے بیگم صاحبہ کے ساتھ محل میں چلے گئے وہاں بیگم صاحبہ کا زیور اور لباس دیکھا یوں تو سبھی والیان ریاست کے پاس جواہرات کی کمی نہیں ہوتی اور لباس بھی ایک سے ایک اعلیٰ زرین ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ہائنس بیگم صاحبہ جزیرہ کے لباس میں نفاست اور زیور میں موزونیت پائی جاتی ہے۔ نفاست سے میرا مطلب یہ نہیں ہے جو کہ انھوں نے سمجھ رکھا ہے کہ عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور بالکل سادہ۔ انگریزی فیتہ جھالر کے سوا جھوٹ موٹ کو بھی گوٹا لگانا برا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی زیور سے بھی نفرت ہو چلی ہے۔ گوٹہ کا خوب صورت کام بنایا جائے تو واقعی کپڑے کی خوبی نکل آتی ہے۔ بیگم صاحبہ کے لباس پر ریشم سلمہ ستارے اور کلابتون کا خوبصورت کام بنا ہوا ہے۔ بمبئی کی ٹکلیں لگی ہوئی ہیں۔ لہنگوں پر نیچے کے رخ ایک ایک بالشت

کی ٹکائی ہی۔ دوپٹوں پر بھی خوب صورت طرح سے مصالحہ ٹکا ہوا ہے۔ مگر بھاری جو کام لہنگوں پر ہی اس کے جوڑ کے لیے اگر دہلی سے دوپٹے تیار کرائے جائیں تو بہت موزوں ہوں۔

معمولی دوپٹوں پر ٹھپہ گوکھرو وغیرہ بھی لگا ہوا ہی۔ ایک سفید اطلس کے لہنگے پر کلابتون سے بنا ہوا گلدستہ لگا ہی اور اس میں سچی سیپ کے انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں۔ پنچے میں بھاری ٹکائی ہی۔ یہ لہنگا بہت خوب صورت وضع دار ہی۔ مجھے بہت پسند آیا۔ اپنے سب کپڑے بیگم صاحبہ خود بتا کر سلواتی ہیں۔ صرف درزی کے حوالے نہیں ہوتے۔ بیگم صاحبہ کو دہلی کا لباس بہت پسند آیا۔ خاصکر فرشی پجامہ اور ڈوپٹہ اوڑھنے کی وضع بھی۔ ایک فرشی پجامہ بنوایا ہے۔ زیور کا بھی بیگم صاحبہ کو بھی بہت شوق ہی۔ کسی جوڑ میں اگر موتی کا زیور پہنتی ہیں تو بُندے سے لیکر چوڑیوں تک یکساں سیٹ ہوتا ہی۔ ایسے ہی ہیرے یاقوت زمرد وغیرہ کے جوڑ ہیں۔

نواب بیگم صاحبہ کے اکثر خیالات دہلی کے محلات کے پائے جاتے ہیں جس طرح شاہزادیوں میں نازک خیالی تھی اور اُنکے سبب سے رعیت کا بھی یہی طریقہ ہو گیا تھا کہ جس رنگ کا لباس پہنتی تھیں اسی رنگ کا زیور اور پلنگ کا بستر اور فرش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ شیشہ کے حقہ کے پانی میں پھول بھی اسی رنگ کے ڈالے جاتے تھے۔

بیگم صاحبہ جس رنگ کا لباس پہنتی ہیں اُسی رنگ کے نگوں کا زیور ہوتا ہی۔ نواب بیگم کو زیور کا بہت شوق ہی۔ کئی کئی وضع کے زیور ہیں۔ بجلی بند بنوالنے کو کہہ رہی ہیں۔ واقعی یہ ہی کہ خوبصورت زیور اور کپڑا انسان کی خوبصورتی کو بڑھاتا ہی۔ میں کبھی اس مصرعہ کی قائل نہیں ہوں۔ مصرع نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی" یہ کیا ضرور ہے کہ ازلی خوبی کو تنہا ہی رکھا جائے دنیاوی خوبی ملا کر دُگنی کیوں نہ کی جائے۔

زیور اور کپڑا دیکھتے ہوئے کھانے کا وقت آگیا اور ہم راحت منزل کی طرف چلے

اسوقت کا کھانا بہن عطیہ صاحبہ نے راحت منزل میں جا کر پکایا تھا۔ محل سے دور کھیتوں کے کنارے ایک ہوادار سائبان پڑا ہوا ہے۔ اس میں فرش پر دستر خوان بچھا ہوا اور طرح طرح کا کھانا چُنا ہوا تھا۔ اس دن کا کھانا بہت لذیذ تھا اور زیادہ لذت یہ تھی کہ ایک عزیز بہن نے گھر میں محنت کرکے ہمارے لیے پکایا تھا۔ سب نے تعریف کرکے کھایا اور برتن خالی کر دیے۔ کھانے سے فارغ ہوکر مقبول امیر میں گئے۔ یہ جگہ درختوں سے چھائی ہوئی تفریح کے لیے بہت اچھی ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد اپنے اپنے ٹھکانے پر گئے۔

آرام لیکر چار بجے محل سے بُلاوا آیا ہم وہاں گئے۔ بیگم صاحبہ کے لیے دہلی کا فرشی پائجامہ کرتا۔ اور لباس کی تراش خراش پر ذکر رہا۔ نواب بیگم صاحبہ کو جھومر جھلیاں بھی بہت پسند آئیں۔ بیگم صاحبہ کا ارادہ ہے کہ اپنے لیے جھومر جھلیاں پیرس سے بنوا کر منگوائیں۔ واقعی وہ ہلکی اور نازک ہوں گی۔ یہ دن بھی لطف کا گزرا اور رات کو کھانا کھا محل سے واپس آئے۔

۳۰ کی صبح آج ہماری واپسی کا دن ہے۔ اگرچہ بیگم صاحبہ نے اور بہن زہرا فیضی صاحبہ نے اور سب نے دو ایک دن اور ہم سے رہنے کو کہا مگر وہ بھی زیادہ روکتے ہوئے ہچکچاتے تھے اور میں تو ٹھہرنے پر راضی نہ ہوتی تھی۔ سمندر نے ایسا پریشان کیا تھا کہ رہنا مشکل ہوگیا۔ مجبوراً سب سے رخصت ہوئی اور بمبئی پہونچی۔ بہن مسز علی اصغر فیضی بھی بمبئی آگئی تھیں۔ بمبئی میں ان کی خالہ صاحبہ اور مسز لقمانی سے ملی بہت خلیق بی بی ہیں۔ شام کو بہن مسز علی اصغر زنانہ جسم خانے لے گئیں۔ یہ عمارت ایک مسلمان بی بی کی فیاضی سے بنی ہے۔ اس میں کئی کمرے ہیں اور سب فرش میز کرسی وغیرہ سے آراستہ ہے۔ بجلی کی روشنی بھی سب میں ہے۔ ایک بیڈ منٹن کوٹ بنا ہوا ہے۔ مینھ اور ہوا میں بھی وہاں کھیل سکتے ہیں۔ صحن میں بھی ٹینس کوٹ۔ بہت بڑے صنعت کی عمارت ہے۔ اسکا داخلہ

سو روپیے اور ماہواری چندہ پانچ روپیہ ہی۔

اس جسم خانے میں ہفتہ میں دو دن مسلمان بیبیاں نہیں آتیں کیونکہ دو دن پارسی بیبیاں معہ اپنے مردوں کے آتی ہیں۔ جسم خانے میں ہملین مسز روگھے ملین بڑی اچھی بی بی ہیں۔ تھوڑی دیر ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے ہمیں چاے کی دعوت دی لیکن جانا ممکن نہ تھا اس لیے عذر کر دیا۔ مسز روگھے صاحبہ کو بھی اور مجھے بھی افسوس رہا کہ ان کی صاحبزادی مسز پرنس نصر اللہ خاں اور سلطان جہاں بیگم آف سچین بمبئی میں موجود نہ تھیں ورنہ ملاقات ہوتی۔ اور کئی بیبیاں بمبئی میں موجود نہ تھیں جسکا مجھے بھی اور اُن بہنوں کو بھی افسوس رہا۔

قریب ایک گھنٹے کے ٹھہر کر جسم خانے سے واپس آگئے۔ مجھے یہ عمارت اور آنا اور بیبیوں کا آنا بہت پسند آیا اور یہاں آکر تھوڑی دیر تفریح کا وقت گذارتی رہی اگرچہ بمبئی بڑا اور خوب صورت شہر ہی لیکن اصل پوچھو تو متوسط حال کے لوگوں کے لیے موزوں نہیں۔ یہاں وہ لوگ رہیں جو لاکھ پتی ہوں۔ بمبئی کی آب و ہوا سے ہمارا تو دل بیزار ہوگیا۔ مکان اس قسم کے بنے ہوئے ہیں کہ صحن کا نام نہیں کرایہ کی زیادتی غضب کی۔ پچاس روپیے میں دو کمرے اور غسل خانہ یا ایک باورچی خانہ صحن ایک بالشت بھی نہیں۔ شام کے وقت چاہے دل کتنا ہی پریشان ہو گرمی کے مارے مگر آسمان کے نیچے آنے کو جگہ نہیں بہت ہو تو گاڑی منگوا کر ہوا خوری کر آئیں۔ وہاں کی بیبیوں کی عجب زندگی ہی جنکے مکان بے صحن کے ہیں وہ گرمی کا وقت کاٹنے سمندر کے کنارے چلی جاتی ہیں۔ وہاں ہوائیں سانس لیتی ہیں۔ اور رات کی ٹھنڈک ہونے پر واپس آتی ہیں۔ گرمی میں دس بجے تک سمندر کا کنارہ مرد عورتوں سے پٹا پڑا رہتا ہے۔ مسلمان پردہ دار بیبیاں تو اس طرح کب جا سکتی ہیں کبھی کوئی چلی گئی۔ ورنہ پارسی بیبیوں کی رنگ برنگی ساڑیوں کی بہار ہوتی ہی۔ شاید ہی کوئی پارسی بی بی شام کو گھر میں

ہوتی ہونگی۔

بمبئی میں مینے کسی کے مونھ پر برخلاف پشاور پنجاب کے سرخی کا نام نہیں دیکھا۔ یا تو اتفاق سے مجھے ہی کوئی ایسی بی بی نہیں ملیں جنکے چہرے پر سُرخی ہو۔ پارسنیں بہت گوری مشہور ہیں مگر وہ بھی پھیکی زرد۔ میرا خیال ہی کہ ہندوستان میں پنجاب کی آب و ہوا صحت کے لیے اچھی ہی۔

پشاور کا تو ذکر ہی کیا ہی۔ گویا یہاں سے تو اچھی ہوا چلنی شروع ہوتی ہی۔ جو محنت مزدوری کرنے والے ہیں اُن کے چہروں پر بھی تازگی اور سُرخی ہی۔ بس گدڑیوں کے لعل ادھر ہی ہوتے ہیں۔ فقط

رقمہ
سلطان صاجبہ

بقیہ شاہ لیر

(ایڈگر دیوانہ کا بھیس بدلے ہوئے جھونپڑی سے باہر نکل آیا)

ایڈگر۔ بھاگو بھاگو ناپاک بھوت میرے پیچھے آرہا ہی! تیز کانٹے دار جھاڑیوں میں سخت ہوا چل رہی ہی۔ ہوں ہوں۔ جاؤ جاؤ۔ چلو۔ چلو اپنے گھر بچھونا بچھا کر سو ؤ ورنہ سردی لگ جائے گی۔

لیر۔ کیا تمھارے پاس جو کائنات تھی وہ سب تم نے اپنی لڑکیوں کو دیدی اور اسی وجہ سے تمھاری یہ حالت ہوگئی۔

ایڈگر۔ غریب دیوانہ کے پاس کیا دھرا ہی۔ مجھے ملعون بھوت نے دہکتی آگ و آگ کے شعلوں میں گھسیٹا ہی۔ پانی کے گردابوں اور آبشاروں میں غوطے دیئے ہیں اور کیچڑ اور دلدل میں میری مٹی خراب کی ہی۔ اس بھوت کا بُرا ہو کہ اُس نے میرے بچھونوں میں

تیز تیز چھریاں رکھدیں جس سے میرا جسم کٹ گیا۔ میں گرجے میں بیٹھا تو میرے گلے میں
پھانسی ڈال دی جس سے میرا گلا گھٹ گیا۔ میری فیرنی میں زہر ڈالدیا اور مجھے ایسا دیر
بنایا کہ مونھ زور گھوڑے پر سوار ہوکر چار انچ چوڑے پلوں کے اوپر سے گزرنے کی
ہمت باندھی اور یہ حالت کر دی کہ میں اپنے سایہ کو دیکھ دیکھ کر یہ سمجھا کہ میرے ساتھ میرا
کوئی دشمن لگا ہے۔ اپنے حواس خمسہ کی خیر منائی۔ غریب دیوانہ مارے سردی کے
ٹھٹھرا جاتا ہی۔ ڈی۔ ڈی۔ ڈی۔ ڈی (دانت سے دانت بجاکر ایسی آواز نکالتا ہی کہ گویا
مارے سردی کے اُس کی آواز نہیں نکلتی اور زبان لڑکھڑائی جاتی ہی) خدا سے دعا
مانگو کہ وہ تم کو باؤ بگلوں سے اور بُرے تاروں کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ مجھ غریب
دیوانہ پر مہربانی کیجیے کیونکہ اس ناپاک بھوت نے مجکو بہت ستایا ہی دیکھو دیکھو وہ کھڑا ہی
وہ کھڑا ہی وہ جا رہا ہی میں دیکھ رہا ہوں (جھکڑ اور آندھی بدستور چل رہی ہی)

لیر۔ کیا اس کی بیٹیوں نے اسکو اس حالت میں پہونچایا ہی۔ ارے کمبخت تونے اپنے لیے
کچھ بھی نہ رکھا سب اُنہیں کو دیدیا۔

دیوانہ۔ نہیں نہیں یہ پھٹا کمبل اُسنے اپنے لیے بچا رکھا ہی۔ ورنہ اسوقت ہمارے سامنے وہ
مادر زاد ننگا کھڑا ہوتا اور ہم شرمندہ ہوتے۔

لیر۔ خدا کرے تمام بیماریاں جو ہوا پر لٹک رہی ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ جو کوئی جرم
کرے اُتر کر اُسکو ہلاک کریں وہ سب آج تیری لڑکیوں پر اُتریں۔

کینٹ۔ حضور اسکے تو کوئی بھی لڑکی نہیں ہی۔

لیر۔ نمک حرام تو غارت ہوجائے اور کوئی دنیا کی مصیبت اس غریب کو ایسی حالت تک
نہیں پہونچا سکتی تھی سوائے اپنی نامہربان بیٹیوں کے اور نہ اسکو ایسی پستی کے گڑھے
میں کوئی چیز ڈال سکتی تھی۔ یہ تو ایک عام بات ہی کہ جن باپوں کو لوگ اپنے گھروں سے
نکال دیتے ہیں وہ سب قسم کی مصیبتیں جھیلتے ہیں اور اپنے اوپر کسی قسم کا رحم نہیں کرتے

اور اس طور پر اپنے جسم کو نہایت انصافانہ سزا دیتے ہیں جس سے کہ ایسی چیلیں پیدا ہوئی تھیں۔

ایڈگر۔ شتر مرغ شتر پہاڑی پر بیٹھا تھا۔ ہالو۔ ہالو۔ لو۔ لو۔

دیوانہ۔ آج کی سردی ہم سب کو دیوانہ اور پاگل بنا دے گی۔

ایڈگر۔ ناپاک بھوت سے ڈرتے رہنا۔ اپنے والدین کی فرماں برداری کرنا۔ اپنے وعدے پورا کرنا۔ قسم مت کھانا۔ کسی غیر عورت پر بد نظر مت ڈالنا۔ اور دنیا کی شان و شوکت کی ہوس میں مت پڑنا۔ ہاے کسقدر سردی ہی۔

لیر۔ تم بتا سکتے ہو کہ تم کون تھے۔

ایڈگر۔ میں ایک بے ڈھب آدمی تھا اور اپنے دل میں بہت مغرور تھا۔ اپنے بالوں کو خوب گھونگر والے بنایا کرتا تھا۔ اور تمام قسم کی برائیاں کرتا تھا۔ بات بات میں قسم کھاتا تھا اور دوسرے لمحہ میں اُن کو توڑ دیتا تھا۔ شراب پیتا تھا اور جوا کھیلتا تھا۔ اور اور برائیاں کرتا تھا۔ دل کا کھوٹا تھا۔ کانوں کا کچا تھا۔ اور ایک آدھ کا خون ہر روز کرتا تھا۔ مثل سور کے اپنے کام میں سُست تھا۔ مثل لومڑی کے چور تھا۔ مثل بھیڑیے کے لالچی تھا۔ باولے کُتے کی طرح دیوانہ پھرتا تھا۔ شیر کی طرح مظلوموں کا شکار کرتا تھا۔ دیکھو اپنے دل کو ظاہری ٹیپ ٹاپ پر شیدا مت کرو۔ جھگڑوں سے بچتے رہو۔ چوری چکاری سے پرہیز کرو۔ سود خور مہاجن کی بہی پر دستخط مت کیا کرو۔ تو ممکن ہی کہ تم ناپاک بھوت سے بچ سکو۔ ابھی تک خار دار جھاڑیوں سے تیز تیز اور سرد ہوا چل رہی ہی۔ ڈی۔ ڈی۔ ڈی۔ ڈی (ستی سوام۔ مم۔ ہا۔ نو۔ نونی، بچھوے میرے لڑکے۔ میرے لڑکے (سے۔ سا) چلو اسے بھاگ جانے دو۔

(آندھی بدستور چل رہی ہے)

لیر۔ بہ نسبت اسکے کہ تم سرد ہوا اور ایسی سخت بارش میں ننگے باہر پھرتے اور ایسی مصیبت

برداشت کرتے ہو بہتر ہوتا کہ مرجاتے اور آرام سے قبر میں جا سوتے۔ کیا آدمی کی اس سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں ہی۔ تم انسان کی حقیقت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہو کیونکہ تم پر کسی کا احسان نہیں ہی۔ نہ ریشمی کیڑے نے تم کو ریشم عطا کیا نہ کسی جنگل کے جانور نے چمڑا دیا۔ نہ بھیڑ نے تم کو اُون دی اور نہ ہرن نے تم کو مشک دیا۔ لیکن تم اپنی طرف دیکھو کہ ہم نے اپنی اصلی حالت کیسی بگاڑ لی ہی۔ تم واقعی انسان ہو کیونکہ جیسے پیدا ہوئے تھے ویسے ہی ہو۔ ہم نے تو لباس پہن کر اپنی شکل بگاڑ لی ہی۔ آدمی کے ساتھ اگر لباس وغیرہ کا دُم چھلا نہ لگا ہوتا تو وہ ایسا ہی ذلیل ننگا ٹیڑھا کبڑا ہوتا ہے جیسا کہ تم۔ لو یہ مانگے کی چیزیں میں اُتار کر پھینکتا ہوں۔ لو یہ بٹن کھول کر کوٹ پتلون پھینکے دیتا ہوں۔ (کپڑے اُتار کر ننگا ہو جاتا ہی)

دیوانہ۔ چچا صاحب خدا کے لیے ذرا صبر کیجیے یہ نہایت ہی سخت رات ہی آپ ننگے پھرینگے تو مر جائیں گے۔ دیکھیے کسی جانب سے کوئی روشنی لیے ہوئے ہماری طرف آرہا ہی۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ اندھیری رات میں شعلہ آپ ہی آپ چل رہا ہے۔

(گلاسٹر ہاتھ میں مشعل لیے ہوئے آتا ہے)

اڈگر۔ دیکھو یہ کالا بھتنا ہی سر شام باہر نکلتا ہی اور صبح تک پھرتا رہتا ہی۔ پھوہڑ عورتوں کو رات کو جا کر سوئیاں چبھوتا ہی۔ لوگوں کی آنکھیں بھینگی کر دیتا ہے۔ اور اُن کے ہونٹ کاٹ ڈالتا ہی۔ گیہوں میں پھپوندی لگا دیتا ہے۔ اور کیڑے مکوڑوں کو کچل ڈالتا ہے۔

کینٹ۔ حضور کی طبیعت کیسی ہی۔

لیر۔ یہ کون شخص آیا ہی۔

کینٹ۔ کون ہی بھئی کسکو ڈھونڈھ رہے ہو۔

گلاسٹر۔ تم کون ہو تمھارا کیا نام ہی۔
ایڈگر۔ ایک پاگل آدمی ہی۔ جو مینڈک اور ڈڑو۔ اور چھپکلیاں پکڑ پکڑ کر کھاتا ہے اور جبکہ آسیب کا زیادہ اثر ہوتا ہی تو گوبر اُٹھا اُٹھا کر کھا جاتا ہے جو کچھ الا بلا سامنے آتی ہے اسکو بھی ہڑپ کر جاتا ہے۔ گندے تالابوں کی کائی نگل جاتا ہے در در جوتیاں کھاتا پھرتا ہے۔ سزا ملتی ہے بیڑیاں ڈالی جاتی ہیں۔ قید خانے میں ڈالا جاتا ہے۔ میرے ساتھی ہوشیار رہنا۔ آہستہ آہستہ بھتنے شوخی کیوں کرتا ہے۔
گلاسٹر۔ کیا حضور کے پاس ان دیوانوں کے سوائے آدمی نہیں ہیں۔
ایڈگر۔ رات کا بھتنہ بھی تو ایک شریف آدمی ہے کیونکہ لوگ اسکو موڈو۔ اور موہو کہتے ہیں۔
گلاسٹر۔ حضور اعلیٰ ہمارا خون اور گوشت پوست ایسا کمینہ ہو گیا ہی کہ جن سے یہ پیدا ہوتے ہیں اُنہیں سے یہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔
ایڈگر۔ غریب دیوانہ کو سردی لگ رہی ہے۔
گلاسٹر۔ آئیے میرے ساتھ میرے مکان پر چلیے۔ آپ کی بیٹیوں کے سخت احکام کی وجہ سے میں اپنے فرائض کو فراموش نہیں کر سکتا۔ گو اُنھوں نے مجکو حکم دیا ہی کہ میں قلعہ کے دروازے بند کر دوں۔ اور آپ کو اندر نہ گھُسنے دوں اور اس شدید اور بے رحم آندھی اور تاریکی میں آپ کو پھرنے دوں تاہم میں نے یہ جرأت کی ہی کہ آپ کو ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا یہاں تک پہونچا ہوں۔ اب آپ چلیے آپکے لیے کھانا کھانے کو اور آگ تاپنے کو تیار ہے۔
لیر۔ ذرا ٹھہر جاؤ میں ذرا اس فلاسفر سے تو باتیں کر لوں (ایڈگر کی طرف اشارہ کر کے) کہیے جناب فلاسفر صاحب اس قدر گرج اور چمک کے کیا اسباب ہیں۔

کینٹ۔ مہربان آقا۔ ان صاحب کی بات مانیے اور ان کے مکان پر چلیے۔
لیر۔ میں اس دانا سے ذرا باتیں کرنا چاہتا ہوں (ایڈگر کی طرف اشارہ کرتا ہے)
کہیے صاحب آپ کن کن باتوں کے عالم ہیں۔
ایڈگر۔ میں تو صرف اس بات کا عالم ہوں کہ بد ذات بھتنہ سے کیسے جان بچاؤں
اور کیڑے مکوڑوں کو کیسے مارا کروں۔
لیر (ایڈگر سے) آؤ میں تم سے علیحدہ کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔
کینٹ (گلاسٹر سے) جناب آپ ذرا اصرار سے کہیے اور چلنے پر مجبور کیجیے۔ انکے
ہوش و حواس بالکل غائب ہوئے جاتے ہیں۔
گلاسٹر۔ بھئی اس میں بادشاہ کا کیا قصور ہی ان کی بیٹیوں کی بھی خواہش ہی کہ
وہ مرجائے۔ ہائے افسوس غریب کینٹ نے پیشین گوئی کی تھی کہ بادشاہ ان
حالوں کو پہونچیں گے افسوس کہ اسکو بھی جلاوطن کر دیا۔ تمھارا یہ خیال ہی کہ بادشاہ
دیوانہ ہوا جاتا ہے لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں خود دیوانہ ہوا جاتا ہوں
میرا ایک بیٹا تھا جسکو میں نے اب عاق کر دیا ہے۔ وہ میرے خون کا پیاسا بن گیا
ہی۔ اب میں نے اسکو نکال دیا ہی گو ابھی بہت دن نہیں گزرے کہ مجکو اس سے
انتہا درجہ کی محبت تھی۔ کبھی کسی باپ نے اپنے بیٹے سے اتنی محبت نہ کی ہوگی
جتنی مجکو تھی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس صدمہ نے مجکو دیوانہ بنا دیا یہ کیسی تکلیف دہ
رات ہی۔ (لیر کی طرف مخاطب ہوکر) حضور تشریف لے چلیے۔
لیر (ایڈگر کی طرف اشارہ کرکے) جناب میں آپ کی منت سماجت کرتا ہوں کہ آپ
میرے پاس سے نہ جائیے میں آپ ہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔
ایڈگر۔ ہائے کس قدر سردی ہی۔
گلاسٹر۔ چل رے تو تو جھونپڑی میں گھس جا۔

لیر۔ چلو ہم سب اس جھونپڑی میں چلتے ہیں۔
کینٹ۔ ادہر تشریف لے چلیے۔
لیر۔ میں اس فلاسفر کے ساتھ رہونگا۔ میں کہیں نہیں جاؤنگا۔
گلاسٹر۔ چلو اب چپکے چپکے سب چلو۔

(باقی آیندہ)

اڈیٹوریل

رنج و راحت۔ یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہی جسے ہمارے کالج کے ہونہار نوجوان مسٹر آفتاب عمر بی اے نے لڑکیوں کے لیے لکھا ہی۔ معدودے چند افسانے ایسے موجود ہیں جو لغویات اور شرمناک حوالوں سے پاک ہوں اور جنھیں شریف لڑکیاں دیکھ سکیں۔

اگرچہ محبت کے افسانے رنج و راحت میں بھی درج ہیں اور الفت و محبت کے کرشمے ہر طرف نظر آتے ہیں لیکن ایک پاک نفس خاوند اور اُس کی وفادار بی بی کی محبت، ماں بیٹیوں کی محبت، بہنوں کا پیار اس خوبصورتی کے ساتھ دکھایا گیا ہی کہ دل پر گہرا نقش کرتا ہی۔ ایام غدر میں ایک شریف گھرانے کی تباہی اور اُس کے بعد طرح طرح کی مصائب اور جدائی کے حالات نہایت دلکش پیرایہ میں دکھائے گئے ہیں۔

اس کتاب میں جمیلہ کی صورت میں شریف لڑکی کی نہایت اعلیٰ پیمانے کی مثال قائم کی گئی ہے۔ ہمیں امید ہی کہ یہ کتاب شوق سے پڑھی جائے گی۔

قیمت صرف آٹھ آنے۔ منیجر رسالہ خاتون۔ نیز منیجر دیوٹی بک ڈپو علی گڈھ سے مل سکتی ہے۔

سیاحت ہند

مسلمانوں میں قدیم سے سیر وسیاحت کا مذاق چلا آتا ہی۔ عرب سیاحوں نے اس وقت میں جبکہ یورپ بالکل تاریکی میں تھا دور دراز ملکوں کے حالات پر ایسی روشنی ڈالی تھی کہ جس کی تصدیق آج پورے طور پر ہورہی ہی۔ ابن بطوطہ وغیرہ سیاحوں کے نام ہر شخص جانتا ہے۔ آجکل کی سیاحت تو ایک مذاق ہی کہ عورتیں بھی ریل اور جہازوں میں بیٹھ کر گھوم آتی ہیں۔ مگر جس زمانہ میں ابن بطوطہ نے سیاحت کی تھی وہ زمانہ ایسا تھا کہ نہ ریلیں تھیں، نہ جہاز تھے، نہ پکّی سڑکیں تھیں اور نہ رستوں کی محافظ وچوکیدار تھے ہر چپّے چپّے پر ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا تسلط تھا ایسے زمانہ میں جن لوگوں نے صحرا اور دشت نوردی کرکے سیاحت کی تھی وہ لوگ فی الواقع دنیا کے بڑے اُلو العزم بہادروں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں اور اُنکی ہمت اور قوت ارادی ہمارے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ مثالیں ہیں۔

افسوس ہی کہ آجکل مسلمان کچھ ایسے خانہ نشین ہوئے ہیں کہ گھر سے باہر نکلنا ہی نہیں جانتے۔ بالخصوص ہماری مستورات تو ہمارے مردوں کے اعلیٰ اور دلیرانہ کاموں کی سدّ راہ ہورہی ہیں۔ اور وہ کبھی گوارا نہیں کرتیں کہ کبھی کوئی مرد خواہ اُنکا خاوند ہو یا اُن کا بیٹا ہو ان کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ چلا جائے

ہم اس زمانہ میں اپنے معزز دوست شیخ عبد الرحمٰن صاحب امرتسری کا دم بہت غنیمت جانتے ہیں کہ اُنھوں نے اول تو تمام اسلامی ممالک روم شام مصر وغیرہ کا سفر کرکے اپنا ایک سفرنامہ اپنے ہندوستانی بھائیوں کے واسطے طبع کرایا۔

اور اب اُنھوں نے ہندوستان کے تمام صوبوں اور شہروں میں اُس وسیع پیمانہ پر سفر کر کے اس ملک کا سفرنامہ شائع کرایا۔

ناظرین کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہمارے دوست نے اس وسیع ملک کا کوئی حصہ بلا دیکھے نہیں چھوڑا۔ سرحدی صوبے کے شہروں سے لیکر بنگال اور مدراس اور راس کماری اور سوئٹہ بندر راميشر تک گویا کہ کوئی مقام بھی جو ہندوستان کے جغرافیہ میں قابل ذکر ہو سکتا ہے نہیں چھوڑا۔ اور ہر مقام کے حالات مختصر طور پر نہایت دلچسپ لکھے ہیں۔

جو لوگ فضول ناول پڑھنے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں وہ اگر اس کتاب کو پڑھیں تو ناول کے لطف کے علاوہ اُن کو اُن کی معلومات میں بھی انتہا درجہ کی وسعت ہو سکتی ہے۔

کتاب شیخ عبد الرحمٰن صاحب موصوف سے بمقام امرتسر مل سکتی ہے۔

انشاءِ مفید النساء ۔ مصنفہ مولوی عبد اللہ خاں صاحب. مدرس دوم مدرسۂ دریاباد واقع ضلع بارہ بنکی۔

یہ ایک مفید تصنیف لڑکیوں کی تعلیم کی غرض سے معزز مصنف نے شائع کی ہے اس میں روزمرہ کی آپس کی خط و کتابت کے نمونے اور طریقے مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ درج کیے ہیں۔

کُل دنیا کی زبانوں میں خطوط نویسی کی تعلیم کے لیے بالکل جداگانہ رسالے ہوتے ہیں۔ چنانچہ فارسی میں اس فن میں بہت سی انشاء موجود ہیں۔ مثلاً دستور الصبیان انشاء قیصر ساں۔ رقعات عالمگیری وغیرہ وغیرہ۔ انگریزی میں بھی بہت سی کتابیں

لٹیرائٹر کے نام سے مروج ہیں۔ مگر اُردو میں اس فن میں ابتک بہت کم اچھے قسم کے رسالے تصنیف ہوئے ہیں اور بالخصوص مستورات کے لیے تو بہت ہی کم رسالے ہیں۔ انشاء مفید النساء اس کمی کو ایک حد تک پورا کرتا ہی اور ہمیں امید ہے کہ جیسا اسکے نام سے ظاہر ہی یہ انشا نسواں کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ اس کتاب کے ملنے کا پتہ حسب ذیل ہے۔

حاجی محمد عبد القیوم صاحب تاجر کتب کلکتہ ویلسیلی اسکوئر

پنجاب ریویو

یہ ایک جدید ماہواری رسالہ پنجاب سے جناب ظفر علی خاں صاحب بی اے کی اڈیٹری میں ماہ اگست سنہ ۱۹۱۰ء سے شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ دراصل یہ جدید رسالہ نہیں ہی بلکہ اسکو دکن ریویو کا اوتار کہنا چاہیے۔ ہم نہایت خوشی سے اس اعلیٰ اضافہ کا جو ہمارے اُردو لٹریچر میں ہوا ہے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اسکے مضامین ترتیب۔ چھپائی۔ کاغذ وغیرہ کے دیکھنے سے ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ پنجاب ریویو ہمارے ماہواری رسالوں کے اوّل درجہ کے رسالوں میں سے ہی۔ اور ہمارے نہایت قابل دوست ظفر علی خاں صاحب کی لٹریری قابلیت اور اعلیٰ درجہ کی ذہانت جسکا اخباری پبلک کو پورا اعتراف ہوگا اس رسالہ کی کامیابی کے لیے کافی ضمانت تصور کرتے ہیں۔

اس رسالہ کے اول نمبر کے مضامین ایک بڑی سنجیدگی اور متانت کی خوشخبری دے رہے ہیں اور اس لحاظ سے ہم اس رسالہ کی سفارش کر سکتے ہیں کہ ہماری مستورات بھی اسکو پڑھیں۔

اس کی سالانہ قیمت اول درجہ کے کاغذ پر ؏ اور عام قسم کے کاغذ پر ؏ مقام اشاعت کرم آباد وزیر آباد پنجاب۔

امسال بجائے ایک مہینہ کے چالیس روز کے لیے مدرسۂ نسواں بند کر دیا گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ عید کے بعد فوراً ہی استانیوں کا یا لڑکیوں کا باہر سے آکر شامل ہونا دشوار تھا اسلیے آٹھ روز کا اضافہ کر دیا گیا ہے لہٰذا مدرسہ پانچ ستمبر سے لیکر پندرہ اکتوبر تک بند رہے گا۔

ہمیں یہ سُنکر بہت افسوس ہوا کہ ایک لڑکی فضلن نامی جو ہمارے مدرسہ کی طالب علم تھی اور جسنے لکھنے پڑھنے میں بہت کچھ ترقی حاصل کی تھی اور اُردو کی نوشت خواند میں اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اُس کا ہیضہ کے مرض سے انتقال ہوگیا۔ ہمارے مدرسہ کو اس قسم کے اکثر نقصانات پہونچتے رہتے ہیں۔ بعض لڑکیاں تو جب کسی قابل ہو جاتی ہیں تو اُنکے ماں باپ شادیاں کر دیتے ہیں اور اُن کا پڑھنا لکھنا وہیں رہجاتا ہے اس لڑکی کا یوں انتقال ہوا چند لڑکیاں علی گڈھ سے چلی گئیں۔ ہمیں اس لڑکی کے اعزا سے دلی ہمدردی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ آخر کار جب سے بھادوں کا مہینہ شروع ہوا ہے بارش خوب ہونے لگی ہے اور قحط سالی کا اندیشہ بالکل جاتا رہا ہے خدا نے اپنی مخلوق پر رحم کیا جائے شکر ہے۔

جناب انسپکٹرس صاحبہ حلقہ آگرہ نے پھر باقاعدہ مدرسۂ نسواں کا معائنہ کیا اور چند بہت ہی ضروری ہدایتیں کی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ سامان کافی نہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے پوری تعمیل سے قاصر رہیں گے۔

خاکسار اڈیٹر سے عندالملاقات انسپکٹرس صاحبہ نے فرمایا کہ اس صوبے میں آپ کا مدرسہ ایک بڑا مدرسہ سمجھا جاتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ ٹرینڈ۔ یعنی نارمل کی پاس کی ہوئی اُستانیاں اس مدرسہ میں رکھیں کیونکہ آجکل کے زمانے میں بلا نارمل پاس کیے ہوئے کوئی اُستاد عمدہ طور پر بچوں کو تعلیم نہیں دیسکتا۔

خاکسار نے جواب دیا کہ میں نے اعلیٰ درجے کی اُستانیوں کے بہم پہونچانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اگر آپ مجھے کچھ اُستانیاں دیں تو میں بڑی خوشی سے اُن کو مدرسہ میں رکھونگا۔

انسپکٹرس صاحبہ نے وعدہ کیا ہے کہ میں دو اُستانیاں بڑی قابل نارمل پاس کیے ہوئے آپ کو دوں گی۔

انسپکٹرس صاحبہ الہ آباد کی نمایش کے زنانہ حصہ کے لیے مدرسہ سے متعدد اشیا لے گئی ہیں۔

نوٹس منجانب سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن علیگڈھ

مجکو زنانہ نمایش کی مصنوعات کے متعلق کسی جوشیلے نوجوان کی اشد ضرورت تھی کہ وہ خط و کتابت میں و نیز اشیار کی فراہمی میں مجکو مدد دیں۔ مجکو بہت خوشی ہی کہ مسٹر نور محمد صاحب بی اے۔ علی گڈھ کالج نے امسال مجکو پوری مدد دینے کا وعدہ کیا ہی اور میں نے اُن کو نمایش کے لیے اسسٹنٹ سکرٹری مقرر کیا ہی اور اُن کو اختیار دیا ہی کہ وہ میری جانب سے نمایش کی کامیابی کے لیے میری ہدایت اور مشورہ سے کوشش کریں۔ اس وقت میں اُنکا مشکور ہوں اور مجھے امید ہی کہ وہ اپنے کام سے قوم کو بھی مشکوریت کا موقع دینگے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۷

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۹

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

۱۲۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

شیخ عبد اللہ بی اے پبلشر نے علی گڈھ سے شائع کیا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت ؎۱
اور ششماہی ۱۲؍ ہے۔

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جب تک مرد اس طرف متوجہ
نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے
کے ذریعے سے مستورات کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات
ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا
کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات
کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم
رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان
میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آمدنی
سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت
کے لیے تیار کیا جائے گا۔

۷۔ تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

ہائیں تم بھی اُنہیں کی بیوی ہو

ریلوے اسٹیشن امرتسر پر سہارنپور سے آنے والی گاڑی کھڑی تھی۔ سکینڈ کلاس کے ایک درجہ میں تو چند یورپین تھے۔ اور دوسرے میں ایک برقعہ پوش ہندوستانی بیگم بیٹھی تھیں۔ ایک دوسری عورت بھی کھڑکی سے مونھ نکال کر دیکھ رہی تھی جو حیثیت سے ملازمہ معلوم ہوتی تھی۔

گاڑی کو ٹھہرے ہوئے دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ایک اور برقعہ پوش عورت ویٹنگ روم سے نکلکر تیز قدم بڑھاتی سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ کے آگے پہونچی۔ اور مونھ سے برقعہ کا رومال اُٹھا نہایت زور سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ بیچاری وہ عورت جو پہلے کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ حیران دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

پھر ان نئی مسافر بی بی نے اپنے نوکر سے ٹرنک بستر وغیرہ رکھوا دیا۔ اور گاڑی چل پڑی تو ان دونوں پردہ نشین بیبیوں نے اپنے برقعے اُتار ڈالے۔ لباس

ان کے بالکل مختلف تھے۔ ایک ہندوستانی اور دوسری پنجابی معلوم ہوتی تھیں
پہلی مسافر بی بی سفید خاصے کا ہندوستانی بڑا غرارہ اور ململ کا پیازی رنگا ہوا کُرتی دوپٹہ پہنے تھیں۔ اور زیور بھی ویسا ہی۔ ہاتھوں میں سونے کے دو دو بتاسے اور پچھے ہندوستانی چوڑیاں۔ گلے میں چمپا کلی اور کانوں میں بجلیاں پڑی تھیں۔ ناک میں ایک طرف لکھنؤ کی چھوٹی سی کیل۔ مونھ میں پان اور مسی بھی۔ پیروں میں دہلی کی سلیم شاہی جوتی تھی۔

اور دوسری امرتسر سے سوار ہونے والی بی بی سبز کناویز کی شلوار اور گلابی ریشمی پھولدار قمیص۔ آسمانی مخمل کی واسکٹ پہنے اور بادامی پھولدار کریپ کا دوپٹہ اوڑھے تھیں۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے اور کانوں میں جڑاؤ دُر تھے۔ اور پاؤں میں کابلی جوتی تھی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستانی بی بی سے یہ زیادہ خوبصورت تھیں کیونکہ وہ بھی نہایت حسین تھیں۔ ہاں عمر میں اُن سے شاید کچھ کم ہونگی۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد ان مسافر بیبیوں میں سلسلہ گفتگو یوں شروع ہوا۔

ہندوستانی بی بی۔ آپ کہاں تشریف لیے جا رہی ہیں۔

پنجابی بی بی۔ پشاور۔

ہندوستانی بی بی۔ وہاں کیا کام ہے۔

پنجابی بی بی۔ وہاں میرا میکہ ہے۔ امرتسر میں اپنی چھوٹی بہن سے ملنے آئی تھی۔ یہاں میرے بہنوئی بارک ماسٹری میں ٹھیکہ دار ہیں۔ آپ کہاں سے آرہی ہیں۔

ہندوستانی بی بی۔ میں سہارنپور سے سوار ہوئی ہوں۔

پنجابی بی بی۔ وہاں آپ کا گھر ہے؟

ہندوستانی بی بی (نامعلوم سی سرد آہ بھر کر) میرا گھر نہیں تو۔ ہاں میرا میکہ سہارنپور میں ہے۔

پنجابی بی بی۔ اب آپ کہاں جارہی ہیں۔
ہندوستانی بی بی۔ میں جہلم جاتی ہوں۔
پنجابی بی بی۔ وہاں آپ کے شوہر ہونگے؟
ہندوستانی بی بی۔ شوہر تو نہیں مگر وہ میری سسرال ہے۔ وہ تو آج کل کسی اور جگہ ہیں۔
پنجابی بی بی۔ جب وہ وہاں نہیں تو آپ سسرال کیوں جارہی ہیں۔ آپ اُنہیں کے پاس کیوں نہیں جاتیں۔
ہندوستانی بی بی۔ یہ آپ نے کیا کہا کہ جب وہ وہاں نہیں تو کیوں جاتی ہو۔ ہم ہندوستانی لڑکیوں کی سسرال ہی میں گزرتی ہے چاہے وہ وہاں ہوں یا نہ ہوں۔ اب آگے تو اتنا رواج بھی ہوگیا ہے کہ بیبیاں میاں کی جائے ملازمت پر جانے لگی ہیں ورنہ پہلے تو اتنا بھی نہ تھا۔
پنجابی بی بی۔ توبہ بہن ہم سے تو ساس نند کے پاس گزارہ نہیں ہوتا۔ جہاں اپنا مالک وہاں اپنا گھر۔ میری تو جب سے شادی ہوئی ایک دفعہ بھی سسرال نہیں گئی۔ ساس نندوں کی شکل بھی نہیں دیکھی۔
ہندوستانی بی بی۔ شاید آپکے پنجاب میں یہ دستور ہو۔ مگر ہماری عمریں تو سسرال ہی میں تیر ہوتی ہیں۔
پنجابی بی بی۔ نہیں پنجاب کا تو یہ دستور نہیں۔ سب پنجابی لڑکیاں سسرالوں میں رہتی ہیں اور ساس نندوں کی تابعداری کرتی ہیں اور میں تو پنجاب کی ہوں بھی نہیں میرا وطن تو پشاور ہے۔ اور پشاور کا بھی ہندوستان جیسا دستور ہے۔ مگر میں تو اپنی کہتی ہوں۔ کہ مجھے سسرال رہنا بالکل نہیں بھاتا۔ یا اپنے گھر یا پھر میکے۔
ہندوستانی بی بی۔ ہاں اپنی اپنی پسند ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جیسا جسکو موقع ملے۔ ورنہ

اپنے گھر رہنا کون نہیں چاہتا۔

پنجابی بی بی۔ آپ کو اپنے گھر سے علیحدہ ہوئے کتنا عرصہ ہوا۔

ہندوستانی بی بی۔ اگر آپ میرے اصلی گھر کو پوچھتی ہیں تو وہ میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ ہاں سسرال سے گئے ہوئے دو سال ہوئے پہلے میرے خسر ریواڑی میں تھے تو میں بھی اُنکے پاس تھی۔ جب اُن کی تبدیلی ریواڑی سے جہلم کو ہو گئی تو میں وہاں سے سہارنپور کو چلی گئی۔ اس عرصہ میں میرے شوہر کو رخصت بالکل نہیں ملی۔ نہ وہ سہارنپور گئے اور نہ اپنے والد کے پاس جہلم ہی گئے۔ سہارنپور رہتے رہتے میرا دل گھبرا گیا تو سوچا کہ چند روز کے لیے جہلم ہی ہو آؤں۔

پشاوری بی بی۔ اوہو آپ اتنا عرصہ اُن کو اکیلا چھوڑے رکھتی ہیں اس زمانہ میں آپ کو اپنے گھر کا ذرا خطرہ نہیں۔ ہم لوگ بھلا ایسا کہاں کر سکتے ہیں۔ ہمارے پشاور میں تو دو دو چار چار شادیاں کرنے کا عام رواج ہے۔ کوئی خوش قسمت بی بی ہو گی جو اپنے گھر میں اکیلی ہو گی۔ ہمارا تو ویسے بھی سوکنوں سے چھٹکارہ نہیں اگر اتنی بے پرواہی ہم کریں تو کہاں ٹھکانا۔ آپ کے ہاں دوسری شادی کا دستور نہیں تب ہی آپ اطمینان سے ہیں۔

ہندوستانی بی بی۔ بہن یہ تو نہ کہو رواج نہیں تب بھی کیا ہے اکثر دوسری شادی کر ہی لیتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے سب بے حد مجبوری و بے بسی ہے۔ بیکس و بے بس بیچاریاں کیا کر سکتی ہیں۔ ورنہ کوئی بیوی بھی اپنے گھر سے بے پرواہ ہو سکتی ہے۔ مگر جب کوئی ہماری پرواہ نہ کرے تو کیا کریں۔ ایک سال ہو جائیگا کہ میرے شوہر کا خط میرے پاس نہیں آیا میں جب زیادہ پریشان ہو جاتی تھی تو اُن کے والدین سے اُن کی خیریت دریافت کر لیتی تھی۔ اب کوئی چھ ماہ ہوئے کہ جہلم سے بھی کوئی خیریت معلوم نہیں ہوتی۔ میرے خسر لکھدیتے ہیں کہ "میرے پاس بھی اُسکا خط نہیں آتا"، یہ معلوم کر کے میرا دل بہت گھبرایا

توسوچا کہ جہلم ہی چل رہوں وہ اُن کے والدین کا گھر ہی۔ کبھی نہ کبھی تو کوئی نہ کوئی خبر ملتی ہی رہے گی۔

یہ ذکر ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ گاڑی لاہور پہنچ گئی اور وہاں سے دو کرسچن لیڈیاں سوار ہوئیں جو لالہ موسیٰ تک ساتھ رہیں۔ اس اثنا میں اور ہی اور ذکر ہوتے رہے یہ دونوں بہنیں اپنی باتیں نہ کرنے پائیں۔ لیکن لالہ موسیٰ سے گزر کر پھر وہ پشاوری بیوی ہندوستانی بی بی کے قریب آبیٹھیں۔

ہندوستانی بی بی۔ ہمارا بہت سا وقت تو میموں کے ساتھ باتیں کرتے گزر گیا۔ اب تو ہمارا سفر بہت ہی تھوڑا رہ گیا ہی۔

پشاوری بی بی۔ ہاں آپ تو شاید دو گھنٹے تک اُتر جائینگی۔ مجھے تو ابھی بہت عرصہ تک یہیں رہنا ہے۔

ہندوستانی بی بی۔ بے شک آپ کو بہت دیر گاڑی میں رہنا ہے۔ مگر میرا یہ مطلب ہے کہ بہت جلدی میں آپ سے جدا ہو جاؤں گی۔ لیکن ہمیں ابھی تک ایک کو دوسری کا نام و پتہ بھی معلوم نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم آپس میں خط کتابت رکھیں۔ آپ اپنا پتہ مجھے دیں۔

پشاوری بی بی۔ میں اپنا نام آپ کو بتائے دیتی ہوں اور پتہ بھی۔ مگر افسوس کہ میں لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتی جب تک پشاور رہوں تب تک آپ کو خط نہ لکھ سکوں گی ہاں جب اپنے گھر جاؤں گی تو اُن سے آپ کے خطوں کا جواب لکھواتی رہونگی۔ میرا نام محبوب سلطان ہی۔ آپ بھی اپنا نام بتائیں۔

ہندوستانی بی بی۔ افسوس آپ سے لکھنا نہیں آتا تو میں آپ سے خط و کتابت جاری نہ کر سکوں گی کیونکہ آپ جواب اپنے شوہر سے لکھوائیں گی اور یہ بات ہم لوگوں میں سخت معیوب ہی کہ نامحرم اشخاص کے لکھے ہوئے خط مستورات کے نام آئیں خواہ

کسی عورت کی ہی طرف سے ہوں۔
محبوب سلطان۔ بہن خدانہ کرے میرے میاں کوئی ایسے ویسے نہیں ہیں۔ وہ تو پشاوری بھی نہیں۔ ہندوستانی ہیں۔ اچھا آپ اپنا نام تو بتائیں۔
ہندوستانی بی بی۔ میرا نام بیگم ہے۔ ہاں آپ کی شادی ہندوستانی خاندان میں کیوں ہوئی؟
محبوب سلطان۔ بہن قسمت کی بات ہے ایک ہندوستانی ڈاکٹر صاحب تبدیل ہو کر پشاور گئے تھے اُن میں اور میرے بھائی میں دوستی ہو گئی۔ اسی بنا پر یہ شادی ہوئی۔ میری والدہ تو شادی پر راضی نہ تھیں کہ اول تو ڈاکٹر صاحب ہندوستانی ہیں۔ دوسرے اُن کی پہلی بی بی موجود ہے۔ لیکن اُنھوں نے بیحد اصرار کیا اور کہا کہ میری پہلی بی بی سے کوئی اولاد نہیں۔ میں دوسری شادی اولاد کے واسطے کرتا ہوں۔ بہن قسمت کا لکھا تھا سو پورا ہوا۔
بیگم۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی بی بی آپ کے ساتھ پشاور میں رہتی ہے؟
محبوب۔ نہیں بہن اُس بیچاری کو میں نے دیکھا بھی نہیں۔
بیگم۔ اچھا اب آپ کے ہاں کوئی بچہ ہے اور شادی کو کتنا عرصہ ہوا۔
محبوب۔ توبہ بہن ابھی سے بچہ کیا ہوتا میری شادی کو تو ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا۔
بیگم۔ آپ اُردو تو بڑے ہی اچھی بولتی ہیں۔ شاید ساس نندیں سے کوئی آپ کے پاس رہی ہونگی۔
محبوب۔ میں نے تو ابھی تک ساس نند کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ اُردو بولنا مجھے یوں آگیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک ہندوستانی خانساماں رہتے ہیں اُن کی گھر والیوں سے ہندوستانی سیکھی اور اب ڈاکٹر صاحب بھی مجھ سے اُردو ہی میں باتیں کرتے ہیں۔

بیگم ۔ آپ کی سسرال کہاں ہے ۔
محبوب ۔ میری سُسرال یعنی ڈاکٹر صاحب کا وطن تو دہلی ہی ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے والد آجکل جہلم میں ڈپٹی ہیں ۔
بیگم (گھبراہٹ سے) اچھا تو آپ کی سُسرال بھی جہلم ہی میں ہے ۔ ڈپٹی صاحب کا نام کیا ہے ۔
محبوب ۔ اُن کا نام مرزا کلیم اللہ ہی ۔
بیگم ۔ اور ڈاکٹر صاحب کا ۔
محبوب ۔ اُن کا ۔۔۔۔۔۔
بیگم ۔ آپ کچھ تامل ہی بتانے میں ۔ بیشک پہلے زمانہ کی عورتیں تو میاں کا نام لینا معیوب جانتی تھیں مگر آجکل تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی ۔ اتنے میں گاڑی جہلم اسٹیشن پر جا پہنچی ۔
محبوب ۔ ایلو جہلم آگیا ۔ بہن نام لینے میں کوئی ہرج نہیں اور ہمارے ہاں تو نام لینے کا عام رواج ہی میرے ڈاکٹر صاحب کا نام مرزا علیم اللہ ہے ۔
بیگم یہ نام سُنتے ہی سخت متحیر ہوگئیں اور اپنی جگہ سے کھڑی ہوکر نہایت تعجب وگھبراہٹ سے کہا ۔

"ہائیں کیا تم بھی اُنہیں کی بیوی ہو"

بیگم اتنا کہنے پائی تھی کہ اُن کا چھوٹا دیور جو اُن کو لینے اسٹیشن پر آیا تھا گاڑی کے قریب آگیا اور دروازہ کھول کر کہا ۔
دیور (ملازمہ سے) نرگس بھابی جان کو ادھر لے آؤ اور اسباب نکالو ۔
نرگس نے پہلے بستر اور ٹرنک دیا پھر دیور نے اندر آکر بھابی کو اُتارا ۔ اور تینوں ویٹنگ روم کی طرف چلے گئے ۔

وہاں پہنچتے ہی بیگم برقعہ سمیت ہی فرش پر گر گئیں۔ لڑکا حیران رہ گیا۔ بمشکل اُس نے اور نرگس نے کاوچ پر ڈالا دیکھا تو بیہوش تھیں۔

دیور۔ نرگس بھابی جان کو کیا ہو گیا۔ کیا پہلے بھی کبھی ایسا ہوا ہے۔

نرگس۔ ہاں میاں کوئی برس دن ہو جائے گا کہ انہیں اختلاج کلب (قلب) کا دورہ پڑنے لگا ہے۔

نسیم اللہ (دیور کا نام)، نرگس اب میں کیا کروں؟ بھابی جان کس طرح ہوش میں آئیں جو گھر چلیں۔

نرگس۔ تم تھوڑا برف کا پانی لے آؤ میں انہیں عطر سونگھاتی ہوں بس اس طرح ہوش آجائے گا۔

نسیم باہر سے پانی لایا۔ نرگس نے فوراً صندوقچی سے لخلخہ نکالکر سونگھایا۔ چند منٹ میں ہوش آگیا۔

نسیم۔ بھابی جان آپ نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ آتے ہی یہ حالت ہو گئی۔ میں تو سلام بھی نہ کر سکا۔

بیگم۔ میاں مجھ بدنصیب کی یہی حالت ہے تم نے ناحق اتنی تکلیف اُٹھائی۔ میرا دم نکلجانے دیا ہوتا۔ آہ! اس دنیا میں اب میری کوئی ضرورت نہیں۔ میں بالکل بیکار اور دوسروں پر فضول بوجھ ہوں۔ کاش خدا مجھے اُٹھا لے تو خوب ہو۔

نسیم۔ خدا نہ کرے بھابی جان آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔

نرگس۔ میاں جس دن سے تمھارے بھائی جان نے خط بند کر دیا ہے اُس دن سے اُن کا یہی حال ہے۔

نسیم۔ مگر بھابی جان کو کیسے خبر ہوئی؟

نرگس۔ کس بات کی؟

نسیم۔ بھائی جان کی دوسری شادی کی۔

نرگس۔ ہائیں ڈاکٹر صاحب نے ایک اور بیاہ کر لیا۔

نسیم۔ بیاہ کیا یونہی سی ایک عورت سے نکاح کر لیا ہی۔ سُنا ہی کسی میوہ فروش پشاوری کی بیوہ لڑکی ہے۔ مگر ہم نے بھی ابھی سُنا ہی تھوڑا عرصہ ہوا۔ بھائی نے ایسی خفیہ بات رکھی کہ پشاور سے جہلم تک ہمیں معلوم نہ ہو سکا۔ خیر خدا تو سب جانتا ہے ایسے عالم فاضل ہو کر اس قدر جہالت کا کام۔ خدا بھائی کے اس فعل کو سمجھیگا۔ بھابی جان آپ کو اپنا دل بہلانا چاہیے۔ انشاءاللہ بہت جلد اس کام کا نتیجہ پائینگے اور پشیمان ہو کر آپ کے پاس آئینگے۔

بیگم۔ میاں تم لوگوں نے تو مجھے خبر نہ دی مگر خدا کو یہ راز صرف مجھ پر ظاہر کرنا تھا بلکہ اُس عورت کو مجھے دکھانا بھی تھا۔ اچھا اُس کی مہربانی وہ میں نے دیکھ لی اور تمام باتیں اُس کی زبانی سُن لیں۔ نرگس دور بیٹھی تھی اسواسطے ہماری باتیں نہ سُن سکی اسی وجہ سے یہ اس معاملہ سے آگاہ نہ ہوئی۔ وہ امرتسر سے میرے پاس بیٹھی تھی۔ اور یہاں تک رہی۔ اب پشاور جا رہی ہے۔

نسیم (تعجب سے) ہیں بھابی جان وہ عورت جو برقعہ اوڑھے اور مونھ کھولے بیٹھی تھی۔

بیگم۔ ہاں ہاں وہی تمھاری بھابی تھی۔

نسیم۔ خدا اُسے سمجھے میری بھابی کیوں ہوتی۔ وہ امرتسر کیوں آئی۔

بیگم۔ وہاں اس کی بہن ہی اُس سے ملنے گئی تھی۔ اب چند روز پشاور ٹھہر کر تمھارے بھائی پاس جائیگی۔ وہ آجکل کہاں ہیں؟

نسیم۔ ہمارے پاس تو عرصہ سے اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔ وہ کچھ عرصہ ہوا پشاور سے کوئٹہ تبدیل ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد یہ سب گھر پہنچے۔ بیچاری بدقسمت بیگم کو بخار آنے لگا۔ ڈپٹی صاحب نے اپنی عزیز بہو کا بہتیرا علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے تپ دق بتایا۔

آہ افسوس بدنصیب ہندوستانی مستورات کی حالت پر یہ واقعہ کوئی نیا نہیں ہی ایسے ایسے صدہا واقعات ہر روز سُننے اور دیکھنے میں آتے ہیں۔ سیکڑوں نہیں ہزاروں بے کس و بے بس مستورات اسی طرح گھُل گھُل کر جل جل کر جان دیتی ہیں۔

خاکسار

بنت نذر الباقر۔ از کوہاٹ

کُتب بینی

قبل اسکے کہ میں اپنی راے آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں آپ کے سامنے اُن بڑے بڑے لوگوں کے قول بیان کرتا ہوں کہ جنکا نام زمانہ ابتک عزت کے ساتھ لیتا ہی اور لیتا رہیگا۔

سر جان ہرشل کا قول ہی کہ

"اگر خدا سے میری خواہشوں کے مانگنے کی نوبت آئے تو میں خدا سے اپنی کتابوں کے مطالعہ کی شوق کی دعا مانگونگا"

دیجر دبری نے ۱۳۴۴ھ میں ایک کتاب لکھی ہی اُس میں کتابوں کے مطالعہ کی نسبت بہت کچھ لکھا ہی۔ وہ لکھتا ہی کہ

کتاب ہماری خود معلم ہے اور ہم کو بغیر مار پیٹ کے سبق دیتی ہے اگر ہم کچھ بھول جاتے ہیں تو ہم پر کبھی خفا نہیں ہوتی۔ جب کبھی ہم اسکے پاس جاتے ہیں کبھی نیند میں یا سوتی ہوئی نہیں ملتی ہے۔ اگر ہم کسی بات

کو سو مرتبہ پوچھیں گے تو سو ہی مرتبہ جواب دے گی۔ اگر کوئی بات تمہاری سمجھ میں سو مرتبہ نہ آئے گی تو تمہاری عقل پر کبھی مضحکہ نہ اُڑائے گی جبتک تم چاہو پوچھے جاؤ خفا نہ ہوگی"

سقراط۔ کا قول ہے کہ

کوئی تو گھوڑا اور ہاتھی لیکر خوش ہوتا ہے اور کوئی عزت حاصل کرکے اور کوئی مال و دولت حاصل کرکے۔ لیکن وہ خود اپنی نسبت لکھتا ہی کہ اگر مجھے تمام دنیا کی دولت ملجائے تو شاید میں اتنا خوش نہ ہوں جتنا کتابوں کے دیکھنے اور پڑھنے سے خوش ہوتا ہوں۔

جن لوگوں کو کتابوں سے محبت صرف دیکھنے کی نہیں بلکہ اُن کو پڑھکر اُن سے فائدہ اُٹھانے کی محبت ہوتی ہے اون لوگوں کو کچھ عجب لطف آتا ہی جو لکھنے سے حاصل نہیں ہوسکتا ہی۔

جن کو کتاب کے مطالعہ کا شوق ہوتا ہی اُن کے دلوں پر مختلف کتابوں کے پڑھنے سے عجیب اور مختلف حالات معلوم ہوتے ہیں۔ جب کبھی وہ کسی ملک یا شہر کے حالات پڑھتا ہی تو اُس ملک کی گلی گلی میں سیر کرتا ہی۔ اگر کسی جنگل کا بیان آتا ہی تو جنگل درجنگل کا لطف اُٹھاتا ہی۔ کبھی بڑے بڑے لائق لوگوں کے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے۔ کبھی بڑے بڑے سیاحوں کے ساتھ ہم سفر ہوکر سفر کی باتیں کرتا ہی۔

لارڈ میکالے نے اپنی قلم کی طاقت سے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور بہت سی دولت اور عزت حاصل کی لیکن جس قدر وہ دوسری کتابوں کے مطالعہ سے اور اُنکے دیکھنے سے خوش ہوتا تھا اتنا وہ اپنی تصنیف سے نہیں خوش ہوتا تھا۔

گبن۔ یہ ایک نامور مصنف ہی اس کا قول ہی کہ اگر مجھے ساری دنیا کی دولت ملے تو میں اُس کے عیوض مطالعہ کا ذوق و شوق دینا ہرگز پسند نہ کرونگا۔

جو لوگ اکثر کتابوں کا مطالعہ رکھتے ہیں ان کو کبھی خوش طبع اور ناصح لوگوں کی کمی نہیں ہوتی۔

کتاب کے دیکھنے اور اُس کے غور کرنے سے جو باتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اگر کوئی عالم شخص ہم کو سمجھائے تو کچھ کارآمد نہیں ہوتی ہیں۔

رنج و فکر کی حالت میں اگر کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو کتاب غم غلط کر دیتی ہے اور دماغ سے رنج و فکر بالکل جاتا رہتا ہے۔

ایک نال ڈاکٹر بلکہ فلاسفر اپنے ایک رسالہ میں لکھتا ہے کہ

اگر ہم گزرے ہوئے لایق لوگوں کو مثلاً حافظ - جامی - سعدی شیرازی ملٹن - نیوٹن - ڈاروین - ہومر وغیرہ وغیرہ کو کسی مسئلے پر بحث کرنیکے لئے بلا سکتے ہیں تو یہ اقتدار ہم کو اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو۔ یا ہمارے پاس ایک عمدہ ذخیرہ کتابوں کا جمع ہو۔

فی زمانہ ہم کو ہر ایک فیشن اور ہر مذہب کی کتاب بآسانی مل سکتی ہے خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ ہم اُنیسویں صدی میں پیدا ہوئے اور ہر ایک قسم کی کتابیں مطالعہ کے لیے موجود ہیں۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک انار اور صد بیمار کا مضمون تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب لاکھوں پریس اور کارخانے ہو گئے ہیں اور بہت ہی افراط سے کتابیں ملتی ہیں۔

(باقی دارد)

محمود الحق
سہارنپور

منقولات

مجذوب کی بڑ

(۱)

انسانیت و درندگی

لومڑی۔ آہا۔ خالہ بلی! یہ کیا جاتی دنیا دیکھی کہ ادھر قدم رنجہ فرمایا۔ تم تو انسانوں میں ایسی گھل مل گئیں کہ ہم غریب جانوروں کی طرف بھول کر بھی رُخ نہیں کرتیں۔

بلی۔ بُوا! یہ تم کیا کہتی ہو۔ ان انسانوں سے تو ہم غریب جانور ہی کچھ اچھے ہیں۔ مجھے تو ان کی صحبت سے نفرت سی ہوتی جاتی ہے۔

لومڑی۔ کیوں خیر تو ہے۔ آج تو تم عجب اُکھڑی اُکھڑی باتیں کر رہی ہو۔ کیا کسی سے لڑکے آئی ہو۔

بلی (مسکرا کے) بھلا اس بڑھاپے میں کسی سے کیا لڑوں گی۔ تم جانتی ہو کہ میری تین پشتیں انہیں انسانوں کے ساتھ رہتے سہتے گزری ہیں۔ لیکن جوں جوں مجھے انکے حالات سے زیادہ واقفیت ہوتی جاتی ہے میری بدگمانی اور بڑھتی جاتی ہے۔ بعض اوقات جب میں تنہائی میں بیٹھ کے سوچتی ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ان انسانوں کو ہم پر کیوں ترجیح دی جاتی ہے۔ خیر انسان اپنے تئیں ہم سے افضل سمجھیں تو سمجھیں۔ بدنصیب جانور بھی تو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر جہانتک میں نے اسپر غور کیا ہے حقیقت اسکے خلاف ہے۔

لومڑی۔ تم تو اس بڑھاپے میں روز بروز فلسفی ہوتی جاتی ہو۔ اور کیوں نہ ہو آخر تم اُس خاندان سے ہو جس کی کسی زمانے میں پوجا ہوتی تھی۔ اور سونے میں سوہاگہ یہ کہ صحبت

ہی تو حضرت اشرف المخلوقات کی۔

بلی۔ (قہقہہ لگاکے) ہا ہا! اشرف المخلوقات! انسان اور اشرف المخلوقات!! ارذل مخلوقات کہو ارذل مخلوقات۔

لومڑی۔ آج تو بے ڈھب تمہارا مزاج بگڑا ہوا ہے۔ میں تو بے شک اب تک یہی سمجھتی ہوں کہ انسان اشرف المخلوقات ہی۔ اور ہم بے عقل۔ ناکارہ ذلیل ادنی جانور ہیں۔

بلی۔ بیشک اس سے زیادہ بے عقلی کیا ہو گی کہ تم انسان کو اشرف المخلوقات سمجھتی ہو۔ انسان اپنے مونھ سے میاں مٹھو بنا کرے مگر تمھاری عقلوں پر کیا پتھر پڑ گئے کہ تم بھی اُسے اشرف و افضل سمجھنے لگے۔ بڑا رونا تو یہی ہی۔

لومڑی۔ سمجھنے لگے کی بھی ایک ہی کہی۔ کیا وہ درحقیقت اشرف المخلوقات نہیں ہی؟

بلی۔ کیسے؟

لومڑی۔ کیسے۔ تم ان کی مصاحب اور انیس و جلیس ہو۔ یہ باتیں مجھ سے کہیں بہتر جانتی ہو لیکن آنکھیں میری بھی ہیں اتنا میں بھی دیکھتی ہوں کہ آج وہ اس عالم کا بادشاہ اور حاکم مطلق العناں ہی وہ روے زمین پر اس طرح چھایا ہوا ہی جیسے درخت پر اکاس بیل۔ اس کے سامنے شیر کی شیری، ہاتھی کی مستی، تیندوے کی خونخواری، لومڑی کی عیاری گرد ہی۔ وہ دور ہی سے کھڑے کھڑے ایسی ٹھائیں سے آواز کرتا ہی کہ حضرت جنگل کے بادشاہ بھیں کرکے زمین پر دراز ہو جاتے ہیں سبھے تو کبھی اس کے گھروں میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن سُنا ہی کہ وہ بڑے بڑے عالیشان محلوں میں رہتا ہی۔ ایسے ایسے نفیس کھانے کھاتا ہی کہ ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں آتے۔ جو رستہ ہم مہینوں برسوں میں طے کرتے ہیں وہ گھنٹوں میں طے کر لیتا ہی۔ وہ زمین کو کھود پتال تک پہنچتا اور آسمان پر تھیگلی لگاتا ہی۔ وہ لق و دق صحراؤں اور خوفناک جنگلوں اور طوفان خیز سمندروں کو اس طرح طے کرتا ہی جیسے کوئی چمن میں سیر کر رہا ہو۔ اس کی صنعت و حرفت اور حکمت اور کارستانیاں

دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کے سامنے جنگل کے شیر اور بیابان کے غول
اس طرح بھاگتے ہیں جیسے چیتے کے سامنے ہرن یا دھوئیں سے مچھر۔ غرض اس کی
حکومت مسلم اور اس کی عقل و حکمت حیرت انگیز ہے۔ بھلا ہمیں اس سے کیا نسبت۔
چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔
بلّی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنی فصیح البیان ہو۔ تم نے تو انسان کی چرب زبانی کو بھی
مات کر دیا۔ لیکن میری پیاری لومڑی! یہ سب خول ہی خول ہے۔ ہاتھی کے دانت
کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور۔ تم اس مظلوم صورت۔ سنگ دل
خونخوار درندے یعنی انسان کو کیا جانو اس میں وہ وہ گُن بھرے ہیں کہ خدا پناہ
میں رکھے۔
لومڑی۔ تو میں کسی کے باطن کا حال کیا جانوں۔ تم اُس کی چہیتی اور پیاری ہو تمھیں کو
معلوم ہوگا۔
بلّی۔ خاک پڑے اس پیار پر۔ میں تو اس کی صورت سے بیزار ہوں۔
لومڑی۔ آخر کیوں! میں بھی تو جانوں کہ اس نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ معمہ تو میری سمجھ
میں نہیں آتا۔
بلّی۔ یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ وہ کیسا ہے خیر تم سے کیا چھپاؤں۔ لو اب کان دھر کے
سُنو۔ یہ اسرار ہیں اور سب کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔
بی لومڑی! تم آبادی سے دُور جنگل کے بھٹوں میں رہتی ہو۔ تم اس انسان کو
کیا جانو۔ میری تو ساری عمر انہیں میں گزری ہے۔ میں نے اسکے تمام کرتوت اپنے آنکھوں
سے دیکھے۔ اس کی باتیں سُنیں اور اسے کتابیں پڑھتے سُنا ہے۔ جانوروں کا تو کیا ذکر
اس نے اپنے بھائی بند انسانوں پر وہ ظلم توڑے ہیں۔ وہ خونریزیاں کی ہیں کہ خدا
دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ اس نے بلا وجہ ہزارہا اپنے بھائی انسانوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔

اُن کی کھوپڑیوں کے مینار بنا دیے۔ اُن کی لاشوں سے دریا پاٹ دیے۔ ان کے خون سے ندی نالے بہا دیے۔ اچھا تم ہی اپنے ایمان سے کہو کہ تم نے کبھی کسی شیر کو شیر کھاتے کسی تیندوے کو تیندوے کا خون پیتے۔ کسی لومڑی کو لومڑی زہر مار کرتے دیکھا یا سنا ہی؟

لومڑی۔ ہرگز نہیں۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔

بلی۔ اب تم ہی انصاف کرو کہ یہ کہاں کی تہذیب و شرافت ہی۔ اچھا اسے جانے دو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ شیر کس پھرتی سے جھپٹ کر ہرن کو دبا لیتا ہی اور پھر اُس کا خون پیکر اور سیر ہوکر دھوپ میں آرام کرنے کے لیے جا بیٹھتا ہی۔ اس وقت اُسکے سامنے ہرنوں کی ڈاریں کی ڈاریں گزر جائیں تو وہ آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ یا جب کوئی جانور دوسرے جانور پر کھانے کے لیے حملہ کرتا ہی تو وہ اپنی حفاظت کے لیے اُسے مارتا ہی۔ لیکن یہ حضرت اشرف المخلوقات صرف دوزخ شکم کے بھرنے یا اپنی حفاظت ہی کے لیے دوسروں کو نہیں مارتا۔ بلکہ تفریح کے لیے ہزارہا بے گناہوں کا خون کر ڈالتا ہی۔ اور اس شریف فن کا نام اُس نے سیر و شکار رکھا ہی۔ قربان جائیے اس تفریح کے۔ بات یہ ہی کہ اسکی فطرت میں خونخواری ہی۔ ایک چھوٹا سا ٹلوا جس کی عمر چار پانچ برس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ایک خوبصورت پھول کو توڑتا اور بلا وجہ اس کی نازک پتیوں کو نوچ نوچ کر ہوا میں اُڑا دیتا ہی۔ جب اس سے بڑا ہوتا ہی تو معصوم پرندوں کے انڈے توڑتا ہے کے غریب و بے کس بچوں کو گھونسلوں میں سے نکال نکال کر تڑپا تڑپا کر مار ڈالتا ہی اور خوش ہوتا ہی اور جب جوان ہوتا ہی تو جنگل کے بے گناہ جانوروں کا شکار کرتا اور اُن کو مار کر اس قدر خوش ہوتا ہی جیسے کوئی اقلیم فتح کرلی۔ پھر طرہ یہ کہ جان لیکر ہی بس نہیں کرتا بلکہ اُن کی کھالیں کھچوا کھچوا کر اپنے مکان میں بچھواتا اور دیواروں پر لگاتا ہی۔ خوبصورت اور نازک پرندوں کو مار کر اُن کی کھالوں میں بھُس بھرواتا ہی اور گھروں کی محرابوں اور طاقچوں میں

خوشنمائی کے لیے رکھتا ہی اور اُسے اپنے مکان کی آرایش و زینت کہتا ہے۔ یہ ہے انسان کی انسانیت۔

لومڑی۔ خالہ! آج تم نے تو بڑے بڑے اسرار بتائے توبہ۔ توبہ۔ کسی کو مار کر خوش ہونا کیسی بڑی سنگ دلی ہی۔ اور یہ کیسی عجیب بات ہی کہ انسان انسان ہی کو قتل کرتا اور اُس کے قتل پر فخر و مسرت کرتا ہی۔ ہم میں بھی ہزار ہا قسم کے جانور ہیں مگر کوئی بلا وجہ کسی کو مار کر خوش نہیں ہوتا چہ جائے کہ اپنے ہم جنس کو۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔

بلّی۔ اجی اور سنو! تمھیں ایک نئی بات سُناتی ہوں۔ تم نے کبھی دیکھا یا سُنا ہی کہ شیر کا غلام شیر ہو۔ تیندوے کا نوکر تیندوا۔ یا ہاتھی کا نوکر ہاتھی یا بلّی کی باندی بلّی ہو؟ یا کوئی جانور کسی جانور کا غلام ہو؟

لومڑی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہی۔ یہ تو بالکل ان نیچرل یا خلاف فطرت ہی۔

بلّی۔ مگر تمھیں یہ سُنکر حیرت ہوگی کہ انسان دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بناتا اور اُنھیں بیچتا اور خریدتا ہی۔ یا دوسرے انسانوں کو اپنا نوکر اور خدمتگار بنا کر رکھتا ہی اور اُن پر طرح طرح سے حکومت کرتا ہے۔

لومڑی۔ تم سچ کہتی ہو۔ یہ موا اشرف المخلوقات کیسا ارزل مخلوقات ہی۔

بلّی۔ بس ایک دو ہی باتیں سُنکر تمھارے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس کے کرتوت دیکھو تو جان سے بیزار ہو جاؤ۔ یہ میرا ہی دل و جگر ہی کہ ان کے ساتھ رہتی ہوں اور زندہ ہوں۔ اچھا ایک آدھ بات اور سُنائے دیتی ہوں۔

لومڑی۔ انسان کی خونخواری کا حال سُنکر بیشک میرے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہے اگر کوئی اور کہتا تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔ اچھا اور فرمائیے۔

بلّی۔ لیجیے ایک اور عجیب بات سُناتی ہوں۔ ہم میں سے جب کوئی درندہ کسی وجہ سے کسی دوسرے کا دشمن ہو جاتا ہی تو وہ انتقام کے لیے اُس پر حملہ کرتا اور مار ڈالتا ہی اسکے بعد وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہی

اور پھر اسکا خیال بھی نہیں کرتا۔ لیکن انسان کی ہر آن انوکھی ہے وہ جوں جوں کسی دوسرے انسان کو دباتا ہی اُس کا غصہ اور بڑھتا ہے۔ اور جوں جوں وہ انتقام لیتا ہے اُس کے انتقام کی پیاس اور بڑھتی ہے وہ اپنا انتقام وہیں تک نہیں رکھتا جس سے اُسے عداوت ہے بلکہ اُس کے عزیز و اقارب یار و آشنا۔ نوکر چاکر۔ اس کے ملنے جُلنے والوں سب سے انتقام لیتا اور اُن کی دل آزاری اور اُنہیں تکلیف پہنچانے کی فکر میں رہتا ہی۔ بلکہ بعض اقوام اُن میں ایسی ہیں کہ انتقام موروثی طور پر باپ سے بیٹے اور بیٹے سے اس کے بیٹے تک سالہا سال تک برابر پہنچتا ہے۔ اور وہ اسی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے ہیں اور جنگ و جدل قتل و غارت کا بازار قرنہا قرن تک برابر گرم رہتا ہے۔ تم نے کبھی درندوں میں بھی ایسی موروثی عداوت اور انتقام سُنا ہی۔

لومڑی۔ ہرگز نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے لڑے۔ اور لڑکر فیصلہ کرلے تو پھر بھی وہ عداوت خاندانوں اور قبیلوں میں صدہا سال تک جاری رہے۔ اور برابر ایک دوسرے سے انتقام لیتے رہیں واہ۔ واہ۔ وا!

بلی۔ میں نے اپنے آقا کے لڑکوں کو ایک کتاب میں پڑھتے سُنا ہی کہ ایک ملک میں مجھے اُس کا نام یاد نہیں رہا مگر اتنا یاد ہے کہ وہ دنیا کی ایک بڑی عظیم الشان سلطنت ہوئی ہی جس کی تہذیب و شائستگی آج تک زبان زد عالم ہے۔ خیر اُس ملک میں یہ دستور تھا کہ دنگل میں پہلوان چھوڑے جاتے۔ اور تمام شرفا و امرائے ملک اور خاص کر نازک بدن خاتونیں وہاں جمع ہوتیں تھیں۔ وہ پہلوان ایک دوسرے سے نہایت بے رحمی سے لڑتے اور ایک دوسرے کو بُری طرح سے مار ڈالتے تھے۔ تو یہ شریف انسان اور اُن کی خاتونیں بہت خوش ہوتی اور اسے بہت بڑی تفریح خیال کرتی تھیں۔ کیا تم نے بھی کسی شیرنی کو دیکھا ہی کہ کسی کے دم توڑنے پر اس طرح خوش ہوتی ہو۔

وہاں ایک یہ بھی دستور تھا کہ شیروں کو کئی کئی روز تک بھوکا رکھتے تھے۔ اور پھر

اُن کے سامنے مجرموں کو چھوڑتے تھے۔ خیال کرو ان غریبوں اور بیکسوں کی مظلومی اور بے کسی کو وہ اپنی جان بچانے کے لیے لڑتے تھے۔ مگر کیا لڑ سکتے ہیں۔ آخر شیر اُنہیں بھنبوڑ ڈالتا اور شڑاپ شڑاپ اُن کا خون پی جاتا۔ مہذب اور نازک بدن خاتونیں یہ تماشا دیکھ کر خوش ہوتیں اور مارے خوشی کے اُچھلتی کودتی تھیں۔ اور اگر کوئی شخص ان پہلوانوں میں بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کرتا یا اس خونخوارانہ تفریح کو بند کرنا چاہتا تو یہ مجسم رحم خاتونیں بہت بگڑتیں اور خفا ہوتی تھیں۔ یہ ہے انسان کی رحمدلی۔ یہ ہے ان کی نازک بدن رحمدل خاتونوں کی خدا ترسی۔

لومڑی۔ ان انسانوں پر خدا کی مار۔ بے شک یہ ارذل مخلوقات ہیں۔ بس خالہ صاحب مجھے معاف رکھو۔ میں ایسے افسانے سُننا نہیں چاہتی۔ ان رحم دل انسانوں سے تو ہم غیر ذی عقل ناپاک درندے اچھے۔ ان کی انسانیت انہیں کو مبارک رہے۔

بلی۔ اجی تم نے ان کی مکاری۔ عیاری کے حالات تو سُنے ہی نہیں۔ انسانوں میں لومڑی بہت مکار مشہور ہے مگر انسان کی مکاری کے سامنے اُس بے چاری کی کیا حقیقت ہے۔

لومڑی۔ آہا۔ وہاں میرا بھی ذکر خیر ہوتا ہے۔

بلی۔ ہاں آپ کی عیاری تو ان میں ضرب المثل ہے۔

لومڑی۔ خدا ان موؤں کو غارت کرے۔ مکار۔ دغاباز۔ خونخوار۔

بلی۔ ان کی ستم ظریفی تو دیکھو۔ بیچارے گوشہ نشین عافیت پسند اُلو کو کہتے ہیں کہ یہ بڑا منحوس جانور ہے اور ہمیشہ ویرانوں میں رہتا ہے۔ اور جہاں یہ بیٹھ جاتا ہے وہ ویرانہ ہو جاتا ہے کیا خوب! کوئی ان سے یہ تو پوچھے کہ وہ ویرانے کس کے تھے اور اُنہیں ویران کس نے کیا۔ میں اُن کی غارتگری۔ خونریزی۔ قتل و بربادی کے حالات کہاں تک بیان کروں۔ اس سے زیادہ منحوس کون ہوگا۔ کل ہی میں نے ایک فلسفی کو اپنے آقا سے باتیں کرتے

سُنا۔ وہ کہتا تھا کہ مہذب اقوام جہاں جہاں پہنچی ہیں وہاں کے اصلی اور وحشی باشندے روز بروز غارت ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کوئی دن جاتا ہے کہ دنیا میں ان کا نام و نشاں باقی نہ رہے گا۔ کیا تہذیب و شائستگی اسی کا نام ہے کہ اپنی ہم جنس اقوام کا ملک تو چھینا ہی تھا۔ اب اس پر اکتفا نہ کر کے اُن کے نام و نشان کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتا ہے۔ منحوس کون ہوا انسان یا اُلّو؟ درندہ کون ہوا شیر۔ اور تیندوا یا انسان؟ اور پھر ان کرتوتوں پر دعوائے حریت و مساوات و اخوت ہی۔ انصاف و عدل کی پکار ہے۔ قانون بناتا اور عدالتیں قائم کرتا ہے۔ لیکن نہ کہیں انصاف ہی نہ عدل۔ نہ اخوت ہے نہ مساوات۔

لومڑی۔ خدا کے لیے خالہ بلّی بس کرو۔ میں اس ظالم ناپاک مخلوق کا حال سُننا نہیں چاہتی۔ تعجب ہی کہ تم ان میں کیسے رہتی ہو۔ شاباش ہی تمھارے دل و جگر کو۔

بلّی۔ بُوا لومڑی۔ اگرچہ وہ مجھ سے پیار و محبت کرتے ہیں مگر مجھ سے بدگمان بھی ہیں۔ البتہ کُتّے کو وہ بہت وفادار اور اطاعت گزار سمجھتے ہیں۔ اس حرامزادے نے ایک ٹکڑے روٹی کے لیے اپنی آزادی اور شرافت انسان کے ہاتھ بیچ رکھی ہی۔

لومڑی۔ مجھے تو اس موئے کُتّے سے نفرت ہی۔ خدا سب کو اس خونخوار ناپاک انسان کے پنجے سے نجات دے۔

بلّی۔ آمین۔ اب بہت دیر ہوگئی ہی۔ لو بُوا لومڑی میں اب جاتی ہوں۔ اگر زندگی ہی تو پھر ملوں گی۔

لومڑی۔ آج تو خالہ بلّی۔ تم نے وہ وحشتناک باتیں سنائی ہیں کہ میرے اوسان جاتے رہے۔ خدا ہم سب پر رحم کرے۔ خدا حافظ

بلّی۔ ابھی تم نے سُنا ہی کیا ہی۔ یہ تو سمندر میں سے ایک قطرہ ہی۔ خدا حافظ۔

از
پنجاب ریویو

خانۂ کعبہ

سہروردیہ صاحبہ کے نام نامی سے ناظرین خاتون بخوبی واقف ہیں۔ ان کا عالمانہ تاریخی مضمون جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے مسلمان بیبیوں کے لیے بہت دلچسپ ہوگا۔ ہمیں مضمون نگار صاحبہ سے اب زیادہ سفارت کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انکے مضمون کی خوبی خود انکے مضمون سے عیاں ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید کے مقولہ پر عمل کرکے مضمون ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

اڈیٹر

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدا کی قدرت ملک شام میں سام بن نوح کے نسل سے ایک بت تراش کے گھر میں ایک بت شکن پیدا ہوا۔ ؎

برآری خلیلے ز بتخانۂ　　کنی آشنائی ز بیگانۂ

اُس سرشار بادۂ الست وجویائے معرفت کے دیدۂ بصیرت و نظر حق بیں میں کل موجودات و مخلوقات و کائنات میں جلوۂ وحدت و کرشمۂ معرفت نظر آیا ہے

آنکس از اہل بشارت کہ اشارت داند　　نکتہ ہاست بسے محرم اسرار کجاست

نظر اُٹھائی تو شجر حجر۔ بحر و بر کو دیکھا کہ زبان حال سے ذات واحد و صفات مطلق کی شہادت دے رہے ہیں ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید　　وحدہ لاشریک لہ گوید

جمادات و نباتات، وحش و طیور اجرام فلکی۔ اجسام خاکی سب کے سب صانع صورت نگار کی صنعت کا اقرار کر رہے ہیں ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار　　ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

نصف اللیل کی دہشت انگیز تاریکی وہ لق ودق میدان وکف دست صحرا جہاں آسمان سرنگوں ہوکر چاروں طرف سے زمیں بوس نظر آتا تھا۔ وہ عالم تنہائی سراب کے سوا دور دور تک کسی چیز کا نشان نہ ملتا تھا۔ وہاں وہ صاحب قلب سلیم حق کی جستجو میں ڈانواڈول ہو رہا تھا۔

فلما جن علیہ اللیل را کوکباً قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الافلین ط فلما را القمر بازغاً قال ھذا ربی فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین ہ فلما را الشمس بازغۃً قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یاقوم انی بری مما تشرکون ہ

ترجمہ۔ سو جب اُس پر رات نے اندھیرا کیا تو اُس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ چھپ گیا تو کہا کہ چھپنے والے مجھے پسند نہیں آتے پھر جب چاند چمکتا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ بھی چھپ گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرے گا تو میں بے شک گمراہوں میں ہونگا۔ پھر جب سورج چمکتا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی چھپ گیا تو کہا اے قوم میں اُنسے نہیں تم شریک ٹھہراتے ہو بیزار ہوں۔

پھر۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السموٰت والارض وما انا من المشرکین ہ

ترجمہ میں نے آسمان وزمین کے خالق کی طرف یکطرفہ ہوکے اپنا مونھ پھیرا ہے اور میں مشرکوں میں نہیں۔

کہہ کے کل ماسوا سے مونھ موڑ لیا۔

بُتانِ مصنوعی سے ابا کر کے معبود برحق کی پرستش کی اشاعت کا خیال آیا اور حضرت

سلیمان علیہ السلام سے نوسو پچانوے [995] سال پیشتر جزیرہ نماے عرب کے خطۂ حجاز کے شہر مکہ میں اُس بیت عتیق کی بنیاد ڈالی ؎

ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدا کا

زہے نصیب ہمارے اگر اُس سرزمین پاک کی خاک کو سرمہ بنائیں کہ یہ دیدۂ کوتہ بین مشاہدۂ مظہر جلال الٰہی سے روشن ہوکر محو جمال نور نامتناہی ہو۔ ؎

بر زمینے کہ نشان کف پاے تو بود سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

گو اس وقت مکہ یا مکۂ مبارکہ جسکو بطحیٰ بھی کہتے ہیں حجاز کے کُل ملکوں میں متمدن و مہذب ہے۔ مگر بناے کعبہ کے وقت وہ مقام اس قدر ویران وخشک وبنجر تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل دونوں باپ بیٹوں نے اُس سرزمین کی آبادی کے لیے خشوع وخضوع سے دعا کی اور اپنی ذریت کی ہدایت کے لیے اُن میں سے ایک رسول مبعوث کرنے کی استدعا کی تاکہ ذات وحدانیت کی پرستش کا سلسلہ جاری رکھے

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم ۝

اے ہمارے رب اور انکے بیچ انہیں میں سے ایک رسول اُٹھا جو تیری آیتیں ان پر پڑھے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاے اور انہیں سنوارے تو ہی زبردست حکمت والا پختہ کار ہے۔

ان کی دعا مقبول ہوئی اور عرب کے قدیم قبیلۂ بنی جرہم میں حضرت اسمٰعیل نے نکاح کیا۔ اور اُن کی اولاد نہ صرف مکہ میں بلکہ سارے عربستان میں پھیل گئی۔ اُنہیں کی اولاد میں سعد بن عدنان۔ کنانہ۔ قصی۔ قریشی وغیرہ پیدا ہو ہوکر بڑے بڑے نام بر آور دہ قبیلوں کے سرگروہ ومورث ہوئے۔

مکہ کو بطحیٰ اسلیے کہتے ہیں کہ یہاں کی زمین سنگلاخ ہے۔ پانی بھی یہاں کا کھاری ہے،

اسلیے یہاں سبزی و نباتات نام کو نہیں جمتی۔

چراگاہ شہر سے فاصلہ پر تھے جہاں مویشی چرا کرتے تھے۔ جدّہ اور طایف سے اجناس ضروری اور میوہ وغیرہ بکنے کو آتے تھے۔ یہاں کے باشندے اس زمین سے متمتع ہونے کی اور اس میں سے اپنی وجہ معاش حاصل کرنے کی کچھ بھی امید نہ رکھکر ناچار ان لوگوں نے فن سپاہ گری اور تجارت کو اپنا شغل ٹھہرایا تھا۔ اور تجارت سے ان کو بہت فائدہ ہوتا تھا۔

عدن اور عمان کے بندرگاہوں اور یمن کے بازاروں سے بیش قیمت خوشبودار مصالحے شام اور بصرہ میں لیجاکر فروخت کرتے اور وہاں سے ہر قسم کا غلہ اور ہر قسم کی تجارت کی چیزیں خرید کر لیجاتے تھے۔ اور اس تجارت سے مکہ ہر قسم کے اجناس وامتعہ واقمشہ سے پُر رہتا تھا۔

اور مکہ کی آبادی کا بڑا سبب کعبہ تھا کیونکہ گو حضرت ابراہیم کے عہد سے بعثت رسول مقبول تک ایک زمانۂ دراز گذرا تھا۔ اور کل بنو اسمٰعیل نے خدائے واحد کی پرستش کو بھول کر مصنوعات کو معبود قرار دے لیا تھا۔ مگر کعبہ کی عظمت و بزرگی انکے دلوں میں بدستور قائم تھی۔ سال بسال عرب کے ہر دیار و امصار سے لوگ جوق جوق اسکی پرستش کو آتے تھے۔ اور قربانیاں چڑھاتے اور طواف کرتے تھے۔

اسلام سے تین سو سال پیشتر ہبل نام سنگ سُرخ کا ایک بُت شام سے لاکر کعبہ میں رکھا گیا تھا اور اُس کے ذمہ سب کی قسمتوں کا فیصلہ تھا۔ یعنی کعبہ میں نہ معلوم کن وقتوں سے سات تیر کسی نے رکھے تھے جنکو وہ بہت مقدس جانتے تھے اور ان کو ازلام کہتے تھے۔ اور انہیں تیروں سے کل تنازعات کا فیصلہ کرلیا کرتے۔ اور اُس فیصلہ کا مالک ہبل کو قرار دے رکھا تھا۔

علاوہ ہبل کے چھوٹے چھوٹے تین سو ساٹھ بُت سال کے دنوں کے شمار سے

اُس میں جمع کر رکھے تھے۔ بغرض تعظیم حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کی مورتیں بھی بنا کر رکھی تھیں اور اُس زمانۂ جاہلیت میں ان کو بھی پوجنے لگ گئے تھے۔ طلائی و نقرئی دو ہرن تھے۔ اور شیر و ہما کی صورت کے بھی معبود تھے۔ کچھ چھوٹے چھوٹے طلائی بُت حضرت اسمعیل کی سسرال قبیلہ بنی جراہم کے بھی کعبہ کے طاقوں کو زینت دے رہے تھے۔ غرض ؎

وہ تیرتھ تھا اک بُت پرستوں کا گویا جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

اصل خانۂ کعبہ بارہ گز مکعب و مربع بغیر کسی کنگرہ و طاق کے ایک پاسہ نما عہد قدیم کے بھدے فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ گو کئی مرتبہ اُس کی ترمیم و تعمیر ہوئی مگر کسی نے اُس کی عظمت کے لحاظ سے اُس کی شکل و ہیئت اصلی کو بدلنے کی کوشش نہ کی۔

اسلام کے قبل کا حال تو ٹھیک معلوم نہیں مگر تحقیق ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں بھی ایک مرتبہ اس کی تعمیر و ترمیم ہوئی ہے۔ غالباً سیل عرم یا کسی اور حادثہ سے اس کے گر جانے کا خوف دیکھکر لوگوں نے اس کی جانب توجہ کی ہوگی کہتے ہیں کہ بنو اسمعیل کی چار سر برآوردہ قوموں نے مل کر اسکو بنایا تھا تاکہ فضیلت میں سب کی شرکت برابر رہے۔ جب حجر اسود کو اُس کی جگہ میں رکھنے کے لیے اُٹھانے کا وقت آیا تو (جیسی جاہلیت کے عربوں کی عادت تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر شعلہ جنگ اُن میں بھڑک اُٹھتا تھا) جدال و قتال کی نوبت آئی۔ آخر قرار پایا کہ صبح کو دار الندوی میں جو پہلے آنکلے اُسکو فیصلہ کے لیے ثالث مقرر کیا جائے۔ خدا کی مرضی آنحضرت صلعم علی الصباح نظر آئے۔ سب نے کہا کہ اے محمد امین تم اسکا فیصلہ کرو اس عالم علم لدنی نے ایک چادر بچھادی اور چاروں فرقے کے سرداروں سے کہا کہ تم چاروں ملکر پتھر اُٹھا کر اسکے بیچ میں رکھکر چادر کے چاروں کونے پکڑکر لیچلو۔

سب نے راضی اور خوشی ہوکر ایسا ہی کیا۔

جب کعبہ میں نصب کرنے کا وقت آیا تو اُس وقت ایک ہی شخص کا کام تھا آنحضرت نے کہا کہ تم سب مل کر ایک معتبر آدمی کو اپنا وکیل مقرر کرو جو تمھاری طرف سے یہ کام انجام دے سب نے یک زباں ہوکر کہا یا محمدؐ تجھ سا امین ہم کو کہاں ملے گا تو ہی ہماری طرف سے اسکو انجام دے۔

اُس وقت بھی خانۂ کعبہ اندر سے بیت المقدس کے نمونے پر پُرانے وضع کا بنا تھا اور لکڑی اور پتھر کے ستونوں پر چھت قائم تھی۔ اندر نقرئی فانوس لٹک رہی تھیں کسی نے کہا ہی کہ اس میں کوئی روشندان یا دریچہ نہ تھا۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ دریچے تھے جس میں رنگ برنگ کے شیشے جڑے ہوئے تھے۔ اور دروازہ اسکا بلندی پر واقع ہی جس پر چڑھنے کے لیے کئی ایک سیڑھی بنی ہوئی تھیں۔

ہجرت کے ساٹھ ستّر سال بعد خانۂ کعبہ آتش زدگی میں تباہ ہوگیا تھا تو عبداللہ ابن زبیر نے اپنے زمانۂ حکومت مکہ میں پھر اُس کی تعمیر کرائی۔ پھر حجاج ابن ثقیف نے خلیفہ بنی مروان کے درمیانی عہد میں کسی قدر دنیوی شان وشوکت کے ساتھ اُس کی ترمیم و تعمیر کی۔ جب سے ابتک خانۂ کعبہ اُسی حالت پر ہی۔ البتہ خلیفہ مہدی نے بہت مہتم بالشان طریقے سے اُسکے دروازوں اور دیواروں کو طلائی نقرئی پچکاریوں اور صنعت سے سجانے کا ارادہ کیا تھا اور کسی قدر کام بھی جاری ہوا تھا کہ موت نے اسکو مہلت نہ دی اور کام ادھورا رہ گیا۔

جب سے برابر خلفاؤں اور حامیان حرمین شریفین کی طرف سے ضرورت پر مناسب ترمیم ہوا کرتی ہی۔ جب سے تعمیر کی کسی نے ہمت نہ کی۔

جاہلیت کے زمانے میں خانۂ کعبہ پر کوئی غلاف و پردہ وغیرہ چڑھانے کا رواج نہ تھا۔ آنحضرت کے عہد میں اُسپر بردیمنی کا غلاف جسکو قصوہ کہتے ہیں چڑھا۔ جب سے

برابر سال بسال خلفای وقت ایک سے ایک نفیس و زرنگار بردے اور غلاف اپنی سعادت کے لیے بھیجا کرتے ہیں۔ ہر سال ذی قعدہ کی پچیسویں تاریخ کو پُرانا غلاف اُتار لیا جاتا ہی اور ایام حج کے دس دنوں تک وہ بغیر غلاف کے رہتا ہی۔ پُرانے غلاف کے ٹکڑے زائرین بطور تبرک کے لایا کرتے ہیں اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ عمارت کے جنوب مشرق کونے پر کوہ صفا کی طرف حجر اسود نصب ہی۔ یہ ایک بالشت کا مستطیل سیاہ رنگ کا پتھر ہی۔ اور جنوب۔ مغرب۔ شمال مغرب۔ اور شمال مشرق۔ اطراف کو یمنی، شامی، عراقی کہتے ہیں کیونکہ اُن ملکوں کے باشندوں کا قبلہ اُنہی اطراف سے گرتا ہے۔

طرف عراقی کے کچھ دور پر خانۂ کعبہ سے الگ ایک نصف دائرہ پتھر کے نیچے دیواروں کا بنا ہوا ہی جس کے اندر سنگ موسیٰ کا فرش ہی اُسکو حجر کہتے ہیں۔ اسکے اندر میزاب یعنی ایک سُنہری ملمع کا فوارہ بنا ہوا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ بی بی ہاجرہ کی تربت بھی وہیں ہی۔

ایک طرف مقام ابراہیم ہی۔ یہ ایک پتھر ہی جسپر کہتے ہیں کہ خلیل اللہ کا نقش قدم ہی۔ وہ ایک جالی کے اندر رقبہ میں رکھا ہوا ہے۔ دیکھنے سے اندر کی طرف سے ذرا دبا ہوا معلوم ہوتا ہے جسکو دیکھنے والے نقش قدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ کچھ دور پر وہ مقدس زمین بھی ایک گڑھے کی صورت پر ہی جہاں کی مٹی خمیر کر کے خانۂ کعبہ بنایا گیا تھا۔

وہاں سے کچھ فاصلہ پر چاہ زمزم واقع ہی اسکا پانی گو ذائقہ میں کھاری ہے مگر اہل اسلام اسکو تبرکاً نہایت تعظیم و رغبت سے پیتے ہیں۔ وسط شعبان میں مشہور ہی کہ اس میں ایک تموج پیدا ہوتا ہی اور وہاں کے باشندے اُس دن جوق جوق آتے ہیں اور چاہ زمزم کے خادم کچھ اُجرت پر ڈول سے پانی اُٹھا اُٹھا کر دینداروں کو

شرابور کر دیتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے ایک طرف چاروں مذہب کے پیروں کے لیے الگ الگ حنبلی شافعی حنفی، مالکی نمازگاہیں سائبان نما بنی ہوئی ہیں اور حنفی کی عبادت گاہ دو منزلہ ہے۔ اور یہ کل عمارات ڈھائی سو گز طول اور دو سو گز عرض زمین میں ہیں۔ جنکے چاروں طرف دو قطار ستونوں کے مثل احاطہ کے ہیں۔ ان ستونوں کی تعداد پانچسو سے زیادہ ہے۔ اور چالیس دروازے انکے درمیان ہیں۔ واللہ اعلم۔

اصل حال وہی خوش نصیب جانے جسنے وہاں کی زیارت کی ہو۔ اگر کوئی بات خلاف واقعہ اس مختصر سے مضمون میں درج ہے تو ناظرین از راہ کرم چشم پوشی کریں کیونکہ میں نے جناب اڈیٹر صاحب کی فرمایش سے اس مضمون کو قلم برداشتہ لکھدیا ہے عجلت وعدم فرصت کی وجہ سے تحقیق کا وقت نہیں رہا۔

راقمہ
سہروردیہ

ایران میں تعلیم نسواں

اندنوں یہ جاننا مشکل ہی کہ ترقی نسواں کی تحریک ایران میں کس حد تک پہنچ گئی ہی مگر یہاں ہندوستان میں جہاں عورتوں کی مجلسی اور معاشرتی اصلاح کی ترقی کے غیر مشتبہ آثار ہم دیکھ چکے ہیں۔ یہ سُن کر چنداں تعجب نہیں ہوتا کہ ایران کے دارالسلطنت میں بھی اس تحریک نے اپنے وجود کا ثبوت دینے کی آہستہ مگر مستقل سعی و کوشش شروع کر دی ہی۔ البتہ ایک ایسے ملک میں جہاں پُرانے خیالات کے مقابلے میں مجلسی اور سیاسی خیالات کا نبرد آزما ہو کر فتح پانا ابھی باقی ہے۔ عورتوں کی

اس ناتواں جد وجہد کا کوئی معتد بہ نتیجہ مرتب ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تاہم یہ ایک قابل یادگار واقعہ ہی کہ ایران میں بھی اس سال تعلیمی مسائل پر بحث کرنے کی غرض سے ایرانی خاتونوں کا ایک جلسہ بمقام طہران منعقد ہوا۔

یہ واقعہ اس امر کی ایک بیّن دلیل ہی کہ تعلیم نسواں بطور ایک مفید تحریک کے تسلیم کی جانے لگی ہی۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہی کہ ملک فارس کے مجلسی انقلاب میں تعلیم نسواں کا حصہ معقول ہوگا۔

اس تحریک کی آغاز کی وضاحت کے لیے ہم اخبار ٹائمس (لندن) کے طہرانی نامہ نگار کے ممنون ہیں۔ نامہ نگار مذکور کا بیان ہی کہ کوئی تیس سال کا عرصہ ہوا کہ امریکہ کی پرسبیٹیرین مشنری سوسائٹی نے طہرانی لڑکیوں کی تعلیم میں عملی حصہ لینا شروع کیا۔

ایک مدرسہ کھولا گیا جس میں ابتداءً دس بارہ ارمنی (عیسائی) لڑکیاں داخل ہوئیں اور چند سال تک اس ملک میں اپنی طرز کا یہ ایک مدرسہ تھا۔ باوجودیکہ لڑکیوں کے لیے مکان اور کھانا مفت تھا۔ تعلیم مفت تھی۔ اور کتابیں بھی مفت ملتی تھیں۔ تاہم سالانہ داخلہ کی تعداد پچاس سے متجاوز نہ ہونے پائی۔ ۱۸۷۶ء میں پہلی مسلمان لڑکی اس مدرسے میں داخل ہوئی۔ مگر مسلمان لڑکیاں کچھ بے جھجھک ہوکر اگر داخل ہونے لگی ہیں تو وہ ۱۹۰۰ء کے بعد ہی سے ہوئی ہیں۔

ابتدا میں تعصب اور مخالفت کا غلبہ رہا اور جب تک مسلمان والدین نے بغیر اطلاع کیے آ کر مدرسے کا ناگہاں معائنہ نہ کر لیا تب تک اُن کے دلوں سے شک وشبہ دور نہ ہو سکا۔

بہرحال سال گزشتہ اس مدرسے میں کل ۲۳۵ لڑکیاں داخل ہوئیں جنھیں ۱۲۰ مسلمان تھیں۔ حالانکہ اب بعوض ہر چیز مفت دیے جانے کے مدرسے کے

سرپرستوں کو تعلیم اور سامان نوشت وخواند کے لیے تین ہزار روپیہ سے زائد رقم
ادا کرنی پڑی۔

لڑکیاں سات سال کی عمر میں داخل کی جاتی ہیں مگر پورا نصاب بارہ سال کا ہے
اور اس عرصہ تک ان کی تعلیم کا جاری رکھنا تجربے سے دقت طلب پایا گیا۔ باہیمہ
تیرہ تیرہ لڑکیوں کی پانچ جماعتوں نے پوری نصابی تعلیم پائی اور افتتاح مدرسے
سے آجتک قریباً آٹھ سو لڑکیاں اس مدرسے کی تعلیم سے بہرہ یاب ہو کر نکلیں۔

بانیان مدرسہ کی یہ غرض نہیں ہے کہ اپنے شاگردوں کی قومیت منقلب کردیں
یا اُنہیں مرتد بنائیں۔ ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ لڑکیوں کو معمولی ہائی اسکول کی قسم
کی تعلیم دیجائے اور عورت کے متعلق اہل یورپ کے جو تخیلات نصب العین ہیں وہ
اُن کے ذہن نشین کیے جائیں۔

پچھلے سال ڈیڑھ سال سے اسی قسم کی تعلیم کے اسباب خود مہیا کرنے کے لیے
اہل فارس خود آمادہ پائے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت صرف طہران
میں پچاس سے زیادہ لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو گئے ہیں۔ امریکن مدرسے
میں کئی بڑی عمر کی لڑکیاں اُستانیاں بننے کے لیے تیار کی جارہی ہیں۔ اور بعض تو اسوقت
بھی ایرانی مدرسوں میں چند گھنٹے روزانہ تعلیم دے آتی ہیں۔

تہذیب نسواں کے دارو گیر میں مجلسی ترقی کی بنیاد ہمیشہ تعلیم ہی پر رکھی جانی
چاہیے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ایران کی عورتیں امریکن مشنریوں کی مرہون
منت تو ہو ہی چکی ہیں اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائیگا ان کا امتنان بڑھتا جائیگا۔
مشنری بھی یہ دیکھ کر کہ اہل فارس تعلیمی کام وسعت کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے رہے
ہیں یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی سعی مشکور ہوئی۔ اس اثنا میں ہر ایک مدرسہ
جو کھلتا جاتا ہے عورتوں کے مسئلے کو ترقی دیتا جاتا ہے۔ اور زیادہ عرصہ گزرنے

نہیں پائے گا کہ عورتوں کے یہ جلسے خالص تعلیمی حد سے گزر کر مجلسی اور معاشرتی صورت اختیار کرینگے۔

خاتونان فارس کی ہندوستانی بہنیں جو اُن سے ایک منزل آگے بڑھ گئی ہیں۔ اپنی ایرانی بہنوں کی یہ ابتدائی سعی و کوشش بے حد ہمدردی اور شغف سے دیکھتی رہیں گی۔

(ترجمہ از بمبئی گزٹ مورخہ ۱۳۔ ستمبر ۱۹۱۰ء)

عبد الحافظہ باعکظہ

سچی رفاقت

ایک بہت ہی شاندار حویلی جھاڑوں فانوسوں اور بڑی بڑی تصویروں سے آراستہ ہی۔ اندر باہر عجب پُر لطف سماں ہی در و دیوار سے عجب خوشی برس رہی ہی۔ سارا مکان مہمانوں سے پُر ہی۔ رنگا رنگ کے لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ایک سرسری نظر سے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس جگہ کی ہر ایک چیز ایک باشوکت تقریب کی منتظر ہے۔ مہمانوں کی کثرت نوکروں کے شور و غل بچوں کی چیخ پکار سے کان پھٹے پڑتے ہیں۔ طبیعت گھبرا رہی ہی۔

افوہ کیسا شور و غل ہو اہی مراسیوں کی صدائے دولت زیادہ سے دماغ پراگندہ ہی۔ زر دادن و درد سر خریدن والا مقولہ حسب حال ہی۔ چلیے ہم صحن میں چلکر ٹھنڈی ہوا کھائیں۔ طبیعت کو فرحت دیں۔

بہار کا موسم ہی غروب آفتاب کا وقت ہی آہا کیا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ ایک بہت بڑا وسیع کمپونڈ ہے جسکے چاروں طرف شاہ بلوط کے بڑے بڑے

درختوں نے احاطہ کر رکھا ہے۔ پھولوں سے لدے ہوئے خوشنما درخت اس طرح
جھوم رہے ہیں گویا اس خوش منظر سماں کی دید سے وجد میں آکر بارگاہ الٰہی میں
سر بسجدہ ہونا چاہتے ہیں۔ درختوں کی شاخوں میں چھوٹی چھوٹی قندیلیں جگنوؤں کی
طرح چمک رہی ہیں۔ پھولوں کی مہک سے سارا صحن معطر ہے جہاں تک نظر اُٹھاؤ
سبزہ زار نظر آتا ہے۔ آفتاب غروب ہو رہا ہے جسکا عکس سامنے والے حوض پر
پڑ رہا ہے فوارہ چھوٹ رہا ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑ کر پانی کو رنگین بنا رہی
ہیں گویا سنہرا پانی حوض میں بھرا ہوا ہے۔ سُرخ سبز مچھلیاں پانی سے سانس
کے لیے مونھ نکالتی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ حوض کے چاروں طرف گملوں کی
عجب بہار ہے۔ سبز گھاس پر چھڑکا ؤ جو ہوا ہے پانی کی بوندیں مخمل کے فرش پر
موتی کا کام دیتی ہیں۔ سفید کنکر سے جا بجا انگریزی اور اُردو اشعار خوبی کے ساتھ
لکھے ہوئے ہیں۔

خوش گلو خوش آواز پرندوں نے اپنی راگنی چھیڑ دی ہے ایک شاخ گل سے
دوسری شاخ پر اُڑ اُڑ کر اس طرح بیٹھتے ہیں گویا شب بھر کی جدائی کے لیے گلوں
سے گلوگیر ہوتے ہیں اور اپنی زبان میں رخصتی ترانہ گاتے ہیں۔ نوبت کی رخصتی
گیت کی آواز دل پر عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے۔ فولو کی آواز غمگین سے غمگین
دلوں کو اپنی جانب مسخر کر لیتی ہے۔ تنڈ کی آواز سے کیسا لطف حاصل ہوتا ہے
اس وقت اس بہار میں خلل انداز ہونے والی صرف کوئل کی کوکو پپیہا کی پی پی ہے
باقی ہر طرف جدہر دیکھو ہر ایک شے سے شادمانی اور تازگی برس رہی ہے۔

چلیے ہم روش پر چل کر دل بہلائیں۔ اوہو دیکھیے روش پر ایک قیمتی کوچ پر
ایک نازنین خوبصورت حور وش لڑکی بیٹھی ہے جسکے چہرہ سے نزاکت شرافت
ٹپک رہی ہے۔ ظاہر اتو سب خوشی کے سامان مہیا ہیں۔ شباب کے دن اور بہار کا

موسم ہی حویلی میں بھی عجب خوشی برس رہی ہے۔ تعجب ہی کہ ایسے خوشی کے وقت میں یہ کیوں اس قدر اُداس غمگیں سب سے جدا تنہا بیٹھی ہے۔ ہو نہ ہو کوئی سبب ہوگا غور سے سُنیئے وہ کچھ آہستہ آہستہ کہہ رہی ہو چلیے ہم بھی چھپ کر سُنیں (الٰہی کیا بات ہی جو آج میری طبیعت اس قدر اُداس ہو۔ دل نہایت پریشان ہی مطلق دل نہیں بھتا۔ طبیعت سخت بے چین ہی۔ صبح سے دل پژمردہ ہے دو دن سے خلاف معمول خط بھی نہ آیا خدا خیر کرے۔ کہیں دشمنوں کا مزاج تو ناساز نہ ہوگا۔ یا اللہ اب میں کس سے خیریت دریافت کروں۔ تین دن کی راہ پر میں بیٹھی ہوں۔ اے ننھے ننھے پودھو! اے شاخ گل پر بسیرا لینے والے خوشنما پرندو! اے بے فکر آزاد خوش گلو رنگین چڑیو! تم ہی مجھ دور اُفتادہ مصغوم کی مدد کرو خیریت سے اطلاع دو۔ اے سُنہرے آسمان! تو ہی مجھ بیقرار کو تسکین بخش۔ اے ڈوبنے والے خورشید! تو ہی مجھ پر رحم کر۔ باعث تو معلوم نہیں لیکن دل کی پریشانی لحہ بہ لحہ ترقی پر ہے) لیجیے اب تو صاف پتہ چلتا ہی کہ یہ اپنی پریشانی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس طرح غمگین بیٹھی ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ درصل یہ کیوں اس قدر اُداس ہے۔ آنکھوں پر رومال پڑا ہوا ہے۔

سب اپنی اپنی خوشی میں لگے ہوئے ہیں لیکن کوئی بیچاری غمگین کی خبر نہیں لیتے نہیں نہیں ہمارا خیال غلط ہی دیکھیے کوئی ایک سفید پوش سن رسیدہ صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ چہرہ سے شرافت ٹپک رہی ہے۔ ایلو بہت قریب آگئے ہیں دیکھنا تو سہی بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں سخت بے چین ہیں۔

نودارد صاحب۔ رشیدہ رشیدہ پیاری رشیدہ اُٹھو بی بی تم کیوں اس قدر اُداس ہو۔ ہائیں بچی کیا رو رہی ہو۔ رشیدہ کچھ کہو تو سہی طبیعت کیسی ہے۔ دیکھو میں دیر سے کھڑا آوازیں دے رہا ہوں۔ رشیدہ پیاری یہ کیا وحشت ہے

کیوں روتی ہو باعث تو کہو دیکھو تمھاری پریشانی سے ہم بے چین ہیں۔ وہاں مراسم شادی ادا ہو رہے ہیں۔ عنقریب رخشندہ رخصت ہو جائینگی۔ کیا تم اپنی پیاری بہن سے نہ ملوگی۔

رومال سے آنکھ صاف کر رہے ہیں۔ رشیدہ ہیں کہ بے اختیار آنسو جاری ہیں ہچکی بندہ گئی ہے۔ صاحب موصوف نے چھاتی سے لگایا پیار کیا۔ گھنٹوں بعد اپنے آپے میں آکر کہتی ہیں۔

ماموں جان آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں آپ کتنی دیر سے کھڑے ہیں مجکو مطلق خبر نہیں معاف کیجیے۔ آج طبیعت اُداس ہی کیا خبر ہی کس لیے آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ فرمائیے۔

ناظرین سمجھا آپ نے، رشیدہ کون ہیں غالباً آپ حیرت میں ہو نگے۔ لیجیے عرض خدمت کرتی ہوں۔

رشیدہ بانو۔ حسین ذکی الطبع سلیم الفطرت سلیقہ شعار، خوش مزاج عقیل، شیریں زباں لڑکی تھی۔ علاوہ ان قدرتی خوبیوں کے زیور علم سے بھی مزین تھی جس کے باعث قریب قریب وہ اپنے کنبے بھر میں مشہور ہو چلی تھی۔ چودہ سال کی عمر سے بڑے بڑے اونچے گھرانوں سے نہایت التجا کے ساتھ پیام سلام آنے لگے۔ دوچار جگہ روپیے پیسے کے لالچ میں رضیہ بانو کا دل بھی چاہا لیکن یہ خیر تھی کہ ہندوستان کی رسم کے مطابق اپنی لڑکی کو بے پوچھے گچھے کنوئیں میں گرانا پسند نہ کرتی تھیں۔ بلکہ جب کہیں کی بات آتی رشیدہ بانو کی سہیلیاں مرضیہ بانو۔ صوفیہ بانو کے ذریعے جن سے رشیدہ کا بہت ملاپ تھا اُسکا منشار دریافت کرواتیں۔ اور یہ بھی انہیں کے وسیلہ سے جواب دیتی۔

ایک مرتبہ حیدر آباد کے ایک معزز عہدہ دار کی نسبت آئی جو نہایت شریف

نیک بخت، مہذب، خوش چلن، با وضع، باشرع تھے۔ رشیدہ کے کل خاندان نے انہیں پسند کیا اور رشیدہ نے بھی ان کی ذاتی خوبیوں کو دولت پر ترجیح دے کر منظور کیا۔ اور شرع شریف کے مطابق یعنی طرفین کی رضامندی کے ساتھ بیاہ ہوا۔ رشیدہ اپنی سسرال سدا ہاریں۔ میاں بی بی باہم بہت الفت محبت سے رہا کرتے۔ گل وبلبل۔ شمع و پروانہ اگر انہیں کہیں تو بجا ہے۔

بہن کی تقریب میں رشیدہ ایک ماہ کے لیے اپنے میکے آئیں۔ جہاں کہ آپ صاحبوں نے ابھی انہیں ماموں سے بات کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔ وہ جو اس طرح پریشان ہیں اسکا خاص سبب یہ ہے کہ

(باقی آیندہ)

راقمہ
ر۔ بیگم

سوالات دلچسپ

مس رابعہ بیگم صاحبہ نے چند سوالات دلچسپ تحریر فرمائے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ناظرات خاتون مہربانی سے انکے جوابات تحریر فرماویں۔

اڈیٹر

(۱) مرد و زن کو کونسی چیز نے خوشی دی۔

(۲) غریب۔ بے کس۔ بے چارہ کو کہاں تسلی ملے گی۔

(۳) کونسے سوال کو سوائے قبول کے جواب بن نہیں سکتا۔

(۴) ارنی سے ارکاٹ کو کونسی چیز بغیر حرکت کے چلی جاتی ہے۔

(۵) وہ کیا چیز ہے جسکو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ چھوتے ہیں نہ پاتے ہیں لیکن اسکا نام ہے

(۶) وہ کیا چیز ہے جسکے آنے کی نہایت آرزو ہی۔ جب آیگی ہم واقف نہیں ہو سکتے۔

(۷) وہ کیا چیز ہی جسکو ہر شخص لگانا چاہتا ہی جب لگی فوراً دور کر دیتے ہیں۔

(۸) وہ کیا چیز ہی جو سب کو ملی لیکن ملنے کا باعث معلوم نہیں لیکن جب وہ چلی گئی اُسکا جانا ہم کو معلوم نہیں ہوتا۔

(۹) چیونٹی کے موٹھ سے کونسی چیز چھوٹی ہے۔

(۱۰) وہ کونسی تمھاری چیز ہی جو تم سے زیادہ دوسرے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۱) وہ کیا چیز ہی جو سب ڈہونڈھتے ہیں لیکن اسکو کوئی پانا نہیں چاہتا۔

(۱۲) ایک جگہ ہی کہ وہاں کوئی رغبت سے جانا نہیں چاہتا۔ اور اگر گیا شرمندہ ہوکر آنا نہیں چاہتا۔

(۱۳) وہ کونسی چیز ہی جو شیر و حیوان کو نہایت عزیز ہی لیکن جب وہ آوے تو سبب آشوب کا ہوتا ہے۔

(۱۴) وہ کونسا ملک ہی جسکے قلب کرنے سے خزر ہوتا ہے۔

(۱۵) انسان کی ہستی میں بجز روح کے غیر فانی ذخیرہ کونسا ہی۔

(۱۶) دنیا میں سب سے زیادہ کشش کس چیز میں ہے۔

(۱۷) وہ کونسا چو حرفی لفظ ہی جس میں سے ایک حرف نکال لو تو بھی چار باقی رہیں اگر دو نکال تو بھی چار باقی رہیں اگر تین چار حرف نکال لو تب بھی چار باقی رہیں گے۔

(۱۸) وہ کونسا دس حرفی لفظ ہی جسکے ۱۔ ۲۔ ۳۔ سے مصنع سلطنت ۳۔ ۷۔ سے مصنع دوت ۷۔ ۸۔ ۵۔ سے ایک ملک کا نام ۷۔ ۱۰۔ ۱ سے مصنع سانپ۔ ۵۔ ۳۔ سے ہنڈوؤنکے ایک پاک ندی کا نام۔ ۸۔ ۹۔ سے مصنع قطار ۱۰۔ ۷۔ سے ایک پھل کا نام ۱۰۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ سے مصنع چین ۲۔ ۷۔ ۱۰۔ سے مصنع کام ۳۔ ۴۔ ۷۔ سے مصنع پیالہ۔ اور بحیثیت مجموعی ایک

شخص کا نام معہ تخلص ۔

معما

اے حکیم از تو پرسم پُرہنر — اندرون صحرا بدیدم یک عجائب جانور
پاے ناقہ سُم آہو مار دُم کژدم شکم — سینہ شیر و پشت فیل و خوک گردن اسپ سر

دیگر

زمرد کی ڈبیا جواہر کا ڈھکنا — سمجھ بوجھ کے کہنا بیہودہ نہ بکنا

رقمہ خاکسار
مس رابعہ بیگم بنت محمد علی صاحب

صدمہ

بہن سلمہ ۔ تمھارا خط آیا۔ تم لکھتی ہو کہ صدمہ کا کیا مفہوم ہی اور کتنی قسم کا صدمہ ہوتا ہے
مجھے صدمے کی تھیوری بیان کرنا اسوقت مدنظر نہیں۔ لیکن مختصر طور پر اتنا سمجھ لو کہ صدمہ اُس
تکلیف کا نام ہی جو کبھی بُری خبر کے سُننے یا دیکھنے سے پیدا ہو۔ صدمے کی قسمیں بیان کرنا
بھی ویسا ہی دُشوار ہی جیسے صدمے کی فلاسفی۔ لیکن ذرا غور سے سُنو۔

عام خیال یہ ہی کہ اولاد کے مرنیکا غم سب سے زیادہ دلخراش ہوتا ہی ذرا خیال رکھنا
اور اس صدمے سے جسکا نمبر میں سب سے اول رکھوں گی

۔ انسان مقدمہ ہارتا ہی اُس سے بھی صدمہ ہوتا ہی۔ اول تو اس امر کا صدمہ
کہ فریق ثانی مجھپر حاوی ہوگیا۔ دوسرے اپنے نقصان کا صدمہ تیسرے اس امر کا صدمہ
کہ جن لوگوں کے سامنے میں نے ہمہ دانی کے دعوے کیے تھے۔ اور باوجود انکے منع کرنے
کے اس مقدمہ کو اپنے ذمہ لیا تھا وہ مجھے حقیر سمجھیں گے۔ اسی کو کہتے ہیں

یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ

ملازمت سے معزول ہونے کا بھی صدمہ ہوتا ہے۔ اس میں بھی چند باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ اپنے وابستگان کا خیال۔ آیندہ آمدنی سے مایوسی۔ دوسری ملازمت نہ ہونے کا اندیشہ۔ لیکن یہ بھی ایسا صدمہ ہے کہ جسکا ازالہ جلد ہو جاتا ہے۔

بہن۔ تم نے سُنا ہوگا وفی السماء رزقکم وماتوعدون اسکا یہ مطلب ہے کہ جتنا تمھارے حصہ کا رزق ہے وہ آسمان میں ہے۔ یعنی وہ کسی دوسرے کے قبضے میں نہیں ہے۔ ملازمت کی معزولی سے یہ خیال کرلینا کہ دیکھیے آیندہ کیا ہوتا ہے۔ فضول خیال ہے۔

ماں باپ کا مرنا بھی ایک سخت صدمہ ہے۔ یہ صدمہ مذکورہ صدمات سے اسلیے سخت ہوتا ہے کہ یہ دونوں افراد ضائع ہو کر پھر نہیں ملسکتے۔ لیکن یہ صدمہ بھی رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے۔ خدا کا ارشاد ہے لکل نفسٍ اجل ہر ذی حیات کو ایک مرتبہ موت آتی ہے کسی نہ کسی وقت خیال آتا ہے لیکن وہ ایسا خیال نہیں کہ جس سے زندگی تلخ ہو جائے۔ تم خود دیکھتی ہوگی کہ ہزاروں افراد بے ماں باپ والے خوش گزران کر رہے ہیں

چوری ہو جانا بھی کم صدمہ نہیں۔ زندگی میں اگر انسان کسی شئے سے عمدہ زندگی بسر کر سکتا ہے تو وہ روپیہ ہے۔

اے زر تو خدا نئی و لیکن بخدا ستار عیوب قاضی الحاجاتی

شعر کے دوسرے مصرعہ کا یہ منشا ہے کہ روپیہ تمام عیوب کو چھپانے والا اور تمام ضروریات کو پورا کرنے والا ہے۔ کیوں سچ ہے یا نہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے روپیہ جاتا رہے تو کیا ہوگا۔ کچھ دنوں تک خیال رہے گا۔ لیکن رفتہ رفتہ صبر آجائے گا۔ کیونکہ عقل ہدایت کرے گی کہ جس خدا نے ہمیں دیا تھا۔ یا جس زور عقل سے ہم نے اس روپیہ کو پیدا کیا تھا وہ اب بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر فراہم ہو جائے گا۔ یا یہ کہ خدا کا منشا، کچھ دنوں ہم کو غربت میں رکھنے کا ہے جس کی تعمیل ضروری ہے۔

بہن سلمہ۔ یہ مجمل سا بیان صدموں کا ہے اسپر دوسرے صدمات کو قیاس کر لو یا ہر صدمہ کی تقسیم کر دو اور پھر ایک بڑا ذخیرہ صدموں کا بنا لو۔

میری عزیز بہن! اب ذرا اُس صدمہ کو سنو۔ جسکو میں نے اول نمبر میں بتایا ہے وہ خلاف شادی ہونے کا صدمہ ہی جس سے دونوں فریق کو یکساں صدمہ ہوتا ہے۔ سلمہ! وہ زندگی جو بیاہی لڑکی کی ہوتی ہے اُس زندگی سے بالکل مختلف ہی جو کنوارپن میں اُسے پیش آتی ہی۔ اُسے ایک ایک قدم سنبھال سنبھال کر رکھنا پڑتا ہی وہ ایک جاندار چڑیا کی مثل ہوتی ہے جسکے ہر فعل، حرکت، لفظ کو دیکھنے پرکھنے کے لیے ہزاروں آنکھیں ہوتی ہیں۔

وہ ایک بے تکلفانہ گھر سے دوسرے تکلف کے گھر میں جاتی ہی اسے اس گھر کو اپنا بنانا ہی۔ سوچو غیر آدمی کے ساتھ جبتک خوش خلقی کا برتاؤ نہ ہوگا وہ دوسرے گھر پر کسطرح قبضہ کریگا۔ حاکم محکوم کی مثال ناقص مثال خادمہ اور آقا کی مثال ایک بیہودہ مثال ہے الرجال قوامون علی النساء کا یہ منشا نہیں ہی کہ تم عورت پر اس طرح حکمرانی کرو جس طرح ایک حاکم اپنے محکوم پر کرتا ہی۔

اچھا مانا حاکم محکوم کا تعلق سہی لیکن سوچو تو یہ کونسا قانون ہی کہ محکوم کو محکوم سمجھا جائے اور اسپر عتاب کے ساتھ حکومت کی جائے۔ اصل میں عورت مرد کی رفیقہ یا شریک زندگی ہی۔ گویا زندگی اُسی وقت خوبی سے بسر ہوسکتی ہی جب اپنی عورت کو اپنی جیسی راحت دی جائے۔

جس طور سے بعض وقت تم اپنے اوپر حکومت کرتے ہو۔ عورت پر بھی حکومت کرو لیکن اگر اپنے کو دانتوں سے کاٹتے ہو لکڑیوں سے مارتے ہو گالیاں دیتے ہو تو تم سے بچنا چاہیے کیونکہ تم پاگل ہو۔

الغرض تمام صدموں سے زیادہ نارضامندی کی شادی ہی۔ اب تم اس صدمہ سے

اُس صدمہ کو تطبیق دو۔ جسکا ذکر میں نے سب سے پہلے کیا ہی۔ اولاد مرتی ہی دوسری اولاد
کے مرنے پر اسکا مرنا انسان بھول جاتا ہی۔ اور ایک ہی صدمہ کیا تمام صدمے زندگی سے
منفک ہو جاتے ہیں۔ لیکن خلاف مرضی شادی کا صدمہ علیحدہ تو علیحدہ کم بھی نہیں ہوتا
جتنے دن زیادہ اس حالت میں گزرتے ہیں اُسیقدر تکلیف اور صدمات کی زیادتی
ہوتی ہے۔ سمجھیں۔ امید ہی کہ میرا یہ مختصر سا خط تمھارے سوال کے جواب کے لیے
کافی ہوگا۔

رقیمہ تمھاری
عذرا

بقلم مقبول احمد نظامی

کالی گھٹا

کیا کالی گھٹا جھوم کے ہے آج تو آئی — گھر گھر میں چڑھی تیری خوشی میں ہی کڑھائی
دل دل میں پڑی جھولوں کی پینگوں کی سمائی — ملہار کا وقت آیا جو ہنسی کی دُھن آئی
گھنگھور گھٹا صدقہ ترے۔ تیرے میں واری — گرمی کی ہی تو نے ہی مری پیاس بجھائی
یہ دل میں اُمنگ اُٹھی کہ سُدھ رکھی گھر کی — جھولوں پہ کی سکھیوں نے ہی پل پل کے چڑھائی
ہی پینگ بڑھاتی کوئی ہو کر نڈر ایسی — کہتی ہی کوئی دل میں ہی کیا تیرے سمائی
جو خون کی ہلکی ہیں دھڑکتا ہی دل اُن کا — سُن سُن کے کڑک کہتی ہیں کیا بجلی گرائی
چھم چھم تو برس چاہے برس بر تو نت نت — ایسا نہ برسیو کہیں پڑ جائے دُہائی
میں تیرے گرجنے سے لرزتی ہوں یہاں تک — لے لیتی ہوں جھٹ مونھ پہ دُلائی کہ رضائی
ٹپکے کا ہی ڈر ایسا جسے شیروں نے مانا — ہم جلیسوں کی گنتی بھی وہاں تک تو نہ آئی
دیواروں کے گرنے سے لرزتا ہی مرا جی — بنیادوں کے ڈھینے نے مری جان سکھائی
اس سے ہی تو ہوتا ہے مکانوں کا صفایا — ہو جاتی ہی دم میں نگھری ساری خدائی

سب کچھ ہی مگر فائدے بھی تجھ سے ہیں اَت گت | تو گرمی کی ہو جاتی ہی دم بھر میں ٹھنڈائی
تیری ہی بدولت ہی یہ دریاؤں کا جگرا | جس طرح یہ کرتے ہیں سمندر پہ چڑھائی
رکھ سکتے ہیں ہم آس تجھی سے تو سمے کی | تو کال کی کر سکتی ہے دم بھر میں صفائی
کھیتوں میں جو رونق ہی تو ہی تیرے ہی دم کی | ہی ذات سے سب تیری عیاں شان خدائی
راتوں کو چمکنا یہ پپیہے کا ہے تجھ سے | اور دن کو تو موروں نے بھی اودھم ہی مچائی
سید نے جو نکھی ہی گھٹاؤں کی یہ حالت | تو جھولے پہ سب لڑکیوں نے ملکے ہے گائی

سید احمد دہلوی
مولف فرہنگ آصفیہ

کیفیت جلسہ

۲۴۔ جون ۱۹۱۰ء بروز جمعہ مجھے سکندرہ راؤ ایک جلسہ میں شریک ہونیکا اتفاق ہوا یہ جلسہ بتقریب آمین ختم قرآن شریف میری شاگرد رشید محمودہ بیگم دختر نیک اختر سید امجد علی شاہ صاحب تحصیلدار سکندرہ منعقد ہوا۔ مجھے اور دیگر استانیوں کو پہلے سے اطلاع دی گئی تھی اسلیے ہم سب جمعہ کے روز چھ بجے سے تیار ہو رہے تھے۔

سکندرہ علی گڈہ سے بارہ کوس ہی۔ اور عزیزی محمودہ بیگم کی والدہ ماجدہ نے ہمارے لیے گاڑی وغیرہ کا انتظام کر دیا تھا۔ علیگڈہ میں آکر میرے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اتنا فاصلہ گھوڑا گاڑی میں طے کیا۔ گاڑی ساڑھے چھ بجے ہمارے مکان پر آئی اور میں معہ ہر دو استانیاں اور دو ماما ایک چپراسی اور ایک اسکول کی لڑکی کے سوار ہوئی۔ رستہ بڑے آرام سے گزرا۔ دن بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اسلیے گرمی وغیرہ کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور ہم سب گیارہ بجے عزیزہ محمودہ بیگم کے مکان پر پہنچے۔

چونکہ ڈیوڑھی اور زنانخانے کے درمیان ایک کھلا مردانہ صحن تھا اسلیے پردہ کا

دو رویہ انتظام کیا گیا تھا اور اس طرح ہم بہ آسانی زنانے مکان تک پہنچ گئے۔ دروازہ پر عزیزہ محمودہ بیگم اور اس کی والدہ صاحبہ کھڑی تھیں وہ ہم سے بڑی گرمجوشی سے ملیں. اور اسکے بعد ہم کو اندر لے گئیں۔

پہلے ہم ایک دالان سے گزرے جس میں دری کا فرش بچھا تھا۔ پھر اور دالان آیا جو بہت عمدہ طور سے سجایا گیا تھا۔ پُر تکلف فرش بچھا تھا۔ گاؤ تکیے لگے تھے وہاں محمودہ بیگم کی دو خالہ صاحبان معہ اپنی دو صاحبزادیوں کے تشریف رکھتی تھیں وہ بھی نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ اور ہم کو وہیں بیٹھنے کو جگہ دی گئی۔ جب ایک دوسری کی خیر و عافیت کا استفسار ہو چکا تو تھوڑی دیر کے بعد ہم سب کو ٹھنڈا شربت پلایا گیا اور بعدہ پان الائچی کی رسم ادا ہوئی۔

گھنٹہ بھر کے بعد کھانا ایک بڑے دسترخوان پر چُنا گیا۔ اور مہمان عورتیں جو تشریف رکھتی تھیں سب نے مل کر کھایا۔ پھر کچھ دیر کے لیے سب نے آرام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شہر کی اور بیبیاں آنی شروع ہوئیں۔ محمودہ بیگم اور اُس کی والدہ صاحبہ ہر ایک کا نہایت تپاک سے خیر مقدم ادا کر کے بٹھاتی تھیں۔

جب سب بیبیاں آچکیں تو اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ ہم سب نے نماز پڑھی۔ اور پھر محمودہ بیگم سے قرآن شریف سُنانے کو کہا گیا۔ اس نے نہایت خوش الحانی سے آخر کی چند سورتیں پڑہیں۔ اسکے بعد آمین کی مبارک رسم ادا کی گئی۔ جسکے ختم ہوتے ہی سب نے محمودہ بیگم کی والدہ کو مبارکباد دی۔ اور ہم سب نے مل کر با واز خدا کی شان میں حمد پڑہی۔

بعدہ محمودہ بیگم کی والدہ سب بہنوں کو بالاخانہ پر لے گئیں۔ وہاں ایک کمرہ کرسیوں اور موڑہوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ بیچ میں ایک میز لگی ہوئی تھی۔ محمودہ بیگم کی والدہ نے مجھے وہیں بٹھایا اور اُنھوں نے اور اُن کی ہمشیرہ صاحبہ نے مجھے صدر انجمن بننے کی

عزت بخشی۔ اسکے بعد محمودہ بیگم نے علم کے فوائد اور جہالت کے نقصانات پر ایک تقریر معہ اپنی تعلیم کی سرگزشت کے بیان کی۔ بعدہ اس کی خالہ صاحبہ نے علم و جہل پر ایک مضمون پڑھا جس سے حاضرات جلسہ بہت متاثر ہوئیں۔ پھر خاکسار نے بھی ہندوستان میں اسلامی مستورات کی تعلیمی حالت بیان کی۔

اسکے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ محمودہ بیگم کی والدہ صاحبہ نے مٹھائی اور ایک جوڑہ اور کچھ روپیہ ایک کشتی میں لگا کر میرے سامنے رکھے۔ جو شکریہ ادا کرنے کے بعد میں نے لیے۔ اسکے بعد محمودہ بیگم کی والدہ ہم سب کو پھر نیچے لائیں۔ یہاں ایک میز پر گلدستوں وغیرہ سے خوب سجا کر ناشتہ لگایا گیا تھا جو ہم سب نے مل کر کھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد شہر کی مہمان بیبیاں اپنے گھروں کو رخصت ہونی شروع ہوئیں اور یکے بعد دیگرے روانہ ہوگئیں۔

محمودہ بیگم پھر ہم کو بالاخانے پر لے گئیں جہاں اُس وقت کی ہَوا خوب فرحت بخش تھی۔ چونکہ عصر کی نماز کا وقت آگیا تھا اسلیے وہیں پر ہم سب نے نماز عصر ادا کی۔

محمودہ بیگم کی والدہ اور خالہ صاحبہ نے ہم کو رات رہنے پر مجبور کیا اور چونکہ شام بھی ہوگئی تھی۔ اسلیے ہم رات کو وہیں ٹھہرے۔ شب بڑے آرام سے گزاری۔ اور نماز صبح سے فارغ ہو کر ہم پانچ بجے پھر اُسی گاڑی میں سوار ہو کر قریب نو بجے علیگڈھ پہنچے اور مدرسہ کا کام شروع کر دیا۔

خاکسار۔ ہیڈ معلمہ
مدرسۂ نسواں علیگڈھ

اڈیٹوریل

جناب ڈاکٹر ماشاءاللہ خاں صاحب ایم بی اسسٹنٹ سرجن علی گڈھ جن کی

صاحبزادی ہمارے مدرسہ میں تعلیم پاتی ہیں۔ کسی ایسی لڑکی کو جسنے مڈل پاس کیا ہو۔ دوسال کے لیے بحساب دس روپیہ ماہوار وظیفہ دینے کا وعدہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مڈل پاس لڑکی کسی لڑکیوں کے ٹریننگ اسکول میں تعلیم پائے تو وہ اسکو دوسال کیلیے وظیفہ دینگے۔

مدرسۂ نسواں علی گڈہ سے تو مڈل پاس کرنیکے لیے ابھی بہت عرصہ درکار ہی مگر اگر کسی اور مدرسہ کی لڑکی مڈل پاس ہو اور وہ ٹرینگ اسکول میں جاکر تعلیم پانا چاہیے اور یہ وعدہ کرے کہ بعد حاصل کرنے ٹریننگ سرٹیفکٹ وہ مدرسۂ نسواں علی گڈہ میں کم از کم تین سال تک ملازمت کرے گی تو ہم یہ وظیفہ اسکے لیے بڑی خوشی سے تجویز کرینگے۔

ٹریننگ اسکول ایک تو لاہور میں ہی اور ایک لکھنؤ میں ہم اُن دونوں مقامات کے لیے وظیفہ دلادینگے۔ درخواستیں بنام سکرٹری مدرسۂ نسواں علی گڈہ آنی چاہییں اور درخواستوں کے ساتھ سرٹیفکٹ بھی ہونے چاہییں۔

ہم جب کسی ہندوستانی بیمار کو دیکھتے ہیں تو بیاختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہی کہ خدا اس غریب کو تیمار داروں کی حماقتوں سے بچائے رکھے ورنہ اس کی خیر نہیں۔ پُرانے ویدک کا طریقۂ علاج تو اس درجہ سخت ہی کہ بیمار زیادہ تر پرہیز اور کمی ہوا اور شدت گرمی سے دنیا سے رخصت کیے جاتے ہیں۔

چند واقعات میرے تجربے میں خود آئے ہیں جنکو دیکھکر تعجب معلوم ہوا کہ ہزارہا برس کے تجربہ کے بعد بھی ویدک والے ہنوز لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ اور بیماروں کو اکثر اپنے ایسے طریقوں سے جو کہ خلاف فطرت وطبیعت انسانی کے ہیں مارڈالتے ہیں۔

ایک بہت بڑے ساہوکار کو میعادی بخار آیا گرمیوں کا موسم تھا ایک نہایت تنگ و

تاریک مکان میں اس مظلوم کو بند کر دیا گیا اور کمرے میں خوب آگ دہکا دی گئی ہوا کے چاروں طرف کے سوراخ بند کر دیے گئے۔ پانی بھی پینے کو اسکو شیر گرم دیا جاتا تھا۔ اسکے کمرہ میں اگر کوئی دوسرا آدمی جاتا تھا۔ اُس سے پانچ منٹ بھی وہاں نہ ٹھہرا جاتا تھا۔ جیسے مچھلی گرم ریت پر تڑپتی ہی ایسے ہی وہ تڑپتا تھا۔ ویدصاحب دروازہ پر بیٹھے ہوئے یہ کہتے تھے کہ پسینہ بہت آرہے ہیں اب بخار اُترا اب اُترا۔ اور اُسیطرح یہ کہ دو ہفتہ کے قریب وہ زندہ رہا اسکو فاقے پر فاقے دیے گئے جسکو وہ لوگ اپنے محاورہ میں لنگن کہتے ہیں۔ دو ہفتہ کے بعد وہ غریب تو مرا مگر کس مصیبت میں اور ویدصاحب نے کہا کہ فلاں وقت و فلاں کھڑکی کے سوراخ سے ہوا آگئی اسلیے وہ مرگیا۔ علاج کا کیا قصور ہی۔ اسی طور پر ایک اور نہایت خوبصورت نوجوان ماڑواڑی کو انہیں ویدصاحب نے مار ڈالا۔

ویدوں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں مگر عام طور پر ہندوستانی طریقۂ علاج و تیمارداری میں ایسی ایسی غلطیاں کی جاتی ہیں کہ جس سے مریض کی کل قوتیں سلب کر دیجاتی ہیں۔ اور اس کی طبیعت بیماری کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور اگر مرض سے نہ بھی مرنے والا ہو تو طریقہ علاج و تیمارداری سے ضرور مر جاتا ہی۔ اکثر بیماروں کو نہایت تنگ مکان میں رکھتے ہیں جہاں کی زہریلی ہوا وہ ہر وقت کھاتا ہی۔ مریض کو اپنے عزیز اور دوست کبھی چین نہیں لینے دیتے ہر وقت اُن کو گھیرے رہتے ہیں جس سے اسکو علاوہ بیماری کے پریشانی ہوتی ہے اور اُسکے قویٰ بالکل تھک جاتے ہیں۔

ان سب باتوں کا لحاظ کر کے ہمارا ایک عرصہ سے یہ خیال تھا کہ تیمارداری کے اوپر کوئی رسالہ لکھوائیں یا کسی انگریزی کتاب سے ترجمہ کرا کے اُردو میں کوئی رسالہ شائع کریں۔

اتنے میں ہمارے مخدوم دوست محمد سعید صاحب صوفی نے جو آجکل بمقام سمالی لینڈ افریقہ میں ہیں۔ انگریزی کی ایک بہت اعلیٰ درجہ کی کتاب سے نہایت سلیس اُردو

میں ترجمہ کرکے ہمارے پاس بھیجا ہی اور ہم کو اجازت دی ہی کہ ہم اسکو شائع کریں اور جو کچھ
اسکا منافع ہو اُسکو خاتون کی ترقی میں صرف کریں۔ ہم اپنے دوست کے تہ دل سے
ممنون ہیں اور ہم ان کی قابلیت کی داد دیتے ہیں کہ اُنھوں نے نہایت قابلیت سے
ترجمہ کیا ہے۔ جسکو ہر شخص آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتا ہی

یہ کتاب ان دنوں چھپ رہی ہی اسپر ہم خود ایک مقدمہ لکھیں گے جس میں یورپین
طریقہ تیمارداری اور ہندوستانی میں جو جو ترمیمیں ضروری ہیں وہ بتائیں گے۔ اور
اور ضروری امور جو خصوصیت کے ساتھ ہندوستانی تیمارداروں کو جاننا ضروری ہے
اُن کو بھی صاف طور پر لکھیں گے۔

یہ کتاب کم وبیش دوسو سوا دوسو صفحے کی ہوگی۔ عمدہ کاغذ کے اوپر نہایت عمدہ
لکھائی چھپائی ہوگی تاکہ ہر شخص جلد بندھوا کر بہت عرصہ تک اپنے پاس رکھ سکے۔
اس کی قیمت ایک روپیہ چار آنہ علاوہ محصولڈاک کے ہوگی۔ اخیر سال تک شائع ہو جائیگی
اسوقت اس کی صرف ایک ہزار کاپیاں چھپوائی گئی ہیں۔ جن صاحبوں کو اس کے
پڑھنے کی خواہش ہو وہ فوراً درخواستیں بنام اڈیٹر رسالہ خاتون بھیجیں۔

کتاب مذکورہ بالا کے متعلق ایک بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ اس کتاب میں
بچوں اور مستورات کی تیمارداری کے متعلق بھی بیان ہے اور مستورات کو ایسی کتاب کا ہر وقت
پڑھنا اور اپنے پاس رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ناول اور ڈراما

ہندوستان میں عام لوگوں کے نزدیک ناول اور ڈراما مخرب اخلاق ہیں۔ مگر
ہمکو افسوس سے کہنا پڑتا ہی کہ جن لوگوں کے اس قسم کے خیالات ہیں ان کو اُسی قسم کے

ناول اور ڈراما پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جس سے اخلاق پر واقعی بُرا اثر پڑتا ہی۔ اُردو لٹریچر ابھی تک شیر خوارگی کی ابتدائی حالت میں ہی اور بالخصوص ناول اور ڈرامے کا صیغہ تو ایک طرف سے خالی نظر آتا ہی۔ کچھ چند چھوٹے چھوٹے ناول لوگوں نے لکھے بھی ہیں اور بعض پورے قسم کے ناول دوسری زبانوں سے اُردو میں ترجمہ بھی ہوئے ہیں۔ مگر جن لوگوں نے اعلیٰ درجہ کے ناول ڈرامے پڑھے ہیں وہ غالباً اُن ناولوں یا ڈراموں کو پڑھنا کبھی پسند نہ کرینگے۔ جو آج کل اُردو لٹریچر میں آگئے ہیں۔

ان ناولوں اور ڈراموں کی وجہ سے ہماری اُردو داں پبلک پر ایک بہت خراب اثر پڑ رہا ہی کہ وہ لوگ جو ثقہ اور متین ہیں وہ لٹریچر کی ایک بہت بڑی اور اہم شاخ سے متنفر ہوئے جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف پبلک کا جو غیر سنجیدہ حصہ ہی وہ نہایت ادنیٰ قسم کے لٹریچر پر شیدا ہو رہے ہیں۔

اس ضرورت کو ہم نے ایک عرصہ سے محسوس کیا ہی کہ اُردو لٹریچر میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہی کہ ہر صنف کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں تصنیف کیجائیں یا ترجمہ کی جائیں۔ لیکن ایک دوسری وقت یہ ہی کہ ابھی تک اُردو داں پبلک کا لٹریری مذاق بہت اعلیٰ پیمانہ پر نہیں پہنچا۔ اور اسی لیے اعلیٰ درجہ کے ناولوں اور ڈراموں کی شروع شروع میں کبھی قدر نہ ہوگی۔

مثال کے طور پر ہم بتانا چاہتے ہیں کہ کنگ لیر جسکا ترجمہ خاتون میں ہو رہا ہے وہ شیکسپیر کے اعلیٰ ڈراموں میں سے ہے۔ اور اہل مذاق ایک مرتبہ شیکسپیر کا ڈراما پڑھنے کے بعد پھر اُس شاخ کی کسی لٹریری کتاب کو وہ قدر و منزلت کا درجہ نہیں دیتے جو شیکسپیر کو دیتے ہیں۔

شیکسپیر دنیا میں اس قدر مقبول عام ہی کہ کُل دنیا کی مہذب زبانوں میں اُسکے

ایک ایک ڈرامے کے متعدد ترجمے ہو چکے ہیں اور اُس کی ایک ایک سطر پر کئی کئی قسم کی شرحیں موجود ہیں۔ گویا کہ اس وقت لٹریچر کی اس خاص شاخ میں شیکسپیر سب کا سرتاج سمجھا جاتا ہی۔

مگر ناظرین خاتون میں سے ایک صاحب نے ہم کو لکھا ہی کہ کنگ لیر کے ترجمہ کی وجہ سے خاتون پھیکا ہو گیا ہے اور پڑھنے والوں کو کچھ لطف نہیں آتا۔ ہمیں ان اپنے دوست کے مذاق پر تعجب ہوا کہ انھوں نے شیکسپیر کے ڈرامے کے متعلق ایسا عجیب وغریب فتوے صادر فرمایا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی خوشی ہوئی کہ بعض دوستوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیکسپیر میں سے خاتون میں کنگ لیر کے علاوہ اور ڈرامے بھی ترجمہ کر کے چھاپے جاویں اور اُن کو الگ کتابوں کی شکل میں بھی چھاپا جاوے۔

ان خیالات کا مقابلہ کرنے سے ہمیں یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہی کہ جن ہمارے دوست کو کنگ لیر لطف سے خالی معلوم ہوتا ہی اُن کو چاہیے کہ اگر وہ انگریزی داں ہیں تو کسی کی مدد سے شیکسپیر کے کچھ ڈرامے پڑھ لیں اور اگر اُردو داں ہیں تو انتظار کریں جبتک کنگ لیر ختم ہو۔ اور پھر شروع سے لیکر اخیر تک ایک مرتبہ کل ڈرامے کو پڑھ جاویں اور پھر بتادیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

اب کم وبیش چھ سال کا عرصہ ہوا ہی جب سے ہم نے علی گڈھ میں تعلیم نسواں کے متعلق کوشش شروع کی تھی۔ اس کوشش میں جو کچھ کامیابی ہوئی اُس سے ناظرین واقف ہیں اور ہمیں امید ہی کہ جو کام شروع ہو گیا ہی قوم اُسکے ترقی دینے میں ہماری مدد کرے گی۔ مگر غور کرنے سے اور عام خیالات کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ گو ملک میں تعلیم نسواں کا چرچا کچھ پھیل رہا ہی اور لڑکیوں کو تعلیم دلانے کی طرف بھی لوگ متوجہ ہو رہے ہیں مگر تعلیم نسواں کی اس قسم کی ضرورت ابتک لوگوں نے بہت کم محسوس کی ہے جیسی کہ

جاپان

ہمارے خاص کرم فرما اور ہمدرد قوم مولوی سید خورشید علی صاحب نے جاپان نامی ایک کتاب کا انگریزی سے اُردو ترجمہ کیا ہے۔ سید صاحب موصوف کا ترجمہ نہایت صاف اور دلنشیں ہوتا ہے اور اُن کی خواہش ہے کہ یہ ترجمہ سلسلہ بسلسلہ خاتون میں شائع کیا جائے تاکہ ناظرات خاتون کو معلوم ہو کہ ایک بالکل جاہل اور ادنیٰ درجہ کی قوم کس طرح پستی سے نکل کر ترقی کی بلندی پر پہنچی ہے۔

ہم نہایت خوشی سے اس کتاب کا پہلا باب اس نمبر میں شائع کرتے ہیں۔ امید ہے کہ سید صاحب موصوف کی توجہ سے خاتون میں آیندہ سلسلہ بسلسلہ اسکے ابواب مندرج ہوتے رہیں گے۔

اڈیٹر

پہلا باب

طلوع آفتاب کی سرزمین

ہمارے ملک سے بہت دور دنیا کی دوسری جانب بہت سے جزیروں کا ایک جھنڈ ہی جسپر سلطنت جاپان واقع ہی۔ لفظ "جاپان" کے معنی "طلوع آفتاب کی سرزمین" کے ہیں اور یہ حقیقت میں مشرق اقصیٰ کے ملک کا نہایت اچھا نام ہی۔

جاپان کے جھنڈے پر اس قسم کی تصویر منقوش ہی کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہی اور اُس کی شعاعیں ہر سمت پہنچی ہوئی ہیں۔ روسی افواج کے مقابلہ میں جو حیرت انگیز مہتم بالشان فتوحات اس نشان نے حاصل کیے۔ ان کی بدولت اس کی شہرت و ناموری کی کوئی انتہا نہیں رہی۔

جاپانی اکثر باتوں میں انگریزوں کے ساتھ جو انکے دوست اور رفیق جنگ ہیں اپنا مقابلہ کرنے کے بڑے شائق ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح برطانیہ ساحل یورپ سے دور جزائر کے مجموعہ پر واقع ہی اسی طرح جاپان بھی ساحل ایشیا سے دور جزائر کے مجموعہ پر واقع ہی۔ ان لوگوں نے ایک طرف تو اپنے تئیں انگریزوں کی طرح بحری جنگوں میں بہادر اور چست و چالاک ثابت کیا ہی۔ اور دوسری طرف ان کی فوجوں نے خشکی پر بالکل انگریزوں کی مانند نہایت جرأت و دلاوری سے داد جوانمردی دی ہی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو "مشرقی انگریز" کہنا بہت پسند کرتے ہیں اور اپنے ملک کو "برطانیہ بحرالکاہل" کہتے ہیں۔

دنیا کی ایک زبردست عظیم الشان قوت بننے میں جاپان کی رفتار ترقی بے حد تیز اور حیرت انگیز ثابت ہوئی ہی۔ پچاس سال قبل جاپان دنیا کی نگاہوں سے بالکل پوشیدہ تھا۔ جاپان میں سیر و سیاحت کی غرض سے یا کسی اور خیال سے اجنبیوں کے داخل ہونے کی

سخت ممانعت تھی اور جاپانیوں کے عادات وخصائل۔ رسم ورواج وغیرہ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

اس کے جنگی جہازوں کا بیڑا اس زمانہ میں صرف چند مختصر سے چوبی جہازوں پر محدود تھا۔ مگر آج اس کے پاس بڑے بڑے زبردست آہن پوش موجود ہیں جن کا انتظام اُن کاملان فن کے سپرد ہی جو انگریزی بحری فوج کی طرح اپنے فرائض اداکرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں جاپان کی فوج کے پاس صرف دو تلواریں اور تیر وکمان بطور ہتیار کے ہوتے تھے لیکن آج اس کی سپاہ دنیا کی حیرت واستعجاب کا باعث ہی۔ تازہ ترین ہتیاروں سے یہ آراستہ ہوتے ہیں اور چار دانگ عالم میں انکی دہاک بیٹھی ہوئی ہی۔ بڑی بڑی قوی اور زبردست قومیں ان سے دشمنی کرتے ڈرتی ہیں۔

پچاس سال قبل جاپان بالکل طوائف الملوک کی حالت میں تھا۔ اسکے بڑے بڑے امراء اور نواب ڈیمیو یائے کہلاتے تھے۔ ہر امیر اور ہر نواب کے پاس ایک مضبوط قلعہ اور ایک اپنی ذاتی فوج ہوتی تھی۔ ان نوابوں اور رئیسوں میں باہم ہمیشہ لڑائیاں ٹھنی رہتی تھیں اور ان کی فوجوں میں جو ساموراے کہلاتی تھیں۔ لگاتار کشت وخون ہوا کرتا تھا۔ جاپان کی اس وقت بالکل وہی حالت تھی جو انگلستان کی **وار آف دی روزز**[1] کے زمانہ میں تھی۔ خاندانی معمولی جھگڑوں سے طول طویل سالہا سال کی جنگوں تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔

---

[1] پندرہویں صدی عیسوی کے اخیر نصف حصہ میں انگلستان میں عجیب خانہ جنگی برپا تھی۔ سلطنت کے دو سربرآوردہ فریق اپنا اپنا اقتدار قائم کرنے کے جوش میں باہم رقیب بن گئے تھے ۱۴۵۵ء سے ۱۴۸۵ء تک دونوں جماعتوں میں بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ ایک فریق نے اپنا نشان سرخ گلاب قرار دیا تھا اور دوسرے نے سفید گلاب اسی بنا پر ان محاربات کا نام "وار آف دی روزز" یعنے جنگ گلاب ہار کہا گیا۔

مترجم

لیکن اب یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ ڈمیو یا سے اب معمولی درجہ کے شرفا
بن گئے ہیں سامورا سے کی فوجیں توڑ ڈالی گئیں۔ اس وقت جاپان میں بالکل مغربی
ممالک کے نمونہ پر حکومت کی جاتی ہی اور یورپ کے ملکوں کے مطابق اس میں ججوں۔ عدلتوں
کوتوالی وغیرہ کا انتظام ہے۔

جاپانیوں نے جس وقت اپنی قدیم دقیانوسی حالت کے بدلنے اور دنیا کی ترقی یافتہ
قوموں میں شمار ہونے کا درجہ حاصل کرنے کا تہیہ کیا تو ان لوگوں نے ادھوری کوششوں
سے کام نہیں لیا بلکہ ہر بات میں انتہائی کوششیں کیں اور درجہ کمال کو پہنچ کر رہے۔
ان لوگوں نے بڑی خوشی سے اپنے آپ کو آجکل کی ایجادوں۔ اختراعوں اور ترقی کی
مختلف تحریکوں کے حوالہ کر دیا اور بڑے استقلال سے ثابت قدم رہے۔ انھوں نے
ریلیں بنائیں۔ تار برقی (ٹیلیگراف و ٹیلیفون) کے سلسلے قایم کیے ہیں۔ پلوں اور سڑکوں
کی تعمیر سے ملک کو بڑی رونق بخشی ہی۔ متعدد بنکیں۔ تجارتی کوٹھیاں۔ کرنیاں اور کارخانے
تیار کیے ہیں۔

عدالتوں وغیرہ کے قیام کے ساتھ ایک پارلیمنٹ بھی بنائی ہے جس میں رعایا
کی جانب سے ممبر منتخب اور نامزد ہوتے ہیں۔ ملک کے ہر گوشے اور ہر حصے میں اخبارات
کی کثرت ہی۔

جاپان ایک نہایت خوبصورت اور سیر حاصل ملک ہی۔ اس میں خوشنما پہاڑوں
کی کمی نہیں۔ کثرت سے ندیاں ہیں اور دلکش پہاڑوں کی آغوش میں بہتی ہیں۔ ندیوں کی بڑی
بڑی چٹانوں سے ٹکرانے یا بہت عمیق ڈھالوں میں گرنے سے برفیلے آبشاروں کی بھی
قلت نہیں۔ پہاڑیوں کے دامن میں سرسبز و شاداب میدان اور زرخیز وادی واقع ہیں
بہت سی نہریں جو پہاڑیوں میں سے نکلتی ہیں ان میدانوں کو ہمیشہ تر و تازہ رکھتی ہیں۔ لیکن
پہاڑوں کی اتنی کثرت اور میدانوں کی اتنی قلت ہے کہ صرف تھوڑے ہی حصہ میں زراعت

کی جا سکتی ہی۔ اس میں جاپان کا ایک بہت بڑا نقصان ہی۔ یہاں کی آب و ہوا اور یہاں کا موسم برطانیہ سے کچھ زیادہ فرق نہیں رکھتا۔ البتہ گرمی کا موسم یہاں برطانیہ کے موسم گرما سے کسی قدر سخت ہوتا ہی اور سرما میں بعض حصے زیادہ سرد ہو جاتے ہیں۔ اکثر پہاڑ آتش فشاں ہیں۔ بعض ان میں سے ابتک متحرک ہیں اور اس وجہ سے عموماً زلزلے ہوا کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان زلزلوں سے بے انتہا نقصان پہنچتا ہی۔

۱۸۹۱ء میں جو خوفناک زلزلہ آیا تھا اُس میں دس ہزار آدمی تلف ہوئے۔ بیس ہزار زخمی ہوئے اور ایک لاکھ تیس ہزار مکان تباہ و برباد ہوئے۔

جاپان کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ اونچا پہاڑ سب سے زیادہ خوبصورت بھی ہی جاپانی اسکو بے انتہا عزیز رکھتے ہیں اور اس کی بلندی کو بہت مقدس خیال کرتے ہیں اسکا نام **فوجی سان** یا **فوسی یامہ** ہے۔ یہ سمندر کے قریب جاپان کے دارالسلطنت ٹوکیو کے پاس واقع ہی۔

یہ پہاڑ بہت ہی خوش وضع اور نہایت خوبصورت ہی۔ اس کی شکل بالکل مخروطی ہی اور یہ تیرہ ہزار فٹ مرتفع ہی۔ سمندر سے اسکا نظارہ بے حد عالی شان اور نظر فریب ہوتا ہے۔ ساحل یا شہر کی کوئی جھلک نظر آنے سے بہت پہلے سیاح کو اس کی بلند چوٹی ایک عجیب شان کے ساتھ دکھائی دیتی ہی۔ جسپر کی برف کی روشن کلغی سے اسکا جاہ و جلال اور بھی بڑھ جاتا ہے اس خشکی کا تو اس وقت پتہ بھی نہیں معلوم ہوتا جہاں یہ پہاڑ واقع ہی۔ اہل جاپان قدرتی حسن اور فطرتی صناعیوں کی بہت قدر کرتے ہیں اور اسلیے یہ لوگ **فوجی سان** کی ایک حد تک پرستش کرتے ہیں۔ انکے ہاں کے نقاش اور مصور تو اس خوبصورت پہاڑ کی تصویریں بنانے سے کبھی نہیں تھکتے۔ اسکی تصویریں دنیا کے ہر حصے میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

نماز

روز محشر کہ جاں گداز بود　　اولیں پرسش نماز بود

دین اسلام کی اصل اقرار توحید اور عقیدہ رسالت ہی اسکے بعد نماز۔

نماز (صلوۃ) کے معنی اصل میں دعا کے ہیں جو ہر مذہب میں مختلف طور سے رائج ہی ہر مذہب میں اسکا وجود موجود ہی۔ عبادت کے طریقے جس طور سے بزرگان ہنود نے بتائے وہ ایک حد تک ضرور قابل تحسین تھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی دیوتا کے متعدد ہاتھ ہیں جن میں مختلف اشیا وہ لیے ہوئے ہیں۔ مثالا ایک ہاتھ میں پھول ہی جس سے مراد علامت رحمت ہی۔ ایک ہاتھ میں تلوار ہی جسکا یہ منشا ہی کہ خدا جس طرح اپنی رحمت بندوں پر مبذول کرسکتا ہی اُسیطرح قہر و غضب بھی نازل کرسکتا ہی۔ ایک ہاتھ میں خوشہ ہی جسکے یہ معنی ہیں کہ وہ رزاق مطلق رزق بھی دیسکتا ہی۔

"خدا کے مختلف ہاتھ ہیں" یہ روزمرہ کی گفتگو ہی۔ اسکو ظاہری صورت سے سمجھانے کے لیے تمثال قائم کردیتے تھے۔ لیکن بعد میں آنے والی نسلوں نے اس سے دوسرا نتیجہ اخذ کیا جسکو دنیا جانتی ہی۔

نماز جس شان سے شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے وضع کی اُس کی طرف جہانتک غور کیا جائے مفید نتیجہ مترتب ہونے کی امید ہی۔ بدن کی صفائی۔ دل کی روشنی۔ نزول رحمت۔ خوشنودی پروردگار۔

شرائط و اداب نماز مختصر طور سے جو صاف سمجھ میں آجائیں یہ ہیں کہ ہاتھ اُٹھاتے وقت یہ خیال کریں کہ ہم دنیا سے ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور اس حاکم اعلیٰ کے حضور میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جس سے بڑا کوئی حاکم نہیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ کوئی کلمہ تہذیب کے خلاف یا قانون سے علیحدہ یا غلط نکل جائے۔ الفاظ بحث اور رُوداد مقدمہ کو نہایت متانت

اور عمدگی کے ساتھ سنانا چاہیے۔ نہ گھبراہٹ اور غلط سلط الفاظ میں۔ جو کچھ کہو صحیح اور
قانون کے موافق۔ ایسا نہ ہو کہ تم گھبراہٹ یا بیدلی کا اظہار کر کے توہین عدالت کے
مرتکب ہو جاؤ۔ حی علی الصلاح حی علی الفلاح اُس عدالت العالیہ کے چپراسی کی
آواز ہی جو مدعی مدعا علیہ کو بلایا کرتا ہے بہتر ہی کہ کچہری میں پہلے سے حاضر ہو جاؤ۔
کیونکہ اندیشہ ہی کہ کہیں عدم حاضری میں مقدمہ خارج ہو جائے اور ڈگری تمہارے
سر پڑے۔

آہ دوستو! یہ حاکم مجازی کے چپراسی کی آواز کس قدر تمہیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے
کیسے دوڑتے ہو۔ ہوش و حواس بھی درست نہیں رہتے۔ محکمہ والوں کی الگ خوشامد۔
رشوت کا بازار علیحدہ گرم۔ لیکن اُن کا موں٘ھ سیدھا نہیں۔ حاکم کے روبرو گئے۔ بیان
لیے گئے۔ دل دھڑک رہا ہی۔ ہاتھ پیر کانپ رہے ہیں۔ لیکن کیا کریں۔ قہر درویش
برجان درویش۔ کیا مجال جو وقت پر حاضر نہ ہوں۔ حاکم حقیقی کا چپراسی آواز لگا رہا ہے
آؤ تمہارے لیے ہر قسم کی فلاح موجود ہے۔ آؤ تمہیں اُس کی حضوری سے فیضیاب
کیا جاتا ہی۔ حاضر حاضر کی جگہ قہقہہ لگاتے چلے جاتے ہیں کوئی سنتا بھی نہیں کیا کہا
اور کس نے کہا۔ کیسی توہین کھلی ہوئی۔ جسکا کوئی جواب نہیں کوئی عذر نہیں۔
کیا ہوگا۔ وہ جس سے تمہارے دل اور جگر کے جوارح کانپ اُٹھیں گے۔
ایسی عدالت میں تم کو مدعو کیا جاتا ہی جہاں نہ رشوت کا زور ہی نہ خوشامد کا دخل۔ یہ خبر
ہی نہیں کہ من اقام الصلوٰۃ فاقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین۔
آخر یہ کیسی مسلمانی ہی۔ بقول شخصے ذراسی مسلمانی اور اُس میں بھی آنا کانی۔ زمانہ بھر کی
اصلاحیں ہوتی ہیں۔ لیکن اس اسلامی اصول کی طرف کوئی بھی توجہ نہیں کرتا۔
دُلہن آئیں ڈولے سے اُتریں اللہ آمین سے سلامتی کے ساتھ اُن کو قبل اسکے کہ
کوئی صورت دیکھے یا نہ دیکھے صندل کے ٹیکے سے ماتھا مزین کر دیا گیا۔ ایک ادھر سے

آئیں دوسری نے ادہر سے گھیرا۔ خاصا بازار لگ گیا۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ دلہن نے مسلمان کے گھر میں جنم لیا ہی یا کسی دوسرے مذہب والے کے۔ نماز اسکو پڑھنی چاہیے یا نہیں۔ کہے کون۔ او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

سو میں ایک بی بی ایسی ہوتی ہونگی جو ایسے شادی بیاہ کی مجلس میں نماز پڑہنے کا خیال رکھتی ہوں۔ توبہ کیجیے۔ اتنی فرصت کہاں کہ ڈھونڈ کریں خدا کے نام کی ماریں۔ پھر بھلا وہ ایسی بات کیوں بتانے لگیں۔ دولھا چار بجے صبح کے گھر میں بلائے گئے دن کے آٹھ بجے تک رسمیں ہوتی رہیں۔ یہ کسی نے نہ کہا کہ دین اسلام کا پیرو ہی اسکو نماز پڑہوا دینی چاہیے۔

یہ تو بھلا شادی بیاہ کے موقعوں کی کیفیت ہی۔ اُن مجمعوں کی کیفیت دیکھنی چاہیے جہاں قومی خیر خواہی کے گیت گائے جاتے ہیں۔ اسپیکر صاحب میز پر ہاتھ رکھے تقریر فرمارہے ہیں۔ لوگوں کا عقیدہ جم گیا کہ ان جیسا دیندار کوئی نہیں۔ لیکن نماز کا وقت آیا اور اُنہوں نے بھی گھر میں جاکر لمبی تانی۔ بقول حافظ۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

مورد الزام ہیں تو بیچاری نئی نویلی دلہنیں ہیں۔ جو لوگ ان تجاویز کے محرک ہیں وہ خود بھی عمل نہیں کرتے۔

ایک صاحب سرے سے پردے کو اُڑائے دیتے ہیں۔ دوسرے صاحب یہ کہتے ہیں کہ ماں باپ کی مرضی کے مقابلہ پر دولھا دلہن کی منشا کوئی شے نہیں۔ غرضکہ ہر جانور اپنی اپنی بولی اس باغ عالم میں بول رہا ہی۔ لیکن اصل چیز کا نام بھی کوئی نہیں لیتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اُنہوں نے اس موقع پر جب کہ جدال و قتال کا بازار گرم تھا۔ نماز نہیں چھوڑی۔ اور اگر متواتر لڑائی ہوتی بھی ہی تو بعد ختم نمازوں کا اعادہ کر لیا ہی۔ انکے خیال میں نماز ویسی ہی ضروری شے تھی

جیسا اُس کے واضع نے اس کی اہمیت کو بیان کیا تھا۔

ہر مبیں اور شرجبیل ابن حسنہ کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو جو کاتب الواقدی نے لکھی ہے نماز کی اہمیت ظاہر کر رہی ہے پھر دیکھ لیجیے وہی خاک پر سر جھکانیوالے کس طرح ارض روم و شام پر قابض ہو گئے اللہ اللہ اس سادہ جماعت کا کیسا اثر تھا جس سے ہرقل جیسا سلطان کانپتا تھا۔

آج سینکڑوں مسلمان یہ بھی نہیں جانتے کہ نماز میں کتنے فرض اور کتنی سُنتیں اور مستحبات ہیں۔ اور یہ حالت عام لوگوں کی ہی نہیں بلکہ خواص بھی اس میں شامل ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

عورتیں تو فیصدی دس بھی نہ ملیں گی جو مسائل صلوٰۃ سے واقفیت رکھتی ہوں اور نماز صحیح طور سے ادا کر لیتی ہوں۔ اُن کو نماز تو نماز قرآن بھی صحیح یاد نہیں اس کلیہ میں کیا تعلیم یافتہ اور کیا غیر تعلیم یافتہ سب شامل ہیں لیکن کوئی اسکے اصلاح کی جانب مائل نہیں ہوتا۔

اگر اڈیٹر صاحب نے اجازت دی اور مناسب سمجھا تو ہم مختصر طور پر آیندہ مضمون میں نماز کے متعلق بعض ایسے مسائل جو عورتوں کے لیے بیحد ضروری ہیں۔ اور جو اکثر کو معلوم نہیں بتائینگے اور نماز کا وہ طریقہ جو اصل حدیث میں ہے لکھیں گے۔ والسلام

راقم

مقبول احمد نظامی سیوہاروی

مجلس حیراں

تحریر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تقریر کی طرح آسان ہو اور جلد سمجھ میں آجائے۔ خاص کر خاتون جیسے رسالے

کے لیے جو کم مایہ بیویوں کے پڑھنے کے لیے شائع کیا جاتا ہی سلیس اور آسان عبارت کی زیادہ ضرورت ہی۔ مگر ہم قصداً کبھی کبھی اس قسم کے مضامین بھی درج کر دیتے ہیں جو مشکل ہوں۔ تاکہ بیویاں اسکو غور سے پڑہیں اور مشکل عبارت سمجھنے کی اُن کو مشق ہو جائے۔ اسی قسم کا یہ مضمون ہے۔

اڈیٹر

خلوت کی انجمن میں انسانی شکل و شمائل کی دو مورتیں رکھی ہیں اب اُن کی حرکت و ضعی نے تو ضرور ثابت کر دیا ہی کہ یہ زندہ جان انسان ہیں۔ ورنہ تھوڑی دیر کے عالم سکوت میں تو یہ تصویر خموش تھی۔ اُن کی ہیئت کذائی کا ہیولانی اختلاف جنسی امتیاز بھی قائم کر رہا ہے۔ جس سے ایک میں شان رجولیت، اور دوسری میں انداز اُناثیت پیدا ہیں۔ ایک کی نرم آواز، زنانہ لب و لہجہ، اور دوسرے کی آواز میں باوجود متانت نسبتہً کرختگی کا پایا جانا اس خیال کی تصدیق کر رہا ہی۔

یہ بھی آپ کو مان لینا چاہیے کہ یہ دونوں باہم گر رشتۂ زن و شوی رکھتے ہیں اور ماشاء اللہ دونوں کی جوانی کا زمانہ ہے۔

بہرحال یہاں جس بات نے ہمیں کچھ دیر کے لیے نقش حیرت بنایا تھا۔ ہمارے ناظرین بھی اُسے حیرت ہی سے سُنیں گے۔ وہ یہ کہ بجائے محبت اور خوشی دکھلانے کے انقباض، رُکاوٹ، اور باہمی بے لطفی سے صحبت لطف مجلس غم ٹھہر گئی ہی۔

اسکے سلسلہ اسباب و علل پر ہمیں غور کرنا ضرور ہی۔ لیکن اگر مزید واقفیت کے بعد ہم کوئی رائے قائم کرینگے تو وہ زیادہ صائب و قابل وقعت ہوگی۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اُس معزز نوجوان کو جس کی شبستان عشرت میں ہم ہو آئے ہیں بیدار ہونے دیں۔ اُسکے بعد ہمیں بغرض تحقیق اسکا تعاقب کرنا ہوگا۔

ناظرین! شکر کیجیے آپ کو انتظار کی کٹھن گھڑیاں گنی نہ پڑیں۔ اور وہ لیجیے ہمارا

شاہد مقصود آگیا۔ مگر ابھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں۔

فطری ضروریات سے فارغ ہو کر غالباً وہ "ڈریسنگ روم" کی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے کیونکہ اُسکا ملازم گھنٹی کی آواز سن کر بڑے ہال کے بازو والے کمرے میں گیا ہے

خیر! اب ہم باغیچہ سے کوٹھی کے بڑے ہال میں آجاتے ہیں۔ جس میں زنانہ مکان سے نکلکر ایک مُدوّر، وسیع، چمن کو صراط مستقیم سے طے کرکے بذریعہ ایک کرسی ار برآمدے کے داخلہ ہوتا ہے۔

یہ ہال قیمتی فرنیچر وسامان آرائش سے فوق البھڑک نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ سادہ علمی مذاق رکھنے والی طبیعت نے اسے ایک پرائیویٹ لائبریری کی زیب و زینت دے رکھی ہے۔ سمتوں میں الماریاں، بیچوں بیچ ایک بڑا میز، جسکے گرد دس پندرہ کی تعداد میں کرسیاں، میز پر مختلف علوم وفنون کی کتابیں دنیا کی مشہور علمی زبانوں کی عظمت قائم کر رہی تھیں۔

ہم پہنچے ہی تھے کہ ہمارا نوجوان دوست بھی آکر ایک کرسی پر ڈٹ گیا، اور میز پر سے دائرۃ المعارف کی ایک جلد اُٹھاکر مطالعہ کرنے لگا۔

اتنے میں ایک بڑے میاں آکر بیٹھ گئے۔ جنھوں نے آتے ہی زبان متانت میں فرمایا کہ صاحبزادے کیا دیکھ رہے ہو؟

ہمارے نوجوان نے سادے مگر اُدب جاننے والے چشم وابرو دکھلاکر کہا کہ "رسمی اور عقلی احکامات کا مقابلہ" اور اپنے بزرگان قوم وخاندان کی عقل کوتاہ اندیشی پہ تاسف کر رہا ہوں۔ جنھوں نے رسم ورواج کو آج فرائض مذہبی کا درجہ دے رکھا ہے۔

بزرگ۔ صاحبزادے تمہارا روے سخن اس سے کن امور کی جانب ہے۔

نوجوان۔ بالفعل میرا روے تحقیق ایک خاص مسئلہ کی جانب ہے۔ یعنی عورتیں اس

جلوہ گاہ ہستی میں کیوں لائی گئیں۔ منشار تخلیق کیا ہی، اور ہمارے یہاں کہانتک اس حکیم مطلق کے منشار کی تکمیل ہو رہی ہے۔

بزرگ۔ اس پر اگر تم نے نئی کتابوں سے استدلال کیا، اُسکا تو میں قائل نہیں، کیونکہ سُنتا ہوں کہ علمائے مصر جنکے دماغوں میں ولایت والوں کے خیالات بھرے ہوتے ہیں، وہ ایسی تصانیف کر کے کم علم مسلمانوں کو قرآن وحدیث کے دہوکے میں لاکر اپنا ہمخیال کر لیتے ہیں۔

نوجوان۔ نہیں، نہیں، اگر آپ اُن سے حسن ظن نہیں رکھتے تو میں آپ پر کتاب اللہ کتاب الرسول، معتبر کتب تفاسیر، اجلہ، علمای سلف کا استدلال پیش کرونگا۔

آجکل اس کی دہوم مچی ہی کہ لڑکیاں بھی لڑکیوں کی طرح تعلیم یافتہ ہوں۔ ورنہ امید نہیں کہ نئی پودھ اُن کی ہمنشینی کو بطیب خاطر گوارا کرے گی۔ اس میں پیچ اگر یہ پڑا ہی کہ شور مچانے والوں میں سے اکثر بے سوچے سمجھے شور مچاتے ہیں اور اسی طرح سننے والے اُسے مجذوب کی بڑ سمجھکر رد کر دیتے ہیں۔ کہنے والوں اور سُننے والوں میں زیادہ شمار اُن حضرات کا ہی جو نہ بات کو خود سمجھ کر کہتے ہیں، اور نہ سُنکر سمجھتے ہیں۔ مخالف و موافق گروہ ایک دوسرے کے بیانات کا صیح صیح منشار معلوم کر کے اُسپر رائے زنی کرے تو یہ عقدہ آسانی سے حل ہو جائے۔

اس ضرورت کے محسوس کرنے والوں کا زور مذہبانہ حیثیت سے اُن آیات قرآنی پر ہی جو اس کی ناطق ہیں۔

هُنَّ لباسٌ لکم وانتم لباسٌ لهُنَّ۔ عورتیں تمہارے لیے باعث زینت ہیں اور تم عورتوں کے لیے۔

یہ آیت کریمہ صاف بتلاتی ہی کہ عورت ومرد میں جسم وجامہ کا تعلق ہی۔ جن دونوں کا تناسب بدیہی ہی، اگر جامہ جسم پر ٹھیک نہ اُترے۔ یا جسم کے کسی عضو کی کجی سے اسکی تبدیل وضع ہو جائے، تو وہ جامہ جسم پر یا جسم جامہ کے لیے موزوں ہو گا۔ نہ جامہ زیبی

آئے گی۔

اسی طرح مرد کے اخلاقی و معاشرتی جسم کے لیے عورت جو بمنزلہ لباس کے ہے اگر اُس کی قطع و برید کا جسم اخلاق و معاشرت سے تطابق نہ ہو تو کبھی خانگی معاشرت میں شان دلاویزی نہ پیدا ہوگی، جو معاشرت بالمعروف کے لیے ضروری ہی، جسکا حکم دوسری آیت کریمہ میں موجود ہے۔

وعاشروهن بالمعروف۔ حسن معاشرت سے اُن کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

پس جبکہ مذہب اس بارہ میں اصرار بلیغ کر رہا ہی تو کونسی عقل سلیم ایسی ضرورت سے انحراف کرے گی جو حسن معاشرت کے مبادی ہی۔ کیونکہ اصل منشا یہ ہی کہ عورتوں میں مذاق صحیح پیدا ہو۔ جس سے اُن کا استصواب امور خانگی میں نازیبا، اور درجۂ عقل سے گرا ہوا نہ ہو۔ جو بسا اوقات مردوں کے حق میں سم قاتل کی تاثیر رکھتا ہی۔

اس سلسلہ گفتگو میں اُس حدیث نبوی کی یاد دہانی بیجا نہیں۔ جسے اکثر سطحی معلومات رکھنے والے اس بحث کے دنگل میں زور بازو قرار دیتے ہیں، یعنی

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔ تحصیل علم مسلمان مرد و عورت دونوں پر لازمی ہے۔

لیکن ہم اسپر مذکور الصدر آیات کے اجمال کی تفسیر قرار دینے سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہتے۔

اسکے علاوہ ایک روشنخیال بند تقلید سے آزاد ہو کر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ الحاجة ام الاختراعات۔ زمانہ کی نئی ضرورتیں جس طرح جدید اشیا کے اختراع کی سفارش کرتی ہیں اسی طرح ہمارا طبعی میلان (اور جو خرابیاں آئے دن ظہور پذیر ہوتی ہیں اُنکا لحاظ) اس بات کی بھی جائز خواہش رکھتا ہی کہ ہمیں بجائے اَلھڑ و بے شعور عورات کے خواندہ و شایستہ بیویاں ملنی چاہییں۔ جو ہمارے لیے باعث دلبستگی، موجب مسرت اور افکار و مصائب کی ظلمت کے لیے صبح درخشاں بنیں۔

کارخانۂ قدرت کے کارساز نے اس نوع انسانی کے دواعی ایجاد کے بارہ میں جنس اعلےٰ کو خطاب کرکے فرمایا ہی۔

لتسکنوا الیھن۔ عورتیں اسلیے ہیں کہ سکون خاطر وقلب تھیں اُنسے حاصل ہو۔

اس فرمان میں جناب باری عزاسمہ کا منشار ہمارے منشار سے کہیں اعلیٰ وارفع ہی۔ جس کی توضیح یوں ہوسکتی ہی کہ کلام عرب میں اس خاص محاورہ کا استعمال دیکھا جائے سکن الیہ اُس خاص موقع کے لیے ہی جب کسی کو غیر معمولی گھبراہٹ سے کوئی تشفی بخش صورت اطمینان نظر آجاتی ہی۔ تسکین دینے والی شے کو سکن بولتے ہیں۔

پس جب عورت کو مرد کے لیے سکنٌ خداوند تعالیٰ نے بتلایا ہی۔ اُسے مرد کی "ایسوسی ایشن" کا ایک مزیدار جزو قرار دیا ہی۔ اور خانگی معاشرت کا ٹھاٹھ اُسی کی ایک ذات خاص کا ہی اور ہم بجائے دلچسپی لینے اور شریک لطف معاشرت بنانے کے اُس کی حیثیت مٹادیں۔ وقعت زائل کریں تو کیوں نہ ہم بفحوائے وضع الشی فی غیر محلہ ظالم ٹھہرینگے۔

بظاہر یہ بات نہایت چھوٹی معلوم ہوتی ہی لیکن جو نقائص اس سے ظہور پذیر ہورہے ہیں وہ بہت وزنی ہیں۔ یہ بات بھی کالنّور والسّرور ہی کہ نوجوانوں کو زنانہ سوسائٹی کے اس نقص کی وجہ سے یورپ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہی۔ اور بعض اوقات وہ وہیں کے ہورہتے ہیں۔ اور دونوں طرف کا نقشہ یہ ہوتا ہی۔ ؎

دلم چو مہر زلیخا شکستہ درخلوت غمم چو تہمت یوسف دویدہ دربازار

غرضکہ اس جہالت اور بے علمی کا اثر حکم خدا ورسول سے محض منحرف ہونا ہی نہیں بلکہ نظام معاشرت وتمدن کے شیرازہ کو پراگندہ کرنا ہی جس کی نظیر آپ ایسے جہاندیدہ بزرگ غور کرکے بہت نکال سکتے ہیں۔ دیکھیے عورتوں کو خطاب کرکے ہمارے مخدوم قوم مولانا حالی نے خوب کہا ہی۔

مونس ہو خاوندوں کی تم، غمخوار فرزندوں کی تم تم بن ہی گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی ڈھارس ہو تم بے کار کی دولت ہو تم نادار کی عسرت میں عشرت تم سے ہے

تعلیم و تہذیب کے متعلق جو مجھے بالفعل عرض کرنا تھا وہ یہی تھا جو میں نے عرض کیا انشاء اللہ اور مسائل کے متعلق بھی جو آجکل زمانہ کے معرض بحث میں مثلاً پردے وغیرہ پر کبھی اظہار خیال کرونگا۔ آپ کی سمع خراشی تو ہوئی معاف فرمائیگا۔

بزرگ ۔ ماشاء اللہ۔ صاحبزادے ماشاء اللہ۔ تم نے جو کچھ اس وقت کہا وہ میرے دل میں نقش کالحجر ہو گیا۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ خیالات تھے۔ درحقیقت خدا اور رسول کا یہی حکم ہے۔ انشاء اللہ آیندہ سے میں ضرور اسی کی خالصۃ للہ کوشش میں مصروف ہونگا کہ شریف خاندانوں میں علم پھیلے۔ میں پھر بھی اس کی کوشش کرونگا کہ تمھارے اور خیالات بھی سنوں۔

ناظرین! اس گفتگو سے آپنے کیا اخذ کیا۔ کیا یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ یہ نوجوان بھی اسی تیغ ستم کا کشتہ ہے یعنی اسکا سابقہ بھی بے پڑھی لکھی بیوی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان دلوں بیوی میاں کو بجاے عیش و خوشی کے ناگوار زندگی بسر کرتے ہوئے پایا۔

لیکن ہم اسکے اس خیال سے متفق نہیں جو اُس نے قطعاً بیوی سے کج رُخی اختیار کر لی ہے۔ درحقیقت بیوی کا اس میں قصور کیا۔ اُسے تعلیم و اصلاح کی طرف مائل کرنا ہمارے نوجوان کا فرض تھا۔ مگر شاید وہ بزرگوں کی پابندی و سختی کی وجہ سے تعلیم نہ دلا سکتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو اُسکا بھی قصور نہیں

الغرض نوجوانوں کی زندگی بے جوڑ ساتھ سے قدیم الخیال خاندانوں میں طوفان غم بن گئی ہے۔ بقول شخصیکہ

زندگی ہے یا کوئی طوفانِ غم ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

جواد علیخاں ۔ عالی
محمد پوری

بیغرض محسن

(۱)

ساون کا مہینہ تھا ریوتی رانی نے پیروں میں مہندی رچائی مانگ چوٹی سنواری اور تب اپنی بوڑھی ساس سے جاکر بولی" اماں جی آج میں بھی میلہ دیکھنے جاؤں گی"

ریوتی پنڈت چنتامن کی بیوی تھی۔ پنڈت جی نے سرسوتی کی پوجا میں زیادہ نفع نہ دیکھکر لکشمی دیوی کی مجاوری کرنی شروع کی تھی۔ لین دین کا کاروبار کرتے تھے مگر مہاجنوں کے برخلاف بجز خاص خاص حالتوں کے ۲۵ فیصدی سے زیادہ سود لینا مناسب نہ سمجھتے تھے۔

ریوتی کی ساس ایک بچے کو گود میں لیے کھٹولے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ بہو کی بات سن کر بولیں" بھیگ جاؤ گی تو بچے کو زکام ہو جائیگا"

ریوتی۔ نہیں اماں مجھے دیر نہ لگے گی۔ ابھی چلی آؤں گی"

ریوتی کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکا۔ دوسری لڑکی۔ لڑکی ابھی گود میں تھی اور لڑکا ہیرامن ساتویں سال میں تھا۔ ریوتی نے اُسے اچھے اچھے کپڑے پہنائے۔ نظر بد سے بچنے کے لیے ماتھے اور گالوں پر کاجل کے ٹیکے لگا دیے۔ گڑیاں پیٹنے کے لیے ایک خوشرنگ چھڑی دیدی اور اپنی کئی ہمجولیوں کے ساتھ میلہ دیکھنے چلی۔

کیرت ساگر کے کنارے عورتوں کا بڑا جھمگٹ تھا۔ نیلگوں گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ عورتیں سولھوں سنگار کیے۔ ساگر کے پُر فضا میدان میں ساون کے رم جھم برکھا کی بہار لوٹ رہی تھیں۔ شاخوں میں جھولے پڑے ہوئے تھے۔ کوئی جھولا جھولتی۔ کوئی ملار گاتی۔ کوئی ساگر کے کنارے بیٹھی لہروں سے کھیلتی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا

پانی کی ہلکی ہلکی پھوہار۔ پہاڑیوں کی نکھری ہوئی ہریالی۔ لہروں کے دلفریب جھکولے موسم کو توبہ شکن بنائے ہوئے تھے۔

آج گڑیوں کی بدائی ہی۔ گڑیاں اپنے سسرال جائیں گی۔ کنواری لڑکیاں ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے۔ گڑیوں کو گہنے کپڑے سے سجائے انہیں بدا کرنے آئی ہیں۔ انہیں پانی میں بہاتی ہیں۔ اور چہک چہک کر ساون کے گیت گاتی ہیں۔ مگر دامن عافیت سے نکلتے ہی ان ناز و نعمت میں پلی ہوئی گڑیوں پر چاروں طرف سے چھڑیوں اور لکڑیوں کی بوچھار ہونے لگی۔

ریوتی یہ سیر دیکھ رہی تھی اور ہیرامن ساگر کے زینوں پر اور لڑکوں کے ساتھ گڑیاں پیٹنے میں مصروف تھا۔ زینوں پر کائی لگی ہوئی تھی۔ دفعتاً اُسکا پیر پھسلا تو پانی میں جا پڑا۔ ریوتی چیخ مار کر دوڑی اور سر پیٹنے لگی۔ دم کی دم میں وہاں مردوں اور عورتوں کا ایک ہجوم ہو گیا۔ مگر یہ کسی کی انسانیت تقاضا نہ کرتی تھی کہ پانی میں جا کر ممکن ہو تو بچے کی جان بچائے سنوارے ہوئے گیسو نہ بکھر جائیں گے! دُھلی ہوئی دھوتی نہ بھیگ جائے گی! کتنے ہی مردوں کے دلوں میں یہ مردانہ خیالات آ رہے تھے۔ دس منٹ گزر گئے۔ مگر کوئی شخص کمرہمت باندھتا نظر نہ آیا۔ غریب ریوتی پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ ناگاہ ایک آدمی اپنے گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا۔ یہ اژدحام دیکھ کر اُتر پڑا اور ایک تماشائی سے پوچھا "یہ کیسی بھیڑ ہی" تماشائی نے جواب دیا "ایک لڑکا ڈوب گیا ہی"

مسافر۔ کہاں؟

تماشائی۔ جہاں وہ عورت کھڑی رو رہی ہی۔

مسافر نے فوراً اپنی گاڑھے کی مرزئی اُتاری اور دھوتی کسکر پانی میں کود پڑا۔ چاروں طرف سناٹا چھا گیا لوگ متحیر تھے کہ کون شخص ہی۔ اُسنے پہلا غوطہ لگایا۔ لڑکے کی ٹوپی ملی۔ دوسرا غوطہ لگایا تو اُس کی چھڑی ہاتھ لگی اور تیسرے غوطے کے بعد جب اوپر آیا تو لڑکا اُس کی گود میں تھا

تماشائیوں نے واہ واہ کا نعرۂ پُرشور بلند کیا۔ ماں نے دوڑ کر بچے کو لٹا دیا۔ اس اثنا میں پنڈت چنتامن اور کئی عزیز آ پہنچے اور لڑکے کو ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگے۔ آدھ گھنٹہ میں لڑکے نے آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں کی جان میں جان آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر لڑکا دو منٹ بھی پانی میں اور رہتا تو بچنا غیر ممکن تھا۔ مگر جب لوگ اپنے گمنام محسن کو ڈھونڈھنے لگے تو اُسکا کہیں پتہ نہ تھا۔ چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ سارا میلہ چھان مارا۔ مگر وہ نظر نہ آیا۔

(۲)

بیس سال گزر گئے۔ پنڈت چنتامن کا کاروبار روز بروز بڑھتا گیا۔ اس دوران میں اُس کی ماں نے ساتوں جاترائیں کیں۔ اور مریں تو اُنکے نام پر ٹھاکر دوارا تیار ہوا۔ ریوتی بہو سے ساس بنی۔ لین دین بہی کھاتہ ہیرامن کے ہاتھ میں آیا۔ ہیرامن اب ایک وجیہ جسیم و شحیم نوجوان تھا۔ نہایت خلیق۔ نیک مزاج۔ کبھی کبھی باپ سے چھپا کر غریب آسامیوں کو بلا سودی قرض دیا کرتا تھا۔ چنتامن نے کئی بار اس گناہ کے لیے بیٹے کو آنکھیں دکھائی تھیں اور الگ کر دینے کی دھمکی دی تھی۔

ہیرامن نے ایک بار ایک سنسکرت پاٹھ شالا کے لیے پچاس روپیہ چندہ دیا۔ پنڈت جی اسپر ایسے برہم ہوئے کہ دو دن تک کھانا نہیں کھایا۔ ایسے ناگوار واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ انہیں وجوہ سے ہیرامن کی طبیعت باپ سے کچھ کھچی رہتی تھی۔ مگر اُس کی یہ ساری شرارتیں ہمیشہ ریوتی کی سازش سے ہوا کرتی تھیں۔

جب قصبہ کی غریب بدھوائیں یا زمینداروں کے ستائے ہوئے آسامیوں کی عورتیں ریوتی کے پاس آکر ہیرامن کو آنچل پھیلا پھیلا کر دعائیں دینے لگتیں تو اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ مجھ سے زیادہ بھاگوان اور میرے بیٹے سے زیادہ فرشتہ صفت آدمی دنیا میں کوئی نہ ہوگا تب اُسے بے اختیار وہ دن یاد آجاتا جب ہیرامن کیرت ساگر میں ڈوب گیا تھا اور اُس آدمی

کی تصویر اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہو جاتی جس نے اُسکے لال کو ڈوبنے سے بچایا تھا اُسکے نہ دل سے دعا نکلتی اور ایسا جی چاہتا کہ اُسے دیکھ پاتی تو اُسکے پیروں پر گر پڑتی۔ اُسے اب کامل یقین ہو گیا تھا کہ وہ انسان نہ تھا۔ بلکہ کوئی دیوتا تھا۔ وہ اب اُسی کھٹولے پر بیٹھی ہوئی جسپر اس کی ساس بیٹھتی تھی اپنے دونوں پوتوں کو کھلایا کرتی تھی۔

آج ہیرامن کی ستائیسویں سالگرہ تھی۔ ریوتی کے لیے یہ دن سال بھر کے دنوں میں سب سے زیادہ مبارک تھا۔ آج اسکا دست کرم خوب فیاضی دکھاتا تھا اور یہی ایک بیجا صرف تھا جس میں پنڈت چنتامن بھی اسکے شریک ہو جاتے تھے۔ آج کے دن وہ بہت خوش ہوتی اور بہت روتی اور آج اپنے گمنام محسن کے لیے اُس کے دل سے جو دعائیں نکلتیں وہ دل و دماغ کے اعلیٰ ترین جذبات میں رنگی ہوتی تھیں۔ اُسی کی بدولت تو آج مجھے یہ دن اور یہ سکھ دیکھنا نصیب ہوا ہے!

(۳)

ایک دن ہیرامن نے آکر ریوتی سے کہا" اماں سری پور نیلام پر چڑھا ہوا ہے۔ کہو تو میں بھی دام لگا دوں"۔

ریوتی۔ سولھوں آنہ ہے۔

ہیرامن۔ سولھوں آنہ۔ اچھا گانوں ہے۔ نہ بڑا نہ چھوٹا۔ یہاں سے دس کوس ہے۔ چار ہزار تک بولی چڑھ چکی ہے۔ سو دو سو میں ختم ہو جائیگا۔

ریوتی۔ اپنے دادا سے تو پوچھو؟

ہیرامن۔ اُنکے ساتھ دو گھنٹہ تک سر مغزن کرنے کی کسے فرصت ہے۔

ہیرامن اب گھر کا مختار کُل ہو گیا تھا اور چنتامن کی ایک نہ چلنے پاتی۔ وہ غریب اب عینک لگائے ایک گدّے پر بیٹھے اپنا وقت کھانسنے میں صرف کرتے تھے۔

دوسرے دن ہیرامن کے نام پر سری پور ختم ہو گیا۔ مہاجن سے زمیندار ہوئے

اپنے منیب اور دو چپراسیوں کو لیکر گانوں کی سیر کرنے چلے۔ سری پور والوں کو خبر ہوئی۔ نئے زمیندار کی پہلی آمد تھی۔ گھر گھر نذرانہ دینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ پانچویں دن شام کے وقت ہیرامن گانوں میں داخل ہوئے۔ دہی اور چاول کا تیلک لگایا گیا اور تین سو آسامی پہر رات تک ہاتھ باندھے ہوئے اُن کی خدمت میں کھڑے رہے۔ سویرے مختار عام نے آسامیوں کا تعارف کرانا شروع کیا جو آسامی زمیندار صاحب کے سامنے آتا وہ اپنی بساط کے موافق ایک یا دو روپیہ اُنکے پیروں پر رکھدیتا۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہاں پانچسو روپیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

ہیرامن کو پہلی بار زمینداری کا مزہ ملا۔ پہلی بار ثروت اور طاقت کا نشہ محسوس ہوا۔ سب نشوں سے زیادہ تیز زیادہ قاتل ثروت کا نشہ ہی۔ جب آسامیوں کی فہرست ختم ہوگئی تو مختار سے بولے "اور کوئی آسامی تو باقی نہیں ہی"۔

مختار۔ ہاں مہراج۔ ابھی ایک آسامی اور ہی۔ تخت سنگھ۔

ہیرامن۔ وہ کیوں نہیں آیا۔

مختار۔ ذرا مست ہی۔

ہیرامن۔ میں اُس کی مستی اُتار دونگا۔ ذرا کوئی اُسے بُلا لائے۔

تھوڑی دیر میں ایک بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا اور ڈنڈوت کرکے زمین پر بیٹھ گیا نہ نذر نہ نیاز۔ اُس کی یہ گستاخی دیکھ کر ہیرامن کو بخار چڑھ آیا۔ کڑک کر بولے "ابھی کسی زمیندار سے پالا نہیں پڑا۔ ایک ایک کی ہیکڑی بھلا دونگا"۔

تخت سنگھ نے ہیرامن کی طرف غور سے دیکھ کر جواب دیا "میرے سامنے بیس زمیندار آئے اور چلے گئے مگر کسی نے اس طرح گھُرکی نہیں دی۔

یہ کہکر اُسنے لاٹھی اُٹھائی اور اپنے گھر چلا آیا۔ بوڑھی ٹھکرائن نے پوچھا "دیکھا زمیندار کو؟ کیسے آدمی ہیں۔

تخت سنگھ - اچھے آدمی ہیں - میں انہیں پہچان گیا -
ٹھکرائن - کیا تم سے پہلے کی ملاقات ہی -
تخت سنگھ - میری اُن کی بیس برس کی جان پہچان ہی - گڑیوں کے میلے والی بات یاد ہے نا -

اُس دن سے تخت سنگھ پھر ہیرامن کے پاس نہ آیا -

(۴)

چھ مہینے کے بعد ریوتی کو بھی سری پور دیکھنے کا شوق ہوا - وہ اور اُس کی بہو اور بچّے سب سری پور آئے - گانوں کی سب عورتیں اُنسے ملنے آئیں - ان میں بوڑھی ٹھکرائن بھی تھی - اُس کی بات چیت - سلیقہ اور تمیز دیکھکر ریوتی دنگ رہ گئی - جب وہ چلنے لگی تو ریوتی نے کہا ٹھکرائن! کبھی کبھی آیا کرنا - تم سے ملکر طبیعت بہت خوش ہوئی - اس طرح دونوں عورتوں میں رفتہ رفتہ میل ہوگیا - یہاں تو یہ کیفیت تھی - اور ہیرامن اپنے مختارعام کے مغالطے میں آکر تخت سنگھ کو بیدخل کرنے کی بندشیں سوچ رہا تھا -

جیٹھ کی پورنماشی آئی - ہیرامن کی سالگرہ کی تیاریاں ہونے لگیں - ریوتی چھلنی میں میدہ چھان رہی تھی کہ بوڑھی ٹھکرائن آئی - ریوتی نے مسکراکر کہا " ٹھکرائن - ہمارے یہاں کل تمہارا نیوتہ ہی -

ٹھکرائن - تمہارا نیوتہ سر اور آنکھوں پر - کونسی برس گانٹھ ہی -
ریوتی - تیسویں -
ٹھکرائن - نارائن کرے ابھی ایسے ایسے سو دن تمہیں اور دیکھنے نصیب ہوں -
ریوتی - ٹھکرائن - تمھاری زبان مبارک ہو - بڑے بڑے جنتر منتر کیے ہیں تب تم لوگوں کی دعا سے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہی - یہ تو ساتویں ہی سال میں تھے کہ ان کی جان کے لالے پڑ گئے - گڑیوں کا میلہ دیکھنے گئی تھی - یہ پانی میں گر پڑے - بارے ایک مہاتما نے

ان کی جان بچائی۔ ان کی جان انہیں کی دی ہوئی ہی۔ بہت تلاش کرایا مگر ان کا پتہ نہ چلا۔ ہر برس گانٹھ پر انکے نام سے سو روپیہ نکال رکھتی ہوں۔ دو ہزار سے کچھ اونچا ہو گیا ہے۔ بچے کی نیت ہی کہ انکے نام سے سری پور میں ایک مندر بنوا دیں۔ سچ مانو ٹھکرائن۔ ایک بار اُنکے درشن ملجاتے تو زندگی سپھل ہو جاتی۔ جی کی ہوس نکال لیتے۔

ریوتی جب خاموش ہوئی تو ٹھکرائن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

دوسرے دن ایک طرف ہیرامن کی سالگرہ کا جشن تھا اور دوسری طرف تخت سنگھ کے کھیت نیلام ہو رہے تھے۔

ٹھکرائن بولی "میں ریوتی رانی کے پاس جاکر دُہائی مچاتی ہوں" تخت سنگھ نے جواب دیا "میرے جیتے جی نہیں"

(۵)

اساڑھ کا مہینہ آیا۔ میگھ راج نے اپنی جان بخش فیاضی دکھائی۔ سری پور کے کسان اپنے اپنے کھیت جوتنے چلے۔ تخت سنگھ کی حسرتناک اور آرزومند نگاہیں انکے ساتھ ساتھ جاتیں۔ یہانتک کہ زمین اُنھیں اپنے دامن میں چھپا لیتی۔

تخت سنگھ کے پاس ایک گائے تھی۔ وہ اب دن کے دن اُسے چرایا کرتا۔ اُس کی زندگی کا اب یہی ایک سہارا تھا۔ اُسکے اُپلے اور دودھ بیچ کر گذران کرتا۔ کبھی کبھی فاقے کرنا پڑتے۔ یہ سب مصیبتیں اُسنے جھیلیں۔ مگر اپنی بینوائی کا رونا رونے کے لیے ایک دن بھی ہیرامن کے پاس نہ گیا۔ ہیرامن نے اُسے زیر کرنا چاہا تھا مگر خود زیر ہو گیا۔ جیتنے پر بھی اُس کی ہار ہوئی۔ پُرانے لوہے کو اپنی کمینہ ضد کی آنچ سے نہ جھکا سکا۔

ایک دن ریوتی نے کہا "بیٹا! تم نے غریب کو ستایا اچھا نہ کیا"

ہیرامن نے تیز ہو کر جواب دیا "وہ غریب نہیں ہے۔ اُس کا گھمنڈ میں توڑ دوں گا"

ثروت کے نشے میں متوالا زمیندار وہ چیز توڑنے کی فکر میں تھا جسکا وجود ہی نہ تھا۔
جیسے بے سمجھ بچّہ اپنی پرچھائیں سے لڑنے لگتا ہی۔

(۶)

سال بھر تخت سنگھ نے جوں توں کر کے کاٹا۔ پھر برسات آئی اُسکا گھر چھایا نہ گیا تھا
کئی دن تک موسلا دھار مینھ برسا تو مکان کا ایک حصہ گر پڑا۔ گائے وہاں بندھی ہوئی تھی
دب کر مر گئی۔ تخت سنگھ کے بھی چوٹ آئی۔ اُسی دن اُسے بخار آنا شروع ہوا۔
دوا دارو کون کرتا۔ روزی کا سہارا تھا وہ بھی ٹوٹا۔ ظالم بیدرد مصیبت نے کچل ڈالا
سارا مکان پانی سے بھرا ہوا۔ گھر میں اناج کا ایک دانہ نہیں۔ اندھیرے میں پڑا ہوا
کراہ رہا تھا کہ ریوتی اُس کے گھر گئی۔ تخت سنگھ نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا
کون ہے۔

ٹھکرائن۔ ریوتی رانی ہیں۔

تخت سنگھ۔ میرے دھن بھاگ۔ مجھپر بڑی مہربانی کی۔

ریوتی نے شرمندہ ہو کر کہا "ٹھکرائن۔ ایشور جانتا ہی میں اپنے بیٹے سے
حیران ہوں۔ تمھیں جو تکلیف ہو مجھ سے کہو۔ تمھارے اوپر ایسی آفت پڑ گئی اور ہم سے
خبر تک نہ کی"

یہ کہکر ریوتی نے روپیوں کی ایک چھوٹی سی پوٹلی ٹھکرائن کے سامنے رکھدی
روپیوں کی جھنکار سُنکر تخت سنگھ اُٹھ بیٹھا اور بولا "رانی ہم اسکے بھوکے نہیں ہیں
مرتے دم گنہگار نہ کرو"

دوسرے دن ہیرامن بھی اپنے ہوا خواہوں کو لیے اُدھر سے جا نکلا۔ گرا ہوا مکان
دیکھکر مسکرایا۔ اسکے دل نے کہا آخر میں نے اسکا گھمنڈ توڑ دیا۔ مکان کے اندر جا کر بولا "ٹھاکر
اب کیا حال ہی"

ٹھاکر نے آہستہ سے کہا "سب ایشور کی دیا ہی۔ آپ کیسے بھول پڑے"۔

ہیرامن کو دوسری بار نرک ملی۔ اُس کی یہ آرزو کہ تخت سنگھ میرے پیروں کو آنکھوں سے چومے اب بھی پوری نہ ہوئی۔ اُسی رات کو غریب۔ آزاد منش۔ ایماندار۔ بیغرض ٹھاکر اس دنیا سے اُٹھ گیا۔

(۷)

بوڑھی ٹھکرائن اب دنیا میں اکیلی تھی۔ کوئی اُسکے غم کا شریک اور اُسکے مرنے پر آنسو بہانے والا نہ تھا۔ بینوائی اور بے مائگی نے غم کی آنچ اور تیز کردی تھی۔ سامان فراغت موت کے زخم کو گو بھر نہ سکیں۔ مگر مرہم کا کام ضرور دیتے ہیں۔

فکر معاش بُری بلا ہی۔ ٹھکرائن اب کھیت اور چراگاہ سے گوبر چُن لاتی اور اُپلے بنا کر بیچتی۔ اُسے لاٹھی ٹیکتے ہوئے کھیتوں کو جاتے اور گوبر کا ٹوکرا سر پر رکھ کر بوجھ سے ہانپتے ہوئے آتے دیکھنا سخت دردناک تھا۔ یہانتک کہ ہیرامن کو بھی اُس پر ترس آگیا ایک دن انھوں نے آٹا دال چاول تھالیوں میں رکھ کر اُسکے پاس بھیجا۔ ریوتی خود لیکر گی۔ مگر بوڑھی ٹھکرائن آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی" ریوتی جبتک آنکھوں سے سوجھتا ہی اور ہاتھ پیر چلتے ہیں مجھے اور مرنے والے کو گنہگار نہ کرو"۔

اُس دن سے ہیرامن کو پھر اسکے ساتھ عملی ہمدردی کرنے کی جرأت نہوئی۔

ایک دن ریوتی نے ٹھکرائن سے اُپلے مول لیے۔ گانوں میں پیسے کے تیس اُپلے بکتے تھے۔ اُسنے چاہا کہ اس سے بیس ہی اُپلے لوں۔ اُس دن سے ٹھکرائن نے اسکے یہاں اُپلے لانا بند کر دیا۔

ایسی دیویاں دنیا میں کتنی ہیں! کیا وہ اتنا نہ جانتی تھی کہ ایک راز سربستہ زبان پر لا کر میں اپنی جانکاہیوں کا خاتمہ کرسکتی ہوں۔ مگر پھر وہ احسان کا بدلہ نہو جائیگا مثل مشہور ہے نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ شاید اسکے دل میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا کہ میں نے ریوتی پر کوئی احسان کیا ہے

یہ وضعدار۔ اُن پر مرنے والی عورت شوہر کے مرنے کے بعد تین سال تک زندہ رہی یہ زمانہ اُسنے جس تکلیف سے کاٹا اُسے یاد کرکے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کئی کئی دن فاقے سے گذر جاتے۔ کبھی گوبر نہ ملتا۔ کبھی کوئی اُپلے چُرالیجاتا۔ ایشور کی مرضی! کسی کا گھر بھرا ہوا ہے۔ کھانے والے نہیں۔ کوئی یوں رو رو کر زندگی کے دن کاٹتا ہے۔

بڑھیا نے یہ سب دُکھ جھیلا۔ مگر کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

(۸)

ہیرامن کی بیسویں سالگرہ آئی۔ ڈھول کی سہانی آواز سُنائی دینے لگی۔ ایک طرف گھی کی پوریاں پک رہی تھیں۔ دوسری طرف تیل کی۔ گھی کی معزز برہمنوں کے لیے۔ تیل کی غریب۔ فاقہ کش۔ نیچوں کے لیے۔

یکایک ایک عورت نے ریوتی سے آکر کہا "ٹھکرائن جانے کیسی ہوئی جاتی ہیں۔ تمھیں بُلا رہی ہیں"

ریوتی نے دل میں کہا ایشور آج تو خیریت سے کاٹنا۔ کہیں بُڑھیا مر نہ رہی ہو۔ یہ سوچ کر وہ بُڑھیا کے پاس نہ گئی۔ ہیرامن نے جب دیکھا اماں نہیں جانا چاہتیں تو خود چلا۔ ٹھکرائن پر اُسے کچھ دنوں سے رحم آنے لگا تھا۔ مگر ریوتی مکان کے دروازہ تک اُسے منع کرنے آئی۔ یہ رحمدل۔ نیک مزاج۔ شریف ریوتی تھی۔

ہیرامن ٹھکرائن کے مکان پر پہنچا تو وہاں بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بوڑھی عورت کا چہرہ زرد تھا اور جاں کندنی کی حالت طاری تھی۔ ہیرامن نے زور سے کہا "ٹھکرائن! میں ہوں ہیرامن"

ٹھکرائن نے آنکھیں کھولیں اور اشارہ سے اُسے اپنا سر نزدیک لانے کو کہا۔ پھر رُک رُک کر بولی "میرے سرہانے پٹاری میں ٹھاکر کی ہڈیاں رکھی ہوئی ہیں۔ میرے سہاگ کا سیندور بھی وہیں ہے۔ یہ دونوں پراگ راج بھیجدینا۔

یہ کہکر اُسنے آنکھیں بند کرلیں۔ ہیرامن نے پٹاری کھولی تو دونوں چیزیں بحفاظت رکھی ہوئی تھیں۔ ایک پوٹلی میں دس روپیے بھی رکھے ہوئے ملے۔ یہ شاید جانے والے کا زادراہ تھا۔ رات کو ٹھکرائن کی تکلیفوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔

اُسی رات کو ریوتی نے خواب دیکھا۔ ساون کا میلہ ہی۔ گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں میں کیرت ساگر کے کنارے کھڑی ہوں۔ اتنے میں ہیرامن پانی میں پھسل پڑا۔ میں چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ دفعتہً ایک بوڑھا آدمی پانی میں کود پڑا اور ہیرامن کو نکال لایا۔ ریوتی اسکے قدموں پر گر پڑی اور بولی " آپ کون ہیں "

اُسنے جواب دیا " میں سری پور میں رہتا ہوں میرا نام ہی تخت سنگھ "

سری پور اب بھی ہیرامن کے قبضے میں ہی۔ مگر اب اُس کی رونق دوچند ہوگئی ہے وہاں جاؤ تو دور سے شوالے کا سُنہرا کلس دکھائی دینے لگتا ہی۔ جس جگہ تخت سنگھ کا مکان تھا وہیں اب یہ شوالہ بنا ہوا ہے۔ اسکے سامنے ایک پختہ کنواں اور پختہ دھرم سالہ ہے۔ مسافر یہاں ٹھہرتے ہیں اور تخت سنگھ کا جس گاتے ہیں۔ یہ شوالہ اور دھرم سالہ دونوں اسی کے نام سے مشہور ہیں۔

د۔ ر

(از داديب)

عورتوں کا اصلی زیور

آجکل اس ہندوستان میں جہاں حق پرستی اور روحانیت کا دور دورہ تھا۔ اور دہریت و مادہ پرستی قابل نفرت سمجھی جاتی تھی۔ ایسی خراب حالت ہوگئی ہے کہ ہر شخص مادیت کا دلدادہ و شیدا نظر آتا ہی اور حق پرستی کوسوں نہیں بلکہ منزلوں دور ہے۔

مردوں کی بابت تو میں کیا لکھوں لیکن عورتوں میں یہ عام طور پر دیکھکر رنج ہوتا ہے کہ اُن کو رات دن سوائے لڑائی جھگڑے اور تُو تو میں میں کے کوئی کام نہیں۔ اور نہ سوا ظاہری یا نقلی زیورات کی فکر کے دوسری فکر۔ اور سچ بھی ہی "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" جب مردوں کی سمجھ کا حال ناگفتہ بہ ہو تو عورتوں کی عقل کا کیا کہنا؟ بیچاریوں کی پہنچ اب یہیں تک محدود ہوگئی ہی کہ "خوبصورتی ہی تو زیور سے۔ امارت ہی تو زیور سے۔ عزت ہی تو زیور سے۔ حرمت ہی تو زیور سے۔ غرض کہ جو کچھ ہی زیور سے ہی اور جسقدر صفتیں عورتوں میں ہونی چاہییں وہ سب زیور سے وابستہ ہیں۔ اگر زیور ہی تو سب کچھ ہی ورنہ کچھ نہیں اور یہ خیال دن بدن پختہ ہوتا جاتا ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ زیور قابل قدر چیز ہے۔ مثل مشہور ہی کہ

اے زر تو خدا نۂ ولیکن بخدا ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

لیکن زر پرستی کی رَو جس تیزی سے آجکل عوام الناس کو بہائے لیے جا رہی ہے اور جس میں سارا ہندوستان اور خاصکر میری بھولی بہنیں بے سمجھی اور لاعلمی کی وجہ سے ڈوبی جا رہی ہیں۔ قابل افسوس ہی۔ ہر گھر میں زیور اور کپڑے پر تکرار ہے۔ میاں بیوی سے اور بیوی میاں سے بیزار ہیں۔ زیور کے لیے غریب خاوند کا ناک میں دم کر رکھا ہے چوری۔ فریب۔ دغا وغیرہ وغیرہ ایسے افعال جنکا خیال تک آنا محال تھا۔ محض زیور کے لالچ سے اعمال بنتے جاتے ہیں۔ اُن کے دل میں پورا پورا یقین ہوگیا ہی کہ جب تک انکے پاس زیور نہ ہوگا لوگ عزت نکرینگے۔ بے عزت سمجھیں گے خوبصورتی بدصورتی ہو جائے گی اور سب ہنسی اُڑائیں گی۔ کیونکہ غریب سمجھیں گے۔

پر کتنا اچھا ہوتا اگر کسی طرح انکے ذہن نشین ہو جاتا کہ ان کی اصلی خوبصورتی اور سچی عزت علم اور عمل کے اصلی اور سچے زیوروں سے ہی نہ کہ ان نقلی سونے چاندی کے فرضی زیوروں جن کی بجز رنج کے راحت اور بجز نقصان کے فائدہ نہیں۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ کان۔

ناک ۔سر۔ گلا۔ غرضکہ بدن کا بند بند بندھ جاتا ہے۔ بوجھ کے مارے کان ۔ناک پھٹ جاتے ہیں۔ پاؤں بیڑیوں کے بوجھ سے اُٹھانے مشکل ہو جاتے ہیں۔ دن رات سوتے جاگتے ان کی حفاظت میں حیران و پریشان رہنا پڑتا ہے۔ خدانخواستہ چوری ہو جائے یا کھو جائے تو سخت سے سخت رنج سہنا پڑتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کا خوف ہر دم سر پر سوار رہتا ہے۔ سناروں کی نازبرداریوں اور چالاکیوں سے جی گھبرا جاتا ہے۔

لیکن زیور ہی دین۔ اور زیور ہی ایمان ہے۔ ہر وقت زیوروں ہی کا دھیان۔ دیکھتی ہیں کہ زیوروں کی بدولت آئے دن پچاسوں قتل ہوتے ہیں۔ سینکڑوں معصوم بچے بیدردی سے زیور کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔ اور ایسے بے انتہا خوف کی وجہ سے زیورات آزادی سے پہنے بھی نہیں جاتے۔ صرف دھرے رہتے ہیں۔ فقط زیور ہی کی وجہ سے عورتیں راہ چلتے ڈرتی ہیں۔ قدم قدم پر خطرہ کا خیال ہے۔ گویا زیور سے زندگی محال ہے پر زیور نہیں چھوڑا جاتا۔

زر از بہر آسایش تن است نہ کہ تن از بہر جمع کردن زر

مثل مشہور ہے۔ لیکن اسایش تن سے یہ مطلب نہیں ہے کہ روپیہ کو زیور کے سانچے میں ڈھالکر جسم ڈھانک لو۔ اور اسکو دین و ایمان سمجھو۔

پیاری بہنو! بھلا بتاؤ تو گارگی کے پاس کتنا سونا تھا اور میتری کے پاس کتنا روپیہ سیلوری کے پاس کتنا دھن تھا اور میراں کے پاس (گو وہ ایک راجہ کی بیٹی اور راجہ کی بہو تھی) کتنی دولت! کیا مہارانی تارامتی کی وقعت۔ سری مہارانی سیتاجی کی عزت۔ مہارانی دمینتی۔ سلوچنا۔ مندودری۔ لیلاوتی۔ پکھاوتی۔ پدماوتی سنجوگتا۔ بھلا۔ یا زمانہ حال کی شری متی شرلا دیوی۔ ہر دیوی۔ گنگا بائی وغیرہ وغیرہ صدہا عورتوں کی شہرت زیور کی بدولت ہے؟

تم ضرور کہو گی کہ نہیں ہر گز نہیں" پھر جان بوجھکر غلطی کرنا کونسی عقلمندی ہے۔

تم سمجھتی ہو کہ سر کی شوبھا[1]۔ سیس ۔ پھول ۔ جھومر ۔ بنیہ ۔ بندے ۔ سہارے ۔ کانٹے
نگر اور چاند سے ہے ۔ تم نے سوچ رکھا ہے کہ کان کی خوبصورتی بالی ۔ بتے ۔ یا کرن پھول
جھمکے سے ہے ۔ ناک کی لطافت نتھ یا بلاق سے ہے ۔ اور گلے کی موزونیت گلوبند یا
چمپا کلی سے ۔

تمہیں یقین ہے کہ سینہ کی صفائی دھکدھکی ۔ بچلڑی ۔ یا بدھی اور پان ہار پر منحصر ہے
بازوؤں کی خوب صورتی ۔ کلائی کی نازکی ہاتھ کی شوبھا ۔ انگلیوں کی سندرتا[2] تمہارے
خیال سے محض بازوبند ۔ جوشن ۔ بچھیلی چھن ۔ پونچی ۔ کڑے ۔ جہانگیری ۔ ہتہ پھول ۔
چھلے اور انگوٹھیوں سے ہے ۔

تم نے سمجھ رکھا ہے کہ تمہارے پاؤں کی نزاکت چوڑی ۔ کڑے ۔ لچھے ۔ بلے ۔
پازیب ۔ جھانجھ بغیر نہیں معلوم ہو سکتی ۔ اور اسی غلط یقین کی وجہ سے تم ہر طرح کے
جائز و ناجائز طریقہ سے زیور بنوانے میں کوشاں ہو ۔ لیکن افسوس یہ نہیں سمجھتی ہو کہ
یہ نمایشی زیور اور لباس تمہاری ظاہری نمایش کو ضرور بڑھا دے گا ۔ لیکن اصلی خوبصورتی
اور سچی عزت اس سے کوسوں دور ہے ۔

تم نے اپنی آنکھوں سے پچاسوں عورتیں دیکھی ہونگی جو سونے میں پیلی اور چاندی
میں سفید ہونگی ۔ مگر کیا اُن کی ویسی ہی عزت تھی جیسی راماین والی بھلنی کی ۔ یا اہلیا کی ۔
بہنو ! یاد رکھو تمہاری اصلی خوبصورتی اور سچی عزت اینٹ پتھر یا چاندی سونے میں نہیں ہے
یہ زیور نقلی یا فرضی ہیں تمہارے اصلی زیور تمہارے گُن اور کرم ہیں ۔

گارگی کے پاس زیور نہ تھا گُن تھا ۔ میراں کے پاس دولت نہ تھی وسواس[3] تھا ۔
لیلاوتی کا نام اسکے اعلیٰ دماغ کی بدولت مشہور ہے ۔ جسنے علم حساب میں سکہ بٹھا رکھا ہے
ریکھاوتی ریکھا گنت کی عالمہ مشہور ہے ۔ شری مہارانی سیتا جی بن میں دولت کی بدولت

[1] زینت [2] خوبصورتی [3] اعتبار ۔

عزت نہیں پاتی نہیں بلکہ پت برت دھرم کی وجہ سے مندودری ۔ سولوچنا ۔ عقلمندی اور شوہر پرستی کے لیے مشہور ہیں نہ کہ زیور کے لیے ۔ دمینتی تاراوتی بے مثل جفاکشی کے لیے ۔ عزت کی مستحق ہیں ۔ پدماوت ۔ سنجوگتا ستی ہو جانے سے مشہور ہیں نہ کہ زیور کے لیے ۔

اور اسی طرح زمانۂ حال کی قابل پرستش خاتونیں ۔ علم و اخلاق پاکیزگی اور سچائی وغیرہ اچھے گُنوں کے لیے مشہور ہیں نہ کہ صورت اور زیور کے پہننے سے ۔

میری پیاری بہنو! تمھارے سر کی شوبھا تمھاری بلند خیالی سے ہوگی ۔ تمھارے چہرے کی ضیا تمھاری خوش اخلاقی سے چمکے گی ۔ ناک کی عزت ناک قائم رکھنے سے ہوگی ۔ کان کی شوبھا اس میں ہے کہ بُری بات سُنی اَن سنی کر جاؤ ۔ زبان کی شوبھا پان سے نہیں بلکہ میٹھی بولی سے ہے ۔ آنکھوں کی خوبصورتی سرمہ سے نہیں بلکہ شرم سے ہے ۔ گلے کی خوبصورتی بیکسوں کو گلے لگانے سے ہے ۔ بازوؤں کی قدر کمزوروں اور بیکسوں کو سہارا دینے سے ہے ۔ ہاتھ کی خوبصورتی دان پن کرنے اور ڈوبتے ہوؤں کے ہاتھ پکڑنے سے ۔ انگلیوں کی شوبھا تسبیح پھیرنے یا عمدہ کتاب لکھنے میں ہے ۔

غرضیکہ اسی طرح تمام جسم کے لیے بلکہ ظاہر و باطن اندریوں تک کے لیے پرماتما نے اصلی زیور عطا فرمائے ہیں ۔ جنکو پہنکر عورتیں ایسی خوب صورت اور باعزت بن سکتی ہیں کہ جن کی خوبصورتی میں ضعیفی تو ضعیفی مرنے کے ہزار ہا سال بعد تک فرق نہیں آتا ۔ یہ زیور ایسے ہیں کہ پہننے اور دیکھنے والا دونوں خوش ہوتے ہیں ۔ ان زیوروں سے ہاتھ پاؤں سیاہ نہیں ہوتے ۔ نہ یہ زیور استعمال سے گھستے ہیں بلکہ دونے چمکدار ہوتے جاتے ہیں ۔

پیاری بہنو! ان زیوروں کو تم خود پہنو اور دل بھر کر بانٹ دو ۔ یہ کم نہ ہونگے بلکہ زیادہ بڑھیں گے ۔ ان زیوروں کے لیے نہ چور کا ڈر ۔ نہ قتل ہونے کا خطر ۔ نہ کسی سے مانگنے کی ضرورت نہ کسی کے دست نگر ۔ نہ سُنار کی حاجت ۔ نہ بنوانے کی قباحت بلکہ حسب خواہش

حسب مرضی ہر وقت ہر جگہ تمہارے اختیار میں ہیں۔ جیسا چاہو بہنو۔ دینا چاہو دو۔ بانٹنا چاہو
بانٹو۔ بہنو ان سچے زیوروں بغیر وہ نقلی زیور بھی دو کوڑی کے ہو جاتے ہیں۔ ان زیوروں
کی بھی جبھی خوبصورتی ہی جب عورت ان اعلیٰ اخلاقی اور روحانی زیوروں سے مرصع ہو۔

میری بہنو! اب تم بتاؤ کہ تم کون سے زیور کی قدر کرتی ہو۔ کیا اب بھی تمہارے دل
میں انہیں جھوٹے زیوروں کی محبت ہی۔ اگر ہی تو کم کر دو اور اپنی طبیعت ان سچے اور اچھے
زیورات کے حاصل کرنے میں لگاؤ۔

ایک روایت مشہور ہی کہ ایک بادشاہ نے ایک دوسرے بادشاہ کے پاس
امتحان کی غرض سے مٹی کی دو پتلیاں نہایت نفیس لباس اور کئی ہزار روپیہ کے مرصع
زیورات سے مزین روانہ کیں اور دریافت کیا کہ ان کی قیمت بتاؤ۔ کونسی دو لاکھ کی ہی
اور کونسی دو کوڑی کی؟

بادشاہ پتلیوں کو دیکھکر حیران ہو گیا۔ دونوں ہر بات میں برابر نظر آتی تھیں سوچنے لگا
قیمت کا کیونکر اندازہ کروں۔ عقلمند وزیر نے بھی پتلیوں کو لیکر ہاتھ میں دیکھا اور ایک سینک لیکر
امتحان کیا۔ پھر ایک کا موںھ کالا کر کے بالکل برہنہ کر دیا اور دوسری کے گلے میں ایک بیش
قیمت مالا ڈالکر دونوں پتلیاں واپس کر دیں۔

جب بادشاہ نے وجہ پوچھی تو بیان کیا کہ جہاں پناہ! میری سینک ایک پتلی کے کان
میں ڈالنے سے پیٹ میں چلی گئی اور دوسری کے موںھ سے نکل پڑی۔ بس جسکے موںھ سے
کان کی سنی بات نکل پڑے وہ ذلیل اور جو پیٹ میں رکھے وہ عقیل ہے۔ یہی نتیجہ ہے۔
اب خیال کرو کہ عورت کی ایک صفت جب عورت کی عزت میں اسقدر فرق کر سکتی ہی تو اس
خاتون کی عزت کا کیا اندازہ ہو جو ہمہ صفت موصوف ہو۔

چاند رانی

(از زمانہ)

شادی

جناب شمس العلما مولانا سید علی صاحب بلگرامی کے فرزند ارجمند سید مجتبیٰ علی بلگرامی کی شادی کتخدائی مورخہ ۲۶ مئی بروز جمعہ بوقت بعد نماز ظہر انجام کو پہنچی۔

شادی بالکل سیدھی سادھی مطابق شرع کے ہوگئی۔ نہ باجا نہ گاجا نہ ریت نہ رسم دولہا والوں کے جو لوگ تھے انہیں مدراس کے مشہور ہوٹل سپنسر ہوٹل میں اُتارا گیا وہاں ہرطرح کا آرام آسایش کا پورا پورا بندوبست کیا گیا۔ موٹر کار لینڈ وغیرہ ہر وقت تیار جہاں چاہے چلے جاؤ جب تک چاہے سواری لو۔ برقی پنکھے۔ برقی روشنی سمندر کے کنارے کی خوشگوار ہوا۔ حالانکہ گرمی کا زمانہ تھا مگر معلوم نہ ہوتا تھا کہ دن کیسے کٹا۔

ہر صبح ہر شام دولہن والے خود آتے تھے۔ اور یہ لوگ بھی جاتے تھے دولہن کے والد ماجد آہا ماشاء اللہ سبحان اللہ ایسا باحوصلہ ایسا بامروت ایسا خلیق ایسا ملنسار ایسا غریب مزاج شاید ہی کوئی ہو گا۔ ہم نے تو ایسے لوگ بہت کم بلکہ دوبارا دیکھنے میں نہیں آئے۔

دولہن کے والد اور نانا صاحب یہ لوگ ہمہ صفت موصوف ہیں۔ اخلاق، آداب مہمان نوازی وغیرہ خدا نے کچھ انہیں لوگوں کو عطا فرمائی ہے حالانکہ دولہن کے نانا صاحب ڈپٹی کلکٹر اور والد ماجد پولیس سپرنٹنڈنٹ ہیں مگر ان لوگوں میں غرور تکبر نام کو نہیں۔ مہمان نوازی میں انکو عجیب وغریب ملکہ خدا نے عطا فرمایا ہے۔ خاندانی ایسے کہ خاندان نواب کرناٹک سے ہیں۔ مگر نام کو غرور نہیں۔

ہوٹل جسمیں اُتارا تھا یہ کوئی معمولی ہوٹل نہ تھا بلکہ سارے مدراس میں ممتاز ہے عمدہ کھانا ملتا تھا۔ نہایت عمدہ۔ نہایت لطیف۔ نہایت پاکیزہ۔ ہوٹل میں انہوں نے

اسلیئے اُتارا کہ شاید خاطر تواضع میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے اور کسی طرح کی تکلیف نہو۔
میں ہزار مرتبہ ان صاحبوں کی تعریف کیے بغیر نہ رہوں گی۔ ان صاحبوں کے عجیب
ہی عجیب اخلاق و آداب ہایں ایسے ہر دلعزیز ہیں کہ میں آپسے کیا بیان کردں۔ میری تو دعا ہے
کہ خدای بزرگ ہماری ساری قوم میں ایسے ہی لوگ پیدا کردے۔ میں نے تو آپ سے
کہدیا ہی کہ ہمہ صفت موصوف۔ شرع کے اس قدر پابند کہ اگر میں کچھ لکھوں تو آپ مبالغہ
تصور کریں۔

سب تو سب انہوں نے ساری عمر میں ابتک پان حقہ یا کسی قسم کی اور ایسی ہی چیز چھوئی
نہیں۔ غرض کہانتک لکھوں وہ فرشتہ صفات صاحب ایسے ہی ہیں کہ میں اُنکے اوصاف
لکھ بھی نہیں سکتی ہوں۔ اور اسپر لڑکی بھی ملی تو ایسی جیسے نایاب جواہر۔ درحقیقت چشم بد دور
لڑکے نے بہت اچھی قسمت پائی ہی۔

لڑکی تعلیم یافتہ انگریزی ایسی اچھی بولتی ہی جیسی اپنی مادری زبان اور لکھتی بھی ایسا ہی ہی
ملنسار۔ کم گو۔ خوش گفتار نہایت شیریں بیاں۔ بہت حسین نہایت خوش اخلاق۔
کفایت شعار۔ جس سے ملے ایک ہی مرتبہ کی ملاقات میں اسکو اپنا رام کرلیتی ہی۔ غرضکہ
ہر طرح قابل تعریف۔

لڑکی کے والد ماجد نے لڑکی کو جہیز وغیرہ کچھ نہیں دیا بلکہ باغات وغیرہ اور جو کچھ
لڑکی کے نام نقد روپیہ جمع تھا سب کچھ داماد کے حوالے لڑکی کے نام سے کردیا۔

میاں بی بی نہایت محبت و یکدلی سے اپنی نئی زندگی بسر کررہے ہیں۔ اللہ سے دعا ہی کہ
وہ ان دونوں کو خوش و خرم رکھے اور انکے بزرگوں کو ان کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں۔

مبارک باد

یہ عیش کے دن خوشی کا عالم ہمشیرہ الماس کو مبارک
کہینگے خوش ہوکے بس یہی ہم ہمشیرہ الماس کو مبارک

خلوص دل سے یہ بُلبلیں سب چمن میں کہتی ہیں چہچا کر
ہزاروں یارب بہار موسم ہمیشہ الماس کو مبارک

یہ شان و شوکت یہ نام و شہرت رہے جہاں میں یہ جاہ عزت
یہ کرّ و فر یہ عروج باہم ہمیشہ الماس کو مبارک

ہر چمن میں مِل ملکے گارہی ہیں یہ راگ جتنی بھی بلبلیں ہیں
رہے یہ باغ و بہار جم جم ہمیشہ الماس کو مبارک

بہار گلشن یہ جشن گلشن لُٹاتی ہو اوس جیسے موتی
یہ ابر رحمت یہ عیش ہر دم ہمیشہ الماس کو مبارک

الٰہی آپس میں دونوں ملکر رہا کریں بس ہنسی خوشی سے
عزیز اُن کے کہیں یہ باہم ہمیشہ الماس کو مبارک

مراد کے پھولوں سے الٰہی تو بھر دے دامن کو اُسکے جلدی
ہزاروں امیدیں پا ہا ہر دم ہمیشہ الماس کو مبارک

خدا دے عمروں میں انکی برکت خلوص دل سے رہیں یہ دونو
یہی تمنا ہے اپنی ہر دم ہمیشہ الماس کو مبارک

علی مراہی جو دُرِ مکنوں ترقی ہو اس کی روز افزوں
یعنی نجیب علی
جہاں میں لہرائے اسکا پرچم ہمیشہ الماس کو مبارک

یہ حسن سیرت وہ حسن صورت میں روز افزوں کریں ترقی
دعا یہ کرتی عباسی بیگم ہمیشہ الماس کو مبارک

راقمہ آپکے خاتون کی پُرانی خریدار
عباسی بیگم۔ اہلیہ سید محمد اسمٰعیل
از حیدر آباد دکن

علم سے خطاب

اے علم تیرے نور سے روشن جہان ہی — تو وہ قمر ہی. جس سے زمین آسمان ہی
کرنیں تری زمانے میں پھیلی ہیں ہر طرف — جن سے کہ بقعہ نور کا یہ خاکدان ہی
اندھیر تھا جہاں اُسے روشن بنا دیا
تاریک جو مکاں تھا اُسے جگمگا دیا

اے علم تیرا باغ عجب پُر بہار ہے — دل میرا اس بہار پہ ہر دم نثار ہے
تیرے چمن سے آتی ہی. خوشبو بھری ہوا — جو صورتِ نسیم سحر خوشگوار ہے
ہاں! تو نے میرے دل کی کلی کو کھلا دیا
اور اپنے صاف چشمے کا پانی پلا دیا

اے ماہتاب روشنی تیری ہی بے زوال — روشن وہ ملک ہے. کہ جہاں پائے تو کمال
جس ملک پر شعاعیں تیری ہوں نہ جلوہ گر — تاریک ہی. تباہ ہے. وہ اور شکستہ حال
ہاں! اسکے رہنے والوں پہ ہوتا عتاب ہے
جاہل کو نیم وحشی کا ملتا خطاب ہے

جس دن سے تیرا ہو گیا یورپ میں راج ہی — اُس دن سے وہ تو بن گیا ملکوں کا تاج ہی
سارا جہان سیکھتا اُس سے تمیز ہی — علم و ہنر کا عقل کا معدن وہ آج ہی
ہاں! تو نے اسکو دہر میں مشہور کر دیا
ڈالی وہ روشنی اُسے پُر نور کر دیا

یونان کی بہار تھی دم سے ترے بڑھی — اور دھاک اُسکی سارے زمانے میں تھی بندھی
جسدن سے اپنے سائے کو تو نے اُٹھا لیا — وہ دن بدل گئے وہ ہوا بھی پلٹ گئی

یونان جسکا سارا جہاں خوشہ چین ہی
تیرے بغیر ہو گیا عزلت نشین ہے

لیکن ابھی ہی وہ بھی سماں اپنے دہیان میں ‏ ‏ رہتا تھا جن دنوں تو ہمارے مکان میں
سارا جہان پاتا تھا۔ جب ہم سے روشنی ‏ ‏ ہم فرد روزگار تھے۔ ہندوستان میں

اے علم اب کدھر گئیں تیری عنایتیں
ہیں خواب اور خیال وہ پہلی حکایتیں

وہ دن خدا دکھائے کہ ہندستان میں ‏ ‏ تیری چمک دمک ہو یہاں ہر مکان میں
اے ماہتاب آئے تری چاندنی نظر ‏ ‏ اس ملک کا بھی نام ہو روشن جہان میں

ظلمت کدہ میں دیکھوں گی جب کے انور میں
گھی کے دیے جلاؤں گی اُس دن ضرور میں

رقیمہ
بنت حفیظ اللہ امرتسر

بقیہ شاہ لیر

گلاسٹر کے قلعہ میں ایک کمرہ

کارنوال اور اڈمنڈ داخل ہوتے ہیں

کارنوال۔ قبل اسکے کہ میں تمہارے باپ کے گھر سے رخصت ہوں اُس کی شرارت کا اس سے پورا بدلہ لوں گی۔

اڈمنڈ۔ حضور اس بات کا خیال کر کے میرا کلیجہ دہل جاتا ہی کہ مینے حضور کی وفاداری کے مقابل میں اپنے باپ کی شکر گزاری اور فرمانبرداری کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔

کارنوال۔ ہاں مجھے اب معلوم ہوا کہ اس میں تمہارے بھائی کا قصور نہ تھا کہ وہ اپنے باپ کو

قتل کرنا چاہتا تھا۔ تمھارا باپ اس بات کا مستحق تھا کہ اسکو قتل کیا جاتا۔

ایڈمنڈ۔ میں کس قدر بدقسمت آدمی ہوں کہ صاف گوئی پر مجبور رہوں۔ لیکن پھر مجھے اسی صاف گوئی پر افسوس بھی آتا ہی۔ یہ لیجیے یہی خط ہی جو میرے باپ کے پاس فرانس کے بادشاہ نے بھیجا ہی جس سے ثابت ہوتا ہی کہ وہ اُسکا جانب دار ہی۔ اے خدا میرا باپ اس سازش میں شریک نہوتا اور اگر وہ شریک ہوا تھا تو اس سازش کا پردہ فاش کرنے والا میں بدقسمت نہ ہوتا۔

کارنوال۔ چلو میرے ساتھ بیگم صاحبہ کے پاس۔

ایڈمنڈ۔ اگر جو کچھ اس خط میں لکھا ہی وہ حقیقت میں ایک واقعہ ہی یعنی فرانس کی فوج انگلستان میں پہنچگئی ہی تو آپ کو بڑا زبردست مقابلہ کرنا پڑیگا۔

کارنوال۔ خواہ یہ واقعہ غلط ہو یا صحیح لیکن اس کی وجہ ہی آپ گلاسٹر کی گدی کے مالک ہو گئے اپنے باپ کو ڈہونڈھکر لاؤ کہ ہم اسے گرفتار کریں۔

ایڈمنڈ۔ دل ہی دل میں" اگر ایسا ہو کہ میرا باپ اور بادشاہ دونوں ایک جگہ ملیں تو کارنوال کا شبہ اور بھی پختہ ہو جائے۔ میں تو اپنی وفاداری میں بہت ثابت قدم رہونگا۔ گو اس میں بہت سی باتیں مجھے اپنے باپ کے خلاف کیوں نکرنی پڑیں۔

کارنوال۔ میں تم پر پورا بھروسہ کرتا ہوں اور تم دیکھو گے کہ تمھارے باپ سے بڑھ کر تم سے محبت کرونگا۔

سین نمبر ۶

قلعہ کے قرب میں ایک کسان کا مکان

گلاسٹر۔ لیر۔ کینٹ۔ [illegible] اور ایڈگر ہیں

گلاسٹر۔ دیکھیے یہ جگہ کھلی۔ سرد ہوا سے [illegible] کسقدر بہتر ہی اور یہاں پر آرام کیجیے اور جو کچھ سامان آسایش کا مجھ سے ہوسکیگا وہ میں بہم پہنچاؤنگا۔ اب میں جاتا ہوں اور بہت جلد

واپس آؤنگا۔

کینٹ۔ خدا آپ کو اس مہربانی کا اجر دیوے۔ لیکن بادشاہ سلامت تو اس صدمہ کی وجہ سے بالکل ہی دیوانہ ہو گئے ہیں۔

ایڈگر۔ دیوانہ کی طرح بڑ ہانکتا ہی۔

دیوانہ۔ جناب چچا صاحب مہربانی سے مجھے بتائیے کہ ایک دیوانہ آدمی کو آپ جنٹلمین کہینگے یا گنوار؟

لیر۔ میں دیوانہ آدمی کو بادشاہ کہونگا بادشاہ۔

دیوانہ۔ نہیں گنوار تو وہ شخص ہی جسکا بیٹا ایک جنٹلمین ہو۔ کیونکہ وہ گنوار دیوانہ ہی جو اپنے بیٹے کو جنٹلمین بناتا ہی۔

لیر۔ ہزار جلتی ہوئی بھٹیوں میں سے آگ کے شعلے نکل نکلکر انکو ٹڑپ کر جائیں (ریگن اور گارنوال)

ایڈگر۔ ظالم بھوت میری پیٹھ کاٹے کھاتا ہی۔

دیوانہ۔ وہ شخص بالکل ہی پاگل ہی جو ایک بھیڑیے کو اپنے گھر میں رکھکر مطمئن ہو جاے کہ وہ ہل گیا ہے اور ایک بچہ کی محبت پر بھروسہ کرے۔ یا بدچلن آدمیوں کی قسموں پر اعتبار کرے۔

لیر۔ ابتو یہ ہوکر رہیگا۔ میں ابھی اُن کو گرفتار کرتا ہوں (اپنی بیٹیوں کے متعلق کہتا ہی) ایڈگر۔ آپ یہاں تشریف لائیے۔ آپ سب سے بڑے قابل اور انصاف والے جج ہیں۔ دیوانہ صاحب آپ بھی یہاں تشریف لائیے۔ آپ بھی بڑی لائق ہیں۔ اور یہاں کچہری بناکر بیٹھ جائیے۔ اب لیجیے آپ کے سامنے ان بھیڑنیوں کو پیش کرتا ہوں۔

ایڈگر۔ بڑ ہانکتا ہی۔

دیوانہ۔ بڑ ہانکتا ہی۔

ایڈگر۔ بڑ ہانکتا ہی۔

کینٹ۔ حضور کی طبیعت کیسی ہی۔ حضور ایسے پریشان کیوں معلوم ہوتے ہیں ذرا آرام کیجیے

لیٹیے۔ یہ بچھونا اور تکیے ہیں۔

لیر۔ نہیں میں سب سے پہلے اس عدالت سے اپنا انصاف کراؤنگا (ایڈگر سے) جناب جج صاحب آپ بیٹھ جائیے (دیوانہ سے) جناب آپ بھی تو بڑے انصاف کرنیوالے جج ہیں آپ بھی تشریف رکھیے (کینٹ کی طرف) جناب آپ کو بھی اس انصاف کی عدالت میں پنچ قرار دیتا ہوں آپ بھی بیٹھ جائیے۔

ایڈگر۔ لیجیے ہم انصاف کرتے ہیں (سُریلی آواز میں گاتا ہی) گڈریے صاحب کیا آپ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ آپ کی بھیڑیں تو کھیت کھا رہی ہیں۔ آپکے ذرا سے اشارہ پر وہ آپ کی پرواہ نہ کرینگی۔ اور پھر بربڑاتا ہی

لیر۔ لاؤ سب سے پہلے گانرل کو گرفتار کر لاؤ۔ میں اس صدرِ عدالت کے سامنے حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اسی نے غریب بادشاہ اپنے باپ کو جوتی سے ٹھکرا کر اپنے گھر سے نکالدیا۔

دیوانہ۔ آئیے بیگم صاحبہ کیا آپ کا نام گانرل ہی (یہ سب باتیں فرضی ہو رہی ہیں۔ گانرل ورِیگن کوئی موجود نہیں ہی)

لیر۔ وہ انکار نہیں کر سکتی۔ اسکا نام ضرور گانرل ہی۔

دیوانہ۔ خدا کی پناہ۔ میں یہ سمجھا کہ آدمی نہیں ہی بلکہ لکڑی کا بُت ہی۔

لیر۔ یہ دیکھو یہ دوسری آئی جسکے تیوروں سے معلوم ہوتا ہی کہ اسکے دل میں کسقدر زہر بھرا ہوا ہے دیکھو دیکھو جانے مت دو۔ بھاگنے مت دو۔ تلوار لاؤ۔ بندوق لاؤ۔ رو کو۔ معلوم ہوتا ہی کہ سب کے سب یہاں راشی ہیں۔ کیوں بے ایمان جج اسے جانے کیوں دیا۔

ایڈگر۔ کیا حواس خمسہ بالکل جاتے رہے۔

کینٹ۔ حضور کس قدر افسوس کی بات ہی کہ حضور ہمیشہ فخر سے بیان کرتے تھے کہ مجھ میں بڑا تحمل ہی اب وہ تحمل کیا ہوا۔

ایڈگر۔ (اپنے دل میں) اب میری آنکھوں سے آنسو نکلا ہی چاہتے ہیں اور یہ تمام بھیس ویس

میرا خاک میں ملجائیگا۔ تمام میرا راز فاش ہو جائیگا۔

لیر۔ دیکھو سب قسم کے کتے۔ ناڑی۔ ل ڈاک۔ لینڈی میری طرف دیکھ دیکھکر بھونکتے ہیں۔

ایڈگر۔ میں ان سب کو یہاں سے بھگا دونگا۔ چلو بھاگو یہاں سے۔

لیر۔ آؤ سب سے اول ریگن کا سینہ چاک کر کے دیکھیں کہ اس میں کیا بلا بھری ہوئی ہے کیا اس کی سرشت میں کوئی ایسی چیز ہے جسنے اسکے دل کو ایسا سخت کر دیا (ایڈگر کی طرف اشارہ کر کے) لیجیے صاحب میں آپ کو اپنے ہاں ملازم رکھتا ہوں اور آپ میرے سو سواروں میں سے ایک سوار ہونگے۔ لیکن مجھے آپ کا یہ لباس کچھ پسند نہیں گو آپ کہیں گے کہ آپ ایک بڑا لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہیں مگر مہربانی سے اسکو بدل دیجیے۔

کینٹ۔ حضور تھوڑی دیر تک لیٹ جائیے۔

لیر۔ اب غل مت مچاؤ۔ خاموش ہو جاؤ۔ پردہ ڈالدو۔ اب ہم رات کا کھانا صبح کو کھا دینگے۔

دیوانہ۔ میں تو دوپہر کو بچھونا بچھا کر سوؤنگا۔

گلاسٹر پھر لوٹ کر آتا ہے۔

گلاسٹر۔ بادشاہ سلامت میرے آقا کہاں ہیں۔

کینٹ۔ وہ یہاں سو رہے ہیں۔ لیکن انکے حواس بالکل جاتے رہے۔ اس وقت ان کو مت چھیڑنا۔

گلاسٹر۔ بھائی خدا کے واسطے ابھی بادشاہ کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر یہاں سے لیچلو۔ میں ابھی اپنے کانوں سے سُن آیا ہوں کہ اسکی بیٹیاں اُسکے قتل کی سازش کر رہی ہیں۔ باہر ایک پالکی رکھی ہے اُس میں جا کر بادشاہ کو لٹا دو اور جس قدر جلد ممکن ہو بادشاہ کو ڈوور کی طرف لیچلو (ڈوور ایک بندرگاہ تھی جہاں فرانسیسیوں کی فوج اُتری ہوئی تھی) ڈوور پہنچکر آپ کو بہت سے لوگ ملینگے جو آپ کی حفاظت کرینگے۔ اور کھانے کو دینگے۔ جلدی سے بادشاہ کو اُٹھالو۔ اگر آدھ گھنٹہ بھی سستی کروگے تو بادشاہ اور اُنکے ساتھ تم اور اور جسقدر ہونگے سب تہ تیغ ہو جائینگے

اُٹھاؤ اُٹھاؤ جلدی کرو۔ میرے ساتھ آؤ کہ میں زادراہ کا کچھ جلدی سے انتظام کر دوں۔

کینٹ مصیبت زدہ دل کو ذرا چین ملا تھا اور خاموشی سے سو گیا تھا۔ ممکن تھا اس آرام کی وجہ سے اسکے دماغ کو کچھ سکون ملتا مگر اب مجبوری ہے اور مرض لا علاج ہو جانیکا اندیشہ ہے (دیوانہ سے) آؤ بھئی اپنے آقا کو اُٹھانے میں مدد دو تم بیٹھے کیا کر رہے ہو۔

گلاسٹر۔ آؤ چلو جلدی چلو۔

(کینٹ۔ گلاسٹر اور دیوانہ بادشاہ کو اُٹھا کر لے گئے)

ایڈگر۔ جب ہم اپنے سے بڑے اور اچھے لوگوں کو اسی قسم کی مصیبتوں میں مبتلا دیکھتے ہیں جس میں کہ ہم خود مبتلا ہیں تو ہماری تکالیف بہت ہلکی ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی مصیبت تنہا ہم پر نازل ہوتی ہے اور دوسروں کو ہم ظاہری شان و شوکت کے ساتھ چین اور اطمینان کی حالت میں دیکھتے ہیں تو ہمارے دل پر ایک بڑا سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ لیکن جب دوسروں کو بھی ہم اُسی قسم کی تکلیفوں میں دیکھتے ہیں تو ہمارا دل اپنے کو بہت کچھ تسلی دیکر اپنی تکلیف کم کر دیتا ہے۔ اب اسوقت مجکو اپنی تکلیف کس درجہ ہلکی معلوم ہوتی ہے جبکہ میں بادشاہ کو اس سے بدرجہا زیادہ تکلیف میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ اُس کی مصیبت اسکی اولاد کی وجہ سے ہے۔ اور مجھپر میرے باپ کی وجہ سے آئی۔ لیکن سنو۔ کیا شور ہو رہا ہے شاید لوگ بادشاہ کا تعاقب کرنے کو آئے ہیں۔ چلو ہم تو کہیں چھپ جائیں اور جب تک میرے والد غلط فہمی میں پڑکر میری جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ میں اپنی جان بچائے رکھوں۔ آج نہ معلوم اور کیا کیا دیکھنے میں آئیگا۔ خدا کی پناہ چلو چھپو۔

ساتواں سین

قلعہ گلاسٹر میں ایک کمرہ

کارنوال۔ ریگن۔ ایڈمنڈ اور ملازم داخل ہوتے ہیں۔

کارنوال (گانرل سے) آپ اب جلدی سے سوار ہو جائیے اور یہ خط جاکر اپنے شوہر کو دکھائیے۔ فرانس کی فوج تو سر پر آپہنچی (نوکروں سے) چلو جاؤ۔ مدغا جاؤ۔ بدذات گلاسٹر کو کہیں سے ڈھونڈھ لاؤ۔

ریگین۔ اُسے فوراً سولی پر لٹکادو۔

گانرل۔ نہیں نہیں اسکے آنکھوں کے ڈھیلے نکال کر پھینک دو۔

کارنوال۔ اب اس بات کو رہنے دیجیے کہ میں اسکو کیا سزا دیتا ہوں۔ ایڈمنڈ تم ہماری ہمشیرہ صاحبہ کے ہمراہ جاؤ۔ جس قسم کا انتقام ہم تمہارے باغی باپ سے لینا چاہتے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ تم اُسکو اپنی آنکھ سے دیکھو۔ اور ہمارے ساڑہو سے جاکر کہو کہ اپنی طرف سے جسقدر جلد ممکن ہو لڑائی کی بہت اچھی تیاری کر کے نکلیں اور ہم بھی پوری تیاری کر رہے ہیں وقتاً فوقتاً ہمارے اور انکے درمیان سوار دوڑتے رہیں گے اور خبریں پہنچاتے رہینگے۔ میری پیاری ہمشیرہ الوداع آپ سوار ہو جائیے۔ شہزادہ گلاسٹر آپ بھی سوار ہو جائیے۔

(ایڈمنڈ کو شہزادہ گلاسٹر کے نام سے خطاب کیا کیونکہ گلاسٹر کی جائداد چھین کر ایڈمنڈ کو دیدی گئی)

(اوسورڈ اسٹیج پر آتا ہے)

کارنوال۔ کہو بھئی بادشاہ کہاں ہے۔

اوسورڈ۔ لارڈ گلاسٹر بادشاہ کو تیس چالیس سواروں کے ہمراہ اور نیز بعض ملازمین و مزارعان گلاسٹر کے ساتھ ڈوور کی طرف لیگئے ہیں اور فخر سے کہتے گئے ہیں کہ وہاں ہمکو مسلح فوج اپنی حفاظت کے لیے ملیگی۔

کارنوال۔ اچھا بیگم صاحبہ کیلیے گھوڑے لاؤ۔ اب میری عزیز ایڈمنڈ اور پیاری بہن میں آپسے رخصت ہوتا ہوں

گانرل۔ خدا حافظ۔

(گانرل۔ ایڈمنڈ۔ اوسورڈ سب چلے جاتے ہیں)

کارنوال (ملازموں سے) جاؤ اس بدذات گلاسٹر کو کہیں سے گرفتار کر کے مشکیں باندھکر میرے سامنے لے آؤ گو اسوقت اسکا قتل کرنا بلاکسی باقاعدہ قانونی تجویز کے نامناسب ہوگا۔ مگر ہم اپنا غصہ فرو کرنے کے لیے اُس سے وہ سلوک کر سکتے ہیں کہ جسکے لیے گو لوگ ہمیں الزام دینگے مگر ہمیں کوئی روک نہیں سکیگا۔

یہ سامنے کون ہے؟ ہاں وہی بدذات ہے۔

(ملازم گلاسٹر کو سامنے گرفتار کر کے لاتے ہیں)

رگین۔ یہ وہی ناشکرا بدذات بندر ہے۔

کارنوال۔ اسکے سوکھے ہاتھوں کو خوب کسکر اس کی پیٹھ کے پیچھے باندھ دو۔

گلاسٹر۔ آپ کا کیا مطلب ہے صاحب۔ آپ ذرا غور کیجیے کہ آپ میرے مہمان ہیں کوئی اس قسم کی بدسلوکی آپ مجھ سے نہیں کر سکتے۔

کارنوال (نوکروں سے) تم اسے باندھتے کیوں نہیں ہو۔ سنتے بھی ہو۔

رگین۔ خوب ہی کسکر باندھو۔ کیوں بدذات باغی۔

گلاسٹر۔ سخت دل اور بیرحم بیگم میں باغی نہیں ہوں۔

کارنوال۔ اس کرسی کے ساتھ اسے باندھ دو۔ بدذات تجھے ابھی معلوم ہو جائیگا۔

(رگین گلاسٹر کی ڈاڑھی نوچتی ہے)

گلاسٹر۔ مجھے خدای لایزال کی قسم ہے کہ اس سے بڑھکر اور کوئی نالایق حرکت نہیں ہوسکتی کہ اس طرح بے ادبی سے میری ڈاڑھی اس طریقہ سے نوچی جائے۔

رگین۔ یہ بڑھاپا اور اس قدر بغاوت۔

گلاسٹر۔ بدطینت بیگم۔ یہ بال جنکو تو اسقدر بیحرمتی سے نوچ نوچ کر پھینک رہی ہے یہ زندہ ہوکر بولیں گے اور تم کو ملزم قرار دینگے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمھارا میزبان ہوں۔ میری مہماں نوازی کا یہ صلہ نہیں ہے کہ تم مثل ڈاکوؤں کے میری ایسی دُرگت کرو۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو۔

کارنوال۔ اب بتاؤ کہ فرانس سے تمہارے پاس کیا خطوط پہونچے ہیں۔

رگین۔ صاف جواب دو۔ واقعات تو ہم کو معلوم ہی ہو چکے ہیں۔

کارنوال۔ اور اُن باغیوں کے ساتھ تم نے کیا کیا سازشیں کی ہیں جو آمادہ فساد ہو رہے ہیں۔

رگین۔ اور بادشاہ کو کسکے ساتھ اور کہاں بھیجا ہے۔ بولو۔

گلاسٹر۔ میرے پاس ایک خط آیا تھا جو ایسے شخص کی طرف سے تھا جو کسی فریق کا جانبدار نہیں ہے اور وہ بھی اُسکے قیاسات پر مبنی تھا۔ کسی مخالف کا کبھی کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔

کارنوال۔ یہ تمہاری دہوکہ بازی ہی۔

ریگن۔ بلکہ سراسر جھوٹھ ہی۔

کارنوال۔ بتاؤ بادشاہ کو کہاں بھیجا۔

گلاسٹر۔ ڈوور کو بھیجا ہی۔

ریگن۔ کیوں ڈوور کو بھیجا۔ کیا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔

کارنوال۔ خیر حکم کو تو جانے دو۔ یہ بتاؤ کہ ڈوور کو کیوں بھیجا۔ اسی کا جواب دو۔

گلاسٹر۔ میں تمہارے سامنے پڑا ہوں۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہیں۔ اب میں کیا جواب دوں۔

ریگن۔ بس یہی جواب دیدو کہ ڈوور کیوں بھیجا۔

گلاسٹر۔ مینے اسلیے بھیجا کہ مجھے یہ دیکھنا منظور نہیں تھا کہ تم اپنے خوں ریز ناخنوں سے بادشاہ کی آنکھیں نکالو۔ نہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہاری خونخوار بہن اپنی سوئر یلکے سے دانت اُسکے پاک جسم میں گھونپ دیتی۔ آندھی اور طوفان کا یہ عالم تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سمندر اُبل پڑیگا اور آسمان تک پہنچکر ستاروں کی مشعلیں بجھا دیگا۔ مگر باوجود اسکے بادشاہ برہنہ سر ظالم سرات کی تاریکی میں کھڑا۔ بارش کی زیادتی کے لیے دعائیں مانگ رہا تھا۔ اگر ایسے وقت میں ایک بھیڑیا بھی آکر آپکے دروازہ پر چلاتا تو آپ رحم سے پسیج کر اپنے دربان کو حکم دیتیں کہ اسکے لیے دروازہ کھولدو اور اُسکے سب ظلموں اور شرارتوں کو بھول جاتیں۔ خیر میں ایسی اولاد پر کوئی آفت نازل ہوتی ضرور دیکھونگا۔

کارنوال۔ نہیں آپ کو کبھی ایسا دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔

ارے اس کرسی کو مضبوط پکڑو۔ اور لو تمہاری اس آنکھ کو میں اپنے بونٹ سے مسلکر کچلے دیتا ہوں۔

گلاسٹر۔ ارے خدا کیلیے اپنی جوانی کے صدقہ سے مجھے کوئی مدد دو۔ او ظالم کیا غضب کیا۔

ریگن۔ ابھی تو ایک ہی پھوٹی ہی۔ دوسری اگر قائم رہیگی تو وہ اس بیچاری کا مذاق اُڑائیگی۔ اسے بھی پھوڑ دو۔

کارنوال۔ لو انتقام ایسا ہوتا ہی۔

ایک ملازم۔ حضور بس۔ اب رک جائیے۔ مینے بچپن سے لیکر اسوقت تک آپ کی خدمت کی ہی مگر اس سے بہتر

آجتک میں نے کبھی کوئی کام نہیں کیا کہ میں آپسے کہوں کہ رک جائیے اور حد سے نہ گذریے۔

ریگین۔ کیوں رے کتے اسکے کیا معنی ہیں۔

ملازم۔ بیگم صاحب تم اگر مرد ہوتیں اور تمہارے ڈاڑھی ہوتی تو میں اس جھگڑے میں آپ کو مزا چکھاتا آپ لوگ کیا ظلم کر رہے ہیں۔

کارنوال۔ یہ میرا بدذات ملازم اور یہ گستاخی (دونوں تلوار کھینچکر لڑنے لگے)

ملازم۔ آئیے۔ پھر میں بھی اسوقت غصہ میں بھرا ہوں۔ آپ کو ان حرکات کا مزا چکھا دوں۔

ریگین۔ لاؤ ایک تلوار تو مجھے دو۔ ایک گنوار اس طور پر تلوار کھینچکر کھڑا ہو جائے (ایک تلوار لیکر پیچھے سے جاکر ملازم کو مارتی ہے)

ملازم۔ ہائے افسوس میں تو اب مرتا ہوں (گلاسٹر کی طرف مخاطب ہوکر) جناب من آپ کی ایک آنکھ تو ابھی بفضل خدا ہے۔ دیکھ لیجیے آپ کا بدلہ لیا یا نہیں (مرگیا)

کارنوال۔ اب میں دوسری آنکھ سے تجھے زیادہ نہیں دیکھنے دونگا۔ لو یہ کُچلی گئی۔ بتاؤ اب کہاں ہے تمہاری آنکھ کی روشنی۔

گلاسٹر۔ اب روشنی کہاں۔ دنیا تاریک اور تکلیف کا سامنا ہے۔ میرا بیٹا ایڈمنڈ کیا ہوا۔ بیٹے ایڈمنڈ کیوں تیرا خون جوش نہیں مارتا۔ اور کیوں تو اس سخت بیرحمی کا انتقام نہیں لیتا۔

ریگین۔ بدذات باغی تجھے شرم نہیں آتی جو شخص تم سے اس قدر نفرت کرتا ہے اُسی سے مدد مانگ رہے ہو یہ وہی تو ہے جسنے تمہاری بغاوت کا پردہ ہمارے سامنے فاش کیا وہ ایسے نالایق پر رحم نہیں کرسکتا۔

گلاسٹر۔ آہ میں اپنی حماقت کو اب سمجھا کہ میرا بیٹا ایڈگر بالکل بے گناہ تھا۔ اے خدا تو اسکو خوش رکھ اور سرسبز کر۔

ریگین۔ جاؤ اسکو دروازہ سے باہر پھینک آؤ کہ اپنا راستہ ٹٹول ٹٹول کر ڈوور پہنچے۔ (کارنوال کی طرف مخاطب ہوکر) آپ کا چہرہ متغیر کیون ہوگیا۔

کارنوال۔ بیگم مجکو ایک کاری زخم لگا ہے اور بہت خون بہ رہا ہے۔ بہت بے وقت یہ زخم لگا۔ مجھے ذرا

سہارا دیکر دوسرے کمرہ میں لیچلو - اور اس بدذات اندھے کو باہر جاکر گھورے پر پھینک آؤ -

(کارنوال کو ریگن دوسرے کمرے میں لیجاتی ہی)

دوسرا ملازم - اگر شاہزادہ کارنوال اس زخم سے نہ مرا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کیا کچھ نہ کرنا پڑیگا

(وہ اس طرف اشارہ کرتا ہی کہ اگر اس زخم سے نہ مرا تو میں اُسے مار ڈالونگا)

تیسرا ملازم - اگر ریگن بڑھاپے تک زندہ رہکر معمولی موت سے مرے گی تو شاید سب عورتیں چڑیلیں بن جائینگی -

دوسرا ملازم - آؤ ہم چلکر اُس پاگل کو جو برہنہ پھرتا ہی شاہزادہ گلاسٹر کے ساتھ کردیں کہ وہ اُسے کہیں لیجائے

تیسرا ملازم - تم آگے چلو - میں تھوڑی سی ہینگ اور انڈے کی سفیدی لاتا ہوں کہ اُس کی زخمی آنکھوں پر لگا دوں کہ اسکو کچھ آرام ملے - اے خدا تو اس کی مدد کر -

(باقی آیندہ)

اڈیٹوریل

ریویو

نمبر ۱ - مارکوئس اٹیو کے دلچسپ حالات - نمبر ۲ - مارکوئس یاماگاٹا کے دلچسپ حالات

یہ دونوں رسالے منشی شرف الدین احمد خاں صاحب ہیڈ کلرک جیل ریاست رامپور کی تالیف سے ہیں اور سلسلۂ مشاہیر جاپان انہوں نے تالیف کر کے شائع کرائے ہیں - مارکوئس اٹیو اور مارکوئس یاماگاٹا موجودہ جاپان کے اُن چند ارکان میں سے ہی جن کی وجہ سے وہ گذشتہ چالیس سال کے عرصہ میں تحت الثریٰ سے فلک البروج پر پہنچا ہی - ۱۸۶۸ء سے پہلے جاپان کو کون جانتا تھا مگر آج مغرب کے کسی بڑے سے بڑے سلطنت کے ہم پلہ ہونیکا دعویٰ کرتا ہی - یہ سب کچھ انہیں چند نفوس کے قدموں کی برکت سے ہی جن میں مارکوئس اٹیو اور یاماگاٹا بھی ہیں - یہ لوگ حب الوطنی - اور ایثار نفسی کی زندہ تصویریں ہیں مسلمانوں کو انکے حالات ضرور پڑھنے چاہییں - منشی شرف الدین احمد خاں صاحب

سے ہم معافی مانگنے کے بعد یہ کہیں گے کہ یا تو اُنکے پاس کافی مصالحہ نہیں ہی اور یا اُنھوں نے کافی توجہ نہیں کی ہی۔ ورنہ ایسے بڑے بڑے لوگوں کے ایسے قلیل حالات پڑھنے سے پڑھنے والوں کے دل پر کچھ بہت اچھا اثر نہیں ہوتا۔ اگر ایسے لوگوں کی زندگی کے پورے حالات میں سے ایک سواں حصہ بھی منتخب کر کے دیا جائے تو ایک معقول رسالہ بنیگا۔ پندرہ پندرہ صفحے کے نہایت چھوٹی تقطیع کے رسالے اور دُنیا کے اتنے بڑے مشاہیر کی سوانح عمریاں محض ایک مذاق معلوم ہوتا ہے بہرحال جو کچھ منشی صاحب موصوف نے کیا ہی وہ بھی غنیمت ہی۔ ان کی قیمت ار فی رسالہ ہے اور منشی شرف الدین احمد خاں صاحب ہیڈ کلرک جیل ریاست رامپور کے پتہ سے ملتے ہیں۔

جناب مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے فیروزپور کے مدرسۂ نسواں کو جو ایک سکھوں کا مدرسہ ہی دس ہزار روپیہ نقد اور چھ سو ماہواری کا عطیہ دیا۔ ہم اپنے ہموطن سکھ صاحبان کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اُن کی قوم میں ایسے بڑے روشنخیال شہزادے موجود ہیں جن کی فیاضی و امداد سے وہ خاطر خواہ ترقی کر سکتے ہیں۔ ہم کو یہ بھی سُنکر بڑی مسرت ہوئی کہ سکھوں کی قوم میں تعلیم کا بہت چرچا پھیلتا جاتا ہی۔ اور ہمارے ایک بزرگ دوست جنکو اکثر پنجاب کے دیہاتوں و قصبات میں دورہ کرنیکا اتفاق ہوا ہی انھوں نے اپنے چشم دید واقعات بیان کیے کہ سکھوں میں تعلیم کا زبردست خیال اور خالص جوش پیدا ہو گیا ہی اور جسکا یہ نتیجہ ہی کہ جملہ دیہات و قصبات میں اپنے الگ لڑکے اور لڑکیوں کے مدرسے قایم کر دیے ہیں اور کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ انھوں نے تہیہ کر لیا ہی کہ ہم میں سے مرد و عورت کوئی بھی جاہل نہ رہے۔ نہایت خوشی کی بات ہی ہم کو دلی مسرت ہی۔ اور اپنی قوم سے یہ التجا ہے کہ اگر خود اپنی اُدھیڑ سے نہیں تو اپنے بھائیوں کی دیکھا دیکھی تو کچھ کریں۔

زنانہ کالج کا جلسہ۔ فیمیل ٹرئنگ کالج بڑودہ کا ایک غیر معمولی جلسہ گذشتہ شنبہ کو منعقد ہوا تھا جس میں ریاست کی معزز خواتین نے شرکت فرما کر اسکی رونق دوبالا کر دی۔ ولی عہد صاحب کی رانی صاحبہ

اس جلسہ کی صدر تھیں۔ اسکول اور کالج کی کارروائی کا معائنہ کیا گیا۔

حب الوطنی کی ایک عجیب مثال۔ ٹرکی کی زندہ اور غیرتمند عورتیں عثمانی بیڑے کی امداد میں بڑی فراخ حوصلگی سے چندے دے رہی ہیں۔ یہ خبریں اکثر پڑھنے میں آتی ہیں کہ فلاں بیگم نے اپنے زیورات انجمن معاون بحریہ کو دیدیے۔ فلاں بیگم نے اپنے بیش قیمت کپڑے فروخت کر کے اُن کی قیمت سے عثمانی بیڑے کی امداد کی۔ لیکن ایک عجیب و غریب اور تازہ مثال چندہ دینے کی اخباروں میں نظر سے گذری کہ ایک ترک خاتون نے جو بہت مفلس تھی اور مالی چندہ نہیں دے سکتی تھی۔ اُسنے سوچا کہ میں اس سعادت سے کیوں محروم رہوں اُسنے یہ ترکیب سوچی کہ اپنے سر کے گھونگر والے سیاہ بال جو اسکی زینت تھے اور بہت پیارے تھے کاٹکر انجمن بحریہ کے پاس بھجدیے کہ اسکو فروخت کر کے اسکی قیمت چندہ میں شامل کیجائے انجمن مذکور نے اس غیور خاتون کا نہایت دلی شکریہ ادا کیا اور اس حب الوطنی کی ملک میں دھوم مچ گئی۔

مادر مہربان کی تحریر۔ شہنشاہ بیگم الگزنڈرا نے ذیل کی تحریر بنگال کی ہندو مسلمان خاتونوں کے نام رُوانہ کی ہے اُس ہمدردی کے جواب میں جو انہوں نے شہنشاہ ایڈورڈ کی وفات کے متعلق اظہار کیا تھا۔

بکنگھم پیلس۔

لیڈی منٹو نے میری سخت مصیبت میں چند در چند پیغامات اظہار ہمدردی کے پہنچائے تھے جو اس قدر ہیں کہ اگر میں فرداً فرداً اُن کا جواب لکھوں تو ناممکن ہے۔ امید ہے کہ میری ہندوستانی بہنیں اسکو قبول کریں گی۔ سلطنت کے جملہ اطراف سے اس قسم کی دلسوزی کے پیغامات نے میرے دل پر خاص اثر کیا ہے انجہانی روشنضمیری اور دانائی سے اپنی رعایا کے ساتھ کماحقہ محبت رکھتے تھے۔ ان الفاظ سے میں خاص طور پر متاثر ہوئی ہوں کہ تم نے میری مشکلات میں حصہ لیا۔ تمہارا خیال میری جانب ایسے وقت میں ایک اچھا دلاسا ہے انجہانی ایڈورڈ ہفتم رعیت کو ایک نظر سے دیکھتے تھے اور رعایا کی بہبودی و بہتری کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے تم نے جو پیغام بھیجا ہے وہ تسلی کا ذریعہ ہے۔

الگزنڈرا

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۰۱

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ نومبر ۱۹۱۰ء | نمبر ۱۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبدالسلام پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا
یکم دسمبر ۱۹۱۰ء

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علی گڈہ سے شائع کیا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (دسے ۱) اور ششماہی عہ ۱۲ / ہے۔

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالے کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے گا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈھ ہونی چاہیے۔

ترقی تعلیم واشاعت اسلام

مندرجہ بالاعنوان پر نفیس دلہن صاحبہ نے یہ نہایت عالمانہ مضمون لکھ کر بھیجا ہے جسے ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ بعض متعصب اور دشمن اسلام عیسائی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تعلیم کا مخالف ہی۔ لیکن اس اعتراض میں جس قدر تعصب اور عداوت ہی اُسی قدر جہالت اور اسلام سے بے خبری بھی شامل ہی اسلام ہمیشہ سے علوم کی ترقی کا حامی رہا ہی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں حکم دیا کہ قل رب زدنی علما یعنی اے نبی تو دعا مانگ کہ اے رب میرے علم کو بڑھا۔ آنحضرت روحی فداہ نے علم کی جس قدر زبردست الفاظ میں تعریف کی ہی دنیا میں آجتک کسی نے نہ کی ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہی کہ "عالم کی روشنائی شہیدوں کے خون سے زیادہ قیمتی ہی" پھر فرمایا ہی کہ "علما دوش بدوش انبیاء کے ہیں"

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو آپنے حکم دیا کہ تم لوگ جب کہیں جنت پاؤ تو اس میں چر لیا کرو۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ کیسی جنت۔ آپنے فرمایا کہ جب کہیں عالم کو دیکھو تو اُس کی

صحبت سے فیض حاصل کیا کرو۔

اسی قسم کی بیسیوں حدیثیں علم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات نے اپنی امت کے مردوں اور عورتوں پر علم کو فرض عین کر دیا۔ اور فرمایا کہ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ یعنی علم کی تحصیل ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

عملاً بھی حضور نے علمی ترقی کی بنیاد ڈالی۔ یعنی جس وقت آپ کو باری تعالیٰ کی طرف سے نبوت عطا ہوئی اُس وقت تمام عرب میں صرف دس یا بارہ آدمی ایسے تھے جو پڑھ لکھ سکتے تھے۔ حضور کی یہ خواہش تھی کہ ان لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہو۔ چنانچہ بدر کی لڑائی میں چند کافر ایسے گرفتار ہوئے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ نے اُن کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ ہر ایک کافر ایک ایک مسلمان کو پڑھنا لکھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔

زمانہ گزشتہ سے مغرب اور مشرق کے حکما، اس بات پر متفق تھے کہ عورتوں کو پڑھنا لکھنا نہ چاہیے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں دونوں کو علم کی مجلس میں برابر کی جگہ دی اور دونوں پر علم کی تحصیل فرض کر دی۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت حفصہؓ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں پڑھنا اور لکھنا جانتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ گو کہ پڑھی لکھی نہ تھیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہر شخص کا پڑھنا لکھنا بہت دشوار تھا مگر علوم حدیث و قرآن و تفسیر میں خود مسلمان مردوں میں ان کے پاسکے بہت کم لوگ تھے۔

الغرض اسلام اور علم کی ترقی دونوں لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ علم مسلمانوں کے فرائض اولین میں سے ہے اور انہوں نے اپنے ہزار سالہ عروج کے زمانہ میں جو علمی ترقی کر دکھائی ہے وہ اس بات پر دلیل کامل ہے۔

نفیس دلہن صاحبہ نے اس مضمون میں حضرت عمرؓ کی علمی کوششوں کو بیان کیا ہے اور دکھلایا ہے کہ وہ علم کے کس قدر حامی تھے۔ یہی حال تمام علما، و خلفا، اور بادشاہان اسلام کا رہا ہے۔ علم دنیا کیلیے ایسا ہی ہے جیسے انسان کے جسم کے لیے روح۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

خاتم ملک سلیمان است علم | جملہ عالم صورت و جان است علم

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

بنی آدم از علم یابد کمال | نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

چو شمع از پئے علم باید گداخت | کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

اڈیٹر

ہم کو ہمیشہ اپنی قومی تاریخ غور سے دیکھنی چاہیے تاکہ مقدس اشخاص کی روشنی جو خدا کی قدرت مجسم تھے ہم پر پڑتی رہے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جو قوم اپنی اصل تاریخ بھول گئی وہ پھر کسی طرح نہیں اُبھر سکتی۔ سید اکبر حسین صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔

قوم کی تاریخ سے جو بے خبر ہو جائیگا | رفتہ رفتہ آدمیت سے وہ خر ہو جائیگا

میں آج کے مضمون میں تاریخ اسلام کا ایک چھوٹا سا حصہ بعنوان بالا ناظرات خاتون کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ وہو ہذا۔

مذہب کی چھان بین اور تعلیم و تلقین پر خلافت فاروقی کا بڑا احسان ہے اس لیئے فاروق اعظم نے تعلیم کو بہت ترقی دی۔ اپنی تمام قلمرو میں ابتدائی مدارس قائم کر دیئے جن میں قرآن مجید اخلاقی نظم۔ امثال عرب اور علوم مروجہ کی تعلیم بخوبی ہوتی تھی۔ چاروں طرف علمائے صحابہ حدیث و فقہ کی تعلیم پر متعین تھے۔ مدرسوں اور طالب علموں کو معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں۔

آپ بزور شمشیر مذہب پھیلانے کے سخت مخالف تھے اور قرآن مجید کی آیتہ لا اکراہ فی الدین پر بلا تاویل عمل فرماتے تھے۔ خود آپ کا غلام جب باوجود ہدایت و ترغیب کے مسلمان نہ ہوا تو آپ نے لا اکراہ فی الدین کہکر اُسے چھوڑ دیا۔

فوج کشی کے موقع پر ہر سپاہی اور افسروں کو یہ تاکید ہوتی تھی کہ اول لوگوں کو بسہولت دین کے اصول و عقائد سمجھانا اور جبر و تعدی نہ کرنا۔ اسی لیے ہر فوج کا افسر صاحب علم و فقیہ ہوتا تھا۔ اگر تلوار کے زور سے مسلمان کرنا مقصود ہوتا تو علما و فقہا کی کیا ضرورت تھی اُسے تو

ہر سپاہی کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ یہ ہدایت ہوتی تھی کہ غیر قوموں کو اسلام کا اچھا نمونہ دکھائیں تاکہ لوگ خود بخود اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے عہد میں اسلام بکثرت شائع ہوا۔

آپ نے اہل اسلام کو ایسے سانچے میں ڈھالا تھا کہ وہ اصلی نمونہ دین اسلام کا بن گئے تھے آپ کے وقت کا ہر مسلمان سچائی۔ زہد و تقویٰ۔ پاکیزگی۔ سادگی۔ اخلاق۔ جوش اور دینداری کی تصویر مجسم تھا۔ مسلمانوں کے یہ ستودہ و حمیدہ اوصاف۔ دین کی صفائی و سچائی وہ کام کر سکتے تھے جو تلوار سے ہونا مشکل تھا۔ بقول کارلائل "اگر کسی کا دین تلوار کے زور سے پھیل سکے تو ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں کہ پھیلائے"۔ ہمارا اسلام شمشیر کے زور پر نہیں بڑھا بلکہ فاروقی تدابیر کا زور اب بھی اُسے تھامے ہوئے ہے۔

جارج رومیوں کا سفیر امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے تقدس و ران کی فوج کے مسلمانوں کے عمدہ اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اور اپنی ساری قوم اور تمام خاندان کو چھوڑ دیا۔ شطا بلاد مصر کا مشہور رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سُن کر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام لایا۔ یزد جرد کی فوج میں چار ہزار آدمی دیار دیلم کے تھے جو قادسیہ کی جنگ میں مسلمان ہو گئے۔ حضرت سعد نے اُن کو کوفہ میں بسا کر تنخواہیں مقرر کیں۔

مدارس میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ تمام اضلاع میں احکام فاروقی پہنچ گئے تھے کہ سب لوگ اپنے بچوں کو گھوڑے کی سواری اور لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ ابو عامر سلیمہ اپنی نسبت خود بیان فرماتے ہیں کہ جب میں مدرسے بھیجا گیا تو اُستاد نے مجھے لکھنے کو کہا۔ میں میم نہیں بنا سکتا تھا تو وہ مجھے یوں بتاتے تھے کہ گول بناؤ جیسے گائے کی آنکھ ہوتی ہے۔"

فاروق اعظم نے تعلیم قرآن کو تمام زمانے میں رائج کر دیا تھا۔ چنانچہ حضور کی زندگی ہی میں ناظرہ پڑھنے والے تو شمار میں نہیں آسکتے تھے۔ حافظوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔

سید القرار ابی بن کعب جن کی قرأت اور عمدگی حفظ کی مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمائی تھی۔ تعلیم قرآن کے لیے مہتمم مقرر ہوئے تھے۔ معاذ بن جبل۔ عبادہ بن صامت۔ ابوایوب۔ ابودردا نے بھی پورا قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سامنے حفظ کرلیا تھا۔ انسے بھی تعلیم قرآن میں بہت مدد ملتی تھی۔ یہانتک کہ کلام مجید کا نقطہ نقطہ زبان زد خاص و عام ہوگیا۔

آپنے جب افسران فوج کو لکھا کہ "حفاظ قرآن کو تعلیم کے لیے میرے پاس بھیجدو" تو سعد بن وقاص نے جواب دیا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔ جنھوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے قرآن لاتے ہوئے دیکھا تھا اُنہیں کے سامنے دنیا کے ہر گوشہ میں ہماری مقدس کتاب پہنچ گئی۔ جناب فاروق اعظم کی دقیقہ رس طبیعت سے یہ امر بعید تھا کہ وہ بیخ اسلام کی طرف سے غفلت کرتے۔ ہر جگہ یہ حکم تاکیدی پہنچ گیا تھا کہ تعلموا اعراب القران کما تعلمون حفظہ یعنی قرآن کے اعراب کی ایسی ہی حفاظت رکھو جیسے اُسکے الفاظ کی رکھتے ہو۔

دوسرا حکم تحفظ قران کی بابت یہ جاری کیا کہ تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلموا القرآن یعنی قرآن کے فرائض و سنن و لحن کو اتنا ہی محفوظ رکھنا جتنا قرآن کی حفاظت رکھتے ہو۔

تعلیم قرآن کے ساتھ ہی علم ادب و عربیت کی تعلیم بھی فرض عین کردی تھی تاکہ لوگ خود اعراب کی غلطیاں درست کریں۔ حدیث کی تحقیق میں نہایت باریک بینی واحتیاط سے کام لیا۔ خاص خاص صحابہ آپکے عہد میں حدیث موئنھ سے نکال سکتے تھے۔ عوام کی مجال نہ تھی کہ از روے حدیث کوئی روایت بیان کرسکتے۔ اس سے آپ کی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی و نکتہ سنجی ظاہر ہوتی ہے۔

ابودردار اور عبادہ بن صامت کو شام، معقل بن یسار۔ عبداللہ بن مغفل اور

عمران بن حصین کو بصرہ - عبداللہ بن مسعود وغیرہ کو کوفہ بھیجکر لوگوں کو لکھدیا تھا کہ ان کی احادیث سے متجاوز نہ ہونا - قرآن حدیث کے بعد فقہ کی طرف بڑے شد و مد سے متوجہ ہوئے - حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علی الاطلاق امت کے افقہ ہیں -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ صورت تھی کہ جو آپ کو کرتے دیکھتے تھے اُس کی تقلید کیا کرتے تھے - فرض و واجب کی توضیح تھی نہ ارکان و آداب کی تشریح غیر ضروری اور غیر موجود چیز کی نسبت سوال ہی بے معنی سمجھا جاتا تھا - اس لیے حضور کے زمانہ میں فقہ کی ضرورت ہی کم پڑی - بعد میں جب فتوحات کو ترقی ہوئی اور نئے نئے معاملات پیش آئے تو مجمل احکام کی تشریح لازم ہوئی - اسی ضرورت سے صحابہ کو اجتہاد کرنا پڑا - چار آدمی مجتہدوں میں اول ہیں -

حضرت عمرؓ - حضرت علیؓ - عبداللہ بن مسعودؓ - عبداللہ ابن عباس

حضرت عمرؓ باوجود احتیاط کے مسائل فقہ کے اجتہاد میں بلند پایہ رکھتے تھے آنحضرت صلعم نے خود فرمایا ہے کہ عمرؓ بڑا فقیہ ہے مسائل کی تحقیق میں اُس کی طرف رجوع کیا کرو فاروق اعظم ہمیشہ عالم و فقیہوں کو افسر بناتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کے ملکی و فوجی افسروں کی فہرست میں حضرت ابو عبیدہ - معاذ بن جبل - ابو موسیٰ اشعری - سلمان فارسی وغیرہم کے نام نامی نظر آتے ہیں -

رقمہ
نفیس دلہن
از کوٹھی بنادیبی
علی گڈھ

کتب بینی
نمبر ۲

کتاب ہم کو مختلف زبانوں میں مختلف باتیں بتاتی ہے۔ بچپن کے زمانہ میں ہم کو عمدہ اخلاق اور تربیت کی باتیں سکھاتی ہے۔ زمانہ شباب میں ہم کو وہ اچھی راہ اور نیکی کی باتیں بتلاتی ہے۔ بڑھاپے اور بیکاری کے وقت میں ہم کتاب سے اپنے دل کو بہلاتے ہیں۔ فکر و تردد کے وقت میں ہمارا اطمینان کرتی ہے۔ رنج و فکر کی حالت میں ہمارے دل و دماغ کو دوسری طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور ہمارا غم غلط کرتی ہے۔ اور بہت سی ایسی باتیں نکلینگی کہ ہم اگر خیال کریں تو ہم کو ہر وقت مدد دینے کے واسطے تیار رہتی ہے جس سے ہم اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

میرا حافظہ اس وقت کام نہیں دیتا کہ خدا جانے میں نے کس کتاب یا رسالہ میں ایک عورت کے قلم سے ایک کم سن لڑکے کا قصہ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ لکھتی ہے کہ

اتفاقاً ایک روز میں ایک کتب فروش کی دوکان پر جا نکلی۔ مجھے ایک کتاب کی ضرورت بھی تھی۔ میں وہ دریافت کرنے لگی۔

ایک کم عمر لڑکا آیا اور اس کتب فروش کی دوکان پر آکر اس کے کتب خانہ میں داخل ہوا اور ایک کتاب اٹھا کر بڑے ذوق و شوق سے دیکھنے لگا۔ دوکان دار نے جب یہ دیکھا تو اس لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میاں لڑکے تم روز آتے ہو اور کتابوں کو دیکھ کر چلے جاتے ہو اور کبھی کوئی کتاب خریدتے تک نہیں۔ بس اب یہاں کتب بینی کو معاف رکھیے گا۔ اور کتابوں کو خراب نہ کیجیے گا۔

یہ سنکر لڑکا بہت رنجیدہ ہوا اور کتاب کو پٹک کر خاموش یہ کہتا ہوا چلا گیا

کہ کاش مجکو پڑہنا نہ آتا تو کیوں اس کمبخت کتب فروش کی اتنی باتیں سنتا

پھر لکھتی ہے کہ

چاہیے تھا کہ اس لڑکے کو علم سے شوق جاتا رہتا اور وہ رفتہ رفتہ اپنی تعلیم کو چھوڑ دیتا۔ نہیں یہ نہیں کیا بلکہ اُسکے دل میں اور وقعت پیدا ہوگئی۔ اور وہ بڑے اشتیاق سے پڑہتا رہا۔ ایک زمانہ کے بعد وہ لڑکا اپنے زمانہ میں اپنے سامنے کسی کو دم نہیں مارنے دیتا تھا اور اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

اب ہم کو کس قدر آسانی سے کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ایک پہلا زمانہ تھا کہ ایک کتاب اگر کسی نے تصنیف کی تو وہ اُسی کے پاس رہ سکتی تھی۔ اگر کوئی بہت ہی علم کا شوقین ہوا اور اسکو علم سے بہت ہی دلچسپی ہوئی تو وہ اُس کی ایک نقل بڑی مدت میں کر سکتا تھا تب اسکو اپنے پاس رکھکر فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔

بہرحال شاید ہی ایک کتاب کی دو چار نقلیں ہوا کرتی تھیں بلکہ بہت سی قلمی کتابیں آپکے دیکھنے میں ایسی آئیں گی کہ ابتک وہ ایک ہی اصل ہے نہ وہ چھپی اور نہ کسی نے نقل کی۔ میں نے پُرانی کتابیں جنکا بڑی دقت سے سنہ کا پتہ چلتا ہے دیکھی ہیں اور وہ ابتک بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اصل سے اور کتب خانوں میں ان کتابوں کی نقلیں ہو کر جایا کرتی ہیں اور اصل بڑی حفاظت سے رکھی جاتی ہیں۔ بلکہ عام لوگوں کو اصل کتاب بھی مطالعہ کیلیے نہیں دی جاتی ہے۔ اُس کی نقل سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

اس کی کیا وجہ تھی کہ وہ کتابیں ہم کو آسانی سے میسر نہیں آسکتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ نہ تو اُس زمانہ میں اتنی ترقی علم کی تھی اور نہ ایسی کلیں اور آلات موجود تھے کہ جنکے ذریعہ سے بہت جلد اور کثرت کے ساتھ طبع ہوتیں۔

دیکھیے اب کس قدر آسانی کا زمانہ آگیا ہے کہ آپ ایک کتاب یا مضمون نثر یا نظم میں لکھیں

اور چند گھنٹے کے بعد اُسکو پبلک کے سامنے پیش کر دیجیے۔

آپ نے اپنے جسم کو بڑھانے کے لیے بہت سی باتیں ایجاد کی ہیں کہیں سینڈو سسٹم ہے کہیں ڈنڈ اور مگدر ہلاتے ہیں۔

لوگ مگدر ہلاتے ہیں تاکہ کلائی میں طاقت آئے اور بجائے ڈنڈ لگاتے ہیں تاکہ چھاتی بڑھ جائے۔ علی ہذ القیاس دوسری انگریزی ورزش۔

اسی طرح آپ اپنے دماغ کو اگر طاقتور اور قوی اور زبردست بنانا چاہتے ہیں تو آپ بڑے بڑے لوگوں کے مضامین دیکھا کریں اور اُن کی تصانیف سے آپ فائدہ اُٹھائیں اور اُن کے خیالات سے آپ مستفید ہوں۔

خاکسار

محمود الحق سہارنپوری

قوم کی خدمت میں اپیل

قطعہ

غنیمت ہیں اگلے زمانے کے لوگ ۔۔۔ نہیں اُن میں مطلق تن آسانیاں

نہیں تھکتے محنت سے ہرگز کبھی ۔۔۔ جو در پیش آجائیں دشواریاں

کوئی سیکھے انسے اخوت کا ڈھنگ ۔۔۔ کوئی سیکھ لے ان سے دانائیاں

انہیں کے ہے دم سے زمانہ میں فیض ۔۔۔ جہاں میں ہیں ان کی جہانبانیاں

دماغ ان کا روشن ہے دل ہے قوی ۔۔۔ یہ ممکن نہیں ہوں بدعنوانیاں

خیالات ان کے وسیع و رفیع ۔۔۔ زبردست ان کی خوش اخلاقیاں

بزرگوں کی برکت ہے اے رابعہ ۔۔۔ کہ ہر سمت ہیں نغمہ پردازیاں

چند روز تک متعدد اخبارات میں مولوی مشتاق حسین صاحب وقارالملک بہادر کے جھنڈ

سکرٹری کالج سے بوجہ اسکے کہ اُن کی صحت جسمانی اچھی نہیں ہی علیحدہ ہونے کے متعلق خبریں شائع ہوتی رہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ بھی افواہ تھی کہ آنریبل آفتاب احمد خاں صاحب اور نواب وقار الملک بہادر سے کسی کالج کے معاملہ میں کسی قدر شکر رنجی ہوگئی تھی اور یہی وجہ نواب صاحب موصوف کی دل شکنی اور علیحدگی کی بیان کی جاتی تھی۔ لیکن اس غلطی کا دفعیہ خود نواب صاحب موصوف کی اُس تحریر سے جو روزانہ پیسہ اخبار اور دوسرے اخباروں میں شائع ہوئی تھی بخوبی ہوگیا۔

اُس تحریر کا منشا یہ ہی کہ نواب صاحب اپنی صحت جسمانی کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس خدمت سے سُبک دوش ہونا چاہتے تھے۔ دوسری وجہ انگریزی کی عدم واقفیت کی بھی ظاہر کی گئی ہی۔ اور نیز انگریزی کی عدم واقفیت سے جو جو دقتیں عائد ہوتی رہی ہیں۔ اُن کا بھی اعادہ کیا ہے۔

مگر نواب مزمل اللہ خاں صاحب بہادر رئیس بھیکم پور جائنٹ سکرٹری کالج نے جن کی لیاقت وقابلیت کا اعتراف خود نواب صاحب موصوف نے کیا ہی۔ سردست نواب صاحب موصوف کو علیحدگی سے باز رکھا ہی اور وہ ذمہ داریاں جن کی وجہ سے نواب صاحب کو تکلیف وزحمت کا سامنا ہوتا تھا اپنے اوپر گوارا فرمائی ہیں۔

خدا کا شکر ہی کہ نواب مزمل اللہ خاں صاحب بہادر رئیس بھیکم پور کی اس قابل قدر کوشش سے کالج کو جو خدانخواستہ ایک اعلیٰ درجہ کے بیدار مغز اور تجربہ کار سرپرست سے محروم ہوجانے والا تھا اپنی موجودہ حالت پر قائم رکھا۔ قوم کو تہ دل سے نواب مزمل اللہ خانصاحب بہادر کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

اسکے بعد میں اجازت چاہتی ہوں کہ مجھے بھی اسکا حق عطا فرمایا جائے کہ آیندہ سکرٹری کالج کے متعلق اپنی ناچیز رائے پیش کرنے کی عزت حاصل کروں۔ اور اسی ضمن میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتی ہوں کہ نواب وقار الملک بہادر کا وجود کالج کے لیے کس قدر مغتنم اور نعمت غیر مترقبہ ہے

لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنی ناچیز رائے کا اظہار کروں مجھے اس قدر عرض کر دینے کی زیادہ ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ عہدۂ سکرٹری کالج کے لیے کس دل و دماغ اور تجربہ کار اور مادۂ انتظامی رکھنے والے افراد کی ضرورت ہے۔

لہذا اسکے متعلق میری یہ رائے ہے کہ دنیا میں بہت سی باتیں انسان کسبی طور سے حاصل کرتا ہے اور بہت سی باتیں اُسکو فطرت سے عطا ہوتی ہیں جس میں کسب کو کوئی مداخلت نہیں ہے۔ دل و دماغ اور خوش انتظامی اور انتظام کا سلیقہ حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا تاوقتیکہ قدرت کی جانب سے عطا نہ ہو۔

ایں سعادت بہ زور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ یا دیگر علوم میں محنت کرنے سے دسترس حاصل ہوسکتی ہے لیکن ہر ذی علم۔ ہر ڈگری یافتہ۔ صحیح دماغ اور صاحب رائے نہیں ہوسکتا۔ اور دماغ ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے دنیا میں اہم سے اہم اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات طے ہوسکتے اور سُلجھ سکتے ہیں۔

کالج کے بانی مبانی آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس آئی۔ کی طرف جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قابلیت اور لیاقت کے آدمی سیکڑوں ہزاروں بلکہ اس سے بھی زیادہ موجود ہیں جو گوشۂ گمنامی اور کس مپرسی میں پڑے ہوئے ہیں جنکے نام تک سے بھی کوئی واقف نہیں۔ پھر وہ کونسی چیز تھی جسنے سر سید کو مشہور اور شہرۂ آفاق کردیا۔ یہی دل و دماغ تھا جسکو انسان کسی محنت اور کسب سے حاصل کرنے میں مجبور رہے۔

کالج کا عہدۂ سکرٹری کوئی معمولی بات نہیں ہے ایسے اہم اور دشوار کاموں کا بیڑا اُٹھانا کسی معمولی دل و دماغ کے آدمی کا کام نہیں ہے جب تک وہ بہمہ صفات موصوف نہ ہو۔ سب سے پہلے تو دل و دماغ کی ضرورت ہے۔ اسکے بعد تجربہ کاری۔ جفاکشی۔ صبر و استقلال۔ قومی

سچی ہمدردی کی ضرورت ہی اور یہ سب اوصاف سرسید مرحوم میں باحسن الوجوہ موجود تھے
ابتدا ابتدا میں جو جو کاوشیں کالج کے متعلق سرسید کے سدراہ ہوئیں۔ اُن کو اُنکا ہی دل
خوب جانتا ہی۔ یا وہ لوگ خوب واقف ہیں جو اُنکے رفیق طریقت تھے۔ قوم نے کافر کہا
گالیاں دیں۔ کفر کے فتوے لگائے۔ مدتوں اخباروں میں مخالفت رہی لیکن اُس خدا
کے بندے نے سب کے کہنے کو دامن شکر یہ میں رکھ لیا۔ اور اُن کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا اور
اپنے کرنے کا کام کیے گئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی علی گڈھ کالج آج آفتاب نصف النہار
سے زیادہ عروج اور ترقی پر ہی۔ یہ باتیں بغیر جانسوزی اور استقلال اور ہمت کے حاصل
نہیں ہوسکتیں شعر

سونا کیا حرام تو قسمت جگائی ہے جب خاک ہوگئے ہیں تو اکسیر پائی ہے

اس تمام سمع خراشی کا نتیجہ یہ ہی کہ عہدہ سکرٹری کالج کے لیے سرسید جیسے دل و
دماغ کے آدمی کی ضرورت تھی اور سرسید کے بعد اُن لوگوں کی ضرورت ہی جنھوں نے سرسید
ہی کا سا دل و دماغ۔ استقلال اور ہمت۔ تجربہ پایا ہو۔ اور مدتوں سرسید کی آنکھیں
دیکھی ہوں۔ سرسید ہی کا سا خیال ہو۔

چنانچہ سرسید کے انتقال کے بعد ایسا ہی ہوا یعنی نواب محسن الملک بہادر سرسید کے
جانشین قرار پائے اور اُنھوں نے اپنی زندگی میں نمایاں ترقی کی۔ یہاں تک کہ دم واپسیں
تک وہ اپنی خدمت سے سبکدوش نہیں ہوئے۔

کالج کے عہدہ سکرٹری کے لیے جب تک کہ ملسکیں ایسے ہی افراد کی ضرورت ہی جنھوں نے
سرسید کی آنکھیں دیکھی ہوں اور اُنکا ہی سا دل و دماغ پایا ہو۔ اور اُسی شمع کے پروانے اور اُسی
چمن کے پھول ہوں۔ بقول مولانا حالی ؎

مجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور تصور میں میرے ایک انجمن ہے
سمجھتے ہو کہ ہوں کس باغ کا پھول جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے

نواب محسن الملک بہادر کے بعد نواب وقارالملک بہادر ہی سکرٹری کالج کے لیے موزوں تھے اور سرسید کی سی قریب قریب تمام خوبیاں اُن کی ذات بابرکات میں پائی جاتی ہیں۔ میری ناقص رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں کی عموماً اور علی گڈہ کالج کی خصوصاً بڑی بدنصیبی سمجھنا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ نواب وقارالملک بہادر اپنی زندگی میں اپنے عہدہ سے علیحدہ ہو جائیں۔

میں بہی خواہان اور ہمدردان قوم اور ٹرسٹیان کالج سے نہایت ادب کے ساتھ ملتجی ہوں کہ نواب وقارالملک کی علیحدگی قوم کی بدنصیبی سے تعبیر کرنا چاہیے۔ میں امید کرتی ہوں کہ سب متفق ہو کر اس میں کوشش فرمائینگے کہ نواب صاحب بھی اپنے جانشین کی طرح دم واپسیں تک کالج کی بہبودی اور درستی میں مصروفیت ظاہر فرما کر اجر عظیم اور ثواب دارین حاصل فرمائینگے۔

نواب صاحب کی لیاقت اور تجربہ کاری اور بڑی بڑی ذمہ داریوں کی خدمت پر ممتاز رہنے کے متعلق مجھے اس سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اُس سے سب اعلیٰ وادنیٰ واقف اور ماہر ہیں۔ سرکار عظمت مدار اور گورنمنٹ نظام میں جن بڑی بڑی خدمتوں کو آپ نے خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے اسکو کون نہیں جانتا قطع نظر اسکے یہ کتنی بڑی بات ہے کہ نواب وقارالملک بہادر خود ایک رئیس اور ذی ثروت آدمی ہیں۔ اور اس خدمت کی انجام دہی کے لیے دل و دماغ اور تجربہ ذاتی کے سوائے فارغ البالی کی سخت ضرورت ہے جو خدا کے فضل سے نواب صاحب موصوف میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

ان تمام وجوہات کے ہوتے ہوئے علی گڈہ کالج کے سکرٹری کے لیے نواب صاحب کی موجودگی میں کسی دوسرے کا انتخاب بے ضرورت ہے۔ اور نواب صاحب موصوف بھی جن ذمہ داریوں کی وجہ سے عہدہ سکرٹری سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے اُن ذمہ داریونکو

جبکہ نواب فضل اللہ خاں صاحب جائنٹ سکرٹری کالج نے اپنے اوپر گوارا فرمالیا ہے تو نواب صاحب موصوف کو بھی وہ عذر باقی نہیں رہا۔

اب رہی یہ بات کہ آیندہ عہدہ سکرٹری کے لیے کون صاحب زیادہ موزوں ہیں جن جن اصحاب کا نام لیا گیا ہے ان کی لیاقت اور قابلیت میں بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اسلیے کہ وہ سب صاحب لایق اور ذی علم اور تجربہ کار ہیں۔ لیکن بالفعل ان میں سے کسی کے انتخاب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں آیندہ وقت کے لیے جس کی نسبت اہل رائے اپنی رائے پیش کریں کوئی مناسب انتخاب ہوسکتا ہے۔ لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے اور خدا کرے کہ بہت دنوں تک وہ وقت نہ آئے کہ جس سے ہمارے کان اس صدا کے آشنا ہوں کہ نواب وقار الملک بہادر اب علی گڈہ کالج کے سکرٹری نہیں ہیں۔ مجھے اُن معزز صحاب کی قابلیت سے ہرگز انکار نہیں ہے۔ لیکن اس قدر ضرور عرض کرنا چاہتی ہوں۔ شعر

نے ہر کہ باغ ساخت بہ رضواں برابر است ۔۔۔ نے ہر کہ گنج داشت زپرویز گوی برد

اُن صاحبوں کا تجربہ نواب وقار الملک بہادر کے تجربے کے مقابلہ میں ہر طرح سے کم ہے اب آخر میں میں یہ بھی عرض کرنا چاہتی ہوں کہ جو کچھ مینے عرض کیا ہے یہ میری ذاتی رائے ہے عام اس سے کہ صحیح ہو یا غلط۔ ہر شخص کو ایسے معاملہ میں نیک نیتی اور ایمانداری سے اپنی رائے پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔ نہ میں مولوی مشتاق حسین صاحب کی طرفدار نہ اور کسی دوسرے کی مخالف۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے قومی خدمتوں کو اپنا فخر سمجھتی رہی ہوں گو مجھ سے کیا ہو سکتا ہے اور میں کیا کر سکتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قومی مضرت کے کام میں یہ غیر ممکن ہے کہ میں خاموش رہوں اور اپنی ناچیز رائے کا اظہار نہ کروں۔

نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے زمانۂ حیات میں اکثر لیم کے متعلق میری خط و کتابت

جاری رہی ہی۔ جسکا جواب اُنھوں نے اپنی عنایت سے ہمیشہ تشفی بخش مرحمت فرمایا۔ جسکا اثر اس وقت تک میرے دل پر ہی۔ اور ہمیشہ قایم رہیگا۔ گو نواب وقار الملک بہادر کی خدمت میں اس وقت تک مجھے خط وکتابت کے پیش کرنے کی عزت حاصل نہیں ہوئی ہی لیکن مجھے جس قدر کہ نواب صاحب موصوف کے متعلق علم تھا۔ بے کم وکاست بلا رو رعایت نیک نیتی کے ساتھ اظہار کر دیا ہی۔

میں اپنی سمع خراشی کی معافی چاہتی ہوں اور علی گڈہ کالج کی بہتری اور بہبودی اور نواب وقار الملک بہادر کی صحت جسمانی اور ترقی عمر کی دعا کرتی ہوں۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

رابعہ سلطان بیگم
از جٹبول اسٹیٹ

گردش زمانہ

ہمیں تو پستی ہی جیتے جی یہ گردش دوراں
نہ جانے کیا گذرتی ہوگی مُردوں پزار دنیں

گردش زمانہ بقول ایک فاضل مصنف کے یعنی کہنے کو تو دو لفظ اور ایک بات ہی لیکن جس قدر دلخراش اور قیامت خیز انقلاب اسکے آنے سے اس دنیا پر وارد ہوتے ہیں اُنکے لحاظ سے اسے کوئی ایسا نام دینا چاہیے تھا جسے کہتے وقت آنکھوں میں آنسو بھر آتے اور سُنتے وقت دل تڑپ اُٹھتا۔

دنیا میں ایکساں حالت بسر کرنے والے انسان خواہ غریب ہوں خواہ امیر۔ مفلس ہوں خواہ تونگر۔ حاکم ہوں خواہ محکوم گردش زمانہ کے نام سے واقف نہیں لیکن وہ انسان جسنے اپنی آنکھوں سے اپنی حالت کو بدلتے اور گردش زمانہ کو بلاے ناگہاں کی طرح سر پر

نازل ہوتے دیکھا ہی اس کی تعبیر پوری طرح بیان کرسکتا ہی۔
اسکے حال کو اُس یتیم بچے سے دریافت کرو جس نے آرام میں پرورش پائی اور آسایش میں عمر کا ایک مختصر سا حصہ کاٹا اور خوشی کی گود میں کھیل کر بڑا ہوا ماں جان نثار کرتی تھی باپ شکل دیکھکر جیتا تھا۔ رشتے دار عزیز پیروں تلے آنکھیں بچھاتے تھے کہ یکایک گردشِ زمانہ مرض طاعون کی صورت میں نمودار ہوئی۔ صبح کو باپ بیمار ہوا۔ رات کو ماں دوسرے دن دونوں خدا کے گھر پہنچنے کی تیاری کر رہے تھے بستر کے پاس پہنچا تو ماں کا دم نکل چکا تھا۔ دوسرے کمرے میں گھبراکر روتا ہوا آیا تو باپ کو جاں بلب پایا۔ آہ آنکھوں کی پتلیاں تک پھر چکی تھیں لیکن لختِ جگر کو دیکھکر دل نہ رہ سکا بے اختیار زبان سے یہ شعر نکلا اور غمخوار دیرینہ کا خاتمہ ہوگیا۔

نہ کرنا تم میرے مرنے کا ماتم چین سے رہنا بہت نازک طبیعت ہو تمھیں سمجھائے جاتے ہیں

بچے نے خوشی اور آسایش کے سوا کبھی تکلیف کو خواب میں بھی نہ دیکھا تھا گردشِ زمانہ کے اثر کو دیکھکر دیوانہ سا ہوگیا لیکن جب ہوش ٹھکانے ہوئے تو یہ دیکھ کر بالکل عقل ماری گئی۔ کہ وہی عزیز جو پیروں تلے آنکھیں بچھاتے اور جہاں پسینہ گرتا خون بہانے کو تیار رہتے تھے گردشِ زمانہ کے اثر سے ایسے ہوگئے ہیں کہ بلانا پیار کرنا تو رہا درکنار بات کا جواب تک دینے میں تکلف کر رہے ہیں۔

ہم ایسے ہوگئے اللہ اکبر اے تیری قدرت ہمارا نام سُنکر ہاتھ وہ کانوں پہ دھرتے ہیں

اس کی کیفیت اُس بدنصیب بی بی سے پوچھو جسنے عمر کا ایک خاصہ حصہ شوہر کے سایہ میں کاٹا۔ دنیا کی نعمت گھر میں موجود تھی اور جہان کی ساری خوشیاں خداوند کریم نے اسکے حصے میں کردی تھیں اور وہ بدنصیب سمجھتی تھی کہ مجھ سا دنیا میں کوئی نہیں ہی لیکن ہائے اس گردشِ زمانہ کا ستیاناس ہو یہ زبانِ حال سے کہہ رہی تھی۔

ذرا تو فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہی تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

شوہر ایک لمبی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ کاروبار سب بند ہوگیا۔ جو کچھ جمع پونجی تھی وہ بیماری میں لگنے لگی یہانتک کہ نہ دولت رہی نہ دولت والا رہا۔ اب اگر اس کی کوئی ذرا حالت پوچھے تو سوائے اسکے اور کیا سن سکتا ہے کہ ؎

اے گردش زماں ترا خانہ خراب ہو   رہتے ہیں ہم عذاب میں دن بھر تمام رات

یہ تو معمولی درجہ کے لوگوں کا ذکر ہے لیکن گردش زمانہ کے بے رحم ہاتھ حکمرانوں اور ملک کے والیوں پر بھی اپنا وار کاری طریقے سے کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کرتے بلکہ نسبتاً ان پر زیادہ تباہی لاتے ہیں۔

گردش زمانہ کے بے رحم اور دلخراش حملوں کو تاریخ ہند کے صفحات میں دیکھا جائے تو سینکڑوں تاجداروں کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نظر آئینگے۔ اسی نے ہمایوں کو کوہستانوں میں دربدر پھرایا اسی نے شاہ جہاں کو زنداں میں قید کیا۔ اور اسی نے دارا شکوہ کے گلے پر اپنا تیز خنجر اس بے رحمی سے پھیرا جس کی چمک دیکھکر دنیا کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اسی کمبخت کی آمد کا نتیجہ تھا کہ ابو ظفر بہادر شاہ تاجدار دہلی اپنی تخت گاہ سے قیدی ہوا اور باغی سمجھ کر پا بجولاں رنگون کو روانہ ہوا۔ جہاں قید خانے میں خاندان مغلیہ کے آخری چراغ کو گردش زمانہ کے بے رحم تھپیڑوں نے ایسے ایسے جھونکے دیئے کہ گل ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور آخر یہ کہتا ہوا جاں بحق تسلیم ہوا ؎

ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے   اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

یہ تو گردش زمانہ کی ان پُرکاریوں کا ذکر تھا جو وہ حضرت انسان کو اپنا آماج گاہ بنا کر اس کی جان پر کرتی ہے۔ لیکن سچ پوچھو تو بے جان اور بے زبان اشیا بھی اسکے پنجے سے محفوظ نہیں۔

ایک پھولے پھلے چمن کی طرف نگاہ کرو ہر رنگ کے پھول اور پتّوں سے آراستہ نظر آئیگا۔ ہرے ہرے پتّے۔ سرخ زرد سفید پھول اسکے لیے سامان آرائش ہونگے

وہ دلہن کی طرح سجا سجایا نظر آئیگا لیکن ہائے رو سیاہ ہو اس گردش زمانے کا
بے رحم ہاتھوں سے وہ بھی محفوظ نہیں یہ وہاں بھی خزاں کی صورت میں جا پہنچی
اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی ایسی کایا پلٹ کر دی کہ جسے دیکھکر چشم عبرت کھلی کی کھلی
رہجائے اور بے اختیار یہ شعر پڑھنے کو جی چاہے ہے۔

الٰہی فصل گل پر بھی خزاں کا حکم جاری ہے
چمن میں پھول پیدا کر تو نافرمان پیدا کر

رقیمہ
بنت حفیظ اللہ امرتسر

کعبہ

جون نمبر خاتون میں اس مضمون کا نصف حصہ چھپ چکا ہے۔ اسی سلسلہ کا باقی حصہ اب درج کیا جاتا ہے
ستمبر نمبر میں اسی عنوان سے سہر در دیہ صاحبہ کا جو مضمون درج کیا گیا ہے۔ وہ اس سے
بالکل جداگانہ مضمون ہے۔
اڈیٹر

کعبہ کو کئی وجہ سے بیت المقدس وغیرہ معابد اور مساجد پر تفضیل ہے۔

اول یہ کہ سب سے پہلے یہی گھر واسطے عبادت کے بنایا گیا چنانچہ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ سے واضح ہے یعنی اول گھر کہ بنایا گیا ہے واسطے آدمیوں کے تاکہ اسکی زیارت کریں اور اپنا معبد گردانیں وہ گھر ہے کہ مکہ میں واقع ہے۔

دوسرے یہ کہ یہودی بیت المقدس کو حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام سے نسبت دیتے ہیں اور یہ بیت بنایا ہوا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا ہے اور درجہ حضرت خلیل کا کثرت مناقب اور رفعت مراتب میں حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام سے

ارفع ہی۔ پس بنا بھی ان کی فضل ہے۔

تیسرے یہ کہ ایسا مبارک مقام ہی کہ کبھی طائف اور عاکف اور زائر وناظر سے خالی نہیں رہتا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ زمین کروی الشکل ہی۔ پس جو وقت اور آن زمین پر فرض کریں۔ ایک قوم کی صبح ہوئی ایک قوم کی ظہر۔ ایک کی عصر۔ ایک کی مغرب۔ اور ایک کی عشا۔ پس کعبہ کسی وقت توجہ نمازیوں سے خالی نہیں رہتا۔

چوتھے اس گھر میں ایسی نشانیاں موجود ہیں کہ ہرگز اور کہیں نہیں۔ بعض اس میں سے وہ ہیں کہ خاص کعبہ معظم سے علاقہ رکھتی ہیں۔ اور بعض وہ ہیں کہ برکت کعبہ سے حرم میں ظاہر ہیں۔ پس قسم پہلی دو طرح پر ہی ایک تو وہ کہ خواص وعوام پر ظاہر ہی۔ اور دوسری وہ کہ ارباب وحی ملک علام اور صحاب کشف اور الہام پر ظاہر ہی۔ قسم اول کی چند باتیں بیان کرتی ہوں۔

اول یہ کہ خار اور درخت اُس مکان کا نہیں کاٹتے۔ اور صید وہاں کا نہیں پکڑتے اور حرمت اس گھر کی بایں مرتبہ ہے کہ ہرگز پانی کا سیل حل سے حرم میں نہیں آتا۔ تاکہ خاک غیر حرم اُس میں نہ ملے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس اور امام شافعی کے نزدیک خاک اور سنگ حرم شریف حل میں لیجانا مکروہ ہے۔

دوسری یہ کہ پرندہ کسی قسم کا اُس پر نہیں بیٹھتا مگر شاذ و نادر۔ روایت صحیح ہی کہ جب کوئی طائر بیمار ہوتا ہی تو بالہام الٰہی اس گھر سے پناہ پکڑتا ہی اور اُس از الشفا سے دوا پاتا ہی۔ حتیٰ کہ صحت یاب ہو جاتا ہی۔

تیسری یہ کہ جب اُڑنے والے جانور صفیں باندھ کر مکہ معظمہ میں اُڑتے ہوئے آتے ہیں تو بیت الحرام کے مقابل آکر صف چھوڑ کر داہنے بائیں ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات بارہا تجربہ ہو چکی ہی۔

چوتھی یہ کہ جب کسی جبار گردن کش اور متکبر بے حیا نے اُس مکان کا قصد کیا تو

صدمۂ صولت جباری اور سطوت ہیبت قہاری حضرت باری نے گردن تجبر اور تکبر اُس کی توڑ دی چنانچہ قصہ ابرہہ اسپر دلیل ہے۔

پانچویں یہ کہ جو سخت اور سنگین دل خیرہ چشم تیرہ روزگار اس کی زیارت سے مشرف ہوا البتہ دل اُسکا نرم ہو گیا۔ اور دیدۂ دل سے اشکبار رہوا۔ بلکہ ایک جماعت نے قساوت قلبیہ سے انکار بھی کیا تھا اور بعد مشاہدہ کے مقر ہوئی۔ خاصہ یہ ہے کہ جو شخص وہاں گیا یا تو ہنسا یا رویا۔

چھٹی یہ کہ ہرگز کسی وقت زائرین سے خالی نہیں رہتا بلکہ سلف کے لوگوں نے مدتوں اسکا انتظار کیا تاکہ خلوت میں اپنا راز دل عرض کریں لیکن خالی نہ پایا۔ اگر انسان نہیں ملا تو سانپ ہی ملا کہ طواف میں مشغول تھا۔

ساتویں یہ کہ خاک کعبہ رشک آب حیات ہے اور ازالۂ امراض کی دوا۔

آٹھویں یہ کہ جانور تیز چنگال جانور ضعیف حال سے بلا تکلف ملتے ہیں۔ برہ اور گرگ ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔

نویں یہ کہ جو کوئی جانور شکاری حل میں کسی شکار پر ارادہ کرے اور وہ صید حرم میں بھاگ آئے تو شکاری واپس جاتا ہے۔ تفسیر حدادی میں لکھا ہے کہ ایک آیات بنیات سے یہ ہے کہ جانور زمین حرم سے پناہ پکڑتے ہیں۔ اور اگر کوئی اُنسے تعرض کرتا ہے تو حرم مکرم میں آکر استغاثہ کرتے ہیں اور اپنی داد کو پہنچ جاتے ہیں۔

دسویں یہ کہ آب زمزم سے استشفا امراض احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ گرسنہ سیر ہوتا ہے اور تشنہ سیراب۔ وہب ابن منبہ کہتا ہے کہ کتب سابقہ میں زمزم کی بہت تعریف لکھی ہے طعام طعیم و شفاے سقیم۔

گیارہویں یہ کہ ہر سال لاکھوں آدمی ستر ستر سنگریزے ایک موضع پر ڈالتے ہیں اور وہ موضع سیل آب و ہب ریاح بھی نہیں ہے مگر دوسرے برس اُس قدر

نہیں ملتے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ جسکا حج مقبول ہوا۔ جمراتؔ اُسکے آسمان پر اُٹھائے جاتے ہیں۔

بارھویں یہ ہی کہ رکن یمانی پر دو فرشتے معین ہیں کہ حاجیوں کی دعا کے امین ہیں

تیرھویں یہ کہ مقام ملتزم پر کہ یہاں در اور حجر کا نام ہی جو کوئی دعا کرے مقبول ہی اور اس اجابت دعا کے عجائبات ہیں۔ منجملہ اسکے یہ ہی کہ عبداللہ ابن زبیر نے حکومت حجاز اور بنی مصعب ابن زبیر نے تولیت عراق اور عبدالملک نے بادشاہی شام اور عراقین اور خراسان کی دعا مانگی قبول ہوئی۔

چودھویں تحت المیزاب محل اجابت دعا ہی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہی کہ اُنھوں نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں بہشت پر کھڑا تھا۔ صحابہ نے جب تجسس کی تو معلوم ہوا کہ تحت المیزاب پر استادہ تھے۔ اور عبداللہ ابن عباس اور عطا ابن ابی رجاج سے بھی اسی طرح کی حکایات منقول ہیں۔

پندرھویں مابین رکن اور مقام کے تا حجر اور زمزم ننانوے پیغمبر مدفون ہیں۔ بروایت ابن حمزہ اور بعضے تین سو بھی بیان کرتے ہیں۔ اور حضرت اسمعیل علیہ السلام بھی مابین میزاب اور باب غربی کے مدفون ہیں۔

سولھویں ہر روز بہشت کی خوشبو مکہ معظمہ میں نازل ہوتی ہی جسکا مشام زکام غش اور غل سے پاک ہی اُسکو استشمام نصیب ہے۔

سترھویں ایک نماز اُس مکان میں لاکھ نماز کے برابر ہی۔ روایت ہی حسن بصری سے کہ ایک روزہ وہاں رکھنا برابر لاکھ روزوں کے ہی۔ اور ایک درم للہ وہاں دینا برابر لاکھ درم کے ہی۔ اور حاکم نے ابن عباس سے نقل کیا ہی کہ ہر ایک نیکی وہاں کی لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہی کہ حج مقبول کے واسطے نہیں ہے مگر بہشت۔

لہ جمرہ یعنی کنکر۔

اٹھارہویں۔ قبلہ ہی تمام عالم کا فولوا وجوھکم شطرہ

اُنیسویں یہ ہی کہ ستر ہزار فرشتے کعبے کو اپنے بازوؤں سے صاف کرتے ہیں اور طائفین اور عاکفین کے لیے استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔

بیسویں یہ کہ حق تعالیٰ ہر روز اس بیت پر ایکسو بیس بار نظر رحمت کی کرتا ہی ساٹھ واسطے طائفین کے اور چالیس واسطے مصلین کے اور بیس واسطے ناظرین کے۔ حدیث شریف میں آیا ہی کہ النظر الی الکعبہ عبادۃ

اکیسویں ابن مردویہ اور اصبہانی اور دیلمی جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قیامت کے دن کعبہ کو دلہن بنا کے فرشتے میدان میں لائینگے اثناے راہ میں میری قبر پر گزرے گا اور کہے گا السلام علیک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور میں جواب دونگا وعلیکم السلام یا بیت اللہ میری امت نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا اور تو کیا سلوک کریگا۔ وہ جواب دیگا کہ یا رسول اللہ تیری امت سے جسنے میری زیارت کی ہی میں اسکا شفیع ہوں اُس کی طرف سے آپ خاطر جمع رکھیے۔ اور جو یہاں نہیں پہنچ سکا اُسکے واسطے آپ شفیع کافی ہیں۔ بالجملہ شرح فضائل اور محامد میں اس بیت کی قوت عاقلہ دنگ ہی۔ اور طوطی ناطقہ کی نغمہ سرائی بند۔

اہل عرفاں آیتہ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا کو یوں تاویل کرتے ہیں کہ پہلا گھر جو انسان کے مکہ میں واسطے منظوریت کے بنایا گیا خانۂ دل ہی۔ جیسا کعبۂ معظم قبلۂ عالمیاں ہی اسی طرح دل مبارک محل ایمان ہی۔ خانۂ گل زیارت گاہ ہے آدمیوں کا۔ اور خانۂ دل منظور نظر ہی رب عالمین کا۔ بیت ظاہر واسطہ ہی ہدایت انام کا۔ اور بیت باطن دریسہ ہی معرفت ملک علام کا۔

اور جو یہ ارشاد ہوا ہی فیہ آیات بینات مقام ابراھیم اس سے یہ مراد ہی کہ خانہ دل میں دلالتیں واضح ہیں کہ عقلا اسکو وحدانیت حق پر دلیل گردانتے ہیں اور انہیں

آیات سے ایک مقام ابراہیم ہی۔ پس محمد حکیم علی ترمذی فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم ہی ہی کہ نفس فرزند اور مال اپنا راہ رضای ذوالجلال میں بذل کیا۔ پس جس شخص نے کہ نظر اس موضع پر نہ ڈالی اور زیور صفا سے آراستہ نہ ہوا اُسکا سفر وسعی سب باطل ہے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم خُلت ہی جو کہ مقام خُلت میں پہنچا سب سے بے خوف ہوا۔

خلاصہ یہ ہی کہ جب کسی شخص نے باوصف ادب قدم اپنا مقام نیاز و خدمت میں رکھا آفات صوری ومعنوی سے محفوظ رہا۔

جبکہ سالک نے قدم صدق محبت کے رستہ میں رکھا تو دونوں جہان کے فتنہ و تکلیف سے بے خوف ہوا۔

کشف المحجوب میں مرقوم ہی کہ حرم کو اس واسطے حرم کہتے ہیں کہ اس میں مقام ابراہیم اور محل امن ہی۔ ابراہیم کے دو مقام ہیں ایک تن دوسرا دل۔ پس جو شخص قصد تن کا کرے افعال حج ادا کرے۔ اور جو کوئی عزم دل کا کرے آرام طلبی اور مداخلت کی خواہش نہ کرے۔ اور اغیار کو اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ پس مقام خُلت پر پہنچ گیا۔ اور اس مقام کا داخل ہونا موجب امن ہے۔

معمار باوقار یعنی حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو جب حکم کعبہ بنانے کا ہوا تو پہلے آپنے یہ دعا فرمائی رب اجعل هذا بلداً امناً یعنی اے میرے پروردگار بنادے تو اس صحرای لق ودق کو اس میں سوائے چند خانہ داروں کے اور کوئی نہیں رہتا ہی۔ ایک شہر آباد۔ تاکہ فائدہ اسکے بنانے کا حاصل ہو اسواسطے کہ اگر اسکے قریب کوئی شہر آباد نہ ہوگا تو طواف اسکا کون کریگا اور اعتکاف میں کون بیٹھے گا اور نماز کون پڑھے گا لیکن باامن ہو اسواسطے کہ ورنہ آفات سے شہر ویران ہو جاتا ہے۔

قطع نظر اسکے قافلے حاجیوں کے جو دور دراز سے آئینگے پہنچ نہ سکینگے۔ اور یہ صحرا

نہ قابل زراعت ہے نہ قابل گیاہ کہ اس میں مویشی اور آدمی بسر کر سکیں۔ اسواسطے اس مکان میں امن وافر چاہیے تاکہ تجار ہر طرف سے غلہ وغیرہ اجناس یہاں لاویں اور فروخت کریں کہ یہاں کے رہنے والوں پر روزی فراخ ہو۔ اور جو آدمی اس جگہ واسطے تحصیل ثواب دینی فوائد دنیوی کے آئیں خوف سے امین رہیں ورنہ اجتماع ممکن نہ ہوگا۔ بایں سبب کہ صورت خوف میں انسان گریز کرتا ہے اور دفع ضرر کو نفع حاصل کرنے پر مقدم جانتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ امن تو ہر مقام میں واجب ہے وجہ تخصیص اس کی کیا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہر چند امن ہر جگہ تمام روے زمین میں شرعاً واجب ہے اور تعرض بلا سبب جانی ہو یا مالی جائز نہیں۔ لیکن اس مکان کو خصوصیت ہے دوسرے مقام کو یہ خصوصیت نہیں ہے کیونکہ یہ قلعہ خاص بادشاہی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قلعہ سلطان کو بہ نسبت اور ممالک کے تخصیص ہوتی ہے۔ لہذا شکار کرنا وہاں حرام ہے۔

نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اگر کوئی شخص مرتکب کسی گناہ کا حرم محترم میں داخل ہو تو تعرض کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اسکو تنگ کرنا چاہیے کہ وہاں سے نکلجائے بعد اُسکے اسپر سزاے شرع جاری کیجائے۔

دوسری دعا یہ کی وارزق اھلہ من الثمرات یعنی اور دے اس شہر کے باشندوں کو طرح طرح کے میووں سے تاکہ باعث تکلیف دوسرے شہر میں نہ چلے جائیں۔

پس مجیب الدعوات نے اول دعا اس طرح قبول فرمائی کہ ہرگز کسی ظالم غریب آزار کا اس مکان جلیل الشان میں دسترس نہ ہوا۔ اگر کسی نے قصد کیا تو فی الفور ہلاکت نصیب ہوئی۔ چنانچہ قصہ اصحاب فیل اور حکایت متصرف ملعون نائب یزید اسپر دو گواہ ہیں۔ اور دوسری دعا اس طرح بھی قبول ہوئی کہ مصر وہند وسندہ اور فارس و بصرہ کے رہنے والوں کے دل اس طرف ایسے مائل ہوئے کہ طرح طرح کے غلے ومیوے کے جہاز بھر کر وہاں لاتے ہیں یہی سبب ہے کہ اس شہر میں ہمیشہ ہر ایک مقام کے تحائف وفواکہ دستیاب ہوتے ہیں“

رقمہ
ح - خ از کلکتہ

جاپان

دوسرا باب

جاپان کے لڑکے اور لڑکیاں

دنیا کے کسی ملک میں بچوں کا ایسا خوش گوار بچپن نہیں ہوتا جیسا کہ جاپان میں ہوتا ہی جاپان میں والدین اپنے بچوں کے عاشق زار ہوتے ہیں اور اپنی اولاد کے ساتھ بے انتہا اُنس و محبت کرتے ہیں۔ بچّے بھی ہمیشہ بہت خوش اطوار ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایسا کہدینا بادی النظر میں ایک بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بالکل سچ ہی اس میں سر مو مبالغہ نہیں۔

جاپان کے لڑکوں اور لڑکیوں کے عادات و اطوار نہایت پسندیدہ ہوتے ہیں اور وہ عمر رسیدہ مردوں اور عورتوں کی طرح بہت خاموشی کے ساتھ بلا کسی شور و فساد کے چپ چاپ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ابتدا ہی سے ان کی تعلیم و تربیت شروع ہوجاتی ہے جیسے ہی وہ کسی بات کے سمجھنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ جاپان کے شیر خوار نونہالوں کو اپنے جذبات کو دبانا اور طبیعت کو قابو میں رکھنا سکھایا جاتا ہی۔ اگر اس کی ننھی سی جان کو کسی قسم کی تکلیف و اذیت ہو اور رنج پہنچے تو اسکو رونے چیخنے چلاّنے اور موٗنھ بنانے کی مطلقاً اجازت نہیں۔ کیونکہ یہ حرکات دوسرے لوگوں کو ناگوار معلوم ہوسکتے ہیں۔ اگر کسی موقع پر اسکا ننھا سا دل باغ باغ ہوجائے اور اُسے انتہا درجہ کی خوشی حاصل ہو تو اسکو قہقہہ مار کر ھنسنے یا فرط شادمانی سے بیخود ہوکر ایسی ہی کوئی حرکت کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا گنوارپن ہی۔

اسلیے جاپان کے لڑکے اور لڑکیاں بہت خاموش، بہت سلیم الطبع، بہت بے شر،

بہت حلیم، بہت شایستہ، بہت مہذب اور بہت مودب ہوتی ہیں۔ جوں جوں ان کی عمر بڑھتی جاتی ہے۔ ان کی یہ تمام عادتیں بھی راسخ ہوتی جاتی ہیں۔ ان کو ہر بات اور ہر چیز کے لیے ہر کس وناکس کی ادب آمیز مسکراہٹ کے ساتھ تواضع کرنے کی عادت ہوتی ہے۔

کمسنی کے زمانہ میں مدرسے جانے کے پہلے ان کے لیے کھیل کود کی کثرت ہوتی ہے۔ خواہ قصبات ہوں یا بڑے بڑے شہر ہر جگہ گلیاں اور راستے ان کے کھیل کود کے میدان ہوتے ہیں۔ ان مقامات میں یہ گیند بلا کھیلتے ہیں، پتنگ اُڑاتے ہیں، انواع واقسام کے کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں۔

تقریباً ہر چھوٹی لڑکی اپنے شیر خوار بھائی یا بہن کو اپنی پیٹھ پر لادے رہتی ہے۔ جاپان میں بچوں کو گود میں لیے رہنے کا قاعدہ نہیں ہے۔ البتہ بڑے بڑے دولتمندوں کے ہاں کی انائیں اور دائیاں بچوں کو گود میں لیتی ہیں۔

عموماً بچہ اپنی ماں یا بہن کے کندھے سے ایک شال کے ذریعے بندھا ہوا ہوتا ہے اور یہ شال گویا اس ننھی سی جان کا پلنگ اور جھولا ہوتا ہے۔ چھوٹی لڑکیوں کا ان کے کھیل کود میں ان بچوں سے کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ وہ ادہر اُدھر برابر دوڑتی ہیں۔ گیند بلا کھیلتی ہیں۔ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ دوڑ دھوپ کرتی ہیں اور بچہ ان کے کندھوں پر ادھر اُدھر جھولتا رہتا ہے۔ اس کا ننھا سا سر ہچکولے کھاتا رہتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اب بچہ لُڑھکنے لگے گا۔ لیکن وہ خود تو نہایت مطمئن ہوتا ہے اور کبھی اپنی چھوٹی چھوٹی سیاہ تیز آنکھوں سے اپنے بھائی بہنوں کے کھیل کود کو دیکھتا رہتا ہے یا چپ چاپ بڑے مزے سے سوتا رہتا ہے۔

لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کے لباس کی وضع وشکل ایک سی ہوتی ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بچوں کا لباس بالکل اُن کے والدین کے لباس کی طرح ہوتا ہے۔ جاپان میں

بچوں کا کوئی خاص لباس نہیں ہوتا۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہی کہ پہننے والوں کے قدوقامت اور جسامت کا اس میں لحاظ رکھا جاتا ہے۔

لباس کا خاص جزو ایک ڈھیلا ڈھالا سایہ ہوتا ہے جسے **کی مونو** کہتے ہیں۔ بالائی کی مونو کے نیچے ایک اندرونی کی مونو بھی ہوتا ہے۔ یہ تمام لباس بیچ سے جسم پر کسا ہوا ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے ایک بڑا پٹکا استعمال کیا جاتا ہی جسکو **اوبی** کہتے ہیں۔ اوبی جاپانی عورتوں کی آرایش وزیبایش اور اُن کی شان وشوکت کی نمایش کا سامان ہوتا ہی۔

اگر کسی لڑکی کے والدین دولتمند ہیں تو اسکا پٹکا بڑے ہی زرق برق کا نہایت چمکدار ریشمی یا بیش قیمت زربفت یا بہت اعلیٰ مشجر کا ہوتا ہے۔ اگر کسی لڑکی کے والدین غریب ہیں تو وہ جہانتک اُن کے امکان میں ہوتا ہی اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنی لڑکی کے واسطے اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر ہی کوئی خوبصورت پٹکا مہیا کریں۔

اوبی کے بعد ایک جاپانی لڑکی کے لیے اس کے سیاہ بالوں کو زینت دینے والے زیورات مایہ نازش ہوتے ہیں۔ بالوں میں اُٹکانے کی عمدہ عمدہ سوئیاں جنکے سروں پر کچھوے کی ہڈی یا مونگا یا کوئی چمک دار چیز لگی ہوئی ہوتی ہی۔ اور جڑاؤ کنگھیاں جو بے انتہا خوبصورت ہوتی ہیں۔ یہی ان کے زیورات ہیں۔

لڑکوں کا پٹکا یعنی "اوبی" لڑکیوں کے پٹکے سے زیادہ کارآمد ہوتا ہے اور اس میں نمایش وطمطراق اور اظہار شان وشکوہ کا ایسا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ جب تک لڑکے بہت کمسن ہوتے ہیں ان کے لباس کا رنگ زرد ہوتا ہی۔ پانچ برس کی عمر سے لڑکوں کو ہاکاما پہنایا جاتا ہی اور اس وقت سے ان کی شان بھی بڑھجاتی ہی

ہاکاما ایک قسم کا پائجامہ ہوتا ہی جو ریشمی کپڑے سے بنایا جاتا ہی۔ جاپانی مرد اسکو اندرونی **کی مونو** کے عوض اپنی بالائی پوشاک کے نیچے پہنتے ہیں۔ پانچ برس کی عمر

ہیں ہر لڑکا مندر میں لیجایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بخیر و خوبی اس عمر تک پہنچنے پر دیوتاؤں کا شکر بجالاتا ہے۔

جب کوئی لڑکا پہلے پہل ہاما کا پہن کر گھر سے مندر کو روانہ ہوتا ہی اور اکڑ کر چلتا ہوا رستہ میں اپنے کی مونو کے نیچے اپنی نئی پوسشش کی سرسراہٹ سنتا ہی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی سمجھنے لگتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کا لڑکپن جو کل تک اس کے ساتھ تھا اب اس سے رخصت ہو چکا ہے۔

پیروں میں ایک قسم کے دبیز سفید رنگ کے جراب پہنے جاتے ہیں جنکو ٹیابی کہتے ہیں۔ پاتابوں کی نسبت یہ زیادہ تر دستانوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انگلیوں کے لیے بھی ان میں الگ الگ خانے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ٹیابی سے دو قسم کے کام لیے جاتے ہیں۔ گھر کے باہر یہ پاتابوں کا کام دیتے ہیں اور گھر کے اندر ان سے سلیپروں کا کام لیا جاتا ہے۔

جاپان میں گھر کے اندر جوتہ پہننے کا رواج نہیں ہے جب کوئی جاپانی باہر نکلتا ہی تو وہ لکڑی کے اونچے اونچے کھڑاؤں پہن لیتا ہی اور جب گھر پہنچتا ہی تو وہ اُن کھڑاؤں کو باہر دروازے ہی پر چھوڑ دیتا ہی۔ غرض گھر میں داخل ہونے کے وقت وہ صرف ٹیابی پہنے ہوتا ہی۔ اسکے اسباب بعد میں بیان ہونگے۔

جاپانی لباس میں جیب نہیں ہوتی۔ اگر کوئی چیز ساتھ رکھنے کی ہوتی ہی تو اُسے یا تو پٹکے میں اُڑس لیا جاتا ہی۔ یا کی مونو کی آستینوں میں ڈال لیا جاتا ہی۔ کی مونو کی آستینیں عموماً بڑی لمبی لمبی ہوتی ہیں۔ اس قسم کی چیزیں جو جیب میں رکھی جاتی ہیں وہ ان آستینوں میں بڑی آسانی سے سما جاتی ہیں۔

عمدہ عمدہ **کی مونو** اور قیمتی اوبی متمول جاپانیوں ہی کو نصیب ہوتے ہیں۔

غریبوں کو یہ میسر نہیں ہو سکتے۔ اسلیے ان کا لباس بہت سادہ ہوتا ہے۔

جاپان کے قلیوں اور مزدوروں کا جسم گرمی کے موسم میں قریب قریب ننگا رہتا ہے۔ اس زمانے میں وہ صرف ایک معمولی سوتی کپڑے کی چڈھی پہنے رہتے ہیں لیکن جہاں کہیں کو توالی کا کوئی جوان نظر آجاتا ہے تو فوراً نیلے رنگ کا سوتی کوٹ اپنے جسم پر ڈال لیتے ہیں۔ کیونکہ پولیس کو ان مزدوروں کے لباس پر نگرانی رکھنے کا سخت حکم ہے۔

ان مزدوروں کی بیویاں سوت کے کی مونو پہنتی ہیں۔ جاپان میں ایک مزدور اپنی بیوی سمیت صرف پینتالیس سن خرچ کرکے اپنے سر سے پاؤں تک قلی کی حیثیت سے ایک بہت اچھا لباس پہن سکتا ہے۔ پینتالیس سن کے ہمارے ہاں ایک روپیہ ساڑھے چھ آنے (عیصہ) ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک سن آدھ آنہ کا ہوتا ہے۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

مصری ماتم

ایک عیسائی لڑکی جو بیروت (ملک شام) کے مدرسۂ نسواں (بردسیانیہ) میں تعلیم پاتی ہے قاہرہ (مصر) میں آئی اور وہاں کچھ دنوں قیام کرکے مصر کی مسلمان عورت کی ماتم کی کیفیت نیز اُس کی جہالت کی حالت اور یہ کہ اس کی تعلیم میں کس قدر دشواریاں حائل ہیں ایک خط میں بہ تفصیل اُس نے اپنی ایک ہمسبق لڑکی کو لکھا۔ مصر کے رسالہ الہدایہ نے اس خط کو شائع کیا ہے ہم اسکا ترجمہ خاتون کے لیے کرتے ہیں۔

مترجم

میری پیاری بہن!

(اشتیاق وطن اور شوق ملاقات کے بعد لکھتی ہے) یہاں کی مسلمان عورتوں میں بعض توہمات ایسے شائع ہیں جنکی برائی کی وجہ سے آسمان اور زمین لرزتے ہیں۔ منجملہ انکے ایک توہم پرستی یہ ہی کہ یہاں آسیب کا چرچا بہت ہی۔ اکثر عورتوں کو بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ یہاں کے بھوتوں میں زار سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ جب کسی عورت پر آجاتا ہی تو متعدی مرض کی طرح گھر کی دوسری عورتیں بھی اس سے نہیں بچتیں۔ گھر بھر میں ایک آفت اور مصیبت آجاتی ہی۔

اس مصیبت میں اگرچہ مصر کی دونوں جماعت (مسلمان[۱] اور قبطی) شامل ہیں لیکن مسلمانوں میں قبطیوں سے بھی زیادہ یہ مرض عام ہی۔

میں نے ایک قبطی عورت سے سنا وہ بیان کرتی تھی کہ میرے دادا خواجہ شکراللہ کے یہاں ایک لونڈی تھی۔ ایک دن وہ آکر کہنے لگی کہ مجھ پر آج زار آگیا ہے۔ زار کے آنے کی علامت یہ مشہور ہے کہ جسپر وہ آتا ہی اسکا بدن بے حس ہو جاتا ہے۔ اگر سوئی وغیرہ اُس کے بدن میں چبھوئی جائے تو اُسکو کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسکے بدن میں سوئیاں چبھوئی گئیں۔ اُس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن میرے دادا اس قسم کے فریب کو خوب سمجھتے تھے اُنھوں نے چاقو لیکر جابجا اسکا چمڑہ کاٹنا شروع کیا۔ بالآخر وہ چلا اُٹھی کہ اب زار چلا گیا اور میں اچھی ہوگئی۔ اُس دن سے پھر کبھی اُسپر زار نہ آیا۔

ایک مسلمان خاتون نے بھی اپنی ایک حبشی لونڈی کا اسی طرح کا علاج کیا تھا جس سے وہ ہمیشہ کے لیے آسیب سے محفوظ ہوگئی۔

ایک دوسری مسلمان بی بی کا قصہ مشہور ہی کہ اُن پر زار آیا کرتا تھا۔ انکے شوہر نے کہا کہ یا تو میری ہو کے رہ یا زار کی۔ اگر اسی طرح زار آیا کریگا تو میں تجکو چھوڑ دوں گا۔

[۱] ملک مصر کی مردم شماری ایک کروڑ گیارہ لاکھ ہی جسمیں سے سات لاکھ قبطی اور ایک لاکھ اجنبی اور باقی مسلمان ہیں۔ مترجم

وہ بی بی طلاق کے خوف سے اس خلش سے ہمیشہ کے لیے اچھی ہوگئیں۔

میں نے سُنا ہی کہ زار جب کسی پر آتا ہی تو اسکا نظارہ بڑا دلچسپ ہوتا ہی لیکن مجھے افسوس ہی کہ میں اسکا تماشہ نہیں دیکھ سکی۔ کم تعلیم یافتہ گھرانوں میں اسکا عمل دخل بہت ہی۔ عورتیں اپنے فریب اور مکاری سے اپنے گھر کے مردوں کو اُنگلیوں پر نچاتی ہیں۔

میں نے یہاں آکر مسلمان عورتوں کے عجیب و غریب ماتم کا تماشا دیکھا جو اس سے بھی زیادہ جہالت اور حماقت آمیز ہی میں مناسب سمجھتی ہوں کہ اس کی دلچسپ کیفیت تم کو بھی سُناؤں۔

اسی محلہ کی ایک شریف گھرانے کی ایک نوجوان لڑکی قضا کر گئی۔ ایک بیٹا تین برس کا چھوڑا۔ میں یہ تو نہیں کہونگی کہ اسکے شوہر کے لیے۔ لیکن ہاں اس کی ماں کے لیے اس نوجوان لڑکی کا ماتم بہت سخت تھا۔ میں نے جب اس کی مصیبت زدہ ماں کو روتا ہوا دیکھا تو مجکو انجلینا یاد آگئیں جو مدرسہ آنسہ میں ہماری اُستانی تھیں کیونکہ اُن کی اور ان بوی کی شکل میں بہت مناسبت ہی۔ سن بھی قریب قریب وہی ہی۔

ماتم کی محفل چالیسویں تک ہر جمعرات کو ہوتی ہے۔ اس دن ظہر کے بعد سے رشتہ دار عورتوں کی سواریاں آنی شروع ہوتی ہیں اور شام تک آتی رہتی ہیں۔ میں انکے گھر ایک خاتون کے وسیلہ سے ماتم کے دن ظہر سے پہلے ہی تقریباً دس بجے پہنچ گئی۔ مکان کا صحن وسیع تھا۔ در و دیوار کے نقش و نگار سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ نہایت امیر اور دولتمند گھر ہے۔ لیکن آرایش کے سامان اُلٹ دیے گئے تھے۔ نہایت قیمتی فرش بھی اُلٹے پڑے تھے۔

بیگمات جو آتی تھیں وہ کُرسیوں اور مونڈھوں پر نہیں بیٹھتی تھیں۔ بلکہ اُنھیں اُلٹے فرشوں پر بیٹھ جاتی تھیں۔ بڑے بڑے آئینوں پر سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے۔

اور تصویروں کے چوکھٹوں پر بھی اسی طرح کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ جو عورتیں باہر سے آتی تھیں اُن کو میں نہایت غور سے دیکھتی تھی وہ سب کی سب اپنے زیورات اور آرایش کی چیزوں سے نہایت آراستہ پیراستہ ہوکر آتی تھیں۔ بعضوں کی بھوؤں پر سیاہ وسمہ اور رخساروں پر سُرخ گلگونہ بھی ہوتا تھا۔ اگر اُن کے لباسوں میں ایک سیاہ چادر نہ ہوتی تو میں یہ خیال کرتی کہ یہ کسی کی شادی کی مجلس میں آرہی ہیں نہ کہ سوگ کی محفل میں۔

ان عورتوں کے صرف چہرے نظر آتے تھے اور جسم سیاہ چادر میں چھپا ہوتا تھا ہاتھوں میں سیاہ رومال۔ سر پہ سربند بندھا ہوا۔ جسکو یہاں شلحہ کہتے ہیں۔ ان باریک شلحوں میں سے کان اور گلے کے زیورات نظر آتے تھے۔

یہ عورتیں صف بصف اسی اُلٹے فرش پر بیٹھ گئیں۔ خادماؤں نے قہوہ کی پیالیاں پیش کیں جنکو پینا تھا پی لیا۔

مرحومہ کی ماں ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ گھر کی اور عورتیں بھی اسکے آس پاس تھیں۔ جب بہت سا حصہ عورتوں کا آچکا تو اس بوڑھی عورت نے ماتم شروع کیا۔

وہ پہلے کھڑی ہوئی۔ ایک کاہی رنگ کی چادر اوڑھے ہوئی تھی۔ سیاہ اون کا باریک سربند ھنا جو سر پر سیاہ ریشم کی ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ اسکے گردن میں ایک سیاہ رومال تھا جسکے کنارے سُرخ تھے۔ اس رومال کے دونوں کنارے دونوں ہاتھوں سے تھامے۔ اور اُچکنا اور اُچھلنا شروع کیا۔ جو نہایت وحشیانہ فعل معلوم ہوتا تھا۔ اس اُچھلنے میں وہ اس رومال کو کبھی دائیں طرف کھینچتی تھی اور کبھی بائیں طرف۔ کبھی چھوڑ کر موںھ اور سر کو پیٹتی تھی۔

یہانتک کہ تھک جاتی تھی۔ پھر پانچ منٹ بیٹھ کر ذرا دم لے لیتی تھی اور اسکے بعد پھر

پھر اُٹھ کر وہی حرکت کرتی تھی۔

اسکے گھر کی دوسری عورتیں اور اُس کی خادمائیں وغیرہ بھی اسی قسم کا لباس پہنے ہوئی تہیں۔ اور وہ بھی اسکے ساتھ جو کچھ وہ کرتی تھی۔ کرتی جاتی تھیں۔

مجھ سے اس جگہ ایک بیوی نے بیان کیا کہ یہاں ماتم میں یہ بھی دستور ہے کہ عورتیں اپنے مونھ کو نیل سے سیاہ رنگ لیتی ہیں۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس ماتم میں اس قسم کی ناگوار صورتیں میں نے نہیں دیکھیں۔

مرحومہ کی ماں یہ سب حرکتیں چُپ چاپ نہیں کرتی تھی۔ بلکہ وہ اس قدر شور اور نوحہ کرتی تھی کہ زمین سر پر اُٹھا رکھی تھی۔ اس نوحہ میں اپنی بیٹی کے اوصاف۔ اخلاق حُسن و جمال وغیرہ کی بھی مدح کرتی تھی۔ مثلاً وہ یوں کہتی تھی۔

ہائے میری پیاری بیٹی۔ ہائے چھوٹے بچے کی ماں۔ تو ماں باپ کے دل کو زخمی کر گئی۔ ننھے کو یتیم چھوڑ گئی۔ اس کی بہار بھی نہ دیکھی۔ اے غیرتمند بیٹی۔ تجھسے سب راضی تھے۔ تیری نرم دلی کی۔ تیری خوش مذاقی کی دنیا میں تعریف ہے وغیرہ وغیرہ۔

جب اس قسم کی بہت کچھ باتیں بیان کر چکی اور تھک گئی تو ایک خاتون نے اسکے دامن کو پکڑ کر اُسے بٹھلا دیا۔ اُسکے بجاے اُس کی بڑی بیٹی نے اس کی قائم مقامی شروع کی۔ مونھ پر دوہتڑ مارنے شروع کیے اور اس قدر زور شور سے چلانا شروع کیا کہ مجھے ڈر ہوا کہیں اسکا حلق نہ پھٹ جائے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکے چہرے سے خون ٹپک جاتا ہے۔ آخر تھک کر وہ بھی بیٹھی۔

پھر تین عورتیں سیاہ جامہ پہنے ہوئے آئیں۔ اُنھوں نے نہایت دردناک راگ میں مرحومہ کے اوصاف گانے شروع کیے۔ اسکا اثر مجلس پر اس قدر ہوا کہ ہر طرف سے رونے اور سسکنے کی آواز آنے لگی تمام عورتوں کے آنسو جاری ہو گئے۔

یہ ماتم کا راگ گانے والی عورتیں بعض وقت اُچھل کر گھوم جاتی تھیں جسے میں ایک قسم کا ناچ کہونگی۔ جب یہ بھی اپنا کام ختم کر چکیں تو دوسری نوحہ گر کھڑی ہوئیں۔ اُنہوں نے بھی تھوڑی دیر نوحہ خوانی کی۔

بعدازاں ان نوحہ گروں نے اپنے ہاتھوں میں ڈفلے لیے (جنکو مصر میں بندر کہتے ہیں) اُن کو بجا کر غمناک گانا شروع کیا۔ ان ڈفلوں میں جھانجھ بھی لگے تھے جس سے نی الجملہ ایک خوشگوار آواز آتی تھی۔ تمام مہمان عورتیں اس وقت کھڑی ہوگئیں۔ اور اپنے مونھ پر ہلکے ہلکے طمانچے مارنے شروع کیے۔ بعض بعض نے ان میں سے اُچھلنا شروع کیا۔ انکے قدم زمین سے بالشتوں اونچے ہو جاتے تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے ساتھ ان کی آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا اور میں دل میں کہتی تھی کہ یا اللہ یہ عجیب سوگ ہے۔

آخر میں یہ منظر دیکھتے دیکھتے گھبرا گئی اور میں نے اپنی ساتھی سے کہا کہ خدا کے لیے اب یہاں سے چلو۔ چنانچہ اسی حالت میں ان کو چھوڑ کر ہم چلے آئے۔ یہی محفل سوگ چالیسویں تک ہر جمعرات کو ہوتی ہے۔

مجھ سے ایک عورت نے یہ بھی بیان کیا کہ صعید (ملک مصر) کے گانوں میں جب کوئی میت ہو جاتی ہے تو وہاں کی عورتیں باہر نکلتی ہیں۔ بستی کی گلیوں اور سڑکوں پر جھنڈ باندھکر سینہ کوبی کرتی مونھ پیٹتی ہوئی پھرتی ہیں۔ آگے آگے ایک نوحہ گر عورت ہوتی ہے جو تالیاں بجا کر نوحہ پڑھتی جاتی ہے۔ اور پیچھے سے عورتیں "یاہبو[1] یاہبو" زور زور سے چلاتی جاتی ہیں۔

پیاری بہن! یہ ہے مصر کے مسلمان عورتوں کی کیفیت جسکا ایک شمہ میں نے تم کو بتایا میں اس بُری اور وحشیانہ رسموں کا اتنا خیال نہیں کرتی کیونکہ جہالت کا لازمہ یہی ہے۔

---

[1] یاہبو ایک سریانی لفظ ہے جسکے معنی ہیں کہ ہم اللہ کے اس فعل سے خوش نہیں ہیں۔

البتہ میں اس امر میں زیادہ غور کرتی ہوں کہ مسلمان عورت کی یہ جہالت کس طرح دور ہو۔

مسلمان عورت کا یہ فرض ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے۔ جب تعلیم حاصل کرے گی تو وہ اپنے گھرانے کو نہیں بلکہ تمام امت کو اس قسم کی جہالت کی رسموں اور توہم پرستیوں سے نجات دلا سکے گی۔

لیکن پھر میں خیال کرتی ہوں کہ اس کی تعلیم کیونکر ہو۔ تاکہ وہ ان مضر رسومات کے گرداب اور نہایت پست اخلاقی حالت سے ترقی کر کے صحیح عورت کہلانے کی مستحق ہو۔

سب سے پہلی تدبیر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان عورتوں میں تعلیم عام کی جائے اور وہ پڑھنے کے لیے مجبور کی جائیں۔ لیکن جب ذرا زیادہ غور کرتی ہوں تو یہ امر ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ نہ تو اسکو مسلمانوں کی قوم کر سکتی ہے نہ حکومت۔

حکومت تو اس لیے نہیں کر سکتی کہ اس کے پاس اتنا فضول روپیہ کہاں ہے کہ اس کام میں خرچ کرے۔ اور مسلمانوں کی قوم اس لیے نہیں کر سکتی کہ ان میں استطاعت کم ہے۔ اور جو دولتمند ہیں وہ اپنی دولت کو اپنے ذاتی آرام و راحت کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ غیروں کے نفع کا اُن کو اتنا خیال نہیں۔

اچھا میں فرض کیے لیتی ہوں کہ سرمایہ بھی مہیا ہو گیا۔ لیکن بڑا مشکل سوال اُستانیوں کا ہے کہ وہ کہاں ملیں گی۔ مسلمان عورت کی تعلیم کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان اُستانیاں ہوں جو اسکو پڑھائیں۔ بغیر مسلمان اُستانیوں کے اس کی تعلیم ناممکن ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان اس بات کو گوارا نہ کرینگے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو یورپین یا دوسری قوم کی اُستانیوں کے سپرد کر دیں۔ تعلیم عام اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ وہ عوام الناس کی منشا کے مطابق ہو۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب اُستانیاں مسلمان ہوں۔ کیونکہ مسلمان دوسری

قوم کی اُستانیوں کو پسند نہیں کرتے۔

خواہ اس معاملہ میں وہ غلطی پر ہوں یا راستی پر لیکن یہ امر نہایت خطرناک ہو کہ قوم کی بیٹیاں دوسروں کے ہاتھوں میں دیدی جائیں۔

یہاں کے مدرسۂ سنیہ کی حالت جو معلمات کی تعلیم کے لیے ہو میں نے دریافت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں جس قدر لڑکیاں تعلیم کے لیے داخل ہوتی ہیں۔ ان میں سے صرف دس فیصدی اُستانیاں بنکر نکلتی ہیں۔ اور باقی اکثر تعلیم پوری کرنے سے پہلے ہی نکاح کی بیڑیوں میں جکڑ دی جاتی ہیں۔ کیونکہ مصری نوجوان تعلیم یافتہ عورت تلاش کرتا ہو۔ اس لیے اس مدرسے میں جو لڑکیاں تعلیم کے لیے آتی ہیں انکے واسطے چاروں طرف سے پیغام آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ اور اکثر تعلیم پوری کرنے سے پہلے ہی اُن کا نکاح ہوجاتا ہو۔ اس لیے اس مدرسہ کو بجائے اُستانی گر کے اگر میں عروس گر کہوں تو زیادہ موزوں ہو۔

جو دس فیصدی اُستانی بننے کے لیے باقی رہ جاتی ہیں۔ اکثر وہ ہوتی ہیں جو رَدّی ہوتی ہیں اور اُن کے جسمانی و ذہنی قویٰ کمزور ہوتے ہیں۔

ہائے بیچاری مسلمان عورت! اس کے لیے تعلیم کا کوئی وسیلہ نہیں۔ نہ تو اسکو حکومت تعلیم دلاتی ہے نہ قوم اور نہ اُستانی ملتی ہو۔

عورت خاندان کی روح ہو اور اسی سے جسمانی۔ اخلاقی۔ ذہنی اور طبعی قوتوں کا پیوند ہے اگر عورت جاہل ہو تو خاندان جاہل ہو۔

اچھا اب میں فرض کرتی ہوں کہ مسلمان مرد مسلمان عورت کو پڑھائے۔ یعنی باپ بیٹی کو۔ بھائی بہن کو۔ شوہر بی بی کو۔ لیکن یہ بھی ہر جگہ ممکن نہیں ہو۔ بعض گھرانوں میں ہو بھی جائے تو بھی قوم کا زیادہ حصہ جاہل رہیگا۔ کیونکہ مردوں کو اپنے دنیاوی کاروبار سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہو کہ وہ گھر میں بیٹھ کر ملاگیری کریں اور یہ دردسری اُٹھائیں۔

ہای مسکین مسلمان عورت! اس طریقہ سے بھی تیری تعلیم نہیں ہوسکتی۔

ہاں ایک صورت اور میری سمجھ میں آئی ہی۔ بڈھے علما،

لیکن یہ بھی ممکن نہیں۔ اسلیے کہ جس طرح ہمارے یہاں پادری ہر گھر میں مذہبی تعلیم او اخلاقی اور دینی مسائل کے سکھانے کے لیے بے مرد چلا جاتا ہی مسلمانوں کے یہاں بوجہ پردہ کے ایسا نہیں ہوسکتا۔ بڈھے علما، ہر گھر میں جاکر عورتوں کو مسئلے مسائل نہیں سکھلا سکتے۔

پیاری بہن! میں یہ نہیں جانتی کہ مسلمانوں کے یہاں مذہبی لحاظ سے یہ جائز ہی یا نہیں لیکن میرا دل یہ کہتا ہی کہ یہ بہت بڑی غفلت ہی کہ عورتیں علما سے دینی مسائل نہ سیکھیں اور مذہبی تعلیم نہ حاصل کریں۔

ہم نے مان لیا کہ علما خود گھروں میں نہیں جاسکتے تو کیا مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کو مسجدوں میں بھی جاکر مذہبی وعظ وتلقین سننا نہیں چاہیے۔ مسجد میں نہ جانے دیں تو کوئی ایسی جگہ بنائیں جہاں محلہ کی عورتیں جمع ہوں اور دوسرے تیسرے مذہبی پیشوا اُن کو مذہبی مسائل بتائے اور اخلاقی وروحانی وعظ وپند کرے۔

میں نے ایک دن ایک جمعہ مسجد میں دیکھا کہ عورتیں مسجد کے ایک بالکل الگ حصہ میں ہیں اور خطیب مردوں کے مجمع میں وعظ کہہ رہا ہی۔ غریب عورتوں تک وہ آواز بھی نہیں پہنچتی تھی۔

خدا رحم کرے ان بیکس عورتوں پر۔ کیا ان کو مذہبی واقفیت۔ اخلاقی اور روحانی تعلیم کی ضرورت نہیں ہی۔ یا صرف مرد ہی اس وعظ وتلقین کے حقدار ہیں۔

بیکس مسلمان عورت کے لیے مذہبی تعلیم کا دروازہ بھی بند ہے۔

مسلمانوں کے مذہبی حکم کی رو سے مردوں اور عورتوں کا باہم میل جول ٹھیک نہیں ہی۔ نہ عورتوں کی محفل میں مرد شریک ہوتے ہیں نہ مردوں کی محفل میں عورتیں جاتی ہیں۔ لیکن مجھے یہ یقین ہی کہ اگر مسلمان مرد اس وحشیانہ جہالت کو اچھی طرح دیکھیں جو یہاں کی عورتیں شادی

اور ماتم کی رسموں میں کرتی ہیں اور زار کی مضحکہ انگیز اور پُر فریب توہم پرستی پر غور کریں تو اُن کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ تبادلہ خیالات کی عورتوں کو بیحد ضرورت ہی اور بالخصوص مذہبی علمار کے وعظ و پند و نصایح انکے لیے نہایت مفید ہیں تاکہ اس قسم کی جہالت اور وحشت میں وہ گرفتار نہ رہیں۔ ادیب سے وہ ادب کی باتیں سیکھیں گی اور طبیب صحت جسمانی کے قواعد اور حفظ ماتقدم کے اصول بتائے گا۔

عورت کی طبیعت میں ایک فطرتی غیرت موجود ہی کہ وہ اپنے آپ کو ایسی حالت میں رکھنا چاہتی ہی کہ اسکے کسی کام پر کیسکو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ پس اگر تبادلہ خیالات کا اسکو موقع دیا جائے تو وہ بہت جلد بُری اور نکتہ چینی کے قابل باتوں کو چھوڑ دیگی اور اچھی باتوں کو اختیار کریگی۔ اور یہی قومی ترقی کی جڑ ہی۔ اور یہی بات مسلمانوں کے تمدن میں مفقود ہی۔ اور اسکا تمام نقصان مسلمان عورت کو اُٹھانا پڑا ہی۔ بہن! ذرا دیکھو کس طرح ہماری بیکس بہن مسلمان عورت کے چاروں طرف سے تعلیم کا دروازہ بند کر دیا گیا ہی۔

مترجم
ا - ج

ایک سوال کا جواب

پیاری سلمہ۔ تمہارا خط آیا۔ تیزی شوخی شرارت بات بات پر ضد حرف حرف پر اعتراض ہندی کی چندی۔ غرضکہ تمہاری تمام حرکتیں یاد آگئیں۔ ابھی تک تم نے اپنی وضع کو نہیں چھوڑا۔ میں سمجھتی تھی کہ ہماری مدرسہ کی زندگی اور موجودہ زندگی میں فرق آجائیگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حالات کا اثر طبیعت پر پڑتا ہی اور اس سے مزاج میں تبدیلی ہوتی ہی یا بالفاظ دیگر جو باتیں ہم پہلے نہ جانتے تھے وہ جان جاتے ہیں جن باتوں کا تجربہ نہیں ہوتا وہ پیش آکر ہم کو بتاتی ہیں کہ تمہارے خیالات ابھی بہت زیادہ اصلاح کے حاجتمند ہیں جن باتوں کو تم اچھا سمجھتے تھے وہ اچھی نہیں۔

اور جن معاملات کو تم بُرائی کی طرف نسبت دیتے تھے وہ نفس الامر میں بُرے نہیں۔
مگر پیاری سلمہ۔ تمہارے خط نے ان تمام واقعات کو منقلب کر دیا اور سمجھا دیا کہ بعض انسان ایسے بھی ہیں جنکو تجربہ سے عقل نہیں آتی۔ تم پوچھتی ہو السلامۃ فی الوحدۃ کا کیا مطلب ہے۔ مجھے بڑی ہنسی آتی ہے جب میں تمہارے سوال پر غور کرتی ہوں اور اُس مطلب کو ذہن نشین کرتی ہوں جو سوال کرتے وقت تمہارے دل میں تھا۔ چونکہ تم نے سوال کا صرف ایک ہی موضوع رکھا ہے اسلیے جواب میں بھی اسکا لحاظ رکھا جائیگا۔
تمہارا مطلب مسئلہ ازدواج پر بحث کرنا ہے۔ جسکا ضمنی طور پر اپنے خط میں تم نے اشارہ بھی کیا ہے اول میں وہ فقرے نکھتی ہوں جو تم نے لکھے ہیں بعدہ جواب دونگی۔
بزرگ کہتے ہیں "ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را" جو کیفیت تنہائی میں نصیب ہوتی ہے وہ کسی بات میں نہیں السلامۃ فی الوحدۃ اسی میں سلامتی ہے کہ انسان ترک علائق کرے۔ آج بچوں کی پریشانی ہے کل خاوند کی بے عنوانی سے نالاں ہے مفلسی الگ ستاتی ہے مصیبت پر مصیبت یہ کہ خاوند سے ناچاقی ہوئے پر سو دُرّے اُنھوں نے سمجھ لیا الرجال قوامون علی النساء حدیث ہے فرمان رسول ہے یوں بھی ماننا فرض ہے کوئی مرے یا جیے۔ بس میرے نزدیک تو ان معاملات سے بہتر ہے کہ نہ اس قصے میں پھنسے نہ یہ قضیے ہوں۔
سلمہ تم نے اپنے خیال کو ظاہر کر دیا اور بادی النظر میں جو کچھ تم نے لکھا ہے سچ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن شاید تم نے یہ نہ سمجھا ہوگا کہ یہ اصول تمہارا تمہارے مذہب سے کسی قدر علیحدہ ہے اہا میں بھولتی ہوں تم نے مذہبی طور سے سوال نہیں کیا ہے۔
اچھا سنو السلامۃ فی الوحدۃ سے وحدۃ جسمی مراد نہیں بلکہ اسکا یہ مطلب ہے کہ کثرت سے لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک نہ کیا کرو۔ فرقہ نسوانی کا قاعدہ ہے کہ اپنے دُکھ کو دنیا کے سامنے روتی پھرتی ہیں۔ چونکہ اس سے ہر قسم کا نقصان متصور ہے اور اہل فہم کے نزدیک یہ بات بہتر نہیں

اسلیے بتایا گیا کہ السلامۃ فی الوحدہ۔ دوسرا تازیانہ نصیحت یہ ہی کہ کثرت سے معاملات میں خلا ملا نہ رکھو تعاملو کالاغیار پر عمل کرو۔ ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔

اسی طرح اور بہت سی توجیہات پیدا ہو سکتی ہیں جنکا لکھنا طول امل ہی۔ غرضکہ جو مطلب تمھارے ذہن میں ہی وہ اسکے مفہوم سے کوسوں دور ہی۔

سلمہ! تم نے اپنی تحریر میں سب سے بڑی غلطی یہ کی ہی کہ تم نے اپنے دعوے کے اثبات میں تمام اقوال اور مثالیں غیر مسلم طبقہ کی دی ہیں۔ اگرچہ تمھارا سوال مذہبی سوال نہیں تاہم یہ نہایت بُری بات ہی کہ اپنے بزرگوں اور فلاسفروں کے ہوتے ہوئے ہم دوسرے لوگوں سے مطالب اخذ کریں تم جانتی ہو کہ ہر شخص اپنے مطلب کی تمثیل اور اقوال تلاش کر لیتا ہی دیکھنا یہ ہوتا ہی کہ وہ اقوال اُن لوگوں کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں جنکو دنیا تسلیم کرے یا اسکے خلاف جس طور سے تم نے اپنے دعوے کے ثبوت میں مثالیں دی ہیں۔ میں بھی دے سکتی ہوں۔ لیکن میں غیر مسلم طبقہ کے علما کو پیش نہ کروں گی۔ حالانکہ میری فیور میں بہت سے یورپین فلاسفر ہیں۔ ہمیں ڈارون اور بیکن کے کلیوں کو اُسوقت دیکھنا چاہیے جب کوئی مثال اسلامی طبقہ کی ہاتھ نہ آئے۔

میں شہنشاہ بحر و بر فخر دو عالم روحی فداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثال میں پیش کرتی ہوں جنھیں بہت زیادہ وحدت سے کثرت کی طرف منتقل ہو کر فائدے محسوس ہوئے۔ زمانہ وحی کی کیفیت معلوم کرنے سے سمجھ میں آتا ہی کہ آپ کس قدر اپنی پیش آمدہ حالت سے اندیشناک ہو گئے تھے (بروایت بخاری) آپنے اندیشہ ظاہر کیا کہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ لیکن بی بی خدیجہ نے اطمینان دلایا کہ خدا آپ جیسے لوگوں کو ہلاک نہیں کرتا۔ جو مساکینوں کو کھانا دیتے ہیں اور ضرورت مندوں کی ضرورت رفع کرتے ہیں۔ بیشک آپ رسول تھے اور بار رسالت آپ پر ڈالا جانے والا تھا لیکن گھبراہٹ کی حالت میں تسکین دینے والا وجود بی بی صاحبہؓ ہی کا تھا۔

جنگ یرموک میں مفرورین کو یہ کہکر دکہ اگر تم بھاگو گے تو ہم جو تمھاری ناموس ہیں کیا کرینگے

اور کہاں جائینگے) جنگ پر آمادہ کرنا ان کی خاتونوں ہی کا کام تھا۔

جس طرح مرد کی زندگی بلا عورت کے مشکل سے گزرتی ہے اسی طرح عورت کی زندگی بلا مرد کے ادھوری اور ناقص رہ جاتی ہے۔ مذہب اور ایزاد نسل کے فائدہ سے قطع نظر کرکے بھی جب تم غور کروگی تو تم کو ہویدا ہو جائیگا کہ عورت کا بہتر رفیق مرد ہے جس سے اُسکے تمام غم غلط ہو جاتے ہیں۔ اسکی تمام خوبیاں اُسوقت تک زنگ آلودہیں جب تک وہ شوہر دار نہ ہو جائے۔ رہا مذہب اور اُس سے قطع نظر کرنا۔ تو بہن ہم سے تو ہو نہیں سکتا۔ تم اسے اچھا سمجھو تو سمجھو۔ میرے خیال میں تو خواہ کوئی فرقہ کیوں نہو بلا اصُول مذہب اختیار کیے ہوئے ترقی نہیں کرسکتا۔ میں سچ کہتی ہوں کہ جب تک عورتوں کو مسئلہ تعلیم مذہبی پر خاص طور سے توجہ نہ دلائی جائیگی ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ اسلیے کہ جس طور سے عورت بلحاظ مزاج کے مردوں کی بنسبت ضعیف دل تلون مزاج اور کمزور طبع ہے اسی طرح خیالات اور مذہب کی بنا پر وہ کمزور بنائی گئی ہے۔ لوگ معاملات جہانداری میں عورتوں کی مثالیں پیش کرکے اُن کی اس کمزوری طبع کے دھبہ کو مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن کوئی نہ کوئی ایسی خرابی معاملات میں مضمر ہوتی ہے کہ زیادہ روشنی ڈالتے ہوئے جی گھبراتا ہے۔

عورات من حیث العورات تدبیر سے اس قدر واقف نہیں ہیں جسقدر مرد۔ بلکہ اگر واقعیت کا خیال کیا جائے۔ تو اس صفت کا اُن میں پتہ بھی نہ ملے گا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تمام حکمراں فرقہ عورات اصُول وضوابط کے مطابق خود فیصلہ کرتی تھیں۔

قیصرۂ ہند کا تدبر مشہور ہے لیکن وہاں بھی کونسل (احتیاج غیر) کا وجود ہے۔ اگر تمہاری مذہبی تعلیم مکمل ہوتی تو آج یہ سوال تم ہرگز نہ کرتیں جو مذہب کے کانٹے میں ہے کیا عقل کی کسوٹی پر بھی سچا نہیں اُتر سکتا۔ لیکن جہاں تمہارے اعتراضات کا ایک حصہ لاطائل ہے۔ وہاں ایک حصہ صحیح بھی ضرور ہے جسکو شمار نہ کرنا سخت ناانصافی ہوگی۔

میاں بیوی کی زندگی عمدہ طور سے اتفاق سے بسر ہوتی ہے اور اتفاق جبھی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں رنگ مزاج وخیالات میں متحد ہوں بصورت دیگر اخلاص محال ہے۔ زمانہ کا رنگ سبق دے

رہا ہے۔ حالات پیش آمدہ سے لوگ سمجھتے جاتے ہیں کہ کس بات میں ہماری بھلائی ہے۔ بچپن کی شادی نارضامندی کی شادی کے نتائج سے واقفیت ہوتی جاتی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اصلاح پسند لوگوں کو بیدین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ لوگ دیندار سمجھے جانے کے علاوہ ہردلعزیز ہوتے جاتے ہیں۔

بچپن کی شادی کی نسبت سرسری طور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم سخت نقصان دہ ہے لطف یہ کہ اگر کبھی تمہاری گفتگو کسی بڑی بوڑھی سے (جو جاہلیت عرب کے سے خیالات رکھتی ہو) ہوجائے اور اسکے سامنے تم یہ تجویز پیش کرو تو وہ کس زور شور سے تمہاری تردید کرتی ہے۔ صوبہ بہار میں ابھی تک مسلمانوں میں پُرانے طریق رائج ہیں۔ گونا منڈھا الم غلّم جنکے نام بھی مجھے معلوم نہیں۔ سُنتے ہیں کہ آیندہ سال کانفرنس کا اجلاس صوبہ بہار میں ہوگا۔ دیکھیے کیا اثر ہوتا ہے

غرض کوئی کچھ کیوں نہ کہے۔ میں تو زور سے کہونگی کہ طریقہ ازدواج اور مناکحت بیشک ترمیم طلب ہے۔ اور جب تک اُس پاک تعلیم رسول کا اصل منشا **ایجاب و قبول** قلبی طور پر پورا نہ کیا جائیگا یہی خرابیاں آئے دن پڑتی رہیں گی۔

اسکے متعلق لیڈران قوم سے میں تم دونوں اپیل کر سکتے ہیں جسکا علاج کرنا اُن کا فرض ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں آیندہ نسلوں میں مذہبی طور پر بوجہ عدم **ایجاب و قبول** حقیقی خرابیاں نہ پیدا ہوجائیں۔

اب دیکھنا ہے کہ کون بدنامیوں اور سب و شتم کی بوچھار قبول کرکے اس مروجہ ایجاب وقبول کے خلاف میرے ہم آہنگ ہوکر تائید ثانی کرتا ہے۔

رقیمہ
تمہاری عائشہ

بقلم مقبول احمد نظامی سیوہاروی

بچپن کی نسبت کا ایک عبرتناک نظارہ

اُن کی نظروں میں میرے دل کی حقیقت کیا ہے
ایک مٹی کا کھلونا تھا گرا ٹوٹ گیا

شاید رفیق گھر میں کبھی خوش رہتا ہوگا۔ عباسہ ہمیشہ اس بات کی آرزومند رہی کہ وہ رفیق کو خوش رکھے۔ وہ چاہتی تھی کہ رفیق اسکے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ رفیق اُسکے درد دل کو دیکھے۔ اس کی دلی تکلیفوں پر خیال کرے مگر یہ غیر ممکن تھا۔ رفیق بہت بدمزاج ہے اور اسکے ساتھ سنگدل بھی ہے۔ ہفتے گزر جاتے ہیں مگر وہ ستم نصیب عباسہ کو اپنی شکل نہیں دکھاتا۔ جب کبھی گھر میں آیا بھی تو بالکل خاموش۔ وہ اکثر اس بات کی تحریک کراتا تھا کہ عباسہ سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ مگر اسکا سبب نہیں کھلتا تھا کہ کیوں۔

وہ عباسہ جو صرف ایک رفیق کی خوشی پر اپنی دلی آرزوں کو وابستہ کر چکی تھی۔ وہ عباسہ جو رفیق کو غمگین دیکھ کر خود بھی ملول ہو جاتی تھی کیا وہی رفیق ہے۔ جو اسکے ساتھ ایسا سلوک کرنے پر آمادہ ہے۔ مگر اس نااتفاقی کا بڑا سبب یہ ہے۔ رفیق اور عباسہ آپس میں خالہ زاد بھائی بہن تھے۔ رفیق کی والدہ عباسہ کو بہت عزیز سمجھتی تھیں۔ عباسہ بھی اپنے والدین کی صرف ایک ہی لڑکی تھی۔ بچپن میں دونوں ایک دوسرے کو دل سے چاہتے تھے۔ وہ تباہ کرنے والی رسم جسکا رواج ہندوستان میں کثرت سے ہے۔ یعنی رفیق اور عباسہ آپس میں ایک دوسرے کو منسوب کر دیے گئے۔ بچپن کی منگنی جبکہ دونوں اسکے معنی بھی اچھی طرح نہ سمجھتے تھے۔ زندگی میں انقلاب پیدا کرنیکے لیے کافی ہوگی۔

یہ منگنی کس کے دل سے ہوئی؟ رفیق اور عباسہ کے والدین کے دل سے۔ اگر ہمیں کچھ بھی شبہ نہیں۔ رفیق اسوقت اس سے خوش ضرور تھا۔ جب اسکے کانوں میں یہ خبر پہنچی کہ آج عباسہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہوگئی (منگنی جسکو نکاح سے کم کہنا بیجا نہ ہوگا) دونوں ایک دوسرے کو منسوب ہوگئے تو اس خیال کے لانے سے رفیق بہت خوش ہوتا تھا۔

یہ ضرور ہی کہ وہ اسوقت تجربہ کار تھا۔ مگر ہاں وہ یہ جانتا کہ آج سے۔ اسکے اور عباسہ کے درمیان ایک نیا رشتہ قایم ہوگیا۔ جیسے اُس وقت اسے کوئی مخالفت نہ تھی۔

قبل اسکے کہ عباسہ کی مصیبت لکھی جائے۔ تھوڑا سا حال رفیق کا لکھنا بیجا نہ ہوگا۔

یہ تو ظاہر بات تھی کہ رفیق اور عباسہ دونوں ایک دوسرے کو دل سے پسند کرتے تھے۔ مگر بچپن کا زمانہ نکلنے کے بعد رفیق ایک اسکول میں تعلیم پانے لگا اور عباسہ پرائیویٹ طور پر تعلیم حاصل کرنے لگی۔ مگر رسم کے مطابق عباسہ اور رفیق میں پردہ قائم ہوگیا۔ وہ میل جول بالکل جاتا رہا۔ جو بچپن کی آزاد زندگی میں دونوں کو حاصل تھا۔

عباسہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک خوبصورت لڑکی ہی۔ وہ حُسن جو ہندوستانی ناکتخدا لڑکی کے لیے چاہیے اس میں پورے طور سے موجود ہی۔ رفیق بھی ایک حسین لڑکا ہی۔ تعلیم حاصل کرنیکے بعد رفیق ایک معزز گورنمنٹی عہدہ پر کانپور میں ممتاز ہوگیا۔ اسکی عمر اسوقت بائیس سال کی ہی۔ عباسہ کو انیسواں سال ہی۔ تعلیم پانے کے بعد رفیق ایک فیشن ایبل نوجوان بنگیا۔ اسکے خیالات میں بہت بڑا انقلاب ہوگیا۔ بدنصیب عباسہ کی قسمت کی طرح رفیق کے خیالات بالکل پلٹ گئے۔ وہ عباسہ سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی کو پسند کرنے لگا۔

مگر یہ راز رفیق کے دل میں پوشیدہ تھا۔ کاش رفیق موہنھ کھول کر صاف کہدیتا۔ لیکن ہونے والی بات پوری ہوکر رہی۔ دونوں جانب سے شادی کے انتظام ہونے لگے۔ مگر رفیق اب وہ رفیق نہیں رہا۔ وہ تو آزاد جنٹلمین ہوگیا۔ رفیق کے خیالات بدلنے کے لیے کانپور کے ایک مشہور خاندان کی لڑکی مل گئی۔ یہ رشتہ اسکے ایک دوست کی مدد سے پورا قایم ہوگیا۔

اب اس نے ارادہ کیا کہ عباسہ کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردے وہ یقینی جانتا تھا اسکے والدین اسکے انکار کو نہ چلنے دینگے۔ کیونکہ اُنہیں رفیق کے لیے عباسہ سے زیادہ اچھی اور کون لڑکی ہوسکتی تھی۔ مگر پھر بھی رفیق نے اپنی ماں کو اس مضمون کا خط لکھا۔ کہ ”میں اسوقت تک شادی کرنا نہیں چاہتا جب تک کہ خود اخراجات برداشت نہ کرسکوں“

چونکہ رفیق کو اسکے والدین آزاد خیال سمجھتے تھے۔ اسکا یہ کہنا بھی اسی پر محمول کیا گیا۔ رفیق کے والدین بہت متمول آدمی ہیں۔ اُنہیں روپیہ پیسے کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ اس نے صرف بہلانے کے طریق پر یہ الفاظ لکھے تھے۔ اس معاملہ میں رفیق ضرور قصوروار ہے کیونکہ جب وہ عباسہ کی نسبت ایسے خیالات رکھتا تھا تو صاف طور پر ظاہر کر دیتا۔ ممکن ہے کہ کل حالات کے انکشاف پر بدنصیب عباسہ ایسے موذی کے چنگل سے آزاد ہو جاتی۔ وہ یقینی جانتا تھا کہ عباسہ ساری عمر اس مصیبت کو برداشت کریگی پھر اس معاملہ میں رفیق قصوروار نہیں تو کون ہے۔ لیکن رفیق نے صرف اس وجہ سے اپنے پورے خیالات ظاہر نہیں کیے کہ جب وہ اپنے اس قسم کے خیالات عباسہ کی نسبت ظاہر کریگا تو وہ اپنے والدین کی ساری دولت سے عمر بھر کو محروم ہو جائیگا وہ یقیناً جانتا تھا کہ اسکے والدین اس معاملہ میں عباسہ کی جانب داری کرینگے۔ بہرحال کچھ ہو اُس نے بالکل خود غرضی سے کام لیا۔ ممکن تھا کہ اسکے خیالات ظاہر ہونے پر۔ عباسہ آج تکلیف میں نہ ہوتی۔ عباسہ کی شادی کو تیسرا مہینہ ہے۔ مگر شادی کے بعد سے اسکو ایک دن بھی چین نہیں نصیب ہوا۔ وہ رفیق کے ساتھ اسوقت کانپور میں ہے۔

رفیق اس دُھن میں ہے کہ کسی طرح دوسری لڑکی سے شادی کرلے۔ مگر عباسہ کی موجودگی میں اسکو یہ غیر ممکن معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے والدین کے مزاج سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ عباسہ یہاں سے چلی جائے۔ تو میں ایک خوشگوار زندگی بسر کروں۔ مگر وہ مجبور ہے کہ عباسہ کو زبردستی نہیں بھیج سکتا۔ بس وہ اس خوف سے ابھی تک مجبور رہا کہ اگر میں عباسہ کے ساتھ سختی کرونگا تو والدین کی دولت سے ساری عمر کو محروم ہو جاؤنگا۔ لیکن اسکے دل سے یہ بھی خیال نکلنا ناممکن ہے کہ حسینہ کے ساتھ شادی نہ کرے۔ کُل کانپور میں ابھی تک یہ مشہور ہے کہ رفیق ناکتخدا ہے۔

اسکا مشتہر کرنے والا رفیق ہی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ شادی کا اعلان ہونے پر یعنی عباسہ کی موجودگی میں حسینہ کی شادی اسکے ساتھ نہ ہوگی۔ حسینہ بھی کسی غریب والدین کی لڑکی نہیں ہے۔

مگر ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کس مزاج کی ہے۔

رفیق نے حسینہ کے والدین پر یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ اسکے والدین اس شادی میں شریک نہونگے مگر اس کی اصلی وجہ نہیں بتلائی کہ کیوں۔

حسینہ کے والدین کو بظاہر رفیق میں کوئی بُرائی نہیں معلوم ہوئی۔ کیونکہ وہ ایک امیر اور تعلیم یافتہ لڑکا اور پھر چار سو کا ملازم۔ لیکن وہ رفیق کے خیالات سے بالکل بے خبر تھے۔ وہ سب طرح اچھا ہے۔ مگر عادت کا بہت خراب ہے متلون مزاج بھی ہے۔ رفیق نے حسینہ کے والدین کو بہت بڑی چال دی۔ یقیناً وہ کل حالات معلوم ہونے پر حسینہ کی شادی رفیق کے ساتھ نہ کرتے۔

متلون مزاج رفیق اسی خلجان میں مبتلا ہے کہ جس طرح بھی ہو خوبصورت حسینہ سے شادی کرلے۔ اگر کسی کو عباسہ کی موجودگی کا علم ہوگیا تو شادی میں رخنہ پڑجائیگا۔ ایک رات جبکہ رفیق شادی کا کل انتظام ٹھیک کرچکا تھا اپنے ملازمین کو اس بات کی ہدایت کرکے کہ وہ عباسہ پر اس شادی کا اعلان ابھی نہ کریں۔ حسینہ کے مکان پر چند احباب کے ساتھ چلدیا۔

(باقی آیندہ

بنت رشیدالدین

اڈیٹوریل

نہایت رنج و قلق اور دلی افسوس کے ساتھ یہ اطلاع درج کی جاتی ہے کہ جناب شمس العلما خان بہادر مولانا محمد ذکار اللہ صاحب دہلوی کا ۷۔ نومبر کی صبح کو انتقال ہوگیا۔

ان کا انتقال اگرچہ عمر طبعی کی حد تک پہنچکر تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں ہوا ہے لیکن پھر بھی ان کی موت کا ماتم سخت ہے اسلیے کہ ان کا علم جوان تھا۔ اور قلمی خدمت ملک اور قوم کی وہ آخر تک کرتے رہے مرحوم کی علمی خدمتیں بے نظیر ہیں۔ اور صیغہ تعلیم نسواں کے وہ بہت بڑے حامی اور سرپرست تھے

مرحوم بارہ برس کے سن میں دہلی کالج کے صیغہ اورنٹیل میں داخل ہوئے تھے۔ جہاں آپ نے چھ سال تک تعلیم حاصل کی۔ مولانا نہایت ذہین اور طباع ابتدا ہی سے تھے۔ اسلیے اکثر تعلیمی انعامات وغیرہ حاصل کیا کرتے تھے۔ ۱۸۵۱ء میں دہلی کالج میں علوم ریاضیہ کے مدرس مقرر ہوئے کچھ عرصہ آگرہ کالج میں بھی اُردو لٹریچر کی تعلیم دیتے رہے۔ ۱۸۵۵ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے اور گیارہ سال تک اس عہدہ پر مامور رہے۔ اسی عرصہ میں تعلیم نسواں کے متعلق خدمات انجام دینے کے صلے میں گورنمنٹ سے خلعت بھی حاصل کیا۔

۱۸۶۹ء میں نارمل اسکول دہلی کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ تین برس بعد اورنٹیل کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ مگر فوراً ہی الہ آباد کے ایم۔ سی کالج کے پروفیسر ورنکیولر سائنس و لٹریچر مقرر ہوکر چلے گئے اور یہاں ۱۸۸۶ء تک رہے۔ پنشن لینے کے بعد چند روز علی گڑھ کالج میں آکر قیام کیا اور طلبہ کو رُڑکی کالج کے داخلے کے لیے تیار کرتے تھے۔ اسکے بعد دہلی جاکر خانہ نشین ہوگئے۔ مولانا کا تعلق علیگڑھ کالج سے اور سرسید کی دوسری تحریکوں سے بہت قدیم سے تھا۔ آپ کالج کی ابتدائی کمیٹی "خزانۃ البضاعۃ" کے بھی ممبر تھے۔ اور ۱۸۸۹ء سے (یعنی ٹرسٹیز بل کے پاس ہونے کے زمانہ سے) برابر ٹرسٹی چلے آتے تھے۔ مرحوم نے علم کی مختلف شاخوں میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اُردو کے بہت سے اخبارات و رسائل آپکے رشحات قلم سے سیراب ہوتے تھے۔ آپ مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کی مستقل تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوگی جنکی تخمینی تفصیل حسب ذیل ہے۔

علوم ریاضیہ ۸۷، تاریخ وجغرافیہ ۱۸، ادب ۱۶، طبیعیات وہیئت ۹، اخلاق ۶، سیاست مدن ۵۔ یقین ہے کہ یہ علمی خدمت آپ کا نام ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بہ علم ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام شاں

افسوس ہے کہ مولانا کی وفات سے ملک و ملت کے درمیان سے ایک یگانہ و قابل فخر فرد اُٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپکے فرزندان و دیگر پس ماندگاں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ریویو

اولڈ بائے کے نام سے ایک ماہواری رسالہ بنارس سے جناب ابو حامد عترت حسین صاحب بی اے اولڈ بائی علیگڈہ کالج کی اڈیٹری میں ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء سے جاری ہوا ہی۔ ہم اس نئے رسالہ کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ امید ہی کہ جن حضرات کو اس پرچہ کے نکالنے کا خیال پیدا ہوا ہی وہ اسکو اولڈ بوائز ایم اے او کالج کی حیثیت اور قابلیت کے معیار کے مطابق بنانے کی کوشش فرمائینگے

ایم اے او کالج کے اولڈ بوائز کی ایک بڑی جماعت اسوقت ہندوستان کے ہر حصہ میں موجود ہے اور مسلمانان ہند میں یہی جماعت معزز اور سر برآوردہ خیال کی جاتی ہی۔ اگر کوئی رسالہ ان کے نام سے موسوم کیا جائے تو اس میں کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ہونی چاہیے جس سے وہ دوسرے رسالوں سے ممتاز رہے۔

اس وقت بدقسمتی سے ہمارے اولڈ بوائز میں دو فریق پیدا ہو گئے ہیں۔ ہمیں امید ہی کہ یہ سالہ ان دو فریقوں میں سے کسی ایک کا بھی بننا پسند نہ کریگا اور اگر ایسا کریگا تو اولڈ بوائے کا نام اسکے لیے کسی حالت میں موزوں و مناسب نہیں رہیگا۔

اس رسالہ کا مقصد بہت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ جن بزرگوں نے اسکو جاری کیا ہی ان کی قابلیت کے ہم معترف ہیں۔ پہلے نمبر میں تین مضامین خاص طور پر اولڈ بوائز کی دلچسپی کے قابل ہیں۔ ایک مسٹر راماں تنکر صاحب کا اور دوسرا مسٹر محمد امین صاحب کا۔ اور تیسرا مسٹر شوکت علی صاحب کا۔

ان مضامین کو پڑھ کر کالج کا زمانہ پھر یاد آجاتا ہی۔ اپنے کالج سے محبت تازہ رکھنے کے لیے اولڈ بوائے بہترین ذریعہ بن سکتا ہی اور ہمیں امید ہے کہ یہ ایسا ہی ثابت ہوگا۔

اس سے قبل بھی دو مختلف شکلوں میں کالج اور اولڈ بوائز کے درمیان رشتہ مضبوط رکھنے کے لیے دو رسالے جاری کیے گئے۔ بہت عرصہ تک مفید کام انجام دے کر اُن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ اسکا نیا جانشین ہماری امیدوں کو استقلال کے ساتھ پورا کریگا۔ چھپائی لکھائی اچھی
حجم ۳۲ صفحے - قیمت رسالہ میں درج نہیں ہے لیکن شاید ۱/ سالانہ ہے۔

میڈم کاما

ہندوستان کی مشہور و متمول پارسی خاتون میڈم کاما پیرس میں رہتی ہے۔ امسال جب مصر کے آزادی پسند مسلمانوں نے حزب الوطنی کا جلسہ مقام برسلز میں کیا تو میڈم کاما نے تعلیم نسواں کی ضرورت پر اس جلسہ میں ایک پر مغز تقریر انگریزی زبان میں کی جو نہایت توجہ کے ساتھ سُنی گئی اور بہت پسند کی گئی۔

میڈم موصوف تقریر کرتے وقت اپنا دیسی لباس پہنے ہوئی تھیں اُنھوں نے اہل مصر کو یہ بھی نصیحت کی کہ وہ غیر ملکی عورتوں سے ہرگز شادیاں نہ کریں۔ کیونکہ مصری امرا میں اب اسکا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ حالانکہ ملکی اور قومی ترقی کے لیے انہیں بچوں کی ضرورت ہے جو خالص ملکی خون سے پیدا ہوں۔

عورتوں کی موت - ہندوستان کی مردم شماری میں جو ۱۹۰۱ء میں آج سے دس برس پہلے ہوئی تھی تقریباً پندرہ کروڑ مرد اور چودہ کروڑ عورتیں ہیں۔ یعنی مردوں کی تعداد قریب ایک کروڑ کے زیادہ تھی۔ یہ درصل ہندوستان کی ایک بدنصیبی ہے کیونکہ فطرتاً کم سے کم دونوں فرقوں کی تعداد برابر ہونی چاہیے۔

علاوہ اس ایک کروڑ کی کمی کے تقریباً اسی قدر عورتیں بیوہ ہیں اس سے اور بھی یہ مصیبت بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں بیوہ عورتیں بھی بمنزلہ مُردہ عورتوں کے ہیں جن سے کوئی شادی نہیں کرسکتا۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہی کہ عورتیں کم قدر سمجھی جاتی ہیں۔ اسلیے ان کی صحت اور تندرستی کا چنداں خیال نہیں کیا جاتا۔ اور وہ مرتی جاتی ہیں۔ چنانچہ آجکل بنگال کے اخبارات لکھ رہے ہیں کہ وہاں مردوں کی بہ نسبت عورتیں زیادہ مر رہی ہیں۔ اور یہ افسوسناک حالت خصوصاً پندرہ سے چالیس سال کی عمر تک کی عورتوں کی ہی۔ یہی نہیں کہ وہ خالص امراض نسوانی میں مرتی ہیں۔ بلکہ دق۔ ملیریا وغیرہ امراض سے بھی انہیں کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔

اسلیے ہر بہی خواہ بنی نوع انسان کا فرض ہی کہ وہ عورتوں کی جسمانی صحت کی ترقی میں کوشش کرے۔ ورنہ ملکی آبادی دن بدن زوال پذیر ہوتی جائے گی۔

نمایش

اب نمایش کا زمانہ قریب آگیا ہی جن خواتین یا اصحاب کو اشیاء واسطے نمایش کے بھیجنی ہوں اُن کو بلا تکلف یا براہ راست ناگپور یا میرے پاس بھیجنا چاہییں۔ ناگپور بنام ایچ۔ ایم ملک صاحب لوکل سکرٹری کے نام بھیجنی چاہییں اور زیادہ مناسب یہی ہی کہ براہ راست تمام اشیاء ناگپور بھیجی جائیں تاکہ علیگڈھ میں اُن کو کھولنے اور دوبارہ بند کرنے میں اشیاء خراب نہ ہوں۔

ناگپور کی کمیٹی نے بڑی مستعدی سے کام کیا ہی اور امید ہی کہ نمایش میں کامیابی ہوگی۔ تمغے اور سارٹیفکٹ حسب معمول دیے جائینگے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۱۲	بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبدالسلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

۲۰۔ دسمبر ۱۹۱۰ء

شیخ عبداللہ بی اے پبلشر نے علی گڈہ سے شائع کیا

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (ے) اور ششماہی ۱۲؍ ہے۔

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴- ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس سچّے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہاں تک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷- تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

سیاروں کی کانفرنس

یہ خبر نہایت وثوق کے ساتھ گشت لگا رہی تھی کہ   شوال کو سات سیارے بقول منجمین ایک برج میں جمع ہونگے۔ جس سے مخلوق خدا پر طرح طرح کی مصیبتیں نازل ہوں گی۔ اور اُن سات سیاروں کا تعلق دنیا کے سات حصوں سے ہوگا۔ اُن کے اثرات بھی مختلف ہونگے۔

یا بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیے کہ طہران ایجوکیشنل کانفرنس سے پہلے ہی سیاروں کی کانفرنس بصدارت مسٹر آفتاب منعقد ہوگی۔ جس کے سکرٹری آنریبل قمر۔ جائنٹ سکرٹری پروفیسر مریخ و معزز ممبران خان بہادر عطارد۔ زہرہ۔ مشتری۔ ذنب مقرر ہونگے خدا کا شکر ہے کہ ۲۸ شوال کا دن بخیر و خوبی گزر گیا۔ اور کوئی آفت بندگان خدا پر نازل نہیں ہوئی۔ لیکن آنریبل سکرٹری صاحب نے شاید اپنے رشتہ دار منجمیوں کو کانفرنس کی رپورٹ بھیجی ہے۔

چنانچہ نجومیوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ ذنب نے از ہندوستان تا سنگدیپ مخلوق خدا کی تباہی و بربادی کا رزولیوشن پیش کیا۔ اسی طرح عطارد نے از روس تا روم تعلیم یافتہ اہل قلم لوگوں کی بربادی کا۔ زہرہ نے از بلوچستان تا افریقہ لوگوں کو ناچ و رنگ میں گمراہ کرنے کا۔ مریخ نے از ترکستان تا یورپ جنگ و جدل کا۔ مشتری نے از چین تا قندہار عدل انصاف نیکی کا (چینی اور اہل قندہار تو مزے میں رہے) مسٹر آفتاب پریزیڈنٹ بہادر نے بہ اعتبار اپنے وقار و عظمت کے قبضہ کیا بھی تو امریکہ سے تا خراسان۔ بادشاہوں حاکموں کو تباہ و برباد کرنے کا۔ غرض کہ سب نے اپنا اپنا رزولیوشن پیش کیا۔ جو باتفاق رائے پاس ہو گئے۔

مختصر یہ کہ یہ کانفرنس مخلوق خدا کی تباہی و بربادی کی تجویزیں سوچنے کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ جو کافی غور و فکر کے بعد برخاست ہو گئی۔

اب شاید ہر ایک ممبر اپنے اپنے کام میں مشغول ہے۔ اور مخلوق خدا بالخصوص حضرت انسان خوف۔ ہراس۔ وسواس۔ پریشانی اوہام میں مبتلا ہیں۔ کہیں تو صدقے اترتے ہیں قربانیاں ہوتی ہیں۔ کہیں زائچہ دیکھا جا رہا ہے۔ پوتھی کھل رہی ہے۔ ہزاروں لاکھوں روپیہ نجومیوں کی نذر ہو رہا ہے۔ خدا نے نجومیوں کے حال زار پر بڑا فضل کیا۔ گھر بیٹھے مالامال ہو رہے ہیں۔ ہر طرف نجومیوں کی طلب۔ ہر گھر میں نجومیوں کی عزت ہو رہی ہے۔ ستاروں کی کانفرنس اور لوگوں کے لیے منحوس ہی سہی مگر ہمارے نجومیوں۔ مشائخوں۔ رمالوں۔ جوتشیوں کے لیے نہایت مبارک و سعید ہے۔

کیا اچھا ہوتا اگر یہ روپیہ جو مفت خوردن کی نذر ہو رہا ہے۔ کسی قومی کام میں صرف ہوتا افسوس ہے کہ ہم خیالی مصیبتوں اور موہوم باتوں کے خیال سے ہراساں۔ پریشاں ہیں۔ بے دریغ روپیہ لٹا رہے ہیں۔ لیکن علم و ہنر کی کمی مستورات کی جہالت کے باعث جو زوال اور سچی مصیبتیں۔ آفتیں ہماری قوم پر آنے والی ہیں اس سے محض بے خبر۔ بے پرواہ ہیں

افسوس ہی کہ نجومیوں ۔ مشائخوں کی کمزور آوازوں ۔ فضول و بے بنیاد پیشین گوئی کا تو ہمیں اس قدر خیال ہی لیکن قومی خیرخواہوں ۔ غمگساروں کی چیخ پکار ۔ شور و غوغا کا (جو آنے والی سچی مصیبتوں کی بابت ہیں) ہم پر ذرّہ برابر اثر نہیں ۔ خدا ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے ۔

اب میں اپنے مضمون کے اصلی مقصد پر قلم اُٹھاتی ہوں ۔ اوہام پر بحث کرنا مروّجہ باتوں کی مخالفت کرنا ۔ آسان بات نہیں ۔ اور نہ میرا یہ مقصد ہی ۔ میں صرف مختصر طور کچھ نجوم کی حقیقت بیان کرنا چاہتی ہوں ۔

اول یہ کہ ستاروں کو قابل پرستش جاننے کی ایک وجہ یہ بھی ہی کہ ابتدائے زمانہ میں (جبکہ انسان محض عقل و ہوش سے بے بہرہ تھے) اور جبکہ انسان نے آنکھ کھولی سب سے زیادہ روشن بلند ۔ شاندار ۔ فلک اور اجرام فلکی کو پایا اور اسی کو برتراز عالم جان کر پرستش کرنے لگے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا پہلے پہل ستاروں پر پھر آفتاب ۔ مہتاب کو دیکھ کر خدا سمجھنا اس بات کی تائید کر رہا ہے ۔

قدیم تاریخ سے بھی اسکا پتہ چلتا ہی کہ زمانہ سابق میں بعض لوگ سمجھتے تھے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہی فلک و کواکب سے ہی ۔ بعضوں کا خیال تھا کہ ستارے ۔ انسان اور خدا کے درمیان میں واسطے ہیں ۔ بعضوں نے انقلاب زمانہ انسان کے دکھ سکھ کو ستاروں کی چال و اُن کے مختلف مقامات پر ہونے کی طرف منسوب کیا تھا ۔ بعض لوگ سمجھتے تھے کہ ستاروں کو صرف نیک و بد کا اختیار ہے ۔ جوں جوں دنیا میں ترقی ہوتی گئی بے بنیاد باتیں اصلی واقعات سے علیحدہ ہوتی گئیں ۔ جو سمجھ دار تھے وہ ان وہموں سے چھوٹ گئے ۔ جو ناسمجھ تھے اسی جہالت کی تاریکی میں سرگرداں رہ گئے ۔

چنانچہ قبل از اسلام عرب میں ایک گروہ صابئین یعنی ستارہ پرستوں کا تھا جو خدا کو بھی مانتے تھے اور ستاروں کی بھی پرستش کرتے تھے ۔ جنکا اثر عرب ۔ فارس ۔ ہندوستان میں اب تک موجود ہے ۔

سخت افسوس کی بات تو یہ ہی کہ اس روشن زمانہ میں بھی نا تعلیم یافتہ مستورات
و عالم نما - جاہل - تاریک خیال - اوہام پرست مرد بھی ایسے ہی وہموں میں مبتلا ہیں - اسمیں
شک نہیں کہ جس بات کا ہمیں علم نہیں اُسکو سراسر غلط کہنا حماقت اور جہالت ہی - لیکن جس
خیالی - وہمی - بات کو تجربہ - مشاہدہ - تحقیق علم باطل کردے - پھر بھی اسکو یقین جاننا - غلطی
و خلاف دانشمندی ہی -

حکماے سابقین کی تحقیقات جسپر ہمارے نجوم کی بنیاد ہی اس زمانہ میں بالکل غلط ثابت
ہوگئی - جس سے نجوم کی اصلیت و حقیقت کھُل گئی اور ایک بہت بڑا حصہ نجوم کا تباہ ہوگیا
مثلاً قدما کے خیال میں زمین مرکز عالم تھی - اور تمام سیارات و افلاک اس کے گرد گردش
کرتے تھے - قمر فلک اول کا مالک تھا - آفتاب کو ستیارہ تصور کرتے تھے - مگر اب نئی
تحقیقات سے زمین جو مرکز عالم تھی - آفتاب کے گرد گردش کر رہی ہے - قمر جو فلک اول کا
مالک تھا - زمین کا بلا گرداں ہی - آفتاب اب سیارہ نہیں رہا - نظام شمسی کا مالک اب آفتاب ہے
جس کے گرد سب سیّارے اور ہماری زمین بھی دورہ کر رہے ہیں -

اس سے پُرانی باتوں کی ہنسی یا بزرگوں کا مضحکہ مقصود نہیں بلکہ ہم ان بزرگوں کی دل
سے قدر کرتے ہیں جنھوں نے اُس زمانے میں باوجود ناکامی آلات کے بہت کچھ باتیں
معلوم کرلیں تھیں - حکماے متقدمین نے صرف سات ستّیاروں کا پتہ لگایا تھا اور اسی پر
نجوم کی بنیاد رکھی -

اب اس روشن علمی زمانے میں بھی ہمارے منجموں کی محدود نظر انہیں سات سیّاروں
پر ہے - اور انہیں کے سعد و نحس کے قائل ہیں - انہیں وہ پونے دو سو کے قریب جدید
ستّیارے معلوم نہیں جو نظام شمسی میں داخل ہیں -

حیرت ہی کہ جب زحل، مشتری وغیرہ دور دراز سیّاروں کا اثر اس قدر ہم پر ہوتا ہے
تو اُن جدید سیاروں کے اثر سے ہم کیوں متاثر نہیں ہوتے جو اُن سے بھی زیادہ ہم سے

قریب ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُن کا بھی نیک و بداثر ہم پر ہوتا ہی مگر ہمیں اس کی خبر نہیں ہوتی تو گویا یہ بات بلاشبہ مسلم ہوگئی کہ ہمارا مروجہ نجوم ناقص۔ ادھورا۔ فضول غلط ہی (واقعی اسی طرح ہے)

اب برج کی حقیقت سُنیے! آسمان پر ستارے جہاں نزدیک ہوتے تھے اُسی کو یونانیوں نے فرضی شکلیں عورت۔ مچھلی۔ بچھو وغیرہ کی مقرر کرکے برج اسکا نام رکھا۔ اُن کا خیال تھا کہ برج کے سب ستارے ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں اور اُن میں اتنا ہی فاصلہ ہی جتنا کہ ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ برج کے سب ستارے ایک سطح پر ہیں نہ وہ ایسے قرب میں ہیں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ برج کے ہر ایک ستارے میں کروڑوں میل کا فاصلہ ہی۔ چونکہ وہ ہم سے بہت فاصلہ پر ہیں اسلیے بہت چھوٹے چھوٹے اور قریب نظر آتے ہیں۔ (جس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں)

جب برج حقیقتاً کوئی چیز نہیں تو پھر اُس میں سیّاروں کا آنا جانا کیسا۔ ہم نے تھوڑی دیر کے لیے مانا کہ برج بھی ہیں۔ سیّارے اُس میں آتے جاتے بھی ہیں تو ان باتوں کو انسان کی قسمتوں سے کیا تعلق۔

ہمیں سیّاروں کی بابت صرف اتنا علم ہی کہ وہ خدا کی پیدا کردہ مخلوق ہیں۔ جو اندھیری رات میں گول چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی ہماری زمین سے بڑا ہی کوئی چھوٹا اُن کا جسم کسی ایسی ہی چیز سے بنا ہی جیسی ہماری زمین۔

خیال کرنا چاہیے کہ زمین جس پر ہم دن رات رہتے ہیں اُسکا ہماری قسمتوں کو نسا نیک و بد اثر ہورہا ہے۔ جو دوسرے سیاروں کا ہم پر اثر ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض تاثیرات ہماری زمین میں ضرور ہیں جیسے کشش وغیرہ۔ ممکن ہی بلکہ یقیناً ایسے اثرات خدا نے دوسرے سیاروں کو بھی دیے ہوں۔ لیکن انسان کی خوش قسمتی۔ بیاہ۔ شادی قحط وبا۔ افلاس۔ غربت جینے مرنے کا تعلق سیاروں کی ذات سے سمجھنا محض اوہام پرستی ہی

فرض کیا کہ انسان کی قسمت۔ زمانہ کا انقلاب سب سیاروں کے ہاتھ میں ہے اور جب وہ ایک خاص برج میں آتے ہیں تو ایک خاص اثر انسانوں پر ہوگا۔ مثلاً جب فلاں فلاں سیاروں کا قران ہوگا تو وبائی مرض پھیلے گا۔ طوفان اُٹھینگے۔ قحط سالی ہوگی وغیرہ چاہیے تو تھا کہ اس خیال کے مطابق ساری دنیا میں ایک ہی اثر ہو۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ اہل مبئی تو طاعون سے پریشان ہیں۔ حیدرآبادی مطمئن (خدا ہمیشہ اطمینان نصیب کرے) گنگا میں سخت طوفان ہے۔ ڈیرہ غازی خاں دریائے سندھ کی نذر ہو گیا۔ موسیٰ ندی خشک پڑی ہے۔ مدراس میں کمی بارش کے سبب قحط سالی ہے۔ اور ہمارا شہر حیدرآباد سرسبز شاداب۔ مالامال (خدا ہمیشہ ایسا ہی رکھے)

دوسرے شہروں کا کیا ذکر ایک ہی شہر ایک ہی محلہ بلکہ ایک ہی گھر میں محمود خوش ہے احمد غمگین۔ جمیلہ بچے کے غم میں نالاں ہے۔ زبیدہ نومولود کی خوشی میں مشغول۔ ایک گھر سے جنازہ نکل رہا ہے۔ دوسرے گھر پر برات کھڑی ہے۔ کوئی ہنستے ہیں کوئی روتے ہیں پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسانی قسمتوں کا ستاروں سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہوتا تو سب پر یکساں ہونا چاہیے تھا۔ یہ نہیں کہ ایک گھر میں دو حالتیں ہوں۔

مثلاً جب آفتاب صبح کو طلوع ہوتا ہے۔ سب جگہ ایکساں روشنی ہوتی ہے۔ شام کو جب آفتاب چھپ جاتا ہے چاروں طرف تاریکی چھا جاتی ہے۔ آفتاب کی حرارت کا اثر انسان جانور۔ جمادات۔ نباتات سب کو ایکساں محسوس ہو رہا ہے۔ مختلف ہواؤں کے چلنے میں بھی آفتاب کی حرارت کا بہت کچھ دخل ہے۔ تاریکی۔ روشنی۔ بارش۔ بادل۔ حرارت ہوا وغیرہ میں آفتاب کا اثر مسلم ہے۔ اور یہ علمی فیض ہے کہ جو تمام مخلوق خدا اور ہر شہر اور ہر گوشے کے لیے ایکساں ہے اور رہے گا۔ یہ نہیں کہ مسٹر آفتاب ایک برج میں تشریف لا کر ایک کے لیے خوشی اور دوسرے کے لیے رنج کا باعث ہوں۔ جیسا کہ سیاروں کے قران سے ہو رہا ہے۔

اگر سعد ونحس کا بھی اثر آفتاب میں ہوتا تو لازمی تھا کہ سب پر ایکساں ہوتا۔ جیسے کہ آفتاب کے دوسرے اثرات ہیں۔ جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

اس جگہ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہی کہ آیا جانوروں میں۔ نباتات۔ جمادات پر بھی ستاروں کے سعد ونحس کا اثر ہے۔ یا صرف حضرت انسان کی ہی قسمتوں پر ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کی روشنی۔ حرارت۔ صرف انسان کے لیے ہی نہیں۔ بلکہ سب مخلوق پر ایکساں برابر ہے۔ جب بارش ہوتی ہی انسان کے ساتھ جانور۔ درخت پہاڑ وغیرہ بھی سیراب ہوتے ہیں۔ اس اُصول سے چاہیے تھا کہ آفتاب کے سعد ونحس کا اثر اُن پر بھی ضرور ہوتا۔ لیکن یہ اس سے محفوظ ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جانوروں۔ نباتات۔ جمادات۔ اور بعض قومیں جنھیں ستاروں کے سعد ونحس کی خبر نہیں۔ اور نہ ان میں ردّ بلا کے لیے کوئی نجومی وغیرہ ہیں۔ پھر بھی اُن پر سیّاروں کے اثر سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔ اور نہ وہ سیاروں کے برج میں آنے سے متاثر ہوتے ہیں۔

غرضکہ ایسی ہزاروں مثالیں مشاہدات۔ تجربات موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سیّاروں کا کوئی اثر ہماری قسمتوں اور ہوا۔ بارش۔ قحط پر نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ پر ایک اور بات کا ذکر کرنا بھی میں ضروری سمجھتی ہوں۔ جس سے نجوم کی حقیقت اور نجومیوں کی کیونکا حال بخوبی معلوم ہو جائیگا۔

ابھی حال میں ایک اشتہار جسکو زمانۂ حال کے ایک مشہور منجم نے مخلوق خدا کے فائدہ کے لیے چھپوایا ہی میری نظر سے گزرا۔ صاحب موصوف (منجم) بہت سی بے سر وپا باتوں کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۸۔ شوال کو سات سیّارے جو ایک برج میں جمع ہوئے ہیں اُن کا اثر حضرت نوحؑ کے نصف طوفان کی برابر ہوگا۔ اور قرآن ہفت سیارگاں سے اختتام عالم موجودہ وجدید عالم لازمی ہی گویا (نجومی صاحب) قیامت کی پیشین گوئی

کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان ہفت سیارگاں کے اجتماع کا اثر کہیں بارہ سال میں کہیں سات سال میں کہیں سال دوم میں۔ کہیں سال اول میں ظاہر ہوگا۔

ارباب دانش انصاف فرمائیں کہ اس سے زیادہ بے بنیاد پیشینگوئی اور کیا ہوسکتی ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ زمانہ ہمیشہ ایک چال پر نہیں رہتا۔ آج کچھ ہے کل کچھ ہے۔ جو آج زندہ ہیں کل اُن کی زندگی کی امید نہیں۔ روزانہ سیکڑوں بندگان خدا مرتے ہیں اور سیکڑوں پیدا ہوتے ہیں۔ زمانہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ نیرنگی اور انقلاب زمانے کے لیے ضروری ہیں۔

بارہ سال یا سات سال میں انقلاب ہونا یا بندگان خدا کا مرنا۔ جینا۔ شادی۔ غمی قحط۔ طوفان۔ لازمی ہیں۔ ایسی پیشین گوئی کہ سیاروں کے قران کا اثر بارہ سال یا سات سال بعد ظاہر ہوگا۔ اٹکل پچو۔ وہمی۔ لغو باتوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر فی الواقع کوئی اثر قران میں ہوتا تو چاہیے تھا کہ عین قران کے روز کوئی ایک خاص مصیبت سارے زمانے پر نازل ہوتی۔

مثلاً جب سورج گرہن ہوتا ہے تو چاروں طرف اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ستارے نکل آتے ہیں پھر کوئی دم میں صفائی ہوجاتی ہے۔ یہ ہے اثر سورج گرہن کا جو وقت مقررہ پر چاروں طرف یکساں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ سورج گرہن کے دس بارہ سال بعد جو آفت یا مصیبت مخلوق خدا پر نازل ہو۔ اسکو ہم سورج گرہن کی طرف منسوب کریں۔

نجوم درحقیقت کوئی علم نہیں۔ اور نہ اس کی بنیاد۔ مشاہدات۔ تجربات پر ہے۔ بلکہ صرف چند اٹکل پچو خیالی وہمی باتوں کا مجموعہ ہے۔ نجوم کے ساتھ لفظ علم ملانے سے علم کی حقارت ہوتی ہے۔ دنیا میں ہر علم کی ترقی ہوتی آئی ہے۔ کمسٹری۔ ہیئت۔ ریاضی وغیرہ کی بنیاد اگلے لوگوں نے ہی رکھی تھی۔ جسکو ترقی دیکر زمانۂ حال کے دانشمندوں نے معراج کمال پر پہنچا دیا ہے۔

لیکن نجوم بجاے ترقی کے جوں جوں زمانے میں علم و عقل کی روشنی پھیل رہی ہے معدوم ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہو کہ نجوم ایک محض خیالی وہمی۔ بے بنیاد بات ہو۔ اگر اس کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو وہ لوگ جو اپنی ساری عمر ستاروں کی چال ڈھال معلوم کرنے اور آسمانی تحقیقات میں گزار دیتے ہیں جنھوں نے ہزاروں آلات۔ دوربین ایجاد کرکے ایسی ایسی حیرت انگیز باتیں معلوم کی ہیں جو ہمارے نجومیوں کے عقل میں بھی نہیں آسکتیں۔ ضرور اس مفید اور لاثانی علم (بقول منجمین) میں ترقی کرکے غیب کی خبر دینے والے ہوتے۔

مختصر یہ کہ نجومیوں کی پیشینگوئی سے زیادہ بے بنیاد۔ فضول۔ بیہودہ لغو باتیں دوسری کوئی نہیں ہوسکتیں۔ ہاں سیاروں کی پیشینگوئی اگر اس طرح کریں کہ فلاں تاریخ فلاں وقت کو فلاں سیّارہ اس جگہ اور اس موقع پر ہوگا۔ تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ایک سچی پیشینگوئی ہو۔ جسکا تجربہ مشاہدہ کیا گیا ہو اور یہ علم ریاضی کے اصول پر مبنی ہے۔ لیکن اگر کہا جاے کہ جب فلاں سیارہ فلاں جگہ پر ہوگا تو فلاں آفت انسانوں پر آئے گی۔ محض لغویت ہو۔

مضمون بہت طویل ہوگیا اور لکھنے کی بہت ساری باتیں رہگئیں۔ افسوس ہو کہ طوالت مضمون کے خیال سے بہت سی قابل تحریر باتیں نظر انداز کرنی پڑیں بمصداق۔

قصہ مطلب طویل و دفتر تحریر تنگ ۔۔۔ خود بخود کوئی سمجھ جائے کہ کیا کہنے کو ہیں

جو کچھ لکھا گیا اگر غور سے دیکھا جائے تو بہت ہو۔ خاتمہ پر میں اتنا بتا دینا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ نجوم کو مذہب اسلام سے کیا تعلق ہو۔ کیونکہ زمانہ حال کے منجمین نے نجوم کو مذہب اسلام کا ایک جزو قرار دیا ہو۔ اور بہت سی من گھڑت حدیثیں اور اقوال ائمہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ نجوم کو مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا (ہمارے نجومیوں کو بھی) کہ مذہب اسلام کا اصلی رکن یا مقصد توحید ہی۔ توحید کی تعریف یہی ہی کہ خدا ایک ہی اور کل مخلوقات اور ان کی قسمتوں کا مالک و مختار ہے۔ جو چاہے کریگا جو چاہے کر سکتا ہی۔ اُس میں کسی کو دخل نہیں اور کسی کام میں کوئی اُسکا شریک نہیں ہو سکتا۔ جب یہ بات مسلم ہوگئی تو پھر انسانوں کی قسمتوں اور دیگر دنیوی باتوں کو ستّاروں کی طرف منسوب کرنا اور انہیں ہر فعل کا مختار سمجھنا بلاشبہ شرک ہی۔ اور ستّاروں کی پرستش کرنے والے مشرک۔

تعجب ہی کہ ہمارے نجومی زبان سے تو وحدہ لاشریک کہتے ہیں اور پھر خدا کے کاموں میں خدا کی پیدا کردہ مخلوق ستّاروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ انسان کی قسمت تو اسی روز سے شروع ہو جاتی ہی جس روز وہ پیدا ہوتا ہی۔ ستّاروں کو اس سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں۔

مختصر یہ کہ نجوم کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ نجوم سراسر اسلام کے خلاف ہے اب یہاں پر نجوم کی بابت چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔ جن سے معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے پیشوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) لاتوا الکھان۔ غیب کی خبر دینے والے جھوٹے ہیں اُن کے پاس مت جاؤ۔

(۲) من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبۃ من السحر، جو علم نجوم حاصل کرتا ہی وہ جادو اور دھوکا بازی سیکھتا ہے۔

(۳) المنجم کاھن والکاھن ساحر والساحر کافر، منجم کاہن ہی، اور کاہن ساحر ہے، اور ساحر کافر ہے،

(۴) واللہ ماجعل اللہ فی نجم حیات احد ولا رزقہ ولا موتہ وانما یعتبرون علی اللہ الکذب ویتعللون بالنجوم۔ ستاروں میں اثر کسی کو جلانے یا مار ڈالنے یا

رزق دینے کا نہیں ہے۔ اور جو لوگ ایسا نجوم سے خیال کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

(۵) لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السّوء۔ اگر غیب کا حال معلوم کر لینا میرے اختیار میں ہوتا تو میں (آنحضرت) بہت سی بہتری کی باتیں جمع کر لیتا۔ اور مجکو کوئی بُرائی نہیں پہنچتی۔

(۶) ما ادری، ما یفعل بی، مجکو نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

خاتمہ پر میں معزز ناظرین سے سمع خراشی کی معافی چاہتی ہوں۔ اور متوقع ہوں کہ اگر یہ میرا ناچیز مضمون قابل تردید ہے تو براہ کرم اُس سے مجکو مطلع فرمایا جائے۔ میں غایت درجہ مشکور ہوں گی۔ وما علینا الا البلاغ۔

خاکسار

رابعہ سلطان بیگم

از چٹپول اسٹیٹ

نمونیا

اس موذی مرض کے متعلق ایک مختصر مگر مفید مضمون ۳۔ اگست ۱۹۱۰ء کے ہفتہ وار "ٹیمس آف انڈیا" میں کسی ولایتی طبی رسالے سے نقل کیا گیا تھا۔ جسکا ترجمہ ہمارے ملک کی خواتین کے فائدے کی غرض سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

نمونیا کی وجہ سے جو نقصانات ہوتے ہیں اسکا باعث زیادہ تر یہ ہے کہ بعض ضروری اصول پر کاربند ہونے کی پروا نہیں کی جاتی۔ اگر نمونیا کے مریض کی دیکھ بھال عین مناسب فطرتی طریقہ سے کی جائے تو اسکا صحت یاب ہو جانا لازمی ہے۔ ضروری اشیاء جو زندگی کی بقا کے لیے درکار ہوتی ہیں وہ مہیا رہیں اور بیمار کو بالکل قدرت کے حوالے کر دیا جائے تو خود قدرتی طور پر بیماری کا دفعیہ ہو جاتا ہے۔

نمونیا کی حالت میں جسم کو سب سے زیادہ ہوا۔ پانی غذا اور کافی آرام کے معقول مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب سے بڑی چیز جو نمونیا والے کو موت کا شکار بناتی ہے وہ تنگ وتاریک حجرہ ہے۔ جس میں صاف اور تازہ ہوا کثرت سے نہ میسر آسکتی ہو۔

دوسری غلطی یہ ہی کہ خالص تازہ پانی بیمار کو دیگر مرض کے جراثیم دور کرنے میں گُردوں کی مدد نہیں کی جاتی۔ ضرورت سے زیادہ کھلا دینا یا بے وقت اور بے قاعدگی کے ساتھ غذا دینا یا بدپرہیزی کرانا بیمار کی تمام قوت کو سلب کر دیتا ہی۔ اس کی ساری طاقت اس بے وقت کی ناموافق غذا کو ہضم کرنے کی کوشش میں صرف ہو جاتی ہے اور بیماری کے مقابلہ کرنے کا اسکو موقعہ نہیں ملتا۔ یخنی یا شوربہ نمونیا والے کے لیے کوئی مفید غذا نہیں ہیں۔ ان سے کوئی خاص طاقت نہیں پیدا ہوتی بلکہ خود گُردوں پر ان کی بدولت زیادہ بار پڑ جاتا ہی۔

شکر بہت مقوی اور نہایت کارآمد غذا ہے۔ اسکے کھانے کے بعد کسی قسم کا فضلہ اس میں سے نہیں نکلتا۔ یہ جزو بدن ہو جاتی ہی اور صرف پانی اور کاربانک ڈئی اکسائڈ کے کچھ اجزا بچ رہتے ہیں۔ انڈے اور دودھ نمونیا کے بیمار کے بہت مناسب حال ہیں۔ خوف ودہشت زدگی۔ فکر اور تھکاوٹ بہت بُرے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ بیمار کو ہمیشہ بالکل سیدھا رہنا چاہیے۔ ورنہ دل روانی خون کے فعل سے عاجز آجاتا ہی نمونیا کی بیماری میں صرف ایسی دواؤں کی ضرورت ہی جو دل کی اسکا کام انجام دینے میں مددگار ہوں اور بیمار کو سکون کی حالت میں رکھیں۔

دنیا میں کوئی ایسی متعدی بیماری نہیں ہی جو نمونیا کی طرح خود بیمار کی جسمانی قابلیت سے قدرتی طور پر متاثر ہوتی ہو۔ نمونیا کا علاج گویا خود ہمارے جسم میں موجود ہی۔ جب کوئی آدمی نمونیا سے علیل ہوتا ہی تو اس کی جسمانی قوت کا بیماری کے ساتھ خوب مقابلہ ہوتا ہے۔

ایسے وقت اگر بیمار کی پرداخت عین قانون قدرت کے مطابق کی گئی تو پھر پانچ روز یا زیادہ سے زیادہ دس روز میں پورا افاقہ ہو جائے گا۔ فقط

سید خورشید علی
حیدرآباد۔ دکن

کرشمۂ فطرت

اس دلچسپ مضمون کا سلسلہ پہلے کچھ عرصہ تک خاتون میں جاری رہکر درمیان میں بند ہوگیا تھا اب ہمارے مہربان پروفیسر نے اس سلسلہ کو ہماری درخواست پر پھر جاری کیا ہی۔ امید ہے کہ کچھ دنوں تک یہ دلچسپ سلسلہ چلا جائے گا۔ اور پروفیسر کا قلمی فیض خاتون کے صفحات پر جلوہ گر رہے گا۔

اڈیٹر

اُن بر عظموں میں جنکو ہم پُرانی دنیا کہتے ہیں تہذیب یافتہ قومیں اتنے عرصہ دراز سے رہتی چلی آئی ہیں کہ انھوں نے اپنے اپنے زمانے میں اُن ملکوں کی قدرتی ہیئت کو بہت کچھ بدل ڈالا ہی۔ مثال کے طور پر ایک ہندوستان کو ہی لیجیے۔ کوئی کہہ سکتا ہی کہ اب سے دو ہزار برس پہلے ہندوستان کی یہی صورت تھی جو اب ہی۔ حضرت انسان جہاں کہیں پہنچتے ہیں وہاں کی قدرتی ہیئت کو بگاڑے بغیر نہیں چھوڑتے۔ دریائے گنگا جب صحیح سالم سمندر تک پہنچتا ہوگا تو اسکے ارد گرد کے ملک کی اور ہی کیفیت ہوگی اب کہیں اسکے متبرک پانی کو متعدد نہروں میں بانٹ دیا ہی۔ کہیں بند باندھ کر اسکا رُخ پھیر دیا ہی کہیں پُشتے اور قلعے بنا کر اصلی راستے سے اسکو پرے ہٹا دیا ہی۔ غرض کہ اپنی طرف سے تو اس کی صورت بدلنے میں کچھ کمی کی نہیں ہے۔ اسلیے اب گنگا جل میں نہ وہ پہلی سی تاثیر ہے۔ اور نہ اُس میں اشنان کرنے سے پہلے کی طرح پاپ کٹتے ہیں

اور اسی سبب سے ہندوستان میں پاپ بڑہتا ہی جاتا ہے۔

نئی دنیا کی خاص کر اسکے جنوبی حصے کی جہاں مہذب انسان کو پہنچے ہوئے نسبتاً کم زمانہ گزرا ہی ابھی تک بہت کچھ اصلی اور قدرتی ہیئت بدستور ہی۔

جنوبی امریکہ کے ملک برآزیل کا ایک دریا امیزان ہی جو پانی کی مقدار کے لحاظ سے دنیا میں سب سے بڑا دریا ہی۔ اسکا طول تین ہزار میل ہی۔ اس میں تقریباً دوسو دریا آکر ملتے ہیں۔ سمندر کے قریب اسکا عرض دوسو میل ہی۔ سمندر کا پانی بے حد نمکین ہوتا ہے۔ مگر جس جگہ وہ دریا آکر گرتا ہی۔ وہاں سو میل تک سمندر کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ خیال کرنے سے خدا کی شان نظر آتی ہے کہ کیا کچھ پانی آتا ہوگا جو سو میل تک سمندر کے پانی کو میٹھا بنا دیتا ہے۔ پھر خیال کرو کہ اتنے پانی کی مقدار ہر لحظہ آتی رہتی ہے اور معلوم نہیں کتنے ہزار برس سے ایک لمحہ کو نہیں رکی ہے۔ دل میں تصور کرو کہ وہاں کیا کیفیت ہوگی کتنی عجیب بات ہے کہ گویا وہاں کا سمندر میٹھے پانی کا ہے۔ یہ قدرت کے کرشموں کا فقط ایک شمہ ہے۔

اب حضرت انسان وہاں پہنچے ہیں۔ رفتہ رفتہ دیکھیے کیا کیا کرتے ہیں۔ کہیں اس میں سے نہریں نکالیں گے۔ کہیں بند باندھیں گے۔ کہیں پشتے اور قلعے بنائیں گے غرض اس خدا کی شان یاد دلانے والی کیفیت کو بگاڑ کر چھوڑیں گے۔

نئی دنیا خاص کر اسکا جنوبی حصہ جیسا میں نے پہلے بیان کیا ابھی تک قدرت کے عجائبات کا مخزن ہی۔ اس کے ارد گرد ہزارہا چھوٹے بڑے جزیرے ہیں۔ اور آئے دن نئے نئے دریافت ہوتے جاتے ہیں۔ جن میں سے بہت سے ابتک بالکل غیر آباد ہیں۔ دیکھنا یہ ہی کہ یہ جزیرے کہاں سے آگئے۔ سمندر کی تہ میں سے چھوٹی چھوٹی چٹانیں نکل پڑی ہیں۔ یا ریت مٹی کی ٹوکریاں ڈال کر سمندر کی اتنی جگہ کو خشک کر دیا ہی یا کسی زلزلے کے صدمے سے تہ کا حصہ باہر نکل آیا ہے۔ نہیں ان میں سے ایک بھی سبب نہیں۔ خدا کی

شان اور قدرت کا یہ ایک اور نمونہ ہے۔

صانع قدرت نے ان کو ایسے معماروں سے بنوایا ہی جن کی حیثیت کو دیکھ کر کبھی یقین نہیں آتا کہ یہ کام ان ناچیزوں کا ہی۔ یہ سنگین کام بنانے والے معمار پانی کے کیڑے ہیں جنکو مونگے کے کیڑے کہتے ہیں۔ سمندر کی تہہ سے یہ ناچیز معمار جن کی تعداد حد شمار سے باہر ہے اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ سمندر کی تہہ کی لیسدار مٹی لاتے رہتے ہیں اور تہہ پر تہہ چڑھاتے رہتے ہیں۔

تہیں اس مضبوطی سے ایک دوسرے پر قائم ہو جاتی ہیں کہ سمندر کی زبردست موجیں ان کو نہیں اُکھاڑ سکتیں۔ یہ کیڑے سالہا سال تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں جو مرتے جاتے ہیں وہ اسی میں دفن بھی ہوتے جاتے ہیں۔ گویا اسکو وہ اپنے خون جگر سے تعمیر کرتے ہیں۔

یہانتک کہ ہوتے ہوتے ان کی عمارت سطح سمندر کے قریب آجاتی ہی تب ان معماروں کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کسی اور عمارت کی بنا ڈالتے ہیں۔ کیونکہ سمندر کی سطح سے باہر یہ زندہ نہیں رہ سکتے۔

اب کسی زلزلے یا سمندر کے اُتار سے یہ عمارت پانی سے باہر نکل آتی ہی۔ ادہر سے گزرنے والے جہازوں کو یکایک ایک نیا جزیرہ نظر پڑ جاتا ہی۔ بعض اوقات جہاز اس سے ٹکرا کر ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ کیونکہ کس کو گمان ہوسکتا ہی کہ جہاز کے راستے میں جہاں پہلے کچھ رُکاوٹ نہ تھی یکایک ایک زمین پیدا ہو جائے گی۔ سمندر کی موجوں سے کوڑا کرکٹ سبھی گھونگے وغیرہ اس پر پڑے رہتے ہیں اور سورج کی گرمی اسکو خشک کرتی رہتی ہے۔ کچھ عرصے میں اس کی سطح معمولی زمین کی سی ہو جاتی ہے۔

حضرت انسان جو ہمیشہ پرائے مال کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں جہاں کہیں اسکو دیکھ پاتے ہیں جھٹ قبضہ کر بیٹھتے ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں بناتے ہیں

اور فخر سے اکڑ اکڑ کر چلتے ہیں۔ اسکو بھول جاتے ہیں کہ

آہستہ خرام بلکہ مخرام　　زیر قدمت ہزار جان است

اس جزیرے پر جو لکھو کھا جانداروں کا مقبرہ ہے بالکل صادق آتا ہی۔

خلیجی رو بھی نئی دنیا کے عجائبات میں سے ہی۔ نئی دنیا شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی ہے۔ شمالی اور جنوبی حصے نہایت سرد اور وسطی نہایت گرم ہیں۔ وہاں کے وسطی سمندر کے حصے کو "گرے بین سی" کہتے ہیں۔ اسکا ایک حصہ دور تک خشکی میں چلا گیا ہی جسکا نام خلیج مکسیکو ہی۔

ہونے کو تو گرم ملک اور گرم سمندر پرانی دنیا میں بھی ہیں مگر نئی دنیا کے گرم حصے کی قدرتی شناخت ایک خاص قسم کی ہی۔ جس سے ایک عجیب قدرتی کرشمہ ظاہر ہوتا ہے، گرمی کی زیادتی سے پانی بھی گرم ہو جاتا ہے۔ اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سمندر کے پانی میں تلاطم مچ جاتا ہے۔

یہ پانی اس خلیج میں جا گھستا ہی اور چونکہ پانی کی گرمی اور حرکت باقی رہتی ہے وہ اس خلیج کے کناروں سے بہت زور سے ٹکر کھاتا ہے۔ اس ٹکر سے اس کی حرکت میں اور بھی تیزی بڑھ جاتی ہے۔ تو وہ شمالی کناروں سے ٹکراتا ہوا پھر باہر نکل آتا ہی۔ ان ٹکروں سے پانی کی حرکت میں تیزی تو بڑھ ہی گئی ہے اور جب وہ دوبارہ باہر آیا اور وہاں اس کی حرکت کے روکنے کے لیے کوئی چیز ہی نہیں۔ رُخ اسکا شمالی جانب ہوتا ہی اسلیے وہ تیزی کے ساتھ شمال کی طرف روانہ ہوتا ہے۔

اضلاع متحدہ امریکہ کے ساحل کے متوازی چلتے چلتے اس رَو کی ایک شمالی ٹھنڈی رَو سے ٹکر ہوتی ہی جس سے اس رَو کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ایک تو امریکہ کے انتہائے شمال تک چلی جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ گرم پانی کی رَو ہے۔ شمالی ملکوں کو جو نہایت سرد ہیں گرمی پہنچاتی ہے۔ وہ شمالی ٹھنڈی رَو نیچے نیچے آکر وسطی گرم ملکوں کو

ٹھنڈا کرتی ہے۔

گرم رَو کی دوسری شاخ کا رُخ یورپ کی جانب ہو جاتا ہے۔ اسی مڈبھیڑ کے سبب وہ انگلستان کے مغربی و شمالی کناروں سے آکر ٹکراتی ہے اور اُن کو گرمی پہنچاتی ہے۔ وہاں سے روانہ ہوکر "سویڈن ناروے" کو گرم کرتی ہے۔

وسط امریکہ کے سمندر میں اس رَو کے پانی کو کیا کچھ حرکت پہنچی تھی کہ اسی زور کے سبب سے ہزارہا میل چلی آتی ہے اور پھر بھی طاقت باقی رہتی ہے۔ اگر یہ گرم رَو نہ ہوتو انگریزوں کے ملک میں ناقابل برداشت سردی رہے۔ کہاں انگلستان اور کہاں امریکہ مگر خدا کی شان کس طرح گرمی پہنچائی ہے۔

انگلستان کی سیدھ میں جو اور ملک ہیں: ہاں انگلستان کا سا ہی موسم بموجب قاعدے کے رہنا چاہیے۔ مگر وہاں اس رَو کا گزر نہیں ہے۔ اس لیے نسبتاً سردی زیادہ سخت ہوتی ہے۔ خود انگلستان ہی میں مغربی حصے مشرقی حصوں کی نسبت زیادہ گرم ہیں۔ اسی رَو کی بدولت۔

راقم

صغیر علی۔ از اندور ہلکر کالج

جاپان

تیسرا باب

جاپان کے لڑکے اور لڑکیاں

جب جاپان کے لڑکے اور لڑکیاں مدرسے جاتے ہیں تو وہ نہایت ادب کے ساتھ اپنے اُستاد کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور ایک عجیب بھنبھناہٹ کی آواز

پیدا کرتے ہوئے سانس اوپر چڑھاتے ہیں۔ یہ بہت بڑے ادب و تعظیم کی علامت ہے
اُستاد اس کے جواب میں کسی قدر سر جھکا دیتا ہے۔ اس کے بعد بچے اپنی جگہ بیٹھ جاتے
ہیں اور اپنا اپنا سبق پڑھنے لگتے ہیں۔

ان کی کتابیں ہمارے لیے عجیب و غریب تماشا ہیں۔ صرف ان کتابوں کے الفاظ
کی شکلیں ہی بڑی بڑی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی سطریں بھی اوپر کی جانب سے نیچے کی طرف
جاتی ہیں۔ اُردو کتابوں کی طرح ان کا پہلا ورق دائیں جانب سے شروع ہوتا ہے اور بائیں
جانب یہ ختم ہوتی ہیں۔

جاپانی تحریر دائیں جانب سے پڑھی جاتی ہے انگریزی قاعدہ کے مطابق بائیں
جانب سے نہیں پڑھی جاتی۔ اس کے سوا سطریں صفحہ پر سیدھی نہیں لکھی جاتیں بلکہ
اوپر سے نیچے اُترتی ہیں۔ غرض جاپانی کتاب ہمارے واسطے پہلے پہل تو بڑے
ہی اُلجھن اور تماشہ کی چیز ہے۔

۷ جب تحریر کے سبق شروع ہوتے ہیں تو بچے قلم نہیں استعمال کرتے ہیں بلکہ
قلم کا کام برش سے لیا جاتا ہے۔ برش کو سیاہی میں ڈبوتے جاتے ہیں اور اُسی سے
ایک کے نیچے ایک حرف لکھنا شروع کرتے ہیں۔ اگر کسی لفافے پر پتہ لکھنے کی ضرورت
پڑتی ہے تو وہ اسکو اُلٹا دیتے ہیں۔ ملک کے نام سے پتے کا لکھنا شروع ہوتا ہے اور مکتوب الیہ
کے نام پر ختم کیا جاتا ہے۔ مثلاً

انگلستان۔ لندن کنسنگٹن گارڈنز۔ بروِن جان مسٹر۔

جاپان کے بچوں کو گھر پر بھی اتنی ہی تعلیم دی جاتی ہے جتنی مدرسے میں ان کی
تربیت ہوتی ہے۔ مدرسے میں ان بچوں کو حساب، جغرافیہ، تاریخ وغیرہ کی اسی طرح تعلیم
دیجاتی ہے جس طرح اور ممالک میں قاعدہ ہے۔ مگر ان کو نیک اطوار۔ عمدہ اخلاق اور اعلیٰ
خصائل گھر پر ان کے والدین سکھاتے ہیں۔ جاپان میں دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے

طریقے سیکھنا کوئی آسان امر نہیں ہے۔

ہم لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ اس قسم کے برتاؤ سے صرف نیک دلی اور خلق و مروت کا اظہار مقصود ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے مقررہ آداب اور پیچیدہ مروجہ قوانین کی پابندی ملحوظ ہوتی ہے۔

سلام وغیرہ کے قواعد مقرر ہیں کہ کس کو کتنی دفعہ کس طریقہ سے سلام کرنا چاہیے۔ بزرگوں۔ برابر والوں اور اپنے سے چھوٹوں کو سلام کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ مختلف درجہ اور مرتبہ کے آدمیوں کے کام کرنے کا طرز بھی جداگانہ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی لڑکی کے صرف چائے کی پیالی پیش کرنے کے طرز سے اجنبی مہمان اس کا رتبہ باآسانی معلوم کرلیتا ہے۔ بالکل ابتدائی زمانے سے بچوں کو ان تمام آداب و مراسم سے خوب واقف کرایا جاتا ہے اور ان کو اتنا عادی بنادیا جاتا ہے کہ پھر کبھی ان سے کسی قسم کی غلطی سرزد نہیں ہونے پاتی۔

جاپان کے نہایت خورد سال بچوں تک کو جن کی شیر خوارگی کا زمانہ ابھی ختم ہونے نہیں پاتا۔ یہ تمام باتیں سکھائی جاتی ہیں کہ کس طرح چلنا چاہیے۔ کیونکر قدم اٹھانے چاہییں کس طریقہ سے سلام کرنا چاہیے۔ اپنے بزرگوں کے سامنے کس طرح دوزانو ہوکر اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنی ننھی پیشانی زمین کو لگانی چاہیے۔ اور کس طرح پھر کھڑا ہونا چاہیے۔ بچے یہ سب کچھ نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے ہیں جو بے انتہا بھلا معلوم ہوتا ہے اور اپنی "کی مونو" میں ان تمام حرکتوں سے کسی قسم کی بے ترتیبی نہیں پیدا ہونے دیتے۔ لباس میں ایک شکن تک نہیں پڑنے پاتی۔

خورد سال بچوں کو نہایت احتیاط سے یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ مہمانوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ کمرے میں کس طرح داخل ہونا چاہیے۔ کشتی یا پیالے کو کس طرح اٹھانا چاہیے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کس پسندیدہ ڈھنگ اور نزاکت کی شان

سے چاے کی پیالی یا کسی کھانے کی رکابی کو پیش کرنا چاہیے۔

ایک مصنف بعض ضروری اشیاء کو خریدنے کی غرض سے کسی جاپانی دُکان میں جانے کا واقعہ یوں بیان کرتا ہو کہ دُکان کا مالک، مالکہ اور ان کے تمام بچے اولاً اس کے سامنے جھک گئے۔ ایک دو سال کا ننھا سا بچہ بھی تھا جو اپنی بہن کی پیٹھ پر سو رہا تھا۔ اسکو بھی جگایا گیا اور اجنبی خریدار کا مجرا بجا لانے کی اُس سے خواہش کی گئی۔ صغیر السّن بچہ بلا کسی گھبراہٹ یا چمکنے اور چیخنے چلّانے یا رونے کے بیدار ہوا اور جگائے جانے کی وجہ فوراً معلوم کرلی۔ زمین پر چھوڑے جانے کے ساتھ ہی اسنے حسب قاعدہ سلام کرنا شروع کیا اور اپنی ننھی پیشانی زمین پر رکھدی۔ ان تمام آداب کے بجا لانے میں اس سے کوئی بے قاعدگی سرزد نہیں ہوئی۔ اس نے تمام حرکتیں بالکل اپنے بزرگوں کی طرح انجام دیں۔ اسکے بعد اُسے پھر پیٹھ پر شال میں لپیٹ دیا گیا اور پھر لحظہ بھر میں وہ سو چکا تھا۔

پھولوں اور شیشہ آلات وغیرہ کو سلیقے سے جمانے اور آراستگی کے ساتھ ترتیب دینے کا فن جاپانی لڑکیوں کی خانگی تعلیم کا خاص اور نہایت اہم جزو ہوتا ہے جاپان کے کمروں میں ہر چیز نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ٹھکانے سے رکھی ہوئی ہوتی ہے۔

کمرے کی سجاوٹ اور سامان کی ترتیب میں بڑی ہی ہوشیاری اور خبرداری سے کام لیا جاتا ہے۔ اسباب کے جمانے میں اسکے باہمی تناسب کا بہت کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے پھولوں کے ایک گچھے کو کسی عمدہ چینی کے گلدان میں جمانا بڑے غور و فکر کی بات ہو بچوں کو نہایت پسندیدہ طرز پر بہت دلفریب صورت میں گلدستہ بنانے اور پھولوں کو جمانے کی خاص طور پر تعلیم دی جاتی ہے۔

جاپان کے اکثر مکانات میں اس قسم کی بہت سی کتابیں موجود ہوتی ہیں جن میں

ہنرمندی کے ساتھ مکان سجانے اور آراستہ کرنے کے اُصول و قوانین اور نقشے وغیرہ درج ہوتے ہیں۔ جاپان میں ایسی کتابوں کا بہت رواج ہے۔

جاپان میں عام طور پر ہر کس وناکس کا حُسن اور نفاست کی جانب رجحان ہوتا ہے اس قسم کا مذاق تمام جاپانیوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک غریب ترین مفلوک الحال جاپانی بھی اس جذبے سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک بڑا مشہور مصور کہتا ہے۔

جاپان کی طبعی ہنرمندی اور فطری کاری گری و سلیقہ شعاری کی خصوصیت کا عجیب ترین تجربہ مجھے اس طرح ہوا کہ ایک دفعہ میرے ہاں بہت سی آرائش کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اور میں ان کو ترتیب سے دیواروں پر جمانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ میرا نوعمر ملازم جو ایک جاپانی لڑکا تھا وہ بھی اسوقت کمرے میں موجود تھا۔ مشغولیت کے عالم میں جب کبھی میری نگاہ اس لڑکے پر پڑی تو صاف اس کے بشرہ سے ناپسندیدگی کی علامتیں ظاہر ہوتی تھیں۔

تھوڑے عرصہ کے بعد جب میں نے یہ دیکھا کہ اس کی ناپسندیدگی کے آثار اور بڑھنے لگے تو میں نے اس سے اس کی ناخوشی کی وجہ پوچھی اسپر اس لڑکے نے نہایت صاف دلی سے بے تکلف کہا کہ مجھے آپ کی ترتیب دینے کی طرز مطلقاً پسند نہیں۔

میں نے کہا کہ تم نے مجھ سے پہلے ہی ایسا کیوں نہ کہدیا۔ اُس نے جواب دیا کہ "آپ انگلستان کے جامع الکمال مصور ہیں اس لیے میں نے دخل دینا مناسب نہ جانا۔"

الغرض میں نے اسکو خود اسی کے مذاق کے مطابق کمرہ سجا دینے پر آمادہ کیا اور میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے بہت عجیب اور قابل یادگار سبق ملا۔

تقریباً دو گھنٹے اس لڑکے نے لگائے جن میں اُس نے ان سب چیزوں کو ہٹایا بھی۔ جمایا بھی اور درست بھی کیا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوچکا تو ایک نہایت خوب صورت اور دلفریب منظر تھا۔ دیوار ایک تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر چیز ٹھیک اپنے مقام پر رکھی ہوئی ہے اگر ایک کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو پورے نقشے میں برہمی پیدا ہو کر بے ترتیبی واقع ہو جائے گی۔

میں نے جائز اطاعت اور فروتنی کے ساتھ اس سبق کو قبول کیا اور ہمیشہ سے زیادہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ جاپانی بالکل اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ واقعی وہ غضب کے باکمال ہوتے ہیں۔ ان کے قدرتی طور پر صناع ہونے میں کوئی شک نہیں۔"

سید خورشید علی
حیدر آباد۔ دکن

بچپن کی نسبت کا عبرتناک نظارہ

(بسلسلۂ سابق)

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتار وں ہوں

ستم دیدہ عباسہ ابھی تک بالکل بے خبر ہے۔ اسکے دل میں بھول کر بھی نہ آتا تھا کہ رفیق دوسری شادی کرلے گا۔ وہ بالکل نہیں جانتی تھی کہ رفیق اسکو کس لیے ناپسند کرتا ہی۔ بس وہ یہی سمجھتی تھی کہ رفیق کے پہلو میں دل ہی اس قسم کا ہے۔ عباسہ کو اپنی ایک رازدار ملازمہ کے ذریعے کُل کیفیت معلوم ہو گئی۔ مگر اُس نے

یقین نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اکثر اس قسم کی خبریں سُنا کرتی تھی۔ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ رفیق دوسری شادی کرتا ہے۔

ظاہرا تو عباسہ غلط سمجھنے لگی لیکن اسکے دل کو ایک کھٹکا ساضرور ہوگیا۔ وہ اپنے کمرے میں بہت بے چینی کے ساتھ ٹہلنے لگی اور اس راز کے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب اسکو یقین ہوگیا کہ یہ سچ ہی تو وہ سکتے میں ہوگئی۔

آہ اس کے بعد مظلوم عباسہ کا کیا حال ہوا۔ دنیا اس کی نظروں میں اندھیری ہوگئی وہ رات اس کی بہت بے چینی کے ساتھ کٹی۔ صبح کو وہ اپنے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی دونوں کہنیاں میز پر ٹکی ہوئی تھیں۔ دونوں ہاتھوں سے جکڑ اپنے سر کو تھامے تھی۔ اور اپنی آیندہ زندگی پر غور کررہی تھی۔ مگر کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ کہاں پناہ لے۔

دفعتاً کمرے کے کواڑ کھلے اور رفیق کمرے میں داخل ہوگیا۔ غریب عباسہ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ رفیق اسکے کمرے میں آئیگا۔ اور پھر اس حالت میں جبکہ رات ہی اس کی دوسری شادی بھی ہوگئی۔

اس نے نظر جو اُٹھائی تو رفیق کو اپنے پیچھے کھڑا پایا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی کہ واقعی یہ رفیق ہے یا میری نظر غلطی کرتی ہے۔ مگر جب اسکو یقین ہوگیا کہ یہ رفیق ہی ہے تو وہ ایک اضطراری حالت میں کھڑی ہوگئی اور معمولی سلام علیک کے بعد پھر وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ رفیق بھی ایک قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا لیکن بالکل خاموش غریب عباسہ۔ اسکے بلدار تیور۔ بگڑی ہوئی پیشانی دیکھ کر دل ہی دل میں ہول کھانے لگی۔ رفیق کی صورت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر اس نے بہت صبر سے کام لیا۔ اور دل میں خیال کرنے لگی۔

کیا یہ وہی رفیق ہیں جنکے ساتھ میری زندگی کی کُل امیدیں وابستہ کردی گئیں

میں اُن کو چاہتی ہوں۔ مگر ان کی نظروں میں میری بالکل عزت نہیں۔

عباسہ ابھی تک انہیں دلی پیچ تاب میں مبتلا تھی کہ رفیق نے اس خاموشی کے قفل کو اس طرح توڑا۔ عباسہ تم دیکھتی ہو کہ میں کس قسم کی زندگی گزار رہا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ میں آج تم سے کیا کہنا چاہتا ہوں۔ خدا کے لیے عباسہ تم مجھ پر رحم کرو۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسکو غور سے سُنو۔ اور مجھے رائے دو کہ میں کیا کروں۔

عباسہ ان حیرت ناک کلمات کے سُننے کی تاب نہ لاسکی۔ فوراً اسکے دل میں یہ خیال گیا کہ رات کی شادی کا کچھ حال کہیں گے۔ نئی بیگم کو یہاں رکھنا چاہتے ہونگے میں کہدوں کہ میں سُننا نہیں چاہتی مگر اُس نے پھر خیال کیا کہ نہیں مجھے سُن لینا چاہیے۔ میں بھی تو دیکھوں کہ یہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اُس نے یہ سوچ کر اس طرح کہا۔

عباسہ۔ اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو فرمائیے۔

رفیق۔ تم میری حالت دیکھتی ہو کہ میں کس طرح اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔

عباسہ۔ ہاں میں دیکھتی ہوں کہ آپ بالکل خاموشی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارتے ہیں۔

رفیق۔ نہیں نہیں میرا یہ مطلب یہ نہ تھا۔ میں پوچھتا ہوں کہ تم میری حالت کس طرح کی دیکھتی ہو۔

عباسہ۔ میں دیکھتی ہوں کہ آپ ضرورت سے زیادہ فکرمند رہتے ہیں۔

رفیق۔ پھر کبھی تم نے اس کی وجہ دریافت کرنے کی بھی کوشش کی۔

عباسہ۔ میں یہ اُس وقت پر دریافت کرسکتی تھی۔ جب آپ اسکو پسند کرتے۔

رفیق۔ عباسہ۔ آج میں تم سے اپنا راز جسکو عرصہ سے پوشیدہ کیے ہوئے ہوں کہنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اسکو سُنکر رنج کروگی۔ مگر میں امید کرتا ہوں کہ تم اسکو ظاہر کرنے کی کوشش نہ کروگی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں شادی کرنے سے

انکار کرتا تھا۔

عباسہ۔ ہاں مجھے یاد ہی۔

رفیق۔ اچھا تو پھر یہ شادی کِسکے دل سے ہوئی۔

عباسہ۔ مجھے نہیں معلوم۔

رفیق۔ کیا تمہیں نہیں معلوم؟ سنو۔ ابا جان اور اماں جان کے دل سے۔

عباسہ سُنو اور غور سے سنو۔ میں تمہاری بچپن سے قدر کرتا تھا۔ میرے دل میں اس وقت تک کسی قسم کا خیال نہ تھا۔ مگر ہاں اماں جان اور اباجان نے اپنے مطلب کے موافق اس کے معانی نکال لیے۔

لیکن مجھے اس وقت تک کچھ اعتراض بھی نہ تھا۔ میں قسمیہ کہہ رہا ہوں کہ میں اسوقت جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل سچ ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ شادی کرکے تمہیں اس قسم کی تکلیف دوں۔ میں نے انکار کیا۔ مگر میرا کہنا بالکل نہیں چلا۔

اس لیے میں نے رات کو ایک دوسری عورت سے نکاح کر کیا ہی۔ اور اب میں اسکو یہاں رکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گی کہ میں یہاں رکھوں میں یقین کرتا ہوں کہ تم اجازت دیدو گی۔

یہ وہ الفاظ تھے کہ بدنصیب عباسہ اس کے سُننے کی تاب نہ لاسکی۔ اسکا دماغ اس کی عقل تھوڑی دیر کے لیے بالکل بیکار ہو گئی۔ رفیق بے چینی کے ساتھ جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اور غم نصیب عباسہ سکتے میں تھی کہ کیا جواب دے۔ اسے بالکل امید نہ تھی کہ رفیق کے ہاتھوں آج اس کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔

وہ رفیق جسے وہ ابھی تک اپنا سمجھے ہوئے تھی آج غیر کا ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے پر نظر کرتی تھی مگر اس کی نظروں میں بالکل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اُسنے

رفیق کی صورت کئی مرتبہ نظر اُٹھا کر دیکھی۔ مگر رفیق کی نظریں میز پر گڑی ہوئی تھیں۔ عباسہ نے۔ اسوقت بہت استقلال کے ساتھ کام لیا۔ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دھڑکتے دل کو سنبھالا۔ اور دوسرے ہاتھ سے چکرائے ہوئے سر کو تھامکر۔ اس طرح کہنا شروع کیا۔

رفیق تم کیا کہہ رہے ہو۔ آہ تم بہت سنگ دل ہو۔ بے وفا بھی ہو۔ تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ تم نے اپنے یہ خیالات جو آج ظاہر کیے۔ شادی کے قبل ظاہر کیے ہوتے۔ تو آج تمہارے ہاتھوں اس طرح میری قسمت کا فیصلہ نہ ہوتا۔ میں ابھی تک یہ سمجھی ہوئی تھی کہ تم میرے ہی ہو۔ مگر نہیں تم آج سے دوسری کے ہوگئے اسکو تم مبارک رہو۔

آہ! تم نے میری زندگی میں ایک داغ لگا دیا۔ میری زندگی میں اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہ ہوگی۔ میری بڑی ذلت ہوئی۔ مجھے اب سب ذلیل نظروں سے دیکھیں گے۔ ہر ایک کی زبان پر ہوگا کہ میاں نے چھوڑ دیا۔ میں کہیں کی نہیں رہی۔ وہ کون ہے جسکے ہاتھوں آج میں۔ اس طرح سے برباد ہوگئی۔ میں تمہارا مطلب سمجھ گئی۔ تم اسکو یہاں رکھو۔ میں بہت خوشی سے چلی جاؤں گی۔

تم یہ نہ سمجھنا کہ میں اس کی موجودگی کی برداشت کی تاب نہ لاسکی۔ نہیں بخدا۔ میں اس کی تابعدار ہوکر بھی رہ سکتی تھی۔ مگر اُس وقت پر جبکہ تمہاری نظروں میں میری قدر ہوتی۔ اگر تم اُسے پسند کرتے تھے شادی کرلیتے۔ مگر آہ تم نے میرے ساتھ بالکل بے رحمی سے کام لیا۔ تم نے میری بڑی توہین کی۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھے اب یہاں رکھنا بھی نہیں چاہتے۔ میں تمہیں اس تکلیف سے بچائے دیتی ہوں۔ میں تمہیں چاہتی ہوں اور دل سے چاہتی ہوں۔ مگر تم بہت متلون مزاج ہو۔ شادی مبارک ہو۔ یہ کہتے ہی کہتے عباسہ کا دل بھر آیا۔ رونے لگی۔

رفیق اسکے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر عباسہ فوراً کمرے میں چلی گئی۔ اور دروازہ بند کرلیا۔

عباسہ اپنی آیندہ زندگی پر غور کرنے لگی۔ وہ سوچتی تھی کہ کیوں میری زندگی میں اتنا بڑا انقلاب ہوگیا۔ وہ اس طرح اپنے دل سے باتیں کرنے لگی۔

ہائے میں بہت بدنصیب ہوں۔ کاشکے میں ایسی ذلت سہنے کے لیے پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ وہ رفیق جو میری زندگی کا مالک کردیا گیا۔ میرے ساتھ اس طرح پیش آئے۔ وہ یقیناً مجھے یہاں سے ٹالنا چاہتا ہے۔ کیا غضب ہے اے پاک خدا مجھ پر رحم کر۔ غم نصیب عباسہ کیا تو اسی دن کے لیے دنیا میں آئی تھی۔ مگر رفیق بھی قصوروار نہیں ہے۔ میری قسمت ہی بُری تھی۔

آہ اس رسم نے تباہ کردیا۔ اسوقت جبکہ دونوں کم عمر تھے۔ اس طرح قسمت پھوڑدی جائے۔ یہ بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ میں یہ تو نہ کہونگی کہ دانستہ والدین نے میرے ساتھ بُرائی کی۔ نہیں رسم کی پابندی کی گئی۔ کہ گھر کا لڑکا ہوتے لڑکی باہر نہ نکالی جائے۔ پیدا ہونے کے دن ہی نسبت کردی گئی۔ پھر جاہے کچھ ہی ہو۔ رفیق اچھا رہا وہ نئی بیگم کے ساتھ زندگی ہنسی خوشی سے بسر کرے گا لیکن میں برباد ہوگئی۔ کہیں کی نہ رہی۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو۔ جو گوش نصیحت نیوش ہے

وہ دن تو عباسہ کا اسی مصیبت میں کٹ گیا۔ مگر اس نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ اب میں اس گھر میں نہیں رہوں گی۔ وہ فوراً شام کی ٹرین سے اپنے والدین کے یہاں آگئی۔

اس کے پیارے والدین اس کی اس حالت کو دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ اس کی اماں جان خیال کرنے لگیں۔ کہ عباسہ رفیق سے ناراض ہوکر چلی آئی ہے۔

عباسہ اپنی ماں کی گود میں ...... جا کر گر پڑی اور رو رو کر بیان کرنے لگی ۔
اماں جان پیاری اماں جان رفیق نے پرسوں دوسری شادی کر لی ۔ وہ مجھے اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے تھے ۔ پیاری اماں جان عباسہ بہت بدنصیب ہے ۔ وہ عباسہ جسے آپ عزیز رکھتی تھیں ۔ آج رفیق کے ہاتھوں ذلت اُٹھا کر آئی ہے ۔ پیاری اماں جان بتائیے تو میں کیا کروں ۔

آہ یہ سین بھی کیسا دردناک تھا ۔ عباسہ رو رو کر اپنی حالت کا اظہار کر رہی تھی اور بیچاری ماں سکتے کے عالم میں تھی ۔ جس بات کا شان گمان بھی نہ تھا وہ سُننے میں آرہی ہے ۔ بہت صبر کیا اور اس طرح سمجھانے لگی ۔

جان من صبر کر ۔ وہ پاک قادر مطلق تجھ پر رحم کرے گا ۔ رفیق بے حیا ہے ۔ کمینہ ہے وہ ایک شریف دل کی قدر نہیں کر سکتا تھا ۔ تیری قدر کے لیے تیرے پیارے ماں باپ موجود ہیں ۔ اُنہیں اُن جیسی مبارک ہو ۔ پیاری عباسہ صبر کرو ۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے ۔

عباسہ کو ان تسلی آمیز الفاظ سے بہت مدد ملی ۔ وہ رنج جو تین دن سے ابر غم کی طرح اُس پر چھایا ہوا تھا ۔ تھوڑی دیر کے لیے ہلکا ہو گیا ۔ سچ ہے ۔ ماں باپ جیسی پیاری چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے ۔

ناظرین آپ جانتے ہیں ستم دیدہ عباسہ اس مصیبت میں کیوں ہے ۔ اگر اسکے والدین اس کی آئندہ زندگی کا کچھ بھی خیال کرتے تو یہ روز بد دیکھنا کیوں نصیب ہوتا ۔

اے ہندوستان کی رسموں ۔ تمھارے ہاتھوں سیکڑوں خاندان تباہ ہوتے جاتے ہیں ۔ مگر خدا نہ کرے جو تمھارے اُٹھانے کا نام لیا جائے ۔ اگر بچپن سے رفیق و عباسہ ایک دوسرے کو منسوب نہ کر دیے جاتے تو غالباً آج عباسہ ایک خوشگوار

زندگی بسر کرتی۔

اکثر شہروں میں اور اکثر خاندانوں میں اب بھی اس بات کا کثرت کے ساتھ رواج ہی کہ پیدا ہونے کے دن سے ہی وہ مضبوط رسّی ان کے گلے میں ڈالدی جاتی ہو۔ جسکا ٹوٹنا عمر بھر کو ناممکن سمجھ لیا جاتا ہے۔ رفیق اب اپنی نئی بیگم کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی بسر کر رہا ہے۔ مظلوم عباسہ ساری عمر اپنی قسمت کو روئے گی۔

رفیق پھر بھی اچھا رہا۔ عورتوں ہی کی ہر طرح پر مصیبت ہے۔ سچ ہے قسمت کے بھید اسی کو کہتے ہیں

خاکسار

بنت رشیدالدین

مصری مسلمان عورت

مندرجۂ ذیل تقریر مصر کے نہایت روشن خیال اور مشہور عالم شیخ عبدالعزیز نے دار التمثیل عربی میں چند مہینے ہوئے کی تھی۔ اس تقریر کو سُننے کے لیے بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوا تھا جس کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔ اور یہ تعداد اس لحاظ سے کہ بڑے بڑے علما، امرا، اور تعلیم یافتہ اصحاب کی تھی نہایت اہمیت رکھتی ہو۔ تعلیم یافتہ خواتین اور بڑے گھروں کی بیگمات بھی کثرت سے تھیں۔

اس تقریر کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں فاضل مقرر نے عورتوں کے طبعی فرائض بیان کیے ہیں اور اُن کی تعلیم و تربیت کے متعلق ہدایات کی ہیں۔ دوسرے حصے میں عورتوں کے متعلق مردوں کے فرائض بیان کیے ہیں۔ ہم اس موقع پر صرف پہلے حصے کا ترجمہ کرتے ہیں۔

یہ تقریر اگرچہ صرف مصر کی مسلمان عورتوں کو پیش نظر رکھکر کی گئی ہو۔ لیکن علی العموم مسلمان عورت اور خاصکر ہندوستان کی مسلمان مستورات کے لیے بھی یہ وہی حیثیت رکھتی ہو جو مصری عورت کے لیے۔ کیونکہ مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت بہت سی باتوں میں ایکساں ہو۔ اور تعلیم نسواں کا مسئلہ تو ان دونوں ملکوں میں قریب قریب ایک ہی ہو۔

مترجم

حضرات !!

میں نے مصری مسلمانوں کی حالت پر بہت کچھ غور کیا ہو۔ ان کی پستی۔ تنزل اور اخلاقی خرابیوں پر نہایت غائر نگاہ ڈالی ہو۔ نیز اس بات کو بھی میں بہت سوچتا رہا ہوں کہ ان امور کے اسباب کیا ہیں۔ اب آپ توجہ سے سُنیں کہ میں کن نتائج پر پہنچا ہوں۔

مرد اس لیے پیدا کیا گیا ہو کہ وہ دنیاوی زندگی کے دشوار سفر کے مشکلات کو حل کرے۔ جفاکشی۔ سفر۔ طلب رزق۔ جستجو اور کوشش۔ حقوق کی نگہداشت۔ کمزور بچوں اور عورتوں کی پرورش کا سامان مہیا کرنا یہ سب مرد کے فرائض میں سے ہیں۔ اسلیے انسانی تمدن میں فطرتاً مرد ہی ان تمام تکالیف شاقہ کا ذمہ دار قرار پایا ہے مصر میں میں دیکھتا ہوں کہ اکثر نو تعلیم یافتہ جنٹلمین گھر سے اُس وقت باہر نکلتے ہیں جبکہ گھنٹوں وہ آئینے کے سامنے کنگھی کرنے اور مانگ نکالنے میں گزار دیتے ہیں۔ کالر ٹائی کی درستی میں بہت سا وقت ان کا صرف ہو جاتا ہو۔ کوٹ۔ پتلون اور بوٹ کی صفائی میں ان کی توجہ زیادہ مصروف رہتی ہے۔ چہرے پر صیقل کرنے کے لیے صابون کا بڑا خرچ رہتا ہے۔

یہ اُن نوجوانوں کا حال ہو جن سے یہ امید کی جاتی ہو کہ وہ زندگی کے دشوار گزار مراحل کو جفاکشی سے طے کریں گے۔ اور انسانی تمدن کو ترقی دینے میں محنت شاقہ برداشت کرینگے۔ تاکہ وہ دنیا میں اپنے فرائض منصبی کو بجا لانے والے اور نیکنام مشہور ہوں۔

چونکہ ابھی میں مردوں کے متعلق زیادہ کہنا نہیں چاہتا اس لیے اپنے اصل مقصد یعنی مصری عورت کی حالت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو میری آج کی بحث کا خاص موضوع ہے۔ میں اسکے متعلق کوئی فلسفی بحث نہ کرونگا اور نہ اسکے تمام تمدنی حقوق مجھے بیان کرنے ہیں بلکہ اس وقت صرف اس کے تمدنی امراض اور ان کا علاج بیان کرنا مد نظر ہے۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ عورتوں کے طبعی حالات مردوں سے بالکل الگ ہیں۔ اور یہی طبعی حالات اس اختلاف کا باعث ہیں جو دنیا کے تمدن میں مردوں اور عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہر ایک فریق اپنے اپنے طبعی فرائض سے غافل ہوکر ایک دوسرے کی حد میں قدم رکھتا ہے۔ جس سے فطرتی تمدن کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

مشرقی نوجوان اپنے مردانہ فرائض سے غفلت اختیار کرکے کنگھی کرنے اور مانگ نکالنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ چہرے کی صیقل اور ڈاڑھی کی صفائی سے وہ اپنے آپ کو ایسا بناتا ہے کہ اگر اسکے مونھ پر مونچھیں نہ ہوتیں تو اس کو عروس کہنا بےجا نہ ہوتا۔

اور برخلاف اسکے مغربی یا امریکن عورت اپنے طبعی فرائض کو چھوڑکر مردانہ اخلاق و عادات اپنے اندر پیدا کرتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس قابل بنانے کی کوشش کرتی ہے کہ زندگی کے دشوار مراحل میں وہ مردوں کے دوش بدوش چلے۔ اگر اسکا لباس مردوں سے مختلف نہ ہوتا یا اسکے چہرے پر مونچھیں رہتیں تو یقیناً دیکھنے والا اسکو بھی مرد سمجھتا۔

لیکن یہ دونوں باتیں افراط و تفریط ہیں۔ اور تمدن کی طبعی حالت کے بالکل مخالف ہیں۔ اسلیے ہم واضح طور پر بیان کیے دیتے ہیں کہ نظام عالم میں عورت کے

طبعی فرائض کیا ہیں۔

عورت حاملہ ہوتی ہے۔ پھر ولادت کا زمانہ آتا ہے۔ پھر بچوں کی پرورش کرتی ہے۔

یہ عورت کے طبعی اور فطرتی فرائض ہیں جو قدرت نے مقرر کیے ہیں۔ اور دنیا میں کوئی اس کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتا۔

نو مہینے تک بچہ اس کے شکم میں رہتا ہے۔ اس زمانے میں طرح طرح کے امراض اور تکالیف میں وہ مسکین مبتلا رہتی ہے۔ کھانے سے بیزار۔ بات چیت سے نفرت۔ کانوں کو تمام آوازیں ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔ سوتی ہے تو گویا کانٹوں پر سوئی ہوئی ہے خواہ اسکا فرش قالین ہی کیوں نہ ہو۔

ان تمام تکالیف جھیلنے کے بعد اب ولادت کا زمانہ آتا ہے جسکو نہایت تکلیف اور مصیبت کا زمانہ کہنا چاہیے۔ پھر ایک کمزور اور ناتوان بچہ پیدا ہوا۔ ابھی ان تکالیف سے وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ اس ننھی سی جان کے پرورش کا بوجھ اس پر پڑا۔ قدرت نے اس کی جان میں ایسا محبت کا پیالہ اُنڈیل دیا کہ اب اسکو اپنے دُکھ سُکھ کی کچھ بھی خبر نہیں رہی اور وہ ہمہ تن اس کمزور بچے کی پرورش میں منہمک ہو گئی۔

اس نے آرام چھوڑا۔ نیند چھوڑی۔ اور بچے کو ہر قسم کی راحت پہنچانے کے لیے آمادہ ہو گئی۔ بلاکسی اجر کے۔ بلاکسی امید کے۔ بلاکسی شکریہ کی خواہش کے اپنی جان۔ اپنا تن۔ اپنا من اور اپنا دھن سب کچھ اس نوزائیدہ بچے پر اس نے لگانا شروع کیا۔

ابھی ان تکالیف کا خاتمہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ دوسرا سلسلہ پھر شروع ہوا۔ یعنی پھر وہ حاملہ ہوئی۔ پھر بچہ پیدا ہوا۔ اور پھر اس کی پرورش شروع ہوئی۔

یہی عورت کی طبعی حالت اس کی زندگی کے بیش قیمت اور کارآمد حصے میں ہے۔
اسی طرح کے مدوجزر میں وہ گرفتار رہتی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے کہ جو بالکل بدیہی ہے۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

عورت کی اس فطرتی حالت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسکا درجہ نظام عالم کیا ہے یعنی یہ کہ اس کی زندگی منزلی (خانگی) زندگی ہے۔ نہ کہ خارجی۔ وہ اپنے فرائض گھر میں رہکر ادا کرسکتی ہے بہ نسبت اس کے کہ تجارت گاہوں۔ پولیٹکل اور تمدنی جولانگاہوں میں جاکر زندگی کی کشمکش میں حصہ لے۔

عورت کے ان طبعی فرائض کی حالت شریعت اسلامیہ کے سامنے روشن تھی چنانچہ اس نے یہ قرار دیا کہ عورت کا خرچ اس وقت تک اسکے باپ کے ذمہ ہے جب تک کہ وہ کنواری ہے اور نکاح ہو جانے کے بعد اسکا نان ونفقہ شوہر پر واجب کردیا۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی مالدار کیوں نہ ہو۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کا منشا یہ ہے کہ عورت اپنے طبعی فرائض کے ادا کرنے کے لیے بالکل آزاد چھوڑی جائے۔

برخلاف اسکے مغربی لڑکی جب تک کمانے کے قابل نہیں ہوتی اس وقت تک اسکا باپ اسکے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ اور جب وہ کمانے کے قابل ہو جاتی ہے تو اپنے لیے اور بعض وقت بوڑھے ماں باپ کے لیے بھی وہی کماتی ہے۔ اس لیے مجبوراً اسکو منزلی زندگی چھوڑکر باہر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ کارخانوں۔ بازاروں۔ دوکانوں وغیرہ میں وہ مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مردوں کے سے شوق اور انہیں جیسے خیالات اسکے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ تدبیر منزل کی طرف اسکا دھیان بھی نہیں جاتا۔ وہ زیادہ تر انہیں کھیلوں اور مشاغل کی خواہاں رہتی ہے جسکے مزے بیتے ہیں۔ سیر وتفریح کرتی ہے۔ ناول اور افسانے پڑھتی ہے۔ کلبوں میں مردوں کے ساتھ ہر قسم کے مردانہ کھیلوں میں شریک رہتی ہے۔

ایک اور خرابی ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر شاہراہ میں مردوں کے ساتھ ہے محرم اور اجنبیوں ہر قسم کے مردوں کے اسکا سابقہ پڑتا ہے۔ بازاروں میں۔ گلیوں میں تفریح گاہوں میں۔ وادیوں میں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر۔ مجمع میں اور تنہائی میں، جس سے بہت سے فساد پیدا ہوتے ہیں۔ اور تمدن کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

لیکن مسلمان عورت فطرتی عورت ہے وہ اپنے فطرتی فرائض کو ادا کرتی ہے اور اس کی پاک شریعت اسکے سامان زندگی کی کفیل ہے۔

اب مسلمان عورت سے لوگ کس بات کے خواہشمند ہیں کہ جس سے وہ اپنی حالت درست کرے۔ کیا جغرافیہ یا تاریخ پڑھ کر۔ یا جامیٹری اور انگریزی زبان کی تعلیم سے؟ جن لوگوں نے اسکے لیے ایسا نصاب مقرر کیا ہے وہ حقیقت میں جاہل اور نادان ہیں۔ وہ واقف ہی نہیں کہ عورت کو کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ وہ فخر کرتے ہیں کہ ہمارے مدرسے سے اس سال اس قدر مسلمان لڑکیاں جغرافیہ اور تاریخ میں پاس ہوئیں۔ اتنی لڑکیوں نے انگریزی زبان میں کامیابی حاصل کی۔ مگر اس سے حاصل! ایسے لوگ امت اسلامیہ پر درصل ایک وبال ڈال رہے ہیں۔

کئی سال لڑکیاں ان مدارس میں گزارتی ہیں اور جب وہاں سے نکلتی ہیں تو نہ خانہ داری سے واقف ہوتی ہیں نہ تربیت اولاد سے۔ نہ اُن میں اچھی ماں بننے کی قابلیت ہوتی ہے نہ گھر کی مالکہ۔ زیادہ تر ناول کی خواہاں رہتی ہیں اور افسانے اور قصے خاصکر عشقیہ پڑھتی ہیں۔ ہاں ان میں سے مستثنٰے بھی ہوتی ہیں۔ لیکن صرف چند۔

اس لیے یہ مدارس ہمارے مرض کا بالکل علاج نہیں ہیں۔ ہمیں ضرورت ہے کہ ہماری لڑکیاں نیک اور پاک دامن مائیں اور گھر کی اچھی مالکہ اور روح رواں بنیں۔ اس کے لیے ہم کو چاہیے کہ ہم ان کو اس قسم کی تعلیم دیں جو اس مقصد کی رہنما ہو۔ یعنی (۱) حفظان صحت (۲) خانہ داری (۳) تربیت اولاد۔

عورت کے لیے حفظان صحت کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اپنی صحت اور بچوں کی تندرستی۔ کھانا اور مکان وغیرہ کا خیال رکھ سکے۔ بہت سے جزی امراض جو اکثر ہوتے رہتے ہیں اسکا علاج بھی اسکو جاننا چاہیے۔ پانی اور ہوا کی صفائی وغیرہ کا بھی علم ضروری ہے۔

خانہ داری کے لیے کھانا پکانا۔ سینا۔ کشیدہ کاری وغیرہ عورت کے لیے نہایت ضروری ہیں تاکہ وہ اپنے گھر کی چیزوں کو خود تیار کر سکے یا خادماؤں سے تیار کرا سکے۔ کیونکہ اگر وہ نہیں جانتی ہوگی تو وہ دوسروں سے بھی اس کام کو نہیں لے سکتی ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی ہمیشہ امیر ہی رہے۔ اس لیے امیر اور غریب ہر قسم کی عورتوں کو خانہ داری کی یکساں تعلیم ہونی چاہیے۔ تاکہ وہ اپنے گھر کی ہر ایک شئے خود تیار کر سکیں۔

میں جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم کا مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ عورتوں کی ابتدائی تعلیم میں اسکا کچھ حصہ مفید ہوگا۔ لیکن غیر زبانوں کی تعلیم کو عورتوں کے لیے میں بالکل پسند نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس سے وقت ضائع ہوگا۔ اسکا بچپن کا زمانہ اس قدر تھوڑا اور بیش قیمت ہے کہ اس میں اس قسم کی غیر ضروری چیز پڑھانے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

ان سب تعلیم کے ساتھ اسکو تہذیب لیکن خالص اسلامی تہذیب۔ تزکیہ نفس اور اخلاقی تعلیم کا دینا ضروری ہے۔

صحیح تہذیب سے مراد یہ نہیں ہے کہ بہت گویائی اور دلکش انداز اس میں پیدا ہوں یا اسکا دماغ مختلف مسائل سے بھر دیا جائے۔ بلکہ صحیح تہذیب کے یہ معنی ہیں کہ اس میں دب سعادتمندی اور خوش اخلاقی اور اس کی عقل میں وزن اور متانت پیدا ہو تاکہ وہ اپنے

قواے عقلی اور جسمانی کو بہترین طریقہ سے استعمال کر سکے۔

صحیح تہذیب ہم دو طریقوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک تو مذہبی کتابوں کو پڑھکر کیونکہ شریعت اسلامی کی اخلاقی اور روحانی تعلیم ایسی بلند پایہ ہے کہ جس سے انسان میں ہر قسم کی شرافت۔ ادب۔ متانت بدرجۂ کمال پیدا ہوتی ہے۔ اسکے لیے ضرورت ہی کہ ہم عورتوں کے واسطے مذہبی کتابیں نہایت سلیس اور آسان عبارت میں عمدہ ترتیب کے ساتھ لکھیں۔ اور گذشتہ سلف صالحین کے پاک نمونے اور مثالیں انکو دکھلائیں۔ جن سے انکے روحانی قواے میں بالیدگی اور نشو ونما پیدا ہو۔ اور وہ صحیح اسلامی تہذیب اور ادب کا نمونہ بن جائیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہی کہ گھر کے مرد اپنے عادات اور اطوار کو ٹھیک اور درست کریں۔ کیونکہ میں نے جہانتک دیکھا ہے اسی گھر کے بچوں کے اخلاق خراب ہوتے ہیں جس گھر کے مردوں کے عادات بگڑ جاتے ہیں۔ مردوں کو عمدہ نمونے انکے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ کیونکہ عملی زندگی کا بچوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔

مترجم

ا۔ ج

شاہ ایڈورڈ ہفتم کی یاد

ایم پاولی فرانس کے ایک نامور عہدہ دار ہیں۔ فرانس میں جو بادشاہ سیاحت یا سیر کی غرض سے آتے ہیں ان کی خدمت گزاری اور دیکھ بھال کے لیے حکومت فرانس ایم پاؤلی ہی کو متعین کرتی ہی۔

اس سلسلے میں وہ کئی برس سے ہیں اور اکثر شاہان یورپ کی خدمت میں حاضرباشی کا شرف پا چکے ہیں۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی خدمت میں ان کو خصوصیت اسلیے حاصل ہی کہ

انجہانی ہر سال فرانس جاتے رہتے تھے۔ اور مہینوں قیام فرماکر واپس انگلستان تشریف لاتے تھے۔ اس طرح ایم پاؤلی کو حضور کی عادات وخصائل جانچنے کا زیادہ موقع ملتا رہا اور انھوں نے اپنے خیالات ایک اڈیٹر کے اصرار سے شائع بھی کرا دیئے۔ اُنھیں کے مضمون سے جو نہایت دلچسپ بھی ہی کچھ قصہ ترجمہ کرکے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

جب یہ مضمون میں نے لکھا ہی تو شاید ایڈورڈ زندہ تھے اور مجھے یہ افسوس ناک خیال نہ آیا تھا کہ تھوڑے ہی دن بعد اُن کا تذکرہ مرنے والوں کے ذیل میں فعل ماضی کے ساتھ کیا جائیگا۔ مجھے افسوس ہی کہ اس مضمون کے چھپنے کی اجازت بھی زبانی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تھوڑے دن ہوئے جب وہ ایک دن کے واسطے پیرس تشریف لائے۔ لیکن مجھے شرف باریابی حاصل نہ ہو سکا۔ مجبوراً اس مضمون کے شائع کرنے کے لیے میں نے تحریری اجازت مانگی۔ جو اُنھوں نے اپنی نیک نہادی سے منظور فرمائی۔ اور یہ بھی لکھا کہ میں بڑی خوشی سے تمھارا مضمون پڑھونگا اور اگر ضرورت ہوئی تو تصحیح بھی بر وقت ملاقات کرونگا۔ مگر افسوس کہ اب وہ کبھی فرانس تشریف نہیں لائیں گے۔ جسکا نہ صرف مجکو بلکہ سارے فرانس کو رنج ہی۔ کیونکہ فرانس والوں سے شاہ ایڈورڈ کو بڑی یگانگت اور محبت تھی۔ ساری دنیا کو بے شبہ ان کی موت سے سخت ملال ہوا لیکن غالباً فرانس والوں کے برابر کسی غیر قوم کو نہ ہوا ہوگا۔

درصل شاہ ایڈورڈ نے اپنی خوش فراجی و بے تکلفی و نیک نہادی سے تمام اہالیان فرانس کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ مجھے ۱۸۶۸ء کا وہ واقعہ جب میں نے اُن کو پہلے پہل دیکھا تھا کل کی سی بات معلوم ہوتی ہی۔

میں اسٹیشن پر قصبہ نائیس کے کھڑا ہوا پیرس ایکسپریس کا انتظار کر رہا تھا کہ آنے والوں میں سے ایک لمبے خوبصورت شخص پر میری نگاہ پڑی جو مجمع میں سے بالکل دہکا پیل کرتا ہوا آ رہا تھا

میں اس کی خوش پوشاکی اور خوش وضعی کی دل میں مزے لے رہا تھا کہ اسٹیشن ماسٹر میرے پاس آیا اور اُسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا تم انہیں جانتے ہو کون ہیں ؟ مینے جواب دیا کہ نہیں۔ تب اُس نے بتایا کہ یہی شاہزادہ ویلز ہیں اور یہ اسی بے تکلفی کے ساتھ نایس میں آتے جاتے ہیں۔ یہاں کا بچہ بچہ انہیں جانتا ہے۔ اور سب کو ان سے بڑی محبت ہے۔

نمبر ۲

شاہ ایڈورڈ کی تخت نشینی سے قبل مجھے ان کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ اگرچہ میں باضابطہ ان کی خدمت میں مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ اور وہ خود بھی ایام ولیعہدی میں نہیں چاہتے تھے کہ کوئی مقرر ہو۔ انہیں اس بات سے چڑ تھی کہ لوگ ان کی دیکھ بھال اور خبرگیری کریں۔ چنانچہ پولیس بھی ان کی خبرگیری کے لیے ایسی خفیہ طور پر رکھی جاتی تھی کہ آپ کو خود اس کی اطلاع نہوتی تھی۔ جہانتک مجھے یاد ہی فرانس میں شاہ ایڈورڈ پر صرف ایک دفعہ حملہ کیا گیا ہی۔ لیکن شکر ہی کہ قاتل کا وار خالی گیا اور وہ محفوظ رہے۔

یہ بات لکھنے کے قابل ہی کہ شاہزادگی کے زمانے میں وہ اپنی والدہ حضور ملکہ معظمہ کی بے حد عظمت کرتے تھے اور ہمیشہ ملکہ معظمہ کی تصویر اپنے لکھنے کی میز پر رکھتے تھے۔ ان ہی کی عطیہ ایک لکڑی بھی اُن کے پاس تھی۔ مشہور ہی کہ یہ لکڑی اس درخت کی شاخ سے بنائی گئی تھی۔ جس کے نیچے شاہ چارلس دوم نے مفروری کے زمانہ میں پناہ لی تھی۔ سرے پر ملکہ معظمہ نے ایک نہایت خوب صورت دیوی کی مورت جڑوائی تھی جو گنگا کے کنارے سے دستیاب ہوئی تھی۔ اس لکڑی کو شاہ ایڈورڈ نہایت عزیز رکھتے تھے اور اگرچہ اُن کے پاس صدہا قسم کی چھڑیاں بیتیں وغیرہ تھیں مگر اس سے زیادہ کوئی معزز نہ تھی۔

میں یہاں اس صدمہ کا ذکر کرنا فضول سمجھتا ہوں جو شاہ ایڈورڈ کو حضور ملکہ کے انتقال

سے پہنچا۔ ان کی موت کے بعد تخت نشیں ہو کر انہیں اپنی پچھلی آزادی کو خیر باد کہنا پڑا۔ وہ بار بار فرانس آنا بھی چھوٹ گیا اور وہ بہت سی نئی پابندیوں میں گھر گئے۔ پیرانہ سالی نے بھی کچھ نہ کچھ اثر کیا۔ اور اگرچہ حضور نہایت مضبوط اور تندرست تھے اور محنت کرنے میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ تاہم بہ اقتضائے سن ان کی چال میں آہستگی اور جوش میں اعتدال آگیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ان کی خوش مزاجی اور نیک دلی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اور اسی لیے اپنے عہد حکومت میں بے شبہ وہ ایام ولیعہدی سے بھی زیادہ ہر دل عزیز ہوئے اس مختصر عہد میں مجھے ان کی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا۔ اور ان کی عادات و خصائل نے جو اثر میرے دل پر کیا انھیں کو اس وقت مضمون کی صورت میں پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور پھر اس بات پر افسوس کرتا ہوں کہ خود میرا ممدوح دنیا میں موجود نہیں جو اس مضمون کو پڑھتا اور ایک غیر قوم کے شخص کی زبانی اپنی باتیں سنکر خوش ہوتا۔

نمبر ۳

حضور بادشاہ کی عادت تھی کہ سفر میں وہ ہر شے کو پہلے سے تیار اور درست دیکھنا چاہتے تھے۔ اس قسم کی باقاعدگی اور سلیقہ پسندی حضور کو ملکہ معظمہ صاحبہ سے ورثہ میں ملی تھی۔ وہ اپنے سفر کے متعلق ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھتے تھے۔ اور جہاں جانا ہوتا تھا وہاں دو مہینے پہلے سے اطلاع دیتے تھے۔ ساتھ ہی ایم فہر حضور کی اردو بھیجدیے جاتے تھے تاکہ وہ حضور کے سفر کا انتظام کر رکھیں۔ ایم فہر ایک نہایت ہوشیار اور مستعد سیوس (باشندۂ سوئیزرلینڈ) شخص ہیں۔ حضور کا تفصیلی پروگرام وہی مرتب کرتے تھے۔ اور ریلوں کا کرایہ قیام کا انتظام بل وغیرہ چکانا سب انہیں کے ذمہ تھا۔

اس معاملہ میں وہ اتنے سخت منتظم واقع ہوئے تھے کہ معمولی معمولی رقموں پر

ہوٹل والوں سے لڑنے جھگڑنے سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے اور اکثر جس بات پر اڑ گئے اسکو منوا کے چھوڑا۔

سفر میں حضور بادشاہ کے ہمراہ گنتی کے چند ملازم ہوتے تھے۔ دو مصاحب اور ایک حکیم شاہی اور ایک پوسٹ ماسٹر۔ ان چاروں کو تو اعلیٰ عہدہ دار تصور کرنا چاہیے۔ باقی موٹربان۔ دربان وغیرہ کئی ہوتے تھے۔ کیونکہ حضور کے ہمراہ کم از کم تین موٹر کار رہا کرتی تھیں۔

حضور کا سفر ہمیشہ خاص اپنی ریل گاڑیوں میں ہوا کرتا تھا۔ یہ گاڑیاں تعداد میں صرف تین تھیں اور انٹرنیشنل کار کمپنی کے ہاں بنی تھیں۔ وہ نہایت آرام دہ اور خوبصورت تھیں لیکن سادگی کا حضور ایڈورڈ ہفتم کو اتنا خیال تھا کہ کبھی ان کو شوخ رنگ یا فوق البھڑک بنانے کی کوشش آپ نے نہیں کی۔

حضور جب فرانس کی بندرگاہ پر آتے تو یہ گاڑیاں تیار ملتیں۔ وہیں میئر پیشوائی کے لیے حاضر ہوتا اور سب سے پہلے میں ہی حضور سے مصافحہ کی عزت حاصل کرتا تھا۔ اسٹیشن پر اگر کوئی واقف کار نظر پڑتا تھا تو شاہ ایڈورڈ ہفتم اس سے بے تکلفی کے ساتھ ایک دو بات کرتے اور اکثر سلام میں سبقت فرماتے تھے۔ ان کا متبسم چہرہ اور خلق و تواضع کے ساتھ لوگوں سے ہاتھ ملانا ملنے والوں کو کبھی نہ بھولے گا۔ واقعی وہ فرانس والوں سے بالکل اپنایت برتتے تھے اور یہاں آکر جو وقت گزارتے تھے شاد و خرم رہ کر گزارتے تھے۔

حضور پیرس پہنچکر ہمیشہ ہوٹل برسٹل میں فروکش ہوتے تھے۔ اور وہاں آتے ہی تمام بڑے بڑے اخبارات منگواتے تھے اور سب سے پہلے تھیٹروں کے متعلق جو کالم ہوتا تھا اسکو پڑھتے تھے۔ اُنھیں فرانسیسی تماشا گاہوں سے حیرت انگیز واقفیت تھی۔ پیرس کا کوئی نامی ایکٹرس اور مشہور مطرب ایسا نہ تھا جسے وہ نہ جانتے ہوں۔

تھیٹر ڈس ورائٹیز ان کی پسندیدہ تماشا گاہ تھی۔ وہاں ہوٹل میں آتے ہی اُنکے لیے

دو درجہ مخصوص کر لیے جاتے اور ہوٹل کا منیجر ایک آرام کرسی بھی وہاں بھیج دیا کرتا تھا کیونکہ شاہ اڈورڈ کو ہمارے تھیٹروں کی نشستیں پسند نہ تھیں اور وہ بے آرام بیٹھ کر نہ چاہتے تھے کہ تماشہ کا لطف آدھا رہ جائے۔

ڈس ورائٹیز میں آخری تماشہ جو شاہ اڈورڈ نے دیکھا وہ "لی رائے" (یعنی شاہی خاندانوں کے متعلق) تھا۔ اس میں بادشاہوں کی حرکتوں کا بڑے دلچسپ طریق سے خاکہ اُڑایا گیا تھا اور خود شاہ اڈورڈ کا بھی تھوڑا سا ذکر مذکور تھا۔ جب اس رات بادشاہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو تھیٹر کے منیجر بہت گھبرائے کہ کہیں بادشاہ سلامت اس تماشہ سے کبیدہ نہ ہوجائیں۔ اگرچہ شاہ اڈورڈ کا ذکر ہجویہ نہیں آیا تھا۔ پھر بھی اسکو اُنھوں نے اس تماشہ میں سے قطعاً اڑا دینا چاہا۔ شاہ اڈورڈ کو بھی یہ خبر لگ گئی اُنھوں نے کہا کہ ہرگز کمی بیشی نہ کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب اُن کا ذکر آیا تو سب سے پہلے حاضرین میں وہی قہقہہ مار کے ہنسے جس سے پیرس والے بھی بہت خوش ہوئے۔

نمبر ۴

تخت نشیں ہونے کے بعد شاہ اڈورڈ نے پیرس کی سوسائٹی میں ملنا ذرا کم کر دیا تھا لیکن وہ اپنے ذاتی دوستوں کو نہ بھولے تھے اور ہمیشہ اثنائے قیام میں اُن سے ملتے جُلتے رہتے تھے۔ مجھے سب سے زیادہ تعجب جس بات کا ہے وہ حضور بادشاہ کی مستعدی اور پابندی اوقات تھی۔ اگرچہ بی آرٹز میں وہ آرام لینے آتے تھے مگر ہمیشہ ۷ بجے صبح اُٹھتے غسل کرتے تھے اور تھوڑا سا گرم دودھ پیتے تھے۔ اس کے بعد لباس پہننے کا وقت تھا بادشاہ سلامت ہمیشہ لباس خود پہنا کرتے تھے۔ توشک خانہ کا داروغہ صرف اس بات پر مامور تھا کہ جس سوٹ کا حضور اشارہ کریں لاکر رکھدے۔ دس بجے حاضری سے فارغ ہوکر لکھنے کی میز پر بیٹھ جاتے تھے۔ اور دو گھنٹے تک مسلسل کام کرتے تھے۔ لندن سے سرکاری ڈاک کے روزانہ جو تین بلندے پہنچتے تھے۔ حضور سب خطوط کو کھول کر خود پڑھتے

خود دستخط کرتے تھے۔ وزیر اعظم کو اپنے ہاتھ سے خط لکھتے تھے اور جن پر نوٹ کرنے ہوتے اُن پر نوٹ کرکے اپنے مصاحبوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ حضور بادشاہ کم از کم ایک گھنٹہ اپنے پرائیویٹ خط وکتابت میں صرف کرتے تھے۔ پھر سیر کا وقت مقرر تھا جسکی واپسی پر لنچ شروع ہو جاتا تھا۔

رات کا کھانا جس پر حضور اکثر اپنے دوستوں کو بھی مدعو فرماتے تھے سوا آٹھ بجے مقرر تھا۔ اس وقت بھی کھانا بہت سادہ ہوتا تھا اور حضور کے ساتھ دس آدمیوں سے زیادہ کبھی نہ ہوتے تھے۔ وہ کھانا کھاتے وقت اپنے ملازمین کے سوا اور کسی کو بھی رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ ہوٹلوں میں بھی کمرے تک ہوٹل کا نوکر قابیں لا لا کے حضوری خدمتگار ہوفز کو دیتا جاتا تھا اور ہوفز میز پر لا کے چُن دیتا تھا۔

میں نے یہ بات بھی خیال سے دیکھی کہ شاہ ایڈورڈ کھانے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے تھے وہ رات کے کھانے سے زیادہ سے زیادہ پون گھنٹہ میں فارغ ہو جاتے تھے۔

سگرٹوں کا حضور کو بہت شوق تھا۔ اُن کا سگارکیس روز بھرا جاتا تھا اور رات تک خالی ہو جاتا تھا۔ ان کی گھڑی کی زنجیر میں ایک چھوٹا سا دیا سلائی کا بکس لٹکا رہتا تھا جسپر شاہی نشان یعنی تاج بنا ہوا تھا۔ ایک دن میں نے اس کی خوب صورتی کی تعریف کی جس پر اُنھوں نے زنجیر سے نکال کر فرمایا کہ "ایم پاوٗلی اب اسے تم ہی اپنے پاس بطور نشانی کے رکھو۔ تم نے اسکو لیا تو مجھے خوشی ہو گی" اور انھوں نے ازراہ عنایت خسروی خود میری چین میں لٹکا دیا۔ جس کے بعد سے وہ آج تک میرے پاس موجود ہے۔

جب کام کرنے کے بعد حضور سیر کرنے کے لیے باہر تشریف لیجاتے تو دوسری موٹر میں انگریزی پولیس کا مہتمم اور میں ہمراہ ہوتے تھے۔ شاہ ایڈورڈ کو چھوٹے چھوٹے گانوں میں ٹھہرنے کا اور وہاں کے غریب بچوں کے کھیل دیکھنے کا بہت شوق تھا اور وہ کبھی بغیر ان غریب کسانوں کو کچھ تحفہ دیے تشریف نہ لاتے تھے۔

.بی آرٹرز میں انکے آنے کی خبر سنتے ہی سینکڑوں فقیر محتاج لوگ وہاں آن پہنچتے
ہیں اس خیال سے کہ حضور کو یہ لوگ دق نہ کریں سب کو وہاں سے نکلوا دیتا تھا۔ دو اندھے
فقیروں کو اہستہ میں کچھ نہیں کہتا تھا کیونکہ وہ بہت ہی غریب تھے۔ اور ہر طرح امداد کے مستحق
تھے۔ جاڑا ہو یا برسات وہ دونوں بلاناغہ اپنی اپنی جگہ پر آن کر جم جاتے تھے اور جوں ہی
بادشاہ سلامت کا کُتا انہیں دیکھ کر بھونکتا وہ سمجھ لیتے کہ بادشاہ آرہے ہیں۔ چنانچہ اپنے
پیالے آگے بڑہا دیتے تھے اور بابا آنکھیں بڑی نعمت ہیں کی صدا بلند کرتے۔ شاہ ایڈورڈ
خود انکے پاس جاتے اور باری باری دونوں کے پیالوں میں ایک معتدبہ رقم ڈالدیتے
تھے۔ اور جاتے وقت "اب کل" کا خوشگوار وعدہ بھی ضرور فرماتے تھے۔

ایک دن اتفاق سے ایک اندھا اپنی جگہ پر نہ تھا۔ حضور ان دونوں کے دیکھنے کے
اتنے عادی ہو گئے تھے کہ انہیں خیال ہوا کہ ان میں سے ایک کہیں نہ کہیں گر گرا پڑا ہو گا۔
اسکا حضور کو افسوس ہوا۔ لیکن دوسرے دن وہ اندھا اپنی جگہ پر موجود تھا۔ بادشاہ نے
اُس سے سوال کیا کہ کل تم کہاں تھے کیا بیمار ہو گئے تھے۔ اندھے نے کہا نہیں حضور بیمار تو
نہیں ہوا تھا۔

بادشاہ۔ تو شاید تم دیر میں وقت کے بعد پہنچے"۔

.. بیچارے اندھے فقیر کی سمجھ میں کوئی جواب نہیں آیا۔ آخر ذرا تامل کر کے اُسے صاف
صاف کہنا پڑا کہ "حضور میں تو دیر میں نہیں آیا تھا۔ حضور ہی وقت سے پہلے تشریف
لے گئے"۔

بادشاہ۔" اوہو۔ بھئی خدا کے لیے معاف کر دینا" اور وہ بڑی دیر تک ہنستے رہے۔

حضور بادشاہ غریب غربا سے ملکر روز باتیں کر کے نہایت خوش ہوتے تھے اور سب
لوگ بھی انہیں باتوں سے ان کی پرستش کرتے تھے۔ درحقیقت جو اُن سے ایک دفعہ
ملا پھر ان کی شفقت و مہربانی کو نہ بھولا۔ ان کی سادگی اور خوش مزاجی نے نہ صرف

سوسائٹی کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ بلکہ عوام کے دل میں بھی جگہ کرلی تھی۔ فرانس کے جھونپڑوں میں بہت لوگ کہتے تھے کہ "یہ بھی کتنا نیک آدمی ہے" اور سیاسی ایوانوں میں لوگ سوچتے تھے کہ "یہ بھی کیسا باعظمت بادشاہ ہے"

رقمہ
سید بنیاد حسین

اڈیٹوریل

عورتوں کے انتخاب کا حق۔ روس کا رسالہ عالم نسواں جسکے اڈیٹر اسمٰعیل بک ایک نہایت مشہور روسی مسلمان لیڈر ہیں لکھتا ہی کہ یہاں یہ مسئلہ ۱۹۰۸ء سے پیش تھا کہ روسی عورتوں کو جب حق انتخاب مل گیا تو مسلمان عورتوں کو بھی اپنے مذہب کی رو سے یہ حق مل سکتا ہی یا نہیں اور وہ شرعاً اس سے فائدہ اُٹھا سکتی ہیں یا نہیں۔ یہ مسئلہ ڈیوما میں چھیڑا گیا تھا اور عرصہ تک اخبارات میں اس کی بحث رہی۔ بعض ناواقف کہتے تھے کہ مسلمان عورت اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی اور اس طرح وہ ہماری نصف قوت کو کم کرنے کی کوشش میں تھے لیکن شیخ الاسلام سے جب دریافت کیا گیا تو انھوں نے نہایت صفائی کے ساتھ جواب دیا کہ انتخاب میں عورتوں اور مردوں کا حق اسلامی شرع کی رو سے یکساں ہی۔

مصر میں اس دو سال کے عرصہ میں دو یونی ورسٹی بنائی گئی ہیں۔ ایک تو مصری یونیورسٹی جسکے لیے مصطفےٰ کامل پاشا مرحوم نے کوشش شروع کی تھی۔ اب اس یونیورسٹی کا افتتاح ہوگیا۔ اس یونیورسٹی میں خود مسلمانوں کا مقرر کردہ نصاب پڑھایا جائیگا۔ اس میں عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا گیا ہی۔ انکے لیے بھی ایک شاخ رکھی گئی ہی۔ اور مختلف علوم وفنون کی ڈگری حاصل کرنے کا انکے لیے انتظام کیا گیا ہی۔

دوسری ازہری یونی ورسٹی ہے جامع ازہر مصر کا نہایت مشہور اسلامی مدرسہ ہی جو ایکہزار سال سے قائم ہی۔ اس میں دنیا کے مختلف حصے کے دس بارہ ہزار طلبا پڑھتے ہیں۔ اب اس مدرسہ کی اصلاح کرکے اسکو صرف علوم اسلامیہ کی یونیورسٹی بنا دیا ہے۔ اور باقاعدہ اسکا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ہمارے مصری بھائیوں کی اس علمی ترقی سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ہم سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔

ایک غیر معروف اسلامی سلطنت

افریقہ کا علاقہ نائجیریا (جو برٹش اثر میں داخل ہی) تقریباً پانچ لاکھ مربع میل ہی اور مختلف تخمینوں کے بموجب اس کی آبادی کا اندازہ ڈھائی کروڑ سے لیکر چار کروڑ تک ہی۔ اگر اس کی تقسیم کی جائے تو دو جدا جدا حصے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو سواحلی اور بزرگ علاقہ ہی۔ جسکا ایک ثلث بالکل قدیمی مذہب کا پیرو ہی۔ اور دوسرا اندرونی حصہ ہی۔ جسپر مسلمان سلطان اور سردار حکمراں ہیں۔ اور جن میں اکثر فلاحوں کی مشہور و معروف نسل سے ہیں۔ جن قطعات ملک پر فلاحوں کی نسل حکمراں ہی وہ سلطنت سکرٹر کے نام سے مشہور ہی اور کبھی کبھی اُسے سلطنت سکرٹر گندوبھی کہتے ہیں۔ اس اسلامی سلطنت کی کل مردم شماری ڈیڑھ کروڑ سے دو کروڑ تک قیاس کی جاتی ہے ملک دو قسم کے باشندوں سے آباد ہی۔ بڑا حصہ سکرٹر کہلاتا ہی اور چھوٹا حصہ گندو ہی۔ سکرٹر پر فلاح نسل کا سردار سلطان سکرٹر حکمراں ہی۔ جسکا دارالسلطنت مقام ورنو میں (سلطنت کی شمال کے سرحد کے قریب) ہی۔ چھوٹی قوم پر سلطان گندو حکومت کرتا ہی۔ لیکن مہمات عظیمہ میں اسکو ہمیشہ اپنے عمزاد برادر اور سردار سکرٹر کی ہدایات لینی پڑتی ہیں۔ سکرٹر فریق کی سلطنت بہت سے صوبوں میں منقسم ہی۔ اور امیران صوبوں کے حاکم ہیں۔ اسی طرح گندو بھی کئی صوبوں میں منقسم ہی۔ ان سب صوبوں کے امیر بہت کچھ تو خود مختار ہیں۔ لیکن سلطان سکرٹر کے اس سے زیادہ اثر میں ہیں۔ جس قدر مصر پر قبضہ برطانیہ سے قبل مصر کے خدیو سلطان المعظم کے مطیع تھے۔ ان امرا کی صرف تخت نشینی ہی سلطان سکرٹر کے

قبضہ میں نہیں ہی بلکہ وہ مہمات عظیمہ میں بارہا حاکمانہ طور پر مداخلت کیا کرتا ہی اور جزوی معاملات میں دخل دیتا رہتا ہے -

نمایش صوبجات متحدہ

نمایش صوبجات متحدہ الہ آباد کا افتتاح یکم دسمبر ۱۹۱۰ء روز پنجشنبہ کو ہز آنر سر جان ہیوٹ کے دست مبارک سے ہوا۔ رسم افتتاح میں کئی ہزار معزز صحاب شریک تھے۔ منیجنگ کمیٹی کی جانب سے آنریبل مسٹر جسٹس رچرڈز نے ایڈریس پڑھا۔ جو ایک نہایت خوب صورت صندوقچہ میں رکھ کر ہز آنر کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ہز آنر نے اپنی افتتاحی تقریر میں ابتدا سے اسوقت تک اس نمایش کی تاریخ بیان کی۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے کل کارکنان اور معاونین کا شکریہ ادا کیا۔ سر جان نے حاضرین کو ایک شاہی پیغام بھی پہنچایا۔ ہز آنر نے فرمایا کہ "کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ مجھے اس نمایش کا حال ہز مجسٹی سے عرض کرنے کی عزت حاصل ہوئی تھی۔ اور حضور ممدوح نے مجھے حکم دیا تھا کہ ہز مجسٹی اور حضور ملکہ معظمہ کی جانب سے یہ پیغام پہنچا دوں کہ دیر مجسٹیز نمایش کی کامیابی کے متمنی ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس سے اس صوبہ کے باشندوں کو مادی فوائد حاصل ہونگے"۔

سر جان نے آگے چل کر اس عام مسرت کا اظہار کیا جو حضور ملک معظم و ملکہ معظمہ کی ہندوستان میں قدم رنجہ فرمانے کی خبر سے رعایا کو حاصل ہوئی ہی۔ نمایش کے متعلق ہز آنر نے یہ بھی فرمایا کہ "ابتدا میں جتنا خیال تھا نمایش اس سے زیادہ وسیع ہی۔ میں کمیٹی انتظامیہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نے اس بات کا لحاظ رکھا کہ نمایش افتتاح کے لیے آج تیار ہو جائے۔ گو بلاشبہ تمام نمونے ہنوز اپنی اپنی جگہ نہیں پہنچے۔ لیکن مجھے شبہ ہی کہ کوئی اور نمایش افتتاح کے وقت اتنی بھی تیار ہو گئی ہوگی جتنی کہ آج ہماری نمایش ہی۔ اس نتیجہ کے لیے آپ کی کمیٹی اور خاص کر مسٹر جی آر مرے سکرٹری نمایش ذمہ دار ہیں۔

سلطان المعظم کی نیک دلی

ایڈریا نوپل کے اخبار الوطن نے لکھا ہو کہ "فوجی قواعد کے زمانہ میں ایک روز
سلطان المعظم نے یہاں (اڈریانوپل) کی جامع مسجد میں نماز پڑھی۔ افسران نے یہ انتظام کرنا
چاہا کہ جلالت مآب کے نماز پڑھنے کے وقت معمولی نمازی مسجد میں داخل نہ ہونے پائیں
لیکن جلالت مآب نے ایسا نہ ہونے دیا۔ اور جب صفیں جماعت کے لیے کھڑی ہوئیں تو
لوگوں نے ازراہ احترام جلالت مآب سے کچھ فاصلہ پر کھڑا ہونا چاہا مگر سلطان المعظم نے
نمازیوں کو اپنے قریب کر لیا۔ اور بالکل عام مسلمانوں کی طرح نماز ادا کی اور فرمایا "یعنی میں
نہیں چاہتا کہ رب العالمین کے حضور میں بھی مسلمانوں پر کوئی امتیاز حاصل کروں بلکہ جس طرح
وہ نماز پڑھیں گے میں بھی پڑھونگا۔"

ایک واقعہ یہ بھی بیان ہوا ہو کہ جب جلالت مآب مسجد سے برآمد ہو رہے تھے تو کچھ
لوگوں کی فریاد کی آواز اُنکے کان میں آئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ قیدی ہیں اور رہائی
کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر کسی جرم کی پاداش میں قید ہوئے ہیں تو میں
اُن کو رہا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حقوق العباد میں مداخلت کرنی ہو۔ ہاں اگر کسی قرضہ کی علت
میں قید ہیں تو انکے ذمہ کا قرضہ میں اپنی جانب سے ادا کر سکتا ہوں۔"

انگریزی اُستانیاں۔ انگلستان اور امریکہ میں تعلیم یافتہ عورتوں کی اس قدر کثرت ہو کہ
اب یہ دشواری لاحق ہو رہی ہو کہ انکے لیے کام کہاں سے پیدا کیا جائے۔ بہت سے پیشے
جنکے صرف مرد گزشتہ زمانے سے ٹھیکہ دار بنے ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ اب عورتوں نے ان سے
چھین لیے۔ ڈاک خانے۔ ریلوے کے دفاتر۔ کارخانے۔ دُکانیں اور مختلف زندگی کے شعبے
ان سے بھرے پڑے ہیں اور وہ مردوں کے برابر کی شریک ہو گئی ہیں۔ طبابت اور تعلیم کے

محکمہ جات میں بھی ان کی تعداد کم نہیں ہے۔ یہانتک کہ پہلے جس طرح انہوں نے مردوں کو ہٹا کر اپنی جگہ بنائی، اب خود ان کا ایک طبقہ دوسرے کو ہٹانے کی کوشش میں سرگرم ہے۔ ایسی حالت میں مدبران ملک بالخصوص اس طرف متوجہ ہیں کہ انکے لیے معاش کا کوئی نیا میدان نکالا جائے۔

لارڈ کرزن بہادر نے جو ہندوستان میں آج سے پانچ سال پہلے وائسرائے تھے۔ اکسفورڈ میں مارگریٹ ہال کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں کو چاہیے کہ اخبار نویسی۔ ادب اور نقشہ نویسی کی طرف توجہ کریں۔ کیونکہ یہ شعبے انکے لیے خاص موزوں ہیں۔ علاوہ بریں نوآبادیوں میں تعلیم گاہوں کی افسر گھرانوں کی منتظم اور دولتمندوں کی سکرٹری رہکر بھی وہ اپنی معاش کا سامان کرسکتی ہیں۔ ہندوستان صدیوں کی نیند سے آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا ہے۔ وہاں کے زنانخانوں میں آزادی کی تحریک پائی جاتی ہے۔ وہاں بھی انگریزی اُستانیوں کی کھپت ہوسکتی ہے۔ اسلیے انگریزی اُستانیوں کو ہندوستان کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔

ہندو مسلمانوں کا فساد۔ نہایت سخت افسوس ہے کہ کلکتہ میں ہندو مسلمانوں کے درمیان سخت فساد ہوا۔ کئی جانیں ضائع ہوگئیں۔ اور مالی نقصان کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہے۔ اس فساد کی بنیاد یہ ہے کہ مارواڑی لوگ کلکتہ کی مشہور مسجد زکریا میں امسال قربانی روکنا چاہتے ہیں۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری یہ مذہبی رسم مدتوں سے یہاں پر ہوتی چلی آتی ہے۔ ہم اس سے کیونکر باز رہ سکتے ہیں۔ اس بنا پر لڑائی ہوئی۔ سرکار نے انتظام کیلیے فوج منگائی ہے۔

لیڈیز کانفرنس کی صدارت۔ بڑے دن کے موقع پر اس دفعہ الہ آباد میں لیڈیز کانفرنس منعقد کی جانے والی تھی۔ اور ہمیں ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال کی صدارت کی افواہ گرم تھی۔

مدرسہ نسواں اعزہ - حیدرآباد میں حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی توجہ سے عورتوں کی تعلیم کے لیے عرصہ سے ایک مدرسہ اعزہ کے نام سے بصرف کثیر جاری ہی جس میں میٹرکیولیشن کے درجہ تک تعلیم دیجاتی ہی۔ اور اس کی استانیاں معقول تنخواہوں کی یوروپین یوروشین اور دیسی خواتین ہیں۔ اس کی صدر مس ایوانس ہیں جو نہایت اعلیٰ درجہ کا تعلیمی تجربہ رکھتی ہیں ۲۹۔ ذیقعدہ کو اس مدرسہ کا سالانہ جلسہ تقسیم انعامات کے لیے بصدارت لیڈی بیلی صاحبہ بشیرباغ میں منعقد کیا گیا۔

مس ایوانس نے مدرسہ کی سالانہ رپورٹ سنائی۔ ۱۰۵ لڑکیاں اس مدرسہ میں تعلیم پاتی ہیں۔ گزشتہ سال یہ تعداد ۷۰ تھی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ مدرسہ ترقی کر رہا ہی لیڈی بیلی صاحبہ نے خاتمہ پر ایک نصیحت آمیز تقریر فرمائی اور جلسہ بخیر و خوبی برخاست ہوا۔

واردات قتل - کالی کٹ کے قریب ایک جگہ ہی کو لنگد۔ وہاں ایک ظالم نے اپنی بیوی اور دو برس کی معصوم بچی کو چھری سے ذبح کر ڈالا۔ اور اب روپوش ہی۔ پولیس والے تلاش میں ہیں۔ وجہ قتل اس وقت تک معلوم نہیں ہوئی۔

ولی عہد جرمنی - شاہزادہ ولیم ولی عہد جرمنی ایشیا کی سیاحت کو نکلے ہیں۔ اور لنکا پہنچ چکے ہیں۔ اُن کے سفر میں ہندوستان، چین اور جاپان بھی شامل ہوں گے۔ آپ کی بیوی بھی ہمراہ ہیں۔ وہ علاوہ نہایت خوبصورت ہونے کے دربار جرمنی میں اس قدر ہردل عزیز ہیں کہ آجتک شاہی خاندان کی کوئی بہو نہ ہوئی ہوگی۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ممکن ہے کہ شاہزادی صاحبہ موصوفہ کو زنانہ جلسوں اور پردہ پارٹیوں میں مدعو کیا جائے۔

نیپال کی شہزادی۔ مہاراجہ دیب شمشیر جنگ سابق وزیر اعظم نیپال کی صاحبزادی رانی بھوبن صاحبہ اپنی خوشدامن صاحبہ اور خسر صاحب کے ہمراہ لیڈی منٹو سے ملنے تھوڑے دن ہوئے کلکتے آئی تھیں۔ وہ نہ صرف انگریزی میں خوب اچھی طرح بات چیت کر سکتی ہیں بلکہ انگریزی طرز معاشرت اور نئے طور طریق کو بھی پسند کرتی ہیں۔

آپ نے لیڈی منٹو سے لیڈی ڈورن کی رفاہی کاموں کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ ہندوستان کی عورتوں کے لیے جو کچھ اُنھوں نے کیا اُس سے بذات خود میں نے بھی بہت فائدہ اُٹھایا۔ اس کاموں کو اور تحریکوں کو جو تقویت آپ سے (یعنی لیڈی منٹو سے) پہنچی میں اس کی بھی دلی شکر گزار ہوں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس نئی تعلیم کے اثر سے میں جانور سے آدمی ہو گئی۔“

اس کے بعد رانی صاحبہ نے حضور ملکہ کی خدمت میں لیڈی منٹو کے توسل سے یہ پیغام دینے کی خواہش کی کہ دربار تاجپوشی پر جو لندن میں بماہ جون ۱۹۱۱ء منعقد ہونے والا ہے اس ناچیز کو بھی یاد فرمائیں۔ تاکہ منجملہ اور عقیدت مندان با اختصاص کے یہ کنیز بھی قدمبوسی سے سرافراز ہو۔“

آخر میں رانی صاحبہ نے منٹو نرسنگ ایسوسی ایشن کے لیے دس ہزار کے نوٹ دیے۔ جسے لیڈی منٹو نے رسمی شکریہ ادا کرنے کے بعد خوشی سے منظور فرمایا۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۷

خاتون

جلد | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عنایت خاں پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض ہند علی گڑھ میں طبع ہوا

جنوری سنہ ۱۹۱۱ء

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڈھ سے شائع کیا

خاتون

۱ یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲؍ رہے۔

۲ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

۴ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہوسلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب و یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

۷ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڑھ ہونی چاہیئے۔

خاتون

اڈریس

۳۰ دسمبر ۱۹۱۰ء کو الہ آباد میں وزیانگرم ہال میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس منعقد ہوئی اسکی صدر انجمن ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ تہیں - اس جلسہ میں ہر ہائینس موصوفہ نے جو قابلانہ اڈریس دیا اسکو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں -

اڈیٹر

معزز خواتین! آل انڈیا لیڈیز کانفرنس کی صدر انجمنی کا اعزاز جو آپ نے مجکو محض اپنی مہربانی سے بخشا ہے اگرچہ ایک ایسی بات ہے جس پر اس لحاظ سے بہ آسانی نکتہ چینی کی جا سکتی ہو کہ میں ایسی بڑی عظیم الشان مجلس کی صدر انجمنی کا استحقاق ثابت نہیں کر سکتی - اس کے ساتھ جس صوبہ میں یہ اجلاس ہو مقامی حالات کی بنا پر اسکی صدر انجمنی کے لیے یہیں کی کسی معزز خاتون کا انتخاب زیادہ موزوں ہوتا - تاہم مجکو ان باتوں سے چنداں تعلق نہیں - آپ نے مجکو ایک اعزاز دیا - اس اعزاز کے دینے پر جو اعتراضات ہوں اونکے جواب کی ذمہ داری

آپ نے اپنے ذمہ لے لی ہے - میرا اسیقدر فرض تھا کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتی اور یہ فرض میں نے ادا کیا - کاش اس فرض کی ادائگی کے واسطے مجکو زیادہ وقت دیا گیا ہوتا - تقریباً آٹھ یا دس روز ہوئے کہ آپ کی انجمن کی جنرل سکرٹری صاحبہ نے مہربانی فرماکر مجھے اس جلسہ کی صدارت قبول کرنے کی درخواست فرمائی تھی - میں نے جلسہ کی عظمت و مقاصد کو خیال کرکے وقت کا عذر بھی کیا تھا مگر وہ قابل سماعت نہ خیال کیا گیا - اس تھوڑے عرصہ میں جو چند باتیں میرے خیال میں آئی ہیں وہ میں آپ کے سامنے بخوشی پیش کرتی ہوں

معزز خواتین جاگو یہ نہایت خوشی کی بات ہی کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا خیال باوجود بہت سی ناگوار مخالفتوں کے اب ملک میں عام ہو چلا ہی - ہر جگہہ عورتوں کی تعلیم کے لئے عام اور خانگی انتظامات کئے جارہے ہیں اور بعض جگہہ یہ کام بلند پیمانہ پر شروع ہو گیا ہے تاہم جہانتک مجکو معلوم ہے ابتک کوئی ایسی انجمن جسکا مقصد عورتوں کی تعلیم و ترقی ہو نہ تھی جس میں ملک کے سب ضروری عنصر یعنی ہندو - مسلمان - عیسائی - پارسی ملکر کام کرتے اور مجموعی قوت سے اس کام کو انجام دیتے اور یہ ظاہر ہے کہ الگ الگ کوششیں اسقدر مفید نہیں ہوسکتیں جسقدر تمام ملک اور تمام قوموں کی مجموعی کوشش ہو سکتی ہے - اسلئے یہ انجمن مبارکباد کی مستحق ہی کہ ایک عام انسٹیٹیوشن کی بنیاد ڈالی جس سے بہت بڑے بڑے نتیجوں کی امید کیجا سکتی ہی -

اس انجمن کی کامیابی کی پوری امید علاوہ تمام قوموں کی مجموعی کوشش کے اور بھی چند وجوہ پر مبنی ہی - سب سے بڑی وجہ ہماری وہ درخواست ہی جسکو ہم حضور ملکہ معظمہ کیخدمت میں پیش کرینگے کہ وہ از راہ کرم گستری ہماری انجمن کا پیٹرنس ہونا قبول فرمالیں حضور والیسرائے و مختلف گورنر صاحبان کی لیڈی صاحبان و ہندوستانی مختلف بیگمات - مہارانیاں رانیاں جب اس انجمن کے مختلف عہدوں پر ممتاز ہونگی تو میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ انجمن کو کامیابی ہو گی - لیکن ساتھ ہی غالباً میرا یہ جتانا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اس ایسوسی ایشن کے نام میں کچھ

ترمیم کیجائے۔ مجھے اندیشہ ہو کہ موجودہ نام مسٹری مہامنڈل سے بعض فرقہ بھی خیال نہ کریں کہ یہ ایسوسی ایشن کسی خاص فرقہ کے لئے مخصوص ہو۔ چونکہ اس انجمن نے کُل فرقہ اناس کی بہبودی و ترقی کا بیڑا اوٹھایا ہے اسلئے کوئی نام ایسا ہونا چاہیئے جس سے یہہ موجودہ مغالطہ کا اندیشہ رفع ہو جائے۔

معزز خواتین! خانگی تعلیم حقیقت میں تمام قسم کی تعلیموں کا دیباچہ اور رانکاسنگ بنیاد ہو۔ یہ نہایت سچ کھا گیا ہو کہ بچہ کی تعلیم کا زمانہ اوسوقت سے شروع ہوتا ہو جس دن وہ پیدا ہوتا ہو۔ بچپن میں نقالی اور تقلید کی قوت نہایت تیز ہوتی ہے۔ بچہ جو کچھ دیکھتا سُنتا اور محسوس کرتا ہو فوراً اسکی تقلید کرتا ہو اور یہی وجہ ہو کہ ہر بچہ صرف دو برس میں ایک مستقل زبان کا ماہر ہو جاتا ہو۔ اس بنا پر خانگی تعلیم سے یہ مراد ہو کہ بچہ کے کان میں جو آواز پہونچے۔ جو کچھ وہ دیکھے جو کچھ وہ محسوس کرے سب ایسی باتیں ہوں جن میں کسی قسم کی لغویت اور بُرائی نہ پائی جائے۔ خانگی تعلیم کا بڑا ضروری حصہ حفظان صحت ہو۔ جو مائیں حفظ صحت کے اصول سے واقف نہیں ہوتیں انکے بچے اکثر بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں اسلئے ضرور ہو کہ ہر عورت حفظان صحت کی ضروری کتابیں جو اُردو و ہندی انگریزی میں طیار ہو گئی ہیں پیش نظر رکھے اور بچوں کی غذا۔ لباس وغیرہ میں ان کے موافق عمل کرے میں اس خیال کو پسند کرتی ہوں کہ ہم بھی تعلیم پھیلانے کا وہی طریقہ اختیار کریں جیسا کہ عیسائی مشن والوں کا ہو۔ یعنی اوستانیوں کا مختلف گھروں پر جا کر تعلیم دینا۔ اگرچہ اس طریقہ کے اختیار کرنے میں بہت مشکلات درپیش ہیں تاہم وہ ایسی نہیں ہیں جنکی وجہ سے ہم ہمت ہار دیں۔ اس طریقہ کی نسبت کوئی پیشین گوئی نہیں کر سکتا تجربہ اور وقت خود بخود اسکے مختلف پہلو پر روشنی ڈالیگا۔

معزز خواتین! ایک اور اہم مسئلہ بھی درپیش ہو اور وہ عورتوں کی نصاب تعلیم کا بہم پہونچانا ہو۔ یہ ایک نہایت مشکل اور وقت طلب مسئلہ ہو۔ عورتوں کی تعلیم اگرچہ جابجا پھیل رہی ہو لیکن ابھی تک کوئی عمدہ نصاب تعلیم ان کے لئے طیار نہیں ہوا ہو۔ جو کتابیں عام طور پر

پڑھائی جاتی ہیں وہ نہایت ابتدائی درجہ کی کتابیں ہیں۔ بہت سے بہت وہ پانچ چھ برس کے بچّہ کے لئے موزوں ہوسکتی ہیں۔ خصوصاً دس برس سے بیس برس تک کی عمر کے لئے جس قسم کا نازک۔ لطیف۔ مفید لٹریچر درکار ہے اوسکا ہندوستان میں مطلق وجود نہیں۔ میں اسبات سے ناواقف نہیں ہوں کہ اُردو لٹریچر اب چنداں کم مایہ نہیں ہی۔ فلسفہ کے متعلق قابل قدر کتابیں اُردو میں طیار ہوگئی ہیں لیکن موجودہ حالت میں وہ بالکل بیکار ہیں۔ عورتوں کے لئے ایک خاص نصاب تعلیم طیار کرانے کی ضرورت ہی جسکا طریقہ یہ ہی کہ اس قسم کے نصاب کے لئے معقول انعامات کے اشتہار دیئے جائیں اور ملک کے اہل قلم سے درخواست کیجائے کہ انگریزی۔ اُردو یا ہندی زبان میں اس قسم کا ایک سلسلہ طیار کردیں۔ پھر وہ ترجمہ کے ذریعہ سے ہر زبان میں نقل ہوجائیگا۔ میں نے سُنا ہی کہ جرمن زبان میں بہ نسبت اور یورپ کے ممالک کے عورتوں کا نہایت عمدہ نصاب تعلیم و تربیت کا مرتب ہوگیا ہی۔ اس لئے ان سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہی۔ اس نصاب تعلیم میں یہ لحاظ رکھنا ہوگا کہ کن کن علوم اور فنون کی کتابیں طیار کیجائیں اور کس طرح ان کے تدریجی درجہ قرار دیئے جائیں۔

ایک رزولیوشن جو ابھی آپکی نظر سے گذرا وہ غریب عورتوں کی دستکاری کو فروغ دینے کے متعلق ہے میں اس رزولیوشن کو کسی قدر وسیع معنوں میں استعمال کرنا چاہتی ہوں۔ یعنی اسکا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں بہت سی نازک دستکاریاں جو مذاق کے بدل جانے سے فنا ہوتی جاتی ہیں انکو زندہ کیا جائے۔ یا زیادہ فروغ دیا جائے۔ حقیقت میں نہایت افسوس کی بات ہی کہ ہندوستان کی نہایت نازک دستکاریاں جن پر ہندوستان کو فخر ہوسکتا تھا اس بیکسی کے ساتھ فنا ہوجائیں اور ہم انکی کچھ پروا نہ کریں بہت سی ایسی صنعتیں ہیں جو ہندوستان سے یورپ میں گئی یورپ نے انکی نقلیں کیں اور اب ہماری یہ جہالت ہی کہ ہم ان نقلی چیزونکی اصلی کی بہ نسبت زیادہ قدر کرتے ہیں۔ اسلئے یہ خیال نہایت عمدہ ہی کہ اکثر صدر مقامات پر زنانہ دستکاریونکے ڈپو قایم کئے جائیں۔ اور وہاں کے لوگونکو ترغیب

دیجائے کہ وہ عورتوں کو ان دستکاریوں کی طرف مائل کریں۔ اور ایسا بندوبست کیا جائے کہ ان دستکاریونکی معقول مالی قدر دانی کیجائے۔ عمدہ کاموں پر انعامات مقرر کئے جائیں مال کے فروخت کرنے کے لئے اشتہارات شایع کئے جائیں۔

معزز خواتین! وقت کی تنگی کی وجہ سے افسوس ہو کہ میں حسب دلخواہ تیاری نہ کرسکی جسکی مجھے امید ہو کہ میری معزز خواتین مجھے معاف فرمائیں گی۔

اس عظیم الشان جلسہ کی صدارت کی عزت جو آپ نے مجھے بخشی میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اس انجمن کے مقاصد کے حاصل ہونے میں خداوند کریم پوری کامیابی عطا کرے۔ آمین

جہاز

دخانی جہاز آجکل کی ترقی کا ایک اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہی۔ اگر اسکو ایک حرکت کرنیوالا عظیم الشان شاہی محل یا شہر رواں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ان لوگوں کی بدقسمتی میں کیا شک ہوسکتا ہی جو اپنے زمانہ کی ایک ایسی حیرت انگیز صنعت انسانی اور ایک ایسی قابل قدر نعمت عظمیٰ کو اپنی آنکھوں دیکھنے سے محروم ہوں۔ مگر افسوس ہمارے ملک میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جنکو دخانی جہاز کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہو۔ بلکہ کثیر تعداد تو ایسی ہی جو اپنے ذہن میں بھی جہاز کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔ ایسی حالت میں اگر ہمارے ملک کی خواتین کو جو اس بارہ میں مردوں سے بھی زیادہ قابل رحم ہیں اور جن کے بہت بڑے حصّہ کو جہاز تو کیا ریل کی بھی خبر نہیں "دخانی جہاز" کی صحیح کیفیت اور حالت سنائی جائے تو خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

جہاز کو کسی ترقی یافتہ مہذب ملک کا ایک چھوٹا سا قصبہ کہنا جس میں تمام ضروریات زندگی بافراط موجود ہوں ہرگز مبالغہ نہیں ہی۔ اس کی گنجایش اور اس کے ساز و سامان کی کیفیت ذہن نشین کرنے کی غرض سے مشہور پی اینڈ او کمپنی کے ایک جہاز کا حال سن لینا کافی ہی۔

اس جہاز کا وزن دس ہزار ٹن ہے اور جس انجن کی بدولت یہ جہاز چلتا ہے اسکی قوت چودہ ہزار گھوڑوں کی طاقت کے برابر ہے۔ اگر ایک گھوڑے کی قوت چار آدمیوں کی قوت کے برابر فرض کیجائے تو اس انجن کی طاقت چھپن ہزار آدمیوں کی طاقت کے برابر ہوئی۔ یعنی اس جہاز کو چلانے کے لئے چھپن ہزار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مگر دخانی انجن کی مدد سے صرف دو سو بارہ آدمی اسکو چلا لیتے ہیں۔ ان دو سو بارہ آدمیوں میں ایک تو جہاز کا کپتان ہوتا ہے اور آٹھ اس کے مددگار عہدہ دار۔ تھتر تختۂ جہاز کی نگرانی کرنے والے ملاح ہوتے ہیں۔ پندرہ انجینیر اور ایک سو پندرہ انجن میں کوئلہ ڈالنے اور اسکو اپنے کام میں مصروف رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس چھوٹی سی ریاست کے صرف اسی قدر ملازمین نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ ڈاکٹر۔ ڈاکٹر کے مددگار۔ مسافروں کی خدمت کیلئے ایک سو پینتیس خدمتگار۔ چھ باورچی۔ ایک داروغہ مطبخ۔ قصاب۔ حجام وغیرہ علحدہ اپنا اپنا فرض ادا کرتے رہتے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد تین سو ستاون ہے۔ ان سب ملازمان جہاز کی تنخواہ کا سالانہ خرچ بارہ ہزار پونڈ ہوتا ہے۔ یعنی ماہوار پندرہ ہزار روپیہ۔ خود جہاز کی لاگت دو لاکھ اسی ہزار پونڈ ہے جو بیالیس لاکھ روپیوں کے برابر ہے۔

صرف چھ ہفتوں کے ایک سفر میں جو لندن سے سڈنی واقع آسٹریلیا تک ہوا اہل جہاز کی خوراک کا خرچ آٹھ ہزار پونڈ یعنی ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ ہوتا ہے۔ اثنائے سفر میں تقریباً ایک ہزار آٹھ سو مسافر جہاز پر چڑھتے ہیں۔ اس شہر رواں کی روزمرہ خوراک کے لئے جو سامان خرچ ہوتا ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:۔

آٹا۔	تین سو پچاس بورے (فی بورہ وزنی دو سو پونڈ) یعنی ستر ہزار پونڈ یا پینتیس ہزار سیر۔
گائے کا گوشت۔	بتیس ہزار پونڈ۔
بکرے کا گوشت۔	تینتیس ہزار پونڈ۔

ہرن کا گوشت۔	ایک ہزار پانسو پونڈ۔
انڈے۔	اٹھتر ہزار۔
مُرغ۔	تین ہزار چار سو۔
کبوتر۔	ایک ہزار چھ سو۔
تیتر بٹیر وغیرہ۔	دو ہزار چار سو۔
مکھن۔	نو ہزار پونڈ۔
ساگو۔	گیارہ ہزار پونڈ۔
مُربہ۔	ایک ہزار آٹھ سو پونڈ۔
مٹھائی۔	آٹھ سو پچاس پونڈ۔
سوڈا لمنیڈ۔	بیس ہزار بوتل۔

راستہ میں جہاں جہاں جہاز ٹھیرتا ہی وہاں سے کُل چھ سو پونڈ یا نو ہزار روپیہ کی ترکاری اور گیارہ ہزار ایک سو روپیہ کا میوہ خریدا جاتا ہی۔

صفائی کا اس قدر خیال ملحوظ رکھا جاتا ہی کہ تمام سفر میں حسب ذیل حساب کے مطابق تولیہ وغیرہ خرچ ہوتے ہیں:۔

چھوٹا تولیہ (کھانے کا)	ستائیس ہزار۔
تولیہ (مُنہ صاف کرنے کا)	چوبیس ہزار
بڑا تولیہ (نھانے کا)	سات ہزار۔
تکیہ کے غلاف۔	آٹھ ہزار پانچ سو۔
بلانکٹ۔	دو ہزار چار سو۔
میز پوش۔	دو ہزار سات سو۔

ان چیزوں کو جہاز میں نہیں دھویا جاتا بلکہ سڈنی میں یا لندن میں دھلوایا جاتا ہے۔

ڈھلنے کے وقت تک ان کی مجموعی تعداد پینسٹھ ہزار تک پھونچ جاتی ہی۔

ہر روز انجن میں ایک سو پچیس ٹن کوئلہ صرف ہوتا ہی۔ فی ٹن سترہ روپیہ کے حساب سے کوئلہ کا کل خرچ روزانہ ایک ہزار تین سو پچیس روپیہ ہوتا ہی۔ روشنی مُہیّا کرنے کی غرض سے جو کوئلہ جلایا جاتا ہی وہ اس کے سوا ہی۔ ہر رات برقی روشنی کے پانچ سو سے زیادہ فانوس جہاز کو بقعہ نور بنائے رکھتے ہیں۔

جب جہاز اپنے سفر سے لندن واپس آتا ہی تو اسکو خوب اچھی طرح صاف کیا جاتا ہی اندر اور باہر صفائی کے ساتھ از سر نو رنگ کیا جاتا ہی۔ اس رنگوائی میں صرف دو ہزار پونڈ یا تیس ہزار روپئے خرچ ہوتے ہیں۔ کائی وغیرہ جو جہاز کے اطراف جمی ہوتی ہی اسوقت نکالی جاتی ہی اس کا وزن تقریباً تیس ٹن ہوتا ہی جس کے آٹھ سو چالیس من ہوتے ہیں۔

جہاز کی عموماً پانچ۔ چھ منزلیں ہوتی ہیں۔ سب سے پہلی منزل میں انجن ہوتا ہی۔ اور یہیں انبار خانہ بھی ہوتا ہی۔ اس کے اوپر کی منزل میں مسافروں کے لئے کمرے بنے ہوتے ہیں۔ تیسری منزل میں باورچیخانہ۔ ڈاک خانہ اور کھانے کا کمرہ ہوتا ہی۔ بعض جہازوں میں کھانے کا کمرہ اتنا وسیع ہوتا ہی کہ اس میں پانچ سو سے زیادہ آدمیوں کی گنجایش ہوتی ہی۔ اسی درجہ میں ڈاکٹر۔ انجینیر اور بعض دوسرے عہدہ دار رہتے ہیں۔ اوّل درجہ کے مسافروں کے بعض کمرے بھی اس میں ہوتے ہیں۔ چوتھی منزل میں چرٹ نوشی کا کمرہ اور موسیقی کا کمرہ ہوتا ہی اور یہاں بھی چند کمرے اوّل درجہ کے مسافروں کیلئے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر کی منزل میں جہاز کے کپتان کا کمرہ ہوتا ہی اور چند درجۂ اوّل کے کمرے مسافروں کے واسطے ہوتے ہیں۔

جہاز میں مختلف قسم کے تفریحی کھیل کا سامان موجود رہتا ہی۔ لوگ بڑے شوق سے ان کھیلوں میں حصّہ لیتے ہیں۔ باقاعدگی کے ساتھ مشورہ ہوتا ہی اور تفریحی مشاغل کا ایک پروگرام مرتب کیا جاتا ہی۔ پچاس ساٹھ مسافر باہم ملکر ہزار۔ ڈیڑھ ہزار روپے جمع کر لیتے ہیں

اور اس رقم کے ذریعہ انعامات وغیرہ مقرر کر کے مجوزہ پروگرام (دستور العمل) پر بڑی سرگرمی سے عمل کرتے ہیں۔ ختم سفر پر کامیاب لوگوں میں انعام تقسیم کئے جاتے ہیں اور ایک معتدبہ حصہ اس رقم میں سے بچا کر یا عموماً مجمع رقم کا دسواں حصہ غریب جہاز والوں کی بیواؤں اور یتیموں کی امداد میں صرف کیا جاتا ہے۔

عموماً تمام جہازوں میں ایک عمدہ کتب خانہ ضرور ہوتا ہے جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود ہوتی ہیں۔ بعض جہاز میں تو مسافروں سے کتب خانہ کی کوئی علحدہ اُجرت نہیں لی جاتی۔ بعض میں پورے سفر تک کے لئے کتب خانہ کی فیس دو شلنگ چھ پینس ہوتی ہے جو ایک روپیہ دس آنہ کے برابر ہوتے ہیں۔ وقت واحد میں ایک مسافر دس کتابیں تک کتب خانہ سے لینے کا مجاز ہوتا ہے۔ قلم۔ کاغذ۔ سیاہی وغیرہ ہمیشہ مفت ملتی ہے۔ ڈاک کے ٹکٹ جہاز کے ڈاک خانہ میں ہر وقت فروخت ہوتے ہیں۔

بعض جہازوں میں خود انکا روزانہ اخبار بھی شایع ہوتا ہے خصوصاً ان جہازوں میں جو انگلستان سے امریکہ جاتے ہیں اس کا انتظام ضرور ہوتا ہے۔ بے تار کی خبر رسانی کا طریقہ جو آجکل مہذب ممالک میں بہت رائج ہو رہا ہے اسی سے ان جہازوں میں مدد لی جاتی ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے اسی ذریعے خبریں بہم پہونچائی جاتی ہیں اور ہر روز علی الصباح تازہ ترین خبروں کا ایک خاصہ اخبار مسافروں کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ایک پرچہ کی قیمت پانچ سنٹ ہوتی ہے جو ہمارے ہاں کے ڈھائی آنوں کے برابر ہوئی۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

جاپان

چوتھا باب

جاپان کے لڑکے

جاپانی لڑکا اپنے خاندان اور گھربار کا بادشاہ ہوتا ہی۔ جاپان نے عورتوں کو جو درجہ دے رکھا ہی اوسکے لحاظ سے تو وہ بالکل ایک مشرقی شہر ہی۔ جاپانی لڑکا جوان آدمی بنکر اپنی بہن اور اپنی بیوی پر فرمانروایانہ حکومت واقتدار رکھتا ہی۔ یہ سچ ہی کہ جاپان میں اب اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے ان معاملات میں وسیع نظر سے کام لینا شروع کیا ہی۔ متمول خاندانوں کی عورتیں بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتی ہیں۔ مغربی لباس پہنتی ہیں اور مغربی آداب و مراسم کی تقلید کرتی ہیں۔ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھتی ہیں۔ کمرہ یا گاڑی میں اپنے شوہر سے آگے داخل ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہی جیسا انگریز اپنی عورتوں سے کرتے ہیں لیکن درمیانی اور نیچے درجہ کے لوگوں میں قدیم باتیں ابھی تک باقی ہیں اور اُن ہی پُرانی رسموں کا رواج ہی۔ اس طبقہ میں عورت محض ایک خادمہ ہوتی ہی۔ یہ کہا جاتا ہی کہ بڑے بڑے خاندانوں میں بھی نج کے طور پر بعض پُرانی رسمیں برتی جاتی ہیں۔ وہ معزز خاتون جو مغربی لباس میں بالکل اپنی مغربی بہنوں کی طرح رہتی ہی جب گھر پر "کی موتو" اور "اوبی" پہنتی ہی تو پھر اپنی دادی کی طرح اپنے خاوند کی خدمت بجا لانے لگتی ہی۔

جاپان میں اولادِ نرینہ کی منزلت بعض وہاں کے مذہبی رسوم کی بنا پر قایم ہی۔ ان مراسم میں سب سے زیادہ اسلاف پرستی کا درجہ ہی۔ ہر خاندان کے مورث اس گھرانے کے دیوتا مانے جاتے ہیں اور صرف مردوں ہی کو یہ عزت حاصل ہوتی ہی۔ عورتوں کو نہ تو خاندانی دیوتاؤں کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہی اور نہ ان پر کوئی نذر و نیاز چڑھائی جاتی

کا مالک اور جائداد وغیرہ بھی اولاد نرینہ ہی کو ملتی ہو۔ عورتیں وارث نہیں ہوتیں۔ اسلئے ہر جاپانی باپ کو لڑکے کی بڑی تمنا ہوتی ہو تاکہ اس کے بزرگوں کی پرستش کا سلسلہ جاری رکھ سکے اور اس کی جائداد کا مالک بن سکے۔

اسی وجہ سے جاپان میں لڑکے کی پیدائش پر خاندان بھر میں خوشی منائی جاتی ہو اس سے ہم کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ لڑکیوں سے برا سلوک کیا جاتا ہو یا جیسا کہ بعض اوقات چین میں ہوتا ہو لڑکیوں کو مار ڈالا جاتا ہو۔ ایسا بالکل نہیں ہوتا۔ لڑکیاں بھی اوسی طرح محبت و الفت کے ساتھ بڑے ہی پیار اور چاؤ سے پرورش پاتی ہیں جیسے ان کے بھائی۔ فرق صرف اتنا ہی ہو کہ وہ خاندان کی اتنی سربرآوردہ رکن نہیں خیال کی جاتیں۔

تین سال کی عمر میں جاپانی لڑکے دیوتاؤں کا شکر بجالانے کے لئے مندر لیجائے جاتے ہیں۔ پھر پانچ برس کی عمر میں ان کو دوبارہ اسی غرض سے مندر کو جانا پڑتا ہو۔ کیونکہ اسوقت انہیں "ہاکامہ" پہنا دیا جاتا ہو جو مردوں کا لباس ہو۔ لہذا اسوقت سے ہر لڑکا اپنے کو پورا مرد خیال کرنے لگتا ہو۔ جاپان میں اس عمر سے لڑکوں کو اگر وہ خوشحال ہیں تو ابتدائی تعلیم کی تکمیل میں مصروف رکھا جاتا ہو۔ ابتدائی مدارس میں ان کو اعلیٰ تعلیم کے لئے تیار کیا جاتا ہو اور بڑے مدارس میں تعلیم پانے کے قابل بنایا جاتا ہو۔ مگر غریب غیر مستطیع جاپانیوں کے لڑکے اکثر اس وقت سے روزی کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اور کاروبار کرنے لگتے ہیں۔

اجنبی سیاحوں کے لئے ان کمسن ہونہار بچوں کی عجیب و غریب صناعیاں بڑی حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ جاپان میں چھوٹے چھوٹے بچے کتابوں کی جلد باندھتے ہیں۔ کاغذ کی قندیلیں تیار کرتے ہیں۔ رنگ و روغن چڑھاتے ہیں چینی کی پیالیاں بناتے ہیں۔ گھاس کی اس قسم کی رسیاں بٹتے ہیں جو سال کے پہلے ہفتہ میں بھوت پریت کو دفع کرنے کی غرض سے گھروں کے سامنے لٹکائی جاتی ہیں۔ چٹائیاں بنتے ہیں۔ غرض ایسے سیکڑوں پیشے کرتے ہیں۔ ان خوردسال بچوں کی ابتدائی مشق بھی نہایت دلچسپ ہوتی ہو جو دنداں سازی کا فن سیکھنا

چاہتے ہوں - جاپان میں دنداں ساز دکھنے والے تکلیف دہ دانت کو اپنی دو انگلیوں سے نکال لیتے ہیں - شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے ذریعہ ایسی آسانی اور صفائی سے دانت اکھاڑ لیا جاتا ہی جیسا کسی آلہ یا اوزار کے ساتھ - اس فن کے مبتدی اپنے پیشہ کو اس طرح سیکھنا شروع کرتے ہیں کہ پچھلے تختوں میں گڑی ہوئی میخیں اکھاڑنے کی مشق کرتے ہیں - اوّل اوّل نرم کیلوں سے کام لیتے ہیں - پھر رفتہ رفتہ اس میں ضروری ردوبدل کرتے جاتے ہیں یہانتک کہ صرف اپنی دو انگلیوں کی مدد سے لکڑی میں پوری دھسی ہوئی میخ نکال لینے کی خاصی مشق ہو جاتی ہی -

خوش قسمتی سے ان کو اکثر تعطیلات بھی ملتی رہتی ہیں - جاپان میں بہت سی ایسی عیدیں ہوتی ہیں جن میں کاروبار سے چھٹی ملتی ہی اور بچے اپنے والدین کے ہمراہ کسی مشہور باغ یا مندر میں ہنسی خوشی ایک آدھ دن گذارتے ہیں - خاص لڑکوں کی ایک بہت بڑی عید بھی ہی جسے **"جھنڈیوں کی عید"** کہا جاتا ہی - سال کے پانچویں مہینہ کے پانچویں روز یہ عید آتی ہے - ہم دوسرے مقام پر اس عید کا ذکر کریں گے -

ہر جاپانی لڑکے کو یہ سکھایا جاتا ہی کہ اس کے ذمہ اس کے والدین اور اس کے شہنشاہ کے بہت بڑے مہتم بالشان فرایض ہیں - جاپانیوں کی نگاہ میں یہ فرایض سب سے بڑھکر ہیں - کوئی جاپانی چاہی دوسرے تمام ضروری فریضے بھلا ڈالے لیکن ان فرایض سے وہ کبھی غافل نہیں ہوسکتا - صغر سنی ہی سے اس قسم کی کہانیوں اور قصوں کو لڑکوں کے ذہن نشین کردیا جاتا ہی جنمیں لڑکوں سے عجیب عجیب غیر معمولی حرکتیں سرزد کرائی جاتی ہیں اور والدین کیخدمتگذاری میں انکو انتہا سے زیادہ مصائب و دشواریوں کا شکار بنتا ظاہر کیا جاتا ہی - خلاف قیاس واقعات ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور کیسے کیسے سخت عذابوں میں ان کا مبتلا ہونا بیان کیا جاتا ہی - ایک بڑی مشہور قدیم کتاب ہی جس کا نام ہی **"فرزندانہ صفات کی چوبیس نظیریں"** - اس میں نیک سرشت لڑکوں کے کارنامے درج ہیں جو فرزندانہ

اطاعت و محبت کی بے نظیر مثالیں ہیں۔ یہ کتاب جاپان میں بیحد مقبول اور ہر دلعزیز ہی۔

پروفیسر چیمبرلین نے جو جاپانی معاملات میں نہایت مستند مانے جاتے ہیں ان مثالوں میں سے بعض کو نقل کیا ہی جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ قصے ہمارے لئے کس قدر مضحک انگیز ہیں۔ پروفیسر موصوف کا بیان ہی کہ:۔

ایک نقل میں یوں ہی کہ ایک لڑکے کی سوتیلی ماں بڑی بے رحم اور سنگدل تھی۔ اس عورت کو مچھلی کا بڑا شوق تھا۔ نیک لڑکا کبھی اس ظالم عورت کی بدسلوکی کا شاکی نہیں پایا گیا۔ ایک دفعہ اس سوتیلی ماں کی خاطر ایک تالاب کے سطح آب پر جو برف کی صورت میں منجمد ہوگیا تھا بالکل برہنہ ہو کر لیٹ گیا۔ اسکے جسم کی گرمی سے برف پگھلی اور منجمد سطح میں ایک سوراخ پڑگیا سانس لینے کی غرض سے دو مچھلیوں نے اس میں سے اپنا سر باہر نکالا۔ لڑکے نے فوراً انہیں پکڑ لیا اور ماں کے سامنے لا رکھا۔

دوسری حکایت اس قسم کی ہی کہ ایک لڑکا جو بہت کمسن اور نازک بدن تھا بلا کسی چادر یا رضائی کے ننگے بدن راتوں کو سونے پر باصرار اُڑا رہا تاکہ تمام مچھر اسی کو چمٹ جائیں اور اس کے والدین بہ آرام سو سکیں۔

ایک تیسرا واقعہ اس طرح ہی کہ ایک شخص بہت مفلس اور قلاش تھا۔ اس نے اپنی عمر رسیدہ ضعیف ماں کو پیٹ بھر کر روٹی کھلا سکنے کی کوشش میں اپنے عزیز بچہ کو زندہ دفن کرنے کی نیت کر لی۔ لیکن جب وہ اس غرض سے گڑھا کھودنے میں مشغول تھا خدائے تعالیٰ نے سونے سے لبالب بھرا ہوا ایک برتن اسکو عطا فرمایا۔ خدا کی اس رحمت اور انعام کی بدولت پورا خاندان مالامال ہوگیا اور پھر نہایت راحت و چین سے زندگی بسر ہونے لگی۔

سب سے زیادہ عجیب اور مضحکہ خیز کہانی "رورائشی" کی ہی۔ اس شخص کی عمر ستر برس کی تھی۔ لیکن وہ ہمیشہ شیر خوار بچوں کا لباس پہنا کرتا تھا اور بچوں کی طرح زمین پر رینگتا اور ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ اس سے "رورائشی" کی غرض یہ تھی کہ اس کے والدین جن کی عمر

نوے سال سے بھی اوپر تھی اپنے لڑکے کی ان طفلانہ حرکتوں کو دیکھکر اپنی پیرانہ سالی کا خیال نہ کریں اور اپنی زندگی سے مایوس نہ ہوں۔

ہر جاپانی کو اپنے اِن فرائض کا بہت بڑا پاس ہوتا ہی جو شہنشاہ کے اِسکے ذمہ ہیں اِن فرایض کی بے انتہا وقعت ہوتی اور ان کی سختی کے ساتھ پابندی کیجاتی ہی۔ کیونکہ ملک اور وطن کے فرایض بھی انہیں میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ ہر جاپانی کا خیال یہ ہوتا ہی کہ اس کی جان اس کے مُلک کی ملکیت اور اسی کے قبضۂ اقتدار میں ہی۔ جاپان کے باشندے اپنی عزیز جانوں کو اپنے وطن کی حمایت میں قربان کرنے کے لئے صرف ہمہ تن آمادہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اسکو اپنے لئے باعث فخر اور موجب ناز خیال کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں روس کے ساتھ جنگ کرنے میں اِن کے اس خیال کی پوری پوری تصدیق ہو چکی ہی۔ اسی زمانہ میں ایک رجمنٹ کو ضرورتاً ایسے وقت جبکہ ہلاکت یقینی تھی دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حکم ہوا۔ کسی نے چون وچرا تک نہ کی۔ متابعت میں کسی کو پس وپیش نہ ہوا اور کوئی متنفس اپنے خواب میں بھی سرتابی کا خیال ایک لحظہ بھر کے لئے نہ کر سکا۔ حکم کے ساتھ سپاہیوں کی قطار آگے بڑھی اور پوری رجمنٹ اسی جگہہ کھیت رہی۔ ان جوانمردوں نے بطیب خاطر موت کے منہ میں گھس پڑنا منظور کیا اور عجب ستعدی کے ساتھ جان دی۔ یہ محض نتیجہ تھا اس تعلیم کا جو جاپان میں ہر لڑکے کو دی جاتی ہی کہ اس کی زندگی میں سب سے زیادہ عظیم الشان اور جلیل القدر واقعہ اسکے شہنشاہ اور اسکے ملک کے لئے جان دینا ہی۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

پروفیسر پٹرسن کے تجربات

(پروفیسر پٹرسن لندن کے رہنے والے اور مصریات۔ یعنی مصر کی قدیم اشیا کا علم۔ جنمیں مومیاں کتبے وغیرہ شامل ہیں۔ مصریات کے عالم ہیں۔ آپ کے ایک جرمن دوست

پروفیسر ہانس من مصر قدیم کی تحقیق و تلاش میں مصر گئے ہیں۔ اور وہاں فراعنۂ مصر کے جو نامی گرامی حکما تھے اُن کے مقبروں کی دیکھ بھال میں مصروف ہیں۔ ان مقبروں سے بعض عجیب و غریب نسخے کندہ کئے ہوئے ملتے ہیں۔ اور بعض حیرت انگیز دواؤں کے مرتبان دستیاب ہوتے ہیں۔ ان کو پروفیسر ہانس من وقتاً فوقتاً پٹرسن صاحب کیخدمتمیں بھیج دیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں مصر کی قدیم زبان اچھی طرح نہیں آتی۔ پروفیسر پٹرسن یہاں کتبات کو پڑھتے ہیں اور دواؤں کے تجربے کرتے ہیں۔ انہیں تجربوں میں سے ایک دوا کے اتفاقی تجربے کا حال ذیل میں درج کیا جاتا ہی یہ حال ہمکو براہ راست پروفیسر پٹرسن کے ہمراز محرر کی زبانی معلوم ہوا)

پروفیسر اپنی بیوی سے باتوں میں مشغول تھے۔

پروفیسر۔ "فضول کیوں بولی چلی جاتی ہو۔ نہ معلوم عورتوں کی زبان اسقدر کیوں چلتی ہی۔ بھلا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تمہارا مٹاپا بڑھتا جاتا ہی"۔

مسز پٹرسن "پانچ چھ دفعہ تو درزن ٹوک چکی ہی۔ اور خود مجھکو بھی فرق معلوم ہوتا ہی۔ مگر تمہیں کیا۔ اُن اللہ ماری دواؤں کے آگے تمہیں میرا ذرا خیال نہیں۔ اللہ جانتا ہے۔ تھوڑے ہی دن میں میں بھینس کی بھینس ہو جاؤنگی اور سب لوگ مجھپر ہنسا کریں گے بیوی[1] کے برابر تو ڈیل دو تین مہینے میں ہی ہو جائیگا۔ وہ تو لمبے قد کی آدمی ہیں مٹاپا اُن پر زیب بھی دیتا ہی۔ میرا تو نامراد قد بھی چھوٹا ہی۔ اسپہ جو چڑھیگا مٹاپا........ خدا کی قسم میں کہیں منہ دکھانیکے قابل نہیں رہونگی۔ جہاں کسی محفل میں جاؤنگی ساتھ والیاں چھیڑینگی کہ وہ ہتنی آئی وہ آئی ہتنی......" اور یہ کہتے کہتے مسز پٹرسن کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

پروفیسر بھی بیوی کا یہ حال دیکھکر گھبرا گیا۔ خصوصاً اپنی ساس کے ڈیل ڈول کا تصور کرکے تھرّا گیا۔ کیونکہ وہ لمبے قد کی لحیم شحیم ہونے کے علاوہ صورت میں بھی بہت ڈراونی تھیں

[1] بیوی سے مراد ماں ہے۔

اور پروفیسر کی اُن سے جان نکلتی تھی۔

پروفیسر۔ "توبہ۔ توبہ۔ خدا نکرے جو تم ان جیسی موٹی ہو جاؤ"۔

مسز پٹرسن "کیوں۔ ہماری بیوی تو اس ضعیفی میں بھی ایسی اچھی معلوم ہوتی ہیں کہ میں کیا کہوں۔ تم تو صرف مجھے دق کرنے کے لئے اُن کے مُٹاپے کو نام دہرتے ہو۔ اور اسمیں تم کو مزا آتا ہے ورنہ ——— اے دیکھو للّن تم تو باہر جاؤ جاؤ گڑیاں کھیلو"۔ للّن پروفیسر کی لڑکی کا نام تھا۔ اسکو جو مسز پٹرسن نے سامنے سے ٹالا تو میں (میں سے مراد وہی ہمراز محرر ہیں جنھوں نے یہ قصہ ہمارے آگے نقل کیا) میں سمجھا کہ اب بچارے پروفیسر پر ضرور آفت آئیگی بارے خیر ہوئی کہ اسی وقت ماما نے پروفیسر ہانس من کا ایک پارسل لاکے دیا۔ اور مسز پٹرسن اپنے غصّے کو گھونٹ پیکے چپکی رہ گئیں۔ پروفیسر غٹ غٹ کرکے چاء کا پیالہ چڑہا گیا۔ پھر جلدی سے اُٹھکے سیدہا اپنے تجربہ گاہ کیطرف چلدیا۔

اتفاقاً مجھے اس روز شہر کے باہر جانا تھا۔ میں نے دو ہفتے کی رخصت پروفیسر سے لے لی تھی۔ لیکن گاڑی کے جانے میں گھنٹہ بھر تہا۔ اور مجھے بھی اس نئی پارسل کے کھُلنے کا اشتیاق پروفیسر سے کم نہ تھا۔ اسلئے میں بھی اُن کے ہمراہ تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔

پارسل میں صرف ایک مرتبان ایک ٹوٹی پھوٹی لوح چھوٹا بیلن کی وضع کا زیور جیسے ہندوستان میں دھگڑ گی عورتیں پہنتی ہیں۔ ایسا۔ اور پروفیسر ہانس من کا ایک مختصر خط تھا جسمیں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ اگرچہ یہ مقبرہ شاہان مصر کے سب سے نامی حکیم کا ہو لیکن قدامت کیوجہ سے ایسی ابتر حالت میں ہے کہ مرسلہ اشیا کے سوا کوئی چیز اسمیں سلامت نہیں رہی۔ مرتبان کو میں نے

کھولکر دیکھا۔ اس میں سنجی جیسا سفوف ہو۔ مگر مرتبان پر جو کتبہ ہو اوسے اور لوح اور بیلن کے کتبوں کو میں نہ سمجھ سکا۔ اب تم یہ عبارتیں پڑھو اور معنی نکالو والسلام۔

تمہارا اخلاص مند دوست

ہانس من از خبیضہ۔ مصر

پروفیسر۔ (مجھسے مخاطب ہوکر) "ابراہیم۔ یہ مختصر کتبے پڑھنا چند منٹ کا کام ہو۔ لو آؤ ذرا بیٹھکر جو میں بتاتا جاؤں وہ لکھتے تو جاؤ ——— ریل کے جانیمیں تو ابھی دیر ہو"۔

میں قلم دوات لیکے میز پر بیٹھ گیا۔ اور پروفیسر نے مرتبان کی عبارت پڑھ پڑھکر اسکا ترجمہ لکھوانا شروع کیا۔ وہ صرف چند سطریں تھیں۔ جنہیں میں نیچے نقل کرتا ہوں :۔

سُفوف کو گیارہ ...... پانی میں حل کرو۔ اور نہار مُنہ صبح اوٹھکر استعمال کرو۔ استعمال کے بعد بارہ گھنٹے تک دھوپ میں نکلنا نہیں چاہیئے۔ اگر شکل (یہ اچھی طرح سمجھ میں نہ آیا کہ شکل سے آدمی کی شکل مراد ہو یا کسی بیجان شے کی) کی جسامت بالکل یکایک گھٹ جائے۔ تو سفوف نمبر ۲ کا استعمال کرو۔ جو پہلے کا مصلح ہو"۔

پروفیسر۔ "یہ تو کوئی عمل ٹوٹوگرانی کا نسخہ معلوم ہوتا ہو۔ میرا پہلے سے خیال ہو کہ یہ قدیم مصری اس فن سے واقفیت رکھتے تھے۔ خدا کرے کوئی اچھا سا ثبوت میرے ہاتھ لگ جائے اور میں اس بات کو ثابت کرسکوں ——— اچھا صاحب اب دیکھیں یہ بیلن کا کتبہ کیا کہتا ہو"۔ لیکن بیلن کی طویل اور خفی عبارت نے پروفیسر کا قیاس قطعی بدل دیا۔ اُسپر یہ کتبہ تھا:——— "بھلا طبقہ نسواں کا سب سے سخت اور جان فرسا دُکھ کونسا ہو؟ نہ تو وہ افلاس کا غم ہو نہ کثیر العیالی کا

اور نہ وہ بڈھی ہو جانے کا یخ ہی کیونکہ جدید ادویات ضعیفی کی تمام بدنما علامتوں کو مٹا دینے کے لئے کافی سے زیادہ موجود ہیں ——— بلکہ وہ دُکھ وہ بیماری مُٹاپے کا خیال ہی! یہ فکر کہ ہماری موجودہ کامنی سی صورت بدل جائیگی - ہلکا پھلکا جسم بھدا اور بدہیئت ہو جائیگا - شوہر محبت کم کر دیگا بچے مُٹاپا دیکھکر گھبرانے لگیں گے - اور لوگ کہا کرینگے کہ دیکھو وہ موٹی بھینس خانم آئیں - ایسا فکر ہی جو عورتوں کی زندگی کا اور زندگی کی خوشیوں کا خون کر دیتا ہی - لیکن خواتین مصر! گھبراؤ نہیں اس آزار دہ روگ کا علاج دریافت ہو گیا ہی - اور ہماری نو ایجاد دوا "گھمید وز" اس کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہی - ایک ہفتہ کے استعمال میں تمام بدنما مٹاپا جاتا رہتا ہے اور آدمی گھٹ گھٹا کے نہایت خوبصورت نکل آتا ہی - مجلس حکما نے اس دوا کا امتحان کیا اور متفقہ طور پر شافی اور بے ضرر بتایا - خدا نے چاہا تو اب ہماری قوم اس تکلیف رساں مرض سے قطعی نجات پا جائیگی - اور مصر بھر میں کوئی بیڈول بے ڈھنگی یا موٹی بھینس عورت نہ نظر پڑیگی"

اس عجیب کتبے کو لکھوا کر پروفیسر نے کچھ نہیں کہا - اور خاموشی سے ٹوٹی ہوئی لوح اُٹھا کر اسکی عبارت لکھوانی شروع کی -

یہ عبارت نہایت مشکل نکلی - لفظ کے لفظ مٹے ہوئے تھے - اور لوح جو بیچ میں سے ٹوٹ گئی تھی تو کئی سطریں آدھی رہ گئی تھیں - پروفیسر نے مجھسے کہا کہ سطر و نمبر نمبر ڈالتے جاؤ - ترجمہ کراتے میں بار بار پروفیسر کو لغت دیکھنے کی ضرورت ہوتی تھی اور وہ بہت اٹک اٹک کے وقتوں کے بعد یہ سطریں لکھوا سکا -

(۱) تمام فربہ اور قوی الجثہ امیر زادیاں مایوس ....

(۲) اِسکے بعد دوسری لڑکی کا امتحان ....

(۳) لچمیدور بڑی جانکاہی اور سخت محنت ....

(۴) .... کس طرح گھٹایا جاے کہ موزونیت ....

(۵) اُن مُرکبات سے .... الف کا مصلح ب کو بنایا ہو تاکہ کوئی شبہ اور امکان بھی ....

(۶) بدرجہ غایت فربہ کو ایک ہفتے میں ....

(۷) گویا اپنی جسامت کو مزاج کے موافق گھٹانا بڑہانا ہمارے قبضے کی بات ہی۔

(۸) .... میں تبدیلی نہایت یقینی اور بعض اوقات تعجب خیر سرعت کے ساتھ ......

(۹) بارہ گھنٹے کے اندر ہی اندر ...... ہفتہ نہ گذرنے پایا ....

(۱۰) .... بے ضرر ہونے کے۔ وہ اکا اثر نہایت مستقل بھی ہی۔

(۱۱) جب تک مریض زندہ رہتا ہی۔ تبدیلی قایم رہتی ہی۔ بشرطیکہ ہدایات مندرجہ پر پوری احتیاط کے ساتھ عمل کیا جائے۔

سلسلۂ تحریر یہیں تک پہنچا تہا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور مسز پٹرسن نے داخل ہو کے کہا کہ ابراہیم ریل کا وقت آگیا۔ گاڑی تمہارے لئے منگالی گئی ہے۔ اور دروازے پر کھڑی ہے۔

پروفیسر۔ (بے صبری سے) "مسز پٹرسن۔ ہم اسوقت بہت ہی ضروری کام کر رہے ہیں بس چند منٹ کا لکھنا اور باقی رہگیا ہی ——————

مسز پٹرسن "ٹیکن پال (یہ پروفیسر کا مسیحی نام) مسٹر ابراہیم کے ہاتھ سے گاڑی نکل جائیگی اور اونکا بہت حرج ہو جائیگا —— لاؤ اُن کے بجاے آج میں تمہارا کام کروں"۔

مسز پٹرسن اگرچہ اسوقت بالکل خوش اور اپنے شوہر کی طرف سے صاف معلوم ہوتی تہیں۔ مگر اونکا یہ کہنا کہ لاؤ آج میں تمہارا کام کروں ایسا غیر متوقع تہا کہ مجھے اسکا پورا یقین نہیں آیا اور پروفیسر کو بھی کچھ کم تعجب نہیں ہوا ہوگا

کیونکہ مسز پٹرسن ہمیشہ اپنے شوہر کے علمی تجربات کو واہیات خرافات سمجھتی تھیں۔ اور بھول کر بھی انمیں دلچسپی نہ لیتی تھیں۔

لیکن اسوقت معلوم نہیں اُن کے دل میں کیا آئی کہ فوراً پروفیسر کے سامنے میز پر بیٹھ ہی توگئیں۔ اور قبل اسکے کہ میں کمرے سے جاؤں پروفیسر اونکو ترجمہ لکھوانے میں مشغول تھا!

نکلتے ہوئے کمرے کے کواڑ برابر کرتے وقت جب میں نے میاں بیوی کو اس طرح ہنسی خوشی کام کرتے دیکھا تو میں خوش ہوا کہ مسز پٹرسن کا صبح کا غصہ اوتر گیا اور شکر ہے کہ اب وہ اپنے میاں کا ہاتھ بٹا لیا کرینگی ——

مجھے اسوقت یہ گمان بھی نہ ہوا تھا کہ اسکا نتیجہ گھر بھر کو پریشانی اور تشویش میں ڈال دیگا۔

لندن سے جانے کے بعد پانچویں صبح کو مسز مارول پروفیسر کی خوشدامن صاحبہ کا یہ خط مجھکو ملا :۔

ارکانا منزل۔ کینگ بازار لندن

۲۲ راکتوبر ۱۹۱۰ء

مائی ڈیر مسٹر ابراہیم۔ خدا کے لئے تم فوراً لندن لوٹ آؤ۔ میں اسوقت بڑی سخت تشویش میں مبتلا ہوں۔ پروفیسر پٹرسن اپنے گھر سے غائب ہے۔ غالباً اوس نے جو میری بچی مائی ڈوا کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔ اِس کے افشا ہوجانے کے ڈر سے وہ روپوش ہو گیا ہے۔

میں آج شام کو پروفیسر کے گھر پہنچی۔ اپنے آنے کی بذریعہ تار پہلے سے اطلاع دیدی تھی مگر مکان پر نہ مجھے پروفیسر ملا۔ اور نہ مائی ڈوا۔ ایک رقعہ میز پر میرے نام کا پڑا تھا۔

جس میں پروفیسر نے لکھا تھا کہ ہم دونوں قصبہ سڈن ہم آب وہوا بدلنے جاتے ہیں۔
میں چپ ہو گئی۔ لیکن ماما سے جو باتیں میں نے کیں اون سے میرے دل میں شبہ پیدا ہو گیا۔
اس نے بیان کیا کہ مسز پٹرسن کئی دن سے غائب ہیں۔ بدھ کے دن پروفیسر نے کہا تھا
کہ وہ بیمار ہیں۔ اور اسدن وہ آپ ہی سونے کے کمرے میں ناشتہ اور کھانا لیگئے
پھر دوسری صبح کو انہوں نے ڈاکٹر کو بلوایا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد آپ ہی منع کر دیا
اور تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ انہوں نے نوکروں سے کہا کہ مسز پٹرسن اپنی کسی
ہجولی سے ملنے باہر گئی ہیں۔ سب نوکر اس بات پر حیران ہوئے کیونکہ مائی ڈا
جاتی تو آخر ملاقات کا لباس تو پہنتی۔ اور جاتی دکھائی تو دیتی۔ خیر۔ اس کے بعد
پروفیسر اپنی تجربہ گاہ میں گھس گئے۔ اور اندر سے کھٹکے چڑھالئے۔ ماما کہتی تھی میں نے
درزوں میں سے جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ ایک گڑیا سے بچوں کی طرح کھیل رہا تھا
اور دوسری صبح سے بے کچھ کہے سنے نہیں معلوم کہاں چلدیا۔

یہ باتیں سنکر میں بہت حیران ہوئی۔ میں نے سڈن ہم تار دیا وہاں سے
جواب یہ آیا کہ یہاں پروفیسر یا مائی ڈا کوئی نہیں آیا۔ پھر تو میں بہت گھبرائی سارا
گھر کونا کونا ڈھونڈ ڈالا۔ مائی ڈا کی جتنی میل ملاپ وار عورتیں ہیں سب جگہہ دکھوالیا
کچھ پتہ نہ لگا۔ آخر میں نے پولیس میں اطلاع دینے کا ارادہ کر لیا۔ اسی وقت رات کے
دس بجے ہوں گے میں کھانے کے کمرے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی (بھوک تو ایسی پریشانی
میں کیا خاک لگتی مگر میں نے کہا بالکل بے کھائے پئے رہنا بھی اچھا نہیں) کہ تجربہ گاہ سے
مائی ڈا کی چیخیں مجکو سنائی دیں۔ میں بدحواس بھاگی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ آوازیں وہ
پرانا کاٹھ کا جو صندوق ہے اسمیں سے آرہی تھیں۔ اسکا قفل فوراً تڑوا دیا تو اندر میری
بچی ننگی چم بیہوش پڑی ملی۔

ڈاکٹر کلفٹن کو بلوا لیا گیا تھا۔ وہ ابتک حیران ہیں کہ کیا مرض تجویز کریں۔ بظاہر

یہ ایک قسم کی غشی کا دورہ تھا۔ مگر میں کہتی ہوں کہ پروفیسر نے اپنی نامراد دواؤں کا تجربہ کیا۔ اور اس میں کوئی زہریلی دوا میری بچی کو کھلا دی کہ وہ مرتے مرتے بچی۔ میں اوس بدنصیب سے ہمیشہ کہتی تھی کہ ان بے رحم پروفیسروں سے شادی کرنے کا نتیجہ خراب ہی۔ سو وہی ہوا۔ اب میں پولیس کو اس معاملے کی رپٹ دینے والی ہوں۔ لیکن تم آجاؤ تو مشورہ لے کے کام کیا جائے۔ کیونکہ تم پروفیسر کی عادتوں سے اور مزاج سے خوب واقف ہو۔ مہربانی سے جس قدر جلد ممکن ہو آجاؤ۔ میں تمہاری بہت منتظر ہوں۔ والسلام راقمہ ڈی آنا مارول"۔

اس خط کو دیکھتے ہی میں لندن روانہ ہو گیا۔ ۲ بجے میں ارکانا منزل پہنچا۔ مسز مارول غیض و غضب کی تصویر۔ غصّے میں بھری بیٹھی تہیں۔ مجھسے ملتے ہی انہوں نے پروفیسر کو ہزار ہا سنائیں۔ لیکن جو کچھ خط میں لکھ چکی تہیں۔ اس کے دُہرانے کے سوا کوئی بھی نئی بات انہوں نے نہیں فرمائی۔ مسز پٹرسن خوابگاہ میں ناتواں دبلے دم پڑی تھیں۔ لیکن ضعف کے سوا کوئی اور بیماری کی علامت موجود نہ تھی۔ گذشتہ واقعہ کے متعلق انہوں نے ایک حرف منہ سے نہیں نکالا اور جو پوچھا بھی تو جواب دینے سے انکار کر دیا۔ ہاں اپنے شوہر کے چلے جانے کا انہیں بہت خیال تہا۔ اور بار بار پوچھتی تہیں کہ پروفیسر آئے یا نہیں؟ میں تین بجے سہ پہر کو پروفیسر کی تلاش میں نکلا۔ جہاں جہاں اُن کی مبٹھک تہی گیا۔ لیکن وہ نہ ملے۔ رات کے دس بجے تھک کر میں گھر لوٹا اور جلدی جلدی دو چار لقمے کھا کر پھر تلاش کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس دفعہ پہلے میں پروفیسر کی تجربہ گاہ میں گیا۔ وہاں سب چیزیں جوں کی توں رکھی تہیں۔ وہ کاٹ کا صندوق کھُلا پڑا تہا۔ اسمیں ایک دیا سلائی کے بکس اور شیشے کے ٹکڑے کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی شیشے پر دو تین چکنائی کے سے دہبے البتہ نظر آتے تھے۔

وسطی میز پر دو تین ڈاکٹری کی کتابیں کھُلی پڑی تہیں۔ مصر کا آیا ہوا بیلن۔ لوح۔

اور مرتبان پڑا لڑہک رہا تھا۔ لیکن مرتبان میں وہ سفوف جو پروفیسر ہانس من نے بھیجا تھا نہ تھا۔ کتب خانے میں بھی ہر چیز بجنسہ موجود تھی۔ دراز البتہ کھلی رہ گئی تھی اور اور اسمیں پروفیسر کی ڈایری کھلی پڑی تھی۔ بظاہر جلدی میں پروفیسر لکھکر کھلا چھوڑ گیا تھا کہ لفظوں کی سیاہی خشک ہو جائے۔ میں اس کو بند کرکے رکھدیتا۔ لیکن پہلی ہی نگاہ میں جو چند لفظ میری نظر پڑے وہ مجھے اس پریشان کن واقع سے متعلق معلوم ہوئے۔ لہذا میں نے بے تامل ڈایری کھولکر پڑہنا شروع کر دیا۔ میں یہ عجیب و غریب تحریر جو تمام پہیلیوں کی بوجھ اور سارے معموں کا حل نکلی یہاں نقل کرتا ہوں۔ ذرا غور سے پڑھیئے گا۔

۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

آج کا بیشتر وقت پروفیسر ہانس من کے نو مرسل مرتبان اور لوح کی دیکھ بھال میں گذرا۔ اُن کے کتنے بڑے بیڈ ہیب ہیں۔ سوء اتفاق سے ابراہیم کو آج باہر جانا تھا مگر عجیب بات یہ ہی کہ میری بیوی نے اسکی بجائے کام کیا۔ یہ پہلی دفعہ ہی کہ اوس نے میرے علمی مشاغل میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔

۱۹ اکتوبر صبح ہی گھنٹہ بھر تک کام کرتا رہا۔ مائی ڈا نے کل جو لکھا تھا اسپر نظر ثانی کی۔ سب ٹھیک ہی۔ مگر معلوم نہیں وہ سفوف جو پروفیسر ہانس من نے بھیجا تھا کدھر غائب ہو گیا؟ کیا یہ ممکن ہی کہ ہمارے ہاں کی سرد ہوا نے اسکو کافور کی طرح اُڑا دیا ہو؟

للن کی آج چھٹی سالگرہ ہی۔ میری بیوی کی طبیعت اسوقت کچھ مکدر ہی اسلئے میں اکیلا ہی للن کو چڑیا گھر لیجاتا ہوں ———— دیکھیئے آج کچھ کرنے کی بھی فرصت ملتی ہی یا نہیں؟

۶ بجے شام۔ ابھی وقت چڑیا گھر سے لوٹا ہوں۔ دن تمام ضایع گیا۔ ۹ بجے مسٹر ڈِک مور کے ہاں دعوت میں جانا ہی۔ مائی ڈا کی طبیعت خراب ہی وہ تو جا نہ سکیں گی۔ میں اکیلا جاؤنگا اور اب دعوت سے آنے کے بعد ڈایری لکھونگا۔

۱۲ بجے شب - لاحول ولا قوۃ کتنا خراب وقت گذرا ہی کہ بیان نہیں ہو سکتا - یہ وگ مو
اور اسکے عزیز اقارب تو بالکل جنگلی نکلے - ایک بات بہی کام کی کہانے کے وقت نہوئی
اور شراب تو ایسی بُری تہی کہ گہر پر آیا تو آنکھوں سے اچہی طرح سُجہائی نہیں دیتا تہا - میری
بیوی میرے واپس ہونے تک جاگتی رہی - یہ بہی کسقدر تعجب کی بات ہی ؟ وہ اب بہی
علیل معلوم ہوتی ہی - میری بینائی کچھ ایسی خراب ہو رہی تہی کہ مجہے اپنی بیوی کا قد چہوٹا
نظر آیا - توبہ کرتا ہوں اب گہٹیا اور نوکشیدہ شراب کبہی نہیں پیونگا !

۲۰ اکتوبر - ۸ بجے صبح

رات بہر بیچین رہا - غذا کی ثقالت اور شراب کی خرابی مجھ جیسی عمر کیا اچہے ہٹے
کٹے نوجوان کو بدخواب رکہنے کے لئے کافی ہیں { یادداشت - مجھے اس قسم کی چیزوں سے
اب کامل احتیاط بلکہ احتراز کرنا چاہیئے - }

۱۰ بجے صبح - انا للہ وانا الیہ راجعون - غضب ہو گیا - میری بیوی ناشتے کیوقت
خوابگاہ سے نہیں آئی تہی اسلئے میں خود اوسکے کمرے میں گیا - دیکھتا کیا ہوں کہ
اوسکا قد واقعی نصف کے قریب گہٹ گیا ہی اپنا شبہ دور کرنے کو میں نے فیتے سے قد
ناپا بہی - لمبائی کُل ۲ فیٹ ۲ انچ ہی ! میں اس مبہوت کر دینے والے واقعہ پر حیران کہڑا ہی
تہا کہ مائلڈا اُٹہہ بیٹہی - وہ کسی قدر کمزور معلوم ہوتی ہی - لیکن اپنے قد گہٹ جانے سے بیخبر
اسلئے کہ نوکر اس حال سے مطلع نہونے پائیں میں خود توس مکہن اور چاء لیکر آیا -
مائلڈا نے تہوڑا سا ناشتہ کیا اور پہر لیٹ گئی - میں حیران ہوں کہ یہ معاملہ کیا ہی - ایسا
عجیب وغریب واقعہ تو آجتک نہ کبہی دیکہا نہ سُنا -

ایک بجے دوپہر - کئی گہنٹے تک ڈاکٹری کتابیں دیکہتا رہا گوشت کے ریشوں کا گلنا اور بدنکا
دُبلا رہجانا تو ایک معمولی سا مرض ہی - لیکن یہ آناً فاناً قامت کا گہٹنا جس میں ہر عضو خاص
نسبت کے ساتہ گہٹ جائے کسی کتاب میں نہیں - کئی کتابیں چہان ماریں - کچھ پتہ نہیں چلا -

بد نصیب مائلڈا اس تین گھنٹے میں اور گھٹ گئی۔ اسوقت اسکی لمبائی صرف ۲ فیٹ ہی۔
میں نے مائلڈا کو جگا کے ساگو دانہ کھلایا۔ اسکی اشتہا صاف ہی لیکن بالکل سوئی جاتی ہی نبض کی رفتار ۸۰ ، بالکل ٹھیک ہے اور زبان اور حرارت بھی اپنی معمولی حالت میں ہیں {میں نے ہر تین گھنٹے بعد اس عجیب حالت کو دیکھنے اور تحریر کرنے کا ارادہ کر لیا ہے کیونکہ یہ بالکل ممکن ہی کہ اس نئے مرض کے انکشاف کا سہرا میرے سر بند ہی!}
۴ بجے سہ پہر۔ قد۔ ایک فٹ ۹ انچ۔ نبض اور حرارت کی حالت بدستور۔
۴½ بجے شام۔ ۷ بجے مائلڈا اٹھی۔ اسکی شب خوابی کا لباس۔ اب اس قدر بے ہنگم معلوم ہونے لگا تھا کہ میں نے للّن کے کپڑے لاکر دیئے اور وہ اوس نے پہن لیے بظاہر ابتک اُسے اپنے حیرتناک گھٹاؤ کا احساس نہیں۔ کچھ کھانے کے بعد وہ پھر سو گئی لمبائی اسوقت صرف ڈیڑہ فٹ رہگئی ہی۔ نبض تیز اور حرارت بھی تھوڑی سی بڑھی ہوئی ہی۔
۱۰ بجے شب۔ قد اس تین گھنٹے میں صرف ایک انچ گھٹا۔ غالباً اب مرض نہیں بڑھیگا
———— خدا ہچنیں کند۔
نبض سُست ہوتی جاتی ہی۔ لیکن قلب کی حرکت بالکل درست ہی۔ اور یہی ایک امر مجھکو اسوقت تک ڈھارس بندھائے ہوئے ہی۔

۲۰ اکتوبر۔ ۹ بجے صبح

ہر چند کہ میں نے رات بھر جاگنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر ایک آرام کرسی پر لیٹے لیٹے سو گیا۔ اور سویا بھی تو ایسا غافل کہ آٹھ بجے سے پہلے آنکھ ہی نہ کھولی۔ بحیثیت شوہر اور شوقین انکشاف ہونے کے میرا فرض اولی تھا کہ ایک منٹ پلک نہ جھپکاتا۔
اپنی اس غفلت پر مجکو غصہ اور ندامت ہوئی رہی تھی کہ میں نے جلدی سے مریضہ کی حالت مشاہدہ کی ———— خداوندا تیری چاہ قد صرف ۴ انچ نبض سُست

اور قلب کی دھڑکن تیز!!! ریلن کے کپڑے بھی اب میری بیوی کے جسم پر بار جھلا اور گراں معلوم ہوتے تھے۔ میں نے اونکو اُتار کر ساٹن کی بجائے اپنا رومال لپیٹ دیا۔ مائلڈا کو اس سے راحت ملی اور وہ ہشیار ہوئی۔ وہ اسوقت بالکل رونکنی ہو رہی تھی اور خشخش کے برابر ننھی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ کمزور مگر دردناک آواز سے اوس نے مجھسے مخاطب ہو کے کہا کہ کیا تم ابتک میری طرف سے بے پرواہو۔ کیا میں یوں ہی گھٹتے گھٹتے مرجاؤنگی؟......... اور اسی طرح کی کئی باتیں جو مجھسے سُنی نہیں جاتی تہیں کہین۔

آخر مجبور ہو کے میں نے ڈاکٹر کلفٹن کو بلوایا ہی۔ وہ میرا پرانا دوست ہے اور میں یہ حال صرف اسی کے سامنے دُہرا سکتا ہوں۔

۱۰ بجے۔ ماما نے آکے کہا کہ ڈاکٹر کلفٹن باہر گئے ہوئے ہیں۔ اُن کے نائب مسٹر جان آتے ہیں۔ مسٹر جان سے ظاہر ہی کہ میری مطلب براری نہیں ہوسکتی۔ اسلئے لکھے دیتا ہوں کہ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں!

۱۲ بجے دوپہر۔ ایک اور مصیبت مجھپر پڑی۔ ۱۰ بجے باہر جاتے وقت گھبراہٹ میں خوابگاہ کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا۔ جواب دینے کے بعد جو واپس آیا تو بستر پر مائلڈا نہ تھی۔ اور کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تہا۔ ماما کو بُلا کر اوس سے پوچھا اور ایسے ایسے اوٹ پٹانگ سوال کئے کہ وہ چکرا گئی۔ مائلڈا کا اسطرح غائب ہونا اسکی سمجھ ہی میں نہ آیا۔ اور میں جو ایک بُہانے بوٹ کے اندر جھانکنے لگا تو اوس نے کہا کہ سرکار کوئی بیگم صاحب بوٹ کے اندر تو چھپ جانے سے رہیں' بچاری ماما بھی معذور رہی۔ میں اسکو سمجھا نہیں سکتا کہ اصل معاملہ کیا ہی۔

۳ بجے سہ پہر۔ گھر کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ بیوی کا پتہ نہیں۔ نہیں معلوم زمین کھا گئی یا آسمان۔ خدایا تو میری پریشانی اور تشویش پر رحم کر!

۴ بجے سہ پہر۔ مائلڈا مل گئی۔ میں للّن کے کمرے سے نکل رہا تھا جو وہ دوڑ کے میرے پاس آئی اور کہنے لگی "پاپا یہ نئی گڑیا بہت شریر ہے" میں نے اپنی بے ماں (؟) کی بچی کو پیار کیا اور پوچھا کہ نئی گڑیا کیسی۔ تو اوس نے کہا کہ وہ جو امّاں کے بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ میں یہ سنتے ہی جلدی سے اسکے گڑیا گھر کے پاس آیا۔ اور جہانکا جو سہی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میری بیوی گڑیا گھر میں ایک گڑیا کی کرسی پر گڑیا ہی کے لباس میں بیٹھی ہے! وہ بہت ناراض اور غضبناک معلوم ہوتی تھی۔ للّن کو تو میں نے وہاں سے ہٹا دیا۔ اور خود اسکا نام لیکر پکارا۔ میری آواز سنتے ہی اوس نے کانوں پر ہاتھ رکھکر اور وحشت زدہ ہوکر کہا "اوفو کس بلا کی کڑک ہے۔ ضرور اولے برسیں گے"!

۵ بجے شام۔ ماما اور نوکروں نے سوالات کرتے کرتے میرا ناک میں دم کر دیا ہے اونکو چپ کرنے کے لئے میں نے کہدیا کہ مائلڈا اپنی کسی سہیلی سے ملنے گئی ہے۔

۶ بجے شام۔ گڑیا گھر کو مائل ڈاسمیت میں اپنی تجربہ گاہ میں اوٹھا لایا۔ اسکی حالت نہایت افسوس ناک ہے۔ ننھا سا چہرہ غم والم کی نہایت دردانگیز تصویر ہے۔ بظاہر وہ گڑیا گھر کو یہ سمجھ رہی ہے کہ ہم نے کوئی نیا مکان کرائے پر لیا ہے ——— اسکی حرکتیں دیکھ دیکھ کر میرا دل بیٹھا جاتا ہے!!

۷ بجے شام۔ یہ تدبیر میری سمجھ میں خوب آئی کہ میں نے کمرے کی روشنی بالکل کم کر دی مائلڈا گڑیا گھر میں جو نقلی گھنٹا لگا ہوا ہے دوڑ کے اسکے پاس گئی۔ خوش قسمتی سے ان مصنوعی گھنٹے گھڑیوں میں اکثر چھوٹی سوئی بارہ پر رہتی ہے۔ مائلڈا پر اسکا غیر معمولی اثر ہوا اور وہ گڑیا گھر کی خواب گاہ میں گڑیا کے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ اس نے جانا واقعی رات کے بارہ بج گئے ہیں۔

۱۲ر اکتوبر۔ ۶ بجے صبح

رات کو گیارہ بارہ بجے تک جاگنے کے بعد میں پھر سو گیا۔ رات بھر پریشان

خواب نظر آئے اور صبح ½ ۵ بجے آنکھ کھلی۔ میں نے سب سے پہلے گڑیا کے بستر پر اپنی بیوی کو دیکھا مگر وہ وہاں نظر نہ آئی اور جب زیادہ غور کیا تو وہ خوفناک نظارہ نظر آیا جس کو لکھتے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یعنی میری بیوی گھٹتے گھٹتے صرف کھٹمل کے برابر رہ گئی ہے میری آنکھوں میں اندھیرا آگیا۔ اپنا دل دونوں ہاتھوں سے تھام کے میں اوٹھا اور خردبین سے اپنی پیاری بیوی کو دیکھا۔ اسپر اسوقت جنوں کی حالت طاری ہو رہی ہے اور وہ اپنے سر کو بے اختیار گڑیا کے بستر پر دے دے مار رہی ہے ——— کیا کسی انسان نے ایسا دل مسوس دینے والا واقعہ کبھی دیکھا ہے؟ نہیں وہ بدنصیب ترین گنہگار صرف میں ہوں جو اپنی بیوی کو ایسی پرحسرت مایوس کن حالت میں دیکھکر اپنی بداعمالی کی سزا میں عقوبت و اذیت جھیل رہا ہوں! رحم اے خدا رحم ———

۸ بجے صبح۔ خردبین سے اپنی بیوی کے ہونٹ ہلتے دیکھکر میں سمجھا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے میں لپک کے اپنا آلۂ آواز بردار (مائکروفون) اُٹھا لیا اور اوسکو لگا کے غور سے سُنا تو ٹوٹے پھوٹے لفظ سمجھ میں آئے پھر یہ دلدوز صدا آئی "ہائے میں مری .... ارے کوئی مجھے بچاؤ۔ للّٰہ کوئی بال سے جا کے .... ہاں ہاں وہ کمبخت مصری سفوف میں نے ہی پھانک لیا ہے" ....

۱۱ بجے دوپہر۔ اس عجب اور عجائب ترین مرض کی وجہ معلوم ہونے کے بعد میں نے پروفیسر ہانس مَن کے مرسلہ کتبوں کو بار بار پڑھا لیکن کچھ علاج میں نہیں آیا۔ لحمید ور دوا کا مُصلح جن سطروں میں تھا وہ اوڑی ہوئی ہیں اور یہ لکھتے ہوئے بھی میرا دل لرزتا ہے کہ اس سفوف کا اثر بظاہر دائمی رہنے والا ہے؟

خدا وندا کیا میری غریب بیوی مُدت العمر کھٹمل کے برابر رہے گی!!!

اسکو ضعیف دیکھکر کھانے کا تو میں نے یہ انتظام کیا کہ دودھ کا ایک قطرہ شیشے پر

ٹپکا کے اس کے سامنے رکھدیا وہ بظاہر میرا منشا سمجھ گئی اور گھٹنوں کے بل چلکر اس
تہوڑا سا دودہ پیا بہی۔ مگر اسکا کیا علاج کہ اسکی اذیت اور دلدوز حالت مجھسے
نہیں دیکھی جاتی نہیں اوس سے بات چیت کرسکتا ہوں کہ کچھ ڈہارس بندھاتا۔
ایک بجے۔ اسیوقت میری خوشدامن کا تار آیا اور یہ سندیسا لایا کہ شام کو میں
تمہارے ہاں آؤنگی۔ اب اس خوفناک عورت سے چھپنے اور سارا راز چھپانے
کی کوئی تدبیر سمجھہ میں نہیں آتی کہ کیا کروں !!
۴ بجے سہ پہر۔ اپنی ساس سے بچنے کے لئے میں نے ماکڈا کو جو اب سوگئی ہے ایک
سوراخدار دیا سلائی کے بکس میں رکھدیا۔ ایک گڑیا کے ٹوٹے ہوئے پچھے میں ایک
بوند یخنی کی بھی حفاظت سے پاس رکھدی اور اس بکس کو احتیاط کے ساتھ اپنے بڑے
صندوق میں مقفل کردیا تاکہ کوئی کھول نہ سکے۔ ہوا کے لئے اسمیں بھی سوراخ کردئے
ہیں۔ کہ دم نہ گھٹ جائے۔ اپنی ساس کے نام یہ رقعہ چھوڑے دیتا ہوں کہ ہم
سڈنہم جاتے ہیں اور خود کوئلوں کی بخاری میں چھپتا ہوں —— کیا کیا جائے
جب تک میری ساس یہاں ہے ممکن نہیں کہ میں اسکے سامنے جاؤں اور وہ اپنے
بیہودہ سوالات سے میرا مغز نہ چاٹ جائے"——

پروفیسری کی ڈایری کو میں نے پڑہا تو مجھپر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی
اوسی وقت قدموں کی آہٹ اور کسی شخص کے تجربہ گاہ کا دروازہ کھولنے کی آواز
آئی۔ میں جلدی سے وہاں گیا اور کواڑ کھول کر دیکھا تو پروفیسر کو عجیب ہیئت
میں پایا کپڑے اور منہ تمام کوئلوں میں سیاہ ہو رہے تھے۔ اور وہ نہایت غور
سے خردبین لگائے ایک دیا سلائی کے بکس کے اندر دیکھہ رہا تھا۔ میرے داخل
ہوتے ہی اس نے گھبرا کے سر اٹھایا اور مجھے دیکھتے ہی اپنی پُراشک آنکھوں کو
پھاڑ کے چلّایا "ابراہیم ! میں تو تباہ ہوگیا...... میری بیوی......" اور

فقرہ ختم کرنے سے پہلے ہاتوں سے اوس نے منہ ڈھاپ لیا اور بچوں کی طرح
پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔
میں ہائیں۔ہائیں پروفیسر پٹرسن خدا کے لئے رنج کیوں کرتے ہو۔بس اب روؤ
تمہاری بیوی (چیخ کے) بالکل اچھی خاصی ہیں" لیکن پروفیسر نے اس بات پر کچھ توجہ
نہ کی۔ اور میں انکی طرف بڑہکر کچھ اور کہنے کو تہا کہ خود مسز پٹرسن اوس کمرے میں
آگئیں.........

پروفیسر کی ڈایری پڑہنے کے بعد مسز پٹرسن کی تصدیق کے باوجود ڈاکٹر
کلفٹن نے تو اس سب بیان کو لغو اور مرض کو محض غشی کا دورہ بتایا اور پروفیسر کی
ساس اپنی بات پر جمی رہیں کہ اونکی بیٹی کو دراصل پروفیسر نے مارنے کا فکر کیا تہا۔لیکن
مسز پٹرسن نے سوائے اس درخواست کے کہ آیندہ ان مصری دواؤں سے قطعی
واسطہ نرکھو کچھ نہ کہا۔ مگر پروفیسر نے اپنی بیوی کی یہ درخواست رد کردی۔

سید مطلبی از فرید آباد۔ دہلی

لنگر

حیدرآباد دکن کا ایک سالانہ سین

یہ سالانہ سین محرم کی پانچویں تاریخ کو ہر سال "لنگر" کے نام سے ہوتا ہے
اس تاریخ کو لنگر کے دیکھنے کے واسطے شہر کے بوڑھے بچے جوان لڑکے لڑکیاں
اون رستوں اور مکانات پر آجاتے ہیں کہ جس طرف سے لنگر گذرنے والا ہوتا ہی
چونکہ لفظ لنگر سے بہت سے ناظرین بالکل ناواقف ہوں گے پہلے اس کی کچھ
تشریح کرنا چاہتا ہوں جو کہ خالی از دلچسپی نہ ہو گی۔

اگر میری یادنے اسوقت غلطی نہ کی ہو تو یہ ہو گی۔
جب قطب شاہ کا بیٹا عبداللہ ایک روز گولنڈہ جانے کے واسطے اپنے خاصہ کے ہاتھی پر تیار رہتا تو اسی روز اتفاقاً موسیٰ ندی میں طوفان آگیا۔ جب ہاتھی ندی کے قریب پہونچا تو مست ہو گیا اور شہزادہ عبداللہ کو جنگل کی طرف لے بھاگا۔ شہزادہ کی والدہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر میرا بیٹا سلامت آجائیگا تو ہاتھی کی زنجیر "لنگر" کے برابر سونا حسینی علم پر چڑھاؤں گی۔
خدا کی شان کچھ عرصہ کے بعد شہزادہ واپس آیا اب اس بات کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ شہزادہ ٹھیک کتنی مدت کے بعد واپس آیا ہر ہر مؤرخ علحدہ علحدہ مُدت لکھتا ہے جن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔
جب شہزادہ کی والدہ کی منہ مانگی دعا پوری ہوگئی تو ایک سونے کی زنجیر بنوائی اور اوسکو بڑے تزک و اہتمام سے حسینی علم پر نذر چڑھائی۔
پہلے اور اب کے چڑھاوے میں اتنا فرق ہے کہ پہلے تو سونے کی زنجیر چڑھائی جاتی تھی اور اب حسینی علم پر پھولوں کے ہار اور سونے چاندی کے علم و اشرفیاں چڑھائی جاتی ہیں یہ چڑھاوہ نہایت ہی تکلف کے ساتھ زربفت کے شامیانہ کے نیچے نکلتا ہے جن کی چار ڈوریاں ہوتی ہیں چار ڈوریوں کو چار شخص پکڑے ہوئے چلے جاتے ہیں سوا سو شربت کے عمدہ گھڑے اور پانچ دیگیں مونگ کی کھچڑی کی اس چڑھاوہ کے ساتھ ہوتی ہیں۔
یہ ہے کُل کائنات لفظ "لنگر" اور اس کی رسم کی
محرم کی مرقوم بالا تاریخ کی صبح کے آٹھ بجے سے "لنگر" کا جلوس نکلنا شروع ہوتا ہے۔ یہ جلوس مدارالمہام وقت کے ایوان وزارت کے سامنے سے ہوتا ہوا مہاراجہ پیشکار کی ڈیوڑھی سے گذرتا ہوا پنج محلہ مبارک کے نیچے سے گذرتا ہے جہاں خود

اعلیحضرت حضور پر نور بادشاہ وقت میر محبوب علیخاں معہ اپنے اسٹاف کے ملاحظہ فرماتے ہیں۔

سالانہ پروگرام افواج کے نکلنے کا مختلف طریقہ سے شایع ہوتا ہے لیکن اس روز دکن کا مشہور اخبار مُشیر دکن ترتیب افواج کا پروگرام بہت ہی اہتمام سے شایع کرتا ہے۔

تمام فوج کی صف بندی اکثر اس طرح سے ہوا کرتی ہے سب سے اول باندار گولے اور ہوائیاں چھوڑتے ہوئے نکلتے ہیں اسکے بعد نشان کے ہاتھی اور کچھ اونٹ ہوتے ہیں۔ اسکے پیچھے کوتوال شہر معہ سواروں اور پیادوں کے تشریف لاتے ہیں ان کے پیچھے ایک جماعت عربوں اور رئیسوں کی ہوتی ہے بعد ازاں کوتوال صاحب بیرون بلندہ کا ہاتھی ہوتا ہے اسکے بعد جمعداران افواج اپنی اپنی جمعیتوں کے ساتھ نکلتے ہیں ان جمعداروں میں سے اکثر عرب اور پٹھان ہوتے ہیں۔ وہاں کے جمعدارونکا آپ اسبات سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ کیا وقعت ان کی ہوگی۔ کہ جن کا خطاب سلطان نواز جنگ بہادر ہے۔

بعد ازاں سکھوں اور سندھیوں کا نار بند ہٹا ہے جو کہ قریب ۱منٹ تک ہٹا ہے

تمام لشکر میں وہ سین بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے جب عربوں کی جمعیت گذرتی ہے یہ لوگ افواج بے قاعدہ میں گنی جاتی ہے۔ ذرا ان کا حال تو سُنئے۔

ازار باندہے ہوے لمبے لمبے کُرتے پہنے ہوئے اور کمر سے ایک خوش رنگ بڑا سا رومال لپیٹے ہوئے اور اوس میں جنبیہ اور بارود کا سینگ کھولے ہوئے کندہے پر ایک بڑی بھاری پرانی وضع کی بندوق رکھے ہوئے اپنے قبیلہ کے اشعار پڑھتے ہوئے بڑے مزے میں ڈھول بجاتے لمبے لمبے مستانہ قدم ڈالتے ہوئے جھومتے جھامتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کو بمشکل دو آدمی ایسے نظر پڑینگے کہ ایک دوسرے کا لباس آپس میں ملجائے۔

اس بے قاعدہ فوج کا تھوڑا سا حصہ با قاعدہ بھی ہے جس کو وہاں میسرم کہتے ہیں یہ فوج اس شان وشکوہ کی ہے کہ سارے لنگر کی اگر اس کو روح یا جان کہی جاوے تو درست ہی - اس فوج میں سب سے پہلے نواب جان نثار یار جنگ بہادر ہوتے ہیں جو اس کے کپتان ہیں - یہ اپنے پورے عربی لباس میں عربی گھوڑے کی پشت پر سوار آہستہ آہستہ چلے آتے ہیں اور آپ کے پیچھے بینڈ بہت ہی سُریلی آواز میں بجتا ہوا چلا آتا ہی جس سے ایک عجیب حالت معلوم ہوتی ہی بعد میں تمام میسرم بڑے کروفر سے قدم قدم چلے جاتے ہیں -

اس سلسلہ کے ختم ہونے کے بعد سپہ سالار افواج آصفیہ کی سواری ہوتی ہی جن کے پیچھے پیچھے حسب ذیل باقاعدہ فوجیں ہوتی ہیں - توپ خانہ - پلٹن - رسالہ وغیرہ اپنے کپتانوں اور کمانڈروں کے ساتھ ہوتے ہیں - یکے بعد دیگرے گذرتے جاتے ہیں - اب توپ خانہ کے سوار گذرنے شروع ہوتے ہیں جو بڑے بڑے قوی ہیکل گھوڑوں پر سوار ہیں اور فولاد کی گاڑیوں پر توپیں رکھی ہوئیں گھوڑے انکو گھسیٹتے ہوئے اور گھوڑوں پر جو کہ گاڑی میں لگے ہوئے ہیں آدمی سوار چلے جاتے ہیں اس فوج میں تمام سامان گھوڑوں کا سازبھی تقریباً فولاد کا ہی جس کے اوپر جھنڈا چڑھایا ہوا ہی -

اس تمام دلچسپ سین کے بعد شاہی سواری کے گھوڑے عمدہ عمدہ مشہور مشہور نسلوں کے مثلاً - عربی - تازی - وزیری - اسٹریلین - بندی - سونے چاندی کے زیوروں میں لدے ہوئے اپنی اپنی مستانہ چال چلتے ہیں تو عجیب کیفیت آتی ہی -

خاکسار

محمود الحق سہارنپوری

عورتوں کی تعلیم

اور

سوسائٹی میں اسکی حیثیت

ہم نے ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء کے خاتون میں یہ اعلان شایع کیا تھا کہ حامیان تعلیم نسواں اور بہی خواہان قوم اس عنوان پر کہ

عورت و مرد کے لئے تعلیم کی ایک سی ضرورت ہی یا اس میں کچھ تفاوت ہی؟ اپنی اپنی رائیں مضمون کی صورت میں لکھکر ہمارے پاس بھیجیں۔ ان مضامین میں سے جو مضمون سب سے بہتر ہوگا اسکے لکھنے والے کو ایک طلائی تمغہ بطور انعام کے دیا جائیگا۔

ان مضامین کے متعلق چند ہدایتیں بہی تہیں

(۱) مضمون فل اسکیپ کے ۵ صفحوں سے زیادہ کا نہونا چاہیئے۔

(۲) مضمون میں محض خیالات نہ ہونے چاہئیں بلکہ دلائل ہونے چاہئیں۔ اور اگر بزرگوں اور مصنفین کے اقوال سے ہر چیز کی یا کسی چیز کی تائید ہو تو وہ بہی درج ہونے چاہئیں۔

(۳) تاریخی واقعات سے جہانتک اس مسئلہ پر روشنی پڑسکے روشنی ڈالنی چاہیئے۔

(۵) اگر مرد و عورت کی تعلیم میں کچھ فرق تجویز کیا جائے تو اسکی وجہ بتانی چاہیئے۔

آجکل چونکہ زنانہ کورس اور نصاب تعلیم نسواں کا مسئلہ چھڑا ہوا ہی اسلئے ان رایوں کی ہمکو بہت جلد ضرورت ہی۔ اس سلسلہ میں ہم اپنے لایق بہن عباسی بیگم صاحبہ کا مضمون اس نمبر میں درج کرتے ہیں۔ امید ہی کہ دیگر بہی خواہان تعلیم نسواں بہی جلد تر اس اہم مضمون کی طرف متوجہ ہونگے تاکہ یہ مشکل سوال حل ہو جائے۔ مضمون مندرجہ ذیل میں بیگم صاحبہ موصوفہ نے پہلے مخالفان تعلیم نسوان کا جواب دینے کی کوشش کی ہی بعد اسکے اصل مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے یعنے مردوں اور عورتوں کی تعلیم میں تفاوت بیان کیا ہی۔ جس سے یہ مضمون بہت طویل

ہو گیا ہو۔ امید ہو کہ دیگر اہل قلم صرف اصل عنوان کو سامنے رکھکر اس پر رائے زنی فرمائینگے۔ کیونکہ اب اس مسئلہ میں بحث کی بالکل گنجایش نہیں رہی کہ عورتوں کو تعلیم دینا چاہیئے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایک طے شدہ امر ہو کہ عورتوں کی تعلیم ہمارے فرائض اولیں میں سے ہو۔ ہم اس مضمون کو دو نمبروں میں شایع کرتے ہیں۔

اڈیٹر

صاف ظاہر ہو کہ مرد عورت دونوں ہی پر انسان کا اطلاق ہوتا ہو۔ کیونکہ دونوں ایک ہی چیز سے بنتے اور ایک ہی طریقے سے پیدا ہوتے ہیں ایک ہی سی شکل و صورت سارے غور و خوض تجسس تفکر تعقل کی قوتیں موجود ہیں تمام اعضائے جسمانی و سارے قوائے روحانی قدرت نے جیسے مرد کو عطا کئے ویسے ہی عورت کو وہ ایک ساخت میں فرق ہونے سے یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمجنس نہیں درحقیقت وہ سب ایک ہی درخت کی پود ہیں بے شک مرد کو بمقابلے عورت کے خدا نے قوائے جسمانی و عقلی قوی تر عطا فرمائے ہیں لیکن خفیف سے فرق کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عورتیں اُن قدرتی نعمتوں سے محروم ہیں جو اُن میں فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں انسان کے جسم میں جو دائیں و بائیں کا فرق ہو وہ مرد و عورت کی فطرتی قوت اور ضعف کی ٹھیک مثل ہو۔ کسی نے کیا خوب اور سچ کہا ہو کہ "مرد و عورت ملکر ایک پورا انسان ہوتا ہو" بس جب یہ امر مسلم ہو کہ مرد و عورت ایک ہی نوع کے مخلوق ہیں تو انسان کا دونوں ہی پر اطلاق ہو۔ بس ایسی حالت میں کسی عقلمند کا یہ سوال کرنا کہ آیا عورت کو بھی علم کی ضرورت ہو ؟ بالکل ایسا ہی ہو گویا اس طرح کوئی عقلمند یہ سوال کرے کہ آیا مرد کو بھی علم کی ضرورت ہو -اس سوال کا جواب دینا جیسا مہمل ہے - وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ایسے سوالوں کی وقعت واثر لوگوں پر مانند ایک پھسپھی اور بودی روئے کے ہوگی یا مانند ایک کاہ کے۔ خصوصًا ایسے منور زمانے میں جبکہ بفضل خدا چاروں طرف علم کی روشنی ہی روشنی

بڑی آب وتاب سے اپنا جلوہ دکھا رہی ہی۔ اگر کوئی صاحب اس زمانے میں بھی بیچاری مستورات کے لئے یہی سوال کریں۔ تو پہلے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہنوز مستورات کی قسمت ابھی ایک قطرہ دریا میں پڑی غوطے کھا رہی ہے جب وہ اوپر آنا چاہتی ہے تو ناخدا (مردوں سے مراد) بجائے سہارا دیکر بچانے کے (کیونکہ مثل مشہور ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہی) اوپر سے تھپیڑے دیکر اندر ڈبو رہے ہیں۔ ایسے صاحبوں سے کہا جائے کہ صاحبو جو تحصیل علم مستورات پر فرض ہے تو آپ لوگوں پر اسکا سکھانا۔ فرض العین سمجھا گیا ہی مستورات بیچاریوں کو آپ تو براہ عنایت ناقص العقل کا خطاب دے چکے ہیں۔ لیکن آپ کے نزدیک اور دنیا کے سارے عقلمندوں دوراندیشوں اور علم دوست بزرگوں کے نزدیک تعلیم نسواں فرض ہی۔ اور اوسکے طریقے بھی حسب رواج موجودہ معاشرت کے لحاظ سے بہت کچھ جداگانہ ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مستورات مردوں کا پایہ نہیں رکھتی ہیں جو برابر کی تعلیم ہو۔ اے جناب یہ بات نہیں بلکہ موجودہ طرز معاشرت آپہی مجبور کررہا ہی۔ اور زمانے کی ضروریات آپہی ایسا کرنے پر مجبور کرینگی۔ کیونکہ خدا نے جیسے فرائض مرد و عورت کے جداگانہ رکھے ہیں۔ ویسے ہی اونکی تعلیم فرائض ادا کرنے کی بھی ہونیکی ضرورت ہی۔ یہ مسئلہ کچھ مردوں کے حل کرنے کے لیئے خدا و رحیم و کریم نے یونہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ اس نے روز ازل سے مرد و عورت کو خفقاً علم حاصل کرنے پر مجبور کیا ہی۔ اونکی بناوٹ اور ساخت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہی کہ وہ دونوں جبھی سے علم حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں جب سے پیدا ہوتے ہیں بعض دور اندیش و باریک بیں صاحبوں نے تو یہانتک رائے قایم کی ہے کہ انسان کا بچہ مادر شکم سے ہی اپنے بساط کے مطابق علم حاصل کرتا ہی۔ اب جبکہ وہ پیدا ہوکر اس مکار دنیا میں قدم رکھتا ہی تو آدھے جسم کو یعنے مرد کو علم سے آراستہ کرنا اور نصف حصہ یعنے عورات کو بے علم رکھنا ایسا ہے جیسا انسان کے بچے کو

بجائے دودھ کے جو خالق حقیقی اور رزاق کی عنایت کردہ رزق ہے جو ماں اپنا
خون دودھ بنا کر پلاتی ہو اسکے آگے مانند گائے بھینس کے گھانس و دانہ رکھنا۔کیا
بچہ ایسی غذا سے نشو و نما پا سکتا ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر یہ کیونکر ہو گا کہ مستورات
کو بے علم رکھکر اونسے تعلیم یافتہ لوگوں کے سے قابل اور عمدہ کاموں کی امید رکھیں۔
اب جائے غور و انصاف ہو کہ ایسا کرنے میں کس کی غلطی نظر آ رہی ہو۔ بچے کی جو
دانہ گھانس کھا کر نشو و نما نہیں پاتا۔ یا کھلانے والے کی؟ پس ایسا ہی مستورات کی
ناقص العقلی ہے یا صاحب ادراک مردوں کی؟ جو عورات کو علم سے آراستہ نہیں
کرتے۔ اسے ساری دنیا بلا تامل کہہ سکتی ہے۔ کہ مردوں کی۔ مردوں کی۔ مردوں
کی سراسر ناانصافی خود غرضی کوتاہ اندیشی و بے رحمی ہے فی الحقیقت اگر مرد و
عورت میں علم حاصل کرنے کا مادہ فطرتی و خداداد نہ ہوتا تو کوئی تعلیم و تربیت
خواہ عورت خواہ مرد کو کبھی کسی حالت میں موثر نہیں ہوتی۔ اور مثل درندوں
پرندوں کے جیسے لاکھ طوطے کو پڑھاؤ پھر بھی وہ حیوان ہی رہا۔ وہی ڈھاک کے
تین پات والی مثل صادق آتی اگر ہمارے مندرجہ بالا مضمون میں جو آپ سب
صاحبوں آگے پیش کیا گیا ہے۔کسی قسم کی پیچیدگی یاد ہو کہ نہو تو یہ باتیں اظہر من الشمس
ہیں وہ یہ کہ (۱) انسان کو محض علم و عقل سے دوسری مخلوق پر شرف حاصل ہے
(۲) انسان میں علم حاصل کرنے کی قابلیت قدرتی ہے (۳) سب میں ضروری یہ جاننا
ہو کہ جب انسان کہا گیا تو اس میں دونوں ہیں۔ غالباً بلکہ یقیناً مخالفین تعلیم نسواں
ہمارے اس بیان کی کسی طرح تردید نہیں کر سکتے۔ وہ بے شک فرمائینگے کہ مستورات
میں قدرتی قابلیت علم حاصل کرنے کی ہو لیکن ہمارا مذہب بہت سی مصلحتوں سے تعلیم
نسواں کی اجازت نہیں دیتا۔ اے نوج ایسا بھی کچھ غضب ہو؟ کیا دنیا میں کوئی
مذہب بھی ایسا ہی جو انسان کی فطرتی قابلیتوں اور طبعی خاصیتوں کو نیست و نابود

یا معطل کرنے کی کوشش کرتا ہو۔ چاروں طرف سے یہی دل خوش کن آواز ہمارے کانوں میں آرہی ہے۔ اور (ہمارا کانشنس) ہمیں بتاتا ہو کہ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہمارے پاک و سچے مذہب پر یہ ایک الزام کا سیاہ دھبہ لگایا گیا ہو۔ اگر ایسا ہی ہے تو سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مذہب کی بنیاد وہی نہیں ایسے مذہب کے احکام مکڑی کے جالے اور ریتیئے کے پر سے زیادہ وقعت اور زور نہیں رکھ سکتے ہیں ایسے مذہب کے قوانین قابل عملدرآمد نہیں۔ سچ اور ایمان سے پوچھا جائے تو مذہب اسلام تعلیم نسواں کا حامی ہو۔

حضور سرور کائنات کا فرمان ہو۔ کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة طلب کرنا علم کا فرض ہو مومن پر و مومنات پر۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مذہب اسلام تحصیل علم مستورات کا مانع ہے اس حکم میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ اور ایک کل کے دو جز ہونے کی شہادت بھی کتاب خدا سے ملتی ہے۔ اس طرح پر کہ فرمایا ہے اُس نے۔ لوگو اپنے خدا سے ڈرو جس نے تمکو ایک شخص واحد سے یعنے آدم سے اوس سے اوسکی بی بی حوا کو پیدا کیا اور ان دو سے سارے عورت و مرد دنیا میں پھیلائے گئے۔

ہمیں اب دیکھنا یہ ہو کہ دنیائے اسلام میں کبھی ان احکام پر عملدرآمد بھی ہوا ہو یا نہیں۔ سب سے پہلے پیشوائے دین رسولخدا کے خاندان مبارک پر نظر ڈالکر دیکھنی چاہیئے کہ آیا وہاں بھی کوئی خاتون تعلیم یافتہ گذری ہیں یا نہیں۔ حضرت آمنہؓ کا حال اب لکھنے تو لگے ہیں۔ مگر افسوس ہو کہ اتنی لیاقت کہاں وہ ایسی پاک طبیعت ذی فراست فصیح و بلیغ خاتون تھیں کہ اس چودھویں صدی میں ہرگز ہماری کوتاہ نظر انکے عالی درجے کو نہیں پہونچ سکتی۔ آپ کے اشعار رسول خدا کے حسن و جمال کی توصیف میں ہوا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مستورات میں یہ مادہ بھی

فطری ہی کہ نیچر کی ذاتی خوبیوں کا بخوبی اندازہ کرکے باریک بینی کے ساتھ اسکا خاکہ کھینچ سکتی ہیں۔ رسول خدا کی لخت جگر بی بی فاطمہ کی لیاقت فصاحت وبلاغت اور انکی اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے تمام عرب قائل ہیں آپ کے بیشمار اشعار پند ونصیحت کا بھاری خزانہ ہیں جو تواریخ سے بخوبی مل سکتا ہی۔ جو برجستہ شعر رسول خدا کے مزار مبارک پر تصنیف فرمائے وہ حسب ذیل ہیں ماذا علی من شم تربۃ احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا۔ صبت علیٰ مصائب لو انہا۔ صبت علی الایام صرن لیالیا۔ یعنی جس شخص نے ایک مرتبہ قبر احمد کی مٹی سونگھ لی۔ وہ عرصہ دراز تک مشک جیسی خوشبو کو پسند نہیں کرتا۔ اوسپر لازم ہے کہ تمام عمر مشک نہ سونگھے۔ مجھپر وہ بلائیں نازل ہوئی ہیں کہ اگر وہ دن پر نازل ہوتیں تو دن رات بنجاتا آنحضرت کی پیاری بی بی عائشہ صدیقہ بڑی محدثہ تہیں جن حدیثوں کا مطلب آپنے عقدکشا زبان سے حل فرمایا اور لوگوں کو غلطی سے بچایا ہی۔ وہ اس امر کا پورا ثبوت ہیں۔ خذ والعلم من ھذا الحمیرا۔ یعنی اوس سرخ رنگ والی خاتون سے علم حاصل کرو۔ حضرت عائشہ کی قوت حافظہ کا اس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہی کہ صرف ۱۹ سال کی عمر میں ان کو سولہ ہزار شعر یاد تھے۔

غرضکہ ایسے بہت سے تاریخی دلائل موجود ہیں طوالت کے خیال سے میں نے مختصراً لکھے ہیں۔ بہرحال اب یہ ہر طرح سے ثابت ہوچکا ہی کہ تعلیم نسواں فرض ہے اگرچہ مجھے اسکے متعلق اس قدر تشریح کی ضرورت نہ تھی لیکن مناسب یہی سمجھا کہ میں اپنا دلی مطلب لکھنے سے پیشتر۔ مخالفین تعلیم نسواں کی طرف سے اطمینان کرلوں اور پھر اپنا مطلب سب صاحبوں کے آگے ظاہر کروں۔ اب پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آیا مرد وعورت کی تعلیم میں کچھ تفاوت بھی ہے یا نہیں اور ہی تو کس قسم کا اور کس وجہ سے۔ میں سب سے پہلے یہ بتاؤنگی کہ ہماری اور مردوں کی تعلیم میں اس قدر فرق

ہونا چاہیئے - اور پھر عرض کرونگی کہ کس وجہ سے -

اور وہ فرق یہ ہیں

حامیان تعلیم نسواں کو یہ جاننا ضروری بلکہ لازمی ہے کہ مرد و عورت کی تعلیم میں اتنا ہی فرق ہو جتنا کہ مرد و عورت میں ہو جیسے فرائض منصبی عورت کے مرد کے فرایض منصبی سے بالکل جداگانہ ہیں - اوسی کی بنا پر انکی تعلیم میں بھی بہت کچھ فرق بڑے بڑے عقلمند و مشہور فلاسفروں نے رکھا ہو - کیونکہ عورت - بمقابلہ مرد کے کمزور جنس ہے ویسے ہی اسکے طبیعت و عادات طاقت جسمانی و دماغی میں فرق رکھا ہو بقول جمیس بلیٹ جو اپنی تصنیف میں جو مرد و عورت کے متعلق ایک مفصل و مدلل کتاب لکھی ہے لکھتا ہے کہ مرد جب اپنے ہم جنس یعنے مرد کو ہی نہیں پہچان سکتا ہو - تو کب اس نازک و کمزور جنس کو یعنے عورت کو جو اس سے جُداگانہ ہے پہچانے گا - جس کے سبب بہت سی خوشنما زندگیاں برباد ہوجاتی ہیں اور جو بڑی بڑے اہم معاملے تیار ہوگئے ہیں وہ ہرگز ہرگز رائے کا اختلاف نہیں بلکہ مزاج کا اختلاف ہو جو فطرت کہلاتا ہو - مرد و عورت کے درمیان جو فرق خالق نے رکھا ہے وہی دراصل اسکی بنیاد ہے - جو مزاجوں کا اختلاف کہلاتا ہے اور جاننا چاہیئے کہ یہی ہو طبعی فرق - اور وہ درجہ عورت کا جس میں فرق کیا گیا ہو بالکل قابل غور ہو چنانچہ عورت دعوی کرتی ہے اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کا جس سے وہ خارج کردی گئی تھی - وہ کبھی چاہتی ہے کہ اپنے خانگی معاملات ناراستی یا بیدلی یا بے اعتدالی سے چلے - مگر چاہتی ہو کہ زندگی کے جھگڑوں میں پوری طرح سے اپنا پارٹ خود لیلے - عورت کی طاقت جاننا چاہیئے کہ عورت کی کمزوری ہی میں رکھی گئی ہو - اور مرد کی دماغی طاقت عورت کے جسم میں رکھی گئی ہو وہ چاہتی ہو کہ اپنی اولاد

جسمانی و دماغی محنت سے یہانتک شگفتہ کرے جہانتک کہ اسکے امکان میں ہو اب رہا یہ امر کہ تعلیم کس قسم کی دیجائے جو مستورات کو فرض منصبی کے بجا لانے میں مدد دے۔ لہذا اسکے لئے ضروری ہے کہ اسکے لئے عمدہ کورس تیار ہوں جسمیں صاف اور پورے طور سے بتایا جائے کہ ہماری ہندوستانی لڑکیوں کو کس قسم کی تعلیم ہو تعلیم کا اچھا یا بُرا ہونا نصاب پر ہی موقوف ہی (سر اسفرہ کواسفت نے اپنے ایک لکچر میں بیان کیا ہے کہ جس قسم کی کتابیں مستورات کو پڑہائی جاتی ہیں درحقیقت رُکاوٹیں ہیں ان کی ترقی تو ہرگز نہیں۔ کیونکہ جو طریقہ لڑکوں کے مدرسے میں تعلیم دینے کا ہے اوسی کو لڑکیوں کے لئے اخذ کیا گیا ہی جو سراسر ناموزوں ہے یوں تو ہر علم کو مستورات حاصل کر سکتی ہیں لیکن وہ اسکے لئے ایسا ضروری نہیں جیسا کہ ان کو وہ علم سیکھنا چاہیئے جو انکے فرایض سے تعلق رکھتا ہے۔ جسکو یہاں تفصیل وار نمبروار درج کیا جائیگا (۱) انکے لئے ایسے رسائل جو بالکل مذہبی ہوں اسکی سخت ضرورت ہے بالکل مذہبی یعنی محض ایسے جس میں مولوی صاحبوں کے من گھڑت مسئلے نہوں مذہب اسلام کی خوبیاں والدین عزیزوں کے حقوق شوہر کے حقوق و آداب رسوم شرک کی مذمت عورتوں کے متعلق قرآنی حدیثیں فقہی احکام اور مسائل۔ قرآن مجید با ترجمہ غرضکہ اسی قسم کے مضامین ہونے چاہیئں۔ (۲) تاریخ و سیر۔ اس میں عرب کی تواریخ رسول خدا کی سوانح عمری بزرگان دین کے حالات گذشتہ زمانے کی لایق خواتین کی لایف مختصر تاریخ ہند مختصر تاریخ دنیا ضرور ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ایسی تواریخوں سے آگاہ ہونے سے خود بھی عورت عقلمند ہوشیار ہونے کے علاوہ اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں بہت کچھ مدد دیسکتی اور سمجھا سکتی ہے (۳) جغرافیہ۔ جغرافیہ عرب کمل جغرافیہ ہندوستان جغرافیہ عالم

(۴) خانہ داری مالکہ کے فرایض گھر کے اسباب کی درستگی و آراستگی و بود و باش کے طریقے ملازموں کے کام کی نگرانی انکے ساتھ برتاؤ۔ باورچیخانے کا انتظام پارچہ جات کی حفاظت اوقات کی پابندی مصارف خانہ داری کا رجسٹر (۵) اصول حفظان صحت۔ تشریح۔ مکانات کی صفائی صاف ہوا صاف پانی روشنی گرمی سردی برسات جاڑے کے موسمی غذائیں امراض کے حفظ ما تقدم کی تدابیر امراض نسائی اسکے معالجے بچوں کے عوارض اور انکے معالجے عموماً بچوں بڑوں کی تیمار داری کے قواعد۔ خصوصاً عورات کو اپنی صحت قایم رکھنے کے لئے چند مفید تجویز جو عورات کے لئے مناسب ہوں (۶) ریاضی طبعیات اور ہیئت کے چند رسالے حسب ضرورت لازمی ہیں (۷) ادب و لٹریچر حسب ضرورت قواعد صرف و نحو اردو و ہندی کی شلیس اخلاقی نظمیں مناجاتیں اعلیٰ درجے کی انشا پردازوں کے نمونے عمدہ نتیجہ خیز ناول (۸) صنعت و حرفت ہر قسم کی پیسن بیلن کر دشے اون کا کام ہر قسم کے لباس کی تراشش خراش ڈرائنگ جو ان کاموں کے لئے کار آمد ہو عورتوں کو سیکھنی لازمی ہے۔ کیونکہ اس میں کوتاہی کرنا خود کو بے ہنر رکھکر بعضے وقت سخت تکلیف اُٹھانا ہے یا خرید نا چاہیں تو بہت سا روپیہ گھر کا ضایع کرنا پڑے گا۔ اور اس انتظام سے پوری معقول رقم بچ رہتی ہے (۹) عمدہ باقاعدہ کھانے پکانے کی تراکیب کی چند کتابیں اور اسکی عملی تعلیم (۱۰) خوش نویسی یہ ہنر امیروں کی لڑکیوں کے لئے زینت غریبوں کو عمدہ ذریعہ معاش کا ہوگا۔ اور ایسی تعلیم تو ضرور ہو اور ایسی کتابیں تو ضرور ہی شایع ہوں جو مستورات کے ترقی و بہبودی کی رہنمائی کریں اور خاص طور سے بچوں کی تعلیم و تربیت کے عمدہ طریقے درج ہوں اور اسکے دوسرے حصے میں شوہر کے خوش رکھنے کی تدابیر شوہر کی مزاج شناسی اور شوہر کے ساتھ برتاؤ درج ہوں۔ اگرچہ سب گھروں کے ایک سے حالات نہیں ہوتے اور سارے

شوہر کے ایک سے مزاج نہیں ہوتے تاہم اکثر باتیں ایسی ہونگی جو عموماً لوگونکو یکساں طور پر مفید ہونگی

راقمہ عباسی بیگم
از حیدرآباد دکن

اڈیٹوریل

ناگپور کی کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پریسیڈنٹ یعنی عالیجناب مسٹر عبداللہ بن یوسف علی نے جو تقریر کی اس میں تعلیم نسواں کے متعلق فرمایا کہ

"علیگڈھ نے اس مسئلہ سے غفلت نہیں کی۔ اس صیغہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوگا کہ علیگڈھ کے زنانہ مدرسہ میں طالبات علم کی تعداد اس عدد تک پہنچ چکی ہی جسکے کیریکٹر زا سقدر دل دادہ ہوتے ہیں۔ گو اسے جاری ہوئے صرف دو تین سال ہوئے مگر اس نے اپنا مرکز قایم کر لیا ہی۔ خود ہمارے ۔ ہمارے بھائیوں اور ہماری نوخیز نسلونکی بہبودی اسپر منحصر ہی کہ ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیاں علم اور اجتماعی تجربہ میں اگر ہم سے زیادہ نہوں تو مساوی تو ضرور ہوں

رات کیوقت کانفرنس کا چھٹا اجلاس

بصدارت آنریبل مسٹر فاضل بھائی کریم بھائی منعقد ہوا۔ خواجہ عبدالصمد صاحب ککڑو رئیس بارہ مولا (کشمیر) نے ایک حمدیہ و نعتیہ نظم پڑہی اور ضرورت تعلیم نسواں پر تقریر کی۔ صاحب صدر نے اپنے قابلانہ مضمون میں تاریخی واقعات سے ثابت کیا کہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کا ہمیشہ رواج رہا ہی اور اس سے مسلمانوں کو بیحساب فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ تعلیم نسواں کے فوائد کی زندہ مثال کے طور پر اونہوں نے ہر ہائینس حضور بیگم صاحبہ بھوپال کا اسم سامی پیش کیا۔ اونہوں نے یہ بھی بتایا کہ ہم لڑکیوں کو صرف ایسی تعلیم دینی چاہتے ہیں جس سے وہ اپنے اصلی و حقیقی فرایض سے آشنا ہوں نہ ایسی کہ وہ مثل آج کل کے متمدن ممالک کے مردوں کے فرایض کے اختیار کرنیکا دعوی کرنے لگیں۔ آخر میں اُس کام کا توصیف و پسندیدگی کے الفاظ میں تذکرہ کیا جو علیگڈھ تعلیم نسواں کے متعلق کرچکا ہی اور کر رہا ہی۔ اسکے بعد شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے سکرٹری شعبہ تعلیم نسواں نے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں شعبہ کے کام پر ریویو کرتے ہوئے بتایا کہ زنانہ کورس مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پنشنر مدرس رئیس میرٹھ تیار کر رہے ہیں۔ زنانہ اسکول و بورڈنگ ہاؤس کی عمارت کے نقشے پیش کرکے بتایا کہ پردہ کی ایسی سختی کے ساتھ پابندی

کیجائیگی کہ عمارت کے گرد دوہری دیوار کا احاطہ ہوگا۔ اسکول سے ابتک کسی لڑکی کی گُستانی بن کر نہ نکلنے کا یہ سبب ظاہر کیا کہ جب لڑکیاں تعلیم میں ایک معتدبہ حدتک ترقی کر جاتی ہیں تو اونکے والدین اونکو شادی کرنے یا مدرسہ میں بورڈنگ ہاؤس کا انتظام نہونیکی وجہ سے اوٹھا لیتے ہیں۔ صاحب موصوف نے یہ بھی اطلاع دی کہ مدرسہ میں تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ تک کی ایک یورپین ہیڈ مسٹرس رکھنے کی تجویز ہوا اور اس عہدہ کے لئے کسی موزوں لیڈی کی انتخاب کے متعلق ولایت سے خط وکتابت ہورہی ہو۔ لیڈیز آرٹ اگزبیشن کا تذکرہ کرتے ہوئے آپنے بتایا کہ "گو ہماری نمایش نے اتنی جگہ نہیں گھیری جتنی کہ الہ آباد کی نمایش کے لیڈیز آرٹ سکشن نے گھیری ہو مگر جن لوگوں نے دونوں نمایشوں کو دیکھا ہو وہ اقرار کرتے ہیں کہ ہماری نمایش کے نمونے اُس سکشن کے نمونوں سے بدارج بہتر ہیں"۔ اس موقع پر صاحب موصوف نے مسٹر نور محمد بی اے کی سعی کا بھی تذکرہ کیا۔

اسکے بعد مندرجہ ذیل ۳ رزولیوشن پاس ہوئے:۔ (رزولیوشن نمبر ۴۸) جس قدر روپیہ مسلمان تعلیمی اغراض کیلئے صرف کررہے ہیں یا آیندہ کریں اوس کل رقم کا ایک معقول حصہ تعلیم نسواں پر خرچ کرنا لازمی ہو (رزولیوشن نمبر ۴۹) تعلیم نسواں کی طرف قوم کو متوجہ کرنے کیلئے کانفرنس کی طرف سے لکچرار مختلف مقامات پر بھیجے جایا کریں جو مسلمانوں کے جلسے منعقد کرکے تعلیم نسواں کے فوائد بیان کیا کریں (رزولیوشن نمبر ۵۰) جیسے لڑکوں کو وظائف دیکر ٹریننگ اسکولوں میں تعلیم کیلئے بھیجا جاتا ہو اسی طور پر جبتک علیگڑھ میں ٹریننگ کیلئے کافی سامان نہو جائے) لڑکیوں کو وظائف دیکر کسی ٹریننگ اسکول میں بھیجا جاوے اور بالفعل تین وظائف دس دس روپیہ ماہوار کے مخصوص کئے جائیں۔

موخرالذکر رزولیوشن سے مولوی بشیرالدین صاحب ایڈیٹر البشیر اور مسٹر طفیل احمد مختار فتحپور نے اختلاف کیا۔ مگر رزولیوشن کثرت رائے سے پاس ہوگیا۔ اس جلسہ میں چند پردہ نشین خواتین بھی شریک تھیں، جو پس پردہ بیٹھیں ہوئی تھیں۔

زنانہ مصنوعات کی نمایش

کا افتتاح مسٹر ڈریک براکمین (اہلیہ صاحبہ جوڈیشل کمشنر بہادر) کے ہاتھ سے ہوا نمایش اسلامیہ ہائی اسکول کے ہال میں تھی۔ ہندوستان کے ہر حصہ سے مسلمان، ہندو، پارسی، عیسائی

اور بدہست (برہمی) لیڈیوں نے اپنی مصنوعات کے نمونے بھیجے تھے۔ رسم افتتاح کے موقع پر خواتین و اصحاب کا بڑا مجمع تھا مسنر رو نے اپنی تقریر میں بتایا کہ "چند سال سے یہ نمایش کانفرنس کا ایک ضروری جزو ہے۔ اسکے خیال کی ابتدا مسٹر شیخ عبداللہ سے ہوئی تھی' جو بہت مفید اور روز افزوں کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اس سلسلہ سے ہندوستانی فنوں کی بہت کچھ ترقی کی امید ہے۔" اونہوں نے مسٹر نور محمد سندہی بی اے (علیگ) کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے نمایش کو کامیاب بنانے کی اسقدر کوشش کی تھی۔ نمونہ جات (جن کی تعداد ۵۰۰ سو سے زیادہ تھی اور جسمیں ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال اور مہارانی صاحبہ بہاؤنگر کی مرسلہ اشیا اپنی خوبی و نفاست کے لحاظ سے خاص طور پر نمایاں تھیں) نہایت سلیقہ کے ساتھ سجائی گئی تھیں۔ نمایش شام کے ۵ سے ۷ بجے تک کھلی رہتی - ناگپور والنٹیرز کا بینڈ ہر روز نمایش کے کھلے رہنے کے وقت تک بجتا تھا۔ ۲۹ دسمبر کو پردہ نشین خواتین کو پردہ کے خاص اہتمام کے ساتھ نمایش دیکھنے کا موقع دیا گیا تھا۔ کمیٹی تجویز کنندہ انعامات کے ممبر یہ تھے۔ بہن جوسفن' بہن نوئم۔ مس ال' مس ہارش' مسز گرنٹر' ایک ہندوستانی خاتون' مسز رو' اور مسٹر نور محمد بی اے۔ نمایش کے لئے اشیا مہیا کرنے میں جناب چودہری خوشی محمد خانصاحب بی اے (علیگ) گورنر سری نگر (کشمیر) اور مسٹر عبدالسلام صاحب رفیقی رنگون نے خاص طور پر کمیٹی انتظامیہ کی مدد کی تھی۔

نمایش زنانہ مصنوعات ناگپور کے انعامات

کانفرنس ناگپور کی آل انڈیا لیڈیز آرٹ اگزبیشن کے نمونوں پر جو انعامات بصورت نقد و تمغہ جات دیئے گئے ہیں اُنکی تفصیل یہ ہے۔

ایک نقد انعام مبلغ پچاس روپیہ کا تھا۔ ۵۲ (۳ طلائی' ۲۱ نقرئی' اور ۲۸ مسی) تمغے تھے' جنکی مجموعی قیمت ' سو روپیہ تھی

(۱) **تصویر کشی** - ۵۰ روپیہ نقد کا مہارانی صاحبہ بہاؤنگر پرائز مس ہل مارٹر بمبئی کو ملا۔ (۲) **تمغہ انڈین ایسوسی ایشن** (الف) طلائی:- اہلیہ صاحبہ جناب خان بہادر ایچ ایم ملک کارچوبی کے کام پر۔ (ب) نقرئی:- مسز ہیرا بنرجی۔ (۳) **لیس کا کام** (ب) نقرئی:- مس ہاف نیولینڈز شلانگ' ایک انڈین ورکر متعلقہ سویڈش مشن ساگر۔ (ج) مسی:- مسز اسکٹ ناگپور' کردیا بائی متعلقہ یتیم خانہ باندرا۔ (۴) **زردوزی** (الف) طلائی:- فاطمہ بائی بنت محمد عبداللہ ناگپور۔ (ب) نقرئی:- فاطمہ بائی مہدی باغ' ایک مسلمان طالب علم سلطانہ گرلز اسکول بھوپال' ایک طالب علم انڈین گرلز انڈسٹریل اسکول دہلی۔ (ج) مسی:- ایک طالب علم وکٹوریا یتیم خانہ حیدرآباد دکن' امتہ رکہی طالب علم وکٹوریا یتیم خانہ حیدرآباد دکن' ایک مسلمان طالب علم سلطانہ گرلز اسکول بھوپال (۵) **سوزن کاری**

(الف) طلائی:- شریف النسا جالندہر- (ب) نقرئی:- نیرم انڈسٹریل اسکول آف امبرائڈری ٹراونکور، کنونٹ آف سینٹ میری پونا شہر، مسز نولس جبلپور (ج) مسی:- مس سوزتی ناگپور، مسز عبداللہ لطیف کاٹن پلانٹر بنگلور، مسز عنایت اللہ لاہور- (۶) **جالی کا کام** (ب) نقرئی:- اسسٹنٹ مسٹرس و شاگرد وکٹوریا یتیم خانہ حیدرآباد دکن، مس ایم اسپنسر بمبئی، تھاکو بائی ناگپور، مس ماٹن رنگون (ج) مسی:- مس نور احمد لاہور، بیجی بائی یتیم خانہ [illegible]را (۷) **گروشئے** (ب) نقرئی:- مسز ایس اے رحمان رنگون- (ج) مسی:- نرس متھرا ناگپور، ذہنہ خاتون معرفت مسز ملر ناگپور، مسز ایف سی پوچھا امپرس ملز (۸) **بافتہ** (ب) نقرئی:- اسسٹنٹ مسٹرس زنانہ اسکول حیدرآباد دکن، شاگرد زنانہ اسکول حیدرآباد دکن (۹) **فیتہ بافی** (ب) نقرئی:- مس اسپنسر ناگپور (ج) مسی:- مسز طمباٹا (۱۰) **روغنی تصویر** (ب) نقرئی:- مس اسپنسر بمبئی، مس کانکا مراؤتی، مس اولڈفیلڈ (۱۱) **مصنوعی پہول** (ج) مسی:- مس پی کھادیا (۱۲) **کشیدہ** (ب) نقرئی:- وتھا بائی ناگپور (ج) مسی:- سبو بائی، ہیجو بائی (۱۳) **مونگے کا کام** (ب) نقرئی:- رادہا بائی (ج) مسی:- صوفیہ د آسیہ مہدی باغ، مسز راما بائی پرویت (۱۴) **گڑیاں اور گڑیوں کے کپڑے** (ب) نقرئی:- دوارکا بائی باندار- (ج) مسی:- مسز ون کاٹا چاندارا، مسز ایس بی مزومدار ناگپور

روئداد جلسہ کمیٹی صیغہ تعلیم نسواں

منعقدہ ۱۶؍ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء بمقام کالج کلب وقت ۸ بجے شب

حاضرین جلسہ

(۱) آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب (۲) میر ولایت حسین صاحب (۳) سید عبدالباقی صاحب (۴) سید بنیاد حسین صاحب (۵) سرفراز خاں صاحب (۶) مولوی ابوالحسن صاحب

اسسٹنٹ سکرٹری (۷) مولوی محمد احتشام الدین صاحب (۸) مولوی محمد اسلم صاحب
جے راجپوری (۹) مولوی رشید احمد صاحب (۱۰) مولوی شیخ محمد عبد اللہ صاحب آنریری سکرٹری
میر ولایت حسین صاحب پریسیڈنٹ ۔

آنریری سکرٹری نے مختصراً نصاب نسواں کے متعلق اوس جلسہ کارروائی کا ذکر کیا جو اس سے
قبل ہو چکی ہے اور حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کی تحریر (جو نصاب کے متعلق تھی)
وہ حاضرین کو پڑھکر سنائی ۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی
(جن سے بہتر اس وقت کوئی شخص ترتیب نصاب کی قابلیت نہیں رکھتا) اونہوں نے وعدہ
فرمایا ہے کہ میں ادب کی چھ ریڈریں تیار کر دونگا اور اونہوں نے کام شروع بھی کر دیا ہے جلسہ
حاضرین نے اس بات کو تسلیم کیا کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے بہتر کوئی شخص اس کام کے لئے
موزوں نہیں ہے ۔ مگر ترتیب نصاب ایک ایسا کام ہے کہ کل قوم بڑے انتظار کے ساتھ اسکی
تکمیل کی منتظر ہے ۔ اور اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قوم میں لکھنے والے بہت سے لوگ ہیں ۔ اگر اشتہار
دیکر دوسرے لکھنے والوں کو بھی موقع دیا جاوے تو ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص بھی اس میدان میں
کامیابی حاصل کر سکے ۔ اور نیز حضور عالیہ جناب ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کا بھی یہی ارشاد ہے
کہ اشتہار دیا جائے ۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی سے درخواست
کیجائے کہ وہ اپنا کام بدستور جاری رکھیں اور نیز ایک عام اشتہار بھی دیا جائے اور انعامات ہر درجہ کی
ریڈروں کے لئے مقرر کئے جاویں ۔ مگر قبل اسکے کہ اشتہار دیا جائے یا انعامات مقرر کئے جائیں ایک
کمیٹی اسی غرض کیلئے مقرر ہو کہ وہ اس امر کو طے کرے کہ لڑکیوں کیلئے نصاب کس قسم کا درکار ہے ۔ یعنی
ابتدائی آٹھ جماعتوں میں کیا کیا مضامین اونکو پڑھائے جاویں اور جو مضامین پڑھائے جائیں اونکے
ہر مضمون کے لئے علیحدہ کتاب تیار ہو یا لٹریری ریڈروں میں ہی وہ مضامین بھی آجاویں ۔ نیز اس
بات کا فیصلہ ہونا چاہیئے کہ علاوہ کتابی تعلیم کے ابتدائی اور کس کس چیز کی تعلیم ہوگی اور اس کا
کیا طریقہ ہوگا ۔ اس کمیٹی کے لئے حسب ذیل ممبر تجویز ہوئے :-

(۱) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب (۲) میر ولایت حسین صاحب (۳) قاضی جلال الدین صاحب (۴) مولوی ابو الحسن صاحب (۵) سید عبد الباقی صاحب (۶) محمد احتشام الدین صاحب (۷) مولوی شیخ عبد اللہ صاحب آنریری سکریٹری

اور یہ بھی قرار پایا کہ بذریعہ اشتہارات کے عام پبلک سے بھی رائے طلب کیجائے کہ ابتدائی آٹھ جماعتوں کے لئے لڑکیوں کا نصاب کیا ہونا چاہیئے - اور نیز یہ قرار پایا کہ قبل اس کمیٹی کی اوس میٹنگ کے جسمیں اسباب کا تصفیہ ہو ممبران انفرادی طور پر اپنی اپنی رائے ایک خاص تاریخ تک (جو سکرٹری صاحب مقرر فرماویں) تحریر کر کے سکرٹری صاحب کے پاس بھیجدیں، اور پھر وہ رائیں پاس ہو کر کمیٹی میں پیش ہو کر طے کی جاویں - اور نیز یہ بھی قرار پایا کہ باہر کے اہل الرائے اصحاب جو اپنی رائیں تحریری سکرٹری کے پاس بھیجیں کمیٹی وقت انتیر فیصلہ کے اونکا لحاظ رکھے -

اسکے بعد آنریری سکرٹری نے بیان کیا کہ مناسب ہے کہ ۱۰ فروری تک ممبران کمیٹی سے اور نیز دیگر اہل الرائے سے تحریری رائیں طلب کی جاویں اور اون سے خواہش کی جاوے کہ وہ ۱۰ فروری تک اپنی رائے بھیجدیں - اس کے بعد پریسیڈنٹ کا شکریہ ادا کیا گیا اور جلسہ برخاست ہوا -

انتقال پرملال - نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ ہز ہائینس حضور نواب صاحب رامپور کی بیگم صاحبہ نے ایک طویل علالت کے بعد انتقال فرمایا حضور ممدوح نے بیگم صاحبہ مرحومہ کے علاج میں بیحد کوشش فرمائی - بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کرایا لیکن شفا نہ حاصل ہوئی - اور آخر ۱۹ جنوری کو وہ وقت آن پہونچا جو ہر متنفس کے لئے ضروری اور لابدی ہے -

اس ہوش ربا سانحہ سے تمام ریاست سوگوار ہے - نیز ایسے ہر دلعزیز رئیس کے رنج و غم میں تمام مسلمان شریک ہیں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو غریق رحمت فرمائے - اور ہز ہائینس کے رنجیدہ دل کو صبر عطا کرے -

پرواز - ہندوستان میں ہوائی جہاز پر پرواز کرنیوالی سب سے پہلی لیڈی مسٹر سین کی بیوی ہیں - جو مہاراجہ صاحب کوچ بہار کے اسٹاف میں ہیں - دوسری پرواز کرنیوالی لیڈی کپتان ڈیریل کی بیوی ہے ان دونوں لیڈیوں نے دو مرتبہ ہوائی جہاز میں بیٹھکر پرواز کی - اور دونوں نے تعریف کی کہ ہوائی جہاز میں بیٹھنے سے بڑا لطف آتا ہے -

دنیا بھر کی سیاح عورتیں - امریکا میں عورتوں کی ایک بہت بڑی جماعت تمام دنیا کی سیر کیلئے اٹھی ہے - انہوں نے باہمی چندہ سے ایک بہت بڑی رقم جمع کی جو کہ اس تمام جماعت کیلئے عالم کی سیاحت کے واسطے کافی ہو - لنڈن بنک نے ان عورتوں کی ہنڈیاں یعنی منظور نہیں کیں جس سے انکو سخت دقت پیش آئی - لیکن آخر ان مردانہ ہمت رکھنے والی عورتوں نے کسی طرح روپیہ کا انتظام کیا اور چل نکلیں - انہوں نے اپنی جماعت کی تین ٹولیاں بنائی ہیں - ایک ٹولی ہندوستان کو آرہی ہے -

تعلیم نسواں - امسال بمبئی کی یونیورسٹی کے امتحان میں ۱۲۵ عورتیں شریک ہوئی تھیں - ان سے ایک خاتون ایم اے کے امتحان میں کامیاب ہوئی - بی اے سی میں ۱۴ - ایل ایل بی میں ایک - ایل ایم اینڈ ایس میں دو - انٹرنس میں ۱۷ لڑکیاں پاس ہوئیں -

لڑکی کی اپیل - مشہور گجراتی اخبار سانجھہ ورتمان لکھتا ہے کہ پونہ کے مہاجنوں سے ایک جین لڑکی نے اپیل کی ہے کہ جس شخص سے میری نسبت کی گئی ہے وہ دائم المریض ہے - اسلئے مہربانی فرماکر اسکی شادی کا کسی دوسری جگہہ بندوبست کیا جائے - کیونکہ مجھے خیال ہے کہ قوم ہی اصلی سرپرست ہے - اگر خاطر خواہ جواب نہ ملا تو پھر مجھے ظاہر ہونا پڑے گا - اس لڑکی نے یہ اپیل بذریعہ رجسٹری کے بھیجی ہے -

زنانہ انجمن - شریمتی ابلا بسو کی کوشش سے خاتونان بنگال کی ترقی و بہبودی کے لئے ایک انجمن قائم کی گئی ہے جس میں علم ادب سائنس اور تواریخ وغیرہ پر لکچر ہوا کرینگے - شریمتی کومودنی متر بی اے سکرٹری بنائی گئی ہیں - ممبروں کو کم سے کم چار آنہ ماہوار چندہ دینا ہوگا - جن خاتونوں کے پاس گھر کی گاڑیاں ہیں وہ اپنی گاڑیوں پر آئیں گی - اور جنکے پاس نہیں ہیں انکے لئے بھیجی جائیں گی - بابو دیویندرا ناتھ ملک اور بعض دوسرے لایق آدمیوں نے ستارے اور اشیاء خوردنی وغیرہ پر لکچر دئے ہیں -

ترکی خواتین - شہر قسطنطنیہ کے محلہ جزائرالامرائی ترکی خواتین نے ایک انجمن عثمانی بحری طاقت کو امداد دینے کے لئے قایم کی ہے - اور چندہ کی فہرست کھول رکھی ہے - ان غیرتمند اور بلند خیال خواتین کی سرگرم کوشش سے پہلے قسط انجمن بحریہ عثمانیہ کے پاس موصول ہوگئی - اسکی تعداد ۱۰۱۴۰ روپئے ہے

تقریر پر انعام - چندارامجی گرل ہائی اسکول میں ۱۴ سال سے بڑی عمر کی لڑکیوں کا ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا تھا کہ اس میں تقریری مقابلہ کرکے انعام دیا جائیگا ۱۳ لڑکیاں انعام کی امیدوار تھیں "ہندو خاندان کی مشکلات اور رائے انسداد کی تدابیر" امتحان تقریر کا عنوان تجویز کیا گیا - زبان گجراتی اور مرہٹی قرار دی گئی تھی - تیرہ امیدوار میں سے صرف ایک گجراتی اور باقی بارہ مرہٹی تھیں - جو عورتیں ممتحن مقرر کی گئی تھیں وہ دونوں زبان سے واقف تھیں انکے فیصلہ سے ایک گجراتی خاتون سورج بائی موتی لال سوریا نے اچھے نمبر حاصل کئے - اور پانچ اور لڑکیوں کو انعام دینا قرار پایا جو یونیورسٹی کے جلسہ کے موقع پر دیا جائیگا -

---

زنانہ اسکول علیگڈھ بوجہ پلیگ کے ایک مہینہ سے بند ہے ابھی تک بیماری کی حالت بدستور ہے اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک کھلیگا - اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ جلد اس آفت سے نجات دے -

---

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۷

خاتون

جلد | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء | نمبر ۳

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عنایت خاں پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع یاسین علی گڑھ میں چھپی
مارچ سنہ ۱۹۱۱ء
شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڑھ سے شایع کی

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (سے)
اور ششماہی عم ۱۲؍ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہو نگے
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے
کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہو رہی ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے
جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی
ان کو ضرورت محسوس ہو تا کہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے
انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں
لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کیلئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرتا ہی اگر اس کی آمدنی سے
کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کیلئے
تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڑھ ہونی چاہیئے۔

طلائی مساس

یا

طمع راسہ حرف اند وہر سہ تہی

زمانہ سلف میں ایک نہایت ہی امیر بادشاہ "مایا داس" (دولت کا غلام) گذر چکا ہے اسکی ایک اکلوتی بیٹی تھی جس کا نام میرے صفحۂ دل سے بالکل محو ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے ننھے بچوں کو عجیب و غریب ناموں سے پکارنے سے ایک گونہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ میں اسے ننھی کے نام سے یاد کرونگا۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی شے ہوگی جو مایا داس کو سونے سے زیادہ عزیز تھی لیکن خوشباش ننھی اسے سونے سے بھی عزیز تر تھی۔ مگر جس قدر زیادہ وہ ننھی سے پیار کرتا تھا۔ اسی قدر زیادہ اسکو دولت کی خواہش بڑھتی تھی کوتاہ اندیش مایا داس سمجھتا تھا کہ عزیزہ ننھی کی بہتری کی عمدہ ترین تدبیر جو کہ اسکے احاطۂ اقتدار میں تھی یہ تھی کہ اسکے لئے چمکتے ہوئے سونے کا اتنا بڑا انبار فراہم

کرے کہ آفرینش دنیا سے لیکر اب تک کسی فرد بشر نے نہ جمع کیا ہو اس لئے وہ ہمیشہ اسی خیال میں مستغرق رہتا تھا اور بسا اوقات مغرب کی جانب شفق کے خوبصورت سرخ بادل دیکھکر وہ حسرت سے خواہش ظاہر کیا کرتا تھا کہ کاش وہ فی الاصل خالص سونا ہوتی اور اسے قدرت حاصل ہوتی کہ انہیں حفاظت سے اپنے مضبوط آہنی صندوق میں بند کر سکتا جب کبھی چھوٹی نھنی ہاتھوں میں پھول لئے ہوئی اسے دوڑتی ہوئی ملتی تو وہ کہا کرتا۔ "پیاری نھنی کاش کہ یہ پھول فی الحقیقت سونے کے ہوتے جیسا کہ انکی ظاہری شکل و شباہت سے دھوکا ہوتا ہے تب البتہ وہ اس قابل ہوتے کہ کوئی انکی گل چینی کی تکلیف اٹھاتا!"

آخرالامر جیسا کہ دنیا کا دستور ہی کہ لوگ اگر دانائی سیکھنی کی کوشش نکریں تو دن بدن بیوقوفی میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں مایا داس کے دل میں فراہمی زر کی خواہش حدِ اعتدال سے اس قدر تجاوز کر گئی کہ وہ سنہری اشیا کے علاوہ کسی دوسری چیز کو دیکھنا یا چھونا گوارا نہ کر سکتا۔ بدیں وجہ وہ دن کا اکثر حصہ محل کے اندر ایک تنگ و تاریک تہ خانہ میں جہانکہ اس نے اپنا خزانہ جمع کیا تھا گذارا کرتا۔

اسکی عادت تھی کہ احتیاط سے دروازہ کو قفل لگا دیتا کبھی تو سنہری سکوں سے بھری ہوئی تھیلی کو اُٹھا لیتا اور انہیں گنتا کبھی ایک بڑے سے طلائی پیالیکو ہاتھ میں لیتا اور اپنے چہرے کی ہنستی ہوئی صورت اس کے اندر دیکھتا یا کبھی ایک سونے کی بھاری سلاخ اوٹھا کر ہوا میں اوچھالتا اور نیچے آتے وقت اسے دبوچ لیتا۔ جب وہ ان عجب حرکات میں مشغول ہوتا تھا تو اپنے سے یوں ہمکلام ہوتا۔ "امیر مایا داس امیر مایا داس تم کیا ہی خوش قسمت انسان ہو" لیکن ساتھ ہی اسکو خیال آتا کہ وہ اب بھی اتنا خوش نہیں جتنا کہ وہ ہو سکتا ہی اسکی خوشی کا پیالہ

تب تک لبریز نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ تمام دنیا سونے کی نہ بن جاتی اور وہ سب اوسکی ملکیت نہ ہوتی حسب معمول مایا داس ایک دن اپنے خزانے والے مکان میں اپنا جی بہلا رہا تھا۔ کہ ناگاہ سونے کے انبار پر ایک سایہ پڑا مایا داس نے نظر اوٹھا کر دیکھا تو اسے ایک خوبصورت نوجوان کی شکل دکھائی دی مایا داس کو یقین واثق تھا کہ اس نے احتیاط سے دروازہ کو قفل لگا دیا تھا۔ لہذا اسکا اجنبی ملاقی بالضرور کوئی معمولی انسان نہ ہوگا نووارد نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر مایا داس سے یوں گویا ہوا مایا داس تم ایک امیر آدمی ہو اور شاید دنیا میں کسی کے پاس اتنی دولت ہو جتنی کہ تم نے اس کمرے میں جمع کی ہے مایا داس "درست۔ لیکن خیال فرمایئے کہ میں نے اپنی تمام عمر ہی اسکے فراہم کرنے میں صرف کر دی ہے یہہ تو کچھ بھی نہیں ہاں اگر ہزار برس کوئی جی سکے تو شاید وہ امیر بن سکے۔"

نووارد۔ "اچھا تو پھر تم قانع نہیں ہو۔"

مایا داس نے اپنا سر ہلایا۔

نووارد۔ تو پھر للہ فرمایئے کہ کونسی چیز آپ کی تسلی کا موجب ہو سکتی ہے

مایا داس دیر تک سوچتا رہا۔ آخر نووارد کے اصرار پر اس نے اپنی مہر سکوت یوں توڑی۔ "میں ان تکالیف سے اپنا خزانہ جمع کرنے سے تنگ آگیا ہوں۔ جو کہ باوجود میری اعلیٰ ترین کوششوں کے اس قدر چھوٹا دکھائی دیتا ہے بس چاہتا ہوں کہ جس چیز کو ہاتھ لگاؤں سونے کی بنجاوے۔"

نووارد کا چہرہ روشن ہو گیا اور وہ کہنے لگا "طلائی مساس! دوست مایا داس واقعی تمہاری عالی دماغی تحسین کی مستحق ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کامل یقین ہے

کہ طلائی مساس کے حصول سے تم قانع ہوجاؤ گے"۔

مایا داس نے اُسے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہوگا اسپر نووارد نے اپنا دایاں ہاتھ ہلا کر کہا۔ "اچھا جس طرح تم چاہتے ہو اسی طرح پر ہوگا" کل علی الصبح تم اپنے آپ کو طلائی مساس کے نعمت غیر مترقبہ سے بہرہ ور پاؤ گے تمام رات مایا داس نے آنکھوں میں کاٹی ابھی صبح کاذب ہی تھی کہ اوس نے ہاتھ پاؤں پھیلا دیئے اور نزدیک کی چیزوں کو چھونا شروع کیا۔ لیکن ابھی تاریکی تھی اور اسے بار بار مایوس ہونا پڑا آخر کار جب سلطان مشرق نے آنکھ کھولی یہ دیکھکر کہ اسکا بستر سونے کا تھا مایا داس کی باچھیں کھل گئیں۔ اب تو وہ بستر سے باہر کود کر دیوانہ وار ہر ایک چیز کو چھوتا اور اسے سونے کی بنی ہوئی دیکھکر حد سے زیادہ خوش ہوتا۔ جب اسے طلائی مساس کے حاصل ہوجانے کی اچھی طرح سے تسلی ہوگئی تو جلدی سے اوس نے اپنے کپڑے زیب بدن کئے اور اپنے تیئں سونے کے ایک زرق برق پوشاک میں ملبوس دیکھکر اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی پھر اوس نے ننھی کا سیا ہوا رومال جیب سے نکالا علیٰ ہذالقیاس یہ بھی طلائی تھا اس تبدیلی سے وہ اتنا خوش نہوا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اوسکی پیاری ننھی کے ہاتھوں کا کام ویسے کا ویسا ہی رہتا۔

بعد ازاں اس نے عینک لگائی تاکہ ارد گرد کی اشیاء کو زیادہ صفائی سے دیکھ سکے لیکن وہ حیران تھا کیونکہ اسے ان میں سے کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ طلائی مساس کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ عینک کے شفاف شیشے سونے کے بنجاتے ان دنوں چونکہ عینکیں بہت کم یاب تھیں اسکے اس طرح کھوئے جانے سے اسے بہت افسوس ہوا۔ لیکن حرص کا جن سر پر سوار تھا خود ہی دل کو یوں تسلی دی کہ طلائی مساس کے مقابلہ میں عینکوں کی حیثیت خاک بھی نہیں۔

پھر وہ باغ میں گیا اور بہت سے گلاب کے پھول دیکھ کر خوش ہوا انکی دھیمی دھیمی خوشبو اس صبح کے سہانے وقت میں دل کو عجب فرحت دیتی تھی۔ مایا داس نے احتیاط سے ہر ایک پھول کلی پودے اور جھاڑی کو چھوا حتیٰ کہ سب کے سب سونے کے بن گئے یہانتک کہ کئی ایک کیڑے بھی اس سنہری آفت کے شکار ہو گئے۔

اب ناشتے کا وقت ہو گیا مایا داس کے سامنے ایک نہایت پرتکلف دسترخوان چنا گیا۔ چھوٹی ننھی محل میں نہ تھی۔ مایا داس نے حکم دیا کہ اسے جلدی بلایا جائے چھوٹی ننھی مایا داس کو یوں تو پہلے سے ہی بہت عزیز تھی لیکن اس دن ایسی گراں بہا نعمت کے مل جانے سبب وہ اور بھی پیاری معلوم ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ننھی کے رونے کی آواز آئی۔ مایا داس بہت متحیر تھا کہ ننھی جو ایک ہنس مُکھ لڑکی تھی خلاف معمول کیوں رو رہی ہے اسی اثنا میں ننھی ہچکیاں لیتی ہوئی غمناک چہرہ بنائے ہوئے آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی مایا داس استعجاب کی صورت بنا کر بولا۔ "پیاری ننھی اس چمکتی دمکتی صبح کو کیوں ناخوش ہو؟" اسکے جواب میں ننھی نے بغیر مُنہ کھولے اپنا دایاں ہاتھ جس میں مایا داس کے سنہری گلاب کے پھولوں میں سے ایک تھا باپ کی طرف نکالا۔

مایا داس "کیا ہی عمدہ پھول ہے! بھلا اس میں کونسی چیز دھری ہے جو تمہارے رونے کا سبب ہوئی ہے؟"

ننھی ۔ (رو کر) "اباجان یہ تو نہایت ہی بدنما پھول ہے۔ علی الصبح جوں ہی میں نے کپڑے پہنے میں دوڑتی دوڑتی باغ میں گئی تو تمام پھولوں کو مُرجھایا ہوا پایا سب کے سب اس کی طرح زرد پڑ گئے

ہیں - اور خوشبو تو بالکل ہی جاتی رہی ہے -

مایاداس جبکو کہ اس بات میں اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے شرم آتی تھی - یوں بولا "پیاری ننھی یہ کونسی رونے کی بات ہے ؟ طلائی پھول عام پھول سے بدرجہا اچھا ہے یہ خام خیالی چھوڑ دو اور بیٹھ کر اپنا دودہ پیو"

مایاداس اب کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا - اس نے چاء کا ایک چمچہ اپنے منہ کی طرف اٹھایا لیکن جونہی کہ چاء اسکی ہونٹوں سے لگی - منجمد ہو کر سونے کا ایک ڈلا بنگئی - پھر اوس نے طشتری میں سے ایک چھوٹی سی مچھلی اٹھائی - وہ بھی فوراً ایسی ہی نظر آنے لگی - جیسے کہ کسی ہوشیار سنار کی بنائی ہوئی ہو مایاداس حیران تھا - کہ روٹی کھائے تو کس طرح کھائے - ایک گرم روٹی کو پکڑا ابھی اسے توڑا بھی نہیں تھا - کہ اوس کا رنگ زرد دکھائی دینے لگا - تنگ آکر ایک ابلے انڈے کو ہاتھ لگایا لیکن یہاں بھی مایوسی نے منہ دکھایا - اب تو عنان صبر اس کے ہاتھ میں ڈھیلی پڑ گئی - ایسی عمدہ خوراک اور اس میں سے ذرہ بھی نصیب نہوا - لیکن بالکل مایوس ہونے سے پیشتر اوس نے خیال کیا - کہ شاید بہت جلدی کرنے سے اس نئی آفت سے نجات ملی - بدیں خیال نہایت سرعت کے ساتھ ایک روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالکر زور سے چبانا شروع کیا لیکن یہاں بھی طلائی مساس اسکے عاجز کرنے کے لئے کافی ثابت ہوا - اپنے منہ کو سونے سے بھرا محسوس کر کے ڈر کے مارے اسکی چیخ نکل گئی - ننھی بیچاری دہشت زدہ ہو کر چلا اٹھی "ابا جان کیا بات ہے"

مایاداس بیخودی کی حالت میں تھا - اب اسے یہ خیال بہت ستانے لگا کہ وہ باوجود اپنی تمام امارت کے ایک غریب مزدور سے بھی بدتر تھا - شامت اعمال سے اب اسکی بھوک بھی چمک اٹھی ننھی سے بھلا یہ کب دیکھا جا سکتا تھا - کہ

اوسکا پیارا آبا تو روئے۔ اور وہ اسے تسلی بھی نہ دے۔ دوڑ کر اسکے گھٹنوں پر گر پڑی۔ مایا داس نے جھک کر اسے ایک بوسہ دیا اور اپنی گود میں لینا چاہا۔ لیکن وہ تو سونے کی بن چکی تھی بھلا مایا داس سے کیسے ملتی وہ اسے بلاتا تھا۔ لیکن جواب دیتا تو کون دیتا۔ ننھی کا خوبصورت پھول جیسا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اور اس کا نرم نازک بدن پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ اب تو مایا داس اپنی بدقسمتی پر زار و قطار رونے لگا۔ پیاری ننھی اب ایک طلائی بت تھی اب جبکہ وقت ہاتھ سے گذر چکا تھا۔ مایا داس نے محسوس کیا۔ کہ ایک محبت بھرے دل کی اس تمام دولت کے مقابلہ میں جو کہ زمین اور آسمان کے درمیان جمع کی جا سکتی ہے کیا قیمت ہے جب مایا داس اس طرح مایوسی کے سمندر میں غرقاب تھا۔ اسے اچانک ایک مسافر دروازہ کے نزدیک کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ جسکو مایا داس نے فوراً پہچان لیا۔ کیونکہ اسی مسافر نے طلائی مساس دیا تھا۔

مسافر ۔"دوست مایا داس بتاؤ۔ طلائی مساس کے ذریعہ سے تمہیں کیسی کیسی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں"۔

مایا داس ۔"میں بہت بری حالت میں ہوں"۔

مسافر نے چونک کر آواز بلند کہا۔"بہت بری حالت! کیا یہ واقعی سچ ہے؟ لیکن اسکی وجہ کیا ہے۔ کیا میں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اور کیا تمہارے دل کی ساری آرزوئیں بر نہیں آئیں"۔

مایا داس نے افسوس ناک لہجہ میں جواب دیا۔"اب مجھے ثابت ہو گیا ہے کہ سب کچھ سونا ہو جانا وبال جان ہے۔ اور میں وہ چیز جو کہ مجھے سب سے عزیز تھی۔ کھو بیٹھا ہوں"۔

مسافر۔ "خوب تو اس عرصہ میں تم نے ایک نئی بات معلوم کر لی ہے۔ لیکن آؤ ذرا غور کر لیں تمہارے خیال میں ان دو میں سے کونسی چیز بہتر ہے۔ طلائی مساس یا صاف ٹھنڈے پانی کا ایک پیالہ۔"

مایا داس نے حسرت بھری آواز میں کہا۔ "مبارک پانی! ہائے افسوس تو اب میرے خشک گلے کو کبھی تر نہیں کریگا۔

مسافر۔ "طلائی مساس یا روٹی کا ایک ٹکڑا۔"

مایا داس۔ "فی الحقیقت روٹی کا ایک ٹکڑا دنیا کے تمام سیم و زر سے بہتر ہے۔"

مسافر۔ "شہنشاہ مایا داس آپ کل سے آج زیادہ عاقل ہیں۔ جہانتک میری بصیرت کام کرتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا دل نا حال سونے سے نہیں بدلا۔ ہنوز تم میں اتنی سمجھ باقی ہے۔ کہ ہر روز کی ضروریات کی عام اشیاء جو کہ ہر ایک کو میسر ہوتی ہیں۔ اس حقیر زر سے جسکی تلاش میں ہزاروں شب و روز منہمک ہیں کیسی بڑھ چڑھ کر ہیں! اچھا تو اب مجھے صدق دل سے بتاؤ۔ کہ آیا تم طلائی مساس کے عطیہ سے رہائی حاصل کرنی چاہتے ہو۔"

مایا داس۔ "مجھے اس سے نفرت ہو گئی ہے۔"

ایک مکھی قسمت کی ماری اڑتی ہوئی مایا داس کے ناک پر آ بیٹھی۔ لیکن فوراً بیٹھنے کے ساتھ ہی نیچے فرش پر گر پڑی۔ کیونکہ یہہ بھی سونے کی ڈلی بن گئی تھی یہ دیکھ کر مایا داس کانپنے لگا۔ اس پر مسافر نے محبت بھرے لہجہ میں مایا داس کو یوں خطاب کیا۔ "اچھا تم شمالی نہر میں جو کہ تمہارے باغ کے پاس گذرتی ہے جا کر نہا ؤ۔ اسی سے ایک مٹی کا کوزہ پانی سے بھر لاؤ۔ اور جن اشیار کو تم سونے سے انکی اصلی حالت پھر لانا چاہتے ہو۔ ان پر وہ چھڑک دو۔" مایا داس نے

ایک لمحہ ضائع نہ کیا فوراً دریا کی طرف ایک مٹی کا برتن لیکر دوڑ اگیا اور
بغیر کپڑے اُتارنے کے پانی میں غوطہ لگایا۔ پانی کی خنکی محسوس کرکے وہ
بول اوٹھا پُر میشور تیرا صد ہزار شکر ہے فی الحقیقت یہ پانی دلخوش کن
ہے اور مجھے یقین ہے۔ کہ اس نے مجھے طلائی ساس سے رہائی بخشدی
ہوگی"۔ یہ کہکر مایا داس نے جلدی سے برتن کو پر کیا۔ اور جیسی کہ اُمید
ہوسکتی ہے پہلا کام جو اوس نے کیا ننھی کی سنہری مورت پر زور زور سے
ہاتھ بھر کے چھینٹے مارنے لگا۔ جونہی کہ پانی ننھی کے بدن پر پڑا۔ اس کے
چہرے پر گلابی رنگ عود کر آیا۔ اور اوس نے متحیر ہوکر اپنے باپ کو
جو کہ اب تک اسپر پانی پھینک رہا تھا۔ کہا۔" ابا جان بس کرو۔ تم نے تو
میری نئی قمیص بالکل تر بتر کردی ہے"۔ ننھی بیچاری کو یہ معلوم نہ تھا کہ ابھی
ابھی وہ سونے کی مورت بنی کھڑی تھی۔

جب مایا داس ایک پیر فرتوت ہوگیا۔ تو وہ بسا اوقات ننھی کے
بچوں کو گود میں لیکر یہ نادر واقعہ ہو بہو اسی طرح جس طرح کہ میں نے تمہیں سُنایا
ہے سُنایا کرتا تھا۔

خاکسار فیروزالدین مرادؔ
ایم ایس سی بی اے پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڈھ

مصیبت کی کہانی

کلیجہ تھام لوگے جب سُنوگے
نہ سنوائے خدا اشیون کسیکا

نواب تقی خان کو آنکھ بند کرتے دیر نہ لگی۔ کہ انکے ہونہار بیٹے میاں تقی ز

دن عید رات شب برات منانی شروع کر دی اور گویا دل میں یہ ٹھان لی
کہ برے بھلے غرض جس طور سے ہو باپ کا نام روشن کرنا چاہئے۔ نقی خاں
کے حیات ہی میں میاں تقی نے کونسا بُرا کام تھا کہ نہ کیا اور کونسا ارمان
تھا کہ نہ نکالا۔ نقی خاں مگر پوچھا جائے۔ قابل الزام تھے یا نہیں؟ تو میں اسکا
فیصلہ کرنیوالا کون۔ مگر اتنا تو ضرور کہونگا۔ کہ اگر نقی خان دو حرف سے آشنا
ہوتے تو شاید انکی حالت کچھ اس سے بہتر ہی رہتی۔ مگر اسکے ساتھ ہی نواب
نقی خاں خیال کرتے تو کیونکر۔ اللہ نے اتنا مال واسباب دے رکھا تھا
کہ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ گھر میں رکھنے کی بھی جگہہ نہ تھی پھر جیسا کہ عام خیال
ہے پڑھواتے تو کس لئے۔ اور لکھواتے تو کیوں۔ اور اسپر میاں تقی
لے دے کر گھر کے اکلوتے تھے جس چاہ اور پیار سے پالے گئے ہونگے
خیال کے قابل ہے۔ جب کبھی میاں تقی کوئی برا کام کرتے تو انکے والد
بزرگوار ہمیشہ یہ کہا کرتے۔ کہ ابھی لڑکا ہے۔ کھیلنے کے دن ہیں۔ کھیلنے دو
بس پھر کیا تھا۔ میاں تقی تھے۔ کہ مرزا پھویا بنے ہوئے تھے۔ اور سچ ہے
اتنا تو خیال نہیں۔ شاید اسی نام سے پکارے جانے بھی لگے تھے۔ خیر
جو کچھ بھی ہو میاں تقی کی مٹی لڑکپن ہی میں خراب ہو چکی تھی۔

تقی کا پندرھواں سال تھا۔ کہ نواب نقی کے رخصت ہونے کے دن
قریب آ پہونچے۔ یہاں تک بستر مرگ پر جا پڑے۔ جب حالت روز مرہ
خراب ہوتی چلی تو ایک دن اپنے لاڈلے بیٹے کو بلا کر یوں وصیت کی
میرے پیارے میں شاید دو تین گھنٹہ کا مہمان ہوں۔ اب تم سے ہمیشہ
کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ افسوس ہے تو اتنا اور صدمہ ہے تو اسبات کا
کہ اپنے سامنے تمہاری شادی رچانی نصیب نہوئی اور تمہارے سر سہرا بندھا

نہ دیکھا - خیر صفدر علی صاحب جو ہمارے رشتہ داروں میں سے ہیں انکو اللہ نے ایک لڑکی دی ہے - لڑکی حسن کی دیوی ہی نہیں بلکہ عمدہ چال و چلن کی بھی ہے - میں نے اسے دیکھا ہے اور جانتا بھی ہوں - بیٹا اگر چراغ لیکر بھی تلاش کروگے - تو ایسی بیوی ملنی محال کیا بلکہ ناممکن ہے تم اپنی شادی کا پیغام ضرور انکے ہاں بھیجنا - قرینہ ہے - کہ صفدر علی صاحب کو بھی انکار نہوگا نواب نقی خاں کی اب آواز بند ہوتی چلی - دنیا بھر کے ڈاکٹر حکیم سب موجود تھے - مگر موت کی دوا کون کرسکتا ہے - ہچکی آئی - اور ہچکی کے ساتھ ہی روح بھی نکل گئی - ع - حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا - تھوڑے روز تک تو تقی خاں غم کے پتلے بنے رہے - دیوانے وحشی - ظاہرا ہو یا باطنی - جو کچھ جی میں آیا باپ کے غم میں بنے - جب غم کی انتہا ہو چکی تو خوشی کی ابتدا شروع ہوئی - ہوئی اور ایسی ہوئی - کہ شاید کسی کے خواب و خیال میں بھی آئی ہو - افسوس نواب نقی خاں کے آبا اجداد نے کن کن مشکلوں سے روپیہ جمع کیا ہوگا - مگر تقی کو اسکا کچھ بھی خیال نہیں آیا - اور نہایت بیدردی سے دولت لٹانی شروع کردی - اسی درمیان میں باپ کی وصیت یاد آئی - فوراً صفدر علی صاحب کے ہاں شادی کا پیغام بھیجدیا گیا

صفدر علی صاحب نواب نقی کی طرح امیر نہ تھے - مگر ہاں اُتنا نہ تھا تو اتنا ضرور تھا - کہ دال روٹی سے خوش تھے بیٹی کی نسبت تمام تلاش کی نسبت آئی - اور ضرور آئی - مگر حسب خواہ نہ آئی - بیچارے اسی اُدھیڑبن میں تھے کہ کریں تو کیا کریں - بیٹی جوان ہو چکی ہے - کسی طور پر نباہنا ضرور ہی - اتنے میں میاں تقی کا پیغام پہونچا صفدر صاحب کی خوشی کے مارے باچھیں کھل گئیں خیال آیا کہ کسی سے صلاح و مشورہ بھی کرلینا چاہیئے مگر

صلاح لوں تو کس سے اور مشورہ کروں تو کس سے بی بی تھیں وہ بھی لقمۂ اجل ہو چکیں گھر میں ایک بیٹا تھا وہ بھی نوکری کی وجہ سے باہر ہے۔ خیر چار ناچار اپنے بیٹے ظہیر کو تار دیکر بلایا۔ ظہیر باپ کا تار دیکھتے ہی فوراً آپہونچا باپ سے بلانے کی وجہ دریافت کی۔

صفدر علیصاحب۔ "ظہیر میں نے جو تمہیں بلایا ہے اسکی ایک خاص غرض ہے شاکرہ جوان ہو چکی ہے اسکی شادی جہانتک جلد ممکن ہو ہو جانا بہتر ہے۔ میں نے بہیترا نسبت تلاش کی مگر کہیں سے نہ آنا تھی نہ آئی۔ بارے خدا کا فضل ہے کہ کل میاں تقی نے اپنا پیغام بھیجا ہے۔ میرے نزدیک اس سے عمدہ اور بہتر نسبت کون ہو سکتی ہے۔ بہتر اور مناسب ہے کہ منظور کر لیا جائے"

ظہیر۔ "ابا جان شادی کا ہونا تو ضرور فرض ہے مگر تقی خاں سے ہو یا نہو تو اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہتر ہے کہ خود شاکرہ سے اس میں رائے لی جائے وہ ماشاءاللہ سمجھدار ہے۔ اپنے برے بھلے کو کہیں ہمسے زیادہ سمجھ سکتی ہے"

صفدر۔ (غصہ ہوکر) "تم نے لڑکی سے رائے لینے کی خوب کہی میں تو آج نئی بات تم سے سُن رہا ہوں۔ افسوس انگریزی تعلیم نے تمہیں اتنا آزاد بنا دیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ انگریزی پڑھکر تم ایسے روشن خیال ہو جاؤگے تو میں کبھی تمہیں ایسی تعلیم نہ دلواتا"

ظہیر۔ "ابا جان بے ادبی معاف آجکل شادی کے بعد طرح طرح کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں۔ کبھی یہ سنا جاتا ہے کہ لڑکا سسرال نہیں جاتا بی بی حسب خواہ نہ ملی۔ کبھی لڑکی زہر کھا کر مر گئی۔ غرض جو کچھ بھی ہو اسکی وجہ جناب والا نے غور بھی کی۔ وجہ یہی ہے کہ شادی نہ تو لڑکے کی رضامندی سے ہوتی ہے نہ لڑکی کی خوشنودی سے"

صفدر۔ "بس بس اپنے لکچر کو رہنے دو۔ میں نے صلاح اور مشورہ کیلئے بلایا ہے۔ لکچر سننے کے لئے نہیں"

ظہیر۔ "ابا جان خفا نہ ہو جئے۔ میں صلاح اور مشورہ ہی دے رہا ہوں مجھے کہہ لینے دیجئے۔ اسکے بعد کرنا یا نہ کرنا آپکے اختیار میں ہے میں تقی خاں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسکے چال و چلن سے کون شخص واقف نہیں کونسی برائیاں دنیا میں ہیں جو تقی خاں میں نہیں پائی جاتیں۔ ہاں اگر دولت کو کہئے تو اسکا اعتبار ہی کیا۔ آج میرے پاس ہے۔ اور کل اونکے پاس۔ البتہ علم ایک جوہر ہے وہ بالکل اس سے بے بہرہ ہیں۔ علاوہ بریں میرے خیال میں تو اپنی حیثیت سے زیادہ والوں کے ہاں شادی کرنا کیا۔ ایسا خیال بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ شاکرہ لایق شاکرہ ہرگز ان سے بیاہے جانے کے قابل نہیں ہے"

ظہیر بیٹا تھا۔ باپ نہ تھا۔ لڑکا تھا بزرگ نہ تھا۔ مہذب تھا۔ بے ادب نہ تھا کہنے کا مالک تھا کرنیکا نہیں۔ غرض جہانتک غریب سے ہو سکا کہا۔ اور جتنا ہو سکا سمجھایا۔ مگر حریص صفدر کو تقی کی دولت نے اندھا کیا کہ بیٹی کو کوئیں میں ڈھکیلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ پیغام منظور کر لیا۔ منظوری کی دیر تھی۔ شادی کا

ہوجانا کیا بڑی بات تھی۔ اور وہ بھی میاں تقی کے سامنے شادی ہوئی۔ اور خوب دل کھولکے ہوئی۔ بیچارے صفدر کی ٹانگ تقی کے سامنے کیا ٹھرنیوالی تھی۔ مقروض ہوئے۔ ذلیل ہوئے۔ سب کچھ ہوئے۔ اور ایسے ہوئے کہ پنپنا بھی دشوار ہوگیا۔ رہاسہا۔ گھر میں جو کچھ تھا سب صاف ہوگیا۔ اور ایسا صاف ہوا۔ کہ نام لینے کو ایک کوڑی بھی باقی نرہی مفلسی اور مفلسی کیساتھ فکر نے میاں صفدر کو ایسا آن گھیرا کہ جان کے ساتھ پیچھے پڑگئی۔ ظہیر نے ہزار چاہا۔ کہ گھر کی حالت درست کرے۔ قرضداروں سے نجات پائے مگر ظہیر تنہا ظہیر۔ کوئی یار نہ مددگار کرتا تو کیا کرتا۔ صفدر کی حالت روز روز ردی ہوتی چلی۔ ہوتے ہوتے یہانتک پہونچی۔ کہ بیچارے کو دنیا سے کوچ کرنا پڑا گھر کی تباہی اور باپ کی بربادی کا غم شاکرہ کو جتنا ہوتا کم تھا مگر بیچاری کرتی تو کیا کرتی روپیٹ کر صبر کر لیا شادی کو شاید سال بھر سے زاید ہوا تھا۔ کہ شاکرہ کو ان مصیبتوں کا سامنا پڑا۔ اور زیادہ مصیبت اس بات کی تھی کہ میاں کو برابر جس طور سے ہو زیادہ خوش رکھنا چاہیئے شاکرہ عقلمند تھی۔ بیوقوف نہ تھی۔ سمجھدار تھی۔ کم فہم نہ تھی۔ میاں تقی کے مزاج کو فوراً تاڑ گئی۔ سسرال کو دیکھا کہ لٹی جاتی ہے۔ بدنظمی ہے کہ ہرطرف پھیلی ہوئی ہے۔ گھر میں ماما۔ دائی۔ لونڈی باندی اتا مغلانی اندر باہر غرض جلتے تھے۔ سبکو اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔ میاں تقی خواہ بہشت میں جائیں۔ یا دوزخ میں۔ دل میں خیال کیا کہ دلھن کب تک بنی رہوگی۔ گھر یوں لٹ رہا ہے۔ فوراً دلھن کا جامہ اُتار گھر کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ایسا درست کیا کہ شاید نواب نقی کے وقت میں بھی رہا ہو۔ اس درمیان میں اللہ نے ایک لڑکی دی۔ نام باصرہ رکھا۔ اسوقت

تک تو شاکرہ نے میاں تقی سے اچھی طرح نباہ کیا۔ مگر میاں تقی کا ظلم
روز بروز ترقی کرنے لگا۔ شاکرہ میں جہاں اتنی صفتیں تھیں ہاں فرمانبرداری
بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اکثر گرمی کی راتوں میں شاکرہ نے پنکھا جھلتے
صبح کر ڈالا۔ غرض میاں تقی کی اطاعت میں بیچاری نے کھانا پینا سونا
جاگنا سب حرام کر ڈالا۔ ہر وقت حکم کے بجا لانے کے لئے ایک پاؤں پر
کھڑی رہتی۔ تقی نا قدر تقی نے اس گوہر کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ جوہری ہوتا
تو جواہر کی قدر سمجھتا۔ جاہل۔ ناکارہ۔ جفاکار تقی اسکی حقیقت کو کیا سمجھتا
تقی نے کونسا ظلم تھا۔ کہ شاکرہ پر نہیں کیا اور کونسا ستم تھا کہ شاکرہ پر جائز
نہیں رکھا۔ غریب پیار کی باتیں کرتی۔ تو جواب ڈانٹ کر ملتا۔ غرض میاں
تقی کے جو جی میں آتا شاکرہ کے ساتھ کر ڈالتے۔ مگر واہ ری شاکرہ ہر وقت
ہر لحظہ ہر حالت میں صابر رہتی۔ ایک روز میاں تقی پر ایسا بھوت چڑھا کہ
معاذ اللہ بھوت کیا تھا خاصہ جن تھا۔ دن کو چڑھا رات تک اُترنیکا نام
نہ لیا۔ بی بی پر غل مچایا۔ اُچھلے کودے۔ مارا پیٹا۔ غرض جو کچھ جی میں آیا
کیا۔ مگر شاکرہ بے گناہ شاکرہ کا منہ تھکے کہ جواب بھی دیا ہو۔ آنکھ بھوں ٹے۔ کہ
تقی کو غصہ کی نگاہ سے بھی دیکھا ہو۔ تقی کا جب اس ظلم اور تشدد سے بھی
جی نہ بھرا۔ تو ایک روز کسی دوسری عورت سے شادی کر لی اور گھر میں
لا بٹھا لا۔ اسکا لانا تھا کہ شاکرہ کو گھر چھوڑ دینے کا حکم ملگیا۔ شاکرہ مصیبت کی
ماری اسوقت کوئی اسکے دل کی حالت پوچھتا۔ جاتی تو کہاں جاتی۔ گھر
نہ دوار۔ باپ نہ ماں۔ بھائی نہ بہن۔ زار و قطار رونے لگی۔ رو کر جب دل
ہلکا ہوا۔ تو حکم کی تعمیل کا خیال آیا۔ اُٹھی۔ اور لڑکی کو گود میں لے۔ میاں
تقی کے ایک پرانے کھنڈر کو جو بہت زمانہ سے ویران پڑا تھا۔ بسانے چلی گئی۔

شاکرہ کو اس اُجڑے ویرانے مکان میں آئے ہوئے عرصہ ہو گیا اس زمانہ کو جس مصیبت اور تکلیف سے اس نے کاٹا کچھ اسیکا کام تھا۔ ایک روز برسات کا موسم تھا۔ بارش ایسی زور سے ہو رہی تھی۔ کہ لوگوں کے دل بیٹھے جاتے تھے۔ مگر میں تو یہ کہوں گا کہ بارش شاکرہ کی مصیبت پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔ بارش نہ تھمنے کی تھی نہ تھمی۔ شاکرہ کو اس زور کا بخار چڑھا کہ الاماں والحفیظ۔ غریب کو جان کے لالے پڑ گئے۔ سمجھی کہ بس اب آخری وقت ہے بخار نہیں بلکہ چل چلاؤ کا سامان ہے۔ باصرہ کو گلے لگا کر خوب روئی چوما پیار کیا۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں یوں کہا۔ "بیٹی تیرا اللہ والی ہے میں تجھسے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتی ہوں" چاہتی تھی کہ کچھ اور کہے۔ مگر بیچاری سے نہ کہا گیا۔ بچی اور اسپر ننھی سی جان۔ ماں کی حالت دیکھکر بلکنے لگی۔ گِگی سے چمٹ گئی۔ بلکتے بلکتے بچی کو نیند آ گئی۔ شاکرہ نے بیٹی کو پلنگ پر لٹا دیا۔ اوڑھنا نہ بچھونا۔ ایک کپڑہ تھا۔ کیا بچھاتی اور کیا اوڑھتی۔ باصرہ پر ڈال دیا شاکرہ کو اپنی موت پر ہرگز افسوس نہ تھا۔ مگر خیال تھا تو اسکا اور افسوس تھا تو اتنا کہ میرے بعد میری بچی کی کیا حالت ہوگی۔ مگر نہیں قادر مطلق جو سب کا نگھبان ہے اسکی بھی حفاظت کرے گا۔ شاکرہ تو قبل ہی سے مردہ ہو رہی تھی بخار تو صرف بہانہ تھا۔ دم کے دم میں روح پرواز کر گئی۔ انا للہ الخ اسوقت جبکہ شاکرہ اپنے قادر مطلق سے ملنے کے لئے جا رہی تھی۔ میاں تقی پڑے سو رہے تھے۔ اور یہ خواب دیکھ رہے تھے۔

خواب

کیا دیکھتے ہیں کہ دو قوی ہیکل آدمی جنکی شکل رات سے بھی زیادہ تاریک اور صورت دیو سے بھی زیادہ مہیب ہے میاں تقی کے پاس آئے اور مشکیں کسنے لگے۔

میاں تقی اُچھلے کودے بہت کچھ ہاتھ پیر مارا۔ مگر انکے زور کے سامنے انکی بساط ہی کیا تھی۔ مجبوری مشک بند ہو جانا پڑا۔ یہ لوگ انکو لیکر ایک خوفناک راستہ پر ہو لئے۔ معاذ اللہ راستہ کیا تھا۔ جہنم کا نمونہ۔ ہر چہار طرف جنگل ہی جنگل نظر آرہا ہے اور جنگل بھی سنسان یہاں حضرت انسان تو بالکل خواب و خیال ہیں۔ خوفناک درندوں کی ہیبت ناک آوازیں میاں تقی کے لئے موت کے پیغام سے کم نہیں تھیں اکثر یہ درندے میاں تقی کو کھا لینے کے لئے جست بھی کرتے۔ مگر وہ یاجوج ماجوج جو انکو لئے جا رہے تھے۔ ڈانٹ کر بچا لیتے تھے تقی کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ اکثر گھبرا کر اسکی تفصیل بھی پوچھتے۔ مگر جواب سوائے سکوت و خاموشی کے کچھ نہ تھا۔ آخر اس گھاٹی کو طے کرکے یہ لوگ دوسرے میدان میں جا پہونچے۔ یہاں تو اور ہی حال تھا۔ ہر جگہ چمن نہایت خوبی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ طرح طرح کے فوارے رنگ برنگ کے پھولجھڑی چھوٹ رہی تھے۔ مرغان خوش الحان اپنے قادر مطلق کے حمد و ثنا میں محو ہو رہے تھے۔ باشندگان چمن لباس فاخرہ سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ انکے بشرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کے استقبال کے لئے بیچین ہیں۔ اتنے میں ہٹو۔ بڑھو کی صدا ہر چہار طرف سے گونجنے لگی۔ تقی نے مڑکر دیکھا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سواری رنگ برنگ کے جواہرات سے مرصع لوگ لئے آرہے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خداوند یہ کون ہے جسکی سواری اس تزک و احتشام سے آرہی ہے۔ سواری نزدیک آپہونچی۔ سواری کے بیٹھنے والے کو دیکھا اور حیران ہوا۔ بیساختہ چلا اُٹھا۔ آہا یہ تو ہماری بی بی شاکرہ ہی۔

شاکرہ نہایت پُر تکلف کپڑے زیب تن کئے ہوے اپنے بیٹی باصرہ کو

گود میں لیئے ہوئے بیٹھی ہوئی ہے۔ شاکرہ کا چہرہ اسوقت چاند سے
زیادہ روشن تھا۔ وہ خوش تھی۔ اور باصرہ ہنس رہی تھی۔ چاہتا تھا کہ تقی
آگے بڑھکر بی بی کو گلے لگالے۔ مگر محافظوں نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے
نہ دیا۔ رویا گڑگڑایا۔ منت وسماجت کی۔ مگر وہ کب چھوڑنے والے تھے۔
شاکرہ نے تقی کو دیکھکر سواری کے روکنے کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی۔ سواری
فوراً رک گئی۔ تقی کو نزدیک بلایا اور یوں گویا ہوئی "افسوس وقت تھوڑا
ہے اور کہنا بہت کچھ ہے۔ خیر تقی او نفس کے تابعدار تقی سن اور خوب کان
لگا کر سُن میں نے تیری خوشی کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ ہروقت
تیرے حکم کے بجا لانے کو ایک پاؤں پر کھڑی رہی۔ جو کچھ تو نے کہا میں نے
سُنا۔ اور جو حکم تو نے دیا میں بجا لائی۔ تیرے لٹتے ہوئے گھر کو بچایا۔ تیرے
ظلم وستم کو پیار سمجھا۔ دن رات اوٹھتے بیٹھتے۔ جاگتے سوتے۔ ہر وقت
ہر لحظہ تیرے آرام کا خیال رکھا۔ مگر تو نے اسکا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ خیر جو کچھ
تو نے کیا اچھا کیا میں ہرگز گلہ مند نہیں ہوں۔ اور جو کچھ میں نے کیا میرا
فرض تھا۔ میں نے تجھکو صرف اسوقت ایک خاص غرض سے بلایا ہے۔
باصرہ ننھی باصرہ کی ماں کا سایہ آج اسکے سر سے اُٹھ گیا۔ غریب یتیم ہوگئی۔
بے والی ہوگئی۔ دنیا میں کوئی اسکا سرپرست نہ رہا۔ اگر لے دیکے کچھ ہے تو
تو ہی ہے۔ لے اور اسکو رکھ۔ (باصرہ کو بڑھا کر) یہ میری امانت ہے۔ باصرہ
تیرے پاس رہنے والی نہیں ہے۔ ہاں جب تک رہے۔ اسکی نگہداشت کرنا
اگر میری امانت کو اچھی طرح نہ رکھا تو قیامت میں دامنگیر ہونگی"۔ اتنا کہا اور
سواری کو بڑھنے کا حکم دیا۔ آناً فاناً سواری نظر سے غائب ہوگئی۔ تقی نے
سواری کے ساتھ جانیکی کوشش کی مگر بیفائدہ اور بلا سود تقی خواب سے چونکا

اور ایسا چونکا کہ اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ باصرہ ہاتھ باندہے سرہانے کھڑی ہی اور رو رہی ہے۔ باصرہ نے باپ کو جاگتا ہوا دیکھکر کہا۔ ابا میاں۔ اماں آج روٹھ گئی ہیں۔ بہت منایا۔ نہیں منتی ہیں۔ چلئے اور انکو منا دیجیے۔" خواب اور خواب کے ساتھ بچی کا یہ کہنا تقی کے دل پر کاری ہوا۔ بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔ رویا اور ایسا رویا کہ ہچکیاں بندہ گئیں۔ بی بی کا خیال آیا کہ واقعی کیا معاملہ ہے۔ چلکر دیکھنا چاہیئے۔ وہاں کیا تھا۔ وہ کب کی مرچکی تھی۔ آیا بی بی کی لاش سے لپٹ کر اپنے قصوروں کی معافی کا خواستگار ہوا۔ مگر اب کیا۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ شاکرہ او جنت کی بیٹھنے والی شاکرہ شاباش تو ہر وقت صابر رہی شاکر رہی۔ اطاعت کی کسوٹی پر پوری اُتری۔ کسی وقت تقی کو شکایت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جو کچھ تو نے کیا خوب کیا۔ بہتر کیا۔ آج سے تو فردوس کے آباد کرنے والی شمار کی جائیگی۔ او اصبر و شکر کی دیوی تو مر گئی۔ تیری ہڈیاں خاک ہو جائینگی۔ مگر تیرا افسانہ جب تک دنیا ہے عبرت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ تو نے وہ مثال چھوڑی کہ دوسروں کے لئے تمثیل بنی۔ آفرین صد ہزار آفریں تو وہ کارنامہ چھوڑ کر چلی ہے کہ تیری آنیوالی بہنوں کے لئے ایک سبق ہی۔ جا اور اچھی طرح سے جنت میں آرام کر۔

سید مجید الدین احمد اشرف

متعلم مدرسۃ العلوم علیگڈھ

ذی شعور لڑکیاں

اور

گھر کے کاروبار

آجکل کی نئی روشنی کے زمانہ کی تعلیم یافتہ اور خودپسند لڑکیاں اپنے ہاتھ سے گھر کے کسی کام کو کرنا باعث ذلت و حقارت تصور کرتی ہیں اور ہل کر پانی پینے کو بھی کسر شان سمجھتی ہیں اور دوسروں سے کام کروانے کو باعث فخر و عزت خیال کرتی ہیں غرض ہر وقت دوسروں کا ہی سہارا ڈھونڈتی ہیں اور جس وقت اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا اتفاق ہو جاتا ہے تو کام کی عادت نہ ہونے کے سبب وہ ذرا سے کام سے گھبرا جاتی ہیں اور ذرا سا کام بھی ان کو بار معلوم ہونے لگتا ہے۔ آجکل کی لڑکیاں کتاب کا کیڑا بنی کرسی پر ٹنگی بیٹھی رہتی اور گھر کے کسی کاروبار سے بالکل تعلق نہیں رکھتیں ماں بیچاری کو بچوں کے دہندوں سے اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے کام اپنی نگرانی میں نوکروں سے کروائے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ میری بچی ماشاء اللہ بڑی ہو گئی ہے اس سے مجھے کچھ آرام اور خانہ داری کے کاروبار میں مدد ملے لڑکی اپنے ہاتھ سے کام نہ کرے تو نہ سہی ماماؤں سے ہی اپنی نگرانی میں کام کرائے تو غنیمت ہے۔ بھلا ایسی کاہل وجود اور کم ہمت لڑکیوں سے جو ہل کر پانی پینے کو بھی کسر شان سمجھتی ہیں ان سے ماں بیچاری کو آرام اور خانہ داری کے کاروبار میں مدد ملنے کی کیا امید ہو سکتی ہے لہٰذا ذی شعور لڑکیوں کا فرض ہے کہ وہ گھر کے کاروبار کو اپنا فرض سمجھیں

اور ماں کو خانہ داری کے کاموں میں مدد دیں اور ہر وقت ہر کام میں چالاک وچست نظر آئیں۔ اکثر گھروں میں دیکھا گیا ہے موذی خانہ کی کنجیاں ماماؤں کے حوالہ کردی جاتی ہیں اور مامائیں موقع پاکر خوب لوٹتی اور گلچھرّے اُڑاتی ہیں۔ لڑکیوں کو چاہیئے کہ وہ ہر ایک کام اپنی نگرانی میں کرائیں اور غلہ ماما سے اپنی نگرانی میں تلوائیں اور انکو لوٹنے اور چرانے چھپانے کا موقع نہ ملنے دیں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے کپڑے بھی خود سینے چاہئیں اس طرح لڑکیوں کو سینا آجائیگا اور معقول رقم جو کئے دن درزیوں کو بھری جاتی ہے اس کی کفایت ہوگی۔ چھوٹے بہن بھائیونکو صاف ستھرا رکھنا چاہیئے اور ان کو تمیز ادب واخلاق سکھانا چاہیئے اور ہر وقت ہر حالت میں ماں باپ کی فرمانبردار رہنا چاہیئے اور ان کا ادب کرنا چاہیئے اور وہ جو کچھ کہیں بسروچشم بجالانا چاہیئے پڑھنے لکھنے کے وقت پڑھنا لکھنا اور کام کاج کے وقت کام کاج کرنا چاہیئے۔

خاکسار

عالیہ بیگم بنت مجیب احمد تمنائی۔ حیدرآباد دکن

محمڈن یونیورسٹی اور ہمارا فرض

ادائیگی فرض ہر قوم ہر مذہب اور ہر ایک فرقے میں واجبی خیال کیا جاتا ہے اور چونکہ مذہبی فرائض کا ادا کرنا دیگر فرائض سے زیادہ ضروری و واجبی ہے۔ اسلئے ہر ایک قوم میں عموماً اس کا زیادہ خیال ہے اور خصوصاً جو حصہ اقوام عالم میں اسکا زیادہ پابند ہے۔ وہ کمزور فرقۂ نسواں ہی۔ قطع نظر دیگر عالم نسواں کے اسوقت مسلمان مستورات ہند پر خیال کیا جاتا ہی۔ جو ایام

جہالت سے لیکر اس زمانہ تک (جبکہ علمی روشنی انکی اندھیری کوٹھریوں میں پہنچنے لگی ہے) مذہب کی فدائی رہی ہیں۔ اور اب تھوڑا بہت لکھ پڑھ لینے سے قومی ضروریات کو بھی محسوس کرنے لگی ہیں۔ جائے شکر ہے کہ چند سال سے چند تعلیم یافتہ خواتین قومی کاموں میں مدد بھی دینے لگی ہیں۔ اور بفضل خدا زنانہ تعلیمی حالت دن بدن ترقی پر ہے۔ چند سال قبل کا ذکر ہے۔ جبکہ "ون روپی فنڈ" کھولا گیا تھا۔ تو ہماری تعلیم یافتہ روشن خیال قابل فخر بہن بنت نصیر الدین حید رصاحبہ نے اس کام میں حصہ لیکر کافی مدد دی۔ اور اب تو آئے دن چھوٹے چھوٹے فنڈ کھلتے رہتے ہیں۔ جنکو یہی کمزور ہاتھ بھرتے ہیں۔ غرضکہ فی زمانہ قومی ضروریات کیلئے چندہ دینا یا مانگنا ایک عام بات ہو گئی ہے۔ اس کے متعلق سمجھانے یا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ محمدن یونیورسٹی کا غلغلہ تمام ہندوستان میں ہر کس و ناکس کے کان تک پہنچ چکا ہے۔ تو بھلا یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ ہماری تعلیم یافتہ اخبار بین حلقۂ نسواں کو اسکی خبر نہیں۔ تعجب ہے کہ اسوقت تک کیوں نہیں اس طرف توجہ کی گئی۔ ہماری اسوقت کی قابل افسوس و تعجب خیز خاموشی شرمناک و ذلیل کُن ثابت (خدا وہ دن لائے) ہو گی اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آئیگا۔ جب ہم پر قوم کی مدد کرنی لازمی ہو گی۔ قوم پر یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ امیر غریب فقیر بوڑھا جوان اور بچہ اپنی اپنی بساط کے موافق کمر ہمت باندھکر اس قومی بلکہ مذہبی فرض کے ادا کرنے کو تیار ہو جائے۔ خصوصًا وہ فرقہ جو نماز و روزہ خیرات و زکوٰۃ کا زیادہ پابند ہے۔ اس فریضۂ مذہب (یعنی تکمیل محمڈن یونیورسٹی) کی انجام دہی کو واجب سمجھکر لیڈران قوم کا ہاتھ بٹائے۔ مجھے افسوس ہوتا ہی کہ ہمارے

صوبے سے کوئی ایسی خوش کن خبر نہیں سُنی گئی کہ فلاں مسلمان بیگم صاحبہ نے چندہ دیا یا چندہ جمع کرنے کی کوشش میں ہیں۔ لیکن اس طرف کی خواتین نے اس کام میں بھی سبقت کر دکھائی۔

لاہور کی لیڈیز "میاں فیملی" نے کئی سو روپیہ جمع کرکے اپنے سرگرم لیڈر آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب کی مدد کی۔

اسی طرح سُنا ہے کہ قصبہ قصور (پنجاب) کی ایک بیوہ نیک دل خاتون نے اپنا زیور قیمتی تین ہزار روپیہ کا یونیورسٹی میں دیدیا۔ اب اخبار تہذیب النسواں لاہور کی خریدار بیگمات نے اس زنانہ پرچہ میں یونیورسٹی فنڈ کھول لیا ہے۔

معزز بہنوں! یہی صفات ہیں۔ جن کے سبب سے اس صوبے کے مسلمانوں کو "زندہ دلان پنجاب" کا خطاب ملا ہے۔ ہمارے سردار قوم سر آغا خان ان لوگوں سے ایسے خوش ہوئے کہ علی گڈہ کالج کو ہماری طرف سے اُوکھیڑ کر لاہور میں گاڑ دینے کو کہتے تھے۔

مجھے چند ہفتوں سے یہ سوچ تھی کہ میں کس طرح اس کام میں مدد کروں۔ اگرچہ میں کیا اور میری مدد کیا؟ مگر میرے دل نے مجھے بیچین کر رکھا تھا اور بے انتہا فکر تھا کہ کیا کروں۔ اور کس طرح کروں؟ میری اختیاری بات تو یہی تھی۔ کہ چندہ دیدوں۔ مگر جہاں لاکھوں نہیں کروڑوں کی ضرورت ہے میرا حقیر چندہ کیا مدد کر سکتا ہے۔ اور بدقسمتی سے میرا قیام ایک ایسی جگہہ ہے جہاں یونیورسٹی کے لئے ایک پیسہ بھی وصول ہونا ناممکن معلوم ہو رہا ہے۔ یہاں کی نسوانی حالت نہایت قابل افسوس ہے۔ یونیورسٹی تو کجا علی گڈہ کالج کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اور انکو سمجھانا بھی ناممکن۔ کیونکہ یہاں کوئی زنانہ

جلسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور چونکہ یہاں کی مستورات حرف شناس بھی نہیں ہیں۔ بذریعہ اخبارات یا پرائیویٹ چٹھیوں کے سمجھانا بھی مشکل ہے اس قسم کی مجبوری و ناکامیابی کے خیال سے میرا دل بیحد غمگین و پژمردہ ہو رہا ہے۔ تاہم یہ ناممکن ہے۔ کہ ان رکاوٹوں کے سبب سے میں اپنے ارادے سے باز رہوں۔ چنانچہ میں نے فہرست مرتب کردی ہے جو مسلمانان کوہاٹ کے زنانخانوں میں بھیجی جائیگی جس قدر بھی وصول ہوا غنیمت جانونگی اگر خدانخواستہ کچھ نہ ملا تو یہ افسوس تو نہ ہیگا کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اب جسقدر بھی اپنی کامیابی کی اُمید ہوسکتی ہے وہ دوسرے مقامات کی روشن خیال ہمدرد قوم بہنوں کی مدد پر ہے۔ میں نے اپنے ننھے اخبار "پھول" میں بھی یونیورسٹی فنڈ کھولدیا ہی۔ اور بیس روپے کی رقم ننھے بچوں کی طرف سے وصول بھی ہو چکی ہے۔ گو پھول ایک چھوٹا سا پرچہ گویا بچوں کا کھلونا ہے۔ اسکے ذریعہ فنڈ کی کچھ مدد نہ ہوسکے گی لیکن اتنا تو ضرور ہو گا۔ کہ قوم کی اس ننھی جماعت (جسکے ساتھ آیندہ ترقی کی اُمیدیں وابستہ ہیں) میں قومی ضروریات کا احساس پیدا ہوگا اور بچپن ہی سے اونہیں ایسے کام کرنے کی عادت پڑیگی۔ علاوہ اسکے پنجاب کی روشن خیال خواتین جو چندہ دینے کو تیار رہیں وہ اس زنانہ فنڈ کا حساب کتاب رکھنے کو ایک سکرٹری کا ہونا ضروری خیال کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ کام بھی میں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اور چندہ آنا بھی شروع ہوگیا ہی۔ زنانہ فہرست میں سب سے پہلی پچاس روپیہ کی رقم لاہور کی ایک نیکدل خاتون کی طرف سے وصول ہوگئی ہے۔ مگر ایسے عالیشان کام میں حصہ لیکر اس طرح چپ چاپ آہستہ کارروائی کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس زنانہ فنڈ میں تمام مسلمان بیگمات ہندوستان کی امداد کی ضرورت ہی۔ اپنی مدد کیلیے

تیار کرنے کو میں نے روشن خیال بہنوں کو بہت سے خطوط لکھے ہیں۔ مردانہ کمیٹیوں کی طرح ہمیں بھی ضرورت ہے۔ کہ ہر شہر میں زنانہ کمیٹی قائم ہو۔ اور ہر ایک مقام کی ایک تعلیم یافتہ و با اثر بیگم سکرٹری کا کام اپنے ذمہ لے بیشک ہم میں نہ اس قدر تعلیم ہے نہ آزادی کہ زنانہ جلسے کرکے کمیٹیاں مقرر کریں۔ اگر کوئی روشن خیال سرگرم بی بی ایسا کریں بھی تو اُمید نہیں کہ عام پردہ نشین مستورات اوس جلسے میں شریک ہو کر مدد دیں تاہم بعض بعض خاص مقامات پر ایسا کرنا بھی ممکن ہے۔ لکھنؤ۔ دہلی۔ آگرہ الہ آباد وغیرہ جہان اکثر پردہ پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں زنانہ کمیٹیاں قایم ہونی بہت آسان کام ہے۔ بہرحال اتنا تو ہر جگہہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک مقام کی ایک ایک سمجھدار بی بی فہرست بنا کر پہلے اپنے گھر کا چندہ درج کریں اور پھر اپنی ملنے جلنے والی سہیلیوں سے لیں۔ اپنے باپ بھائی اور شوہروں کے دوستوں کے زنانخانوں میں فہرست بھیجیں۔ اگر دس گھر فہرست بھیجی گئی تو ضرور پانچ گھروں سے کچھ نہ کچھ مل ہی جائیگا۔ کچھ ضرور نہیں کہ روپے ہی ملیں ہمیں دوانی۔ چونی اور پیسے بھی نہایت قدر سے لینے چاہئیں۔ بس یہی ہماری کمیٹیاں ہونگی اور جمع کرنے والی سکرٹری۔ میرا خیال ہے کہ اسوقت یہ ضرور رکھا جائیگا کہ قومی چندے اسقدر بڑھے ہوئے ہیں کہ جن کے بوجھ سے غریب مسلمان دب رہے ہیں اور اب یونیورسٹی کا چندہ چونکہ ہر فرد قوم پر واجب ہو گیا ہے۔ اور بعض ہمدردان قوم نے ایک ایک ماہ کی آمدنی فنڈ کو دیدی ہے۔ ایسی حالت میں ہم کس طرح چندہ کر سکتے ہیں؟ کیونکہ ہر ایک گھر پر دوہرا بار پڑ جائیگا۔ جن مردوں سے لیڈران قوم وصول کر رہے

ہیں۔ اونہیں کے گھروں سے ہم مانگنے لگیں۔ تو آخر آئیگا کہاں سے۔ آمدنی تو ایک ہی ہے اور دینا دو جگہہ"۔

معزز بہنو! بیشک یہ غذر معقول ہے۔ کہ ہر ایک گھر پر دوہرا بار پڑیگا مگر ایسے ایسے موقع ہمیں اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک وقت میں ہمیں کئی کام کرنے پڑجاتے ہیں۔ مثلاً عزیزوں میں ایک جگہہ شادی ہے وہاں کے اصرار کو پورا کیا اور اونہیں دنوں دوسری شادی بھی تیار ہوگئی تو اگر پاس نہیں تو قرض ہی لیکر صرف کیا جائیگا۔ یا بچّے کی پیدایش پر چھٹی وغیرہ کی رسوم پر صرف کیا گیا اور خدانخواستہ اونہیں دنوں عزیزوں میں یا گھر میں موت ہوگئی تو اس پر بھی صرف کرنا واجب ہوا۔ اور بدقسمتی سے رسوماتِ ماتم ہم میں اس قدر بڑھی ہوئی ہیں کہ جن پر شادی سے زیادہ صرف ہوجاتا ہے۔ آخر یہ بھی کرتے ہی ہیں۔ علاوہ اسکے بعض وقت چند مہمانوں کا برداشت کرنا بھی بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً اخیر مہینہ ہے خرچ کی تنگی ہے اور چند معزز مہمان آگئے جنکی نہایت پُرتکلف خاطر تواضع کرنی لازمی ہے۔ اوسوقت گھر کی عزت کے خیال سے بیویاں چپکے سے زیور نکالکر رہن رکھنے کو بھیجدیتی ہیں اور وقت گذرا دیتی ہیں۔ رؤسا و امراؤ جو بےفکری کی زندگی بسر کرتے ہوں۔ وہ تو ہم مسلمانوں میں گِنے چُنے ہی ہیں۔ ورنہ عامیانہ حالت تو یہی ہے۔ اور عوام ہی سے بہت سی مدد کی اُمید ہے۔ پس میری پیاری بہنوں نہایت فراخ حوصلگی سے سچی قومی ہمدردی و ایثار نفسی کا ثبوت دو۔ میری بہنو یہی خیال کرلو کہ سردار قوم سر آغا خان ایک ایک دن کے لئے ہمارا مہمان ہے۔ جبکہ ایک معمولی مہمان کی خاطر کا خاص خیال کیا جاتا ہے۔ تو ایسے سربرآوردہ جلیل القدر لیڈر قوم

مہمان کی تواضع کس طرح نہ کی جائے۔ تنگی ترشی کرکے جس طرح ہو سکے اپنے خانگی اخراجات سے نکال کر یا اپنے رکھے ڈھکے کسی نہ کسی وقت کے پس انداز کئے ہوئے روپیوں کی گرہیں اور پوٹلیاں کھول کر اپنے انسانی مذہبی و قومی فرض کو ادا کرو۔

چونکہ بوجہ جہالت ہم میں کوئی کام کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ ایک عرصہ تک بیکار پڑے رہنے کے سبب عضو معطل کا خطاب پایا تھا۔ مگر جب ہماری بھی خدا نے سنی اور دن بدلے آئے تو تعلیم نسواں کی ضرورت مان لی گئی اور اب تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سیکھ کر ہم کارکنان قوم کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئی ہیں تو کوشش کرکے یہ ثابت کر دینا چاہیئے کہ وہی فرقہ جسکو عضو معطل مشہور کر رکھا تھا اب بیٹر ہاف کہلانے کا مستحق ہے۔ یہی موقع ہے کام کرنا سیکھنے اور کام کرکے دکھانے کا۔

مسز اینی بسینٹ صاحبہ بھی تو آخر ہماری ہی ہمجنس ہیں۔ وہ کتنا بڑا کام اپنے سر لئے ہوئے ہیں۔ کیا ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکیگا کہ ایک ہوتے ہوئے کام میں مدد دیں۔ نہیں ہوگا اور ضرور ہوگا۔ صرف اس طرف توجہ کرنیکی دیر ہے تنہا کسی سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا اور متفقہ کوشش سے بڑی سے بڑی مہم سر ہو سکتی ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہمارے لیڈر آغا خان کی طرح کوئی قابل تعلیم یافتہ با اثر مسلمان لیڈی زنانہ کمیٹیوں کی سرپرستی و زنانہ فنڈ کی امداد پر کمربستہ ہو جائے۔ پھر دیکھیں کس قدر جلد نمایاں کامیابی ہوتی ہے۔

افسوس کہ ہماری طرف اس قدر قابلیت و آزادی نہیں ہے کہ مثل ہر ہائینس کے شہر بہ شہر پھر کر یا اپنے ہی شہر میں دوسروں کے گھروں سے چندہ طلب کریں۔ لیکن دیگر ترقی یافتہ مقامات حیدرآباد کلکتہ بمبئی وغیرہ میں

مسلمان لیڈیز اس قابل ہیں جو جلسے کرکے یا بطور ڈیپوٹیشن کے پھر کر فنڈ کو
بہت سی مدد پہنچا سکتی ہیں۔ سب سے اول ہماری نظریں اس ضرورت کے
پورا کرنے کو جناب زہرا خانم صاحبہ فیضی پر پڑتی ہیں۔ جنکی کوشش سے
ایک گرانقدر رقم زنانہ نارمل سکول علیگڑھ کو مل چکی ہے۔ کیا بلحاظ اعلیٰ
قابلیت و کیا بہ لحاظ روشن خیالی زہرا خانم صاحبہ کو طبقۂ نسواں میں ایک
قابل فخر درجہ حاصل ہے۔ اگر وہ اس طرف توجہ کریں تو ہز ہائینس
آغا خان کی طرح اپنے فرقے سے اونہیں بھی اعلیٰ کامیابی حاصل ہو اور
غالباً میرا خیال غلط نہ ہوگا کہ آج کل وہ ضرور خاموشی کے ساتھ یونیورسٹی
فنڈ کی کوشش میں مصروف ہونگی۔ جس طرح کہ ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ آف
بھوپال نے ڈیڑھ لاکھ کے گرانقدر عطئے کا وعدہ ہز ہائینس سے فرمایا ہے
اسی طرح ہمیں اپنی روشن خیال ہر ہائینس بیگم صاحبہ آف جنجیرہ و بیگم صاحبہ
آف سچین سے قابل قدر عطیوں کی اُمید ہی۔

افسوس کہ کچھ عرصہ سے ہماری حالی دماغ ہمدرد قوم بہن بنت نصیرالدین
حیدر صاحب تیموریہ اپنے والدین کی تیمارداری اور افسوسناک علالت کے سبب
سخت پریشانی میں بتلا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب اون کے عالمانہ
مضامین کو آنکھیں ڈہونڈتی ہیں اور اخبارات میں نظر نہیں آتے۔ ورنہ وہ
ضروریات زمانہ کو سمجھنے والی خیر خواہ قوم اسوقت تک ایسی خاموش نہوتیں
جبکہ ون روپی فنڈ کا کام نہایت سرگرمی سے کیا تھا تو یہ تو یونیورسٹی کو
عدم سے وجود میں لانے کی کوشش کا وقت ہی۔

مجھے اسوقت بہن صاحبہ موصوفہ سے کچھ کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور
اونکو پریشانی کی حالت میں تکلیف دینا دل گوارا نہیں کرتا۔ مگر مجبوری ہے

اور نہایت مجبوری ہے کہ اونکی مدد کے بغیر حیدرآباد سے زنانہ فنڈ کو مدد ملتی نظر نہیں آتی۔ مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ حیدرآباد میں وصولی چندے کے لئے ایک زنانہ کمیٹی قایم کرکے وہاں بھی کام شروع کردیں جہاں کافی سے زیادہ کامیابی کی اُمید ہے۔ کیونکہ وہاں کثیر التعداد متمول و اعلیٰ تعلیم یافتہ بیگمات موجود ہیں۔ افسوس کہ میری عزیز روشن خیال بہن بنت سید امداد حسین صاحب بوجہ انتقال برادر آجکل سخت رنجیدہ حالت میں ہیں۔ ورنہ اس قدر مجھے فکر نہوتی کیونکہ اوس صوبے کی جنرل سکرٹری کا کام وہ نہایت خوبی سے انجام دیتیں۔ گو اس حالت میں اون سے کام لینا سخت بیدردی ہے۔ لیکن اون کے لئے اندنوں غم غلط کرنیکی اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں کہ وہ اس قومی کام میں شریک ہوکر اپنے اندوہگیں خیالات کو تبدیل کریں۔

اب میں پھر اپنے صوبے کی روشن خیال بیگمات سے التجا کرتی ہوں کہ جہانتک جلد ممکن ہو یونیورسٹی فنڈ کی طرف متوجہ ہوں۔

لکھنؤ میں جناب بنت نواب علی خاں صاحبہ و بنت جناب علی اوسط صاحب بیرسٹرایٹ لا یہ کام اپنے ذمہ لیں۔ آگرہ میں جناب بیگم سعید الظفر خاں صاحبہ، علیگڈھ میں جناب بیگم محمد عبد اللہ صاحبہ (اڈیٹر خاتون) اور جناب بیگم حبیب الرحمٰن خاں صاحبہ (نفیس دلہن) پر نظر پڑتی ہے۔

دہلی میرٹھ مراد آباد و الہ آباد وغیرہ سے بھی بہنے فنڈ کی امداد اور اپنی حوصلہ افزائی کی پوری اُمید ہے۔

پنجاب میں کئی بہنیں میری مدد کو تیار ہیں۔ شریف النساء عبد اللطیف صاحبہ نے جالندھر و بنت حفیظ اللہ صاحبہ نے امرتسر میں کام شروع کردیا ہے۔

ناظرین بیگمات خاتون سے التماس ہے کہ ناظرین بیگمات تہذیب النسواں کیطرح اس زنانہ تحریک میں حصہ لیکر میری حوصلہ افزائی فرما کر مشکور کریں۔ میں منتظر ہوں اپنی ہمدرد قوم بہنوں کے اون خطوط کی جنہیں میرے ساتھ کام کرینگے وعدے تحریر ہوں۔

واضح رہے کہ جو بہن اپنے شہر میں کام شروع کرنا چاہیں وہ خاکسار سے کاغذات مطبوعہ صدر دفتر یونیورسٹی فنڈ علیگڑھ) طلب کریں۔

رقوم چندہ و فہرست بھی میرے پاس کوہاٹ آنی چاہیئے۔ روپیہ بنک میں جمع کیا جائیگا اور فہرست ہفتہ وار قومی اخبارات میں شایع ہوتی رہیگی۔ اس عرضداشت کو ختم کرتے ہوئے میری یہ دلی دعا ہے کہ اے خدا ہمیں ہمت و توفیق دے کہ اس قومی فرض کو ادا کریں اور ہمارے ناتواں ہاتھوں میں طاقت بخش کہ اس فنڈ کو بھریں۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

خاکسار

بنت سید نذر الباقر دفتر اخبار پھول کوہاٹ

ایک مصری خاتون کی تقریر

مصر کے اخبار الجریدہ میں عرصہ سے ایک مصری خاتون نے عورتوں کے متعلق مفید مضامین کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اسی اخبار میں اس نے اعلان کیا کہ جمعہ کے دن عورتوں کے متعلق وہ قومی ہال میں ایک تقریر کرینگی۔ اس تقریر کے سننے کے لئے وقت معینہ پر معزز خواتین کا ایک بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوا۔ اور مقررہ نے اپنی تقریر شروع کی۔ چونکہ یہ تقریر

عام طور پر اسلامی خواتین کے حسب حال ہی اسلئے ہم اسکا ترجمہ خاتون میں درج کراتے ہیں تاکہ ناظرات خاتون اپنی مصری بہنوں کے خیالات سے واقف ہوں اور انکو یہ معلوم ہو کہ وادی نیل کی پردہ نشینوں میں نئی مغربی تحریک نے کہانتک اثر کیا ہے۔ اس تقریر کیساتھ شیخ عبدالعزیز کی تقریر پڑھ لینی چاہیئے جو خاتون کے کسی گذشتہ نمبر میں درج ہو چکی ہی“

مترجم

بیگمات!

اپنی تقریر کو شروع کرنے سے پہلے میں آپ کا نہایت خلوص کے ساتھ شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے اس مجمع میں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی اور اس قومی جلسہ کو جو مسلمان خواتین کے مسئلہ پر بحث کرنیکے لئے منعقد کیا گیا ہے اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی۔

میں اس موقع پر جو تقریر کرونگی وہ میری ذاتی رائے ہے۔ جو بہت غور و فکر کے بعد میں نے ترتیب دی ہی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ میری تمام رائیں جنکو میں اس تقریر میں بیان کرونگی سب ٹھیک ہیں۔ کیونکہ انسان سے خطا اور غلطی اکثر ہوتی ہے لیکن یہ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ جو کچھ میں کہونگی وہ خلوص اور نیک نیتی سے کہونگی۔ اسلئے اگر میری کسی رائے کے متعلق کوئی بہن اختلاف کریں تو بہت مناسب ہوگا کہ میری تقریر کے بعد وہ اختلاف اور اوسکے وجوہات صفائی کے ساتھ بیان کردیئے جائیں۔ تاکہ میں اس رائے کی غلطی سے آگاہ ہو جاؤں۔

بہنو! یہ جلسہ اس لئے نہیں ترتیب دیا گیا ہی کہ ہم اس میں اچھے اچھے کپڑے پہنکر اپنی زیب و زینت دکھلائیں یا معمولی سرسری باتیں کرکے اپنے اپنے

گھرونکو چلی جائیں - بلکہ آج میں سب سے اہم ترین مسئلہ جو آپ کے لئے
ہوسکتا ہے آپ کی خدمت میں پیش کروں گی - اور یہی مسئلہ ہماری اجتماعی
اور قومی زندگی کی روح ہے - وہ کیا ہے عورتوں کا مسئلہ -
بہنو! آجکل بالعموم اخباروں میں - جلسوں میں تحریروں میں تقریروں میں
مرد ہمارے شاکی پائے جاتے ہیں اور عورتیں بھی مردونکی شاکی ہیں - ہمکو
یہ دیکھنا ہے کہ کون فریق اپنے دعوے میں سچا ہے کیونکہ عربی میں ایک
مثل ہے کہ دھواں بلا آگ کے نہیں ہوتا - انگریزی کا مشہور فلسفی
اسپنسر لکھتا ہے کہ جو رائیں بظاہر ہمکو غلط معلوم ہوتی ہیں وہ سراسر غلط نہیں
ہوتیں بلکہ ان میں کچھ نہ کچھ شائبہ صداقت کا ضرور ہوتا ہے - اسلئے اب
ہم اور مرد دونوں اپنے اپنے دعوؤں میں سچے ہیں - اور دونوں کی
شکایتیں اپنے اپنے موقع پر ایک حد تک بجا ہیں -
ہمارے اور مردونکے درمیان میں آج کل ایک قسم کی جنگ درپیش ہے
اور اسکا سبب یہ ہے کہ دونوں فرقوں میں باہمی خیالات کا اتحاد نہیں ہے -
مرد کہتے ہیں کہ عورتیں اس حالت میں اسلئے ہیں کہ انکی تربیت خراب ہے -
تعلیم کا طریقہ ٹھیک نہیں ہے - عورتیں کہتی ہیں کہ مردونمیں فطرتی جبر اور سختی ہے -
یہ اختلاف خیال اس حد تک پہونچگیا ہے کہ جس سے مصری عورتوں
اور مردونکی زندگی تلخ معلوم ہوتی ہے - افسوس یہ ہوتا ہے کہ مرد و عورت
اسلئے پیدا کئے گئے ہیں کہ دنیاوی آرام و راحت ایک دوسرے سے
حاصل کریں لیکن یہاں معاملہ برعکس ہورہا ہے - اللہ تعالی نے ان دونوں
ہمجنسو کی آفرینش اسلئے نہیں کی ہے کہ یہ آپس میں کینہ اور نفرت رکھیں بلکہ
اسلئے کی ہے کہ باہمی محبت اور الفت سے دنیا کا آرام حاصل کریں اور

اسکی بقا کا باعث ہوں۔ کیونکہ بلا دونوں کی باہمی الفت کے دنیا کی بقا ممکن نہیں ہے
فرض کرو کہ اگر مرد دنیا کے کسی گوشہ میں تنہا چھوڑ دیئے جائیں۔ اور عورتیں دوسرے حصہ میں الگ رہیں تو نتیجہ کیا ہوگا۔ انسانی نسل منقطع ہو جائیگی اور عالم برباد ہو جائیگا۔

اسلئے ضروری ہے کہ اس باہمی منازعت پر غور کیا جائے اور اس نقطۂ بحث پر نظر ڈالی جائے اور انصاف کیا جائے کہ کس حد تک فریقین کی شکایتیں بجا ہیں۔

مرد جس طرح اپنے بیٹوں کی تعلیم میں کوشش کرنے میں اس طرح اپنی بیٹیوں کو تعلیم نہیں دلواتے۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتیں جب زیادہ پڑھ لکھ جائینگی تو اپنے فرایض منصبی کو چھوڑ کر مردوں کے کاموں میں دست اندازی کرینگی لیکن لیکن میں مردوں سے سوال کرتی ہوں کہ انہوں نے اب ہمارے لئے کونسا کام چھوڑ رکھا ہے۔

پہلے زمانہ میں عورتیں چرخہ کاتتی تھیں۔ اس سے اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے کپڑے بُنے جاتے تھے اور پہننے کے کام آتے تھے۔ اب دنیا میں ایسی عظیم الشان مشینیں سوت بنانے اور کپڑا بننے کی نکل آئی ہیں کہ ہمارے ہاتھ سے چرخہ کا کام بالکل ہی جاتا رہا۔

عورت کا زمانہ گذشتہ میں یہ کام تھا کہ وہ غلہ صاف کرتی تھی پیستی تھی۔ گوندھتی تھی۔ پھر روٹی پکا کر کھلاتی تھی۔ اب بجلی اور ہوا چکی ایجاد کرلی گئی ہیں۔ جنمیں مرد ملازم رکھے جاتے ہیں ان چکیوں سے پسا پسا یا آٹا ملجاتا ہے بڑے بڑے رسٹوران گلی گلی میں قایم کر دیئے گئے ہیں جہاں سے پکا پکا یا کھانا گھر وں میں پہونچ جاتا ہے۔ عورت کے ہاتھ سے چکی چولھے کا کام بھی نکل گیا۔

عورت گھروں میں پہلے پانی بھرتی تھی۔ لیکن اب نل بنگئے۔ پہلی منزل سے لیکر ساتویں منزل تک دریائے نیل موجود رہتا ہے۔ اس کام سے بھی عورت کو چھٹکارا ملا۔

اب صرف غریب گانوٗں والیاں کچھ تھوڑا بہت یہ جھگڑا اپنے ساتھ رکھتی ہیں وہ بھی ان گانوٗں میں جو محض دیہات ہیں اور جہاں تمدن کی روشنی بالکل نہیں پہونچی ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں ان ایجادوں کی مذمت کرتی ہوں بلکہ میں بہت شکرگذار ہوں اور خوش ہوں اس بیان سے میرا مطلب صرف یہ ہی کہ ہم نے ابتک مردوں کے کاموں میں دست اندازی نہیں کی ہے بلکہ مردوں ہی نے ہمارے کاموں میں دست اندازی کی ہے اور ایجادات کے ذریعہ سے ہمارے تمام کام انہوں نے ہم سے لیکر اپنے ہاتھ میں کرلئے۔

اب اگر ہم بھی انکے بعض کاموں میں دست اندازی کریں تو کیا بیجا ہے احسان کا بدلہ احسان ہے جس طرح انہوں نے ہمکو بہت سے کاموں سے سُبکدوش کیا ہمکو بھی مناسب ہے کہ ہم انکے کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لیکر انکو کسیقدر سُبکدوش کریں۔

لیکن اس مسئلہ مزاحمت (یعنے ایک دوسرے کے کام میں دست اندازی کرنا) کی بنیاد دراصل شخصی آزادی پر ہے فرض کرو کہ زید ڈاکٹر بننے کی کوشش کررہا ہی۔ عمر تجارت میں ہاتھ پانوٗں مارتا ہے تو کیا کسی شخص کو اختیار ہی کہ وہ زید سے جا کر یہ کہے کہ تو ڈاکٹر نہ بن۔ یا عمر کو روکے کہ تو تجارت نہ کر۔ یہ حق عقلاً۔ شرعاً کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ہر شخص آزاد ہی جو پیشہ وہ دنیا میں کرنا چاہے کرے۔ کوئی روکنے والا نہیں چنانچہ یہی وجہ تھی امریکا کہ پریسیڈنٹ روزولٹ

اور کان کنون میں عداوت واقع ہو گئی۔

اب جبکہ مردوں نے ہمارے ہاتھ پاؤں توڑکے رکھدیئے۔ اور ہمکو بالکل بیکار کردیا تو کیا اب ہم سست ہوکر چپ چاپ گھر مین بیٹھیں یا اس بات پر غور کریں کہ ہم کو اپنے لئے کوئی نیا میدان کام کا تلاش کرنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ سب بہنیں کہیں گی کہ نئے کام تلاش کرنے چاہئیں کیونکہ ہمارے فرایض اس قدر کم ہیں کہ ہم بہت تھوڑے سے وقت میں انکو پورا کرلیتے ہیں اسلئے باقی اوقات میں ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم علم حاصل کریں۔ اور یہی نقطۂ بحث ہے مرد اسی بات سے ناراض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتونکو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور جب یہ پڑھ لیگی تو ضرور ہمارے کاموں میں دست اندازی کرے گی۔

اس بیان سے میرا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ میں آپ کو اسبات پر آمادہ کروں کہ آپ اپنے خانگی کام بچونکی پرورش وغیرہ کو چھوڑکر وکالت اور بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو جائے یا ریلوے اور ڈاکخانہ کے دفاتر کا کام سیکھیئے۔ بلکہ میں صرف یہ کہتی ہوں کہ اگر ہم میں سے کوئی ان کاموں کو اختیار کرنا چاہیئے تو کسی مرد کو کیا حق ہے کہ وہ اسکو روکے۔

مردونکی ایک بڑی زبردست دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عورت کو حمل۔ ولادت اور تربیت اولاد کی وجہ سے کسی کام کو نہیں کرنا چاہیئے میں یہ کہتی ہوں کہ بیشک یہ ہمارے فطرتی فرایض ہم کو لگاتار کام سے ضرور روکتے ہیں لیکن ایسے نہیں ہیں کہ ہم مطلق کوئی کام نہ کریں۔ کونسا شخص ہے جو بیمار نہیں ہوتا اور اسکے کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوجاتا۔ علاوہ بریں عورتوں میں بہت سی ایسی ہیں جو شادی نہیں کرتیں۔ یا بانجھ ہیں

بہت سی بیوہ ہو جاتی ہیں۔ یا شوہر طلاق دیدیتے ہیں اور کوئی انکا
سرپرست نہیں ہوتا۔ بعض حالتوں میں شوہر بھی ہوتا ہے لیکن اسکو
عورت کے امداد کی ضرورت رہتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر عورتیں تعلیم
یافتہ ہونگی تو وہ ذلیل پیشوں سے بچکر شرافت کے ساتھ مثلاً طبابت وکالت
مُعلمی وغیرہ سے اپنی زندگی کا سامان کرسکیں گی۔ مرد ہم سے کہتے ہیں کہ تم
گھر کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ اور ہم سامان زندگی کو مُہیا کرنے کے لئے۔

میں کہتی ہوں کہ کونسا فرمان خدا کی طرف سے اسکے متعلق صادر ہوا ہی
انہوں نے کہاں سے یہ جانا کہ ہم گھر کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہاں اقتصادی
حالت اور تمدن کی روسے تقسیم عمل ایک نہایت ضروری چیز ہے لیکن عورتونکی
ایک تھوڑی سی تعداد اگر تعلیم حاصل کرے اور خارجی فرایض بجالائے تو
اس سے نظام تمدن میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا۔ اور میرا خیال ہو کہ تقسیم
عمل سوسائٹی کی اختیاری چیز ہے۔ جبری نہیں ہے۔ اگر ابتدا میں حضرت آدم
آٹا پیسنا اور روٹی پکانا اپنے ذمہ لے لیتے اور حضرت حوا زراعت اور شکار
کرتیں تو آج معاملہ بالکل برعکس ہوتا اب بھی ہم بربری خاندانوں میں دیکھتے
ہیں کہ مرد بیٹھکر گھر بھر کے لئے کپڑے سیتے ہیں۔ اور انکی عورتیں کھیتیاں کرتی
ہیں باغ سینچتی ہیں یہانتک کہ پھل توڑنے کے لئے کھجور کے درختوں پر چڑہتی ہیں

آپ میں سے جسکو دیہات جانے کا اتفاق ہوا ہوگا اسنے فلاحوں اور
کسانونکی عورتونکو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے مردونکے دوش بدوش کام کرتی
ہیں۔ کھیتی میں مدد دیتی ہیں۔ مویشی چراتی ہیں۔ اور تمام کاموں میں انکا ہاتھ
بٹاتی ہیں۔ وہ مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔ اور باوجود ان کاموں کے
وہ اپنے فطرتی فرایض بھی بجالاتی ہیں۔ اور انکی اولاد ہمارے بچوں سے

زیادہ قوی اور تندرست ہوتی ہے۔
اب یہ بات صاف ہوگئی کہ ہر فریق جو کام کرے وہ اپنے اختیار اور پسند سے کرے۔ کچھ جبر و اکراہ نہیں ہے کہ عورتیں خانگی ہی کام کریں۔ اور مرد بیرونی۔
ہم جو ضعیف کہے جاتے ہیں اور حقیقت میں ضعیف ہیں اسکی وجہ یہی کہ مدت دراز سے مردوں نے ہمارے ہاتھ سے تمام کام چھین لئے ہیں۔ اگر ہماری طرح بیدست و پا کرکے قوی سے قوی مرد بھی گھر میں بٹھا دئے جائیں تو وہ بھی ہماری طرح کمزور اور ضعیف ہو جائیں گے۔
گذشتہ زمانہ میں جبکہ عورتیں بھی مردونکے ساتھ کام کرتی تھیں وہ مردوں سے کسی بات میں کم نہ تھیں اب بھی دیہاتی عورتیں مردوں سے کم قوی نہیں۔ یہ تو سراسر مردونکا قصور ہے کہ انہوں نے ہمکو کمزور کردیا اور پھر اُلٹا الزام لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمکو کمزور پیدا کیا ہے۔
ایک سیاح بیگم نے جو نہایت روشن خیال تھیں مجھسے بیان کیا کہ انہوں نے امریکا میں وہاں کے ہندو باشندونکو بچشم خود دیکھا ہے کہ دور کی آواز پر جب وہ کان لگاتے ہیں تو انکے کان گھوڑوں اور گدھوں کے کان کی طرح خود بخود ہلتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ پشتہا پشت سے وحشی اور جنگلی باشندے ہیں درندوں اور آفتوں کا ہر وقت انکو خوف لگا رہتا ہے۔ اسوجہ سے وہ اپنے کانونکو ہر طرف لگائے رکھتے ہیں تاکہ جسطرف سے کوئی آواز آے فوراً حفاظت کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی مشق کی وجہ سے انکے کان برابر ہلتے رہتے ہیں۔ اور وہ بہت دور کی آہٹ پا لیتے ہیں حالانکہ اور اقوام بنی نوع انسان میں یہ بات نہیں ہے۔ اسلئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

انسان جب اپنی کسی قوت کا استعمال چھوڑ دیتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ قوت اس سے نکل جاتی ہے - ہم کو چونکہ مردوں نے مدتہائے دراز سے غلامی اور سخت غلامی کی حالت میں رکھ چھوڑا ہے - اسلئے نہ صرف ہمارے جسمانی قویٰ بلکہ عقلی اور دماغی قویٰ بھی کمزور ہو گئے ہیں - اور اب انکا یہ الزام بالکل صحیح ہے کہ ہم جسمانی اور عقلی ہر طرح پر انسے کمزور ہیں - مرد کہتے ہیں کہ عورتوں نے دنیا میں کیا کیا - کسی عورت نے کوئی ایجاد کی - کسی نے حساب کا کوئی قاعدہ بدلا - کسی نے ریاضی کا کوئی نیا مسئلہ دریافت کیا -
ہم کہتے ہیں کہ مردوں نے کیا کیا - حساب اور ہندسے کے آجتک وہی اصول ہیں جو یونانیوں اور قدیم مصریوں کو معلوم تھے - ہاں ہم اسبات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مردوں نے بہت سی نئی ایجادیں کیں لیکن اگر مجھکو جہاز پر چڑھنے اور سمندر میں پھرنے کی اجازت ہوتی تو کیا میں نہ امریکا دریافت کرلیتی اگر مدرسوں میں سائنس اور حکمت عملی کے سبق مجھکو ملتے تو میں مشین نہ ایجاد کرتی بیشک میں تسلیم کرتی ہوں کہ عورتوں نے کوئی عظیم الشان ایجاد نہیں کی لیکن اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اسکی عقل کو اس طرف متوجہ ہونیکا موقع نہیں دیا گیا - ورنہ جن جن کاموں میں عورتوں نے قدم رکھا ہے وہ مردونسے پیچھے نہیں رہی ہیں بلکہ سبقت لیگئی ہیں - یہانتک کہ بعض خاص صفات جنکو مرد اپنے لئے مخصوص سمجھتے ہیں مثلاً شہسواری اور بہادری عورتیں ان میں بھی انسے بڑھ گئیں - مثلاً حضرت خولہؓ جن کی بہادری کی داستان سُنکر جب وہ اپنے بھائی سید ضرار کو رومیوں کی فوج میں سے چھڑا لائی تھیں حضرت عمرؓ دنگ رہ گئے تھے - یا مثلاً جان آف آرک جس نے فرانسیسیوں کی فوج کو انگریزوں سے متواتر شکست کھانیکے بعد اپنی سرکردگی میں لیکر انگریزونکو شکست دی -

انتظامی قابلیت اور حکمرانی میں بھی عورتیں مردوں سے کم نہیں رہیں۔ روس ملکہ کیتھرین۔ انگلینڈ کی ملکہ الیزبتھ۔ مصر کی ملکہ شجرۃ الدر کے زمانوں پر نگاہ ڈالو۔ مرد بادشاہوں کے زمانوں سے زیادہ انکے زمانہ میں امن و رفاہیت اور خوشحالی رہی ہے۔

مرد کہتے ہیں کہ انکے زمانوں میں بھی کارکن ہم ہی تھے۔ یعنی یہ انکی قابلیت نہ تھی بلکہ وزرا اور امرا کی قابلیت تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسا کہنا بیشک صحیح ہے کیونکہ دستوری حکومت میں پارلیمنٹ حاکم ہوتی ہے جیسے ملکہ وکٹوریا ہالینڈ کی ملکہ حال ولہلمینا کی کیفیت ہے لیکن اس زمانہ کے متعلق جبکہ بادشاہ خود مختار ہوتا تھا ایسا کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اسوقت سلطنت کی خوش کامی زیادہ تر حکمران کی لیاقت پر منحصر ہوتی تھی۔ اب وہ زمانہ شروع ہوا ہے کہ ہم تعلیم کی طرف بڑھنے لگے ہیں۔ مرد کچھ تو ہمارے بالکل ہی مخالف ہیں لیکن جو لوگ موافق ہیں وہ کہتے ہیں بس تھوڑی سی تعلیم لڑکیوں کو بچپن میں دیدی جائے وہی کافی ہے وہ چاہتے ہیں کہ کالجیز۔ مہندس خانے۔ کتب خانے۔ طبی تعلیم گاہیں سب ہم سے خالی رہیں ورنہ جہاں ہم اس میں گئے اور اونکے خیال میں ہم ڈاکو بنے جو انکے حقوق کو لوٹنے گئے ہیں۔

بعض بہنیں یہ سوچتی ہوں گی کہ مرد تو عورتوں پر بڑے مہربان ہیں انکی کیوں شکایت کی جاتی ہے۔ میں کہتی ہوں کہ افسوسناک تو یہی بات ہے کہ ہم ایسے کیوں ہوئے کہ کوئی ہمارے اوپر مہربانی کرے ایسے کیوں نہ ہوئے کہ وہ ہماری عزت کرتے۔ اگر ہم ابتک نہ تھے تو اب کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم قابل رحم نہ بنیں بلکہ قابل احترام بنیں۔ کیونکہ رحم دو قسم آدمیوں پر کیا جاتا ہے۔ تندرست بیمار پر اور بڑا چھوٹے پر رحم کرتا ہے۔ سو ہم اپنے کو بیمار کہیں یا چھوٹا

میں تو ان دونوں میں سے ایک بھی بتاً پسند نہیں کرتی -

بعض مرد یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو حساب نہ پڑہاؤ - صرف ابتدائی چاروں قاعدے یعنی جمع - تفریق - ضرب اور تقسیم پڑہادو - اس سے زیادہ کی انکو ضرورت نہیں ہے لیکن میں کہتی ہوں کہ کیوں ہمکو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے - کیا زمینداریاں ہمارے نام نہیں ہیں - یا بنک سے ہمارے روپے کا حساب کتاب نہیں رہتا - یا صنعت و حرفت اور طب وغیرہ کی تعلیم میں ہمیں اسکی حاجت نہ ہوگی -

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو غیر زبانیں نہ سکھلائی جائیں میں اسکی بھی کوئی وجہ نہیں سمجھتی - دنیا میں جس قدر زبانیں ہیں سب نافع ہیں خاصکر وہ زبانیں جنمیں ہر قسم کے علوم و فنون کی کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں - مجھے تو اگر کوئی بربری یا چینی زبان سکھلانے والا اُستاد ملے تو میں ضرور سیکھوں تعلیم خانہ داری - و تربیت اطفال میں ہم ڈاکٹر نظمی کے مرہون منت ہیں جنہوں نے ان دونوں کے لئے ازبس کوشش کی ہے -

بہنو! علم عقل کو روشن کرتا ہے - خواہ اسپر عمل کرو یا نہ کرو - لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کو جغرافیہ پڑہانے کی کیا ضرورت ہے کیا وہ دنیا کی سیاحت کرینگی یا تجارت کیلئے ملکوں ملکوں سفر کرینگی فرض کرو کہ عورت یہ کچھ نہ کرے لیکن اگر اسے دنیا کے حالات شہروں کے موقع معلوم ہوں تو کیا اسکی عقل میں روشنی نہ پیدا ہوگی - مثالاً میں کہتی ہوں کہ ڈاکٹر جغرافیہ پڑھتا ہے - جبر و مقابلہ سیکھتا ہے لیکن پیشہ کرتا ہے طبابت کا - یہ کس نے قانون بنایا ہے کہ جو دنیا کا سفر کرے وہی جغرافیہ پڑھے -

ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے جبکہ ٹرکی میں عظیم الشان انقلاب ہوا - سالونیکا کی

فوج نے آستانہ پر چڑھائی کی۔ اور سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیا۔ یہہ سب خبریں عورتیں پڑھتی ہیں اگر سالونیکا اور آستانہ کے جغرافی حالات سے بھی واقف ہوں تو یہ خبریں انکے لئے زیادہ دلچسپ ہوں۔ الغرض میں پھر وہی کہتی ہوں کہ علم میں بجائے خود ایک لذت ہے خواہ اسکو کام میں لائیں یا نہ لائیں۔

مجھے یہ یقین ہے کہ ہماری موجودہ حالت کی خرابی اور نوجوانوں کی تربیت کا نقص صرف عورتوں کی جہالت کا نتیجہ ہے۔ اب جبکہ ہم اپنی بیماری کی ٹھیک دوا معلوم کر چکے ہیں تو کیوں اپنا علاج نہ کریں حدیث شریف میں ہے کہ مُسلمان ایک ہی سوراخ سے دوبارڈنک نہیں کھاتا۔ جہالت کا نتیجہ بہت کچھ ہم نے بھُگت لیا اب اسمیں دوبارہ نہیں پڑنا چاہیئے۔

مدرسے خواہ کتنے ہی کوشش کریں لیکن وہ بچوں کو مہذب نہیں بنا سکتے۔ اگر اسکی ماں تعلیم یافتہ ہو تو بچہ یقیناً مہذب اور شائستہ ہوگا اور ابتداہی سے علم کی محبت اور عمدہ اخلاق اسکے ذہن نشین ہوجائینگے۔

مرد کہتے ہیں کہ ہماری موجودہ خرابی کا سبب ہماری ناقص تعلیم ہی لیکن یہ غلط ہی۔ ناقص تعلیم نہیں بلکہ ناقص تربیت۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علم سے تہذیب آتی ہے مگر میرا یہ اعتقاد ہے کہ علم اور تربیت ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ چیزیں ہیں۔ ہاں علم دین ایک ایسا ہی کہ وہ بجائے خود تربیت ہی لیکن اور علوم کی یہ حالت نہیں ہے۔ اسپر دلیل یہ ہے کہ ایک ہی امتحان دو شخص پاس کرتے ہیں دونوں نے وہی ایک ہی تعلیم حاصل کی ہے لیکن ان میں اخلاق وعادات میں بڑا فرق ہوتا ہے ایک ہی کتاب دو اُستاد دو شاگردوں کو پڑھاتے ہیں لیکن ایک میں

ہمت اور بلند حوصلگی کا اثر زیادہ ہوتا ہے دوسرے میں کم یہ اختلاف بوجہ تربیت کے ہوتا ہی۔ تعلیم تو ایک ہی ہے۔

اسلئے ہماری تمام خرابیوں کی جڑ مدرسے ہی نہیں ہیں مدرسوںمیں تو کچھ تھوڑی بہت تربیت بھی ہے بلکہ ہماری خرابی کی اصلی بنیاد یہی چہار دیواری کی قید ہی۔

میں یہ نہیں کہتی کہ ہمکو یوروپین عورتوں کی تقلید کرنی چاہیئے۔ یوروپین لیڈیز بے پردگی کے ساتھ آزاد بھی ہیں وہ حد سے تجاوز کر گئی ہیں۔ بخلاف اسکے ہماری مصری ماؤں اور دادیوں کا پردہ قید سخت ہی دونوں افراط اور تفریط کی حالت میں ہیں۔ اعتدال کی حالت ترکی عورت کی ہے وہی ہمکو اختیار کرنی چاہیئے۔

میں اسلامی شریعت کے حد سے ایک انچہ تجاوز نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارے یہاں کے بعض بڑے بڑے لوگوں نے (باعتبار دنیاوی وجاہت کے) اپنی لڑکیوں کو فرنگی ناچ سکھایا ہے۔ میں اسکی سخت مخالف ہوں۔ ایسی کمینی تقلید ہرگز کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے جس سے اسلامی شرافت پر دھبہ لگتا ہو۔ میری تمام بہنوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے لوگونکی ناپسندیدہ حرکت پر نفرین کریں خاموش رہکر انکی جرأت نہ بڑھائیں۔

ہمارے یہاں کے بعض مردوں میں یہ ضبط سما گیا ہے کہ وہ یوروپین عورتوں کو ہمپر ترجیح دیتے ہیں اور انہیں سے شادی کرتے ہیں۔ اکثر انکو وہ یوروپین عورتیں ملتی ہیں جو اپنی قوم میں نسب حسب اور عزت وجاہت کے لحاظ سے نہایت ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے اس کہنے پر یوروپین بہنیں مجھے معاف کرینگی کیونکہ حقیقت حال یہی ہی۔ جو عورتیں

ذی حسب اور شریف خاندانوں کی ہوتی ہیں انکی مانگ اسقدر رہوتی ہے کہ وہ غیر ملکیوں کو نہیں ملسکتیں۔ یہی رذیل اور ادنیٰ عورتیں مل جاتی ہیں۔

مرد کہتے ہیں کہ ہم یوروپین عورتوں سے شادی کرنے کو اسلئے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ تم سے بہتر ہیں۔ بچوں کی پرورش۔ مکان کی صفائی۔ شوہر کے آرام کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ شادی ایک قومی اور ملکی امر ہے۔ غیر قوموں کی مہذب لڑکیوں سے شادی کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اپنی قوم کی نا مہذب لڑکی سے کرے۔

اگر میں کسی یوروپین لیڈی کے اچھے اچھے بچے دیکھکر انکو اپنا بچہ بناؤں اور اپنے بچوں کو اسلئے چھوڑ دوں کہ ویسے نہیں ہیں تو کیا یہ میرا فعل معقول خیال کیا جائیگا۔

جو مرد یورپ سے شادیاں کرکے عورتیں لاتے ہیں میرے نزدیک وہ نفرین کے قابل ہیں۔ فرض کرو کہ یوروپین عورت ہم سے بہتر ہی سہی تو وہ ہمیں کو کیوں نہیں بہتر بنانے کی کوشش کرتے۔ میں خود یوروپین عورتوں کی سب سے بڑی مداح ہوں لیکن قومی اور ملکی مصلحت کا خیال مردونکو ضرور چاہیئے

مجھے اس امر سے سخت رنج ہوتا ہے کہ ہمارا احترام مردونکی نگاہ میں اسقدر نہیں ہی جس قدر کہ ہونا چاہیئے اور اسکے ملزم ہمیں ہیں۔ ہمنے اپنی جہالت۔ توہم پرستی سے اپنے آپ کو اس درجہ میں ڈالدیا جو لوگ خود اپنا اعزاز آپ نہیں کرتے دنیا میں ہر جگہ ذلیل رہتے ہیں۔ ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ ایک دن اپنے باغچہ میں ٹہل رہا تھا۔ ایک طرف سے کچھ آواز آرہی تھی اُسی سمت کو گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا ہی

میں اپنی آپ خود کرتا ہوں عزت	نہیں دیسکتا کوئی مجھکو ذلت

اور حالت یہ ہی کہ ایک پھٹا لنگوٹا باندھے ہوئے مٹی کھودتا ہی۔ بادشاہ کو سخت تعجب ہوا کہ یہ حالت اور یہ دعویٰ! آخر مسکرا کر کہا اس سے بڑھکر کیا ذلت ہوگی جس میں تو ہے۔ اس نے کہا کہ میں اسلئے اس حالت میں ہوں کہ تجھ جیسے سے کچھ مانگ کر ذلیل نہ ہوں الغرض انسان اگر خود اپنی عزت کرتا ہے تو سب لوگ اسکی عزت کرتے ہیں اور جب پرواہ نہیں کرتا تو ذلیل ہوجاتا ہی۔ اسلئے ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم ایسی کوشش کریں کہ اپنی عزت لوگوں کے دلوں میں قایم کریں۔ میں نے دس رزولیوشن تجویز کئے ہیں جو آپکے سامنے پیش کرتی ہوں۔

(۱) لڑکیوں کو اصلی مذہبی تعلیم دیجائے یعنی قرآن اور حدیث صحیح۔

(۲) لڑکیونکو ابتدائی اور سکنڈری دونوں قسم کی تعلیم دیجائے اور ابتدائی تعلیم لازمی کردی جائے۔

(۳) خانہ داری علمی اور عملی ہر قسم کی سکھائی جائے۔ حفظان صحت اور تربیت اطفال اوسکی کورس کا ضروری جزو ہو۔

(۴) چند لڑکیاں ہر سال مخصوص کی جائیں جنکو ڈاکٹری کی مکمل تعلیم دیجائے یہانتک کہ ملکی ضروریات کیلئے تمام لیڈی ڈاکٹر مصری ہی ہوں۔

(۵) عورتوں کو کامل آزادی دیجائے کہ وہ جس علم و فن کو چاہیں اسکی تکمیل کرسکیں۔

(۶) بچپن ہی سے سچائی کوشش اور استقلال کی عادت لڑکیوں میں پیدا کیجائے

(۷) پیغام نکاح میں شریعت کا لحاظ کیا جائے یعنی ایک محرم کی موجودگی میں دولہن قبل نکاح کے دولہا کو دکھادی جائے۔

(۸) پردہ اور باہر نکلنے میں ترکی عورتوں کی تقلید کیجائے۔

(۹) ملکی مصلحت کا لحاظ رکھکر غیر ملکی آدمیوں اور چیزوں سے حتی الوسع مستغنی ہو جانا چاہیئے۔

(۱۰) ہمارے بھائیوں سے اُمید ہو کہ وہ ہماری اس تحریک میں مدد کریں۔

مترجم ا-ج

اڈیٹر ریل

ریویو

رفیق الصالحات - فی اصلاح الرسوم والبدعات - یہ کتاب رفیق فاطمہ مرحومہ دختر ثانی مولوی اشفاق حسین صاحب رئیس سنبھل ضلع مرادآباد کی تصنیف ہے۔ اسکے دو حصے ہیں۔ اور دونوں حصے ہمارے پاس بغرض ریویو آئے ہیں۔ پہلے حصہ میں مصنفہ نے مخالفین پردہ کا جواب عقلی اور نقلی دلائل سے جہانتک اُنکے امکان میں تھا دیا ہے۔ مولوی محب حسین صاحب اڈیٹر معلم نسواں اور مولوی عبدالحلیم صاحب شرر جو مخالفین پردہ کے سرغنہ قرار دئے جاتے ہیں اس رسالہ میں بالخصوص مخاطب کئے گئے ہیں۔

دوسرے حصہ میں بیوہ کے نکاح ثانی کی ترغیب ہی۔ مصنفہ نے دونوں حصے بطور ناول کے لکھے ہیں جس سے مضمون کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ حصہ اول ۴۷ صفحہ اور حصہ دوم ۵۶ صفحہ کا ہے۔ چھپائی لکھائی کاغذ وغیرہ عمدہ ہے عزیزی پریس آگرہ میں چھپی ہے اور غالباً وہیں سے ملسکتی ہے قیمت درج نہیں ہے۔

آئینہ عبرت - یہ ناول ہمارے ملک کی مشہور عالمہ فاضلہ خجستہ اختر بانو جناب

سہرورویہ بیگم صاحبہ کی تصنیف ہی جنکے نام نامی سے تمام ناظرین وناظرات بہت اچھی طرح سے واقف ہیں۔ کیونکہ انکے بہت سے اعلیٰ درجہ کے مضامین خاتون میں شایع ہوچکے ہیں۔ نیز انکی تصنیفات۔ کوکب دری۔ سیرۃ النبی تعلیم انسا۔ اور سلک مروارید وغیرہ ملک میں شایع ہوچکی ہیں۔

آئینۂ عبرت کے نام سے حال میں بیگم صاحبہ موصوفہ نے ابناد ہ ناول چھپوایا ہی جو سنہ ۱۹۰۶ء میں خاتون میں "مسز ہالیبرٹن کی مصیبتیں" کے عنوان سے شایع ہوتا رہا۔ لیکن خاتون میں صرف ایک ہی حصہ اس ناول کا شایع ہوا تھا اب دونوں حصے اسکے یکجا کرکے چھاپ دیئے گئے ہیں۔

ہم خود اس خیال میں تھے کہ اس مفید دلچسپ ورقیمتی ناول کو چھپوائیں لیکن بیگم صاحبہ نے سبقت کی اور خود چھپوا دیا۔ اور یہی اچھا بھی ہوا۔ کیونکہ ہم چھپواتے تو دوسرا حصہ کہاں سے لاتے۔

سہرورویہ صاحبہ کے تحریر کی متانت زبانکی شستگی اور خیالات کی خوبی کی تعریف کرنا غیر ضروری ہی تمام لوگ اس سے واقف ہیں۔ ہماری رائے ہی کہ یہ ناول ہر تعلیم یافتہ لڑکی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ اراکین سنڈیکیٹ کلکتہ یونیورسٹی نے اسکے خوبیوں کی وجہ سے میٹریکولیشن کے امتحان کے نصاب میں اسکو منظور فرمایا ہی۔

اسکی ضخامت ۲۴۴ صفحے۔ چھاپا ٹائپ کا ہی۔ کاغذ عمدہ ہی۔ اور جلد کپڑے کی نہایت خوبصورت ہی قیمت درج نہیں ہی۔ ملنے کا پتہ حبل المتین پریس نمبر ۴ میڈیکل کالج اسٹریٹ جمال الدین صاحب الحسینی۔

ہماری ہمدرد قوم بہن بنت نذر الباقر صاحبہ نے کمال ہمدردی اور جوش کے ساتھ اسلامی زنانہ دنیا میں یونیورسٹی فنڈ کی تحریک کی ہی۔ ہم اس تحریک کو

دل سے پسند کرتے ہیں اور ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ ہماری قومی بیداری کی علامت
ہی کہ عورتیں جنکے کانوں تک اس قسم کی باتیں پہونچتی ہی نہ تھیں وہ اب عظیم الشان
قومی کاموں میں حصہ لینے لگی ہیں۔ ہم نے بہن موصوفہ کا مضمون جو انہوں نے
اس تحریک کیلئے لکھا ہی اس نمبر میں درج کر دیا ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں
کہ تمام مقامات کی مسلمان خواتین فراخ حوصلگی کے ساتھ اس کارِ خیر میں حصہ لینگی

بھارت استری مہامنڈل۔ اس نام کی ایک انجمن تمام ہندوستان کی عورتوں
کے لئے قایم کی گئی ہی۔ اسکے ذریعہ سے تعلیم نسواں کیلئے کوشش کی جائیگی۔ کم
استطاعت بے یار و مددگار عورتوں کے لئے ایک فنڈ جمع کیا جائیگا جس سے
انکی مدد کی جائیگی۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ اور فیس داخلہ ایک روپیہ مقرر کیگئی
ہی کلکتہ کے قرب وجوار میں عنقریب اسکی شاخیں قایم ہونے والی ہیں مختلف
مقامات کے سکرٹری اپنے یہاں تعلیم نسواں کا بندوبست کرینگے۔ ہر ایک
مقام سے جو چندہ وصول ہوگا وہ عورتوں کی تعلیم میں صرف کیا جائے گا جو
خاتون اس انجمن کی ممبر بنّا چاہیں وہ شریمتی سرلا دیوی نمبر ۲۶ اولڈ بالی
گنج روڈ کلکتہ سے خط وکتابت کریں۔

اسی انجمن کا اجلاس الہ آباد میں نمایش کے موقع پر وزیا نگرم ہال
میں بصدارت ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ ہوا تھا۔ اس انجمن کے نام سے جیسا
کہ خود بیگم صاحبہ موصوفہ نے فرمایا تھا یہ خیال ہوتا ہی کہ یہ ہندوؤں کی انجمن ہے
ہمیں امید ہی کہ اس انجمن کا ایسا نام رکھا جائیگا جس سے یہ مختص القوم نہ معلوم ہو۔

ایک اخبار رکھتا ہی کہ ممکن ہی کہ ہر ہائینس حضور بیگم صاحبہ بھوپال جشن تاجپوشی لندنمیں

شریک ہونیکے لئے ولایت تشریف لیجائیں۔ کیونکہ حضور ممدوحہ کو شرکت کا بلاوا آیا ہی عجیب دہو گھا۔ نوشہرہ میں کچھ عرصہ ہوا ایک زنانہ مدرسہ قایم کرنے کے لئے چندہ وصول کیا گیا۔ اس مدرسہ کا نام گورو نانک کنیا پاٹ شالا ظاہر کیا گیا تھا۔ اس نام کیوجہ سے سکھوں نے بھی اسمیں فراخدلی سے چندہ دیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خالص آریہ سماجی مدرسہ ہی۔

زنانہ انسپکٹر مدارس۔ سررشتۂ تعلیم ہند میں ایک ور زنانہ عہدہ کا اضافہ ہوا ہی یعنی صاحب وزیر ہند نے مس ہومارول صاحبہ کو مشرقی بنگال و آسام کے زنانہ مدارس کی انسپکٹری پر مامور کیا ہی۔

ہندوستان کی مردم شماری۔ ہر دسویں سال ہندوستان کی مردم شماری ہوتی ہی۔ چنانچہ اس مہینہ کی دسویں تاریخ کو تمام ملک کی مردم شماری ہوئی۔ سارے ہندوستان کی آبادی ساڑھے اکتیس کروڑ ہے گذشتہ مردم شماری کی نسبت جو دس سال پہلے ہوئی تھی ۷ فیصدی کا اضافہ ہوا ہی۔ اور جو قحط۔ وطاعون کے یہ بیشی امید افزا ہی۔ ریاستوں کی آبادی میں سب سے زیادہ حیدرآباد میں بیشی ہوئی ہی۔ یعنی ۲۵ لاکھ کی اب اسکی کل آبادی تقریباً ڈیڑھ کروڑ تک پہنچتی ہی۔ حضور نظام کو اس سے دلی مسرت ہوئی ہوگی اور اس اضافہ پر بادشاہ دکن کو مبارکباد دیجا سکتی ہی۔ مختلف مذاہب اور اقوام کی میزانیں ابتک نہیں شایع ہوئی ہیں لیکن امید ہی کہ انشا اللہ بہ نسبت سابق کے مسلمانوں کی تعداد میں معقول اضافہ ہوا ہوگا۔

مسلم یونیورسٹی - عالیجناب آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب کی والدہ ماجدہ نے مبلغ پانچسو روپے یونیورسٹی فنڈ میں عطا فرمائے - اس صوبہ میں یہ پہلا چندہ ہے جو معزز گروہ مستورات کی طرف سے اس مد میں وصول ہوا -

---

لیڈیز پارٹی - ہر اکسیلنسی لیڈی ہارڈنگ نے گورنمنٹ ہاؤس میں ایک لیڈیز پارٹی دی جسمیں تقریباً ۸۰ یوروپین و ہندوستانی معزز خواتین شریک تہیں - پارٹی میں پردہ کا پورا انتظام تہا اور بہت اقسام کے تفریح کے سامان مہیا کئے گئے تھے قریب کے کمرے میں وائسرائگل بینڈ باجہ بج رہا تھا -

---

کراسٹہویٹ گرلس اسکول - الہ آباد میں کراسٹہویٹ گرلس اسکول مسلمان اور ہندو لڑکیوں کے لئے ایک عمدہ تعلیم گاہ ہے - اسکے متعلق بورڈنگ بہی ہیں اور پردہ کا پورا پورا انتظام ہے لڑکیاں بہلیوں میں بیٹھکر اپنے اپنے گہروں سے مدرسہ میں آتی ہیں - بورڈنگ اسکا بہت عمدہ ہے مسلمان والدین کیلئے اپنی لڑکیوں کی تعلیم دلانے کا بہت اچہا سامان یہاں مہیا ہے - پرنسپل مس چیٹرجی صاحبہ بی اے لڑکیوں سے مادرانہ شفقت کے ساتھ برتاؤ کرتی ہیں آنریبل مسٹر جسٹس کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد اس مدرسے سے خاص دلچسپی رکہتے ہیں اور بذات خود مدرسہ کی نگرانی فرماتے ہیں - آپ کی توجہ اور نگرانی کے بہروسہ پر لوگوں نے کوئٹہ اور لاہور تک سے اپنی اپنی لڑکیاں اس اسکول میں تعلیم پانے کے لئے بہیجی ہیں -

---

سلطان المعظم

اس سے پہلے مس زہرا فیضی صاحبہ ملک معظم سے ہز ہائنس نواب صاحب جنجیرہ اور اُنکے ہمراہیوں کی ملاقات کا حال ہدیہ ناظرین کر چکی ہیں،

حضور نواب صاحب جنجیرہ مع ہمراہیوں کے یورپ کی سیر کرتے ہوئے قسطنطنیہ بھی تشریف لے گئے، جہاں سلطان المعظم نے بھی آپ کا اعزاز و اکرام فرمایا اور شرف ملاقات بخشا، اس ملاقات کا حال پھر مس زہرا فیضی صاحبہ نے ناظرین کی دلچسپی کے لیے لکھکر ہمارے پاس بھیجا ہے، جسکو نہایت شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں،

اڈیٹر

مسٹر فٹز مارس کے ہمراہ حضور انور ہز ہائنس نواب صاحب جنجیرہ یلدیز سرائے یعنی شاہی محل کی طرف تشریف لے گئے، برٹش سفارت کے بڑے ہال میں یہ لوگ جمع ہوئے جہاں بہت سے

ارکان دولت موجود تھے، سلطان المعظم کے محل کے افسر بھی موجود تھے، ان لوگوں کے ڈیل ڈول قدوقامت اور شان نہایت تعریف کے قابل ہے، البتہ لباس فاخرہ نہیں تھے کیونکہ گرمیوں میں ہمیشہ سفید دریل کی وردیاں پہنی جاتی ہیں، وہاں تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہونگے کہ اتنے میں ایک اے۔ڈی۔سی یعنی یاور بلانے کو آیا، حضور اور انکے ہمراہیاں جلدی سے مسجد میں تشریف لے گئے، مسجد کے ایک خاص حصے میں حضور کو ٹھہرنے کے لیے کہا گیا جو ممالک غیر کے معزز مہمانوں کے لیے مخصوص ہے، حضور انور کو آگے بڑہا کے کھڑا کیا اور انکے ہمراہیاں پیچھے کھڑے رہے خود بدولت اپنی جگھہ پر تشریف فرما تھے، بہت جلد نماز ختم ہوگئی خطبہ پڑہا گیا بعد ازاں سلطان المعظم گاڑی پر سوار ہوکر روانہ ہوگئے۔

آتے وقت ایک شہزادے ساتھ تھے اور جاتے وقت وزیر اعظم اور کئی اور شہزادے ہمراہ گئے، بہت حشم اور دبدبہ سے یہ سواری جاتی ہے۔ گھوڑے مانند تصویر کے نہایت درجہ خوبصورت ہیں، سلطان کے باڈی گارڈ ایسے حسین جوان ہیں کہ سبحان اللہ،

بعد از نماز حضور نواب صاحب سفارت کے علاقے میں واپس آگئے یہ حصہ محل شاہی کے متعلق ہے اور سفیروں کیواسطے از راہ نوازش دیدیا جاتا ہے جہاں وہ آپ اور انکے معزز مہمان جاتے ہیں، یہ لوگ واپس آکر یہیں بیٹھ گئے کیونکہ مسٹر فٹز مارس نے کہا کہ کسی کسی وقت خاص لوگوں کو سلطان یاد فرماتے ہیں بشرطیکہ تھکے ہوئے نہوں، ورنہ پھر اور کسی وقت پہ ملاقات ملتوی کردی جاتی ہے۔

ذرا دیر بعد کوئی اہلکار آئے اور پیغام سلطانی سنایا کہ خود بدولت نے یاد فرمایا ہے۔ صرف حضور نواب صاحب اور مسٹر مارس گئے، گزرگاہ طے کرکے اخیر دروازہ ہے جس میں سے گزر کر چھوٹے کمرے میں داخل ہوئے اور وہاں بیٹھے، اس کمرے میں خاص کوئی بات نتھی جیسے سب جگھہ ملاقاتی کمرے ہوتے ہیں ویسا یہ بھی تھا، اسکے پاس ایک اور بڑا کمرہ تھا جو

اچھا سجا سجا یا نظر آتا تھا، تھوڑی دیر بعد امیر المومنین رونق افروز ہوئے، حضور نے جھک کر سلام کیا اُنھوں نے سر کو جنبش دی، بہت ہی ضعیف معلوم ہوتے تھے، آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے تھے، قریب آ گئے تو مسٹر فٹز مارس نے حضور کی شناخت کرائی، آپ نے ہاتھ بڑھایا اور حضور نے دونوں ہاتھوں سے آپ کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا سر اور آنکھوں سے لگایا پھر دل سے لگایا، حضور کے اس مودبانہ سلام سے خود بدولت بہت خوش ہوئے

سوال۔ تم کہاں سے آئے ہو۔

جواب۔ یورپ کی سیر کرتا ہوا یہاں وارد ہوا۔

سوال۔ کتنے روز یہاں ٹھہروگے۔

جواب۔ کوئی دو تین ہفتہ کا قصد ہی۔

پھر حضور نے یہ کہا کہ میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ امیر المومنین کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے کا مجھکو موقع ملا اور شرف نیاز بھی حاصل ہوا، یہ واقعی مسرت خیز بات ہی اور جسوقت میری رعایا یہ بات سُنیگی یقین ہی کہ نہایت خوش ہوگی،

آپ نے فرمایا کہ میں بھی تم سے ملکر نہایت ممنون اور خوش ہوا، وہاں ایک چیمبر لین کھڑے تھے اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تم کو کچھ بھی کام ہو یا دیکھنا ہو تو ان سے کہنا یہ سب انتظام کر دینگے،

اسکے بعد ملاقات ختم ہوگئی، حضور نے اُسی طرح سلام کیا اور بغیر پیٹھ دکھانے کے آپ کی حضوری سے دروازے کی طرف چلے، انتہائی نوازش سلطانی یہ ہوئی کہ آپ بھی خدا حافظی کے لیے تقریباً دروازے تک آئے اور مسکراتے ہوئے وداع کیا،

حضور جسوقت باہر تشریف لائے مسٹر مارس صاحب نے کہا کہ سلطان آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے کیونکہ جب کسی کی ملاقات سے خوش ہوتے ہیں تب ممنون منت کا لفظ استعمال کرتے ہیں،

سلطان المعظم نے اپنی شفقت شاہانہ سے حضور انور کے ہمراہیوں کو بھی تمغے عطا فرمائے جناب علی اصغر بیگ فیضی، سردار سیدی حسن، سیدی سعید، اور ڈاکٹر ہاشم لکھانی کو تیسرے درجہ کے عثمانی نشان دیے گئے اور مس عطیہ فیضی کو دوسرے درجے کا شفقت نشان مرحمت ہوا۔

حضور نواب صاحب مع ہمراہیاں الحمدللہ والمنۃ ۹۔ اکتوبر کو وارد بمبئی ہوئے، اپالو بندر پھریرے اور جھنڈیوں اور مختلف اشیاء سے مزین کیا گیا تھا اور حضور کی ریاست اور بمبئی کے معززین اور رعایا حاضر تھے۔ خیر مقدم کی بڑی گرمجوشی سے طیاریاں کی گئی تھیں بیانڈ کی عمدہ خوش آواز سے سبھوں کے دل اچھل رہے تھے، خوش آمدید کے الفاظ اور تہنیت ناموں سے فراغت کر کے اپنے قیام گاہ پر تشریف لائے جہاں کئی رشتہ دار منتظر اور چشم براہ کھڑے تھے۔

اسی شام کو ماونٹ ٹاور زیر حضور انور نواب صاحب بالقابہ کی خواشدامن صاحبہ نے خیر مقدم کی ضیافت نہایت عمدہ کی جس میں کل رشتہ دار موجود تھے، باغ گلزار ہو رہا تھا جابجا برمحل ابیات چسپاں تھیں اور ہر شے سے جھلک انبساط کی نمایاں تھی۔

تاریخ ۱۹۔ اکتوبر کو حضور انور نواب سر سیدی احمد خاں جی۔ سی۔ آئی۔ ای اور نواب بیگم صاحبہ مع رشتہ داروں، ہمراہیوں، اہلکاروں، اور صوبیداروں کے سپیشل اگبوٹ میں ۱۲ بجے روانہ ریاست جزیرہ ہوئے۔ اور ۴ بجے کے قریب لنگر انداز ہوئے، استقبال کے لیے کئی اہل ریاست اپنی سجی سجائی کشتیوں میں موجود تھے۔ خیر مقدم کے الفاظ چوکھٹوں میں بعض صاحبوں نے اپنی کشتیوں پر آویزاں کیے تھے، اور پھریرے اور جھنڈیوں سے آراستہ کر رکھا تھا، حضور انور نواب صاحب اور نواب بیگم صاحبہ اپنی اپنی کشتیوں پر سوار ہوئے اور کنارے پر پہنچے، سلامی کی گیارہ توپیں سر ہوئیں، بندرگاہ پر خلق اللہ کا ہجوم تھا، مارے خوشی و مسرت کے ہر ایک کی باچھیں

کھلی جاتی تھیں، منصب دار باقرینہ تعظیم سے کھڑے تھے لیکن انکے چہروں سے خوشی کا جوش
نمایاں تھا، چو طرفہ شادمانی اور انبساط کی صدائیں بلند تھیں، ان کی کشتیوں کو آتے ہوئے
دیکھکر ریاست کا باجا زور شور سے بجنے لگا اور بیانڈ کی صدا سے عجیب کیفیت طاری ہوئی۔
اس موقع کے لیے بہت بڑا شامیانہ نصب کیا گیا تھا جسے ہر ہفت آرائش سے مزین
کرکے خیر مقدم کے الفاظ اور خوش آمدید کے فقرے سنہری جلی خطوں میں اس خوبی سے چسپاں
کیے گئے تھے کہ دیکھنے والے بے اختیار واہ واہ کہتے تھے، پھریرے اور جھنڈے
خوشی سے اُٹھ اُٹھ کر ہوا میں لہراتے اور اِتراتے تھے، امیر و غریب چھوٹے بڑے، غرض
کل رعایا اپنے ہر دلعزیز حکمراں کے دیدار فرحت آثار کے لیے منتظر تھی، زنانہ سواری
ریاستی دستور کے موافق فینسوں میں شامیانہ کے اُس حصے میں لائی گئی، جہاں کل رشتہ دار
بیگمات دیوان صاحب کی صاحبزادی اہلکاروں اور صوبیداروں کی خواتین اپنی محسنہ کے
خیر مقدم اور استقبال کے لیے مشتاق ٹھہری ہوئی تھیں۔
ان لوگوں کا جوش انبساط انکے اطوار اور صورتوں سے ہویدا تھا، اس طرح اپنے
سرپرست سے ملیں گویا برسوں کے بعد بچھڑے ہوؤں کو خدا نے ملایا ہو، چلمن کی آڑ سے
دربار عام نظر آرہا تھا، حضور انور شامیانے میں تشریف فرما ہوئے اور خاص اس موقع کے لیے
جو زرنگار تخت بچھایا گیا تھا اُسپر رونق افروز ہو کر حاضرین دربار کو اپنے دلی تاثیر کے اظہار کرنے
اور جوش محبت کے کلام کہنے کا موقع دیا۔
لوکل بورڈ میونسپالٹی اور دیوان صاحب نے اُن مراتب اور واقعات کا ذکر کیا جو اثنائے
سفر میں درپیش آئے۔ یعنی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم نے جو اعزاز بخشا اور ممالک مختلفہ میں جو توقیر
اور عزت افزائی ہوئی اور سلطان روم نے جو تمغے مرحمت فرمائے اور آؤ بھگت کی اور
مصر میں جو کچھ ہوا ان کل باتوں کو نہایت عمدگی خوشنودی اور فرط محبت سے بیان کرکے
اپنے آقائے نعمت اور اپنی محسنہ کے بخیر و خوبی واپس آنے پر بخندہ پیشانی اور جوش و خروش

سے مبارکباد دی۔ اسکا جواب ویسے ہی شفقت اور محبت سے اپنے بہی خواہوں کو حضور انور نے دیا، مختلف سکولوں اور مدرسوں کے لڑکے اور لڑکیوں نے الگ الگ خوشی کے ترانے گائے۔ جن میں ۳-۴ کمسن مسلمان طالبات نے بھی اپنا اظہار مسرت نہایت شائستہ طریقہ سے کیا اور یہ واقعی نہایت خوشنودی کا باعث ہی کہ اسلامی لڑکیاں اتنی ترقی یافتہ ہوئیں۔

جب تہنیت ناموں کا دور ختم ہو گیا تو گلدستہ ہار عطر اور گلاب کی رسم ادا ہوئی اور سواریاں محل کی طرف روانہ ہوئیں، بندرگاہ سے قصر احمد (یعنی نواب محل) تک دو رویہ درختوں سے سرسبز کر چھوڑا تھا اور جا بجا طرح طرح کی کمانیں نصب کی تھیں جنپر چسپت اور برمحل فقرے سنہرے خطوں میں چسپیدہ تھے۔

تمام شاہراہیں پھریروں سے رنگین بنی ہوئی تھیں، قصر احمد اور احاطہ بہت ہی آراستہ و پیراستہ تھا، شب کو تمام شہر میں چراغان کیا گیا، خدا ہر فرماں روا کو اسی طرح ہر دلعزیز بنائے آمین۔

زہرا فیضی

سوکن کا جلاپا

اس سلسلہ میں ہم .ر. بیگم صاحبہ کا مضمون درج کرتے ہیں، یہ نہایت خوش آیند بات ہی کہ اس تکلیف دہ امر کے انسداد کے لیے خود مستورات مستعد ہوتی جاتی ہیں، اور نہایت پرزور احساس اس تکلیف کا ان کی طبیعتوں میں پیدا ہو گیا ہے۔

اڈیٹر

گزشتہ خاتون میں سوکن کے جلاپے پر ایک درد دل سے نکلا ہوا قابل قدر مضمون

بہن ر ع ب صاحبہ کا درج ہی۔ جسکے ایک ایک حرف سے سچی ہمدردی ٹپک رہی ہے۔
بہن موصوفہ کی رائے درحقیقت قابل تقلید ہے اور ہر ہمدرد نسواں پر فرض ہی کہ وہ اس ہم
تحریک کو بغور دیکھکر بدل وجان کوشش کرے، بہن صاحبہ نے بہت ٹھیک لکھا ہے کہ اکثر
بہنیں مردوں کی دیکھا دیکھی سب الزام مستورات کے سر دہرتی ہیں حالانکہ اکثر اوقات بی بی
بالکل بے قصور رہا کرتی ہی، ہم نے بسا اوقات سُنا ہی کہ مستورات تو بے قصور رہا کرتی
ہیں اور مرد صرف اس نقص کے باعث کہ بیاہ کو عرصہ گزرا بی بی پُرانی ہوگئی اوران کا دل
اس بی بی سے نہیں لگتا اور اُن کو اپنی پہلی بی بی سے نفرت سی ہونے لگتی ہے دوسرا
بیاہ کرتے ہیں،

جب ان سے دوسرے بیاہ کی بابت دریافت کیا جائے تو صرف یہی جواب دینگے
کہ اپنی مرضی، کیا خوب لڑکے کا کھیل چڑیا کی موت، آپ تو اپنی دل لگی کے لیے نئی نئی بیویاں
کیجیے اور مٹی پلید مستورات کی ہو، گویا پاؤں کی جوتی ہیں جو پُرانی ہونے پر بدل دیجاتی ہیں،
اگر ایسا ہے تو ہر سال ایک بیوی تبدیل کیا کیجیے گا تاکہ آپ کا دل اور زیادہ بہلے، ہم اس
موقع پر ایک سچّا اور بھاری گھرانے کا واقعہ ذکر کرتے ہیں،

ایک گاؤں میں ایک معزز جاگیر دار صاحب رہا کرتے ہیں جو کئی قصبوں کے سرپنچ
اور افسر ہیں، ان کی سالانہ آمدنی تقریباً پانچ سات ہزار روپیے کی ہی، انکا بیاہ اپنے ہی
گھرانے میں ایک مالدار بیوی سے ہوا، چونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی اس لیے
اُنھوں نے بہت سی جائداد نقد زیور وغیرہ سب لڑکی کو دیا جسکی سالانہ آمدنی قریب پانچ چھ سو روپیے
کے تھی، دُلہن صورت شکل میں سو سے اچھی نہیں تو سو سے بُری بھی نہیں، ہم جیسی انسان
تھی، نہایت خلیق ملنسار، شیریں زباں، غرضکہ کوئی نقص اس بی بی میں نہ تھا، خدا نے ایک
لڑکی بھی عطا کی جس سے اولاد کی تمنا بھی پوری ہوئی۔

چند سال کے بعد دُلہن کے والدین نے انتقال کیا، میاں بی بی آپس میں محبت سے

رہا کرتے، میاں نے کسی ترکیب سے باتوں باتوں میں بیوی کے نام کی کل جائداد اپنے نام کرالی پھر کیا تھا پیٹ سے پاؤں نکالنے لگے، پہلے پہلے تو کچھ ناموافقت ہونے لگی، رفتہ رفتہ نوبت بدینجا رسید کہ مکان کا آنا جانا بند، بات چیت موقوف، پھر صاحب موصوف نے دوسرا بیاہ کیا بھی تو ایسے شریف خاندان میں کہ پناہ بخدا، نہیں معلوم انکے دماغ میں خلل ہو گیا تھا یا کیا انہوں نے ایک بدشکل بدوضع غیر قوم کی بازاری طوائف سے اپنا نکاح کیا وہ وہ چاؤ چوچلے اسکے ہونے لگے جسکا بیان نہیں، آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا سب وہیں روپیہ پیسہ کپڑا زیور لینا دینا سب وہیں گویا سارے گھر کے سیاہ وسفید کی مالک بنگئیں اور اب وہ مسز .... کے نام سے مشہور ہوئیں۔

اب ...... پہلی بیوی کی حالت غور کرنا چاہیے کہ ایک شریف خاتون کے لیے سوکن تو کجا سوکن کا خیال بھی کیسا شرمناک ہے۔ اسپر سوکن بھی ننگ عالم، گو مکان جدا جدا تھے تاہم یہ اُن کی دست نگر تھیں کیونکہ ماہانہ خرچ کے لیے وہ اسپنے ہاتھ سے دس بارہ روپیہ اُٹھا کر دیتی، پہلے آپ کھا کر دس کو کھلا سکتی تھیں اب خود سوکن کی دست نگر ہو کر رہنا اور اپنی جگہ ایک غیر عورت کو راج کرتے دیکھنا ایک شریف عورت کے لیے اس سے زیادہ رنج وغم اور ظلم شاید ہی کوئی اور ہوگا۔

مگر یہ ہیں کہ زبان سے اُف تک نہیں کرتیں اور اس جگر سوز صدمہ کو چُپ چاپ سہ رہی ہیں، اب نہ کسی مہمان سے ان کو ملنے ملانے کی اجازت ہے اور نہ کسی کے یہاں آنے جانے کی طاقت، گویا اچھی بھلی عمر بھر کی قید ہے، کیا کریں۔ بیچاری قہر درویش، بجان درویش، خاموش ہیں دن میں ایک وقت کھاتی ہیں دن بھر سوائے آنسو بہانیکے کچھ کام نہیں،

لیکن اس مظلومہ کا دل اپنے اس بیوفا ظالم شوہر کی ناانصافی اور ناروا ظلم پر کیا کچھ نہ کہتا ہوگا، یقین ہے کہ ضرور خدائے تعالیٰ جو سینے کے چھپے بھیدوں سے واقف ہے

اس صبر کا اجر دیگا اور ضرور اُنہیں اس ظلم کی سزا بھگتنی پڑیگی،

ایک اور صاحب کا ذکر ہی جو ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے، ان کی بی بی بھی بہت مالدار تھیں اور انکے پاس بہت سا زیور تھا، بیاہ کے چند سال بعد اُنہوں نے ایک دن اثنائے گفتگو میں بیوی سے کہا کہ تم اپنا مہر جو اٹھارہ ہزار ہی مجکو بخشدو، بیوی نے کہا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو نہ میں انوکھی بیوی اور نہ تم نرالے شوہر اب تم کو یک بیک مہر کا خیال کیوں گدگدایا، زمانہ کا یہی دستور ہی کہ مہر صرف نام کے لیے مقرر کرتے ہیں ورنہ کون دیتا ہی اور کون لیتا ہی کچھ میں اب تم سے مہر طلب کر رہی ہوں،

میاں نے کہا کہ یہ بات تو نہیں لیکن مہر تم کو ضرور بخشنا ہوگا اگر تم خوشی سے نہ بخشوگی تو تم کو جبراً بخشنا ہوگا، میاں نے ہر چند کہا لیکن بیوی نے ایک نہ مانی اور کہا اے ہی تم کیوں ایسی بات زبان سے نکالتے ہو آج تم کو کیا سوجھی جو باتوں باتوں میں مجھ سے لڑ پڑے۔ غرض اسوقت بات گئی گزری ہوئی، دو تین بعد میاں نے باہر سے آکر کہا کہ گھی تیار رہے تم میرے ہمراہ چلکر رجسٹرار کے روبرو اپنا مہر بخشدو۔

بیوی نے گھبرا کر کہا توبہ کرو توبہ تم کو ہو کیا گیا ہے شریف پردہ نشین خاتون کو دفتر و کورٹ سے کیا واسطہ، میاں نے بگڑ کر کہا دیکھو میں ابتک تم سے نرمی سے پیش آرہا ہوں اب اگر تم میری بات نہ مانوگی تو مجھ سے برا کوئی نہیں، اتنا کہکر صاحب موصوف تلوار ہاتھ میں لیکر جان کا خوف دلاکر بیوی کو اپنے ہمراہ دفتر لے گئے اور پردہ میں بٹھاکر رجسٹرار کے آگے بیوی سے مہر بخشوایا۔

اسکے چند مہینے بعد بیوی اپنے میکے گئیں، میاں نے کہا کہ تم اپنا زیور وغیرہ میرے پاس رکھو سفر میں ہزار طرح کا کھٹکا ہی، غرضکہ اونچ نیچ کی باتیں بتاکر بیوی کا زیور اپنے پاس رکھ لیا،

میاں نے بیوی کے جانے کے بعد دوسرا نکاح کرلیا جب بیوی کو خبر ہوئی بہت

روئیں پیٹیں لیکن اب کیا ہونا تھا. خاموش ہوکر بیٹھ رہیں اور اس انتظار میں تھیں کہ آجکل میاں آئیں گے میں اپنے مکان جاؤں گی، اسی طرح چھ ماہ گزر گئے، اب یہ جائیں تو کس کے ہمراہ والدہ بیوہ بھائی ہند کوئی انکا نہیں۔

ایک دن یہ خبر سُنی کہ شوہر کسی مہلک عارضہ میں مبتلا ہو گئے ہیں، بیوی نے بہت زور مارا کہ میاں کے پاس جائیں لیکن مجبور رہیں، چند روز بعد سُنا کہ میاں کا انتقال ہوگیا بہت روئیں اپنا سر پیٹا کئی دن تک کسی سے نہ بولیں، صاحب موصوف کے پاس پچاس ہزار روپیہ نقد علاوہ زیورات و فرنیچر کے تھا، اس میں سے حق مہر دوسری بیوی کو دیا باقی سب اُنکے بھائی اپنے مکان کو لے گئے ایک کوڑی کی چیز ان کے ہاتھ نہ لگی، ہاتھ گلے سے ننگی اپنی بیوہ والدہ کے پاس رہگئیں، کورٹ میں دعویٰ کیا وہاں سے صاف جواب ملا کہ مہر بیوی نے اپنی خوشی سے بخشدیا ہے اب رہا زیور سو میاں بیوی کا معاملہ ہے نہیں معلوم میاں نے لیکر کیا کیا، لیا یا نہیں اُنکے بھائی نے صاف طور سے انکار کر دیا کہ میں اپنی بھائی کی جائداد سے ایک حبہ نہیں جانتا میں صرف اپنے بھائی کی عیادت کو گیا تھا نہ کہ اسباب پیسہ وغیرہ لینے کو، چلیے فیصلہ ہوگیا،

اب بھلا انصاف کرو کہ بیوی کی اس حق تلفی سے اُنہیں کیا حاصل ہوا زیور پیسہ وغیرہ نہ اُنکے ہی پاس رہا نہ بیوی کے کچھ کام آیا، مفت میں بھائی صاحب نے دبالیا، بیوی بیچاری مہر حق زوجیت سے بھی محروم رہی، ماں کا دیا ہوا روپیہ زیور بھی ہاتھ نہ لگا غرض سب چیزوں سے ناامید ہوگئیں،

صرف مثال کے طور پر دو مختصر حالات لکھے گئے اگر خصوصیت کے ساتھ ایسی ستم رسیدہ مستورات کے حالات لکھنا چاہو تو میں دعوی سے کہہ سکتی ہوں کہ اتنے حالات ملینگے کہ جسکے لیے ہر مہینے ایک خاتون جدا چاہیے۔

ہندوستان اے سیاہ بخت ہندوستان تجکو غریب عورت بدنصیب عورت کی

بد دعا لگی ہی ایشیائی مرد مستورات کے حقوق پائمال کیے دیتے ہیں مستورات کی اتنی آزادی کے بھی روادار نہیں جتنی کہ ہمارے سچے پاک مذہب نے عطا فرمائی ہی، دوسرے ملکوں دوسری قوموں میں کیسی قدر و منزلت مستورات کی ہو رہی ہے، یہ کونسے مذہب میں جائز ہے کہ مستورات پر ناحق کا ظلم کریں، ان کو اپنی پاپوش خیال کریں گویا انکے خیال میں ہم کو خدائے تعالیٰ نے دل و دماغ عطا نہیں کیا۔ اور ہمیں صرف اسلیے پیدا کیا ہی کہ مردوں کے ظلم و ستم سہتے ہیں اور زبان سے اُف نہ کریں، انکے نزدیک مستورات کا دل پتھر کا ہوا کرتا ہی جس میں کسی درد کا احساس نہیں، یہ شعر ہمارے حسب حال ہی،

ان کے نزدیک مرے دل کی حقیقت کیا ہے
ایک مٹی کا کھلونا تھا گرا ٹوٹ گیا

بعض مرد ایسے غافل اور صرف اپنے عیش و آرام کے خواہاں خودغرض، حقوق ناآشنا ہوتے ہیں کہ مظلوم مستورات کے نازک دلوں کو جو مردوں کے ظلم کے سبب غمگین ہوتے ہیں ایسا صدمہ پہنچاتے ہیں کہ وہ پاش پاش ہو جاتے ہیں، انکے سخت دل میں جسکو سنگ آہن سے بھی بڑھکر کوئی خطاب دینا چاہیے مطلق دوسرے کے درد کا احساس نہیں ہوتا، وہ دوسروں کی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے اور روز قیامت سے غافل ہوکر ناحق کا ظلم مستورات پر روا رکھتے ہیں۔

مگر اُنہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اُن کی اس غفلت اور ظلم کی سزا وہ خدا جو کبھی غافل نہیں ہوتا بُری طرح دیگا اور وہ ضرور اپنی پاداش کو پہنچینگے، مظلوم کے جلے دل کی آہ آسمانوں کو توڑ دیگی، خدا کے سوتے غصے کو جگا دیگی، دریائے غیظ کو جوش میں لائیگی، اور انہیں خوب اچھی طرح جاننا چاہیے کہ ہمارا اُن کا فیصلہ روز آخرت پہ ہی۔ اور یہی عنقریب ہے

آتا ہی وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم حساب
مردوں کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

اے مردو برائے خدا گوش حق نیوش کشادہ کرو مظلوم مستورات کی جگر خراش آہ کو سنو، سُنکر تجاہل عارفانہ سے کام نہ لو، بلکہ انصاف کرو، انصاف کرو تم میں سے اکثر منصف، مجسٹریٹ جج بھی ہیں جو لوگوں کا انصاف کرتے ہیں پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ برائے خدا انصاف کو کام فرماؤ اس طرح غافل مت بنو، چشم ہوش کھولکر دنیا کی طرف نظر کرو، مستورات نے غل مچا رکھا ہی، تمہارے ظلم وستم سے تنگ آگئی ہیں اور زبان حال سے کہتی ہیں،

در و دیوار سے آتی نہیں نالوں کی صدا
بے اثر ہوگئے کیسے ترے نالے بلبل

تعجب ہے کہ تم لوگ جانتے ہو، پہچانتے ہو، سمجھتے ہو، پھر غافل بنجاتے ہو، برائے خدا طفیل رسول اپنے ظلم سے باز آؤ، اپنے مظلوم محکوم پر رحم کرو،

مجکو بہن ع ب صاحبہ کے قابل قدر مضمون کے ایک ایک حرف سے اتفاق ہے، اور میں بھی زور شور سے اس کی تائید کرتی ہوں، ہم بیچاری مستورات سے اور تو کیا ہوسکتا ہے، صرف دعا کے لیے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اُٹھائینگے خدا ہماری دعاؤں کو قبول کرے۔

اثر فلک سے اُتر آ ذرا خدا کے لیے
کہ ہم نے ہاتھ اُٹھائے ہیں اب دعا کے لیے

حوادث کا طوفان موجزن ہی مصیبت کی رات ہر لحظہ تاریک ہوتی جاتی ہے افکار کی گھٹائیں مشکلات کے بادل گھرے چلے آتے ہیں، ہمدرد اگر ساتھ نہ دیں، غمگسار اگر یاری نہ کریں تو اسے ہر حال میں ایکساں رہنے والے اے بیکسوں کے مددگار دنیا میں اگر کوئی ہمارا نہو تو تو ہمارا ہو،

خدایا میری ہجولیوں کی کمزوری پر رحم فرما اور انکا محافظ ہو، اے غفور الرحیم تو

بیکسوں کا سہارا ہے، تو مظلوم مستورات کو اس بلائے عظیم یعنی سوکن کے جلاپے سے محفوظ رکھ، آمین ثم آمین یارب العالمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد، والسلام۔

راقمہ
ر بیگم

ہمارا مستقبل

مقام استھاواں ضلع پٹنہ میں پندرہ رمضان المبارک کو وہاں کی معزز خواتین نے مجلس مولود شریف منعقد کی تھی، اس میں مومنہ خاتون نے مندرجہ ذیل تقریر کی جو عام طور پر پسند کی گئی،

اس تقریر کے دیکھنے سے ہمکو جو خوشی ہوئی اور ایک گونہ ہمارے دل کو جو اطمینان ہوا وہ یہ ہے کہ حامیان تعلیم نسواں کی کوششیں ملک میں مقبول ہوتی جاتی ہیں، اور خاصکر ہماری مستورات ان کوششوں کو دل سے قدر کرتی ہیں، ہماری حوصلہ افزائی کے لیے اس سے بڑھکر اور کوئی بات نہیں ہوسکتی،

اڈیٹر

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اب زمانہ نے جدید کروٹ بدلی ہے اور سلف کے قابل قدر کارنامے اور آزادیاں خواب فراموش کی طرح یاد آتے جاتے ہیں اور ازمنہ وسطے کی بیجا تقلید اور جہالت روز بروز پوچ ولچر ثابت ہوتی جاتی ہے، تعلیم نسواں اب ایک ضروری امر قرار پاگئی ہے اور آیندہ نسل کی بہبودی و فلاح صرف اسی پر منحصر سمجھی گئی ہے اور یہ صرف شہروں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ بڑے سے بڑے قصبوں اور چھوٹے سے چھوٹے دیہاتوں میں بھی اسکا احساس ہونے لگا ہے، جس کی بدیہی مثال "انجمن الاصلاح" ہے۔

جو استھاپاں جیسے چھوٹے سے قصبہ میں عرصہ تین سال سے قائم ہی اور جسکے اہم ترین مقاصد میں تعلیم نسواں بھی ہے، ہم کو انجمن مذکور کا مشکور ہونا چاہیے جس نے ہماری بستی میں اس قسم کے مفید کاموں کا بیڑا اُٹھایا ہی اور اس میں ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کرلی ہے یہ کیسے مبارک ایام ہیں جبکہ ہم سب ایک جگہ جمع ہوکر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے ہیں اور کلام خدا دست بستہ سنتے ہیں، یہ کیسا مبارک زمانہ ہی کہ جب ہماری تمام بہنیں ایک جگہ جمع ہوکر اپنے پیارے نبی کے پیارے حالات اور ام المومنین حضرت بی بی عائشہ اور خدیجۃ الکبریٰ اور بی بی فاطمہ زہرا کے حالات سنتی ہیں اور پڑھتی ہیں، اور اُنکی تحمل، بردباری، قناعت اور اطاعت پر عش عش کرتی ہیں اور یہ کیسی مبارک تاریخ آئی ہے جبکہ ہم بہ آزادی تمام انجمن کی لائبریری سے اخبارات اور رسائل منگواکر دیکھتے ہیں اور گھر بیٹھے دنیا کی سیر کرتے ہیں اور خاتون "عصمت" اور تہذیب نسواں کے ذریعہ سے آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے ہیں، اے خدا تو ایسے زمانہ کو دائم قائم رکھ اور بارآور و باثمر کر، ہمارے مردوں کی نیت میں خلوص دے اور اُنکے ارادوں کو کامیاب کر،

میری پیاری بہنوں! اس کامیابی سے جسقدر ہم کو خوش ہونا چاہیے اُس سے زیادہ اُن اسباب پر غور کرنا چاہیے جس سے آیندہ ہمارے مردوں کے دل پر ہماری عزت اور وقعت قائم ہو، اور دنیا جان لے کہ عورت کیا کرسکتی ہی اور اسکو مذہبی اور خاندانی امور میں کس قدر دخل ہی اور یہ کہ ایک تعلیم یافتہ عورت کس طرح اپنی آیندہ نسل کو کامیاب بناسکتی ہی،

اس بنا پر یہ سوال قائم ہوتا ہی کہ ہمارا مستقبل کیا ہونا چاہیے اور ہمارے آیندہ طرز عمل اور دستورالعمل کا کیا معیار ہوگا کیونکہ آیندہ نسل کی کامیابی یا ناکامیابی کا دارومدار صرف ہماری ہی ذات پر ہی اور اس کی بازپرس ہم ہی لوگوں سے کیجائیگی، پس ایسے موقع پر ہم لوگوں کی غفلت اور دفع الوقتی کسی طرح مناسب نہیں ہے اور بہت جلد ایک ایسا دستورالعمل مرتب کرلینا چاہیے جو ہماری آیندہ زندگی کو کامیاب بنادے،

اگرچہ مجھ جیسی ہیچداں اور جاہلہ کے لیے چھوٹا مونھ بڑی بات ہے لیکن میں ایک دستورالعمل جسکو میں نے اپنی عقل کے مطابق تیار کیا ہی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ تمام حاضرات اس سٹرن کی بڑ کو بغور سُنیں گی اور خذ ماصفا و دع ماکدر پر عمل کر کے اسکی اچھی باتوں اور صلاحوں پر کاربند ہونے کی کوشش کرینگی۔

(۱) خدا اور رسول کی اطاعت کے بعد اپنے خاوند کی اطاعت ہمارا نصب العین ہونا چاہیے، کیونکہ ہمارے پاک مذہب کی بھی یہی تعلیم ہے اور ہماری دینی اور دنیوی فلاح و بہبودی بھی اسی پر منحصر ہے،

(۲) اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت نہایت عمدہ اسلوب پر کرنی چاہیے یہی ہمارا سب سے بڑا فرض ہی اور اسی پر ہماری آیندہ نسل کی کامیابی اور ناکامیابی موقوف ہی اور اسکے لیے ضروری یہ ہی کہ ہم خود اپنے چال چلن اور طرز معاشرت کو درست کریں اور بچوں کی تقلید کے لیے ایک عمدہ نمونہ بنیں کیونکہ بچے فطرتاً مقلد ہوتے ہیں اور اپنے آس پاس کی چیزوں کی تقلید کرتے ہیں اور اُن کی آیندہ زندگی میں یہ تقلید فطرت کا کام دینے لگتی ہی، یہی وجہ ہے کہ جس خاندان میں اخلاق و تہذیب کی بنیاد مضبوط ہوتی ہی جہاں کفایت شعاری اور انجام فرائض کی تعلیم عمدہ اور پسندیدہ اصول پر ہوتی ہے، جہاں روزمرہ کے کاموں میں دیانت داری اور ایمانداری کا برتاؤ ہوتا ہی تو وہاں کی اولاد بھی دانشمند، مہذب، اور کفایت شعار ہوتی ہی، پس اے میری پیاری بہنوں یہی وہ سب سے اہم اور دشوار فرض ہی جس میں محض ذراسی غفلت سے بڑے بڑے نقصان کا احتمال ہوتا ہے،

(۳) منجملہ اور تمام فرائض کے ہمارا سب سے بڑا فرض انتظام خانہ داری ہے، لیکن جس طرح ہم اور تمام باتوں سے بے بہرہ ہیں اُسی طرح اس سے بھی ناآشنا ہیں حالانکہ یہ تمام تر ہماری ہی ذات سے وابستہ ہی اور اس میں شک نہیں کہ آجتک ہم ہی اسکو انجام دے رہے ہیں لیکن ایسے بے ڈھنگے اور خراب طریقہ پر جس کی کوئی حد نہیں اس کی اصلاح

بھی بہت ضروری اور لابدی ہے۔

میری پیاری بہنوں! یہی وہ سب سے اہم اغراض ہیں جو ہماری ذات سے وابستہ ہیں جنکے بغیر ہماری آئندہ زندگی کبھی کامیاب .... نہوگی، میری محترم بہنوں میں بصد التجا کہتی ہوں کہ اگر تم اپنی وہی عزت، وہی عظمت، وہی وقعت پھر چاہتی ہو جو سلف میں تھی تو اسی پیش کردہ دستور العمل کو اپنا طرز عمل بناؤ سلف میں بھی یہی باتیں تھیں،

راقمہ

مومنہ - از استھایاں

ایک شریف لڑکی

ابن سجے بیگم صاحبہ کا یہ پہلا مضمون خاتون کے لیے آیا ہی جسکا درج نہ کرنا مضمون نگار کی ہمت توڑنا ہے، اسلیے درج کرتے ہیں، مگر یقین نہیں آتا کہ میاں احمد حسن جیسے مرد بھی ہوتے ہیں،

اڈیٹر

ہاے بدنصیب زہرا، جیسی تو حسن کی دیوی ہی، ایسی ہی بانصیب ہوتی، تجھے کوئی ایسا شریف خصلت خاوند ملتا، جو تیری حیا، متانت، بردباری، اور صبر کی قدر کرتا، تجھے اس طرح عزیز رکھتا جیسے بلبل کسی پھول کو، کوئی غریب الوطن اپنے مسکن کو، اے کاش جہاں قدرت نے تجھے مجمع کمال پیدا کیا تھا، وہاں، کوئی ایسا ہی جامع الاوصاف بر تیری نوشتۂ تقدیر میں لکھدیتی، افسوس، جیسے تو سب گنوں پوری تھی، ویسے ہی تیرا دولھا ہوتا،

آہ ایک دن تھا کہ تیرا سن صرف آٹھ یا نو سال کا تھا، بارہا، تیرا چلبلا پن ہی شوخی تیری ماں کو مجبور کردیتی تھی کہ وہ بے اختیار تنگ ہوکر، تیرے پیارے گلابی رخساروں پر تماچے مار بیٹھتی تھی، جسپر تو روتی صورت بنا، زمین پر لوٹنے لگتی تھی، کبھی خاک میں اپنے چاند سے مکھڑے کو

ملتی تھی، اسوقت بھی تیرا بھبوت ملا ہوا چہرہ کیسا پیارا معلوم ہوتا تھا، کبھی اپنے پیارے پیارے ہاتھوں کا دہتڑ بناکر زمین پر دے مارتی، کبھی پیر زمین سے رگڑتی، یہ حرکات تھیں، لیکن شرافت تیرے بشرہ سے ٹپکتی تھی، ماں بیٹھی بیٹھی دل میں کڑھا کرتی، آخر ماں کی مامتا، تجھے کب تک اس طرح دیکھکر رہ سکتی تھی، تجھے جھٹک کر یہ کہتی ہوئی اُٹھا لیتی، کم بخت، بے چین بچی، میں تو تیری ضد پوری کروں گی سسرال میں تیرے ناز کون اُٹھائیگا، تو اسوقت اپنی شفیق ماں کی گودی میں بیٹھی ہوئی سسکیاں لے رہی ہی، کہ نیند کے غلبے نے تجھے بے خبر سُلا دیا، اب کسکا رونا، کس کی ضد، تو اب ایک اور عالم میں ہی، تیری ماں پیار سے تیرے رخساروں کو چومتی ہے، تیرا باحیا چہرہ تیرے ماں کے پیٹ سے لگا ہوا ہے، وہ فرطِ محبت میں کہتی ہی، "بانصیب زہرہ، میری آنکھوں کی تارا زہرہ، خدا تجھے بانصیب کرے تیرا خاوند تیرا مطیع اور ناز بردار ہو، تو پھلے پھولے، میں بھر پاؤں (دوبارہ موہنھ چومکر) زہرا میری لخت جگر، اماں، تیرے اس چاند سے مکھڑے کے قربان جائے"

تو یک لخت جاگ اُٹھتی ہی، اپنی نرگسی آنکھوں کو ملتی ہوئی سیدھی کمرے میں آتی ہے جہاں تیری گڑیاں ایک طاق میں نہایت قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں، ایک کپڑا فرش پر الگ بچھاتی ہی، ایک ایک گڑیا کو نکالتی جاتی ہی، سینہ سے لگاکر رکھتی جاتی ہے، کبھی گڈے گڑیا کا بیاہ کرتی ہے، لیکن اے باحیا لڑکی کبھی تیرے دل میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ ایک دن تو بھی اسی طرح بیاہی جا ـ ـے گی، ممکن ہی کہ ہو، لیکن یہ تجھے کب علم تھا کہ تیرا ایسے نکھٹو مرد سے پالا پڑے گا۔

یا تو تو ابھی گڑیوں سے کھیل رہی تھی، یا ابھی مٹی گھول کر مصنوعی ہنڈکلیاں پکانے لگی یہ تیرا زمانہ طفلی تھا، تھوڑے دن بعد تو نے عالم شباب میں قدم رکھا، اب وہ تیری شرارت اور چلبلاپن سب دور ہوا، اسکے بجائے حیا۔ شرافت، متانت تجھ میں آگئی، تیرا وقت اب گڑیوں میں صرف نہیں ہوتا، بلکہ تو ہر وقت سینے، پرونے، اور کاڑھنے میں مصروف

رہتی ہی کچھ گھنٹے کھانا پکانے میں صرف کرتی ہی، کچھ وقت تعلیم کو دیتی ہی، ماں باپ کی عزت کا پاس ہی، مذہب کا تجھے ضرور خیال ہی، تو جانتی ہی ہاں اچھی طرح جانتی ہے کہ اب تو اس گھر میں کچھ دنوں کی مہمان ہی، یہ گھر کی چار دیواری تجھے زیادہ عرصہ تک دیکھنا نصیب نہو گی، یہانتک کہ اپنی پیاری ماں باپ کی صورت بھی بھول جائیگی، ظالم تجھے گل کی طرح گلشن سے چھڑا دینگے،

یہ تیرے گزشتہ واقعات ہیں، لیکن خدا معلوم اب تیرا ہر منٹ ہر گھنٹہ کیوں رنج والم میں گزرتا ہی، وہ رنگ نرہا، وہ روپ نہ رہا، آہ ماں کی چاہتی اور لاڈلی بیٹی، اپنی قسمت کو روتی ہی، اور کہتی ہی کہ ہائے ایک دن تھا میں کیسی بے فکر زندگی، بسر کرتی تھی، آہ، مجھے کب معلوم تھا کہ میرا جہلس منڈاوا، ایک رذیل وکمینہ خصلت سے ہوگا، جسکو نہ قوم کی عزت نہ ماں باپ کا پاس، دن ہی تو اینڈنا، رات ہی تو پڑے رہنا، مردوے کو کھانے کمانے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا، اللہ ایسے بھی مرد ہوتے ہیں، سورج نکلا گھر سے سدھارے، گئے گئے لوٹے تو شام کو، بیوی نے برا بھلا کھانا سامنے رکھدیا، صبر شکر کر کے کھالیا، دوسرے دن پھر وہی شغل، بیوی میاں کی فرماں بردار، میاں بیوی کا نازبردار، گھرداری میں لطف، کھانے پینے کا مزا، نہیں تو کچھ ہماری طرح، کام کے نہ کاج کے، سوا سیر اناج کے، اول تو مردوا گھر میں ہی پڑا رہتا ہی، کسی دن نکلے تو بس دونوں جہان سے گئے، گھر کی کچھ فکر نہیں، سمجھے ہوئے ہیں کہ کسی نہ کسی سے لیکر پکا ہی لیگی مغرب سے پہلے جو روٹی نہ پکے تو بس سو سو طعنے،

آگ لگے، دنیا ہائے دنیا، پھر بھی کہتی ہی کہ چلو سہاگ تو ہی، سر پر سرتاج تو زندہ ہے جھاڑو پھرے ایسے سہاگ، بد مٹ جاے یہ سہاگ، بھاڑ میں جائے سرتاج، جب تن کو کپڑا پیٹ کو روٹی نہیں تو ایسے سہاگ کو کیا چولھے میں جھونکیں،

مجھے معلوم ہوتا تو کنوارپنے ہی میں بول پڑتی، کم بخت ہندوستان میں کیسی

بری رسم ہے کہ جیتی جاگتی جان کو اس کی مرضی بغیر جسکو چاہا اسکے حوالہ کر دیا، وہ ناشدنی بولے، بے حیا کہلائے، چپ رہے، میری طرح سے مصیبتیں جھیلے، اب دن بھر کاٹھ کانے پر بیٹھکر پیر رگڑوں، تو آپ بھی کھاؤں اور اسکے موئے کو بھی جھلسوں، کام مندہ ہو تو بس فاقہ اماں باوا چاہے غریب تھے لیکن یہ کبھی نہوا تھا،

شبرات کا مہینہ تھا، چاند دیکھے کچھ ہی دن ہوئے تھے، ان دنوں ہماری زہرا کے پاس کام بھی بہت آتا تھا، بیچاری علی الصباح، ابھی چڑیاں چوں چوں کرتی تھیں کہ وہ اُٹھ بیٹھتی اسی کاٹھ کے گھوڑے پر پہاڑ سا دن گزار دیتی، شبرات کا تہوار سر پہ تھا، اسوجہ سے کچھ جمع کرنے کے لیے اکثر رات کو بھی بیٹھتی، تھی تو آخر پُرانے خیال کی، چاہے عید کو بچے کپڑے بدلیں یا نہ بدلیں مگر شبرات خالی نہ جائے، سال بھر میں لے دیکے مُردوں کا ایکدن وہ بھی خالی گزرے،

غرض اسنے محنت اور کوشش کر کے چار روپیے جمع کیے تھے، صبح کا وقت تھا آج زہرا نے سویرے ہی گوٹے کو بڑہایا، پہلے میٹھا بنایا، قیمہ پالک کا ساگ پکایا، روٹیاں بھی کی تہی پکا ڈالیں، بارہ بجے منتظر تھی کہ کسی سے فاتحہ دلوائے کہ میاں احمد حسن (زہرا کا خاوند) لکڑی لیے ہوئے آئے، آج رات بھر سے غائب تھے، زہرا جلتی یا دلتی رات تو بیفکرا اپنے یار دوستوں میں گزاری، صبح اُٹھے سیدھے گھر میں آئے، ادہر تو یہ ابتدا ہی سے پرلے درجہ کے نکھٹو، کام چور تھے بیوی ملی تو ایسی، جس نے گوٹے بن بنکر گھر کو چلایا، گھر میں بیکار بیٹھی رہتی، تو خود بھوکی مرتی، اسنے گزارے کی سبیل یہ نکالی، میاں اور بھی بے فکر ہو گئے، پہلے ہی دل میں سمجھ لیا تھا کہ بیوی نے شبرات منائی تو ضرور ہو گی، ہمارا حلوا کہیں گیا ہی نہیں،

زہرہ (طعن سے دل میں) آئے ہیں جمعدار خدا خیر کرے، سر پر ٹوپی ہے وضعدار خدا خیر کرے۔

احمد حسن کھوبی، حلوا کے قسم کا بنایا،

زہرہ مردہ دوزخ میں جائے، چاہے بہشت میں، تمہیں حلوے مانڈے سے کام، رات سے فکر نہ تھا، کچھ دے گئے تھے جو حلوا بن جاتا، اب کس مونھ سے پوچھتے ہو،

احمد حسن روز تو میں دے ہی جاتا ہوں،

زہرا۔ اللہ رے حوصلہ، نہیں دیتے، نہیں کماتے تو بڑی تعریف کی بات ہے غیر تمند جو ہو،

احمد حسن لڑتی کیوں ہو، آج شبرات کا دن ہے، حلوا کھلواؤ، اس پرانے قصہ کے چھیڑنے سے مطلب کیا کہ دیتا ہوں یا نہیں،

زہرہ۔ ختم نہ درود، دلواؤ، ابھی اللہ کے نام کا نہیں دیا، کسی کے ہاں حصہ بخرا نہیں بھیجا، کماؤ مرد کو دیدو، تھوڑی سی دیدوں میں خاک،

احمد حسن دیدوں میں خاک ہوتی، تو میں کونڈا کبھی کا صاف کر جاتا، اور ہاں، اچھا یہ تو سنو کہ خاوند کو جس کی تعظیم شرع میں اسقدر واجب ہے، ایسے لفظوں سے یاد کرتی ہو،

زہرا۔ ہاں، میں بھی جانتی ہوں کہ خاوند کی اطاعت فرض ہے، لیکن جو مرد ہوں، عورت کے دست نگر نہوں،

احمد حسن دنیا میں دو ہی دستور ہوتے ہیں، یا تو بیوی میاں کی دست نگر، یا میاں بیوی کا دست نگر، یہ بھی خدا کی قدرت ہی کہ اب تم ہم کو اس درجہ حقیر سمجھنے لگی ہو، کیا ہم سدا ہی سے ایسے تھے،

زہرہ۔ نہیں تو تم لکھ پتی تھے، میں سنے تو یہی دیکھا کہ اماں جان بھی ہمیشہ کاٹھ کے گھوڑے پر سوار رہتی تھیں، ابا جان کیا تھے، انھوں نے کسدن کمایا، میرے پہلے جو کچھ ما رت ٹپکتی ہو تو خبر نہیں،

احمد حسن۔ بس بس تو گلا ہی کیا، باپ پر پوت، پتا پہ گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا، ہم بھی

تو انہیں باپ کے بیٹے ہیں، لو اچھا حلوا دلواؤ،

زہرا۔ بے غیرتی تیرا آسرا، خیر مغز نہ کھاؤ، جہاں رات رہے وہیں حلوا بھی کھاؤ،

احمد حسن اے ہے اتنی باتیں بھی کہہ لیں، پھر بھی حلوے کا وار نہیں آیا، خیر صاحب تم سچی اور ہم جھوٹے (کونڈے کا طباق اُٹھا کر) دیکھوں مٹھاس بھی ٹھیک ہے یا کہ نہیں،

زہرا، آگ لگے، ابھی تو فاتحہ بھی نہیں ہوئی، اتنا صبر نہیں کہ کچھ دیر ٹھہر جائیں،

احمد حسن میں نے تو صرف چکھا ہی ہے اگر فاتحہ دلوانی تھی تو ہم سے پہلے کیوں نہ دلوالی،

زہرا۔ مجھے تو تمہیں کھلانا ہی منظور نہ تھا اور نہ اب ہے،

احمد حسن۔ فاتحہ کے بعد ملیگا۔ چاہیے بھی یہی، بچہ رو رہا ہے اسے تو دیدو،

زہرا۔ کسی کو بھی نہیں ملتا،

احمد حسن۔ اب سمجھا بچہ بھی ہمارا ہی ہے (بیوی کے جلانے کے لیے ہنسی سے بچے کو مخاطب کرکے) سُن بے ہمارے خاندان کا یہی دستور ہے کہ بیوی کمائے، اور میاں کھائے تو بھی خوب مونچھ مروڑیو اور کھائیو، ہاں ایک فرض ہے، قطع نسل نہو، باپ کی نسل قائم رکھیو،

زہرا۔ شاباش بچہ کو بھی ابھی سے تلقین کرو، بیٹا تیری ددھیال میں یہی دستور ہے کہ بچے پیدا ہوں تو پالے کم بخت بیوی ہی،

احمد حسن۔ یہی تو میں بھی تعلیم دیتا ہوں،

زہرا۔ بس بس چلو میرا مغز نہ کھاؤ،

احمد حسن کچھ کھائیں بھی، کہتے تو ہیں کہ حلوا ہی دلواؤ،

زہرا۔ یا اللہ بولے ہی جاتے ہو،

احمد حسن۔ قسم لیلو جو چکھنے کے سوا کھایا ہو،

زہرا۔ تو بس فاتحہ دے لوں، تم بچے کو بہلاؤ،

اسکے بعد زہرا اُٹھی فاتحہ دلوائی، غربا کو دیا، کچھ حصے بھیجے، بعد میں سارے گھر نے ہنسی خوشی پیٹ بھر کر کھایا، اور خدا کا شکر بجا لائے،

گو زہرہ، باحیا زہرہ، میاں کی صورت سے بیزار، اُس کی عادات سے متنفر تھی، لیکن پھر بھی اسکو خاوند کا پاس ادب تھا، کوئی یوروپین لیڈی ہوتی تو میاں کی بات بھی پوچھتی لیکن زہرا تو ہندوستان کی شریف لڑکی تھی، فلاکت و ناداری سے تنگ آکر اکثر اس بات کی تمنا کرتی تھی کہ اسکا خاوند بھی کماؤ ہو، چاہے غربت سے گزارہ ہو، لیکن محبت و خلوص سے گھر چلے، اسی وجہ سے میاں کو کبھی کبھی بُرا بھلا کہہ لیتی تھی، ورنہ اپنی محنت شاقہ سے اپنے خاوند کے اخراجات چلانا موجب فخر جانتی تھی، اُدہر بھی یہ بات تھی کہ جہاں میا احمد حسن نکھٹو تھے وہاں نرم مزاج بھی پرلے درجہ کے تھے، صرف ایک خاندانی عیب ان میں چلا آتا تھا کہ کمانا نہ جانتے تھے، لیکن زہرا اس بات کو جانتی تھی کہ نیک مرد کو نبھانا اور اُسکے ساتھ عمر گزار دینی تو ہوتی ہی آئی ہے، مگر بُرے آدمی کے ساتھ اپنے عیش و آرام کو خاک میں ملا کر گزار دینا، کارے دارد ہے،

اب بھی ہندوستان میں ایسی شریف خاتونیں بہت سی ہیں، جو مصیبت میں اپنی دیدہ ریزی سے اپنے بُرے خاوند کو نبھاتی ہیں، اور اپنے باپ بھائی کی عزت قائم رکھتی ہیں لیکن یہ نظیر سوائے ہندوستان کے اور کہیں نہیں ملے گی،

رقیمہ
ابن۔ جے بیگم از پٹیالہ

غمِ جانکاہ

بنت نذر الباقر صاحبہ کی یہ قومی ہمدردی اور قدردانی نہایت ہی قابل احترام ہے کہ وہ اڈیٹرس صاحبہ مرحومہ تہذیب نسواں کی کوئی یادگار قائم کرنے کی تحریک کرتی ہیں،

لیکن اس تحریک میں اُنھوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کس قسم کی یادگار ہونی چاہیے، اور اُس کو عام بہنوں کی رائے پر محول کر دیا ہے،

حقیقت میں مرحومہ کی خدمات اسی قابل ہیں کہ انکے لیے ضرور مسلمان خواتین کی طرف سے کوئی یادگار قائم ہونی چاہیے، اور اس یادگار کی نوعیت کو ہم خود بھی بیگمات ہی کی رائے پر چھوڑتے ہیں،

اڈیٹر

صد حیف پڑا وہ کہ جو غم اُٹھ نہیں سکتا — اس رنج کے لکھنے کو قلم اُٹھ نہیں سکتا

اُٹھنے ہیں ہمیں رنج دیے ہائے اجل نے
پر موت کا یہ ہم سے ستم اُٹھ نہیں سکتا

اے موت! یوں تو تیرا نام ہی ڈراونا ہی اور تیرا عمل ہر جاندار کے لیے سخت ہے، تیری مداخلت کی خبر خواہ کیسے ہی غیروں میں ہو افسوس سے سُنی جاتی ہے اور عزیزوں میں موت کا ہونا سخت ناقابل برداشت صدمہ ہی خواہ کیسا ہی ضعیف العمر عزیز جو اپنے دنیاوی کاموں کو انجام دیکر گوشہ نشین ہو چکا ہو اُسکو بھی تو جدا کر دے تو تھوڑے عرصہ کے لیے بیچینی ہو جاتی ہی، اور جہاں بیوقت یعنی عین عالم شباب میں تو چنگل مارے وہ تو سخت ہی مصیبت گنی جاتی ہی، پھر عزیزوں ہی کے واسطے، اور غیروں نے اگر افسوس کیا تو جوانی پر،

لیکن آہ ایسے مقام پر کیا کہا جاے اور کیا کیا جائے جہاں نہ صرف کم عمری باعث افسوس ہو بلکہ اور بہت سی باتیں سخت باعث رنج ہوں جو موت قومی مصیبت ہو، جس جگہ تیری بیدردی سے کتنے ہی ضروری کام بند ہو جائیں جس کی جدائی نہ صرف اپنے لیے بلکہ قوم کے لیے رنجدہ ہو،

آہ اب تو آئے دن اس بدقسمت قوم کو ایسے ہی ایسے غم نصیب ہو رہے ہیں جو ناقابل برداشت ہیں وہ کمی واقع ہو رہی ہے جسکا بدل ناپید ہی، ابھی اکتوبر ۱۹۰۷ء میں

نواب محسن الملک مرحوم قوم کو منجھدھار میں چھوڑ کر چل بسے تھے، وہی غم دلوں سے نہ بھولا تھا کہ موت نے پھر ایک نیا صدمہ دیکر دُکھتے ہوئے دلوں کو ہلا دیا، آج فرقہ نسواں کیلیے وہی وقت پیش نظر ہی جو اکتوبر ۱۹۰۷ء میں قوم کے لیے تھا،

آہ روز روز کہاں سے ایسے سخت دل لائیں جن میں قومی ماتموں کی طاقت ہو، انسان سے زیادہ کوئی سخت جان نہیں ہی سب سہتے آئے ہیں اور کہینگے لیکن اسوقت یہ صدمہ ناقابل برداشت معلوم ہو رہا ہے، ہائے دل میں بیان کرنے اور قلم میں لکھنے کی طاقت نہیں،

آہ کسنے تمام کام اور نیک ارادے ادہورے چھوڑے، کسنے اعلیٰ اعلیٰ خیالات و مفید نسواں تدابیر، بڑے حوصلوں کو لیے ہوئے بہ حسرت اس دنیا سے جدائی اختیار کی، ہائے یہ لکھنے کے لیے بڑا سخت دل کرنا پڑتا ہی کہ وہ ہماری قابل فخر رہنما (کیونکہ سب سے پہلے روشنی کا راستہ اُنھوں نے ہی بتایا) ہماری محسنہ (کیونکہ اخبار جاری کرکے بے انتہا احسان کیا) ہماری سچی خیر خواہ (اسلیے کہ اپنی تھوڑی سی مدت عمر میں جو کام کیا مفید نسواں کیا) ہماری ہمدرد خاتونان ہند (زنانہ محتاج خانہ کھولا انجمنیں قائم کیں) ہماری فی زمانہ بیمثل لائق خاتون (کیونکہ اسوقت مسلمان زنانہ اخبار کی دوسری ایسی لائق اڈیٹر نظر نہیں آتی) ہائے کیسے لکھوں کہ اڈیٹر صاحبہ تہذیب نسواں نے ہمیں اس نازک حالت میں کہ بیدار کرلیا تہا اور ابھی کام کے قابل نہ بنایا تھا زنانہ ترقی کی ناؤ منجھدھار میں تھی، زینہ ترقی کی اول سیڑہی پر قدم رکھا تھا کہ ہماری رہنما نے ساتھ چھوڑ دیا، آہ ۳۔ نومبر ۱۹۰۸ء کا دن وہ منحوس دن تھا کہ جس نے ایک کار آمد جان کو ہم سے الگ کیا، اسی دن ہماری قابل فخر اڈیٹر ہم سے جدا ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسوقت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ مرحومہ کم عمر تھیں اسلیے افسوس ہی یا چھوٹا بچہ چھوڑا اسکا رنج ہی، یا گھر ویران ہوگیا یہ قابل افسوس بات ہی، نہیں یہ معمولی باتیں ہیں،

آئے دن بیویاں مرتی ہیں، گھر اُجڑتے ہیں، ننھے بچے بھی بن ماں کے رہجاتے ہیں اور
پل جاتے ہیں، ہمیں جن باتوں پر دونا رنج ہو وہ اور ہی ہیں، اُن کی نظیر اسوقت مسلمان
خواتین ہند میں نظر نہیں آتی ورنہ یہ صدمہ زیادہ قابل افسوس نہوتا، اڈیٹرس صاحبہ کے
گذر جانے سے صرف جناب مخدوم مکرم بھائی سید ممتاز علی صاحب کا گھر ہی نہیں
اُجڑا، اُن کی جدائی اُنکے معصوم بچے یا عزیزوں کے لیے ہی رنجدہ نہیں، اُنکے ہونے
سے بھائی ممتاز علی کا ہی حساب خانہ داری نہیں بگڑا بلکہ اُنکے گزرجانے سے ایک گھر
ایک محتاج زنانہ سٹور کا بندوبست بگڑ گیا، اُن کی جدائی اُنکے عزیزوں کے لیے ہی
نہیں، بلکہ تمام تہذیبی بہنوں کے لیے سخت غمناک واقعہ ہی، جن جنکو یہ خبر ملیگی جنکا تہذیب سے
تعلق تھا روے بغیر نرہینگی،

آہ کیا کرتیں، خیرات فنڈ سے محتاج خانے کو کیسے اعلیٰ پیمانہ پر چلاتیں، آہ کیسے
کیسے کام ہونے کو تھے جو بند ہو گئے، اسوقت جو خیال سخت رنجدہ ہی وہ یہ ہی کہ دوسری
اس قابلیت کی بیگم مسلمان بہنوں میں نظر نہیں آتیں، ایسی لائق کارکن مسلمانوں میں سے
نکلنی مشکل ہی، نواب محسن الملک مرحوم کے بعد نواب وقار الملک ملگئے لیکن آہ اڈیٹرس صاحبہ
کے بعد کوئی نام نہیں ہی جس سے ایسی امید ہو،

اے مسلمان خواتین ہند! یہی موقع ہی اُس محبت اور خلوص دل کے اظہار کا (جسکا
بیج بذریعہ اخبار مرحومہ نے بویا تھا) وہ مرحومہ ہم تہذیبی بہنوں کو دل سے چاہتی تھیں اور
ایسا ہی ہم اُن کو چاہتے ہیں، بس اسکا نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ اپنے گھروں میں رو پیٹ کر
یا ایک دو خط منیجر صاحب تہذیب نسواں کو لکھکر بیٹھ رہیں بلکہ ہمیں اسوقت وہ کرنا چاہیے
جس سے مرحومہ کی یادگار رہے، گو اُنھوں نے بہت سے وہ کام کیے ہیں جن سے
اُنکا نام عرصہ تک رہ سکتا ہی اور خدا اُن کی اصلی نشانی و یادگار اُس بچے کو سلامت رکھے
جس کی تربیت میں دل وجان سے کوشاں تھیں جس سے دوسری بہنیں بھی فائدہ اُٹھا سکتی ہیں،

(یعنی بچے کی ابتدائی تربیتی کتابیں)، لیکن ہمارا بھی فرض ہی کہ اپنی محسن اور کار گزار بہن مرحومہ کی یادگار اعلیٰ پیمانہ پر قائم کریں، معزز بہنوں جلدی اس طرف توجہ کرکے یادگاری فنڈ کھولدو، جیسے مرحومہ کی زندگی میں اُن کی تحریک پر بلا سوچ بچار کہ مرنئے فنڈ میں چندہ دینے پر تیار ہو جاتی تہیں ایسے ہی اب بھی جہانتک ہو سکے جلدی چندہ جمع کرنے کی کوشش کرو،

اسوقت میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ یادگار کس صورت میں قائم کرنی چاہیے یہ آپ سب کی رائے پر منحصر ہے جو کثرت رائے ہوگی ویسا کیا جائیگا، اسوقت زیادہ سے زیادہ میں یہی کہتی ہوں کہ جلد فہرست چندہ کھولدینی چاہیے، اور پہلے سے زیادہ دریادلی کو کام میں لائیں کیونکہ اب اسکے سوا ہم کیا کر سکتے ہیں،

میری معزز بہنوں! اس سے بڑھکر قابل افسوس بات اور کیا ہوگی کہ ہم یادگار اڈیٹر تہذیب نسواں بھی قائم نہ کر سکیں، بس میں اپنی تمام مسلمان خواتین اور خصوصاً تہذیبی بہنوں سے پھر مکرر سہ کرر کہتی ہوں کہ اپنے اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو، معزز اڈیٹر صاحبان عصمت، و پردہ نشین، سے بھی گزارش ہی کہ وہ اپنے پہلے نمبروں میں اس تحریر کو خاتون سے نقل کریں کمال مشکور ہونگی، میری آنکھیں سخت کمزور ہیں الگ الگ نہیں لکھ سکتی،

عصمت، و پردہ نشیں یقیناً نومبر کے نمبر میں جگہ دینگے کیونکہ وہ زنانہ ہاتھوں میں جاتے ہیں امید ہی کہ میری آواز سنی جائے گی، اب میں اس دعا پر ختم کرتی ہوں کہ خدا مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے، اور پسماندگاں کو صبر کی طاقت، آمین ثم آمین،

خاکسار

بنت نذر الباقر

اُمہانی مریم

مسلمانوں کے عروج و اقبال کا بھی کیا زمانہ تھا! کہ اسکے خیال تک سے ایک عجیب مسرت پیدا ہوتی ہی، کسی قوم کی حالت کو جانچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس کی عورتوں کی حالت کا اندازہ کیا جائے، جب ہم اس معیار سے اپنی گزشتہ حالت پر نظر ڈالتے ہیں جبکہ ہماری ترقی کا آفتاب نصف النہار پر تھا تو معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانے میں ہماری عورتوں کو وہ درجہ حاصل تھا جو خداوند عالم نے اُن کے لیے مقرر فرمایا ہی، تمام دنیا کے دوسرا اقوام اور دوسرے مذاہب کے مقابلے میں مسلمانوں میں عورتوں کا وقار زیادہ تھا، عورتوں کے دماغ تعلیم کی روشنی سے منور کرائے جاتے تھے اور انہیں معمولی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا جاتا تھا، وہ اپنے جملہ فطرتی حقوق سے متمتع تھیں، اور اُس زمانے کا کوئی ایسا کام نہوتا تھا جس میں عورتوں کا بابرکت ہاتھ نہ لگتا ہو، اگر ہم اس زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو مشاہیر مردوں کے پہلو بہ پہلو مساوی تعداد میں انھیں اوصاف و خوبیوں سے متصف خواتین بھی بکثرت ملتی ہیں جنکے حالات آجکل کی بیبیوں کے لیے ازبس سبق آموز و حوصلہ افزا ثابت ہونگے،

ہم اسوقت ان کثیر التعداد خواتین میں سے جنکے واقعات زندگی تاریخ عروج اسلام کی خاص رونق ہیں ایک بہت بڑے پایہ کی عالمہ، فاضلہ اور شاعرہ خاتون کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کی نظیر مردوں میں بھی کم ملیگی،

اس مقدس بی بی کا نام امہانی مریم تھا، اور وہ فاضل اجل شیخ نورالدین ابوالحسن خلف قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالمومن ہورینی کی صاحبزادی تھیں، ۷۷۲ھ کے شعبان کے مہینے میں کتم عدم سے عالم وجود میں آئیں، انکے نانا بھی بہت

بڑے عالم اور فاضل تھے جنکا نام فخر الدین قایانی تھا، نانا ہی نے زیادہ تران کی تعلیم و تربیت کی، خداداد دماغ پایا تھا اور بچپن سے پڑھنے لکھنے کا بیحد شوق تھا، وہ ہمیشہ علمی مشاغل میں ہمہ تن مستغرق رہتی تہیں، حافظ قرآن تہیں، کئی سال کی متواتر اور مسلسل محنت اور بلیغ کوشش نے انھیں شہرت و کمال کے اعلیٰ شہ نشین پر بٹھلا دیا، علم حدیث میں یگانۂ آفاق سمجھی جانے لگیں، تکمیل تعلیم کے بعد خود درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، خوش قسمتی سے شاگرد بھی ایسے ملے جو اس یکتاے زماں خاتون کے شایانِ شان تھے اور جن میں اس یکتاے عصر کے فیض علم سے مستفید ہونے کی پوری قابلیت تھی،

چنانچہ وہ خود آسمان شہرت و ناموری پر ستارے بنکر چمکے، اور زمانے میں اُنکی عظمت اور قابلیت کے ڈنکے بجنے لگے، علامہ جلال الدین سیوطی کو اسی فاضلہ کے تلمذ کا فخر حاصل تھا، اپنی مقدس زندگی کو اس بزرگ خاتون نے عامۂ خلائق کے فائدہ رسانی کے لیے وقف کر دیا تھا اور وہ تادم زیست تشنگان علم کو اپنے دریاے فیض سے سیراب کرتی رہیں، بالآخر ۸۷۱ھ کے صفر کی آخری تاریخ کو پیام اجل اُنپہنچا اور وہ خوش خوش عازم فردوس بریں ہوئیں،

خداوند تعالیٰ نے اس مقدس و محترم خاتون کو جہاں بہت سی قابلیتیں اور قوتیں عنایت کی تھیں وہاں شاعرانہ دماغ بھی مرحمت فرمایا تھا اور وہ اس فن میں کامل دستگاہ رکھتی تھیں، بنظر اختصار صرف دو چار شعار اس موقع پر نمونتاً ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں،

وہو اہذا

فکن حامداً اللہ شاکر فضلہ — علےٰ سائر الاحوال فی السر والجھر

ہر حال میں ظاہر و باطن خدا کے تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کر اور اُس کی مہربانیوں اور عنایتوں کا شکر گزار رہ،

وکن ساجداً للہ مادمت قادراً — لعلک تحظی بالسیادۃ والفخرا

اور جہانتک ہو سکے خدائے تعالیٰ کی عبادت کیا کر تاکہ تجکو بزرگی وافتخار کا حظ حاصل ہوتا ہے

فیا ایہا الانسان لاتک جاہلاً — واعلم بان اللہ ھوالکاشف الضرا

اے انسان! تو جاہل نہ بن اور جان لے کہ خدا ہی مصیبت کو دور کرنے والا ہے

وصل علی المختار اشرف خلقہ — علیہ سلام اللہ فی اللیل والفجر

اور درود بھیج اُس نبی مختار پر جو اس کی ساری مخلوق پر فضیلت رکھتا ہے اس پر رات دن اللہ کا سلام ہو

کیا آج بھی ہماری قوم میں کوئی اس پایہ کی خاتون مل سکتی ہے؟

راقم
سید خورشید علی

از سلسلۂ سابق

رقیہ

آگرہ

جس سین سے ہم نے اپنی کہانی شروع کی تھی وہی سین ہے، وہی بیان ہے، وہی ٹوٹا سا مکان ہے، وہی تھوڑا سا اسباب ہے، وہی میز ہے وہی کتاب ہے، مکان میں رہنے والے، مصیبتیں سہنے والے بھی وہی ہیں، رقیہ اور دو بچے، حسرت ویسے ہی برس رہی ہے مایوسی گھیرے ہوئے ہے،

غرض ہر چیز اُسی حالت میں دکھائی دیتی ہے جیسی شروع کے سین میں دیکھی تھی، اگر تغیر کسی چیز میں ہے تو وہ رقیہ کے اندرونی خیالات میں، اور دلی جذبات میں ہے، اور تغیر بھی کیسا رنج وغم بے انتہا مصیبتیں ناگفتہ بہ، ساتھی کوئی ہے نہیں، ہمدرد کوئی رہا نہیں، سہارا

ہو تو کسکا مدد کرے تو کون، تسلی کیسی، کہاں کی ڈہارس، یہاں تو اگر یہ مر بھی جائے تو کوئی خبر لینے والا نہیں، بچوں کو لیکر گئی تھی اپنے خاوند کے ہاں اپنی حالت سدہارنے مگر دل پر ایک اور زخم کاری لیکر آئی، غرض بیچاری دُکھیاری اور دکھ میں پڑگئی،

اسوقت صبح کے کوئی نو بجے ہونگے، رقیہ اپنے بچوں کو لیے بیٹھی ہی، بڑے بیٹے سرفراز سے کہہ رہی ہے،

بیٹا سرفراز، اگر تمہیں اپنے ابا نے بلالیا تو تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گے،

سرفراز نے کہا کہ اماں اگر ابا نے بلالیا تو پھر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے ہم اُن سے کہینگے ورنہ زبردستی آپ کو ہم اپنے پاس رکھینگے،

ماں نے کہا اور اگر میں وہاں نہ رہی تو، پھر ہم آپ کے ساتھ چلے آئینگے،

مگر اچھی اماں یہاں اکیلے تو آپ دن بھر روتی رہتی ہیں، اور آپ روتی ہیں تو ہمیں بھی رونا آتا ہے،

رقیہ نے بچے کو گلے سے لگایا اور کہا نہیں اب سے ہم نہیں روئینگے مگر تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گے تو نہیں، سرفراز، اچھے خدا تمہاری عمر دراز کرے تم بڑے ہی اچھے بچے ہو دیکھو تم دونوں اپنی دُکھیاری ماں کے ساتھ رہنا اچھا، جب میں مرجاؤں اسوقت تم اپنے ابا کے ہاں چلے جانا، میری زندگی میں تو مجھے نہ چھوڑنا، دیکھو میں غمگین ہوں، تمہارے ابا مجھ سے خفا ہیں اب میرا کوئی ہے نہیں جسکے پاس میں جاتی، تم دونوں ہو، میری امید آرزو، میری بہار، یوں کہکر بچوں کو پیار کیا اور کہا مجھے اکیلی نہ چھوڑنا اچھا، چھوٹا ممتاز اتنے میں ایک دم سے کہہ اُٹھا " اماں ابا کے پاس ہمیں لیچلو" یہ کہنا ہی تھا کہ رقیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، کلکتہ کی تصویر سامنے پھر گئی، وہ سین وہ جگہ، وہ وقت غرض سب باتیں یاد آگئیں، پورا سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا آنسو ڈبڈبا تو آئے ہی تھے اب جھڑیاں بنکر بہنے لگے، تھوڑی دیر میں کوئی کواڑ زور زور سے ٹھوکنے لگا،

اور پکار کر یہ کہہ رہا تھا " رقیہ بیگم یہاں رہتی ہیں " اسنے سرفراز کو بھیجا، اُسنے کواڑ کھول کر جوں ہی دیکھا تھا کہ اُن ہی پیروں واپس پلٹا، گھبرائے ہوئے ماں سے چمٹ گیا اور کہنے لگا اماں اماں سپاہی ہیں سپاہی، یہ تو ہمیں پکڑینگے، رقیہ آگے بڑھی اور پوچھا کون ہے باہر سے ایک سپاہی نے اپنی کڑی آواز سے کہا " رقیہ بیگم کس کا نام ہے، اُسنے کہا کیوں کیا کام ہے میں ہوں رقیہ بیگم،

سپاہی، تو تم نے کلکتہ سے میر عنایت حسین کے دو بچے بھگائے ہیں، تم مجرم ہو بچوں کو ہمارے سپرد کردو اور تم کوتوالی چلی چلو، کوتوال صاحب نے بلایا ہے،

رقیہ (غصے میں آکر) آپ یہ کس سے بول رہے ہیں، بچے میرے ہیں، میر عنایت حسین میرے خاوند ہیں، ہم شریف عورت ہیں ہم نہ کوتوال کو جانیں نہ کوتوالی، اپنا گھر چھوڑکر کہیں آجا نہیں سکتے،

سپاہی۔ تو کیا تم نہیں چلوگی،

رقیہ بیگم۔ ہرگز نہیں،

دوسرا سپاہی پہلے سے۔ بھئی ہمیں کیا گرج دغرض، پڑی ہے کہدینگے کپتان صاحب سے وہ آپ ہی اسے ٹھیک کرلینگے

یہ کہکر دونوں سپاہی تو اُدہر چلے گئے مگر ادہر رقیہ کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی، ہاتھ پیر کانپنے لگے دل بلیوں اُچھلنے لگا، ان باتوں نے اسپر جادو کا اثر ڈالا، بس اب اسے یقین ہوگیا کہ آج سے اس کی زندگی برباد ہوگئی، بچے جو اس کی زندگی کا سہارا تھے جنپر یہ اپنی امیدوں کے قلعے باندھا کرتی تھی، جنکے ذریعے سے اس کی زندگی تھی، اُن بچوں کے پیچھے اب پولیس والے پڑے ہیں، خدا ہی خیر کرے،

اب بیچاری کے امن کی کوئی امید نہیں ہوسکتی، بچوں کو اپنے سینے سے چمٹائے گلے سے لگائے ہوئے دل ہی دل میں سوچتی تھی کہ اب کیا کیا جاے کہاں نکل جاؤں،

کہیں بھاگ جاؤں، اپنی جان بچاؤں، یا اپنے بچوں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑاؤں، مگر جاؤں تو کہاں، اب یہ کم بخت میرے بچوں کو نہ چھوڑینگے، مجھ سے چھین لینگے، بچوں کو لیکر کہیں نکلجاؤں، نہیں نہیں ہرگز نہیں، اپنے خاوند کی عزت کو بٹّہ نہ لگاؤں گی، اپنے خاندان کے نام پر دھبّہ نہ آنے دونگی، میں شریف زادی ہوں اور شرافت کو ہرگز نہ چھوڑوں گی، ہمت سے کام لوں گی، استقلال اور صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دونگی، آنے دو کوتوال صاحب کو آخر وہ بھی تو کوئی شریف ہی آدمی ہونگے، سارا قصہ کہہ سناؤنگی اُنہیں سمجھاؤں گی اور وہ مان لینگے، سب ٹھیک ہو جائیگا،

غرض بیچاری بھولی بھالی رقیہ انہیں من گھڑی باتوں سے دل کو تسلی دے رہی تھی اور خیالی پلاؤ پکا رہی تھی، اسے کیا معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے، یہ ان ہی خیالات میں غرق تھی کہ تھوڑی دیر میں کوتوال صاحب بھی آگئے اور رقیہ بیگم کے نام کے نعرے بلند کرنے لگے،

رقیہ بیگم نے برقع اوڑہ لیا اور اُنہیں اندر بلا کر کرسی دی اور نہایت ادب سے التجا کی، "حضور ہی اسوقت مجھ بے بس وبیکس کے مددگار ہیں، جناب ہی مجھ مصیبت زدہ کے ہمدرد ہیں، میں آپ سے صرف اتنی التجا کی خواستگار ہوں کہ حضور پہلے میری عرض گوشگزار کریں، میرے غم کی داستان سُن لیں اور پھر میرا فیصلہ کریں،

اسوقت رقیہ کچھ ایسی گھبرائی ہوئی اور سہمی ہوئی تھی کہ اسکے موںھ سے آواز تک تو ٹھیک نکل نہ سکتی تھی، نہ جانے اس بیچاری نے اس کوتوال کو کیا سمجھ رکھا ہے گویا دنیا بھر کا مالک یہی ہے، لوگوں کی قسمت کا فیصلہ اسی کے سپرد ہوا ہے، غرض جوں توں لڑکھڑاتی زبان سے، بھرّائی ہوئی آواز سے، خوشامدانہ الفاظ سے اسنے سارا قصہ کہہ سُنایا اور کوتوال کم بخت نے نہایت اطمینان سے سنا، سنتے سنتے کبھی ہنس دیتا، کبھی خوش ہوتا، کبھی مونچھیں چڑہاتا، کبھی موںھ بناتا، ایک بیچاری رقیہ ہے

کہ خوشامد کر رہی ہے، عاجزی کر رہی ہے، گڑگڑا رہی ہے، ایک یہ ہیں کہ اینٹھ رہے ہیں، تن رہے ہیں، بن رہے ہیں، آخرش اُنھوں نے اپنا فیصلہ سُنا ہی تو دیا،

دیکھیے میں نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے لہذا مناسب یہی ہے کہ آپ بچے فوراً ہمارے سپرد کر دیجیے، ہم انھیں انکے باپ کے پاس جو انکے مالک و مختار ہیں پہنچا دیں گے، ہمارے پاس انکا تار آیا ہے اور ہمیں انکا اور اپنے افسر کا حکم ماننا فرض ہے، بس اب زیادہ وقت ہم نہیں کھو سکتے بچے دیدیجیے اور آیندہ کیلیے خیال رکھیے،

یہ ظالمانہ فقرے سنتے ہی رقیہ کا رنگ فق ہو گیا ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، حواس بجا نہ رہے، چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں بدن تھر تھر کانپنے لگا، کلیجہ کسمسانے لگا دل دھڑک کرنے لگا، تھوڑی دیر تک بے ہوش و حواس سہمی ہوئی کھڑی رہی پھر زور سے ایک چیخ ماری اور رو رو کر کہنے لگی، کوتوال صاحب میرے حال پر رحم کیجیے، کوتوال صاحب لاکھ انسان ہوں، ہزار شریف ہوں مگر تھے تو پولیس ہی کے رحم وہ کیا جانیں، ترس انھیں کیا معلوم، ہمدردی کا کبھی نام بھی نہ سُنا ہوگا، رقیہ کے دل دہلانے والے فقرے نے اُن پر کچھ اثر نہ کیا، سنگدل آسمان تک کو ہلا دینے والی آہیں انکے سخت دل کو نہ پگھلا سکیں، اُس کی بے بسی اور بیکسی، اُس کی پریشانی اور جانفشانی اُس کی آفت، اُس کی مصیبت، غرض کسی چیز نے اس ظالم انسان کو انسان نہ بنایا، اور اسکو رقیہ کے حال پر ترس نہ آیا پر نہ آیا، رقیہ کی التجاؤں کو، اُس کی دردناک صداؤں کو عبرت انگیز نالوں کو، حسرت انگیز آہوں کو، غم کی داستان کو، اُس کی آہ و فغاں کو، غرض ہر ایک چیز کو ہنس ہنس کر سُنتا رہا، اور کوئی ہوتا تو رقیہ کی حالت پر مصیبت و آفت پر رو دیتا، اپنی جان کھو دیتا، تڑپتا لوٹتا، آپ مصیبت میں گرتا، مگر رقیہ کی حفاظت کرتا، مگر ایک کوتوال تھا کہ اُسکے کانوں پر جوں نہ رینگی، بے پروا، بے فکر، بے رحم،

بیدرد اپنے جھوٹے سپاہیانہ جوش میں اکڑا جاتا تھا، اٹنگ بٹنگ جو مونھ میں آتا بکنے لگتا نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ چیخ کر کہنے لگا، بس اب ہم زیادہ ٹھہر نہیں سکتے، بچوں کو دیدو ورنہ زبردستی ہم چھین لینگے،

غریب رقیہ، ستم رسیدہ رقیہ، رنج و غم سے بھری رقیہ، دُکھیاری آفت کی ماری رقیہ یہ سنتے ہی کلیجہ مسوس کر رہگئی، دل بیٹھ گیا، دھڑ سے زمین پر گر گئی، ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگی، روتے روتے ہچکیاں بندھ گیئں اور بیہوش ہوگئی کوتوال اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کرسی سے اُٹھا، ایک غضب آلود نگاہ سے رقیہ کو دیکھا اور اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اُٹھاؤ بچوں کو، یہ سنتے ہی ننھے ننھے بچے کانپ اُٹھے، ڈر کے مارے اپنی بیہوش ماں سے لپٹ کر چمٹ گئے، وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ ماں انھیں ان ظالموں کے پنجوں سے چھڑائیگی، انہیں گرفتار ہونے نہ دیگی، مگر بیچاری رقیہ اپنے ہی ہوش میں نہ تھی وہ کیا کر سکتی،

کوتوال صاحب کا حکم سُنتے ہی سپاہی دوڑے اور ان روتے ہوئے بلکتے ہوئے، اپنی ماں سے چمٹے ہوئے بچوں کو کھینچ کر چھڑایا اور لیچلے، اب ایک طرف بچے ہیں کہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں، لوٹ رہے ہیں مچل رہے ہیں رو رہے ہیں، چیخ رہے ہیں، پکار رہے ہیں کہ" اماں اماں دیکھو یہ ہمیں لے جا رہے ہیں، اماں ہم مر گئے، اچھی اُٹھو، اچھی اماں دیکھو، دیکھو" اور ایک طرف بیچاری ماں بیہوش و حواس پڑی ہے، ان کی چیخوں سے اسپر کوئی اثر نہیں، اپنے پیارے بچوں کی آواز تک اسکے کانوں میں نہ پہنچی، اپنے پیاروں کو، آنکھوں کے تاروں کو ایک دم بھر کے لیے دیکھتی بھی نہیں،

آہ وہ بچے جنکے لیے اسنے ایسے ایسے رنج و صدمے اُٹھائے، جنکے لیے اُسنے آگرہ سے کلکتہ تک چکر لگائے، جنکے لیے اُسنے کیا دن کیا رات، کیا جاڑا کیا برسات سب ایک کیا، جنکے لیے اُسنے سخت سے سخت تکلیفیں اُٹھائیں اور انکا بال تک بیکا

نہو نے دیا، وہی بچے آج ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں، وہ بچے پولیس کے حوالے ہو رہے ہیں، جنکو دم بھر کے لیے وہ الگ کرنے والی نہ تھی، آج وہ زبردستی چھینے جا رہے ہیں، اور یہ بے خبر پڑی ہوئی ہے، بچے بلک رہے ہیں اور یہ کروٹ تک نہیں بدلتی، بچے تڑپ رہے ہیں اور یہ آنکھیں تک نہیں کھولتی، اے بے پروا ماں ذرا اُٹھکر دیکھہ تو لے کہ اسوقت تیرے بچوں کی کیا حالت ہو رہی ہے، مگر نہیں اپنے بچوں کی ایسی حالت دیکھکر بھلا اس سے زندہ بھی رہا جا سکتا ہی؟

بیہوشی تو نے اسکے حال پر رحم کیا، ہاں غشی تجھے اسپر ترس آیا، چند لمحوں کے لیے تو نے اسکا غم بُھلایا، اسکا دل بہلایا، خدانخواستہ اگر تو نہوتی تو یہ بیچاری اس ظلم و ستم سے اپنی جان کھوتی، اچھا ہی ہوا جو یہ بیہوش رہی مگر نہیں لاکھ اچھا ہوا مگر تھی تو یہ ماں ہی، کاشکے اپنے ننھے بچوں کو ایک نظر دیکھ لیتی، اُن سے کچھہ کہتی، اُن کی کچھہ سُنتی، آخری وقت پیار کرتی، اپنے سینے سے چمٹاتی، کلیجہ سے لگاتی، دھڑکتے ہوئے دل کو ڈھارس دیتی، اپنی محبت کا آخری اظہار، یعنی ایک پیار، حسرت بھری ایک نگاہ، مایوسی بھری ایک آہ، اُف یہ بھی نصیب نہوا،

تھوڑی دیر میں رقیہ کو ہوش آیا، اُٹھ بیٹھی، چاروں طرف دیکھا، مُڑ مُڑ کر دیکھا، جُھک جُھک کر دیکھا، حسرت سے دیکھا، گھبراہٹ سے دیکھا، پھر سرفراز اور ممتاز کو چیخ چیخ کر پکارنے لگی، جب جواب نہ پایا تو بدحواس ہوگئی، چیخنے لگی، پاگل کی طرح بکنے لگی، "وہ گئے لیگئے، چھین لے گئے، مجھ سے چُھڑا لے گئے، میرے پیاروں کو میرے دلاروں کو، مجھسے چھین لیا، مجھسے الگ کر لیا، لے گئے، پکڑ لے گئے، یہ کہتی جاتی تھی اور کمرے کے اِرد گِرد پھرا کرتی تھی، اسوقت کی گفتگو سے، بچوں کی جستجو سے اس کی عجیب و غریب چال سے اور پریشان حال سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس کی دماغی حالت بالکل بگڑ گئی تھی، خدانخواستہ پاگل پن کی کچھہ علامتیں معلوم ہوتی ہیں،

دو قدم چلکر بیٹھ جاتی، بیٹھے بیٹھے کلیجہ مسوسنے لگتی، کبھی زمین پر لوٹتی تو کبھی دیواروں سے سر دے مارتی، کبھی بال نوچتی تو کبھی کپڑے پھاڑتی، کبھی کھڑی ہوکر کسی چیز کو ٹکٹکی باندھے دیکھا ہی کرتی تو کبھی کمرے میں دوڑنے لگتی اور کہتی "بیٹا ممتاز، سرفراز کہاں ہو، کس کے پاس ہو، بھوکے ہوگے، کوتوالی میں ہوگے، سپاہیوں کے پہروں میں ہوگے، قید میں ہوگے، نہیں نہیں مجھ سے اچھے ہوگے، کلکتہ میں ہوگے، میر صاحب کی گود میں ہوگے، خوش ہوگے" ہیں ہیں کوتوال صاحب انھیں نہ لیجاؤ، یہ میرے بچے ہیں، میرے رنج و غم کے ساتھی ہیں، میرے ہمدرد ہیں، میرے پیارے ہیں، نہیں نہیں آؤ بیٹا سرفراز آؤ، میرے پاس آؤ، تم مجھ سے الگ نہیں رہوگے، میری امید و، میری آرزو و، غرض ایسی بہکی بہکی باتیں کرتی اور کمرے میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر چکر لگاتی تھی، باقی آئندہ،

راقم
خدنگ

بسلسلۂ سابق

بقیہ شاہ لیر

اور دیوانوں میں جاکر ملجائے، جناب من مہربانی سے مجھے ایک اُستاد رکھدیجیے جو مجھے جھوٹھ بولنے کی تعلیم دیا کرے، اب زمانہ ایسا ہی آگیا ہے میں بھی جھوٹ بولنا سیکھوں گا،

لیر- دیوانہ جو جھوٹ بولوگے تو تم خوب ہنٹروں سے پٹوگے،

دیوانہ- خدا کی پناہ، آپ اور آپ کی لڑکیاں ایک دوسری کی کیسی رشتہ دار ہیں اگر میں سچ بولتا ہوں تو آپ کی لڑکیاں ہنٹروں سے پٹواتی ہیں اور اگر جھوٹ بولتا ہوں

توآپ پٹواتے ہیں اور بعض وقت خاموش بیٹھنے پر بھی میری دہن کُٹی ہوتی ہی، ہائے افسوس، میں دنیا کی کوئی اور چیز ہوتا لیکن دیوانہ نہوتا، ہاں اور سب چیزیں ہوتا لیکن شاہ لیر بھی نہوتا، بچچاجان تم نے اپنی عقل کے دو ٹکڑے کرکے بانٹ دیئے اور اپنے لیے خاک بھی نہ رکھا، وہ دیکھیے سامنے سے اُن دو میں سے ایک ٹکڑہ آرہا ہے،

گانرل داخل ہوتی ہے،

لیر۔ کیوں بیٹی کیا بات ہی، یہ آپ کی ابرو پر بل کیسا ہے، میرے خیال میں کچھ دنوں سے آپ بہت کچھ چیں بجبیں رہنے لگی ہیں،

دیوانہ۔ آپ کیا ہی اچھے آدمی تھے جبکہ آپ کو اسکے چیں بجبیں ہونے کی کچھ پروا نہ تھی، اب آپ ایک صفر رہگئے جسکے ساتھ کوئی ہندسہ نہیں ہی (صفر کے پہلے جب ہندسہ لگایا جاتاہے تو وہ ہندسہ کی قیمت دہ چند بڑہا دیتا ہے، مثلاً جب ایک پر بڑہایا جاتا ہی تو دس ہوجاتے ہیں، دو پر بڑہانے سے بیس علیٰ ہذالقیاس، لیکن بلا ہندسہ کے صفر کی کچھ بھی قیمت نہیں ہوتی وہ محض عدم کی برابر ہوتا ہی) میں اسوقت آپ سے بہتر ہوں کیونکہ میں دیوانہ ہوں اور آپ کچھ بھی نہیں، گانرل کی طرف دیکھکر، ہاں ٹھیک ہے مجھے اب خاموشی اختیار کرنی چاہیے، گو آپ اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتے ہیں لیکن آپ کی غصہ سے بھری ہوئی آنکھیں مجھے منع کر رہی ہیں کہ میں کچھ نہ کہوں،

چُپ چُپ

جو شخص اپنے لیے کچھ بھی نہیں رکھتا اُسکو جب دنیا ستائیگی تو وہ ضرورت محسوس کریگا، لیر کی طرف اشارہ کرکے (یہی ہیں یہی ہیں جو محتاج ہیں)

گانرل جناب من، صرف آپ کا یہی خود مختار دیوانہ نہیں ہی جو ہر گھنٹہ شور وغل مچاتا ہو اور جھگڑے فساد برپا کرتا ہو بلکہ آپ کے اور بھی گستاخ ساتھی ہر آن کوئی نہ کوئی جھگڑا پیدا کرتے ہیں، اور ناقابل برداشت بلوہ کرتے ہیں، صاحب میں نے یہ چاہا تھا کہ آپ کو

ان کی حالت سے پورے طور سے آگاہ کروں تاکہ آپ کو اس جھگڑے کی اطلاع ہوسکے لیکن اب مجکو آپ کی ان باتوں سے اور عمل سے جو کچھ عرصہ سے ظاہر ہوئی ہیں یہ اندیشہ ہوگیا ہی کہ آپ خود ان تمام جھگڑوں اور فسادات کے سرپرست ہیں اور اپنی اجازت سے اپنے ساتھیوں کو فساد برپا کرنے پر آمادہ کرتے ہیں اور اگر آپ یہی طریقہ جاری رکھیں گے تو یہ قصور بلا بازپرس کے یوں ہی نظرانداز نہ کیا جائیگا، اور نہ اس کے پاداش میں کوئی فروگزاشت کیجائیگی، اور گو ملکی انتظام اور انصاف کے خیال سے آپ کے ساتھ وہی سلوک کرنا پڑے جو مجرموں کے ساتھ کرنا ضروری ہوتا ہی اور جو سلوک کسی دوسری حالت میں ہمارے لیے باعث شرمندگی ہوتا لیکن موجودہ حالت کے لحاظ سے آپ سے ایسا سلوک کرنا عین تقاضاے دوراندیشی ہوگی،

دیوانہ - کیوں چچا صاحب آپ جانتے ہیں، ابابیل نے کوئل کو اتنے دن تک چونگا لا لاکر کھلایا کہ کوئل کے بچوں نے اسکا ٹھونگیں مار مار کر بھیجا نکال کر کھالیا، وہ دیکھو شمع بجھ گئی اور ہم اندھیرے میں رہگئے (بڑبڑاتا ہے)

لیر - گارنر سے، کیا آپ ہماری لڑکی ہیں؟

گانرل، سنیے صاحب میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ اپنی عقل سے کام لیجیے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ بڑے عقلمند ہیں اور مہربانی سے اس اپنی طبیعت کو جسنے آپ کی اصلی طبیعت کو بالکل بدلدیا ہی، چھوڑ دیجیے اور اپنی اصلی حالت پر آجائیے،

دیوانہ (بڑبڑاتا ہے) کیا جب گھوڑا گاڑی کھینچتا ہی گدہے کو نہیں معلوم ہوتا کہ گاڑی کھنچ رہی ہی، اوہو، آہا، مجھے تم سے محبت ہے،

لیر - کیا کوئی شخص یہاں موجود ہے جو کہہ سکے کہ میں کون ہوں، میں لیر تو نہیں ہوں، کیا لیر اس طریقہ سے چلتا ہی؟ کیا اس طریقہ سے بولتا ہی؟ اُس کی آنکھیں کیا ہوئیں؟ یا اُسکے خیالات کمزور ہوگئے ہیں یا اُس کی سمجھ بوجھ سوگئی ہے، ہا، یہ تو ٹھیک نہیں ہے،

کون شخص ہی جو مجکو بتائے کہ میں کون ہوں،

دیوانہ۔ تم لیر کے سایہ ہو،

لیر۔ میں اسکے سمجھنے کی بھی کوشش کرونگا، کیونکہ اپنے شاہی نشانات گزشتہ علم اور فراست مجکو دہوکا دے رہے ہیں کہ میرے بھی لڑکیاں تھیں،

دیوانہ۔ ہاں وہی لڑکیاں جو آپ کو فرمانبردار باپ بنائینگی،

لیر۔ گانرل کی طرف مخاطب ہوکر، معزز خاتون آپ کا نام کیا ہی،

گانرل، صاحب آپ کی یہ باتیں اُسی قسم کی ہیں جیسے کہ اور دوسرے نئے نئے شعبدے ہیں، میں صرف آپ سے یہ چاہتی ہوں کہ آپ میرا مطلب اچھی طرح سمجھیے اور جیسے کہ آپ بڈہے اور قابل عزت ہیں ویسے ہی آپ کو عقلمند بھی ہونا چاہیے، آپ یہاں پر اپنے ساتھ ایسے ساتھیوں کو رکھتے ہیں جو بہت ہی جھگڑالو بدمعاش اور دلیر ہیں اور یھ ہمارا دربار اُن کی بے عنوانیوں اور روز کی شرارتوں کی وجہ سے ایک پُر فساد سرا ے معلوم ہوتی ہے، بے اعتدالی اور بدمعاشی نے اس ہمارے مبارک محل کو بجائے محل کے شراب خانہ بنادیا ہی، ہم یہ دیکھ دیکھکر مارے شرم کے ڈوبے جاتے ہیں اور مجبور ہیں کہ اسکا فوراً علاج کریں، اب مہربانی سے میرا کہنا مانیے اور اگر آپ نہیں مانینگے تو جس چیز کی میں درخواست کرتی ہوں وہ اپنی خواہش سے کرونگی، اور وہ یہ ہی کہ اپنے آدمیوں میں کچھہ کمی کیجیے اور باقی جو رہجائیں وہ ایسے ہوں کہ آپ کی عمر اور حالت کے مناسب ہوں اور جو اپنے کو اور آپ کو اچھی طرح سے پہچانیں،

لیر۔ او باہر کی تاریکی اور تاریکی کی شیطانو اب تمہارا ہی آسرا ہی، (اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے) چلو میرے گھوڑوں پر زین ڈالو، میرے سب آدمیوں کو جمع کرو، (گانرل کو) او کمبخت بدذات میں اب تجھے تکلیف نہیں دونگا، ابھی میری ایک بیٹی موجود ہی میں اسکے پاس جاؤنگا،

گانرل۔ آپ میرے آدمیوں کو مارتے ہیں اور آپ کے بدمعاش آدمی میرے آدمیوں سے جو کہ اُن سے بدرجہا بہتر ہیں خدمت لیتے ہیں،

البینی داخل ہوتا ہے،

لیر۔ حیف ہی اُس شخص پر جو موقع ہاتھ سے دینے کے بعد پچھتاتا ہی، اوہ کیوں صاحب آپ تشریف لائے ، کیوں صاحب یہ آپ کی خواہش ہی کہ مجھ سے ایسی بدسلوکی کیجائے، کچھ تو فرمایئے صاحب (ملازمین کو) میرے گھوڑے تیار کرو (آپ ہی آپ) او ناشکر گزاری تو ایک شیطان ہی جسکا پتھر کا دل ہی جب تو کسیکی اپنی اولاد کی طرف سے ظاہر ہوتی ہی تو سمندر کے خوفناک دیو سے بھی زیادہ ڈراونی اور وحشتناک معلوم ہوتی ہے،

البینی۔ حضور میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ ذرا صبر تو کیجیے،

لیر (گارنرل کی طرف مخاطب ہو کر) او مکروہ چیل تو نے سخت جھوٹ بولا، میرے ہمراہی نہایت چیدہ اور بے مثال لوگ ہیں، وہ اپنے فرائض منصبی کی سب باتوں کو بخوبی جانتے ہیں اور اُن کو اپنی نیکنامی کا بہت بڑا خیال رہتا ہی (آپ ہی آپ)، ہاے افسوس کارڈیلیا کا نہایت خفیف سا جرم مجھے کس درجہ ناگوار گزرا تھا کہ اُسنے مثل ایک انجن کے میرے جسم اور دل و دماغ کو اپنی اپنی جگہہ سے ہلا دیا اور میرے دل سے تمام محبت جو کارڈیلیا سے تھی خارج کر کے اُس کی طرف سے نفرت بھر دی، اوہ لیر، لیر، لیر، اب اپنا سر پیٹو کہ جس میں سے تمہاری عمدہ سمجھ خارج ہو گئی تھی اور اُس کی جگہ حماقت بھر گئی تھی، (اپنا سر پیٹتا ہی)، اپنے آدمیوں کی طرف مخاطب ہو کر، چلو، چلو اب یہاں سے چلدو،

البینی، حضور میں اس معاملہ میں بالکل بے قصور ہوں، اور مجھے اس بات کا بالکل علم نہیں ہے کہ کس صدمے نے حضور پر یہ حالت طاری کر دی،

لیر۔ ہاں صاحب ممکن ہی ایسا ہی ہو (آپ ہی آپ) اے خدا کے قانون قدرت

میری التجا سُن، اے قانون قدرت کی پیاری دیوی ذرا کان دھر کے سُن، میری تجھ سے یہ خواہش ہی کہ اگر تیرا یہ ارادہ ہو کہ تو اس جانور کو (گارنرکی نسبت) اولاد دے تو مہربانی سے اپنے ارادے کو فسخ کردے اور اس بدبخت کو بانجھ بنادے، اور اُسکے جسم سے اولاد پیدا کرنے کی قوت بالکل زائل کردے تاکہ اُسکے مکروہ وجود سے کبھی کوئی اولاد پیدا نہو جسکو دیکھکر وہ خوش ہوسکے، اور اگر بالفرض اُسکے کوئی بچہ پیدا بھی ہو تو وہ ایسا ناکارہ اور مجسم غصہ ہی غصہ ہو تاکہ وہ جبتک زندہ رہے اُسوقت تک اپنی ماں کے لیے ایک سوہان روح ہو، اور اُس کی وجہ سے اُس کے جوان العمری کے چہرے پر جھرّیاں پڑجائیں اور اُسکو اتنی تکلیف ہو اور اتنے آنسو بہانے پڑیں کہ اُسکے گالوں پر نشان پڑجائیں، اور خدا کرے کہ وہ اپنی ماں کی کُل تکالیف اور مہربانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے اور اُس پر ہنسی اُڑائے، تاکہ اسکو محسوس ہو کہ اولاد کی ناشکرگزاری سانپ کے تیز دانتوں سے بھی بڑھکر زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہی، (اپنے آدمیوں کی طرف مخاطب ہوکر) چلو چلو اب یہاں سے چلدو،

مع اپنے ہمراہیوں کے باہر چلا جاتا ہی،

ایلبنی۔ اے خدا یہ کیا ماجرا ہی، اور یہ سب جھگڑا اور فساد کیسے پیدا ہوا،

گارنر۔ آپ اسکا کچھہ رنج نہ کیجیے اور نہ اسکا سبب دریافت کرنے کی آپ کو ضرورت ہی، اس بڈھے سترے بہترے کو جو کچھہ اس کی طبیعت میں آئے کرنے دو،

باقی آئندہ

اڈیٹوریل

معائنہ زنانہ مدرسہ

ہم ذیل میں زنانہ مدرسہ علی گڑہ کے معائنہ کی ایک رپورٹ ناظرین و ناظرات کی آگاہی کے لیے

درج کرتے ہیں، ہماری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہو کہ ہماری قوم کے تعلیم یافتہ حضرات خواہ وہ مرد ہوں یا بیبیاں، جب کبھی اُن کو موقع ملے۔ اس مدرسہ کا معائنہ کرکے اپنا اطمینان فرمائیں کہ یہ مدرسہ کیا کر رہا ہے، ہم مولوی محمد حسین صاحب بی اے اسسٹنٹ جج علی گڑھ کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ اُنھوں نے باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے تکلیف گوارا فرماکر مدرسہ کا معائنہ فرمایا اور رپورٹ تحریر فرمائی،

اڈیٹر

تاریخ ۲۶ نومبر ۱۹۰۸ء کو زنانہ مدرسہ علی گڑھ کا معائنہ کیا، دالانوں میں فرش قرینہ سے بچھا ہوا تھا، صفائی بھی تھی، بڑی لڑکیاں پردے میں تھیں، بہت چھوٹی چھوٹی عمر کی لڑکیاں البتہ پردے کے باہر سلیقہ سے بیٹھی ہوئی تھیں، میرے جانے پر سب چھوٹی لڑکیاں سروقد کھڑی ہوگئیں اور نہایت ادب سے تعظیم بجا لائیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ استانیوں نے بچیوں کو ادب و سلیقہ سکھانیکی طرف کافی توجہ کی ہے۔

رجسٹر حاضری کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ جولائی میں ۳۵ لڑکیاں درجہ اوّل میں تھیں اور اگست ۱۹۰۸ء میں بھی وہی ۳۵ کی تعداد درج ہے حالانکہ خانہ کیفیت کے اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نئی لڑکیاں بھرتی ہوئی ہیں، مگر ماہ جولائی یا اگست کے خانہ کیفیت میں کسی لڑکی کے نام خارج ہونے کا اندراج نہیں ہے، ایسی ہی فروگذاشت ماہ نومبر کے اندراج میں بھی ہے، جس طرح نئی لڑکیوں کے داخل ہونے کا اندراج خانہ کیفیت میں ہے ویسے ہی خارج شدہ لڑکیوں کا اندراج بھی خانہ کیفیت میں ہونا چاہیے

درجہ سوم میں سات لڑکیاں درج رجسٹر ہیں منجملہ اُنکے پانچ حاضر تھیں، یہ سب لڑکیاں اُردو بہت اچھی طرح پڑھتی ہیں اور جو پڑھا ہے اسکا مطلب بھی سمجھا ہے، فارسی کی ابھی پہلی کتاب پڑھتی ہیں، جملوں کے معنی یاد ہیں اور نیز الفاظ کے جن سے جملہ مرکب ہے، یہ نہیں کہ طوطے کی طرح صرف جملے کے معنی رٹا دیے گئے ہوں اور لفظوں کے معنی نہ جانتی ہوں،

جغرافیہ میں تعریفات پڑہائی گئی ہے جو اُنکو یاد ہے، املا لکھا کر دیکھا گیا کوئی غلطی نہیں نکلی، حروف بہی صاف ہوتے ہیں، حساب میں جمع و تفریق وضرب کے ایک ایک سوال دیے گئے، اکثروں کے جواب صحیح نکلے، دو ایک لڑکیوں کی کچھ غلطی نکلی، لیکن یہ غلطی عمل کی تھی قاعدہ اُن کو معلوم ہے،

درجہ دوم کی لڑکیوں کی بہی اُردو اچھی ہے، لکھنا بہی اچھا ہے،

درجہ اول فریق دوم کی اکثر لڑکیوں کو پڑہی ہوئی کتاب یاد ہے، صرف دو لڑکیاں اختری و آفتاب کو یاد نہیں ہے، ان پر زیادہ توجہ کرنی چاہیے، نظر بانو وسعیدہ اس درجہ میں بہت اچھی ہیں، حساب میں صرف ہندسہ لکھنا سیکھتی ہیں اور مفرد حروف لکھائے جاتے ہیں، کمی وقت کے باعث درجہ اول فریق اول کا امتحان مینٔ نے سکا جسکا مجھے افسوس ہی،

میری راے میں اب وقت آگیا ہے کہ درجہ سوم کی لڑکیوں کو ہفتہ میں کم سے کم دو گھنٹے دینیات کی کوئی کتاب پڑہانی چاہیے، یہی ایک وہ مضمون ہی جس میں مسلمانوں کی عام خواہش کے مطابق اُن کی لڑکیوں کی تعلیم عمدہ اور پختہ ہونی چاہیے،

محمد حسین
اسسٹنٹ سشن جج علی گڑھ

ترکی خواتین

ہندوستان کی موجودہ بیگمات کے حالات پر نظر ڈالتے ہوئے یہ مشکل سے گمان کیا جا سکتا ہے کہ عورتیں بہی بڑے بڑے ملکی کاموں کے انجام دینے کی قابلیت رکھتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے لیے فطرت نے اپنی فیاضی محدود نہیں کر دی ہی، جس طرح مردوں کو قواے دماغی وعقلی عطا ہوئے ہیں، اسی طرح عورتوں کو بہی

عطا ہوئے ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ مردوں نے تعلیم کے ذریعہ سے ان قویٰ سے کام لینا سیکھا اور عورتوں میں تعلیم کی کمی سے وہ قوتیں کمزور پڑ گئیں، جہاں تعلیم دن رات بڑھتی جاتی ہے اور عورتیں روشنخیال ہوتی جاتی ہیں وہاں عورتوں کے کارنامے بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہوتے،

مسلمان عورتوں میں اسوقت ترکی خواتین سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور روشنخیال ہیں اُنہوں نے علمی اور تمدنی امور سے گزر کر بہت بڑی ملکی خدمت بھی انجام دی ہے اور انجام دے رہی ہیں، ملک امریکا برازل کا ایک عربی اخبار "الافکار" لکھتا ہے کہ نہ صرف نوجوان ترکی جماعت ہی کی کوشش سے سلطنت ٹرکی کو پارلیمنٹ نہیں عطا ہوئی ہے بلکہ اس میں بہت بڑا حصہ ٹرکی خواتین کی کوشش کا بھی شامل ہے جنہوں نے ہر طرح کا خطرہ اُٹھا کر حریت اور آزادی کے لیے تمام اقطاع ملک میں کوششیں کیں، نوجوان ترک جو آزادی کی ریشہ دوانی دس سال سے ملک میں کرتے تھے اس کی مخفی خط و کتابت کا سلسلہ ترکی بیگمات کے ذریعہ سے تھا اور ہر قسم کی ہدایتیں جو فرانس کی نوجوان ترکی جماعت ملک کے نوجوانوں کے لیے کرتی تھی، اُس کی مخفی اشاعت عورتوں ہی کے ذریعہ سے کیجاتی تھی،

بیگمات ان کو لیکر اپنے ہم خیال مردوں اور عورتوں میں تقسیم کرتی تھیں بلکہ بعض تو خود اُن کو چھاپ کر سگریٹ کے بکسوں میں رکھکر لوگوں کے پاس پہنچا دیتی تھیں،

خواتین کی ایک خاص انجمن ہے جسکا نام "زرد و سفید" ہے، اس کی غرض یہ ہے کہ غریب ترکوں کی اس سے امداد کیجائے، اور نیز اسقدر چندہ جمع کیا جائے جس سے دو جنگی جہاز نیازی، اور انور کے نام سے جو نوجوان ترکوں کے لیڈر ہیں بنائے جائیں اس انجمن کے علاوہ اور بہت سی انجمنیں اُنہوں نے قائم کی ہیں جنکے اغراض و مقاصد

مختلف ہیں، ان کی قابلیت کی ایک ادنیٰ مثال وہ مضمون ہے جو اخبار اقدام میں ایک سولہ سالہ لڑکی نے لکھا تھا کہ بڑے بڑے لکھنے والے اسکو دیکھکر حیران رہگئے، اس رقم کا تخمینہ لگانا نہایت مشکل ہے جو ان عالی ہمت بیگمات نے مختلف قومی اغراض کے لیے جمع کیا ہے، ابھی حال میں ان بیگمات کا ایک ڈپوٹیشن کچھ چندہ جمع کرنے کی غرض سے اُن امرا کے پاس گیا تھا جو بحیرہ باسفورس کے سواحل پر رہتے ہیں، ایک کمپنی نے اس معزز ڈپوٹیشن کو اپنا ایک جہاز مفت اُسوقت کے لیے دیا تھا جبتک یہ دورہ میں رہے، نامہ نگار لکھتا ہے کہ پہلا جلسہ جو مقام "قاضی کوئی" میں ہوا اور جس میں سیکڑوں حضرات اور بیگمات شامل تھیں، اس میں پندرہ ہزار پونڈ چندہ جمع ہوگیا، اسی پر اور جلسوں کا اندازہ کرلیجیے،

اعلان چندہ

نمبر ۱- ریاست ٹونک سے مبلغ سو روپیہ بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۰۵ء وصول ہوگئے ہیں،

نمبر ۲- عالیجناب چودھری احیرالحق صاحب رئیس بختیارپور ضلع مونگیر جو تعلیم نسواں کے خاص ہمدردوں میں ہیں، مبلغ پانچ روپیہ ہمارے پاس بھیجے ہیں، ہم چودھری صاحب کی اس توجہ کے تہ دل سے شکرگزار ہیں،

نمبر ۳- مولوی امام الدین صاحب قومی فدائی نہیں بلکہ قوم کے خاص مربیوں میں سے ہیں، انکی اُن تھک کوششوں کا نمونہ کوئی دوسرا ہم کو قوم میں نظر نہیں آتا، مولوی صاحب کی کوشش سے ۱۲- اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مبلغ دس روپیہ، اور ۱۴- نومبر ۱۹۰۵ء کو مبلغ پانچ روپیہ ہمارے

پاس پہونچگئے، جسکا شکریہ کے ساتھ ہم اعلان کرتے ہیں،

نمبر ۵- عالی جناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ جوناگڑھ نے دوسو روپیہ کی رقم جسکے وعدہ کا پہلے نمبر میں تذکرہ کیا جاچکا ہی، زہرہ فیضی صاحبہ کے پاس بھیجدی، زہرہ فیضی صاحبہ نے ہمارے پاس اُن روپیوں کی رسید لکھ بھیجی ہی، بیگم صاحبہ کی اس ہمت افزائی سے ہمکو امید ہی کہ نمایش کی رونق ضرور بڑہیگی، بیگم صاحبہ تمام قوم کے شکریہ کی مستحق ہیں،

نمبر ۶- عالیجناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کو جسقدر تعلیم نسواں کا خیال ہی وہ تمام قوم پر روشن ہی، اسکے ساتھ ہی فنون لطیفہ کی بھی حضور عالیہ خاص سرپرست ہیں امسال نمایش کی امداد کے لیے حضور عالیہ نے تین سو روپیے ہمارے پاس بھیجدیے، ہم اپنے کام کی امداد کے لیے ایسے باہمت ہاتھوں کو اُٹھتا ہوا دیکھکر خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کرتے ہیں، اور اپنی کامیابی کی پوری توقع رکھتے ہیں،

نمبر ۷- غریب لڑکیوں کے وظائف فنڈ میں معرفت مسز آفتاب احمد خانصاحب کے مبلغ چودہ روپیے حسب تفصیل ذیل وصول ہوئے ہیں،

مس ڈنڈم صاحبہ صہ/ شاہجہاں بیگم صاحبہ دختر صاحبزادہ سلطان احمد خانصاحب چیف جسٹس گوالیار، واہلیہ حشمت اللہ خانصاحب صوبیدار ریاست گوالیار صہ/

مسز احمد حسین صاحبہ سے/ مسز آفتاب احمد خانصاحب عصہ/

مسز ہمایوں مرزا صاحبہ نے جسکو قومی اور ملکی ہمدردی کی ہمیشہ دُہن رہتی ہی- ۲۰ اکتوبر کو مصیبت زدگان حیدرآباد کی امداد کے لیے "اپنی ہمایوں منزل میں معزز بیگمات کا ایک جلسہ کیا جسمیں مسز ہمایوں مرزا صاحبہ کے علاوہ اور کئی بیگمات نے نہایت پر زور تقریریں کیں*

پراسپکٹس زنانہ نمایش

رسم افتتاح اور مدت قیام وغیرہ

یہ نمائش بڑے دن کے ایام میں یعنی اخیر دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام امرتسر ہوگی، پارسل بنام سکرٹری نمایش محمدن ایجوکیشنل کانفرنس آنی چاہییں،

کسی سربرآوردہ رئیس مسلمان یا اعلیٰ افسر سے نمایش کا افتتاح کرنے کی درخوست کیجائیگی مقررہ تاریخوں میں نمایش ہوگی اور ایک ہفتہ سے زیادہ جاری نہ رکھی جائیگی،

دعوت

مسلمانوں کو خاص طور پر اور ہندو پارسی وغیرہ معزز مستورات ہندوستان کو بھی بڑی خوشی کے ساتھ صلاے عام دیجاتی ہی کہ سب اپنی اپنی لیاقت، سلیقے، اور کمال ہنر کے نمونہ جات بھیجکر نمایش کی رونق کا باعث ہوں،

مستورات کو پردے کے خاص انتظام کے ساتھ نمایش دیکھنے کا موقع دیا جائیگا،

استدعا

جملہ مربیانِ علوم و فنون، افسرانِ مدارس صنعت و حرفت، مہتممان کارخانہ جات نیز سوداگران و کاروبار پیشہ صحاب سے عموماً اور حضرات اہل اسلام سے خصوصاً امید کیجاتی ہی کہ اُنکے پاس یا اُنکے علم میں کسی کے پاس کوئی چیز دیدنی و داشتنی قدیم ہو یا جدید بہرحال مستورات کی بنائی ہوئی یا مستورات کے متعلق ہو اور مفید مطالب نمایش ہذا بالفعل موجود ہو، یا بنوائی جاسکتی ہو اُسکے بھیجنے بھجوانے تیار کرانے یا سکرٹری کو اُسکے پتہ و نشان سی مطلع کرنے میں نیز اس

نمایش کا چرچا ہنرمند و صاحب صنعت و حرفت مستورات کے کان تک پہنچانے میں دریغ نکرینگے

خوشخبری

منتخب اشیاء و نمونہ جات پر نیز ایسی چیزوں پر جو کسی ضرورت متعلق زنان و اطفال کے لیے مخصوص ایجاد یا اصلاح ثابت ہونگی خصوصیت کے ساتھ حسب حیثیت اشیاء نقد انعامات و تمغہ جات یا تعریفی اسناد کی امید دلائی جاتی ہے،

قواعد

نمائشی اشیاء و نمونہ جات بھیجنے کے متعلق مفصلۂ ذیل قواعد کی پابندی کی جائے،

۱۔ خود مستورات کی بنائی ہوئی چیزیں زیادہ تر نمائش کے لایق تصور کیجائینگی، جو اشیاء بھیجی جائیں اُن میں کوئی بات بھی ہونی ضرور ہوگی،

نیز مستورات ہی کے نتیجہ صنعت و حرفت ہونے کے اطمینان پر لیجائینگی،

۲۔ اشیاء کے ارسال کرنے سے پیشتر ایک درخواست بھیجکر سکرٹری سے منظوری حاصل کرلینی ہوگی،

۳۔ درخواست میں چیز کا نام، قسم، فوائد، خصوصیات، حالات ساخت، وزن و قیمت عرض و طول وغیرہ امور کی تشریح کرنی واجب ہوگی، بنانیوالے یا بھیجنے والے کا نام اور پتہ صاف لکھنا ہوگا، جو مستورات نام ظاہر کرنا پسند نہ کریں وہ حروف و علامات کا استعمال بجائے نام کے پتہ کے لیے کرسکینگی،

۴۔ نمائش میں خرید و فروخت چیزوں کی ہوسکیگی بشرطیکہ مالکان نے منشاء فروخت سے مع قیمت مطلوبہ کے مطلع کردیا ہو، لیکن کوئی خریدار نمائش ختم ہونے سے پہلے جائے نمائش سے چیز علیحدہ کرنے کا مستحق نہوگا،

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد	بابت جولائی سنہ ۱۹۱۱ء	نمبر

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکیشن

فہرست مضامین

پرنٹر محمد عنایت خاں کے اہتمام کے

مطبع ریاض ہند علی گڑھ میں طبع ہوئی

جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڑھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۶۴ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت دسے ۲/
اور ششماہی ۱۲/ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی
مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ
ہونگے مطلق کامیابی کی اُمید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے
اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات
کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر
پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں
اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو
اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہاں تک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو
زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی
آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب و یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں
کی خدمت کے لئے تیار کیا جائے گا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیئے۔

امام بخاریؒ

قرآن شریف کے بعد حدیث مسلمانوں کا دین و ایمان ہے۔ محدثوں کی جماعت جنہوں نے نہایت کوشش اور محنت سے اس فن شریف کو جمع کیا اور صحت کے ساتھ ہم تک پہونچایا بڑی مقدس جماعت ہے۔ کیا بلحاظ زہد و تقوے کے کیا بلحاظ علم و صداقت کے انکی زندگیاں ہمارے لئے شمع ہدایت ہیں۔ اور کوئی قوم بجز ہمارے ایسے عظیم الشان اسلاف نہیں دکھلا سکتی۔

محدثین کی جماعت میں بڑے بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں۔ لیکن ان سب میں امام بخاری اس خصوصیت کے لحاظ سے ممتاز ہیں کہ ان کی کتاب صحیح بخاری فن حدیث کی تمام کتابوں میں زیادہ صحیح تسلیم کی گئی۔ اسلئے جی چاہتا ہے کہ اپنی بہنوں کو ایسے عظیم الشان علی محسن کا کچھ حال سنائیں جس کی کتاب کی بدولت ہم مسلمان اپنے ہادی برحق کے راستہ قایم رہے اور انشا اللہ رہینگے چونکہ رسالہ خاتون انکے علمی کارناموں کے بیان کو نہیں برداشت کرسکتا

اسلئے نہایت مختصر طور پر انکے معمولی حالات بیان کرتے ہیں۔

نام ونسب۔ امام بخاری کا نام محمدؒ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ انکے والد کا نام اسمٰعیل تھا وہ بھی بڑے پایہ کے محدث تھے۔ امام بخاری کی ولادت بخارا میں ۱۳ر شوال ۱۹۴ھ میں جمعہ کی نماز کے بعد ہوئی۔

انکے والد ان کے بچپن ہی کے زمانہ میں جبکہ یہ اپنی ماں کے گود میں تھے انتقال کرگئے۔ انکی والدہ جو کہ بڑی علم دوست اور فرشتہ صفت عورت تھیں انکی اور انکے بڑے بھائی احمدؒ کی تربیت کرتی تھیں۔

انکے والد بہت مال چھوڑ مرے تھے۔ مرتے وقت انہوں نے فرمایا تھا کہ میں جس قدر مال چھوڑے جاتا ہوں اس میں جہانتک جانتا ہوں کوئی کوڑی حرام کی نہیں ہے۔

امام بخاری بڑے ذہین تھے۔ بچپن ہی سے انکے اندر آثار نمایاں تھے کہ یہ کسی بڑی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ انکی والدہ اسی وجہ سے اسے بہت زیادہ الفت کرتی تھیں۔ اور انکی تعلیم میں کوشش فرماتی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد مکہ شریف حج کے لئے تشریف لیچلیں۔ اپنے دونوں بچوں کو بھی ساتھ لے لیا۔

امام بخاری کی آنکھوں میں کوئی ایسا مرض ہوا کہ یہ معلوم ہوا کہ دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔ محبت بھری ماں کا دل اس رنج سے خون ہو گیا اور مکہ میں رات رات بھر دربار الٰہی میں انہوں نے دعائیں مانگیں۔

ماں کی دعا اولاد کے حق میں اللہ تعالےٰ کب رد کرتا ہے۔ ایک دن خواب میں انہون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام بانی کعبہ کو دیکھا جو فرماتے ہیں کہ اے اپنے یتیم بچہ کے لئے رب کو پکارنے والی تیری دعا مقبول

ہوئی۔ اور اللہ نے تیرے بیٹے کی آنکھیں واپس کیں۔ وہ اُسیوقت اُٹھیں
اور آکر دیکھا کہ بیٹے کی آنکھیں درست ہیں۔ اللہ کا شکر کیا اور غریبوں کو خیرات بانٹی
تعلیم۔ ابتدا میں انکی والدہ نے ان کو قرآن شریف حفظ کرایا۔ اسکے بعد
علم حدیث پڑھنا شروع کیا۔ جب ان کی والدہ مکہ میں حج کے لئے ان کو
لائیں تو انکے بڑے بھائی کچھ دنوں کے بعد بخارا چلے آئے اور انتقال
کر گئے لیکن یہ وہیں ملک عرب کے محدثوں کے پاس چھ سال تک حدیث
پڑھا کئے پھر شام۔ مصر اور الجزائر تک گئے اور جہاں جہاں جس جس کے پاس
علم حدیث پایا حاصل کر لیا۔ عراق میں یعنی بصرہ۔ کوفہ اور بغداد میں تو انکے
بیسوں دورے ہوئے۔ اس طرح پر گھوم پھر کے سارا ذخیرہ علم حدیث کا ازبر کر لیا
جب اٹھارہ سال کا سن ہوا تو کتاب قضایا لکھی جس میں صحابہ اور تابعین کے
زمانہ میں قاضیوں کے جس قدر فیصلے تھے وہ سب جمع کر دئے۔ پھر مدینہ میں
جاکر روضہ انور نبوی کے مجاور بنکے انھوں نے اپنی کتاب التاریخ لکھی انکا
علم اس قدر وسیع تھا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب میں جس قدر نام آئے
ہیں کوئی نام ایسا نہیں ہے کہ جس کے متعلق مجھکو دو چار قصے یا باتیں معلوم
نہ ہوں لیکن بخوف طوالت ان کو نظر انداز کرتا ہوں۔ یہ کتاب انہوں نے
چاندنی راتوں میں بیٹھکر لکھی۔ دن کو یا چراغ کی روشنی میں نہیں لکھتے تھے
آخر عمر میں انہوں نے اپنی کتاب صحیح بخاری ترتیب دی۔ یہ کتاب بھی
مدینہ شریف میں روضہ مقدس پر جاکر لکھی۔ اس میں صحت حدیث کا نہایت درجہ
خیال رکھا بہت سی شرطیں لگائیں کہ جو حدیثیں ان شرطوں کے مطابق ہونگی
وہی میں درج کرونگا۔ چنانچہ ان کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں اس میں سے صرف
چھ ہزار حدیثیں یعنی فیصدی ایک اس شرط کے مطابق اتریں۔ وہی چھ ہزار

حدیثیں انھوں نے اپنی کتاب میں جمع کر دیں۔
اس سے یہ نہ سمجھئے کہ اور باقی حدیثیں جو انکے پاس تہیں وہ صحیح نہ تہیں نہیں بلکہ ان میں کا زیادہ حصہ صحیح تھا لیکن وہ اس شرط کے مطابق نہ تھا جو انہوں نے مقرر کی تہیں۔ اسلئے ان کو درج نہیں کیا۔ شرطیں انہوں نے ایسی مقرر کی تہیں کہ اسکے مطابق جو حدیثیں ہیں انکی صحت میں شبہہ ہی نہیں ہوسکتا
اس احتیاط اور خوف الٰہی کے ساتھ انہوں نے یہ کتاب لکھی تھی کہ ایک حدیث جب کتاب میں لکھنی ہوتی تو پہلے دو رکعت نماز پڑہ لیتے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگتے کہ اے رب میں تیرے اس مقدس نبی کا کلام جمع کرتا ہوں مجھے غلطی اور لغزش سے محفوظ رکھنا۔ اسکے بعد حدیث کتاب میں لکھتے اسطرح پر جب یہ کتاب مکمل ہوگئی تو انہوں نے فن حدیث کے جو لوگ امام تھے مثلاً امام علی ابن مدینی امام یحییٰ بن معین امام احمدؒ بن حنبل وغیرہ کے پاس اسکو بہیجا کہ وہ دیکھیں اور اگر کوئی غلطی ہو تو ظاہر کریں سب نے اسکی صحت کو تسلیم کیا اور کہیں اُنگلی رکھنے کی جگہہ نہ پائی۔ امام یحییٰ نے صرف چار حدیثوں کے متعلق اعتراض کیا کہ یہ قرارداده شرط کے مطابق نہیں ہیں لیکن جب اماموں کی بحث میں یہ اعتراضات پیش ہوئے تو معلوم ہوا کہ امام بخاری سے لغزش نہیں ہوئی ہے۔
اسی زمانہ سے کتاب بخاری تمام مسلمانوں کے نزدیک بالکل صحیح قرار پا گئی۔ اور امام بخاری کا یہ احسان ہمیشہ کے لئے اُمت پر ہوا کہ انہوں نے صحیح ترین مجموعہ حضرت رسالت پناہ کی احادیث کا جمع کیا ؎

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبتِ آخر بہ بخارا زدند

امام بخاری کی کل تصنیفات فن حدیث و تفسیر و تاریخ میں بیس سے زیادہ ہیں

زہد و تقویٰ۔ امام بخاری کے والد بہت دولت چھوڑ مرے تھے۔ یہ شرکت پر کارخانہ والوں کو دیدیتے۔ ایک دفعہ ایک شریک نے پچیس ہزار درہم کی رقم ہضم کرلی۔ یہ خاموش ہوگئے لوگوں نے کہا کہ حاکم سے مدد لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ دنیاوی نقصان تو ہوا ہے اب رشوت وغیرہ دیکر میں اپنی آخرت بھی بگاڑدوں۔ میں ہرگز ایسا نہ کرونگا۔ چنانچہ کچھ نہ کیا۔ خود اس شخص نے جسنے روپیہ ہضم کرلیا تھا آکر یہ عہد کیا کہ ہر ماہ دس درہم کی قسط سے ادا کرونگا انہوں نے منظور کرلیا۔

امام بخاری اس قدر محتاط تھے کہ بازار میں خود کسی چیز کی خرید و فروخت سے بہت گریز کرتے تھے کیونکہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ خرید و فروخت میں جو زق رق۔ بق بق کرنی پڑتی ہے میرے نامہ اعمال میں لکھی جائے۔ ان کاموں کے لئے ہمیشہ نوکر رکھا کرتے تھے۔

ایک دفعہ انکے یہاں کوئی تجارت کا مال تھا۔ شام کے وقت شہر کے دو ایک تاجر آئے انہوں نے ایسے بھاؤ سے خریدنا چاہا جس سے انکو پانچ ہزار نفع ملتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا میں اسکا جواب صبح کو دونگا۔ صبح کو دوسرے تاجر پہونچے انہوں نے دس ہزار نفع دیکر خریدنا چاہا۔ لیکن امام نے کہا کہ رات کو میں نے اپنے دل میں نیت کرلی ہے کہ میں اُس قیمت پر جو رات مجھسے کہی گئی تھی یہ مال انہیں لوگوں کے ہاتھ فروخت کردونگا۔ اسلئے اگرچہ تم مجھے زیادہ نفع دیتے ہو لیکن میں اپنی نیت کو نہیں بدلنا چاہتا۔ چنانچہ اپنی نیت ہی کے مطابق بیچا۔

انکی آمدنی پانچسو درہم ماہوار سے زیادہ تھی لیکن سب علم اور غربا کی

مد میں صرف ہوجاتی تھی۔

ایک دن وہ دالان میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے کہ اتنے میں انکے گھر سے ایک لونڈی نکلی اسکے پانوں سے دوات میں ٹھوکر لگی روشنائی گر گئی۔ امام نے کہا کہ کس طرح چلتی ہے۔ اس نے کہا کہ جب راستہ نہو توکسطرح چلوں۔ امام نے کہا کہ اچھا جا میں نے تجھکو آزاد کیا۔ لوگوں نے کہا کہ شاید اس نے آپ کو غصہ دلایا۔ انھوں نے کہا لیکن میں نے اس کو آزاد کر کے اپنے غصہ کو فرو کر دیا۔

انکے کاتب امام فربری بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری فربر میں تھے۔ تفسیر کی تصنیف میں دن بھر محنت شاقہ برداشت کی تھی شام کو خلاف عادت لیٹ گئے۔ میں نے کہا کہ آپ کا قول ہے کہ آپ کوئی کام بلا وجہ نہیں کرتے اسوقت لیٹنے کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ آج دن بھر ہمنے محنت کی ہے۔ اسلئے اسوقت لیٹ جانا مناسب معلوم ہوا تاکہ رات کو زیادہ سونے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ یہ سرحدی مقام ہے اگر دشمن رات کو اچانک آپڑیں تو اسکے لئے دن ہی سے تیار رہنا چاہیئے۔

امام فربری ہی کا بیان ہے کہ امام بخاری اکثر میدان میں جا کر تیراندازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ میں اتنی مدت تک انکے ساتھ رہا لیکن بجز دو مرتبہ کے کبھی میں نہیں دیکھا کہ انھوں نے نشانہ خطا کیا ہو۔ ایک دفعہ ہم تیر بازی کے لئے نکلے ایک رئیس حمید الاخضر نے ایک پل بنوایا تھا اتفاق سے امام بخاری کا تیر اسکی کھونٹی میں جا کر لگا جس سے وہ پھٹ گئی اسیوقت انھوں نے تیراندازی موقوف کی اور مجھے پل کے مالک کے پاس بھیجا کہ ہم سے اس قسم کا تمہارا نقصان ہو گیا۔ اسکا تاوان لے لو اور معاف کرو حمید الاخضر نے جب

میں نے کہا تو انہوں نے کہا کہ امام بخاری پر میرا تمام مال قربان ہے میں نے انکو معاف کیا۔ جب یہ خبر میں نے پہونچائی تو خوش ہوگئے اور اس خوشی میں واپس آکر پانچسو غریبوں کو کھانا کھلایا۔ اور تین سو درہم خیرات کئے۔

امام بخاری فرماتے تھے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے اسوقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ مجھے امید ہے کہ آخرت میں میرا کوئی دشمن نہوگا کیونکہ نہ میں نے کسی کے ساتھ کبھی کوئی بدی کی نہ کسی کی بدگوئی میں پڑا۔

ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے ایک بھڑ کرتے کے اندر گھس گئی اور ڈنک مارنے شرع کئے۔ جب نماز ختم کرچکے تو کہا کہ دیکھو تو کوئی چیز مجھے کاٹ رہی ہے لوگوں نے جلدی سے دیکھا تو بھڑ ہے۔ اور جا بجا اس کے ڈنک مارنے کی وجہ سے ورم ہو رہا ہے۔

بخارا میں ایک لنگرخانہ بنوا رہے تھے۔ تمام مسلمان اس میں کام کرتے تھے۔ وہ خود بھی اینٹیں ڈھوتے تھے۔ امام فربری کہتے ہیں کہ میں ان سے بار بار کہتا تھا کہ بہت سے لوگ کام کرنے والے ہیں آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ نہیں یہ بہت مفید کام ہے۔ ایک گائے ذبح کرکے اُس کا گوشت پکوایا۔ تقریبًا سو آدمی کام کر رہے تھے سب کو کھانے کے لئے بُلایا۔ روٹی کے لئے تین درہم عطا فرمائے میں جاکر بازار سے روٹی لایا۔ اسوقت ایک درہم کی ڈہائی سیر روٹیاں ملتی تھیں۔ اللہ کی شان تین درہم کی روٹی اور سو سے زیادہ کھانیوالے مگر پھر بھی چند روٹیاں بالکل سالم بچگئیں۔

امام بخاری بہت کم خوراک تھے۔ کبھی کسی وقت کھا لیتے نہیں تو نہیں شکر کو پسند کرتے تھے۔

رمضان کے مہینہ میں رات کے پچھلے پہر قرآن شریف سناتے ہر تیسرے

دن ایک قرآن ختم کرتے۔ بہت لوگ سننے کے لئے جمع ہوتے تھے تہجد ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ اور تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جسمیں سے ایک وتر کی ہوتی تھی

امام فربری کہتے ہیں کہ میں سفر میں حضر میں برابر انکے ساتھ رہا کرتا تھا۔ انکی یہ کیفیت تھی کہ علم کے ذوق میں سرشار رہا کرتے تھے۔ رات کو دس دس بیس بیس دفعہ اٹھ اٹھ کر چراغ جلاتے اور کتاب نکال کے کچھ دیکھتے کبھی کچھ لکھتے جب میری نیند ٹوٹ جاتی تو میں کہتا کہ آپ مجھے کیوں نہیں جگا دیا کرتے خود چراغ جلانے اور آگ پھونکنے کی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں۔ وہ فرماتے تم جوان ہو میں تمہاری نیند میں خلل ڈالنا پسند نہیں کرتا۔

وسعت علم اور لوگوں کی تعریف۔ امام بخاری کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ذہن اور حافظہ عطا فرمایا تھا کہ جو چیز ایک دفعہ انکے کان میں پڑتی یا نظر سے گذر جاتی پھر نہیں بھولتے تھے۔ پوری کتاب ایک نظر دیکھ جاتے تھے اور زبانی یاد ہو جاتی تھی۔ انکے علم کا جب تمام دنیا میں چرچا پھیلا تو ایک مرتبہ بغداد والوں نے انکا امتحان کرنا چاہا۔ ان لوگوں نے سو حدیثیں لیکر انکے راویوں کو الٹ پلٹ کر دس آدمیوں کو دس دس حدیثیں یاد کرا دیں امام بخاری جب بغداد میں تشریف لیگئے تو وہاں کے تمام علماء اور محدثین جمع ہوئے فارس اور خراسان تک کے لوگ موجود تھے۔ اس جلسہ عام میں وہ دسوں آدمی آئے اور انھوں نے وہ حدیثیں سنائیں گویا امام بخاری سے اسکی تصدیق چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا اسی طرح ان تمام احادیث کے متعلق آخر تک انکار کرتے چلے گئے۔ جب سنا چکے تو وہ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم نے جو پہلے حدیث اس طرح پر سنائی ہے وہ یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے اور صحیح کرکے اسکو بتایا۔ اسی طرح اسکی دسوں حدیثوں کی تصحیح کی۔ بعد ازاں

دوسرے کی طرف مخاطب ہوے اسکی حدیثوں کو صحیح کیا۔ علیٰ ہذا دسوں کی غلط حدیثوں کو درست کرکے سنایا۔ بغداد والے یہ جودت اور حافظہ دیکھکر اُچھل پڑے۔ اور قدم چومے۔

بصرہ اور کوفہ نیز مصر الجزائر شام اور عرب تمام مقامات کے محدثوں نے امام بخاری کو اپنا سرتاج بنایا۔ اور بالاتفاق یہ اس زمانہ کے تمام محدثین میں بے مثل تسلیم کیے گئے۔ جس شہر میں اور جہاں جاتے ان کا شاہانہ استقبال ہوتا۔

ترک بخارا اور وفات - امام بخاری تحصیل علم اور اس قدر شہرت پیدا کرکے جب بخارا میں آئے تو بخارا والوں نے شہر سے تین میل کے فاصلہ پر خیمے وغیرہ لگائے اور بڑی دہوم دہام سے اپنے ہم وطن امام کے استقبال کو نکلے جس وقت وہاں امام بخاری پہونچے تو انکے اوپر درہم اور دینار نثار کیے گئے اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ وہ شہر میں لائے گئے۔

یہاں آکر انھوں نے اپنا علمی فیض جاری کیا۔ ہزاروں آدمی دور دراز سے آکر ان سے حدیثیں اور تفسیر سنتے۔ اسی زمانہ میں والی بخارا خالد بن احمدؒ نے ان کے پاس یہ پیغام بہیجا کہ وہ اپنی کتاب صحیح بخاری اور تاریخ مجھکو اور میرے لڑکوں کو آکر پڑھایا کریں۔ امام نے جواب میں کہلا بہیجا کہ میں علم کو ذلیل نہیں کرونگا کہ اسکو دربدر لیئے پھروں اگر تم لوگوں کو شوق ہے تو خود میرے حلقۂ درس میں آکر شریک ہوا اور پڑھو۔

امیر خالد کو یہ امر ناگوار گذرا وہ امام بخاری کا دشمن ہوگیا۔ چنانچہ شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ امام بخاری نے گھر سے نکلتے وقت یہ بددعا دی کہ یارب جس نے مجھپر ظلم کیا اسکی آنکھوں کے سامنے آئے۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ ایک مہینہ بھی نہیں گذرا کہ خالد بادشاہی حکم سے گدھے پر سوار کرکے قید خانہ میں بہیجدیا گیا۔

امام بخاری نے بخارا سے نکلکر ایک گانوں خرتنگ میں جہاں انکے اقربا تھے قیام کیا۔ سمرقند والوں نے خطوط بھیجے کہ آپ یہاں تشریف لائیں چنانچہ سواری کسی گئی کہ سمرقند روانہ ہوں۔ جب سواری پر سوار ہونیکے لئے لوگوں نے تھاما تو فرمایا کہ ذرا مجھکو چھوڑ دو مجھپر ضعف غالب آتا جاتا ہے۔ چنانچہ وہیں بیٹھ گئے پھر لیٹ گئے۔ کچھ دعائیں مانگیں اور اسیوقت انتقال فرما گئے۔ اس اچانک موت پر لوگوں کو تعجب اور سخت صدمہ ہوا۔ وہیں دفن کیا۔ انکی قبر سے خوشبو آتی تھی۔ دُور دُور سے لوگ اسکی مٹی لینے کے لئے آتے تھے۔ آخر اسکی حفاظت کے لئے اسکے اردگرد کٹہرا لگا دیا گیا۔

انکی وفات سنیچر کی رات کو جو عید الفطر کی رات تھی ۲۵۶ھ میں ہوئی۔

ا۔ ج

ذاکیہ کی زندگی

اشرف آباد ایک پُرانی بستی تھی جہاں آج کل سوائے چند مفلوک الحال لوگوں اور پُرانے کھنڈروں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ آج سے کچھ ہی دنوں قبل جب اشرف آباد آباد تھا تو یہاں علی العموم زمیندار بستے تھے جنکی مرفع الحالی انکی راحت آثار و خاموش زندگیوں کی حامی تھی۔ اسی زمانہ میں اس قصبہ میں مسلمانوں کے بھی دو خاندان گذرے ہیں جنکا تمول تو قابل مثال نہیں البتہ انکی اولوالعزمیاں یادگار اور قابل مثال کہی جاسکتی ہیں ان خاندانوں میں چھ پشت عروج کا دَور دَورا رہا لیکن آخر میں خود خریدہ بربادیوں سے آج انہیں خاندانوں کی نسلیں بھیک مانگ رہی ہیں اور اسی دوران تباہی میں ذاکیہ کی پُر درد زندگی اور ان خاندانوں کی بربادی کی الم انگیز کہانیاں قابل الذکر ہیں۔ قبل اسکے کہ ہم واقعات شروع کریں

یہ کہدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک خاندان اس میں سے سرکار کہلاتا تھا اور دوسرا دربار۔ خاندان سرکار اشرف آباد کی مشرقی وسیع الشان سلسلۂ عمارت کا مالک تھا اور مغربی جانب کی فلک رفعت و وسیع المنزلت عمارت جنکے کھنڈر وہیں آجکل الو بول رہے ہیں خاندان دربار آباد تھا۔

خاندان سرکار۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ محمود غزنوی کے حملوں کے بعد کسی بادشاہ کی فوجی ملازمت میں ہندستان آئے انکا پہلا قیام پشاور اور دوسرا بلند شہر تیسرا دہلی اور چوتھا اشرف آباد میں ہوا یہاں انھوں نے شادی کے بعد سسرا کی جائداد میں مواضعات علاوہ نقدی و زیور کے پائے اس زمین میں انکے مواضعات کی آمد گو بہت نہ تھی لیکن رفتہ رفتہ انکی نسل کے لئے وہ علاقہ اکسیر ثابت ہوا جس میں ۱۸ ہزار روپیہ سال کی بچت تھی۔ ظاہر ہے کہ جب ملک میں ارزانی تھی تو یہ ۱۸ ہزار سال کی بچت کس درجہ نہ قابل قدر ہوگی۔ اسی خاندان کے زمانہ شاہی میں ایک شخص گذرے ہیں سرکار نامی مرحوم بڑے منتظم اور کفایت شعار تھے انہوں نے روپیہ خوب جمع کیا اور مر گئے اور انہیں کی وجہ سے یہ خاندان سرکار کے نام سے مشہور ہوا انکے انتقال کے بعد انکے بیٹے شاہ صدیق بہت کم دنوں بقید حیات رہے جنکے بعد احمد میاں وارث تعلقہ ہوئے یہ اپنے تمام خاندان سے زیادہ مخیر ثابت ہوئے اور اتفاق سے انکے زمانہ میں خاندان دربار سے معاصرانہ و ہمچشمانہ چوٹیں زیادہ چلیں یہی کہ دعوت ناچ رنگ بھنگ میں روپیہ زیادہ اڑ گیا۔ اور بے محل خیرات میں" لیکن جب تک لالہ شیو چرن لعل زندہ رہے احمد میاں کے گھر کا انتظام صاف ستھرا رہا لالہ صاحب نیک نیت اور سرکار کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے۔ شیو چرن کی نمک حلالی کی تعریف نہیں کی جا سکتی انکو احمد میاں اور احمد میاں کے بیٹے سلیم سے سچی محبت تھی۔ یہ لالہ ہی کی روشن دماغی کا صدقہ تھا کہ

احمدؐ میاں کے اکلوتے بیٹے سلیم کچھ پڑھ گئے ورنہ نازنعم میں پلتے اور جاہل رہتے
افسوس کہ لالہ شیوچرن لعل کو احمدؐ میاں کی زندگی تک تو ضرور جینا تھا کیونکہ وہ ایک
بھولے بھالے۔ سیدھے سادے رئیس تھے مشہور ہے کہ انہوں نے کبھی روپیہ ہاتھ سے
نہیں چھوا اور ہمیشہ دس اور دس پانچ سمجھا کئے۔ احمدؐ میاں نے لالہ شیوچرن کے
انتقال کے بعد امام خاں کو مختار عام مقرر کیا انکی مختاری کی قدر نہ صرف روپیہ پیسہ
اور جائداد ہی تک رہی بلکہ احمدؐ میاں کی جان تک کے بھی مالک تھے اسلئے کہ پکے
خائن۔ پلّے سرے کے دغاباز۔ اور برباد کن اپنا پیٹ بھرنے والے نمک حرام تھے عام
قاعدہ ہی کہ جب ایسے مختاروں کو سیدھے سادھے رئیس ملجاتے ہیں تو وہ انہیں
خوب بیوقوف بناتے اور بظاہر خیرخواہ بنکر خوب لوٹتے کھاتے ہیں چنانچہ امام خاں
نے مختاری کے پورے پورے فرائض ادا کئے اور احمدؐ میاں چار ہی برس کے
اندر چالیس ہزار کے قرضدار ہو گئے۔ کیا اسی پر اکتفا ہوئی ؟ نہیں۔ دربار میں ایک
شادی ہوئی جس میں دس ہزار روپیہ کے قریب صرف ہوا۔ امام خاں کیا مالک
کی توہین گوارا کر سکتے تھے ؟ کیا مجال۔ آخر نیک نیتی سے احمد میاں کو رائے دیکر
سلیم کی شادی میں پچاس ہزار روپیہ صرف کروا دئے۔ یہ روپیہ خود امام خاں نے
۱۲ ار سیکڑہ سود پر احمد میاں کو قرض دیا تھا اور یہ کہکر کہ غلام کا مال کس دن کام
آئیگا۔ سود تو دکھانے کو داخل دستاویز ہی۔ دیجئیے گا چاہے ایک ہبہ نہیں۔ میعاد
ادائے قرض صرف آٹھ برس لکھوائی تھی اور احمدؐ میاں کو سمجھا دیا کہ جسوقت آپنے
دو موضع فروخت کر دئے قرض ادا ہو گیا۔ احمدؐ میاں اس درجہ عقلمند تھے کہ
نہ کبھی انہوں نے یہ غور کیا کہ امام خاں جو انکے یہاں کا خانہ زاد تھا روپیہ کہاں
سے لاؤ اور نہ یہ سوچے کہ جتنا میں نے قرض لیا ہی اس قدر قیمت دو موضعوں کی
ہو بھی سکتی ہی یا نہیں۔ مگر اس غور کی ضرورت یوں نہ تھی کہ کیا امام خاں بے ایمان ہی اور وہ بیچا نہیں

آخر قرض معہ سود تعلقہ کی اصل قیمت سے زیادہ ہوگیا اور پانچ برس بعد پھر جدید قرض امام خاں ہی نے دیا غرضکہ احمد میاں ایک غیر قابل ادا بار قرض چھوڑ کر دنیا سے اُٹھے۔ امام خاں کی آخری دستاویز میں یہ شرط بھی تھی کہ "اگر قرض لینے والا درمیان میعاد مرجائے تو ورثا ایک ہی سال میں زر قرض ادا کریں ورنہ علاقہ پر قرضخواہ کا قبضہ ہوجائیگا بھلا میاں سلیم ایک سال میں دولاکھ روپیہ کہاں سے لاتے وہ مکان کو تو قرض کے بارسے بچا ہی نہ سکے۔ ایک سال کے بعد امام خاں قابض تعلقہ ہوئے اور سلیم سے کہدیا کہ چھ مہینہ کی مدت اور دی جاتی ہے اسکے بعد کھڑے کھڑے مکان خالی کرالیا جائیگا۔

میاں سلیم باغیرت آدمی تھے انھوں نے اپنے زمانہ عسرت میں نہ تو کسی سے مدد لی اور نہ وہ مکان سے باہر نکلے گھر کا اثاث البیت اور بیوی کا قیمتی زیور کوڑیوں کے مول بیچ بیچ کر کھایا کئے چاہیئے تھا کہ زیور کمیشت بیچکر تجارت کرلیتے لیکن ادبار جب آتا ہے انسان کی آنکھوں پر پردہ پڑجاتا ہے اور اس کلیہ سے احمد میاں مستثنیٰ نہ تھے۔

سلیم کی ضعیفہ ماں ایک مدت سے بیمار تھیں کل رات بھر اُن پر مرض کا تعب رہا پوری رات غریبوں نے جاگ کر بسر کی اور مریضہ نے کراہ کر صبح ہوتے ہی اُدھر تو دروازہ سے امام خاں نے صدا دی کہ "مکان خالی کرو" اور ادھر سلیم نے اپنی ماں کی نبض دیکھی تو معلوم ہوا کہ سایہ اشفاق مادری سر سے اُٹھ گیا سلیم نے اپنی مصیبتوں پر آنسو بہانا شروع کئے اور سلیم کی بیوی اور چار برس کی بچی ذاکرہ نے چیخ چیخ کر رونا شروع کیا۔ ادہر امام خاں نے دوبارہ آواز دی۔ "رونے دہونے سے کچھ نہوگا مکان خالی ہی کرنا پڑے گا۔ آج سے تمہارا مکان ہمارا ہے" سلیم دروازہ پر گیا اور نہایت عاجزی ولجاجت سے اپنی ماں کی موت کا حال بیان کیا۔

اور کہا کہ دو تین دن کی اور مہلت دو مکان خالی کر دیا جائیگا لیکن امام خاں یہ کہکر چلا گیا کہ اپنی ماں کا جلد غسل و کفن کرو اور انکے جنازہ کے ساتھ تم بھی مکان چھوڑو امام خاں کے ساتھی اسکی اس شقاوت و زیادتی سے سخت متنفر ہوئے مگر کیا کر سکتے تھے

یاد رکھنا چاہیئے کہ اکثر دیسی تعلقہ داروں کے مختار جنکے دلوں میں ابتدا ہی سے مالکوں کے لئے سچی خیر خواہی کا خیال نہیں ہوتا جب وہ لوٹ میں کامیاب ہوتے ہیں تو ان تمام راحتوں اور حکومتوں پر جلد تر قبضہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جو انکے مالکوں کو حاصل تھی اور اس اضطرابی میں وہ اپنے آقا زادوں کے لئے امام خاں سے زیادہ بیرحم اور نمک حرام بنجاتے ہیں۔ امام خاں کا قصہ تو پارینہ ہے اللہ بخشے منشی جیون کو جو کل شام تک دنیا میں تھے جب اودھ کے ایک قصبہ کے چھوٹے سے رئیس کو تباہ کر کے حج کرنے چلے تو آرزو ظاہر کی کہ یہ مکان کھنڈر ہوتے دیکھتا تو آنکھوں میں ٹھنڈک ہوتی۔ لیکن منشی جیون مرحوم عجب مرد منطقی تھے کہتے تھے کہ ہمارا مال حرام کا نہیں کیونکہ ہمنے عقلمند سے عقلمند رئیسوں کو بیوقوف بنانے میں سخت دقتیں اُٹھائی ہیں ورنہ پہلی گاڑھے کی لنگوٹی لنکلاٹ کے پائجامہ سی کیسے بدلتے۔ اور منشی جیون کی وکالت سے امام خاں بھی گنہگار نہیں ہو سکتے۔

سلیم کے پاس اسوقت کیا تھا جو ماں کی تجہیز و تدفین کی فکر کرتا؟ کچھ نہیں کل سے گھر کا گھر بھوکا بیٹھا تھا اور آج یہ آفت نازل ہوئی آخر سلیم کی بیوی نے اپنی معصوم بچی ذاکیہ کے کانوں سے بُندے اُتارے اور میاں کو دئے۔ سلیم نے کفن دفن کا سامان کیا۔ قصبہ کا کوئی بڑا آدمی مقلوک الحال بیٹے کی ماں کے جنازہ کیساتھ نہ تھا چند معمولی مسلمان جمع ہوگئے اور سلیم شام ہوتے ہوتے اپنے پالنے والی کو دفن کر کے اس مکان کی ڈیوڑھی پر کھڑے ہو کر نہایت بے کسی سے ڈاڑھیں مار مار کر رو یا۔ ابھی اسکے دل کا غبار آنسو نہیں دھو چکے تھے کہ امام خاں معہ چند سرکاری

سپاہیوں کے پہونچا سلیم گھر میں گیا ہائے وہ بیوی سے کیسے کہتا کہ بس تم مخمل پر چل چکیں۔ اب پیادہ سفر کرنا پڑیگا امام خاں نے دروازہ سے آواز دی کہ مکان اگر خالی نہیں ہوتا ہی تو ہم معہ سپاہیوں کے اندر آتے ہیں آخر سلیم کی بیوی نے چادر لپیٹی چار برس کی ذاکیہ کو سلیم نے گود میں لیا اور یہ فلک ستائے چلنے کو تیار ہوئے کنیزہ نے مچلنا شروع کیا "ہمارے مٹھو کا پنجرا چھوٹا جاتا ہی" سلیم نے معصوم بچی کو فوری چپ کرنے کے لئے پنجرا اوٹھا لیا اور بروٹھے کے دروازہ پر پہنچکر اپنے مکان پر آخری حسرت آلود نگاہیں ڈالیں اور آنسو بھنا شروع ہوئے مگر کنیزہ کی وجہ سے رو بھی نہ سکا اور آگے قدم بڑھایا۔ ہائے کیا سلیم اسوقت نہ سوچتا ہو گا کہ ایک وہ دن تھا کہ جب میں گھر سے باہر قدم رکھتا تھا تو ماں کلیجہ پکڑ کر کہتی تھی "بیٹا سلیم پیٹ دکھاتے ہو تو صورت دکھانا بھی نصیب ہو سلیم وہی مچھلی کا شگون" لیکن آج وہ ضعیفہ بھی نہیں اور نہ سلیم کے دروازہ پر ہاتھی اور گھوڑے ہیں جو آج سلیم کی سواری کے لئے آتے ہائے وہ زرین سیانہ کہاں جو سلیم کی بیوی کو لے چلے۔ دونوں گھر سے نکلے اور نہایت بیکسی کے ساتھ۔ امام خاں نے طوطے کا پنجرا بھی یہ کہکر چھین لیا کہ قرضہ لیتے وقت ایک کوڑی نہ چھوڑی اسوقت پنجرا کہاں لیچلے کنیزہ نے دو تین مرتبہ تلا تلا کر مٹھو (مٹھو) مٹھو کہا مگر مٹھو بھی کنیزہ سے جدا ہو گئے۔ معصوم بچی اسوقت کیوں نہ روئی اسلئے کہ امام خاں کی پر قہر آنکھوں سے ڈر گئی تھی۔

سلیم کے باپ کے زمانہ کا ایک بڈھا ٹھاکر رگھو بنس سنگھ سلیم کے بہت کام آگیا۔ جو ایک کرایہ کا یکہ کرکے میاں بیویوں کو اپنے گھر لے گیا اور وہاں سے سلیم کو معہ انکی بیوی کے سسرال پہونچا دیا سلیم نے آنسو ٹپکاتے ہوئے اپنے مکان کو چھوڑا تھا خجالت زدہ اپنے بے اعتنا بے پرواہ اور بے مروت سالوں کے مکان پر پہنچا۔ بھلا وہ انکی ایسی حالت میں جبکہ وہ مفلس ہو رہے تھے کیا دلجوئی کرتے آخر سلیم سے

وہاں نہ رہا گیا اور تلاش ملازمت میں سلیم پردیسی ہوا۔

حال ہی حال میں انگریزی ہوئی تھی ملازمت کے لئے شرفا کی تلاش تھی احمد میاں کو گرد و پیش کے انگریز حکام جانتے تھے سلیم فرینکل صاحب سے شریف پرور انگریز سے ملا جس نے سلیم کو بلند شہر میں ڈپٹی کلکٹری دلوا دی۔ اور سلیم نے اپنی پہلی تنخواہ اپنے مکان چھڑانے میں کیونکہ وہ داخل دستاویز نہ تھی صرف کی اور اس میں اس کو خاصی کامیابی و امام خاں کو ذلت ہوئی کیونکہ فرینکل صاحب کے حکم سے امام خاں اس مکان سے جوتے کھاتا ہوا نکالا گیا۔

سلیم کے مکان کے متعدد قطعات تھے جس میں سے ایک قطعہ سلیم نے ٹھاکر رگھوبنس کے نام ہبہ کر دیا اور اپنی بیوی اور بھتیجی بچی ذاکیہ کو لے کر بلند شہر چلدیا۔ سلیم ذاکیہ سے محبت کرتا تھا اس نے اپنی بیٹی کو پڑھانا شروع کیا اور ماں (جو ایک سلیقہ شعار ہنرمند بیوی تھی) نے کاڑھنا۔ سینا۔ پرونا بتلانا شروع کر دیا۔ ہنوز ذاکیہ کی تعلیم نامکمل تھی کہ سلیم نے ہیضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا اور وہ یتیم ہو گئی۔

سلیم کی موت نے ان ماں بیٹیوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا اسکا اندازہ بمشکل ہی افسوس اب غریبوں کا کون پرسان حال تھا۔ آخر ذاکیہ کی ماں اشرف آباد میں آکر اپنے سسرالی مکان میں رہنے لگی۔ سلیم نے اپنی حالت چھ برس کی ملازمت میں اتنی سنبھال لی تھی کہ پانچ ہزار روپیہ کا بیوی اور بیٹیوں کے جسم پر زیور چھوڑ گیا۔ ذاکیہ کی ماں سعیدہ نے زیور میں تو ہاتھ نہ لگایا لیکن روپیہ بنک میں جمع کر کے پچیس روپیہ ماہانہ لینا شروع کیا کیونکہ اس طریقہ سے ماں بیٹیاں چند برسوں پیٹ پال سکتی تھیں۔ ذاکیہ اور ذاکیہ کی ماں پر سلیم کی موت کا اثر تو انکی زندگی کے ساتھ تھا مگر ذاکیہ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ اسکی ماں نے نہ چھوڑا اور کچھ دنوں میں ذاکیہ ایک سنجیدہ اور صاحب سلیقہ بھولی بھالی لڑکی ہو گئی اور مفلسی کی زندگی خاموشی اور راحت سے کاٹنے لگی۔

دربار - یہ خاندان اُن انصاریوں میں سے کسی کی نسل سے ہے جو راجپوتانہ کے ریگستانوں میں محمود غزنوی کی مدد کرتے ہوئے ملے تھے یہ خاندان تلواروں کے سایہ میں بڑھا اور نامدار ہوا شاہ ابدالی نے کسی جنگی کارنامہ کے صلہ میں انہیں سولہ ہزار منافع کی جاگیر دی تھی جو آج تک نسل وار چلی آتی ہے سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں یہ خاندان دربار نشین رہا اسلئے اشرف آباد والے اس خاندان کو درباری کہتے تھے جس زمانہ کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں اس زمانہ میں احسن اللہ خاں اور احسان اللہ خاں جاگیر کے وارث تھے

احسن اللہ باہمہ صفات موصوف متقی عبادت گذار باحوصلہ بزرگ تھے اور انہوں ہی نے احسان اللہ خاں کو اولاد کی طرح پالا تھا اپنے چھوٹے بھائی سے اتنی محبت کرتے تھے کہ اسپر اپنے بیٹوں کو نثار کرنا اُن کے نزدیک ایک آسان امر تھا۔ احسان ذکی الطبع خراج نوجوان تھا۔ احسن نے سخت غلطی کی کہ بچپنے ہی سے احسان کو جاگیر کے سیاہ وسفید کا مالک کر دیا۔ جوانی و ناتجربہ کاری۔ زرداری و آزادی بدروش احباب کی صحبت اور خودمختاری ان تمام صورتوں نے احسان کو تکمیل تحصیل علم سے محروم رکھا اور اسکے اندرونی عادات پر بھی اسبات کا اچھا اثر نہ پڑا یہی وجہ تھی کہ احسان بڑا مسرف نکلا اُسکے نزدیک قرض بڑھجانا کوئی بات ہی نہ تھی احسن اللہ کے دو مشغلے تھے عبادت وکتب بینی احسان کے دو مشغلے تھے بہولے سے کبھی سبق یاد کرنا ورنہ دن بھر ہُو حق۔ تعلقہ کا اللہ مالک تھا بڑی خوش قسمتی تو یہ تھی کہ ان دونوں بھائیوں کو صلاحکار وکارندے انکے خیرخواہ ونیک نیت ملے ورنہ تعلقہ تو احسان ہی کی فضول خرچیوں سے تباہ ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہونے پایا۔ بلکہ تعلقہ کی بربادی کے کچھ اور ہی اسباب پیدا ہوگئے ہم دنیا میں روز دیکھتے ہیں جو بڑھا وہ ضرور گھٹا اس میں شک نہیں کہ تنزلی ضرور اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن اسباب تباہی کچھ ایسے جمع ہو جاتے ہیں کہ ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ دنیا کے اُلٹ پھیر کی نسبت کیا حکم لگانا چاہیئے۔

احسن اللہ کی بیوی کا دفعتاً انتقال ہوگیا۔ اب احسن اللہ کی دوسری شادی کی فکر ہوئی اشرف آبادہی کے قریب ایک قصبہ تھا میرانپور یہاں کے بھی ایک مسلمان رئیس تھے۔ جنکے گھر کی علی العلوم عورتیں بدزبان۔ لڑانکا۔ بدطینت اور حاسد ہوا کرتی تھیں دوسرے رئیس میرانپور سے اور انصاریوں سے قرابت بھی تھی لیکن حسد ورشک کی وجہ سے وہ لوگ ہمیشہ انصاریوں کے درپئے آزار رہتے تھے اور ان دونوں بھائیوں کے باپ کو تو دباکر کچھ جائداد بھی لے لی تھی اور اب بھی وہ کچھ نہ کچھ نقصان پہونچانا احسن و احسان اللہ کو ضروری سمجھتے اور کامیاب ہوتے تھے احسن اللہ کے مشیروں نے اسلئے کہ رفع شر ہوجائیگا احسن اللہ کی وہیں شادی کرادی لیکن نتیجہ برعکس نکلا اور اسی شادی کے پیش آیند مہلک نتائج سے یہ خاندان برباد ہوا

احسن اللہ کی نئی بیوی احسنی بیگم اپنے خاندانی عورات کے اوصاف سے کچھ زیادہ صفات رکھتی تھیں چنانچہ وہ اپنے ظاہری جہیز میں اپنی طبیعت کے یہ اوصاف بھی ساتھ لائیں تھیں۔ حسد۔ بدطینتی۔ نخوت۔ خوشامدپسندی۔ لڑانکاپن۔ نابدرازی معہ اسباب بدزبانی۔ غیبت۔ مکر۔ ریا۔ پھوہڑپن۔ بدنظمی۔ بی احسنی بیگم نے آتے ہی اپنی نندوں سے فرمایشی لڑائی لڑی۔ اور جملہ مذکورہ آلات جلالت آثار سے سُسرے سے میکے تک ایسا رعب پھیلا دیا کہ یہاں نندیں اور تمام برادری کے لوگ میکے میں بھائی بھاوج اور تمام اعزا احسنی بیگم کی زبان سے پناہ مانگتے اور انکے نام سے کانپ اُٹھتے تھے۔ انہوں نے احسان پر بھی ان جملہ محاسن کے ذریعہ سے اثر قایم کرنا چاہا لیکن وہ لونڈا تھا آزاد ادھر دوسرے بھائی کا چہیتا تمام سیاہ وسفید کا مالک اسلئے احسنی بیگم کی اور تو کچھ نہ چلی مگر ہاں درپردہ احسان کی موت کی منتیں مانگنا اور اپنی اولاد اور گرد کے لوگوں کو احسان کا دشمن بنانا فرض سمجھتی تھیں۔ احسن پر بھی انکا جادو نہ چلا کیونکہ لاکھ احسن اللہ سید ہرسہی مگر وہ مستقل الخیال آدمی تھے اور سمجھتے تھے کہ بیوی اولاد مل سکتی ہے

سلام کیا اور سرہانے بیٹھنے لگی تو کہا گیا "دُور ہو یہ نحوست زدہ تو سر پر چڑھی آتی ہے کلیجہ پر پیر رکھے دیتی ہے موئی خدا جانے کہاں کی بدتمیز پیدا ہوئی ہے" جب وہ درمیان پلنگ پر بیٹھتی تو احسنی بیگم چھیتیں کہ کیا پاندان تیرے سر پر رکھا جائے اور جب علٰحدہ بیٹھتی تو اپنے بیٹے سے کہتیں کہ یہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ ذاکیہ کے سپرد باورچی خانہ کا انتظام ہوا ظاہر ہے کہ گھر میں جبکی یوں تذلیل کی جائے اسکی لونڈی باندیاں بھی ذلت کرینگی ماما‌ئیں احسنی بیگم کے مزاج سے ڈرتیں اور جلد کھانا پکاتی تھیں لیکن ذاکیہ لاکھ کہتی وہ کام ہی نہ کرتیں کھانا پکنے میں دیر ہوتی تو گھر بھر میں لے دے مچتی۔ آخر غریب نے چار بجے صبح سے اُٹھکر خود تمام باورچی خانہ کا کام شروع کیا تو لکڑی زیادہ جلانے پر احسنی چلائیں ماما‌ئیں جنس چراتیں اور ذاکیہ پر یہ الزام ہوتا کہ وہ اپنی ماں کو بھیجدیتی ہے۔ اگر وہ نگرانی میں سختی کرتی تو ماما‌ئیں غراتیں اور احسنی اُن کی طرف سے بچخا کرتی۔ اس دہندے سے فرصت ملتی تو اسے نہانا نصیب ہوتا آخر نعیم صاحب نے بھنگن کہنا شروع کیا نہانے بیٹھتی تو کھانا پکنے میں دیر ہوتی اور صلواتیں سننے کو ملتیں روز نہاتی اور یہ چاہتی کہ جلد جلد نہانے سے بدن صاف رہیگا اور وقت بھی کم لگے گا۔ تو احسنی کہتیں کہ "شاہزادی کے بدلنے کے لئے روز خلعت کہاں سے آئے وہ اگر بعد نماز دعائیں پڑہتی تو احسنی کہتی کہ مجھے اور میرے بچوں کو کوستی ہے بیچاری نماز بھی بڑی مشکل سے پڑھ سکتی تھی۔ غرضکہ ذاکیہ کی زندگی وبال تھی اسی درمیان میں اسکے دو لڑکے بھی ہوئے جس سے اور بھی مصیبت ہوگئی۔ احسنی بیگم کا یہ ظلم ہرگز نہیں بھلایا جاسکتا کہ ذاکیہ کی ماں دفعتاً بیمار ہوئی تو اس نے عیادت کو بھی نجانے دیا غریب ذاکیہ کی ماں کو غم بیوگی الگ تھا بیٹی کی جانب سے کوفت بالائے الم تھی اور مفلسی و علالت سخت مصیبت آخر غریب مرتے ہوئے بیٹی کے لئے ترستی دنیا سے رخصت ہوگئی۔ اور ادہر ذاکیہ تڑپا کی۔ جب ذاکیہ کو ماں کی موت کی خبر پہونچی تو اس نے تڑپ تڑپ کر رونا شروع کیا۔

چاہیئے تھا کہ اسکے ساتھ ہمدردی کی جاتی مگر نہیں ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ حسنی بیگم نے کہا کہ
ہمارے گھر میں مردے کو رو کر نحوست نہ پھیلاؤ۔ ذاکیہ تمام باتوں میں اطاعت کر سکتی تھی
لیکن یہ حکم کیسے مانتی اور پھر جب اسکے آنسو تھمیں حسنی نے چند مرتبہ منع کیا اور ذاکیہ نہ مانی
پلنگ سے اُتر کر غریب کو تین چار دہکے رسید کئے۔ ہاں چپ کرنیکا یہی طریقہ تھا۔ ذاکیہ آسمان
کو دیکھ کر چپ ہو گئی اور مرحومہ ماں سے اس طرح مخاطب ہوئی "اماں جان آپ مجھے
دنیا میں کیا اسلئے چھوڑ گئیں" حسنی کے اس ظلم پر تمام گھر نے دانتوں میں اُنگلی دبائی اور
احسانی فوراً اسکو لے کر اسکے مائکہ چلی گئی اور ذاکیہ کی ماں کی غمی میں شریک ہوئی۔ احسانی
تو اُسیروز پلٹ آئی مگر ذاکیہ بھی ساس کے خیال سے سوم کے بعد نہ ٹھہر سکی اور جب
سسرال پہونچی تو حسنی کی فرمایشی صلواتیں سنیں ذاکیہ کی ماں کا کچھ رعب تھا تو وہ بھی اب گیا
اور ذاکیہ سے بالکل لونڈیوں کی طرح خدمت لی جانے لگی مگر میاں نعیم ابھی تک اپنے اسی
فیصلہ پر قایم تھے کہ اگر" ذاکیہ ایسی نہوتی تو کیا مجھ سے شکایت نہ کرتی۔ بُوا شیراتن کی
بھی تو رائے تھی کہ مجھے دوسری شادی کرنا چاہیئے" آخر ان تمام باتوں کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا ہو
ایک روز دروازہ پر مالی پھول لیکر آیا بہت سی لونڈیاں بیٹھی تھیں لیکن اُن کی
طرف سے مُنہ پھیر کر حسنی ذاکیہ کی طرف مخاطب ہوئیں کہ جا پھول لے آ۔ ذاکیہ نے
کہا کہ اب آپ کو میری بے پردگی کا بھی خیال نہیں مگر حسنی نے گڑک کر کہا "بڑی
پردے والی مالی ہاتھ بڑہا کر پھول دیدیگا تو دیوار کی آڑ سے لے لینا"۔ ذاکیہ ڈری
کہ کہیں سلیپر نہ چلنے لگے یہ سوچکر اُٹھی کہ وہاں گوشہ میں پوشیدہ ہو کر چلی آؤنگی
اور کہدونگی کہ مالی نے ہاتھ نہیں بڑہایا۔ ذاکیہ بردے کیطرف جا رہی تھی کہ اودہر سے
آپڑے میاں نعیم بردے کی طرف بیوی کو جاتے ہوئے دیکھکر غیرت آئی اور
سخت۔ ذاکیہ میاں کے تیور تاڑ کر خوشی خوشی لوٹی اور نعیم یہ کہتا ہوا کہ "دد کیا اب
بردے پر جانیوالا کوئی نہیں رہا"۔ حسنی تو ایسے موقع کی منتظر ہی رہتی تھی نہایت

سنجیدگی سے بولی بیٹا ایک نہیں بیس مامائیں ہیں لیکن تیری بی بی تو احسانی کے کہنے
میں ہے اس نے کہا اور یہ پھول لینے دوڑی گئی میرا کام منع کرنا ہے سو اسکا بھی
پھل پا لیا" نعیم صاحب تاؤ بدلتے اپنی چچی کے پاس گئے غریب احسانی بیگم کو کیا خبر
اس نے واقعہ ہی سے لاعلمی ظاہر کی نعیم اپنی چچی کو جھوٹا سمجھا اور بلا تحقیق بی بی کو
اس امر کا مرتکب سمجھ لیا باہر گئے میانہ منگوایا ذاکیہ کو معہ اسکے لڑکوں کے گھر
بھیجدیا۔ احسانی کو جو تمام واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے ثابت کرنا شروع کیا کہ میری
زبان پانچ ہاتھ کی ہے اور حسنی کو خوب ہی خوب جھاڑا آخر دونوں میں ایسی لڑائی
ہوئی کہ اسی وقت چولھا۔ ہنڈیا الگ ہو گئی۔ احسان اللہ خاں تو اپنی بیوی کے
طرفدار تھے ہی مگر احسن اللہ خاں نے بھی یہ غلطی کی کہ اصل واقعہ کی تحقیق نہ کی اور
انہوں نے بوریا بجتر باندھا مکہ مدینے چلدئے اور حاکم ضلع سے کہہ گئے کہ مجھسے اور
علاقہ سے کوئی سروکار نہیں نعیم جانیں اور احسان اللہ۔ احسن اللہ نے تو تارک الدنیا
ہو کر غریب لوطنی اختیار کی ادھر نعیم میں اور احسن اللہ میں بٹوارے کیلئے مقدمہ
بازی شروع ہوئی ڈیڑھ برس کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ قرض حد سے متجاوز ہو گیا اور
آخر میں جب بٹوارہ ہوا تو مہاجنوں نے دعوی کرنا شروع کر دیا چچا بھتیجوں نے
علٰحدہ علٰحدہ اس میں اور روپیہ قرض لے لیکر صرف کیا اس مدت میں نعیم کا چھوٹا
بھائی علیم بھی جوان ہوا اس نے اپنے حصہ کا علٰحدہ نوٹس دیا اور قرض کا ذمہ دار
بھائی کو قرار دیکر اپنا حصہ بھی علٰحدہ کر لیا لیکن مہاجنوں کے حملہ سے تینوں کے پاس
سوائے دوسو روپیہ منافع کی سیر کے اور کچھ نہ رہا اور اسپر بھی قرض شروع ہو گیا
ذاکیہ کا نتیجہ۔ ذاکیہ کو نعیم نے میانہ میں بٹھالا وہ بیٹھی اور اپنے گھر چلی آئی۔ گھر میں
جو اتری تو ڈیڑھ برس کا لڑکا گود میں تھا اور چھ برس کا انگلی پکڑے ہوئے
ذاکیہ کو بالکل پرواہ نہ تھی کہ وہ اپنی سسرال سے نکالی گئی جب تک میانہ گھر

پہونچے وہ راستہ بھر اپنے مرحوم والدین کی یاد میں بیقرار رہی اور جب گھر میں داخل ہوئی تو دیوانہ وار کونوں کونوں اپنی ماں کو تلاش کرنا شروع کیا اسوقت بالکل ذاکیہ حواس میں نہ تھی جہاں جہاں ذاکیہ کی ماں بیٹھا کرتی تھی وہاں وہاں وہ جاتی اور درد انگیز آواز سے کہتی "اماں جان ذاکیہ حاضر ہے - تم کہا کرتی تھیں کہ ذاکیہ جب سے سسرال گئی گھر نہیں آئی - اماں جان تمکو ذاکیہ کو پاس رکھنے کی تمنا تھی - ذاکیہ یہ باتیں کرتی تھی روتی رہی تھی -

جس مکان کا یہ دردناک منظر ابھی ناظرین کے سامنے ہے اسی مکان کے صحن میں ایک کنواں بھی ہر چار بجے اسی کنوئیں سے ٹھاکر رگھوبنس کی ٹھکرائن پانی بھرنے آتی تھی چنانچہ آج بھی وہ حسب معمول آئی رونے کی آوازوں نے اُسے دالان کی طرف بھی مخاطب کیا - ٹھکرائن سمجھ گئی کہ ہونہو ذاکیہ ہی ہوگی ٹھکرائن کو ذاکیہ اور ذاکیہ کی ماں سے دلی محبت تھی اسکو ذاکیہ کے خیال نے بیچیں کر دیا - دوڑی ہوئی دالان میں گئی کچھ دیر تو خود بھی ذاکیہ کے حال پر رویا کی پھر ذاکیہ کا منہ ہاتھ دُھلایا جب وہ ہوش میں آئی تو احمد کو چپ کیا سعید کو جو روتے روتے تھک کر چپ ہو رہا تھا گود میں اُٹھالیا ذاکیہ کو تسلی وتشفی دی کئی مرتبہ بیٹی کی طرح کلیجہ سے لگایا اور بچونکو پیار کیا - ذاکیہ ٹھکرائن کو خالہ کہا کرتی تھی اور وہ بھی ذاکیہ کو اپنی اولاد سے کم نہ سمجھتی تھی آخر ذاکیہ ٹھکرائن کے تشفی آمیز جملوں سے کچھ حواس میں آئی اور احمد کو بسورتے دیکھکر سخت ضبط سے کام لیا تاکہ آنسو نہ ٹپکے - احمد نے آج صبح سے کچھ نہ کھایا تھا چہرہ کمھلایا جاتا تھا ٹھکرائن سمجھ گئی دوڑ کر گھر سے کچھ روٹیاں اور کچھ مٹھائی لے آئی اور احمد کے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر کھلانا شروع کیا تھوڑی دیر کے بعد ٹھکرائن کی لڑکی بھی آگئی کھانا کھانیکے بعد احمد اسکے ساتھ کھیلنے لگا اور بچہ کی طبیعت بہل گئی -

ذاکیہ دو تین دن تو اپنی خالہ ٹھکرائن کی مہمان رہی مگر ذاکیہ خود جانتی تھی کہ

ٹھاکر رگھوبنس کے سر نہ مجھے پڑنا چاہیئے اور نہ اُس میں یہ حالت ہے کہ وہ میرا بار اُٹھا سکے اسلئے اُس نے ٹھکرائن سے کہا کہ اس مکان کے بیرونی قطعات میں کچھ کرایہ داروں کو بسوا دو اور یہ انتظام کردو کہ جو کچھ میں کاڑہا کروں اُسکو کوئی بیچ آیا کرے تو میری گذر بخوبی ہو جائیگی ٹھکرائن نے پہلے تو بہت کہا کہ جیسی رادہا (ٹھکرائن کی لڑکی) ویسی ہی تم ضرورت نہیں کہ تم اپنے کھانے کا علحدہ انتظام کرو مگر ذاکیہ نے بہت اصرار کیا چنانچہ ٹھاکر رگھوبنس نے مکان کے اُن بیرونی قطعات میں جسکا سلسلہ زمانہ قطعہ سے دور تھا۔ سات روپیہ ماہوار پر دو کرایہ دار بسوا دیئے اور کرایہ پیشگی لیکر ذاکیہ کو بھجوا دیا اور یہ بات خود گوارا کی کہ وہ اپنی بساط خانہ کی دوکان ہی میں ذاکیہ کی کاڑہی ہوئی چیزیں بھی رکھ لے اور تمام سودا سلف کر دیا کرے۔ ذاکیہ نے کچھ کاڑہنے کا سامان منگا کر ٹوپی کے پتلے بنانا شروع کیئے یا چکن کاڑہنے لگی اس طرح پر دس بارہ روپیہ کی آمدنی ہو گئی جو ذاکیہ اور اُسکے بچوں کی گذر کے لئے تنگی سے کافی تھے۔

ذاکیہ نے اپنی سُسرال کے متعلق نہ کبھی کچھ نیک و بد خیال کیا اور نہ اُسکو پرواہ تھی اُسکی زندگی ان اشغال میں کٹنے لگی۔ والدین کا غم کرنا احمدؐ کو پڑہانا۔ رادہا کو کاڑہنا سکھانا اور ہنڈیا چولھا کرنا۔ یا عبادت خدا۔ رادہا ذاکیہ کی ماں سے ہی سینا پرونا سیکھا کرتی تھی اور اُس سے ذاکیہ کی ماں بھی محبت کرتی تھی اور ذاکیہ بھی اس لڑکی سے محبت رکھتی تھی۔ رادہا دن و رات ذاکیہ ہی کے پاس رہتی تھی اور ٹھکرائن بھی اپنی فرصت کا وقت یہیں صرف کرتی۔ غرضکہ سال بھر ذاکیہ کی زندگی یونہی بسر ہوئی ٹھکرائن تعجب کیا کرتی تھی کہ کس بلا کی عورت ہے جس نے کبھی نہ اپنی سُسرال کی شکایت کی نہ وہاں کا کبھی کسی قسم کا ذکر کیا۔ بلکہ وہ انداز سے ثابت کر رہی تھی کہ اسکی زندگی میں وہ مصائب ہی نہیں گذرے جو اُسے سُسرال

میں پہونچے ہاں اپنی اولاد سے زیادہ محبت کرتی تھی۔

رادہا کا سن دس برس کا ہوچکا تھا ٹھکرائن نے ایک شریف ٹھاکر کے لڑکے کے ساتھ اُسکی شادی کردی رادہا کے ساتھ جہیز تو کم گیا لیکن اُسکی ہنرمندی کے کمال نے اُسے سسرال میں بہت نیکنام کیا ٹھکرائن اور ذاکیہ اسبات سے تو ضرور خوش تھیں لیکن رادہا کی جُدائی سے غمگین رہتی تھیں۔

موسم کا تغیر ہورہا تھا۔ آب و ہوا میں فصلی بخار کا مادّہ بکثرت تھا اور علی العموم بخار وچیچک کی شکایت تھی۔ رادہا کی سسرال سے خط آیا کہ وہ بہت بیمار ہے اس خبر سے ٹھکرائن کو وہاں جانا پڑا۔ اودہر ٹھکرائن رادہا کے دیکھنے کو گئی ادہر ٹھاکر رگھوبنس کو بخار آنا شروع ہوا اور اس شدت کا بخار کہ ٹھاکر کو دو ہی دن میں نقل و حرکت دشوار ہوگئی مکانات کا کرایہ بھی نہ وصول ہوا تھا اور نہ اس طرف چکن وپلّے بکتے تھے جس سے ذاکیہ کا ہاتھ بالکل خالی تھا مفلسی اور آٹا گیلا سعید کو چیچک نکل آئی غریب ذاکیہ سعید کو سنبھالے یا چکن کاڑہے یا احمدؔ کے لئے کچھ پکاسنے پانی بھرے غرضکہ کیا کیا کرے متردد اور کشمکش میں تھی سعید کا بخار بڑہتا جاتا تھا۔ ذاکیہ نے دن بھر فاقہ کیا رات کے ۸ بجے ذاکیہ کچھ پکانے اُٹھی ہی تھی کہ ساڑہے تین برس کے معصوم بچّے سعید نے دفعتًا ایک طرح کی غیر معمولی جنبش کی اور ماں کو داغ مفارقت دیا ذاکیہ کی زندگی انہیں دونوں بچوں کے بھروسہ پر تھی۔ ماں نے جونہی سعید کو بیجان دیکھا لاش کو گلے سے لگایا بہت پیار کیا احمد کی طرف دیکھا جو بھوک کی وجہ سے سوکھا جاتا تھا۔ ذاکیہ سمجھدار تھی (اسلئے کہ احمد نہ کہیں رونے لگے) رونا مناسب نہ سمجھکر دل کو بہت مسوسا۔ لیکن آنسوؤں کے ساتھہ یہ الفاظ بھی نکل پڑے " اے ننھی سی جان ماں کو چھوڑکر بڑے سفر کا ارادہ کیا اچھا اللہ کو سونپا " پھر لاش کو پیار کیا اور پلنگ پر چادر اوڑہا کر لٹا دیا۔

دنیا میں کسی ماں پر ایسی مصیبت نہیں پڑی کہ ایک بیٹے کی لاش سامنے پڑی ہو۔ دوسرے کو روٹی کھلانے کی فکر ہو۔ گھر میں ڈھونڈھا تو ایک ٹکڑا بھی روٹی کے نام سے نہ تھا کچھ آٹا پڑا ہوا تھا۔ خدا جانے ذاکیہ نے کیا سوچکر غسل کیا آگ سلگائی دو پھلکے ڈالے احمد کے سامنے لاکر رکھے رات کے بارہ بج چکے ہونگے لیکن احمد بھوک کی وجہ سے جاگ رہا تھا۔ ماں نے بیٹے کا بھولا بھولا منہ چوما اور کہا روٹی کھا لو احمد نے کہا کہ اماں جان تم بھی کھاؤ اور سعید کو بھی جگا لو۔ اس فقرہ نے ماں کے کلیجہ کے ٹکڑے اڑا دئے لیکن اس نے ایسا ضبط کیا جو کسی ماں سے ممکن نہ تھا اور بولی احمد سعید تو سو رہے وہ ہم سے خفا ہیں تم روٹی کھا لو" احمد اٹھا کہ سعید کو جاکر منائے ماں نے ہاتھ پکڑ کر کہا بیٹا سعید کو نہ جگاؤ اسے تکلیف ہوگی اچھا آؤ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاتی ہوں۔ ماں نے احمد کے دکھلانیکو منہ میں ایک نوالہ رکھا مگر اگل پڑا آخر جیسے تیسے کرکے احمد کو روٹی کھلا کر اسے علحدہ لیکر لیٹی احمد تو سو گیا مگر ذاکیہ متشوش تھی کہ سعید کو کیسے اکیلا چھوڑے آخر وہاں سے اوٹھی چراغ سعید کے چہرہ کے پاس رکھا اور بلائیں لیکر پھر آنسو بہانے لگی غرضکہ پوری رات اسی طرح گذری۔ علی الصباح ہٹا کر گھونس نے خیریت پوچھنے کیلئے احمد کو آواز دی ذاکیہ سمجھتی تھی کہ احمد چونکتے ہی سعید کو پوچھنا شروع کرے گا اسلئے وہ خود دروازہ پر گئی اور دیوار کی آڑ سے اپنا حال زار بیان کیا گھونس روتا ہوا بازار گیا بچے کے لئے کفن لایا دو تین آدمیوں کو بھی بلوا لیا ایک مزدورنی کو بھی اندر آنے جانے کے لئے لیتا آیا احمد کو بہلا کر محلہ کے بچوں کے ساتھ کر دیا سعید کا غسل و کفن ماں ہی نے کیا وہ مرنے کے بعد بھی نہ چاہتی تھی کہ کہ سعید کو گود سے جدا کرے لیکن احمد کا خیال تھا جب غسل و کفن کر چکی تو بیٹے کی شان دیکھی بہت پیار آیا بلائیں لیں اور سینہ پر صبر کی سل رکھکر کہا جاؤ داری

رخصت" وہی عورت ننھے سے بچہ کو ہاتھوں پر باہر لے چلی جنازہ جب باہر نکلنے لگا تو ماں نے پھر پکار کر کہا "سعید تمکو اللہ کی امان میں سونپا"

ادھر بیٹے کا جنازہ باہر نکلا اودھر ماں بیہوش ہو کر گری اودھر احمد گھر میں داخل ہوا ماں کی حالت دیکھکر چیخ چیخ کر رونے لگا ذاکیہ کو ہوش آیا احمد کو کلیجہ سے لگا یا سر پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ میرے پیارے تم سبق یاد کرو ہم تمہارے لئے روٹی پکاتے ہیں۔ آدہ پاؤ کے قریب جوار کا آٹا اُسوقت بھی جھاڑے جھوڑنے نکل آیا ذاکیہ نے آگ سلگائی روٹی پکائی جب روٹی پکا چکی تو اُس نے دیکھا کہ احمد کونے کونے کچھ ڈھونڈھتا پھرتا ہے جب ماں کو اپنی طرف مخاطب دیکھا تو احمد نے پوچھا "اماں جان سعید کہاں ہے" ذاکیہ قریب تھا کہ رو دے مگر پھر اُس نے کہا کہ بیٹا ٹھاکر جی اُسے اسپتال لے گئے ہیں۔

احمد۔ اسپتال کیوں لے گئے ہیں"

ماں۔ وہیں سعید کی دوا ملے گی"

احمد "اماں ہمتو آج بغیر سعید کے روٹی نہ کھائینگے اور نہ پڑھینگے" ذاکیہ سے اب ضبط مشکل تھا وہ رو کر بولی بیٹا سعید دنیا سے سدہارے"

احمد۔ تو کب تک آئینگے"

ماں۔ اب کبھی نہ آئینگے"

بچہ ہرگز ان الفاظ سے نہ سمجھ سکتا تھا کہ سعید مر گیا ہوگا اس نے پھر اپنی ماں سے کہا "اماں سعید کو ہمیں دکھا دو" ماں نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر دوبارہ گری ذاکیہ کے سر میں اس مرتبہ سخت چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ احمد نے پھر رونا شروع کیا آخر ذاکیہ پھر ہوش میں آئی مگر یہ کہکر پلنگ پر منہ ڈھانپ کر لیٹ رہی "احمد ہم سے اسوقت باتیں نکرو اچھا آؤ ہمارے پیر تو دابو ہمیں بخار سا آچلا ہے

احمد ننھے ننھے ہاتھوں سے ماں کے پیر دابنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد واقعی ذاکیہ کو بخار بڑی شدت سے ہوا یا حتی کہ احمد کے ہاتھوں تک گرمی پہونچی احمد نے ماں کو دو تین مرتبہ آواز دی ذاکیہ بولی تو لیکن بخار کی شدت۔ سعید کی موت اور احمد کی باتوں سے وہ بالکل بدحواس تھی ۷ برس کا معصوم بچہ احمد کیا کر سکتا تھا۔ وہ یہ سوچکر کہ "وہ سعید اسپتال گیا ہو وہیں سے ہم اپنی ماں کے لئے بھی دوا لے آئیں" باہر نکلا معصوم بچہ احمد اشرف آباد کی گلیوں سے ناواقف وہ کہاں جا رہا ہو؟ اسپتال کیا وہ ٹھیک راستہ پر ہے؟ نہیں اُسکے دل میں ماں کی محبت کا دفور ہو اور جو اسکو مل جاتا ہو اس سے تتلا کر کہتا ہے "ہمالی (ہماری) اماں بیمار ہیں انکے لئے دوا لادو۔ احمد گھر سے بہت دور نکل گیا ہے۔ اسکا بھولا بھولا اور پیارا چہرہ دیکھکر ہر شخص اس سے متوجہ ہو جاتا ہے مگر احمد دوا کے تقاضہ کے سوا اور کچھ منہ سے نہیں کہتا۔

جس سڑک پر احمد جا رہا تھا اُسی سڑک پر ایک گداز بدن گندم گوں پریشان حال نوجوان ملا اس شخص کے جسم پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا اور بغل میں کچھ کاغذات دبے ہوئے تھے۔ احمد نے اُس سے بھی دوا کا تقاضہ کیا اُس شخص نے بچہ کو دیکھا اور نہایت محبت آمیز انداز میں زبان سے نکل گیا "احمد" احمد نے سر اُٹھا کر دیکھا اور اُس کے منہ سے بھی نکل گیا "ابا جان" اسوقت جو شخص احمد سے مخاطب ہو یہ نعیم ہے احمد کا باپ کچہری سے آرہا ہے۔ بغل میں مقدمات کے کاغذات دبے ہوئے ہیں۔ نعیم کبھی بغیر سواری کے باہر نہ نکلتا تھا انقلاب نعیم نے ہر چند چاہا کہ احمد کو اپنے ساتھ لے جائے کیونکہ محبت پدری اُسکے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی مگر احمد مچل گیا اور نہ گیا آخر اُس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ اس بچہ کو سرکار والی حویلی میں پہونچا دو اور احمد سے کہا کہ تم جاؤ ہم دوا لاتے ہیں۔

آج نعیم کی نگاہوں میں بیوی کی شکل پھرنے لگی اُس نے تمام گذشتہ واقعات کو عالم خیال میں دہرایا۔ وہ وقت بھی پیش نظر تھا جب اس نے میانہ منگا کر اپنی بیوی کو نکالا تھا اور ذاکیہ خدا حافظ کہکر اور یہ سُنا کر کہ میں بے گناہ ہوں میانہ میں سوار ہو گئی تھی۔ نعیم اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اُسکا چھوٹا بھائی کلیم اسی کی ماں کے اشتعال دینے سے اس سے لڑا آج نعیم نے اور بھی اچھی طرح سمجھ لیا کہ واقعی اسکی ماں کی وجہ سے یہ تمام تباہی آئی۔ وہ گھر گیا اس نیت سے کہ طبیب کو لانا چاہیئے اور بی بی سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

احمد گھر پہونچا ذاکیہ کو اُسی طرح بخار تھا مگر بدحواسی کم تھی احمد نے ماں کو آواز دی ماں نے آنکھیں کھولیں احمد بولا "ہم تمہارے لئے دوا لینے گئے تھے ابا جان ملے اُنھوں نے کہا ہم دوا لیکر آتے ہیں تم چلو" ذاکیہ بیٹے کی بھولی بھولی باتوں پر مسکرائی اور اُٹھکر اُسکا منہ چوم لیا اور کہا کہ بیٹا پانی پلا دو۔ احمد نے پانی پلایا پھر دوبارہ تشنگی معلوم ہوئی پھر اس نے ماں کو پانی پلایا۔ ذاکیہ پھر شدت بخار سے آہ سرد بھر کر بیہوش ہو گئی احمد سمجھا کہ پھر پانی مانگا گھڑوں میں پانی نہ تھا کیونکہ کل سے بھرے نہ گئے تھے اور بھرتا کون جب لوٹوں میں بھی پانی نہ نظر آیا تو احمد کنوئیں پر گیا اور رسّی میں لوٹا پھانس کر کنوئیں ڈالا۔ لوٹا بڑا تھا جب اُس میں پانی بھرا اور احمد نے کھینچنا چاہا تو معصوم وکمزور بچہ جھونک میں نہ سنبھل سکا دفعتًا کنوئیں میں گر پڑا۔ ادھر احمد کنوئیں میں گرا اور ادھر ٹھکرائن مکان میں معہ رادہا کے داخل ہوئی دونوں ماں بیٹیاں ابھی ابھی پہونچی تھیں اور مکان میں اسباب رکھکر ادھر چلی آئیں۔ ٹھکرائن نے کنوئیں میں گرتے احمد کو دیکھ لیا تھا۔ بیچاری بدحواس ہو گئی اور رادہا رونے لگی ٹھکرائن نے باہر جا کر آدمیوں کو پکارنا شروع کیا اور رادہا نے اُس کمرہ کے دروازے بے پردگی ہونے کی وجہ سے بند کر دیئے جس میں ذاکیہ

بیمار پڑی تھی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ نعیم بھی ایک طبیب کو حسبِ عدہ لیکر پہونچا بچہ کو فوراً کنوئیں سے نکالنے کی کوششیں کی گئیں ہائے احمد اگر سیدھا پانی میں گرتا تو وہ بچ سکتا تھا مگر افسوس اُسکے سر نے کنوئیں سے کئی ٹکریں کھائیں تھیں جس سے سر بالکل ہی شگافتہ ہو گیا اور خون بہت نکل چکا تھا احمد نے کنوئیں سے باہر نکل کر ٹھنڈی سانس لی اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

خدایا ذاکیہ کو ہوش نہ آئے تو بہت اچھا ہے۔ ہائے وہ احمد کی لاش دیکھے ہی بغیر دنیا سے اُٹھے تو مناسب ہے، وہ سُسرال کے ظلم یتیمی کی غمی مفلسی کی تکالیف ان تمام باتوں کو محض اس اُمید پر کہ ان دونوں سے آخری زندگی میں راحت پہونچے گی بھول گئی تھی۔ اور سعید کے لئے یہ سوچکر نہ روتی تھی کہ احمد کہیں رنجیدہ نہو اسکی زندگی کے دو سہارے تھے۔ ایک تو پہلے ہی مٹ چکا اب دوسرا بھی ٹوٹ گیا۔ ذاکیہ کو احمد کی موت ہی کا صرف صدمہ نہو گا بلکہ تمام گذشتہ مصائب کا بھی۔ کاش احسنی بیگم کی ذاکیہ بہو نہ ہوتی تو آج ایسا نہ ہوتا کاش احسنی بیگم احسن اللہ خاں کی بیوی نہ بنتی تو ذاکیہ کا حسن انتظام اور قابلیت انصاریوں کے خاندان کو معراج کمال پر پہونچا دیتی کاش احسن اللہ کا شادی ہونے سے قبل یہ خیال ہوتا کہ لڑائی کا اور بد طینت عورت سے کبھی گھر درست نہیں ہو سکتا تو آج یہ نتائج نہ ہوتے۔ کاش ذاکیہ کے دادا فضول خرچیوں میں اپنی جائداد تباہ نہ کرتے تو آج یہ واقعات نہوتے کاش نعیم جس وقت اپنی بیوی کو نکال رہا تھا ذرا بھی یہ سوچتا کہ واقعہ کی تحقیق کرنا چاہیئے تو ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ دونوں خاندانوں کی تباہی اور ان بیکسوں کی موتوں کی احسنی بیگم اور ذاکیہ کے دادا مواخذہ دار ہیں۔ نعیم بھی سخت باز پرس میں مبتلا ہو گا۔

گھر میں شور و ہنگامہ جو مچا تو ذاکیہ کو ہوش آیا رادھا اسکے پاس کھڑی ہوئی رو رہی تھی۔ رادھا کو تو دیکھکر وہ خوش ہوئی لیکن اسکے رونیکا سبب معلوم کرکے

اُس نے پلنگ کی پٹی پر اپنا سر پٹک دیا۔ ذاکیہ کے سر سے زیادہ شگاف ہوگیا۔ ذاکیہ کو اسوقت پردے کا بالکل خیال نہ تھا وہ باہر نکلنا چاہتی تھی کہ احمد کی لاش ٹھکرا اُن اور نعیم روتے ہوئے کمرے میں لائے لوگ باہر چلے گئے۔ بیٹے کے سر کا گھاؤ دیکھکر ذاکیہ کا کلیجہ پھٹ گیا۔ احمد کی لاش دیکھکر اسکے دل کے پرخچے اُڑ گئے نعیم کو دیکھکر اسے یقین ہوا کہ احمد ہی اسے بلا کر لایا تھا اور وہ واقعی دوا لینے گیا تھا ذاکیہ کے آنسو خشک تھے اور دیوانہ وار لاش کو دیکھ رہی تھی اور سب سے سوال کرتی تھی لوگو کیا میرا احمد زندہ نہیں ہے یہ تو ماں کا بڑا خدمتی بیٹا ہے ہرگز یہ ماں کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ احمد اے احمد اُٹھو تمہاری ماں کو اب بچا رہنیں ہائے کمبخت ماں کو اب پیاس ہی نہیں جس کے لئے تمنے جان دی۔ احمد کیا ماں کے لئے دوا لینے گئے ہو۔ احمد تمہاری ماں کی دوا موت ہے احمد تم مجھسے سعید کو پوچھتے تھے اگر اسلئے روٹھے ہو تو بتاؤ میں تمہارے چھوٹے بھائی کو تم سے کیسے ملا دوں میرے احمد اُٹھو ہائے تم تو ابھی ماں سے بھولی بھولی باتیں کر رہے تھے" ذاکیہ یہ کہتی جاتی تھی اور بیٹے کے منہ کو بار بار چومتی جاتی تھی احمد کے سر سے خون ابھی تک بہ رہا تھا یہ خون نہ تھا ذاکیہ کا درد وہ ذاکیہ کی مصیبتوں اور محنتوں کا نتیجہ تھا۔ ذاکیہ خون دیکھکر بیہوش ہوگئی۔ ذاکیہ کو فوراً سرسام ہوا ذاکیہ نے دو تین مرتبہ احمد احمد کہا اور جان بحق تسلیم ہوئی۔ نعیم نے بیوی کا شانہ ہلا کر اپنے گناہ کی معافی چاہی اگر ذاکیہ زندہ ہوتی تو وہ ضرور بخشدیتی ذاکیہ عقلمند صابر اور نہایت متحمل لڑکی تھی اسپر قرآنی تعلیم کا پورا اثر ہوا تھا وہ ہمیشہ سمجھتی تھی کہ شوہر کی اطاعت فرض ہے۔ اُس نے اپنے شوہر کا نام سُنکر جو روح پرواز کیا تھا وہی نعیم کے تمام عمر کے نیک اعمالوں سے افضل تر تھا۔

نعیم بیوی کے جنازہ پر کھڑا رو رہا تھا اور اپنی گذشتہ خطاؤں پر نادم تھا۔

کی مرے قتل کے بعد اسنے جفا سے توبہ		ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

سات بجے شام تک ماں بیٹوں کا جنازہ گورستان پہونچا اور آجتک فراک کے فسانہ پر لوگ آنسو بہاتے ہیں۔

یہ دردناک واقعہ ۱۸۶۸ء مئی کا ہے بعض وجوہ سے نام و پتہ میں تغیر کردیا گیا ہے لیکن پلاٹ کو اسی طرح لکھا جس طرح مستند ذریعہ سے سُنا تھا۔

حسن

مس نذر الباقر صاحبہ ملاحظہ فرمائیں

آہ! گلسیا تک پریشاں میزنم		نالۂ دردمند لبیاں میزنم
جملۂ گل بہم من بستند ومن		ہر بیوار گلستاں میزنم

میں نہیں چاہتی تہی کہ اپنی ضعف و نالی سے ناظرات خاتون کے کان پریشان کروں۔ مجھہ میں خود اُسکی تاب و تواں نہیں۔ جو کچھ گذری اور گذر رہی ہے ”فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ“ پر غور کرکے اُسکی ظاہری و باطنی سیم میں مبتلا ہوں۔ مگر محترمہ بہن مس نذر الباقر صاحبہ کا مضمون مارچ کے خاتون میں دیکہہ کر جس میں میرا بہی نام لیا ہے مہر سکوت کو توڑنا پڑا۔ ناچار اظہار حال کے طور پر کچھ لکہتی ہوں۔ بہن صاحبہ آپ میرے والدین کی علالت کو میری عدیم الفرصتی کا سبب سمجھے ہوئے ہیں۔ اس چکر میں تو میں آٹھ برس سے بلافصل مبتلا ہوں۔ جسکا حال آپ کو بہی معلوم ہے۔ مگر ۱۹۱۱ء نے ابتلا کا ایک تازہ باب میری زندگی کی کتاب میں کہولا۔ جس سے شیرازۂ دل ایسا پریشان ہوا ہے کہ اب شاید ہی اجتماع نصیب ہو۔

سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر ناپیدا کنار		اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں ہزار
اے ہوس خون رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار		یہ شرارہ کا تبسم۔ یہ خس آتش سوار

یہ قمر جو ناظم عالم کا اک اعجاز ہے		پہنے سونے کی قبا محو خرام ناز ہی
چرخ بے انجم کی وحشتناک وسعت میں مگر		بیکسی اسکی کوئی دیکھے ذرا وقت سحر
اک ذرا سا ابر کا ٹکڑا ہے جو مہتاب تھا		آخری آنسو ٹپک جانے میں ہے جسکی فنا"

شاید آپ کو معلوم ہو کہ میرے بڑے بھائی (سلمہ اللہ تعالیٰ) اور میری بڑی بہن مرحومہ کی نسل کی دو لڑکیاں (ایک اُن کی اور ایک ان کی) بے مادری کے سبب سے میرے والدین کے آغوش شفقت میں پل رہی تہیں۔ اُن کی پرورش میں ماں باپ کا ہاتھ بٹانا میرا ہی فرض تہا۔ قدرتی تعلقات اور ہر وقت کی صحبت نے مجھکو اُنکا اور اُن کو میرا سچا رفیق۔ دلی شیدائی۔ اور سفر زندگی کا ساتھی بنا دیا تہا۔ جب اُن کی پرورش کی منزل طے ہوئی۔ اور تعلیم و تربیت کا مستقل زمانہ آیا تو چونکہ میں علم کی تہوڑی بہت لذت گیر تہی۔ اور شعور بھی پورا آگیا تہا جس جنون میں خود مبتلا تہی اُن کی بہی اُسی طرف رہبری کی۔ میرا گھر تعلیم نسواں میں اپنے خاندان میں مشہور بلکہ مطعون ہے۔ اور اسی ملامت آمیز شہرت نے مجھے بہت سے مفید علوم و فنون کے اکتساب سے محروم رکہا۔ اُن کی تعلیم و تربیت کے مرحلے میں میری تازہ ہمت اور تشنۂ علوم و فنون دل نے بہت سی پچہلی بیہودہ بندشوں کو توڑ دیا۔ اور اپنے خیال میں بیوقوف معترضوں سے قطع نظر کرکے جو فنون لطیفہ و علوم مروجہ خود نہ سیکھہ سکی سینہ سپر ہوکر اُن کے نصاب تعلیم میں وہ بھی داخل کر ہی دئے میرے سرپرست بزرگوں نے میری ہمت افزائی کا پورا حق ادا کیا۔ چنانچہ میرے والد نے دینیات کی تعلیم کا بندوبست جب کسی طرح حسب دلخواہ پورا ہوتا ہوا نہ دیکھا تو ایک نو دسالہ دکھنی بزرگ کو جو درحقیقت اعمال و برتاؤ میں اپنے وقت کے ولی تھے بڑی تلاش کے بعد حاصل کیا۔ اور لڑکیوں کے

انضباط اوقات کے نقشہ میں دو گھنٹہ روز سختی کے ساتھ مقرر کیے کہ اُنکے
فیض صحبت سے بہرہ یاب ہوں۔ اسی طرح جدید زنانہ اسکول میں داخل ہونے
سے پہلے انگریزی زبان کی تحصیل کے لئے جب کوئی معتبر انگریزی اُستانی
مُیسّر نہ آئی اور اعلیٰ درجہ کی معلمہ حاصل کرنے کی اپنے میں استطاعت نہ پائی
تو بجائے مشنریوں سے پڑھوانے کے ایک بُڈھے کھوسٹ ہندو ماسٹر کو
پردے کے پیچھے سے پڑھنے کے لئے مقرر کیا۔ شمس العلما مولانا حالی جب چند
سال پہلے حیدرآباد آئے تھے۔ اور میرے والد سے ملنے کے لئے کلبۂ احزان
میں تشریف لائے تو اُسوقت ماسٹر بیٹھا پڑھا رہا تھا۔ میرے والد نے تعلیمی
دقت بیان کرکے اپنے بندوبست کی نسبت مولانا موصوف کی رائے دریافت
کی تو آپ نے پسند فرمایا۔ اور ابّا جان کے خیال کی تائید کی کہ ایسا آدمی
ہو تو مضائقہ نہیں۔ اُن کو خدا نے ایسا جوہر قابل پیدا کیا کہ کچی ڈالی کی
طرح جدھر جھکایا جھک گئیں۔ اور میرے تمام علمی ارمانوں کے پورا کرنے کی
ٹھیکہ دار بن گئیں۔

یہ لڑکیاں بے ماں کی ہونے کے سبب سے بہت رعایت و دلداری
کے ساتھ پل رہی تھیں۔ ایک حد تک اُن کی طبیعتیں خوشی خواں کی عادی
ہو چلی تھیں۔ جہانتک ہوسکا بغیر کسی سختی کے جو اُن کے حق میں کسی کو گوارا
نہ تھی صحبت کے نامعلوم اثر سے اُنکی رفتار طبیعت کا رُخ بدلا۔ اور خود اُنہیں
کو علم و ہنر کا گرویدہ اور عمدہ تعلیم و تربیت کا قدرشناس بنا دیا۔ آخر رفتہ
رفتہ شوق علم۔ اشتیاق ہنر حسن طبیعت۔ پاکیزگی مذاق۔ علو حوصلگی اور
بلند نظری اُنکا خاصہ طبیعت ہو گیا۔ ہر کام نہایت آب و تاب سے کرنے لگیں
اور ہر ایک کو اپنے سے خوش رکھنے لگیں۔ اُسکے ساتھ ہی جس چیز کا

شوق حد غلو تک پہونچتا ہوا دیکھا مشفقانہ بلکہ ہنستے ہوئے دوستانہ اور پیار آمیز مشورہ سے وہیں اعتدال کا بند لگا دیا۔ یہانتک کہ اُن کے جذبات وخیالات اعتدال کے سانچے میں ڈہلنے لگے۔ مگر مشیت یہ ہو چکی تھی کہ ہمارے تراشے ہوئے ہیرے دنیا میں قیمت پانے کے بدلے ہزاروں من مٹی کے نیچے دبیں۔ یہ گدڑی کے لال کفن میں لپٹ کر قبر کی نذر ہوں۔ ایک کہ جو چھوٹی تھی۔ اور علوم وفنون مروجہ میں اچھی مہارت پیدا کر رہی تھی (ادب تاریخ اور آرٹ میں موسیقی اور ڈرائینگ کی دلدادہ تھی۔ جسکے خیالات کا ایک ادنی نمونہ اس کمسنی میں یہ تھا کہ مدرسہ میں جب ایک مضمون اُسکو لباس پر لکھنے کے لئے کہا گیا تو اُس نے یہ فقرہ لکھا "لباس میں ہمیشہ سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اُس سے جو وقت بچے وہ پڑہنے میں صرف کرنا چاہیئے۔ بیوقوف فوق البھڑک لباس پر غش ہوتے ہیں۔ اور اپنے ضروری کاموں کا وقت اُس میں ضایع کرتے ہیں") عنفوان شباب کی ابتدائی منزلیں بہی طے نہ کرنے پائی تھی کہ ٹائیفائڈ فیور عارض ہوا۔ اور مہینہ بھر کے بعد اپنے ساتھ اُسکی زندگی کا بہی خاتمہ کر گیا۔ یہ قوم میں ایک نمونہ تیار ہو رہا تھا۔ جو تین چار برس کے بعد مسلمانوں میں بہترین لڑکیوں میں سے ایک لڑکی اور اپنے خاندان میں فرد ہوتی۔ آہ تمام مقابلوں اور حوصلوں کا ایک آن کی آن میں فیصلہ ہو گیا۔ ؎

موج ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

گذشتہ ستمبر کے وسط۔ رمضان کی اٹھارہویں کو یہ واقعہ ہوا۔ آجتک دل کا زخم ہرا ہے۔ اور اُسکے اندمال کی کوئی اُمید نہیں۔ دل زخم کہنہ

اور آنکھیں ناسور ہیں۔ زندگی میں مجھے آج تک کوئی ایسا صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ کیا ایسے واقعات ہوتے نہیں آئے۔ یہ موت نرالی نہیں۔ مگر خون کے جوش اور دلی تعلق کے قطع نظر اُسکی ستودہ صفاتی اور خوش اخلاقی ہر وقت کلیجہ پر سانپ کی طرح لوٹتی ہے۔ کیا یہ رونا کچھ کم ہے کہ جس برگشتہ بخت خاندان (تیموریہ خاندان) کے مردوں میں علم کا ایسا کال ہو کہ ابتک صرف ایک بی اے ہو سکے اُس میں سے ایسی شایق علم و ہنر لڑکی۔ حسن صورت و حسن سیرت کی پتلی یوں بے وقت موت کے حوالے ہو جائے۔ اگر اُسکی عمر وفا کرتی تو علاوہ ایک پاکیزہ اور تعلیم یافتہ نسل کا اضافہ ہونے کے خاندان بلکہ قوم کو صرف اُسکی مثال سے بہت سے بیش قیمت فائدہ پہونچتے۔ درحقیقت یہ لڑکی ہمارے سارے گھر اور خصوصاً میری زندگی کا ماحصل اور میری دماغی کوشش کا ایک نمونہ تھی۔ خیر

	"لو جرا ما جرا علی سے علے ما جرا ما جرا فسان جمدا"

مرحومہ کی مفصل تعلیمی کیفیت لکھنے سے مدعا یہ ہے کہ شاید تعلیم نسواں پر اس سے کچھ روشنی پڑے۔ وہ نہ رہی۔ کاش اُسکی مثال ہی سے قوم کچھ فائدہ لے

دوسری بیچاری تپ کہنہ میں مبتلا ہے۔ شش خراب ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹری۔ یونانی۔ مصری سب علاج ہوئے۔ اور ہو رہے ہیں مگر کوئی نتیجہ نہیں۔ میری عزیز بہن (مس نذر الباقر صاحبہ) بس اب آپ کو میری پوری حالت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ مضمون نگاری کروں۔ یا قومی ہمدردی۔ دل ستمزدہ کی استمالت اور سینہ فگار کی مرہم پٹی کروں یا ایک زار و نزار بیمار کی (جو ساتھ ہی بیمار غم بھی ہے) تیمارداری میں مصروف ہوں۔ مجھے تو

فرصت غم بھی عنایت نہ ہوئی - اس سارے سال میں ایک رات یا ایک دن بھی
مجھے ایسا یاد نہیں کہ نیند بھر کر سونا یا بے فکری سے دن گذارنا نصیب ہوا ہو - ہر
شام شام غریباں ہے اور ہر صبح صبح نامرادی - دن گزرتا ہے تو معلوم ہوتا ہی
کہ جہاز ہستی نے حوادثات کا ایک پورا سمندر طے کیا - اور رات ختم ہوتی ہی
تو سمجھا جاتا ہی کہ زندگی کی ریل ایک بلا کے پہاڑ سے نکلی - الحمد للہ علیٰ کل حال
اخبارات کے دیکھنے کی فرصت اور دل و دماغ کہاں - یونیورسٹی کا غلغلہ
زبانوں سے کانوں میں پہنچا - دل کو ایک ٹھیس لگی - اپنی تو یوں گذر رہی تھی
اور ہی - اس سے بہتر اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ صادق و بے ریا
دوست مس حیدری صاحبہ نے کام شروع کرنے کا تہیہ ابتدا سے کر لیا تھا -
اپنی لنگڑی اور برائے نام کوشش بھی اُنکے ساتھ شریک کر دی - اور خود کیا
کر دی انہوں نے ہی مار کوٹ کر محبت سے ملامت سے ہر طرح کسی قدر درست کیا
اور اپنے ساتھ لپیٹ لیا - وہ باوجود چند در چند پریشانیوں یعنی بچوں کی علالت
میں (ایک بچہ تو ایسا بیمار ہے کہ خدا بچائے) سرگردان ہونے کے وصولی
چندہ میں پوری کوشش کر رہی ہیں - بس اس عاجزہ ناکارہ کی خدمات بھی انہیں
کے ساتھ شامل سمجھنی چاہئیں - بہت سے لوگوں سے تحریک کی ہی - حتی المقدور
وہاں تک آواز و استدعا بلکہ اپنے تئیں پہنچایا ہے - جہاں تحریک پہنچنی ناممکن
کے قریب تھی - بعض جگہہ سے وعدے ہوئے ہیں - لیکن نقد ابھی کسی سے وصول
نہیں ہوا - خدا نے چاہا تو یہ بھی ہو جائیگا - جنابہ موصوفہ کام بالکل باقاعدہ
کر رہی ہیں - جسکو یہاں کی لوکل کمیٹی خوب جانتی ہے - اور جناب نواب وقار الملک بہادر
بھی اُس سے واقف ہو گئے ہیں - حساب کتاب رسیدات و دستخط وغیرہ سب
ٹھکانے سے ہو رہے ہیں - جسمیں کسی قسم کی ابتری کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا -

میں نے اپنا چندہ مس حیدری صاحبہ کی کتاب میں لکھدیا ہے جو بالاقساط ادا کر رہی ہوں۔
حیدرآباد میں مس حیدری کے علاوہ مس کریم خاں صاحبہ بھی یونیورسٹی کیلئے چندہ جمع کر رہی ہیں۔ ایک جلسہ بھی کیا تھا جسمیں مجھے بھی بلایا تھا۔ مگر میں ایک تو خود علیل تھی دوسرے مریضہ لڑکی کی حالت اُس ہفتہ میں زیادہ نازک ہو گئی تھی اسلئے نہ جا سکی۔ بہرحال اپنا اپنا حق سب ادا کر رہے ہیں۔ خدا سب کی کوشش کو مشکور کرے۔
میری عدیم الفرصتی دارستگی طبیعت اور پریشان حالی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ آپکا مضمون خاتون میں دیکھتے ہی یہ جواب لکھنا شروع کیا تھا۔ آج ۱۸۔ جون کو ختم کر کے بھیجنے کی نوبت آئی ہے۔

بنت نصیرالدین حیدر

ڈلمؤ کی پوربی زبان

میری معزز بہنوں کو ایسی پرلطف گفتگو سننے کا بہت کم اتفاق ہوا ہوگا جیسی کہ میں ذیل میں بیان کرنیوالی ہوں شاید بہنوں کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ ڈلمؤ ایک بہت پُرانا قصبہ ہے اسمیں بہت کم آبادی ہے یہ دریائے گنگا پر آباد ہے ملک اودھ اور کمشنری لکھنؤ ضلع رائے بریلی میں ہے یہاں کی گفتگو پوربی زبان میں ہے میں یہاں قریبًا ایک سال سے مقیم ہوں آب و ہوا بمقابلہ اور قصبوں کے کچھ اچھی ہے چونکہ مجھے کبھی ایسی گفتگو سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اسلئے یہ مجکو عجائب معلوم ہوئیں ہیں اور بے تحاشا ہنسی آتی ہے سنو سنو بہنوں اب میں شروع کرتی ہوں۔ دہوپ کو گھام۔ ہوا کو پُروتیا۔ زمین کو بھیٔں سورج غروب کو سورج بوڑگوے۔ جھاڑو کو بڑہنی۔ گھڑے کو گگرا یا گگری۔ درخت کو چاہے کسی چیز کا ہو بروا۔ گول کدو کو کمڑا۔ مرد کو منھی یا منسوا۔ عورت کو مہریا دُلہن کو دُلہین استعمال کرتے ہیں حجام کو ناؤ اورناین کو ناین۔ بوڑھے کو بڑ ہوا۔

بڑھیا کو بوڑہا دھاگے کو ٹھرا۔ تار کو ل کو ڈامر اور ناموں کے آخیر کے حرفوں میں ا بڑھا دیتے ہیں شلاً یدہو کو بدہو انصیر کو نصروا۔

ایک روز کا ذکر ہو کہ میں نے اپنی ماما کو پکارا جو یہاں نوکر رکھہ لی گئی ہو۔ میں بڑھیا بڑھیا کا۔ میں بڑھیا کیا تم آدمی سے کو ابن گئیں دیکھو سنو اشراف آدمیوں کے پاس نوکر ہو تو جب ہم تمکو پکارا کریں تو تم جی کہا کرو۔ بڑھیا پہر بی بی کا کری ہمری بولی تو ایسن ہے بہت بید گئی تہوڑی اور رہی ہو وہ بہی بید جائی۔ میں تو بڑھیا یہ ضروری بات نہیں ہو کہ بہت سی تو بری گذری اس تہوڑی سی کو برا گزارو۔ بڑھیا ہے بی بی سنے ہم تری سی بولی بولب تو ہمرے ٹولے والے ہمکو ہنسیں اور کہیں ہلے اب تو سراجن فارسی بولتے ہے۔ میں تو بڑھیا ٹولے والوں سے بہت ڈرتی ہو۔ بڑھیا ہائے بپیا کا ہو نہیں

۱۲ / قمہ

مسنز امجد علی شاہ تحصیلدار ڈلمؤ۔

"مناجات بدرگاہ رب الحاجات"

اے خدا اے جہان کے مالک
اے خدا اے زمین کے مالک
اے خدا اے امیر کے آقا
دونوں عالم میں ہے ظہور ترا
ہے ہراک باغ میں لہک تری
منہ پہ بلبل کے ہے کلام ترا
عام ہر تیرا فیض جاری ہے
وہ جو پتھر میں ایک کیڑا ہے

عرش اور لامکان کے مالک
اے مکاں اور مکین کے مالک
اے خدا اے فقیر کے آقا
ہر جگہہ دیکھتے ہیں نور ترا
اور ہراک گل میں ہے مہک تری
اور قمری کے لب پہ نام ترا
سب سے بخشش تری نیاری ہے
تو اُسے بہی تو رزق دیتا ہے

سب کا مالک ہے سب کا داتا ہے
تجھ سے جو مانگتا ہے پاتا ہے

تو ہی دونوں جہاں کا والی ہے
تیری رحمت کی شان عالی ہے

لا دوا درد کا ہے درماں تو
مشکلیں کرنے والا آساں تو

تو شکستہ دلوں کا پُرساں ہے
تو ہی راحت کا اپنی ساماں ہے

نوح کا ناخدا خدا تو تھا
اور آفت میں رہنما تو تھا

نار میں تو خلیل کا والی
چہ میں یوسف کا تو ہی رکھوالی

تیرے شیدا ہیں سالک و مجذوب
میکدے والوں کو ہے تو مرغوب

تیرے عاشق ہیں معرفت والے
ہیں غرض سب ہی تیرے متوالے

اپنے پیارے نبی کے صدقہ میں
اپنے نیارے نبی کے صدقہ میں

ہو کرم بیکسوں غریبوں پر
کر عنایت الم نصیبوں پر

دور کر دل سے کلفت دنیا
نہیں منظور اُلفت دنیا

اپنے محبوب کی محبت دے
دو سے کھو دے شرابِ وحدت دے

جس کی جو آرزو ہو پوری کر
دُرِ مقصد سے سب کا دامن بھر

ہم سیہ کار تیرے بندے ہیں
ہیں گنہگار تیرے بندے ہیں

حشر کے دن نجات کر دیجو
بالا بندوں کی بات کر دیجو

یا خدا صدقہ احمدؐ مخدوم
یا خدا صدقہ سید معصوم

دن قیامت کے مغفرت کیجو
اور کسی کو ملول مت کیجو

سُب کی پوری مراد ہو آمین
اور معقول داد ہو آمین

میرے مولا مری دُعا ہو قبول
مسز افسر کا مدّعا ہو حصول

مسز افسر میرٹھی

اڈیٹوریل

یہ مژدۂ جانفزا غالباً بہت مسرت کے ساتھ سُنا جائیگا کہ آنریبل نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی سابق ممبر انڈیا کونسل کی فخر قوم صاحبزادی طیبہ بیگم بگرامی مسیز خدیو جنگ نے اس سال مدراس یونیورسٹی کے امتحان انٹرمیڈیٹ میں بڑی سرخ روئی کے ساتھ اول درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ اور یونیورسٹیوں کا حال تو معلوم نہیں مگر مدراس یونیورسٹی کو پہلی مرتبہ یہ اعزاز حاصل ہوا ہی کہ اس نے ایک مسلمان خاتون کو انڈر گریجویٹ بنایا۔ ہندوستان کے مسلمان اس خوشخبری پر جہانتک خوشی منائیں بجا ہی۔ وہ لوگ جو اعلی تعلیم کو فرایض خانہ داری اور فرایض خانہ داری کو اعلی تعلیم کا مخل سمجھتے ہیں اور محض اسی بنا پر تعلیم نسواں جیسی مفید ملک و ملت چیز کے مخالف ہیں مسیز خدیو جنگ کی اس مثال سے اُمید ہے کہ سبق حاصل کرینگے۔

روئداد ابتدائے زنانہ سنٹرل کمیٹی متعلق فراہمی چندہ یونیورسٹی

جبسے یونیورسٹی کے لئے فراہمی چندہ کی تحریک شروع ہوئی ہی مختلف مقامات پر مختلف طور پر بیبیاں بھی چندہ جمع کرنیکی فکر میں ہیں۔ اور چندہ جمع کر رہی ہیں۔ بالخصوص ہماری معزز بہن بنت نذر الباقر صاحبہ تو بڑے جوش سے اس کام میں مشغول ہیں اور اونہوں نے نہ صرف اپنے شہر میں بلکہ دیگر مقامات میں بھی اسکی تحریک کی ہی۔ اسی طور سے مسیز مسعود الحسن صاحبہ بھی مراد آباد میں کوشش کر رہی ہیں۔ ایسی حالت کو دیکھکر علیگڑھ میں بعض خاتونوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جیسے علیگڑھ میں مردوں کی ایک سنٹرل کمیٹی قایم ہوئی ہے اُسی طور پر بیبیونکی بھی ایک کمیٹی قایم ہو جائے تو باقاعدہ طور پر تمام ہندوستان میں فراہمی چندہ کے متعلق کوشش میں آسانی ہوگی۔ خیال کو عملی صورت میں لانیکے لئے ۱۴ر جولائی ۱۹۱۱ء کو بوقت چھ بجے شام محمود بیگم صاحبہ کی کوٹھی پر ایک ابتدائی جلسہ منعقد ہوا جسمیں چیدہ چیدہ خاتونوں کو مدعو کیا گیا چنانچہ وقت مقررہ پر جن بیبیوں کو مدعو کیا گیا تھا اُن میں سے ۱۵ بیبیاں تشریف لائیں

اور بصدارت محمود بیگم صاحبہ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اس ابتدائی جلسہ میں حسب ذیل رزولیوشن پاس ہوئے۔

نمبر ۱ - یہ جلسہ علیگڑھ میں ایک زنانہ سنٹرل کمیٹی کیلیے یونیورسٹی کا قایم ہونا ضروری خیال کرتا ہے

نمبر ۲ - زنانہ سنٹرل کمیٹی علی گڑھ کے حسب ذیل عہدہ داران قرار پائے۔ محمود بیگم صاحبہ پریسیڈنٹ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر وائیس پریسیڈنٹ و والدہ صاحبہ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب و بیگم صاحبہ حاجی مصطفٰے خانصاحب۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی قرار پایا کہ مختلف صوبے اور شہروں کے سربرآوردہ متعدد اور خاتونوں سے خواہش کی جائے کہ وہ بھی وائیس پریسیڈنٹی کا عہدہ قبول فرمائیں۔ جنکی فہرست آیندہ شایع کی جائیگی۔ عبداللہ بیگمصاحبہ سکرٹری مقرر ہوئیں۔ اور بنت حاجی موسیٰ خاں صاحب و نور بیگم صاحبہ جائنٹ سکرٹری قرار پائیں۔ اور یہ قرار پایا کہ حاضرین جلسہ کی جتنی بیبیاں ہیں وہ اس کمیٹی کی ممبر ہوں۔ اور ضلع علیگڑھ اور علی گڑھ شہر کی اور دیگر مقامات کی اور بیبیوں سے بھی خواہش کی جائے کہ وہ ممبری قبول کریں۔

نمبر ۳ - قرار پایا کہ ہر ایک صوبہ میں ایک ایک بی بی جنرل سکرٹری مقرر کی جائیں جو اپنے صوبہ میں لوکل کمیٹی قایم کرکے فراہمی چندہ کی کوشش کریں اور بنت نذر الباقر صاحبہ سے خواہش کیجائے وہ صوبہ پنجاب کے لیئے جنرل سکرٹری کا عہدہ قبول فرمائیں۔ اور نیز ہماری سنٹرل کمیٹی کی وائس پریسیڈنٹی کا عہدہ قبول کریں۔

نمبر ۴ - قرار پایا کہ ایک اپیل بہت جلد تیار کرکے سنٹرل کمیٹی کی طرف سے شایع کی جائے۔

نمبر ۵ - قرار پایا کہ جس قدر چندہ اسوقت تک بیبیوں کی طرف سے ہو چکا ہو یا آیندہ ہو وہ سب زنانہ چندہ میں علیحدہ دکھایا جائے اور سنٹرل کمیٹی اسکی ایک فہرست مرتب

کرکے وقتاً فوقتاً شایع کرے۔

نمبر ۶ قرار پایا کہ جس قدر روپیہ سنٹرل کمیٹی کے عہدہ داروں کو یا لوکل کمیٹی کے عہدہ داروں کو وصول ہو وہ ایم اے او کالج کے رجسٹرار صاحب کے پاس بھیجا جائے

نمبر ۷ قرار پایا کہ علیگڈہ میں بہت جلد ایک زنانہ بڑا جلسہ منعقد کیا جاوے اور طبقہ نسواں کے عام وخاص میں فراہمی چندہ کے جو کچھ بہترین طریقے ہوں وہ کام میں لائے جاویں۔

نمبر ۸ قرار پایا کہ آیندہ کی کارروائی کی سہولیت کے لئے ایک پریسیڈنٹ سکرٹری۔ بیگمصاحبہ حاجی مصطفےٰ خانصاحب اُس پریسیڈنٹ بیگمصاحبہ نواب وقار الملک بہادر وائس پریسیڈنٹ اور بیگم صاحبہ حاجی موسیٰ خانصاحب اور سکندر جہاں بیگم صاحبہ اور بیگم صاحبہ آفتاب احمد خاں صاحب فی الحال سنٹرل کمیٹی کی انتظامی کمیٹی سمجھی جاویگی

جلسہ میں قریب ایک ہزار روپیہ کے چندہ کا اعلان ہوا۔ جس کی فہرست آیندہ شایع کی جائے گی۔

پریسیڈنٹ صاحبہ کے شکریہ کے ساتھ جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا

خاکسار

سکرٹری

تحفظ حقوق نسواں - اخبار البشیر اٹاوہ اپنی ۱۱ رجولائی کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ شیخ عبداللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے جنکو مسلمان لڑکیوں کی تعلیم اور انکی بہبودی کا خاص خیال ہے اور جن کی زندگی کا مقصد یہ ہر کہ مسلمان مستورات کی حالت زیادہ بہتر اور زیادہ عمدہ ہوجائے اور جن مصائب میں بہت سی شریف مستورات مبتلا ہیں ان سے اُن کو نجات ملے ایک مسودہ کابین نامہ کا تیار کرکے بھیجا ہی اور اور انھوں نے پرائیوٹ خط میں ہمکو لکھا ہی کہ اس مسئلہ میں پورے طور سے بحث ہوکر

مسلمانوں کی تمام شریف برادریوں میں اس قسم کے کابین نامہ کی تحریر کو رواج دیا جائے۔ انکی یہ رائے ہے کہ اس قسم کے کابین نامہ کا رجسٹری ہونا اور رصد کے کاغذ پر اس کا تحریر کیا جانا ضروری ہے۔ بہرحال انہوں نے جو مسودہ تیار کر کے ہمکو بھیجا ہے ہم اسکو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

...... منکہ ...... ابن ...... قوم ...... ساکن ...... کا ہوں

جو کہ آج کی تاریخ مسماۃ ...... بنت ...... کو بعوض مہر معجل یعنی عند الطلب تعدادی مبلغ ...... کہ نصف جسکے مبلغ ...... کے اپنے نکاح میں لایا ہوں اور حسب ذیل شرائط قبول و منظور کر کے اقرار نامہ بحق مسماۃ ...... تحریر و تکمیل کر کے حوالہ مسماۃ کے کرتا ہوں۔ شرائط یہ ہیں۔

(۱) بہ پابندی مذہب اسلام و از روئے رواج عام برادری کے مسماۃ مذکورہ کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آؤنگا اور اسکے نان و نفقہ و دیگر ضروریات واجبی کا کفیل رہونگا۔ اور اسکے جملہ حقوق شرعی و قانونی کو ادا کرتا رہونگا۔

(۲) اگر شرط نمبر ۱ میں سے کوئی شرط پوری نہ کروں یا مسماۃ مذکورہ کو اذیت روحانی یا جسمانی پہنچاؤں یا مسماۃ مذکورہ کا کوئی حق جو بروئے قانون یا شرع اسلام کے اسکو حاصل ہے زائل کروں تو مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ بہ چارہ جوئی عدالت بہ ذریعہ حکم امتناعی یا ڈگری کے مجھکو اپنے حقوق کے زائل کرنے سے روکے یا اپنا کوئی خاص حق میرے مقابل میں قایم کرائے۔ یا بذریعہ ڈگری کے مقابل میرے نصف آمدنی یا تنخواہ کے اپنا حق نان و نفقہ قایم کرائے یا بذریعہ ڈگری کے علحدہ سکونت کا استحقاق قایم کرائے۔

(۳) باہمی رضامندی سے مجھکو اور میری زوجہ کو اختیار ہوگا کہ جسقدر آمدنی کل یا جز اسکو دوں خوشی سے منظور کرے مگر بحالت کشیدگی تعلقات کے مسماۃ کو ہر حالت میں میری

نصف آمدنی یا تنخواہ مجھسے وصول کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۴) اگر مسماۃ مذکورہ میرے مقابل میں واسطے اپنے نان و نفقہ یا کسی اور امر کی چارہ جوئی کرے تو مجھکو تا قیام نکاح یہ اختیار نہو گا کہ میں کوئی جھوٹی جوابدہی کرکے مسماۃ مذکورہ پر جھوٹا الزام لگا کر اسکے دعوے نان و نفقہ یا دیگر دعادی سے بریت حاصل کروں۔

(۵) مجھکو تا قیام نکاح اختیار نہ ہوگا کہ میں بلا ان خاص ضرورتوں کے جنکو شرع نے جائز رکھا ہے اور بلا استطاعت اس بات کے کہ میں اپنی متعدد بیبوں سے عدل کے ساتھ پیش آسکوں دوسرا نکاح کروں۔ اور اگر کسی حالت میں دوسرا نکاح کروں تو مجھکو واجب ہوگا کہ قبل نکاح کے مسماۃ مذکورہ کو مہر معجل مذکورہ بالا دامے درمے ادا کردوں اور آئندہ اسکے نان و نفقہ و دیگر ضروریات کا کافی اطمینان کردوں۔

(۶) کوئی اقرار منجانب مسماۃ بابت ادائے مہر یا معافی قانوناً جائز نہ ہوگا جبتک کوئی تحریر مقدمہ رجسٹری مسماۃ مذکورکی نہ پیش ہو۔ اور اس تحریر پر مسماۃ کے قریبی رشتہ داروں مثلاً باپ۔ بھائی۔ چچا۔ ماموں وغیرہ کی گواہی نہ ہو۔

(۷) مسماۃ کی کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ جو اسوقت مسماۃ مذکورہ کے قبضہ میں ہے یا آئندہ بعد شادی اسکو بذریعہ وراثت یا اور طریقہ سے ملجائے مجھکو اختیار نہ ہوگا کہ میں اس جائداد کو تلف کروں۔ اور اگر مسماۃ مذکورہ اپنی خوشی سے کوئی جائداد میرے حق میں فروخت کرے یا میرے کسی وارث کے حق میں فروخت کرے تو دستاویز بیعنامہ یا انتقال نامہ پر بھی رشتہ داران مذکورہ بالا کی گواہی لازمی ہوگی۔

ریویو

مشورہ - یہ ایک اردو کا ماہواری رسالہ ہے جو جبلپور سے زیر اڈیٹری سید یعقوب الحسن صاحب حسن شائع ہوتا ہے کراؤن سائز کی تقطیع پر کم و بیش پچاس صفحہ کا ہر مہینے میں [illegible] تا ہے۔

اس رسالہ میں علمی - ادبی - تاریخی - سیاسی اور تمدنی نظم و نثر ہر قسم کے عمدہ عمدہ مضامین شایع ہوتے ہیں ممالک متوسطہ سے ایسے عمدہ رسالہ کا نکلنا نہایت خوشی کا باعث ہی -

اسکے اڈیٹر سید یعقوب الحسن صاحب نہایت اچھا ادیبانہ اور علمی مذاق رکھتے ہیں - ہم کو اُمید ہے کہ یہ رسالہ بہت ترقی کرے گا - کیونکہ باوجود اسکے کہ اس رسالہ میں بہت سی خوبیاں ہیں اسکی قیمت سالانہ صرف ۶؍ ہی -

ہم نے اس مہینہ کی خاتون میں " ذاکیہ کی زندگی " کے عنوان سے جو مضمون چھاپا ہے وہ نموتناً اسی رسالہ سے نقل کیا ہے اس رسالہ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہی کہ اس میں رنگارنگ کے مختلف مذاق اور مختلف درجہ کے مضامین رہتے ہیں جس سے ہر مذاق کے لوگوں کو دلچسپی ہو اور ہر ایک طبقہ کے لوگوں میں اسکو مقبولیت حاصل ہو - یہ خصوصیت دراصل نہایت قابل قدر ہے کیونکہ یہ ماہوار رسالے بمنزلہ ایک علمی دسترخوان کے ہیں جس پر ہر قسم کے نمکین اور میٹھے کھانے نیز چٹنی اور مربہ وغیرہ ہوتے ہیں تاکہ جسکو جو پسند ہو اسکو نوش کرے - اگر ایک ہی قسم کا کھانا کسی دسترخوان پر ہو تو وہ اتنا دلفریب نہیں ہو سکتا -

ہم اس رسالہ کے اڈیٹر کی قابلیت اور محنت سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اسکو ترقی کے مدارج پر پہونچانے کی کوشش کرینگے -

-----*-----

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

سوائے ...

نمبر ۸	بابت ماہ اگست ۱۹۱۱ء	جلد ۵

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن

فہرست مضامین

پرنٹر محمد عنایت خاں کے اہتمام سے
مطبع ریاض ہند علی گڑھ میں طبع ہوئی
اگست ۱۹۱۱ء

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڑھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شایع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت ا؎ر
اور ششماہی ؏۱۲ ر ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی اُمید نہیں ہو سکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت جو نقصانات ہو رہے ہیں ان کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیگر اُستانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیئے۔

خاتون

لڑکیاں اور انگریزی تعلیم

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

انقلاب زمانہ بھی ایک عجیب چیز ہے۔ سدا ایک حالت کسی کی نہیں رہتی۔ بلندی و پستی کمال و زوال ہر شے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں انسان کے خیالات بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ ان کی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے جس بات کو ہم ایک روز اچھا تصور کرتے ہیں دوسرے روز معلوم ہوتا ہے کہ غلطی پر تھے لیکن جب چند لوگ غور و خوض کو کام میں لاتے ہیں عقل سلیم سے مشورہ لیتے ہیں اور ہٹ دھرمی و تعصب کو سلام کرتے ہیں تو وہی چیز جسکے مفاد و مقاصد سے نا آشنا ہو کر لوگ باہم مخالفت

کرتے تھے اب مفید ثابت ہوتی ہے - ابھی ایک چوتھائی صدی سے
زائد بھی نہیں گذری کہ لوگوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا تغیر پیدا
ہوا جب سے سلطنت مغلیہ کی صبح اقبال شام ادبار سے مبدل ہوئی اور دولت
انگلشیہ کا آفتاب عالمتاب خاور ہندوستان پر درخشاں ہوا اُسیوقت
سے ہندوستان کی زبان پر عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا - فارسی کا
تو یہ زور تھا کہ مراسلات شاہی میں رائج الوقت تھی عربی بھی ایسی ضروری
سمجھی جاتی تھی جیسے دال میں نمک کہاں اب وہ وقت ہے کہ لوگ اس
کہاوت کے مصداق ہیں "نہ عربی نہ فارسی میاں جی بنارسی" فارسی نے
ساتھ چھوڑا عربی نے مُنہ موڑا - ایک بیچاری اُردو رہی چونکہ یہ نیک نہاد
صلح کل آشتی جو ہے یہ زمانہ کی کشمکش سے نہ گھبرائی اور جد وجہد کو ہاتھ
سے جانے نہ دیا چونکہ ہمہ گیری کے صفت سے متصف ہے اسلئے انگریزی
کے نوزاد شیر خوار بچہ کو اپنے آغوش شفقت میں لے لینے کے لئے
مستور ہوئی یہی وجہ ہے کہ اُردو میں انگریزی کے الفاظ کثرت سے پائے
جاتے ہیں جیسے ریل - سٹیشن - رجسٹری اپیل - ڈسمس - سکول - ماسٹر
وغیرہ وغیرہ - رفتہ رفتہ اس بچہ نے اس قدر نشو ونما پائی کہ اسکا عالم شباب
آیا اسکے حسن روزافزوں پر لوگ اتنے والہ و شیفتہ ہوئے کہ اوسکے
حصول میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا نتیجہ اُسکا یہ ہوا کہ فارسی کو جواب
ملا اور تمام سرکاری دفاتر میں انگریزی کو جگہہ دی گئی - اب کیا تھا اسکے
گرویدگان کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا اور سب سے پہلے بنگالیوں
نے اپنا قدم جمایا - انکی دیکھا دیکھی دوسری اقوام نے بھی جد وجہد شروع کی
سب سے پیچھے جو قوم اس میدان کے سیر کی مشتاق ہوئی وہ مسلمانان کی

تھی انکے پھسڈی ہونے کی کئی وجہیں ہیں اول خلقت تو مسلمان فطرتی طور پر ایسی واقع ہوئی ہیں اور اپر ایسا ادبار چھایا ہوا ہے کہ جمہور حصہ خواب غفلت میں پڑا رہتا ہے انکو دنیا و مافیہا کی خبر بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ از خود معلومات و تحقیقات میں اضافہ کرنا۔ دوئیم اگر کوئی بندہ خدا کسی اچھے اور کارآمد کام کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف کرتا ہے تو یہ ذات شریف ایسے گنوں کے پورے ہیں کہ بجاے اسکے کہ اُسکی تجویز پر عملدرآمد کریں اور متمتع ہوں اوسکی انگشت نمائی اور بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ تمثیل کے لئے سر سید کی مثال اظہر من الشمس ہے۔ سر سید مرحوم نے جب زمانہ کا رنگ بدلتا دیکھا وہ فوراً اس مسلہ پر کاربند ہوے اگر زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز اور یہ بات لوگوں کو سمجھانے لگے کہ جب تک مسلمان انگریزی کی تعلیم نہیں حاصل کرینگے وہ ترقی کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے اُنکو اپنی تحریک کو عملی صورت میں لانے میں اور مدرسۃ العلوم علیگڈہ کو قایم کرنے میں جو جو مصیبتیں اُٹھانی پڑیں وہ سب عیاں ہیں لیکن تمام ساعی جمیلہ کی داد اونہیں کیا ملتی تھی یہ بھی لوگوں پر ہویدا ہے کوئی اونہیں کافر کے لقب سے ملقب کرتا تھا کوئی نیچری کہتا تھا کوئی دہریہ و مرتد کہہ کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتا تھا ہمیں ان انقلاب سے کوئی بحث نہیں ہے اسلئے کہ انکا تعلق صرف ذات واحد سے وابستہ ہے لیکن ہمیں شکایت ہے تو اس بات کی کہ بعض بزرگان قوم خدا اُنہیں بخشے اپنی بڑھیں آگر اس حد تک تجاوز کر گئے کہ اونہوں نے علیگڈہ کے تعلیم یافتوں پر بھی کفر و الحاد کا بدنما دھبہ لگانے سے دریغ نہیں کیا۔

سوم ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں کیا تمام دنیا میں مسلمانوں کی

قوم سب سے مفلس ہے لیکن تحصیل علوم و فنون کے لئے محض افلاس کا بہانہ کرنا انگریزی مثل کے موافق عذر لنگ پیش کرنا اور فارسی کی دیرینہ ضرب المثل کا جھٹلانا ہے۔ ؎

شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست

الحمد للہ کہ اب وہ زمانہ نہ گیا جب لوگ بچوں کو انگریزی پڑھانا معیوب سمجھتے تھے جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ ہر سال سیکڑوں مسلمان گریجوایٹ تمام ہندوستان سے نکلتے ہیں اور قریب قریب کوئی گھر ایسا نہیں جہانکہ دو چار انگریزی خواں نہ نکلیں لیکن اب بھی اعلیٰ تعلیم یافتوں کی بیحد کمی ہے گورمنٹ سے جب استدعا کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اُنکی تعداد کی نسبت سے جگہہ دیجائے تو اُسپر یہی جواب ملتا ہے کہ تمہارے ہاں تعلیم یافتونکی قلت ہے جگہیں نالائقوں سے نہیں بھری جاسکتیں۔ حقیقتاً بات یہی ہے اور ہمیں اپنا سامُنہ لیکر رہ جانا پڑتا ہے لیکن اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ بانیان کالج علیگڈھ نے اپنی بیدار مغزی اور بلند حوصلگی سے کام لیکر ہر صوبہ میں بہت بڑی کمی کو پوری کیا ہے اور کر رہے ہیں (ہماری یہی دعا ہے کہ خدا اونکی محنت کا ثمرہ دے آمین) لیکن یہ کمی جس تیزی و سرعت سے کہ ہمیں ضرورت ہے پوری نہیں ہوتی اور اُسکی خاص وجہ یہ ہے کہ ابھی تک صرف لڑکوں کی تعلیم کا لحاظ کیا گیا ہے اور لڑکیاں نظر انداز کی گئیں۔ انگریزی کے ایک قول کا مفہوم یہ ہے کہ لڑکے ہی سے انسان بڑا آدمی ہوتا ہے اوسی طرح یہ بھی صادق ہے کہ لڑکیوں سے مائیں ہوتی ہیں۔ پس جب مائیں ناقابل ہوں گی تو اونکے لڑکوں کو کسی کمال کے حصول میں کتنی دشواریاں سدراہ ہوں گی۔ یہ بات ہر ملک میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً پایہ تسلیم کو

پہونچ چکی ہے اور انگریزی مشہور مصنف اسماء ملز نے ہر جگہہ ثابت کیا ہو کہ دنیا میں جتنے صاحب کمال لوگ ہو گذرے ہیں اُنکی مائیں بھی ضرور باکمال تھیں۔ اگر آپ بابا فرید الدین شکر گنج کی مشہور روایت صحیح تصور کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ بابا فرید کی ماں باکمال تھیں اسلئے بیٹے کو بھی جو کچھ نصیب ہوا وہ ماں کی بدولت۔ دور کیوں جائیے اور اقالیم دیگر کی ٹھوکریں کیوں کھائیے نزدیک بنگالیوں ہی کو دیکھہ لیجئے کہ انہوں نے تعلیم میں کتنی ترقی کی ہے۔ عموماً انکے ہاں کے لڑکے سولہ برس کے بھی نہیں ہونے پاتے کہ میٹریکولیشن پاس کر لیتے ہیں۔ یہ اس قدر تیزی کے ساتھ طے منازل و قطع مراحل کرتے ہوئے انٹرنس تک تیرہ چودہ برس کی چھوٹی عمر میں پہونچتے تھے کہ گورنمنٹ کو مجبوراً سولہ سال کی قید داخلہ امتحان کے لئے لگانی پڑی برخلاف اسکے مسلمانوں کی اوسط عمر ایسے امتحانوں میں ہم تخمیناً بیس برس کی پاتے ہیں جس میں زیادہ ایسے ہیں کہ اپنی اصلی عمر سے دو تین برس کم لکھاتے ہیں۔ عقلا و فضلا نے جب خوض و تعمق سے کام لیا اونہوں نے بالاتفاق یہ نتیجہ نکالا کہ صحبت کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور صغرسنی میں لڑکوں کا بہت بڑا اور بیش بہا حصہ عمر ماؤں کے ظل عاطفت میں صرف ہوتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ اونکے دل و دماغ آئینہ وار ہوتے ہیں کہ جسطرح کا عکس اونمیں ڈالا جائے فوراً قبول کر لیتے ہیں چونکہ بنگالی عورتیں انگریزی تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اسلئے وہ اپنے بچوں کی تعلیم چار ہی پانچ برس کی عمر سے شروع کر دیتی ہیں طریقہ تعلیم اونکا ایسا دلکش ہوتا ہے کہ بچوں کے لئے کھیل کا کھیل اور تعلیم کی تعلیم۔ کبھی اونہوں نے روپئے پیسوں سے گنتی گنوائی کبھی کُتے بلی کی تصویر دکھا کر اونکو اُنکی انگریزی بتائی۔

پیار ہی پیار میں بچوں کے تمام اعضا پر ہاتھ رکھکر اونکو انگریزی نام یاد کرلیتے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایسے بچے اپنی ماؤں سے برس ہی دو برس میں وہ تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ جنہیں اوستاد تین چار برس میں بھی نہیں دیسکتا اوستادوں کو بچوں کی اوائل عمر میں تعلیم و تربیت میں بڑی دشواریونکا سامنا کرنا پڑتا ہے اوّل تو بچے بوجہ کم فہمی میاں جی سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے چوہا بلاؤ سے یا افیونی ناؤ سے۔ بھلائے پھسلائے مٹھائی کے لالچ سے پڑہنے بیٹھے جب تک مولوی صاحب نے تنبیہ نہیں کی اُسوقت تک تو خیر صلاح ہے لیکن جہاں ذرا آنکھہ دکھائی بس فوراً شامت آئی یہ جا وہ جا غائب غلا پانی کا بلّا۔ سیکڑوں کنوئیں جھنکوائے تب بھی اُنکا پتہ نہ پائے۔ جہاں مکتب کا وقت قریب آیا میاں صاحبزادے کو سوہضم کا بہانہ یاد آیا۔ برخلاف اسکے ماؤں کی تعلیم میں ایسی باتیں کوسوں دور قدرتاً بچوں کی خلقت ایسی ہے کہ اگر کسی وقت ماں جھڑک دیتی ہے یا مار بیٹھتی ہے تو بھی بجائے اسکے کہ وہ کسی اور کے پاس جائیں اُسی ماں ہی سے فریادرس ہوتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ لڑکوں کی تعلیم کے لئے لڑکیوں کی تعلیم ویسی ہی اشد ضروری ہے جیسا کہ مریض کے لئے طبیب حاذق کی تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانان اپنے حسب معمول خواب غفلت میں پڑے رہیں اور تعلیم نسواں کے ایسے اہم مسلہ پر غور نہ کریں۔

چونکہ قوم افراد کے مجموعہ کا نام ہے اسلئے مسلمان اگر من حیث القوم چاہتے ہیں کہ ایام ترقی پر جلوہ افروز نظر آئیں تو ہر فرد کو چاہیئے کہ اپنے گھر میں عورتوں کو تعلیم دے۔ خدا کا شکر ہے کہ شریف گھرانوں میں زیادہ تر عورتیں اُردو فارسی لکھی پڑھی ہوئی ہیں اسوقت سب سے زیادہ ضرورت

اونکو انگریزی تعلیم دینے کی ہے۔ کہاں۔ کس قدر۔ اور کس پیمانہ پر تعلیم
دی جائے میں اپنے لایق بزرگوں پر چھوڑتا ہوں۔
انگریزی تعلیم عورتوں کے حق میں کس قدر مفید ثابت ہوگی اور آیندہ
اونپر کیسا اثر پڑیگا محتاج بیان نہیں۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں
عام طور پر میاں بیوی کے تعلقات ناگفتہ بہ ہیں۔ میاں کتنا ہی تعلیم یافتہ
کیوں نہو اپنی بیوی کی بوجہ اسکے کہ وہ آیا بالکل یا خاطر خواہ پڑھی لکھی
نہیں ہے اس سے زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کہ وہ بچہ پیدا
کرنے والی ایک مشین ہے یا چلتی پھرتی ذی روح کٹ پتلی ہے جس کی
تخلیق محض امورات خانہ داری کو انجام دینے کے لئے کیگئی ہے اور
حقیقت بھی یہی ہے کہ اُسکی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں دن بھر کے کام و کاج
سے فارغ ہوکر جب وہ تھکا ماندہ گھر واپس آتا ہی تو کھانے پینے کے بعد
اگر بولنے بات کرنے کو جی چاہا تو بیچارہ افسردہ دلی کے ساتھ معلوم کرتا
ہے کہ بیوی صاحب کے پاس گفتگو کے لئے سوائے اسکے اور کوئی مضمون
نہیں کہ ساس نے مجھے یوں سخت و سست کہا نند نے اس طرح طعنہ
مارا۔ اب میرا ایسے گھر میں گذارا نہیں۔ اگر مجھے چاہتے ہو تو جس طرح
بنے میکے میں پہونچا دو اگر اتفاق سے ایسا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا تو دوسرا
قصہ لے بیٹھیں آج گیہوں ختم ہوگیا کل کیلئے دال و چاول نہیں ہر لکڑی
جو خریدی گئی نہایت گیلی اور موٹی ہے با ناگوڑی کا پھونکتے پھونکتے دم
گھٹتا ہی۔ اگر بالفرض نون تیل لکڑی کے قضیہ سے بھی نجات ملی تو فرمایش
ہوئی کہ کان کی بالیاں گھس گئی ہیں اس میں اور سونا پڑنا چاہیئے بہن کی
شادی میں میں نے فلاں بی بی کا جوجھومر دیکھا نہایت خوشنما تھا میرے

لئے بھی ایسا ہی بننا چاہیئے۔ جو ہے دقی انتخاب ہو ہزاروں میں لاجواب ہو
غرض کہ اسیطرح کے واقعات مابین درپیش رہا کرتے ہیں جس سے بیچارہ
شوہر اس قدر اُکتا جاتا ہی کہ ہمیشہ باہر کا رہنا اختیار کرتا ہے اگر گھر میں بالفرض
کسی وقت آیا بھی تو بضرورت اور تھوڑی دیر کے لئے برخلاف اس کے
انگریزوں میں کیا تمام یورپ کے مہذب قوموں میں میاں بیوی اس قدر
شیر و شکر رہتے ہیں کہ صل وجل۔ اسکی کیا وجہ ہی محض یہ کہ اُنکی عورتیں ایسے
زیور سے آراستہ ہیں کہ وہ مردوں کی ہمنشینی کے قابل ہیں اور اپنی
حسن و لیاقت سے اپنے مردوں کی فرایض منصبی میں ہاتھ بٹاتی ہیں انگلستان
میں تو عورتوں نے اس قدر ترقی کی ہے کہ وہ گورنمنٹ سے اپنے حقوق
نیابت کی خواستگار ہیں۔ ہمارے یہاں فرقہ اناث کو ناقص العقل کے
خطاب سے ملقب کیا جاتا ہے لیکن یورپ میں وہ نہایت زود فہم ذکی
اور دانشمند سمجھا جاتا ہی۔ کتنے بڑے تاسف کا مقام ہے کہ ایک گروہ ایک ہی
خدا کی خلقت کہیں وہ زیور علم سے آراستہ ہو کر زمرہ اناثان میں شامل ہوتا
ہے اور کہیں وہی علوم و فنون سے عاری ہو کر ناقص العقلی کا دہبہ اپنے سر
لگاتا ہے۔ بڑی مشکل تو یہ ہی کہ بزرگان قوم کی توجہ جب اس طرف مبذول
کرائی جاتی ہے تو بعض اونمیں سے ایسے لکیر کے فقیر ہوتے ہیں کہ بلا سوچے
سمجھے کہہ اوٹھتے ہیں کہ کیا ہمیں لڑکیوں کو پڑھا کر کچہری دربار میں بھیجنا ہی۔
یہ صحیح ہی کہ کچہری دربار میں لڑکیوں کو بھیجنا مقصود نہیں ہے لیکن
اس میں بھی کلام نہیں کہ وہاں کے کام آئے دن اٹکے رہتے ہیں کبھی
رجسٹری کے محکمہ کے لئے دستخط کی ضرورت ہوتی ہے کبھی مختار عام کی کاغذات
جانچنے ہوتے ہیں جس سے دودہ کا دودہ اور پانی کا پانی معلوم ہو جاتا ہے

انگریزی دانی کی ضرورت سب سے زیادہ ارسال خطوط میں محسوس ہوتی ہے
دور و دراز مقامات جیسے کہ انگلستان جہاں کہ اکثر لوگ بیرسٹری کی
تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں یا ہندوستان ہی میں بنگال و مدراس
و بمبئی میں چند ایسے مقامات ہیں کہ انگریزی میں پتہ لکھکر بھیجا جائے تو منزل
مقصود کو پہونچ جاتا ہے ورنہ کتنا ہی نستعلیق کیوں نہ لکھا جائے لیکن اسکے
پہونچنے میں دقت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذالقیاس ریل کے سفر میں بھی ایسی ہی
ضرورت آن پڑتی ہے۔ ریل کے آمد و رفت کے اوقات بذریعہ ٹائم ٹیبل
جو کہ عام طور پر زبان انگریزی ہی میں شایع ہوتی ہیں بخوبی معلوم ہوتے
ہیں۔ زنانہ ڈبہ بھی ایک ہی نظر میں معلوم ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں جیسا کہ
ان دنوں بر وقت شادی یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ لڑکی سینے پرونے
کھانا پکانے کے علاوہ کچھ اُردو لکھنا پڑھنا بھی جانتی ہیں یا نہیں اوسیطرح
اب بہت جلد ایسا دن آنے والا ہے کہ جب یہ دریافت کیا جائے گا
کہ لڑکی اچھی طرح لکھہ پڑہ سکتی ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ قاصر ہوئی تو اوسمیں
اتنا ہی بڑا عیب سمجھا جائیگا جیسا کہ کسی کانی کتری لنگڑی لولی لڑکی میں۔
ایسی حالت میں ہر والدین کا فرض ہے کہ وہ لڑکیوں کی بہبودی مدنظر رکھکر
انگریزی کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کریں۔

من انچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہی از سخنم پند گیر خواہ ملال

اظہر الدین بی اے (علیگ)

نصاب تعلیم نسواں

نصاب کا مسئلہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جسپر قوم کی آیندہ تمام ترقی کا دارو مدار ہی۔ اور اس اہم مسئلہ کا طے کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو ملک کے لائق ترین لوگ اور روشن خیال اور فن تعلیم میں ماہر ہیں ہم علم رایوں کو بھی رسالہ میں درج کرنا اسلئے مناسب سمجھتے ہیں کہ پبلک کا رجحان طبع معلوم ہو۔ چنانچہ نصاب کے متعلق ہمارے دوست قیصر نے جو رسالہ اصحاب بھوپال کے اڈیٹر ہیں اور ایک گونہ انکو تعلیم نسواں سے دلچپی ہے مندرجۂ ذیل مضمون ہمارے پاس بھیجا ہے اور آیندہ اور بھی اسکے متعلق وہ لکھنے کا وعدہ کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ تعلیم نسواں اور خاصکر مسئلہ نصاب سے دلچپی رکھنے والے احباب اسکو غور سے دیکھینگے

اڈیٹر

نصاب تعلیم

یہ بات تو جاہل آدمی تک مان گئے۔ کہ عورتوں کو تعلیم دینا چاہیئے اور ضرور دینا چاہیئے۔ ان بزرگوں کے قدم دہو دہو کر پینا چاہیئے۔ جنہوں نے اس پُرانی یاد کو پھر تازہ کیا۔ مگر سب سے پیچیدہ اور مشکل سوال یہ ہو کہ عورتوں کے واسطے نصاب تعلیم کیا رکھا جائے۔ گو بعض لوگوں کے نزدیک یہ مسئلہ حل شدہ ہی مگر اپنا خیال ہے کہ ابھی اسپر اچھی طرح روشنی ہی نہیں ڈالی گئی۔

عورتوں میں تعلیم کی روح پہونکے تو زمانہ گذر گیا۔ مگر اسوقت تک یہ نہیں ہوا کہ مسلمان خواتین کے لئے نصاب مقرر کیا جاتا یا تعلیم کو پھیلاتے وقت نصاب کی طرف بھی توجہ کی جاتی۔ تاکہ جس وقت عورتوں مردوں کو ایسی تعلیم کا

احساس ہو جاتا - تو اُن کے سامنے مکمل کورس رکھا ہوتا - یہی خرابی ہے کہ
ہندوستان میں جہاں جہاں زنانہ مدارس ہیں - اونہوں نے بطور خود ادہر
اودہر کی کتابیں جمع کر کے اپنے مدرسہ کا نصاب مقرر کر دیا ہی - بعض مدارس میں
اسمٰعیل ریڈریں پڑہائی جاتی ہیں - بعض جگہ منشی نول کشور کے یہاں کی مرتبہ
ریڈریں درس میں ہیں - اکثر جگہہ مسز خاموش صاحبہ کی مصنفہ کتابیں زیر سبق ہیں
نصاب تعلیم میں دو چیزیں قابل غور ہیں -

(۱) زبان

(۲) مضمون

یہ دیکھا جائے کہ ہندوستانی آبادی اور خاصکر مسلمانوں کی آبادی
کس زبان کو اپنی مُلکی اور مادری زبان جانتی ہے - اور اون کا مذاق سلیم
کس زبان کی طرف زیادہ ہی - جہاں تک میرا خیال ہے اُردو زبان بقول
ہندو بھائیوں کے مسلمانوں کی زبان ہی اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں -

نصاب تعلیم جہاں مقرر ہو وہاں کی مادری زبان میں رکھا جائے - اسمیں
بہت سے فائدے ہیں اوّل تو یہ کہ اوس زبان کی وسعت ہوتی ہی - روز بروز
اوس میں ترقی ہوتی ہے - دوسرے یہ کہ اُس میں مختلف علوم کا ترجمہ ہوجاتا ہی
کتابیں تصنیف ہو جاتی ہیں - اور اس صورت سے وہ زبان تمام علوم پر
پھیلتی جاتی ہے - تیسرے یہ کہ جس قدر آسانی اور سہولیت کے ساتھ اوسمیں
تعلیم دی جاتی ہے - کسی اور زبان میں نہیں دی جاسکتی - کیونکہ وہ اونکی مادری
زبان ہی - جس قدر جلدی وہ اپنی اس زبان کو سمجھنے اور جاننے لگیں گے دوسری
زبان میں یہ بات بہت دشواری سے پیدا ہو گی -

تو یہ مسئلہ بالکل صاف ہی - کہ دنیا میں جو نصاب تعلیم بھی مقرر ہو وہ مُلکی

زبان میں ہو - اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمان طبقے کے بعض روشن خیال افراد
اس کو مان گئے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ وہ حتی المقدور نصاب کو خاص
زبان میں رکھنے کی کوشش کریں گے -

جن حضرات کو اس زبان پر یہ اعتراض ہے - کہ اس میں کوئی علم نہیں ہے
اور نہ اُس میں یہ طاقت ہے کہ وہ کسی علم کو اور اُسکے اصطلاحات و محاورات کو
خوبصورتی کے ساتھ اپنا بنالے - تو نقص تو یہ قریب قریب ہر زبان کی ابتدائی
حالت میں واقع ہوا ہے - مگر وہاں کے لوگوں نے بجائے اعتراض کرنے کے اُسکے
اس نقص مٹانے کی کوشش کی اور آج اُس زبان کو علمی زبانوں کی مجلس میں لا بٹھالا
اگر ابتدا ہی سے اُردو کے ساتھ یہ کوشش کی جاتی تو آج اسکو بھی یہ مرتبہ حاصل ہوتا
کاش اب بھی توجہ کی جائے - اور اسی بہانے سے اسکو وسعت دی جائے -

دوسرا قابل مسئلہ جس پر نصاب تعلیم کا دارومدار ہے وہ "مضمون" ہے اور
یہ کہ نصاب میں کون سے مضمون رکھے جائیں -

عموماً نصاب کے تحتانی درجوں میں ایسے مضمون رکھے جاتے ہیں - کہ جس سے
بچے کا دل بہل جائے - اور وہ پڑھنے میں گھبرا نجائے - اور یہی وجہ ہے کہ صاف
اور ستھرے لفظوں میں دلچسپ قصے کہانیاں رکھی جاتی ہیں تاکہ بچے خوش ہوکر پڑھیں
اور یاد رکھیں - اور واضعان نصاب نے بڑے تجربہ کے بعد یہ طریقہ جاری
کیا ہے مگر جہاں تک دیکھا گیا ہے - اُردو کی ریڈروں میں سوائے دلچسپ قصوں
اور کہانیوں کے کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو آگے چل کر بچہ کے واسطے مفید
ہو - کیونکہ اُردو کی ابتدائی کتابوں میں سوائے اسکے کچھ نہیں ہوتا - اسمٰعیل
ریڈرس میں بھی یہ نقص رہگیا ہے کہ اب جو ریڈریں تیار کی جائیں - اُس میں
انھیں قصے کہانیوں کے پیرایہ میں تاریخ، تمدن، اسباب معاشرت - جغرافیہ،

فلسفہ، قواعد، کی تعلیم دی جائے۔ تاکہ ابتدا ہی سے یہ باتیں بچوں کے دل پر رقم ہو جائیں۔ یہ مضمون نہایت سلیس اور صاف اردو میں دلچسپ کہانیوں کے طرز پر لکھی جائیں۔

ممالک متحدہ کے زنانہ مدارس میں علی العموم جدا جدا نصاب ہیں جو بطور خود مقرر کر لئے ہیں۔ اور کوئی ایسے نصاب کا انتخاب اس وقت نہیں ہوا ہے جس سے اس صوبہ کی پیاس بجھے۔

مولوی شیخ عبد اللہ صاحب کی نگرانی میں کوئی زنانہ نصاب تیار ہو رہا تھا اور مولوی سید احمد صاحب دہلوی سے لکھایا جا رہا تھا نہ معلوم اُس کا کیا حشر ہوا۔ عورتوں کے واسطے نصاب قایم کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ تجویز کر لینا کہ صرف امور خانہ داری، سلائی، پسائی، پکائی، اور اسباب معاشرت، تدبیر منزل، کا وہ حصہ جس کا تعلق عورتوں سے ہی۔ اس بنیاد پر قایم کیا جائے۔ اور وہ تمام علوم متعارفہ جس کا جاننا ازبس ضروری ہے اُس کو علٰحدہ کر دینا میرے خیال میں ایک کمزور تجویز ہے اور جس بنیاد پر یہ دیوار قایم کی جائیگی۔ ممکن ہی کہ وہ جلدی گر جائے۔

اس امر کی تمہید اوٹھانا کہ عورتوں کے واسطے کون سی کتابیں نصاب میں ہوں اور کیوں ہوں۔ میں کسی اور وقت کیواسطے اوٹھائے رکھتا ہوں اور دریافت کرنے پر بھی شاید لکھ سکوں۔

میرا ذاتی خیال ہے، کہ مردوں کا جو نصاب تعلیم ہے۔ اُس میں صرف تھوڑا سا تغیر و تبدل کر دیا جائے۔ یعنی وہ مضامین جن کا تعلق خاص مردوں کی ذات سے ہی علٰحدہ کر دئے جائیں۔ اور کچھ حصہ بڑھا کر اُن کو عورتوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

مردوں کے نصاب میں سے مندرجہ ذیل مضامین عورتوں کیواسطے
نکال لینا چاہیئے۔

عقلی علوم،	علم الانسان، علم نباتات، فلسفہ طبعیہ، تشریح ابدان، علم الادویہ، علم فن، ولادت وغیرہ۔
مذاہب	علم المذاہب، تفسیر، حدیث
فنون	فنون لطیفہ، موسیقی، شاعری
تاریخ	علم الآثار، تاریخ انگلستان، تاریخ ہند، تاریخ قدیم
ادب	بلاغت، انشا پردازی

سوانح عمریاں
علم ہندسہ
سفر نامے
فن حفظان صحت
مختلف فنون
اور کچھ اپنی طرف سے بڑہا دیا جائے مثلاً
امور خانہ داری
کشیدہ کاری
اسباب معاشرت
تدبیر تنزل
نشست و برخاست
سلیقہ داری۔

یہ علوم ابتدائی کتابوں سے لیکر انتہائی کتابوں تک یعنی درجہ تحتانی سے

درجہ فوقانی تک تمام و کمال پڑھا دیئے جائیں۔ عقلی علوم میں صرف فلسفہ طبعیہ تشریح ابدان۔ فن ولادت کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہی۔ مگر وہ سہل الحصول نہیں ہی۔ اسلئے علم الانسان، علم نباتات، علم الادویہ کے ساتھ ہی ساتھ ہی اسکو اُردو میں نہایت سلیس اور عام فہم لفظوں میں اس طریقہ سے رکھا جائے کہ اس کا ابتدائی حصہ کہانیوں اور قصوں کے ذریعہ سے نصاب کے ابتدائی حصہ میں آجائے اور بتدریج ترقی کرکے صرف اس قدر کہ عورتیں معمولی واقفیت حاصل کریں ختم کر دیا جائے۔

تفسیر و حدیث اور علم المذاہب کی پہلا پہل چنداں ضرورت ہی۔ اس کی کتابیں نہایت سلیس اُردو میں ڈپٹی نذیر احمدؒ صاحب سلمہٗ اور مولانا اشرف علی صاحب قبلہ نے لکھی ہیں ان کتابوں کو دوسرے تیسرے سال پڑھایا جائے۔

تاریخ میں صرف جغرافیہ۔ تاریخ انگلستان اور ہندوستان کا اُردو ترجمہ ہی۔ بقیہ کتابوں سے ضروری مضمون اخذ کرنے کے ساتھ ہی ان کو بھی زیادہ سلیس کیا جائے فنون لطیفہ کا جاننا عورتوں کو ازبس ضروری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اُردو میں اسکی کوئی تصنیف اور ترجمہ اسوقت تک نہیں ہی۔ اور ایسی ہی سیقی اور شاعری کی بھی کوئی ایسی کتاب اُردو میں نہیں ہے جو کم از کم معمولی قابلیت پیدا کر سکے۔ فنون لطیفہ کا تو تذکرہ ہی نہیں۔

ادب، سوانح عمریاں، سفرنامے۔ فن حفظان صحت، ان کے تراجم مل جائیں گے۔ مگر ان سے کچھ کام نکلتا نظر نہیں آتا جبتک از سر نو اسکو تیار نہ کیا جائے۔ اور یہ مشکل بات نہیں ہی۔

باقی آیندہ

قیصر۔ از بھوپال

جاپان

نواں باب

روزانہ کاروبار

اب ہم پھر جاپانی صاحبہ خانہ کے روزانہ فرایض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پچھلے باب میں ہم نے خاوند کو رخصت کرکے کاروبار پر روانہ کرنے تک کے فرایض بیان کئے تھے۔ اسکے بعد وہ تمام کاغذی پردوں اور اوٹوں کو نکلواتی ہے تاکہ سارا مکان ایک بڑے ہوادار کمرہ کی صورت اختیار کرے بچھونے لپیٹ دئے جاتے ہیں اوران کو کونوں میں رکھدیا جاتا ہی اور مکان کے چوبی حصوں کو بڑی احتیاط سے رگڑا اور صاف کیا جاتا ہی۔ مُرجھائے ہوئے گلدستوں کو علیحدہ کرکے تازہ پھولوں کو جو اسی وقت باغوں سے منگائے جاتے ہیں بڑی خوش اسلوبی سے جمایا جاتا ہی۔

پکوان کو فرایض خانہ داری میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ اگر چانول کا صندوق بھرا ہوا ہی۔ چاء کی کافی مقدار گھر میں موجود ہے۔ اچار چٹنی اور ترکاریوں کی قلت نہیں ہی تو پھر گھروالی کو کسی فکر کی ضرورت ہی نہیں۔ چانول جاپان والوں کی اصل غذا ہی۔ ہر درجہ اور ہر رتبہ کا جاپانی ہر کھانے میں چانول ہی کھاتا ہی۔ غرض جاپانیوں کی غذا کا جزو اعظم چانول ہی ہے۔ چانول کی بہت اعلیٰ اور عمدہ قسمیں استعمال کی جاتی ہیں اور کھانے کیوقت بڑے ہی خوشنما چھوٹے چھوٹے کٹوروں میں جو اسی غرض کے لئے

مخصوص اور بے انتہا صاف ہوتے ہیں ان کو نکالا جاتا ہے۔ اگرچہ اسوقت چانول بہت گرم ہوتے ہیں اور ان میں سے دھواں نکلتا رہتا ہی مگر جاپانی اسی حالت میں مزے کے ساتھ ان کو کھانے لگتے ہیں۔ جاپان میں ادنیٰ درجہ کا کھانا بہت سلیقہ سے جوڑا جاتا ہے۔ چانول کے ساتھ عموماً سوکھی مچھلی۔ مختلف قسم کی مزیدار چٹنیاں وغیرہ جن سے بھوک پیدا ہو ضرور کھائی جاتی ہیں۔ کھانے کے اوپر بغیر شکر کی چاء پی جاتی ہے۔ درمیان میں ھی باچی" یعنی آگ کی انگیٹھی رکھی جاتی ہے۔ اس انگیٹھی پر ہمیشہ چاء کی کیتلی رکھی ہوتی ہے جس میں چاء اُبلتی رہتی ہی۔

جب جاپانی ماما بازار جاتی ہے تو چانول فروش کی دوکان سے اس کا رخ مچھلی اور ترکاری کی دوکانوں کی طرف پلٹتا ہے۔ مچھلی کی دوکان میں سمندر سے نکلی ہوئی کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی جاتی۔ اس دوکان سے نہ صرف مچھلی ہی خریدی جاتی ہے بلکہ دریائی نباتات کو بھی خریدا جاتا ہی جو جاپان کی ایک عام غذا ہے۔ دریائی نباتات عموماً خام کھائی جاتی ہے۔ اس کو اُبال کر بھی کھاتے ہیں۔ اسکی چٹنی بھی ڈالی جاتی ہی۔ اسکو تلا بھی جاتا ہے اور اس کا شوربا بھی تیار ہوتا ہے۔ گھونگھے وغیرہ جو چیزیں ہماری نظر میں بالکل نکمی اور مردار ہیں جاپانی ان سب کو بڑے ہی شوق و رغبت سے خوب مزے لیکر کھاتے ہیں۔

ترکاری کی دوکان میں بھی انواع و اقسام کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں جیسے لوبیا، سیم، مٹر، آلو، جوار، موٹے گیہوں، گاجر، کاہو، شلجم، بھوٹ، سردہ، خربزہ، تربز، ککڑی، پالک، لھسن، پیاز، پیاز کی پتی، لال مرچ، بیگن، کنول کے پھول، کنول کے بیج، گل داؤدی، کنول کی جڑیں

وغیرہ ایسی ہی بیسیوں چیزیں ۔ نباتات کی قسم سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ سب جاپان والے برابر کھاتے ہیں ۔

اہل یورپ اور دوسرے ممالک کے باشندے جاپانی ترکاریوں کو بہت بدمزہ سمجھتے ہیں اور خصوصاً وہ چیزیں جو جاپانی نہایت شوق و رغبت سے استعمال کرتے ہیں ان کو تو بڑی نفرت و کراہیت سے دیکھا جاتا ہے ۔ جاپان میں جو چیز جتنی مزیدار سمجھی جاتی ہے اس کو غیر ممالک میں ویسی ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ اس ضمن میں جاپان کی عجیب و غریب مولی "ڈائکن" کے نام سے موسوم ہے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے ۔ جاپان کے غیر مرفہ الحال طبقہ میں اسکی بڑی قدر کی جاتی ہے اور بڑے شوق سے اسے کھایا جاتا ہے مگر اسی قدر غیر ممالک کے باشندے اس سے نفرت کرتے ہیں ۔ یہ مولی بہت بڑی ہوتی ہے اور آدمی کے بازو کے برابر موٹی ہوتی ہے ۔ تازگی میں تو یہ کوئی ایسی بڑی نہیں ہوتی مگر اس کا اچار بہت بے ڈھب ہوتا ہے ۔ جاپانی اسکا اچار ہی زیادہ تر پسند کرتے ہیں ۔ مسز بشپ کا بیان ہے کہ :-

"اس مولی کو کسی قدر سکھانے کے بعد نمکین پانی میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس میں چانول کا بھوسہ شریک کیا جاتا ہے ۔ تین مہینوں تک اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس عرصہ میں خوب اچھی طرح تمام مصالحہ وغیرہ اس میں جذب ہو جاتا ہے ۔ اس کے بعد ایک ایسی بدبو اس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ جس مکان میں یہ اچار رکھا جاتا ہو وہاں ٹھیرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ اس سے زیادہ خراب بو میں نے نہیں دیکھی ۔ ایک دوسری چیز "سکناش" کا بھی جو جاپان میں بہت مرغوب ہے یہی حال ہے"

اچار فروش کی دوکان بھی ایک ضروری چیز ہے ۔ جاپانی اپنے کھانوں کو

انواع و اقسام کے بے شمار اچار اور چٹنیوں کے ذریعہ لذیذ بنانے کے عادی ہوتے ہیں۔ بغیر چٹنی اور اچار کے جاپانیوں کو کھانے کا لطف نہیں آتا سب سے زیادہ مشہور اور مرغوب چٹنی "سائے" ہے۔ یہ چٹنی اُبلے ہوئے گیہوں اور لوبیے یا سیم کی بنائی جاتی ہے جس میں نمک اور سرکہ کے علاوہ بعض اوقات اسکو زیادہ مزیدار بنانے کے لئے "ساکی" بھی شریک کی جاتی ہے۔ اکثر کھانوں کے ساتھ اس چٹنی کو ضرور شریک کیا جاتا ہو اور مچھلی بھی اکثر اسی میں پکائی جاتی ہے۔

جاپان میں صدر ملازمہ جب سودا لیکر گھر واپس ہوتی ہے تو اس وقت دوسری خادمائیں اپنے تمام فرائض ادا کر چکی ہوتی ہیں۔ دوسرے ممالک کے باشندوں کو تعجب ہوتا ہے کہ جاپانی مکانات میں ان بڑی تعداد کے ملازموں کی کیا ضرورت ہو اور ان کے کرنے کے کون سے کام ہیں۔ نہ تو باورچیخانہ کا کوئی ایسا کام ہوتا ہو۔ نہ کوچ کرسیاں وغیرہ ہوتی ہیں جن کو صاف کرنا پڑے۔ نہ قالین اور شطرنجیاں ہوتی ہیں جو جھاڑ کی محتاج ہوں۔ نہ کپڑے وغیرہ دھونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلئے جاپانی نوکروں کا تمام تر وقت محض فضول ضایع ہوتا ہے۔ آپس میں وہ باتیں کرتے رہتے ہیں یا "کی مونو" سیتے ہیں یا شطرنج کھیل کر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ جاپان میں یہ قاعدہ ہو کہ ہمیشہ ضرورت اور کام سے بڑھکر ملازم رکھے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ نوکر بہت ہی سستے میسر ہو جاتے ہیں۔ جاپان میں اکثر غریب لڑکیاں محض کھانے اور کپڑے پر بڑی خوشی کے ساتھ نوکری کر لیتی ہیں۔ صدر ملازموں کو البتہ ماہواری دینی پڑتی ہے جس کی مقدار پانچ چھ روپیہ سے کم نہیں ہوتی۔

اگر کوئی ماما اپنی ملازمت سے علیٰحدہ ہونی چاہے تو وہ اپنی مالکہ کو صاف صاف اسکی اطلاع نہیں کرتی۔ یہ بہت بڑی گستاخی و بداخلاقی اور سخت

گنوارپن خیال کیا جاتا ہے۔ اپنی علٰحدگی کا خیال ظاہر کرنے کے عوض وہ اپنے
گھر جانے کی اجازت طلب کرتی ہے یا کسی بیمار رشتہ دار کی تیمارداری کے
لئے جانے کی ضرورت ظاہر کرتی ہے یا کوئی ایسی ہی بات کہہ کے جاتی ہے۔
واپسی کا جو روز ہوتا ہے اُس دن ایک طول طویل معذرت نامہ بھیجدیا جاتا ہے
جس میں بڑے ہی افسوس کے ساتھ ضرورت کے ابھی تک باقی رہنے اور اس
وجہ سے حاضر نہ ہوسکنے کی معذوری کا حال لکھا ہوتا ہے۔ اس سے سمجھہ لیا جاتا
ہے کہ اس نے ملازمت ترک کردی۔

اسی طرح جاپان میں یہ قاعدہ بھی ہے کہ کوئی مالکہ اپنی ماما یا نوکر کو اس کے
منہ پر جواب نہیں دیتی۔ بلکہ بہت نرم الفاظ میں ایک تیسرے شخص کے ذریعہ
اس کو کہلایا جاتا ہے کہ اب اسکی خدمات کی ضرورت نہیں رہی۔

شام کے وقت گھر کے تمام لوگ جن میں ملازم بھی شامل ہوتے ہیں بڑے
کمرہ میں جمع ہوتے ہیں۔ مالک اور مالکہ "ھی باچی" (آتشدان) کے پاس
"اُین ڈن" (کاغذی چراغ) کے قریب بیٹھتے ہیں۔ ماما ئیں کسی قدر فاصلہ
سے وہیں بیٹھ جاتی ہیں اور بعض دفعہ کچھ سلائی کا کام کرتی رہتی ہیں۔ ان سب
میں کبھی کچھ گفتگو ہوتی ہے یا کبھی صاحب خانہ کسی تاریخ یا قصہ کہانی کی کتاب کو
بلند آواز سے پڑھکر سُناتا ہے۔ یہ خادمائیں بے تکلف سب کے ساتھ ان کہانیونکی
باتوں پر ہنسی دلگی کرتی ہیں اور خوب جی کھول کر بات چیت کرتی رہتی ہیں۔

جب سونے کا وقت آتا ہے تو توشکیں نکالی جاتی ہیں اور ان کے بچھانے
میں یہ احتیاط ضروری سمجھی جاتی ہے کہ ان کا سرہانا شمال کی جانب نہونے
پائے۔ جاپان میں مردوں کو دفن کرتے وقت اُن کے سر شمال کی طرف
رکھے جاتے ہیں اور اسلئے زندہ آدمیوں کا شمال کی جانب سر کرنا بہت بدشگونی

کی بات خیال کی جاتی ہے۔ تو شکلوں کے سرہانے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے تکئے رکھے جاتے ہیں اور جاپانی اسی قسم کے بچھونوں پر سوتے ہیں۔

جاپانیوں کے روزانہ مشاغل بس اسی قدر ہیں اور ان ہی کاروبار میں ان کا پورا دن بسر ہو جاتا ہی۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

خاتون

مہر عالم۔ ہائے اس لڑکی کو کیا ہو گیا اس کا تو سوائے کتاب کے اور کوئی مشغلہ ہی نہیں ہی۔

کریمًا۔ اے ہاں بیوی جب ہی تو کوئی لڑکیوں کو نہیں پڑھاتا۔

مہر عالم۔ اچھا جا بلا تو لا صبح سے میرے پاس آئی ہی نہیں۔

کریمًا۔ بہت اچھا (جاتی ہے)

کریمًا۔ (خاتون سے) اے بیوی چلو اما جان بُلاتی ہیں۔

خاتون۔ کیا اماجان نے یاد فرمایا ہے اچھا کہو کہ ابھی حاضر ہوتی ہوں ذرا ایک صفحہ اور دیکھ لوں۔

کریمًا۔ اے آگ لگے ایسے پڑھنے کو۔

خاتون۔ کیوں خیر تو ہے۔ جلد کہو۔

کریمًا۔ خیر تو ہے بی بی مگر پڑھنا کیا ہو گیا وبال جان ہو گیا۔

خاتون۔ اچھا چلو چلتی ہوں۔

خاتون۔ (مہر عالم سے) خادمہ سلام عرض کرتی ہی۔

مہر عالم- زندگی دراز ہو- بیٹھو- آج تم صبح سے کیا کر رہیں تھیں-

خاتون- میں تذکرۃ الانبیا ایک کتاب ہی اسکو دیکھ رہی تھی-

مہر عالم- تم تو اسی میں رہیں- بیٹی کہیں پاگل نہ ہو جانا-

خاتون- امّاجان آپ کے خیالات کس قسم کے ہیں بھلا کوئی پڑھنے سے بھی پاگل ہوتا ہی-

خاتون- اور پاگل کس کو کہتے ہیں بھلا یہ بھی عقل کی بات ہی کہ صبح سے ابتک کتاب کا کیڑہ بن گئیں-

خاتون- امّاجان پڑھنے سے تو عقل تیز ہوتی ہے- اچھے بُرے کی تمیز اسی کی بدولت ہی-

مہر عالم- پڑھی عورتیں کس کام کی کیا اُن کو نوکری کرنا ہوتی ہے بھلا یہ بھی کوئی عورتوں کے طریقہ ہیں-

خاتون- امّاجان گستاخی معاف آپ جو فرماتی ہیں گویا میرے اوپر الزام لگاتی ہیں- بھلا کس کی عقل اس بات کو گوارا کر سکتی ہے- کیا ممکن ہے کہ انسان جانتا ہو کہ یہ زہر ہے اور یہ شربت اور پھر زہر کا پیالہ پی لے اور شربت کے پیالے ہیں ٹھوکر مار دے- یہ بہت ممکن ہے کہ نادانگی میں ایسا کر بیٹھے اور لیکن جب کہ علم صاف صاف اچھے بُرے کی پہچان بتا رہا ہی تو پھر کون بیوقوف ہوگا جو اچھا چھوڑ بُرا اختیار کریگا-

مہر عالم- میں ہار گئی سکتی ہوں-

خاتون- بیشک آپکا خیال ٹھیک ہے میں بھی تصدیق کرتی ہوں- اور میں خوب سمجھ گئی کہ آپ نے پڑھی ہوئی خواتین کو کیوں بدنام کیا- اسکی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کے شوق نے لڑکیوں کو تنبیہ سے پڑھایا لیکن تھوڑے

عرصہ میں ماں باپ کا شوق پورا ہوگیا۔ پھر انہیں اسبات کی پروا نہیں رہی کہ آیا ان کی تعلیم مکمل ہوگئی یا نہیں اور جب لڑکیاں کچھ پڑھنے لگیں تو انہیں ناول دیکھنے کا شوق ہوا زیادہ کہنا بیجیائی ہی آپ خود سمجھ سکتی ہیں۔ اور یہی اسواسطے ہوا کہ تعلیم کا اثر پورا اثر نہیں ہوا تھا۔ بہن یہ مثل صادق آئی۔ نیم ملا خطرہ ایمان۔ اگر ایسے کوئی نقش خطا سرزد ہو تو اسکا الزام پڑھی ہوئی خواتین پر نہیں سکتا

مہرعالم۔ (غصہ ہوکر) بس رہنے دو میں تمہارے پڑھانے کی نہیں ہوں۔ تمام عورتوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ گھر گرستی کے کام میں مشغول ہوتی ہیں۔ نہاک لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں اور گھر میں بیٹھی پڑھتی رہتی ہیں یہانتک کہ کوئی رشتہ دار بھی اُن کی آواز نہیں سنتا۔

خاتون۔ بیشک آپکا فرمانا بجا ہے۔ لیکن معاف کیجئے اب وہ زمانہ نہیں ہے اب جہالت کی تاریکی دور ہوگئی ہے اور آیندہ آپ دیکھیں گی کہ عورتیں بذات خود مرد میدان ہونگی اور معلوم ہوگا کہ ترقی کا زمانہ جب تھا یا اب ہے۔

مہرعالم۔ بہن یہی تو قیامت کے آثار ہیں۔

خاتون۔ اماجان خطا معاف۔ بھلا عورتوں نے ایسا کونسا قصور کیا ہے کہ قیامت کی باعث ہونگی کیا آپنے عرب کی عورتوں کا حال نہیں سنا افغانستان کی تواریخ نہیں پڑھی۔ اگر آپ پڑھتیں تو ضرور کہہ اٹھتیں کہ ہندوستان کی کمزوری کا باعث صرف عورتوں کی جہالت ہے۔

مہرعالم۔ کیا عرب کی عورتیں پڑھتی اور باہر نکلتی ہیں۔

خاتون۔ اوہو۔ آپ بالکل ناواقف ہیں۔ عرب کی عورتیں باہر نکلتیں ہیں۔

وقت پر لڑائیاں لڑتی ہیں۔ لڑائی کے وقت مریضونکی تیمارداری کرتی ہیں اور وہ وہ کام کرتی ہیں کہ ایک وقت میں مرد نہیں کر سکتا

مہرعالم۔ خوب۔

خاتون۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ بھی ہماری طرح مذہب سے ناواقف رہتیں کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ہمارے خدا کے کیا احکام ہیں۔ آپ نہیں بتا سکیں گی لیکن انکا جاننا ضروری ہی اور جب عورتیں نہیں جانتیں کہ اس گناہ کا کیا عوض دینا ہوگا وہ ہر ایک گناہ بغیر خوف کے کرلینگی جس طرح کہ جاہل عورتیں فضولیات گڑھ لیتی ہیں اور کرنے لگتی ہیں۔ اور اسی واسطے کہا گیا ہی کہ عورتیں دوزخ کی ڈاٹ ہیں

مہرعالم۔ الاماں۔ وہاں شادی کا کیا طریقہ ہی۔

خاتون۔ شادی کی بہت اچھی رسم ہے فضول خرچی سے روکا گیا بس عقد ہوا شادی ہوگئی وہاں پر کسی قسم کی رسومات ناچ رنگ میں سے نہیں ہوتیں۔ ہندوستان میں اکثر مسلمان ایسی فضول رسومات کرتے ہیں جنکو دیکھکر غیر قومیں ہنستی ہیں۔ اور وہ بیشک ایک ہنسی کا آلہ ہیں اور جس طرح کہ مرد کو اپنی مرضی کا اختیار ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اختیار دیا گیا ہے۔ اور روزمرہ کے جھگڑے اون میں نہیں ہوتے ہیں۔ اپنے مذہب سے وہ خوب واقف ہوتی ہیں اور کسی گناہ کی مرتکب نہیں ہوتیں کیونکہ اُنکے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہی۔

مہرعالم۔ جب عورتیں باہر نکلتی ہونگی تو پردہ نہیں ٹوٹتا ہوگا۔

خاتون۔ جب دل صاف ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ اور مرد اور عورت کا ایک ستر ہوتا جسکے کہ ڈھکنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب ستر ڈھکا ہو تو

پھر پردہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ اکیلے میں البتہ کسی شخص سے بات کرنیکا حکم نہیں ہے۔

مہرعالم۔ پھر تو تمہیں عربی فارسی پڑہنی چاہیئے تھی انگریزی کیوں پڑہتی ہو۔

خاتون۔ اگرچہ یہ بات ٹھیک ہے کہ عربی فارسی ہماری زبانیں ہیں لیکن ہمکو کسی غیر زبان کے سیکھنے کو منع نہیں کیا۔ کہا گیا ہے کہ غیر قوموں کی زبان سیکھو لیکن اُنکی روشن نہ اختیار کرو۔

مہرعالم۔ بس اس پڑہنے کی وجہ سے تمہاری زبان مقراض سی چلتی ہی۔

خاتون۔ ہاں سچ بات کو ضرور ظاہر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ آپکو پوری طور پر یقین ہوگیا ہی کہ علم بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن اپنی بات کی پاس داری کرتی ہو۔ اچھا سچ سچ تو کھو۔

مہرعالم۔ ہاں بیشک میں اب علم کی قدر سمجھی۔ خدا وہ دن جلد دکھائے کہ ہماری مسلم یونیورسٹی جلد قایم ہوجاوے اور اُس میں کوئی زنانہ سلسلہ شروع ہوجاوے کہ مسلمان ترقی کرجائیں۔

خاتون۔ آمین۔

مہرعالم۔ تو نے مجھے سمجھا دیا خدا کرے کہ خاتون تجھے عمر دراز حاصل ہو اور تیری نصیحتوں سے زمانہ نصیحت سیکھے۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔

خاکسار

کنیز فاطمہ۔ مرادآبادی

ایک مصری خاتون کی تقریر

خاتون کے مارچ نمبر میں اس عنوان سے ایک مصری بیگم کی تقریر اخبار الجریدہ

سے ترجمہ کر کے درج کی گئی تھی۔

یہ تقریر دراصل شیخ عبدالعزیز جاویش کی تقریر کے جواب میں تھی جو انہوں نے عورتوں کے متعلق بیان کی تھی اور جسکا ترجمہ دسمبر نمبر خاتون ۱۹۱۰ء میں مصری مسلمان عورت کے عنوان سے درج کیا گیا تھا یہ تقریر ہندوستان میں اس قدر بعض مسلمان گھروں میں ناپسند کی گئی جس قدر مصر میں عام طور پر پسند کی گئی بہرصورت چونکہ مختلف خیالات سے ناظرین کو واقف رکھنا رسالہ اور اخبار کا ضروری فرض ہے اسلئے ہم موافق اور مخالف ہر قسم کے خیالات جہاں تک کہ مضر نہ ہوں شایع کرنا بہتر سمجھتے ہیں اس تقریر پر ہماری بہن اخت محترم الدین احمد صاحب نے مندرجۂ ذیل مضمون لکھا ہے جسکو ہم نہایت خوشی سے درج کرتے ہیں۔

اڈیٹر

ایک برجستہ تقریر جو پُر زور الفاظ میں ایک لائقہ مصری خاتون کے پاکیزہ خیالات کا خاکہ ہے مارچ کے رسالہ خاتون میں میری نظر سے گذری۔ میں نے اس سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ میں فی نفسہٖ ان مضامین کو جو اس تقریر میں بیان ہوئے ہیں قابل ترمیم اسلئے نہیں کہتی کہ مصر کی منزلی معاشرت سے میں بالکل ناآگاہ ہوں۔ لیکن یہ تقریر ہمارے ملک کے اور اور رسالوں کی بھی زیب افزا ہوئی ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ ایسی ہی قابل قدر تقریر ہے لیکن ہندوستانی معاشرت کے لحاظ سے خصوصًا مسلمانوں کی جنمیں سے ایک میں بھی ہوں۔ اور جنکی جزوی آگہی مجھے حاصل ہے۔ اس تقریر سے مجھے کہیں کہیں اختلاف ہے۔ لیکن وہ اختلاف جو اختلاف تک نہیں پہنچتا۔ میرا مقصود اس اختلاف سے یہ ہرگز نہیں کہ میری بہن مصری خاتون کی رائے بحیثیت رواج مصر قابل جرح ہے۔ بلکہ دعا یہ ہے کہ سیاست منزلی اہل اسلام کے بموجب اس

تقریر میں کون کون سے امور قابل غور ہیں۔ پس میرا اختلاف جہاں کہیں ہی
وہ صرف ان وجوہ سے ہے کہ میرا موضوع ہندوستانی تاہل ہی نہ کہ مصری۔
جہانتک مجھے عورتوں کی رائے سننے یا دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں
زور کے ساتھ کہتی ہوں کہ میں نے مردوں کو عورتوں کا شاکی نہیں پایا۔
گو سرسری طور پر انکا طریق اس پہلو کو لئے ہوئے ہو۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں
کہ جبتک عورتوں میں ضروری تعلیم عام نہو گی۔ بچوں کی (جو آنے والے
زمانہ میں مرد بنیں گے) تربیت ایسی ہرگز نہیں ہوگی کہ تہذیب تمدنی میں
وہ غیر قوموں کے ساتھ عنان بہ عنان چل سکیں ہم صرف اپنی اس غفلت سے
کہ اپنے عورتوں کی تربیت اور تعلیم سے غفلت کی اس ذلت کے اسفل ترین گڑھے
میں گرے۔ کہ جس سے نکلنا اگر محال نہیں تو مایوس کن تو ضرور ہے۔ اور اسی
غفلت کی پاداش میں آج ہم غیر اقوام تو درکنار۔ خود اپنی ملک کے دیگر
قوموں سے منزلوں پیچھے پڑے ہیں۔ اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کی
شکایت مردوں کے متعلق بالکل صحیح اور درست ہی۔ اور مردوں کی وحشیانہ
حرکات نے اس محبت اور انس کو بھی جو تمدن منزلی کے اہم مقاصد اور راحت
تاہل کے مناسب ہے۔ ایسا پامال اور منہدم کیا۔ کہ دنیا تو دنیا۔ دین کے احکام
بھی پس پشت ڈال دئے۔ جن لوگوں میں کچھ بھی عقل و تمیز ہے اُنکا قول یہی ہی
باقی وحشی اور جاہل افراد کے اقوال ناقابل وزن ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی
نافہمی کی وجہ سے مرفوع الحکم خیال کئے جانے چاہئیں۔ پس ضروری ہی کہ ہم
میدان علم و تہذیب میں مردانہ وار قدم رکھیں۔ اور ویسی نسلیں تیار کرنے کے
قابل ہوں جو آیندہ زندہ قوم کے مبارک لقب سے ملقب ہونیکے قابل ہوں
لیکن یہاں ہماری بہن مصری خاتون نے جو تدبیر بتلائی ہے اُسکو بحیثیت تمدن

مسلمانان ہندوستان میں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ میری مخدومہ نے
اسکو پہلے ہی ایک ہیبت ناک خطاب۔ جنگ مرد و عورت سے تعبیر کیا ہے قبل
اسکے کہ میں اپنی رائے کا اظہار کروں ضروری خیال کرتی ہوں کہ فطرت کے اس
قانون پر متوجہ ہوں۔ جو سیاست منزلی کے تاریخ میں سب سے اور یہ سنہری حرفوں
میں لکھنے کے قابل ہے۔ اور خالق مرد و عورت نے اپنے پیارے حبیب صلعم
کی زبانی ہم تک پہنچایا ہے کہ "الرجال قوامون علی النساء" قوام کے معنی
میری مصری بہن مجھے بہتر جانتی ہیں۔ مگر اپنی ہندوستانی بہنوں کی خدمت میں
اس قدر عرض کرتی ہوں کہ علاوہ ستون کے قوام ایسی قوت کو بھی کہتے ہیں
کہ جسکے بغیر دوسری قوت اپنا پورا نہ کر سکے۔ یہ امر طبی اور استقرائی طریق پر
ثابت ہو چکا ہے کہ مرد قوت فاعلہ کے مظہر ہیں۔ اور عورتیں قوت منفعلہ
کی مصدر۔ اس فعل و انفعال کا نتیجہ۔ بشرطیکہ قانون فطرت کی بموجب ہو تمدن
کی جان ہے۔ مقابلہ اور جنگ میں قوت منفعلہ کی طرف سے ابتدا تو محال
عقلی ہے۔ اور بلا امتزاج نتائج تمدن کا حصول نا سود۔ میرے خیال میں بجائے
مقابلہ کے لفظ موافقت بہتر ہے۔ اور اسی موافقت میں قدرت نے داہنی
اور بائیں قوت میں امتیاز خلقی رکھا ہے۔ اور اس وجہ سے ناممکن ہے کہ داہنی
قوت پر بائیں قوت غالب آسکے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اگر صرف داہنی ہی
داہنی قوت کام کرے اور بائیں قوت معطل کر دے جاوے تو یہ فساد جسم
اور داہنی قوت کے اضمحلال کا باعث یقینی ہے۔ یہ مثل بلا وجہ مشہور نہیں ہوئی
کہ مرد کی بائیں پسلی سے عورت پیدا ہوئی۔ اس حکیمانہ قول سے دو باتیں ظاہر
ہوتی ہیں۔ اول تو یہی کہ عورت میں بائیں قوت ہے اور مرد میں دائیں دوسرے
یہ کہ بائیں جانب قلب ہے جسکی حرارت شریانوں میں خون دوڑانے اور بقائے

نسل کا باعث ہی جس سے صاف اشارہ ہی کہ مرد توانا ہے۔ لیکن قوم ترقی اسی بائیں قوت سے کرسکتی ہے۔

پس باوجودیکہ نازک ہمدم و مونس کیسا ہی کمزور ہو۔ لیکن بحیثیت کارآمد ہونیکے جزو اعظم ہے اور چونکہ ابتدا قوت فاعلہ کی طرف سے ہوگی اسلئے ضروری ہی کہ اس میں ان تاثیرات کا پیدا کرنا زیادہ ملحوظ ہو جو اثر قبول کرنے والیوں کے لئے نتیجہ خیز ہوا ور جس کی ضرورت قوم کو ہو۔

اس میری تحریر سے یہ امر ظاہر ہوگیا ہی کہ مجھے اپنی مصری بہن کی رائے سے کچھ لفظی اور کچھ ترتیبی اختلاف ہی ورنہ میں بالکل متفق ہوں۔

مردوں کی توجہ لڑکیوں کی تعلیم کی طرف بمقابلہ لڑکوں کے ہندوستان میں بھی بہت کم ہے۔ بلکہ ہے ہی نہیں۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتی ہوں اس کم توجہی کا باعث مردونکا جہل ہے۔ گو آجکل افلاس نے بھی اس میں ایک سکندری سد حائل کردی ہی۔ لیکن جبکہ افلاس کی جڑ ہی جہل ہے تو کیوں اسکو زیر بحث لایا جائے۔

اور چونکہ مردوں کو بوجہ قوام ہونے کے ایک قسم کی سرداری اور تصرف خلقی طور سے عورتوں پر حاصل ہی۔ تو جب تک انکا جہل رفع نہوگا۔ عورتیں اپنی مقصد میں کامیاب ہوتی نظر نہیں آتیں۔ اور چونکہ مردوں کے مرد بنانے میں عورتوں کی ترتیب اور طریق پرورش کو کامل اثر ہے اسلئے جبتک عورتیں اس تعلیم کی گرویدہ نہونگی اس قسم کے مرد نہونگے۔ اور یہ کچھ ایسا دور ہے کہ تقریری حد اسکے ادا سے قاصر ہے اور عملی کام سے یہ عقدہ حل ہوگا گویا یہ علم تصوف ہی کہ برخلاف اور علوم کے اس کا علم عمل سے حاصل ہوتا ہی۔ جیسا کہ اور علوم کا عمل بلا علم نہیں ہوسکتا۔

تاریخ ہمیں یہ بتا رہی ہو کہ جس قدر تہذیب و شائستگی مردوں میں پھیلی۔ اسیقدر عورتیں سلیقہ شعار بن گئیں۔ اس زمانہ میں جبکہ اسلام کے ساتھ علم نے پیمان باندھا تھا۔ عورتیں بھی اسی رتبہ اور شان کی ہوتی تہیں جیسے کہ مرد۔ یہ میں تسلیم کرتی ہوں کہ اس غلط خیال نے کہ مستورات کے ہنر بھی مستور رہے انکی کافی اور مکمل حالات مستور رہنو نے دئے۔ لیکن جس قدر حالات مجکو ملتے ہیں انکو جب اس خیال سے دیکھا جاوے کہ وہ کس کس خاندان میں تہیں۔ اور انکی احترام اور عزت کی کیا حالت تھی صاف عیاں ہوجاتا ہو کہ قوم کی قوم ہی ایک رنگت میں رنگی ہوئی تھی۔ جب مردوں میں تنزل کی وبا پھیلی تو ساتھ ہی ان کی بائیں پسلی پر بھی وبا کے فرشتہ کی پسلی پھڑکی۔ اور یہ دونوں کے دونوں ایک اندھیری گھُپ غار میں گرے کہ انکا بعث یوم النشور میں بھی یقینی خیال نہیں کیا جاتا۔

پس میری رائے کے ثبوت میں یہ مثال تاریخی اس دور کے ثابت کرنے کیلئے کافی ہوگی جس کا میں نے دعویٰ کیا تھا۔

اب میں شخصی آزادی کی بابت اپنا خیال ظاہر کرتی ہوں فطرت کی قانون نے اس عالم میں اگر آزادی عطا کی ہے تو وہ بھی مقید آزادی ہی افراط اور تفریط۔ دونوں اطراف معیوب ہیں۔ اگر کسی ایک جانب رجوع کیجاوے۔ فوراً اعتدال گردن دبانے کے لئے موجود ہو۔ زمانہ کے ہچکولے بھُرکس نکالنے کو تیار رہیں۔ مہذب دنیا سے نفرین کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ سیاست مدنی کے مقنن نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر بتلائیے کہ اعتدال سے ادھر یا اُدھر حرکت کرنے کے مانع جب اس قدر پابندیاں بھی ہیں تو آزادی کو یاد کرنا۔ محالات کی پیچھے دوڑنے سی کچھ بھی

زیادہ نہیں کیا میری بہن مصری خاتون۔ اس میری گذارش کو خلاف عقل یا شرع قرار دیتی ہیں اگر قرار نہیں دے سکیں اور ہرگز نہ دے سکیں گی تو میں کس طرح اپنی بہنوں کو اس خوش رنگ مگر سخت کڑوے پھل کے کھانیکی کیونکر رغبت دلاؤں۔ جسکی سمیت سکنڈوں میں اعتدال حقیقی کو فنا کرتی ہو۔

اب ہم عورتوں کو سوچنا ہے کہ ہم مردوں سے الگ ہو کر اس قابلیت اور لیاقت کے حصول کی جانب متوجہ ہوں جو ہر ایک طبیعت کے لئے موزوں ہو اور اسکا نتیجہ یہ ہو کہ اس مقابلہ کے میدان میں ہم اپنے مردوں سے بڑھ جاویں کیونکہ اگر کم رہیں گے تو ہمپر وہ اقتدار جو مرد کو قدرتی طور پر حاصل ہے حکمران رہے گا اور ہم بدستور اس اطاعت میں رہیں گے جس سے چھٹکارا ڈہونڈنے کے لئے اُٹھے تھے۔ پس بڑہنے سے ہمارا اقتدار مردوں پر قایم ہوگا۔ اور ہم قوام ہونگی۔ تو اس صورت میں ہم ان مردوں کی عورتیں نہیں رہ سکتیں جو تہذیب میں ہم سے پیچھے ہیں۔ اور بہرحال آگے بڑہے ہوئے قوموں میں کسی قسم کے ہم شریک حال ہونگے۔ اس صورت میں بحیثیت اناث اسلام ہماری ترقی نہوگی۔ جو قومی ترقی کہلانے کی مستحق ہو۔ بلکہ یہ ترقی قومی تنزل کا ایک اچھا سبب ہوگا۔ یہ کیوں اسلئے کہ ہم افراط کی طرف مائل ہونگے۔ اور اعتدال کو چھوڑ دیں گے۔ پس شخصی آبادی کی حد ہے۔ کہ قانون فطرت جس قدر اجازت دے۔ اور تمدنی فساد کا باعث نہو۔ اسلئے ان دونوں اُصولوں کو مدنظر رکھہ کر میدان موافقت میں گام زن ہونا۔ مردوں اور عورتوں کی خوش نصیبی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ عقل سلیم میری شہادت کے لئے تیار رہے اور گذشتہ زمانہ میری گواہی کے لئے آمادہ۔

یہ بات کہ جو کچھ مرد کر سکتے ہیں عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ اور کسی طرح عورتیں
مردوں سے کم نہیں۔ بالکل درست دعویٰ ہے اس حد تک کہ عورت عورت
رہے اور اگر عورت کو مرد بنایا جاوے تو محض غلط ہے۔ جس قدر مثالیں دی
گئیں وہ علاوہ اسکے کہ شاذ ہیں۔ اس غایر نظر کی بھی محتاج ہیں کہ اپنی حیثیت
سے بڑھکر کام کرنا۔ ہر ایک فرد کے لئے تعریف کا باعث ہوتا ہے۔ گو کہ اس
سے بہتر کام بھی حسب حیثیت ذکر کی بھی قابل نہوں عورتوں کے ایک یا دو
یا چند افعال مثلاً میدان میں جاکر لڑنا ملکی انتظام کرنا۔ وغیرہ اگر وہ عورتیں
نہوتیں تو کسی تعریف کے قابل نہوتیں۔ کیونکہ اس سے بہتر اور برتر کام جو مردوں
سے ہوئے کبھی تعریفی اور توصیفی الفاظ میں بیان نہیں کئے گئے۔ کیونکہ
مردانہ حیثیت سے وہ اس معیار کے قابل تھی جو اوصاف مردانہ کی اعلیٰ
درجہ پر خیال کئے جاتے۔ اور عورتوں کے وہ کام جو مردوں کے لئے
ادنیٰ سے ادنےٰ درجہ کے تھے۔ لیکن بحیثیت عورتوں کے انکی عادت
یا فطرت سے ممتاز تھے۔ ایسے طریق اور انداز سے بیان کئے گئے کہ مردوں
کے افعال بھی انکے روبرو گرد ہو گئے۔ مثلاً حضرت خولہ بنت ازدر کے کارنامے
اسیوقت تک قابل تعریف اور باوقعت ہیں جبتک کہ اسکا مقابلہ عورتوں کی
کارناموں سے کیا جاوے۔ اگر عورت کی حیثیت سے علیحدہ کرکے دیکھا جاوے
تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ حضرت ضرار بن ازدر۔ حضرت خالد بن ولید۔ حضرت
عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ حضرت دامس ابوالعول۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ
وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقابلہ میں پاسنگ بھی نہ تھی بانجھ عورتیں
یا جو عورتیں شادی نہیں کرتیں یا وہ بیوگان جو شادی ثانی نہ کریں۔ انکی
حالت حکم عام کی ناقص نہیں ہو سکتی۔ اسکے علاوہ انکی تکالیف اسی وقت

معرض بحث میں رہ سکتی ہیں۔ جبتک کہ قوم مہذب نہو جاوے۔ بعد قومی ترقی کے یہ استثناء ڈہونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔

میں اس رائے میں کہ عورتوں کو وہ علوم جو انکی اخلاق کی اصلاح کا باعث اور تربیت اولاد کا سبب اور منزلی انتظام کا موجب ہوں حاصل کرنی لازمی ہیں۔ اپنی مصری بہن کی سچے دل سے ہمزبان ہوں اور یہ بھی عرض کرتی ہوں کہ اگر ہمت مساعدت کرے تو اسپر زیادہ تعلیم اور بہی مستحسن ہے لیکن اسکو عام نہیں کہہ سکتی۔

میری معزز بہن مصری خاتون نے جو مثال بربری عورتوں کی یا گنوار عورتوں کی دی ہے اسمیں اس قدر تسامح ہوا ہی کہ مقابلہ کا نیتجہ۔ حصول ترقی یا تہذیب بھی ہوا یا نہیں۔ بہرحال اسکا جواب نفی میں دیا جائیگا۔ پھر ایسے مثال جو ہمارے مقصود کی منافی ہو۔ صریح البطلان ہی اور اسلئے میں اس پر زیادہ بحث نہیں کرتی باقی رہی وہ امور جو بوجہ بیجا طلاق۔ یا ترک۔ یا سوء معاشرت عورتوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ بیشک بہت ہی برے ہیں لیکن یہ سمجھہ لینا چاہیئے کہ جب ہم اور ہمارے مرد۔ مہذب اور ہماری اولاد تربیت یافتہ ہو گی۔ تو ان تکالیف کا نشان ہی معدوم ہو جائیگا۔ ہاں یہ امر کہ مہذب اور روشن خیال لوگ غیر قوموں کی عورتوں سے تعلق کر لیتے ہیں کیونکہ انکی قوم کی عورتیں انکی صحبت کی ناقابل ہوتی ہیں۔ ایک غور طلب امر ہے اور میری ناقص عقل ایسے لوگوں کو لایق یا روشن خیال یا مہذب کہنے سے بالکل انکار کرتی ہے۔ یہ امر ہر ایک شخص دانشمند تسلیم کرے گا کہ خود کوئی وصف۔ لیاقت یا روشن خیالی کا حاصل کرنا قابل تعریف نہیں۔ جیساکہ کسی شخص کا اپنا پیٹ بھر لینا کسی مدحت کے لائق نہیں۔ لیاقت یا روشن

خیالی کا معیار یہی ہو سکتا ہی کہ اسکی ذاتی توجہ اور کوشش سے کس قدر لائق اور روشن خیال لوگ قوم میں پیدا ہو گئے۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ بفرض محال۔ اگر کسی شخص کی سعی و کوشش بارور نہو لیکن اسکی جانب سے برابر ہوتی رہی ہو۔ تو وہ مدحت کے قابل اسلئے ہوگا کہ باوجود ناکامی کے اُسنے ہمت نہ ہاری۔ پس جو لوگ اپنی لیاقت کا اسطرح اظہار کرتے ہیں کہ اپنی قوم کی عورتوں سے اس بنا پر گریزاں ہیں کہ وہ لائق نہیں اور غیر قوموں کی عورتوں کی جانب میلان کرتے ہیں۔ کسی طرح بھی لایق کہلانے کے مستحق نہیں۔ کیونکہ انسے ایک شخص بھی جو ہر وقت انکا مونس اور ہمدم ہے لائق نہ بن سکا۔ اور اگر وہ کہیں کہ ہماری عمر کا بڑا حصّہ اس کام میں صرف ہوا۔ اور ہماری طبیعت ایک عرصہ تک لائق راز دار کے نہونے سے کبیدہ رہیگی۔ تو میں علانیہ کہتی ہوں کہ انسانی اوصاف سے وہ شخص بالکل عاری ہے۔ جسکی طبیعت دوسروں کی بھلائی کرنے سے گریز کرے۔ اور اپنی آسایش کو قومی خدمت پر ترجیح دے۔ وہ ہرگز انسان کہلانے کے قابل نہیں۔ لہذا میں دعویٰ کرتی ہوں کہ جو ایسے نالایق لوگ ہیں اگر وہ غیر ملک کی عورتوں کو اپنا ہم راز بنا کر اپنی قوم اور ملک کو دغا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری قوم سے خارج ہو جاویں تو خس کم جہاں پاک کہکر سپاس الٰہی بجا لانی چاہئیں۔ کیونکہ ایسے تن آسانی اور تن آسانی والے باعث ادبار دولت قوم ہوتے ہیں۔

پردہ کے متعلق جو میری معزز بہن مصری کی رائے ہے وہ مصر تک محدود رہنی چاہیئے۔ ہندوستان میں اس بحث کو چھیڑنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہ سوال اسوقت نامناسب ہے۔ جبکہ مسلمانان ہندوستان کے اعمال و افعال مطابق شریعت غرا ہو جاویں۔ اسوقت پردہ کا بھی اسلامی طریق یہ ہونا بشرطیکہ غیر مسلم قوم کے ارتباط کا اندیشہ نہو زیر بحث آسکتا ہی۔ اے میری معزز بہن تم غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی

کہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ ؔ کی موجودگی نشہ ایک فرض کو ساقط کر دیا۔ اور فرض بھی کیسا کہ انسان جبتک انسان ہے اس سے معاف نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک معاشرتی طریق پردہ نسلوں میں افراط کرنے بموجودگی ان خرابیوں کے جو بلا روک ٹوک اسوقت کیجاتی ہیں۔ کیوں محمود خیال نہ کیا جاوے۔ جس قدر رزولیوشن سیری بہن نے تجویز کئے ہیں وہ سب ہی اچھے ہیں لیکن انکے ساتھ ہی وہ تدبیر بھی پیش ہونی چاہیے تھیں جس سے عملی کارروائی شروع ہوتی۔ کیونکہ بلا عمل کے اسکے نتائج سے ہم مستفید نہیں ہو سکتے۔ منجملہ ان رزولیوشن کے صرف رزولیوشن نمبر ۵ کے متعلق حسب گذارش بالا اس قدر عرض کرتی ہوں کہ جب تک ہماری قوم دراصل مسلمان متبع سنت نہ بن جائے۔ پردہ کی بحث کو ملتوی رکھا جاوے۔

راقمہ

اُخت محترم الدین احمدؔ

ذی شعور لڑکیاں اور روزہ نماز

افسوس ہے کہ آجکل اکثر گھروں میں روزہ نماز کا بالکل چرچہ نہیں ہے کوئی شاذونادر ہی گھر ایسا ہوگا کہ جس میں روزہ نماز کا چرچہ ہو ورنہ اس زمانہ کے مسلمان فقط نام ہی کے مسلمان ہیں اور جانتے ہی نہیں کہ روزہ کیا چیز ہے اور نماز کس جانور کا نام ہے نئی تعلیم یافتہ لڑکیاں اور بھی زیادہ اس بدعادت میں مبتلا نظر آتی ہیں اور روزہ نماز کو لٹراگ سمجھتی اور جان چراتی ہیں نئی تعلیم یافتہ لڑکیوں کا تو یہی کام رہگیا کہ انگریزی تقلید اور نئے فیشن کا اہتمام کرتے کرتے سو گئیں صبح ہوئی پھر وہی نئے فیشن کی خوشنمائیوں اور دنیا کے دھندوں میں مصروف ہو گئیں دن بھر میں کبھی بھولے سے بھی خدا اور اس کے پیارے رسولؐ کا نام زبان پر نہیں آتا۔ حالانکہ نہایت

آسان و سہل طریقہ سے خدا و رسول کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے مگر آرام پسند
اور کاہل و جو دلڑکیوں کی ہمت اسپر ہی تقاضا نہیں کرتی کیا نماز میں پہاڑ کے
پتھر اُٹھانے پڑتے ہیں جو لڑکیاں نماز کو وبال جان سمجھتی اور دم چُراتی
ہیں اور خداوند کریم کا دیا ہوا رزق کھاکر اور اسکی نعمتوں سے آرام حاصل
کرکے محض بیکار پڑی رہتی ہیں اور یہ عذر پیش کرتی ہیں کہ نماز کا کھڑاگ
کون کرے دن سے پہلے اُٹھکر منہ دھونا ہاتھ دھونا اور وقت پر نماز پڑھنا
جانماز بچھانا اور اسکے علاوہ وقت مقررہ پر سرمو فرق نہ ہونے دینا نہ ہُوا
ہم سے یہ اُٹھک بیٹھک نہیں ہو سکتی اور صبح ہی صبح پانی میں ہاتھ ڈالنے
سے ہمکو سردی و زکام ہو جاتا ہے (چہ خوش کیا عمدہ عذر رہے ۔ خوئے
بد را بہانہ بسیار) اور یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچہ گھر میں روزہ نماز کا چرچہ
نہ دیکھکر بالکل آزاد طبیعت اور خراب تربیت حاصل کرتے ہیں ۔ بلکہ وہ
روزہ نماز کی عوض یہ چرچہ دیکھتے ہیں کہ دن پہلے نماز فجر کے عوض چاء
کی دھوم مچ رہی ہے میز کرسی لگائی جا رہی ہے اور انواع اقسام کی
نعمتیں چُنی جا رہی ہیں اس سے فراغت ہوئی تو دوپہر کے کھانے کا بڑے
اہتمام کے ساتھ انتظام ہو رہا ہے اور سب چھوٹے بڑے اس انتظام میں
لگے ہیں اسکے بعد تھوڑی دیر آرام خاص کا وقت ہے ۔ بیدار ہونے پر
نہایت کروفر کے ساتھ شام کا ناشتہ ہوا اور عصر کی نماز کے عوض بچے
ہوا خوری کے لئے تیار کئے گئے اور یہ سلسلہ نماز مغرب تک رہا اسکے بعد
تمام ٹھاٹ رات کے کھانے پر ختم ہو گیا بستر کئے گئے اور بچوں کی معلومات
بڑھانے کے لئے ڈراونی کہانیاں جھوٹے سچے قصے سنائے صبح ہوئی پھر
دنیاوی کاموں میں مصروف ہو گئیں جبکہ بچے نہ گھر میں روزہ نماز کا چرچہ

دیکھتے ہیں اور نہ مدرسوں میں دین کی تعلیم پاتے ہیں تو وہ کس طرح خدا
رسول کے احکام پہچان سکتے ہیں۔ کاش کہ جھوٹے سچے قصوں کہانیوں کی
عوض بچوں کو دین کے مسلہ اور نماز روزہ کا خیال ذہن نشین کرایا جائے۔
نماز کا تو یہ حال ہے اور رمضان شریف کیا آتے ہیں کہ ایک آفت آتی ہی
اوّل تو روزہ ہی کیوں رکھنے لگے کیا ہمارے گھر میں اللہ کا دیا ہوا رزق
نہیں ہے جو فاقہ کشی کرکے اپنے آپ لاغر و ناتواں بنالیں اگر ذرا سا لحاظ
کیا تو بیماری کا عذر جو رمضان شریف میں خوب ہاتھ آتا ہے پیش کردیا اور
اس سے بھی زیادہ ہمت کا کام کیا اور روزہ رکھ لیا تو ایک ایک سے
بھوک کی شکایت ہو رہی ہے پیاس لگ رہی ہے سر میں شدت سے درد
ہو رہا ہے جما ئیاں آرہی ہیں اور غصہ ہی کہ بات بات پر چلا ہی آرہا ہی اور
ایک ایک منٹ گنا جارہا ہی غرض روزہ رکھ کر نہایت بیقراری کے سات
دن ختم ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ پہلے ہی روزہ میں یہ حال ہوا آیندہ
خدا خیر کرے نہ ہُوا ہم میں اتنا بوتا نہیں ہے جو اس قدر تکلیف برداشت
کرسکیں۔ پیاری لڑکیوں رمضان شریف ہمیشہ تھوڑے ہی رہتے ہیں یہ
بھی خداوند کریم نے ہمارے لئے ایک افضل و مبارک مہینہ بنایا ہے تاکہ
روزہ رکھکر خداوند کی رضامندی حاصل کریں صبر کی عادت ہو دوسروں کی
ہمدردی اور بھوک کی تکلیف احساس کریں اور اس مہربان خدا نے جو بیشمار
نعمتیں ہم کو عطا کی ہیں اسکی قدر کریں۔ روزہ بڑی محنت اور تکلیف کا
کام ہی۔ ممکن ہے کہ بعض بہنوں کی صحت اس قابل نہ ہوا ور انکا عذر درست
ہو۔ لیکن نماز نہ پڑھنے کا کیا عذر ہو سکتا ہے مانا کہ آجکل کی لڑکیاں حد سے
زیادہ انگریزیت کی دلدادہ ہیں لیکن جس طرح لباس میں گفتگو میں چال

چلن میں اور ان کی بہن تہذیب سیکھنے میں ان کی تقلید کی جاتی ہی اسیطرح
ان کے سے نماز روزہ اور پابندی اوقات کی حرص کیوں نہیں کی جاتی
نہایت شرم اور افسوس کی بات ہی کہ عیسائی قوم تو اس سرگرمی و اہتمام
کے ساتھ اپنے مذہب میں روزہ نماز کی پابند ہو اور ہماری قابل فخر قوم
یوں روزہ نماز سے جان چرائے۔ حالانکہ یورپین لیڈیز ہماری طرح بیکار اور
احدی بنی ہوئی نہیں ہیں بلکہ دن بھر گھر کے کام کاج اور دستکاری میں
مصروف رہ کربھی اپنے دین کا خیال رکھتی ہیں خصوصًا اتوار کے دن بڑے
اہتمام کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتی ہیں اور اس دن کوئی فضول کام
نہیں کرتیں اور بائبل پڑھتی رہتی ہیں نہ کہ ہماری طرح کے جمعہ کے دن سنو
میں دس پانچ آدمی جمعہ کی نماز کو گئے تو بہت بڑی بڑائی ہوگئی لڑکیوں
اور عورتوں کا تو ندکور ہی کیا ہے۔ پس ہم کو ان کی عبادت دیکھکر شرمانا چاہیے
اور اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے اور عبرت پکڑنی چاہیئے۔ پیاری لڑکیو
یہ چند روزہ زندگی ہے اور ہم یہاں مثل ایک مسافر کے مقیم ہیں جس طرح کہ
مسافر سرائے میں ٹہیر کر اپنی منزل مقصود پر جاتا ہے اس طرح ہم کو بھی
ایک نہ ایک دن اس مالک حقیقی کے روبرو جانا ہوگا وہاں ہمارے نیک
بد کاموں کی بازپرس ہوگی وہاں یہ نہیں ہوگا کہ کسی کو رشوت دیکر اپنی
طرف سے جھوٹی گواہی دلوادیں بلکہ وہاں سچا معاملہ ہوگا اور کوئی عذر وحیلہ
کارگر نہ ہوگا اپنے ہاتھ پانوں اور رواں رواں اپنا دشمن ہوجائیگا اور
اپنے خلاف گواہی دیگا اور حشر میں سب سے پہلے نماز ہی کی پوچھ ہوگی اور
نماز ہی ہمارے گناہوں کے بخشوانے کی موجب ہوگی چونکہ نماز سب
نیکیوں پر فوقیت رکھتی ہی اور بےنمازی کی کوئی عبادت وسخاوت دعا

قبول نہیں ہوتی اگر روزہ رکھکر نماز نہ پڑہیں تو روزہ بھی قبول نہیں ہوتا
بلکہ فاقہ میں شمار ہوتا ہی اور دن بھر کی محنت اکارت ہوجاتی ہے۔ پیاری
لڑکیوں نماز ایسی اچھی چیز ہے کہ ذرا سی تکلیف گوارا کرنے پر اپنے معبود حقیقی
کی پرستش و رضامندی اور پیارے رسولؐ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے
اور جو دعا مانگو قبول ہوتی ہے۔ وقت مقررہ پر کام کرنے کی عادت اور
اور مزاج میں صفائی پیدا ہوتی ہے غرض نماز کی طرف سے ہر ایک طرح
کی پاکی وصفائی کا خیال رکھا جاتا ہے باوجود ان خوبیوں کے جو بیان کیگئی
ہیں نماز ہی پر ہماری بخشش کا دار و مدار ہے لیکن نہایت افسوس کا
مقام ہے کہ ہم دنیا کی مشکل سے مشکل کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر
نماز سے جو بہت سہل ہے جان چُراتے ہیں۔ پیاری لڑکیوں غور کرنا چاہیئے
کہ جب کوئی نوکر اپنے مالک کے حکم کے خلاف کام کرتا ہے تو ایسے نافرمان
نوکر پر کس قدر غصہ آتا ہی اور اس کو کوئی چیز دینے کو دل نہیں چاہتا اور جب
نافرمانیاں حد سے زیادہ تجاوز کرجاتی ہیں تو نوکری سے برطرف کردیتے
ہیں۔ اس طرح اگر خداوند کریم ہمارے گناہوں پر نظر کرے تو دم کے دم
ہیں ہمارے گناہوں کی سزا اور دنیا کو تہ و بالا کرسکتا ہی اس میں سب قدرت
ہے لیکن خداوند کریم اپنے گناہ گار و نافرمان بندوں پر ایسا مہربان ہے کہ
اس قدر نافرمانیوں پر بھی اپنے نافرمان بندوں کو رزق دیتا ہے اور اپنی
بے شمار نعمتوں سے محروم نہیں رکھتا اور اپنے بندوں کے گناہوں کا پردہ
فاش نہیں کرتا نہایت شرم اور افسوس کا مقام ہے کہ ایسے رحیم و کریم خدا کی
ہم سے عبادت نہ ہوسکے اور اسکی رضامندی کا خیال نہ رکھیں۔ یہ سراسر
ناشکری و نافرمانی اور کفران نعمت ہے۔ لہذا ذی شعور لڑکیوں کا فرض ہے

کہ خود نماز پڑہیں روزہ رکہیں اور چہوٹے بہن بھائیوں کو دین کی ترغیب دیں اور دوسروں کے لئے موجب عبرت بنیں تاکہ دونوں جہان میں سرخرو رہیں۔ پیاری لڑکیوں میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا کے کاربار چہوڑ کر تارک الدنیا بن جاؤ بھلا جیتے جی دنیا کے جھگڑوں سے کیونکر نجات مل سکتی ہے لیکن اتنا میں ضرور کہہ سکتی ہوں کہ نماز روزہ کو سب کاموں پر مقدم سمجھنا چاہئے اور اس مہربان خدا کی رضامندی کا کچھ تو خیال رکھنا چاہئیے اور اس مہربان جس کے اس قدر ان گنت احسانات ہم پر ہیں کہ ہماری زبان اگر ساری عمر شکریہ ادا کرے تو بھی ادا نہو سکے۔

خاکسار

عالیہ بیگم بنت مجیب احمد تمنائی

حیدرآباد دکن

مسلم یونیورسٹی فنڈ

مئی کے وصول شدہ چندے کی فہرست نذر ناظرین خاتون کی جا چکی ہے۔ اُسکے بعد جن ہمدرد قوم بہنوں نے میری امداد کی اُن کا شکریہ مجہہ پر واجب ہی۔ صاحبزادی جناب حاجی محمد موسیٰ خاں صاحب و بیگم جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب (یعنی ہمارے سکرٹری) کی قابل قدر امداد کا شکریہ ادا کرنے کو میں الفاظ نہیں پاتی ہوں۔ ان دونوں معزز بہنوں نے میری ناچیز درخواست منظور کی۔ صاحبزادی حاجی موسیٰ خانصاحب چند ہفتوں سے فراہمی چندے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اسوقت تک انہوں نے پانچسو روپیہ کے وعدے کرالئے ہیں اور کچھ وصول بھی کر لیا ہی خدا ہمت

میں برکت دے۔ اور ہماری کارکُن بہن جناب بیگم عبداللہ صاحب نے بھی کام شروع کر دیا ہے۔ اور اُن کی کوشش سے عنقریب علیگڑھ میں بغرض فراہمی چندہ معزز بیگمات کا ایک جلسہ ہونیوالا ہے۔ اب ہمیں امید کامیابی ہے۔ بیگم صاحبہ جناب سید وزیر حسن صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل لکھنؤ میں کوشش کر رہی ہیں۔ وہ با اثر خواتین لکھنؤ کی ایک کمیٹی قایم کرنے والی ہیں جس سے باقاعدہ کارروائی ہو۔ افسوس کہ میری عزیز بہن بنت سید امداد حسین صاحب جونپور گذشتہ ماہ میں سخت علیل رہیں۔ وہ اسقدر ناتوان ہو گئیں تھیں۔ کہ اُٹھنا بیٹھنا بھی دشوار تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی اپنے فنڈ کا برابر خیال رہا۔ اور اپنے والد صاحب سے خط لکھوا کر مجھ سے اور رسید بہیاں منگا کر تقسیم کر دیں۔ خدا انہیں صحت کامل عطا فرمائے اور کوشش میں کامیاب کرے۔ عزیز بہن ہمشیرہ محمد مسعود صاحبہ بدایوں کی گذشتہ ماہ میں شادی ہو گئی ہے۔ دُلھن بننے میں بھی وہ اپنے فنڈ کو نہیں بھولیں۔ اُمید ہے کہ وہ بہت جلدی اپنی رسید بھی پُر کر کے بھیجدینگی۔ بنت عبد الغنی صاحب سشن جج ہردوئی نے بھی (جنکی حال ہی میں شادی ہوئی ہے) میری درخواست منظور کی اور رسید بھی لیکر ہردوئی میں کام شروع کر دیا۔ میں نے رضیہ بیگم مسعود الحسن صاحبہ کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے مضمون میں لکھا تھا کہ دوسری دُلھنوں کو بھی اِن کی تقلید کرنی چاہیئے سو خدا کا شکر ہے کہ انہیں دنوں دو اور نئی دُلھنوں نے قومی کام میں حصہ لیکر دکھا دیا۔

روشن خیال پنجابی بہنوں میں سے بنت جناب عبد الحمید صاحب ناظم ریاست پٹیالہ و بیگم صاحبہ جناب سید نذیر حید ر صاحب رئیس سیالکوٹ

و برادر زادی جناب مولوی امام الدین صاحب پنشنر گجرات نے از راہ مہربانی میری درخواست منظور کر کے اپنے شہر میں کام کرنا منظور کیا۔ چنانچہ اُن کو رسید بہیاں بھیجدی گئیں اور اب وہ فراہمی چندے میں مصروف ہیں

میں شکر گذار ہوں اپنی معزز بہن جناب زہرا خانم صاحبہ فیضی بمبئی کی امداد کی جنہوں نے اپنا چندہ عنایت کیا۔ گو بوجہ پریشانی و علالت کے وہ اس کام میں جیسا کہ چاہیئے تھا کافی حصہ نہ لے سکیں۔ تاہم اُن کی یہی مدد قابل قدر ہے۔ اور مشکور ہوں اپنی بہن بیگم جناب عبدالرزاق صاحب داروغہ جیل پشاور کی جنہوں نے نہ صرف اپنا ہی ستر روپیہ فنڈ کو عنایت کیا۔ بلکہ ملازمین جیل خانہ کی عورات سے جس قدر ہوسکا وصول کر کے عنایت کیا۔ ہمارے فنڈ میں سب سے بڑی رقم بیگم صاحبہ موصوفہ ہی کی طرف سے ملی ہے۔ جس میں سے تیس اونہوں نے اپنی چھوٹی ہمشیرہ بنت خواجہ احمد حسن صاحب دھلی کو دیئے ہیں۔ اور چالیس مجھے بھیجے ہیں۔ بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ جو دھلی میں کام کر رہی ہیں۔

وہ بہن صاحبہ موصوفہ کی چھوٹی بہن ہیں۔ اور رضیہ بیگم مسعود الحسن صاحبہ مراد آباد ان کی بھانجی ہیں۔ اس ایک خاندان کی تین روشن خیال بہنوں نے سب سے زیادہ مدد دی ہے۔

میری بھابی صاحبہ جناب بیگم سید اقبال بہادر صاحب بی اے نواب آف شمس آباد نے بھی اپنے گھر کا چندہ عنایت کیا ہے۔ اُن کے بچے اُن دنوں علیل تھے اسلئے زیادہ نہ ہوسکا۔ پیاری بہن شریف النسا صاحبہ نے جالندہر کا وصول شدہ روپیہ اور فہرست مجھے بھیجدی ہے۔

وہ چھتیس ۳۶ روپیہ ہی جالندہر سے کرنے پائی تھیں کہ اُن کے

والد ماجد کی تبدیلی شاہ پور کی ہوگئی۔ تاہم اتنے گھر سے اونہوں نے وصول کرہی لیا کہ ایک رسیدبک پُر ہوکر واپس مجھے ملگئی ہیں شکریہ ادا کرتی ہوں اپنی معزز بہن بیگم غلام باری صاحب بی اے۔ ایل ایل بی وکیل لائلپور کا جنہوں نے ایک ہفتہ کے اندر پچاس روپیہ فراہم کرکے مجھے عنایت کیا۔ اسقدر جلد اور کسی بہن کی طرف سے روپیہ نہیں ملا۔

خدا ایسی ہمدرد قوم بہنوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔	بوبو صاحبہ لاہور	۴ر
افسوس کہ اور بہنوں کی طرح ناظرین	رقیہ بیگم ،،	۲ر
خاتون اپنے فنڈ کی طرف متوجہ		
نہیں ہوئیں۔ جسکی مجھے شکایت ہی۔	خادمہ ،، ،،	۱ر
	بیوہ عایشہ بی بی ،،	۱ر

فہرست حساب حسب ذیل ہی

میزان رسالہ خاتون نمبر مئی ۱۱ء	ساہعہ/۹ر	سیٹھہ محمد ذکریا صاحب کوہاٹ	عا ر
بیگم صاحبہ عبدالرزاق صاحب پشاور	للعہ	سیٹھہ عنایت اللہ خانصاحب کوہاٹ	عہ ر
زہرا خانم صاحبہ فیضی بمبئی۔ ۔ ۔	ﷲعہ	جیلانی بخش صاحب اسسٹنٹ ٹیلیگراف	
بیگم صاحبہ نواب اقبال بہادر صاحب آف شمس آباد	عہ	ماسٹر کوہاٹ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	عا ر
بیگم صاحبہ نواب سکندر دولہ صاحب ،، ،،	صہ ر	بنت عبدالغنی صاحب سیشن جج ہردوئی	عا ر
بیگم صاحبہ نواب حیدر سلطان صاحب ،، ،،	صہ ر	بنت حافظ شریف احمد صاحب بنت	عہ ر
صاحبزادی نواب اقبال بہادر صاحب ،، ،،	صہ ر	شہزادہ احمد شاہ صاحب کوہاٹ	عہ ر
صاحبزادی حیدر سلطان صاحب ،، ،،	صہ ر	بیگم صاحبہ عبدالرحیم صاحب جالندہر۔	عا ر

بنت جناب سید محمود شاہ صاحب پشاور	صہ/	بیگم صاحبہ فضل محمد صاحب جالندھر	عہ/
بیگم صاحبہ عبدالرحمٰن صاحب کوہاٹ	صہ/	بیگم مبارک مند صاحبہ جالندھر	عا/
بیگم صاحبہ ممتاز اللہ خانصاحب		بیگم صاحبہ عبدالعزیز صاحب جالندھر	عا/
سہارنپور۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵عہ	والدہ صاحبہ محمد بشیر صاحب جالندھر	عہ/
بیگم صاحبہ یعقوب علیخاں صاحب لاہور	صہ/	والدہ صاحبہ شیخ محمد شریف	
والدہ صاحبہ شاہنواز خانصاحب لاہور	عا/	صاحب جالندھر	عہ/
بیگم صاحبہ محمد عزیز مرزا صاحب لاہور	عہ/	بیگم صاحبہ عبدالعزیز صاحب جالندھر	عہ/
والدہ صاحبہ قاضی عبدالقدیر صاحب لاہور	عہ/	سراج بیگم صاحبہ بنت فضل الٰہی	
بیگم صاحبہ ڈاکٹر خدابخش صاحب لاہور	عہ/	صاحب بیرسٹر۔ لاہور۔	عا/
عالی شاہ نواز صاحب لاہور۔	۸/	والدہ صاحبہ عبدالحمید صاحب جالندھر	عا/
بنت سردار احمد صاحبہ لاہور۔	۵عہ	نجم آرا عبداللطیف صاحب ،،	عا/
بیگم صاحبہ عبدالحمید صاحب لاہور۔	عا/	شریف النساء عبداللطیف صاحب ،،	صہ/
سپہر آرا بیگم صاحبہ لاہور۔	عا/	بیگم صاحبہ میر حامد علی صاحب پشاور	سے
والدہ سپہر آرا بیگم جالندھر۔	عا/	ہمشیرہ صاحبہ میر حامد علی صاحب ،،	عا/
بیگم صاحبہ عبدالغنی صاحب جالندھر	عا/	بیگم صاحبہ اکبر علی صاحب ،،	عا/
بیگم صاحبہ محمد حسین صاحب ساڈھورہ		بیگم صاحبہ منشی امیر احمد صاحب ،،	عا/
ضلع جالندھر۔ ۔ ۔ ۔	عا/	بیگم صاحبہ امیر علی صاحب ،،	عہ/
والدہ محمد حسین صاحب ساڈھورہ ضلع جالندھر	عہ/	غلام باری صاحب بی اے	
دختر کلاں محمد حسین صاحب ،، ،،	عہ/	وکیل لائلپور۔	۵عہ
دختر خورد محمد حسین صاحب ،، ،،	عہ/	بیگم صاحبہ غلام جیلانی صاحب	
بیگم صاحبہ فیض محمد صاحب جالندھر	عہ/	منصف لائلپور۔	۵عہ

منشی فتح دین صاحب لائلپور	عہ	غلام محمد مالی صاحب لائلپور	عہ
برکت اللہ صاحب سفید پوش "	صہ	بذریعہ پھول میلے	۱۵لعہ
عبدالحمید صاحب وکیل "	صہ	میزان ما صہ	
منشی محمد حسین صاحب "	عہ	میزان کل صما للعہ	
بنت غلام باری صاحب "	عہ	خاکسار	
غلام حیدر نمبردار "	عا	بنت نذر الباقر کوہاٹ	

یونیورسٹی فنڈ

اگرچہ مجکو اس صوبہ کی خواتین سے مدد کی جس قدر ضرورت اور جتنی اُمید تھی اُس قدر نہیں ملی - مگر میری ناشکر گذاری ہوگی اگر میں اُن معزز بہنوں کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے میری مدد فرمائی تھی میں تہ دل سے مشکور ہوں اپنی معزز بہن بنت حاجی موسیٰ خاں علی گڑھ کی - جو علی گڑھ اور اُسکے قرب وجوار میں فراہمی چندہ کے لئے کوشاں ہیں ۔ مسز امیر احمد صاحبہ آگرہ کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اڑتالیس روپیہ آٹھ آنہ اپنے عزیزوں سے وصول کر کے بھیجے ہیں بنت عاشق علی صاحبہ فیض آباد و بنت عبدالغنی صاحبہ ہردوئی بھی مصروف کار ہیں - خدا اُن کو کامیاب کرے -

اس صوبہ میں صرف علی گڑھ آگرہ فیض آباد و ہردوئی میں فراہمی چندہ کی کوشش کی جاتی ہے - افسوس یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہر تو درکنار بڑے بڑے شہروں مثلاً میرٹھ بنارس الہ آباد سہارنپور کانپور شاہجہانپور بریلی بداؤں رائے بریلی رامپور وغیرہ کی قابل بہنیں ابھی تک خاموش ہیں - معزز بہنو وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ یہ ہی کام کا

وقت ہی بس کمرہمت چست کیجئے اور بیش از بیش کوشش کیجئے۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

میں نے کئی سو اپیل مختلف شہروں کی خواتین کی خدمت میں ارسال کئے لیکن افسوس ہی کہ بجز چند بہنوں کے کسی نے ہاں نہ کا بھی جواب نہیں دیا پیاری بہنو اور واجب الاحترام خاتونوں یہ دیری کا وقت نہیں ہی بزرگان قدم بآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ جب تک پچیس لاکھ روپیہ جمع نہ ہوجائیگا۔ گورنمنٹ سے یونیورسٹی کے چارٹر کے متعلق کوئی کارروائی نہو سکے گی۔ ضرورت ہی کہ اب تمام خواتین جن میں کچھ بھی قومی ہمدردی کا احساس اور قومی خدمت کا شوق ہی۔ اس طرف اپنی تمام توجہ مبذول فرمائیں۔

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

معزز خواتین اب چشم ہوش کھولئے اور دیکھئے کہ وقت کم ہی اور کام زیادہ جب زنانہ فنڈ قایم کیا ہے تو خدارا اپنی ہمجنس کی شرم رکھ لیجئے اور یہ کہنے کا موقعہ نہ دیجئے کہ ہندوستانی مسلمان خواتین بے حس ہیں اور یہ کچھ بھی نہیں کرسکتیں جن خواتین نے ازراہ قومی ہمدردی زنانہ فنڈ میں چندہ عطا فرمایا اور وعدہ ہی ان میں سے مخدوم بیگم حاجی موسیٰ خاں علیگڑہ و بیگم مولوی عبد القیوم مراد آباد کی وعدوں کی دو دو سو کی قوم فنڈ میں سب سے بڑی رقمیں ہیں جن کا ان فیاض دل بیگمات نے وعدہ فرمایا ہے اور جو عنقریب وصول ہوجائینگی۔ ہر دو بیگمات کی اس فیاضی کا اپنی اور تمام قوم کی طرف سے دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہی۔ مکرمہ مسز عبد الحفیظ

بچھراؤں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے پچاس کا وعدہ فرمایا ہے آخر میں ان سب خواتین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس فنڈ میں شرکت فرما کر ہمیں مرہون منت بنایا۔

۱۷ اپریل ۱۱ء سے یکم جولائی تک کا حساب حسب ذیل ہے

نام چندہ دہندگان	رقم چندہ پائی	آنہ	روپیہ
(۱) اہلیہ مولوی عبدالقیوم صاحب سب جج مرحوم (وعدہ)			۲۰۰
(۲) اہلیہ مولوی عبدالحفیظ صاحب بچھراؤں ضلع مرادآباد (وعدہ)			۵۰
(۳) اہلیہ مولوی عبدالرب صاحب وکیل مرحوم مرادآباد۔			۲۵
(۴) اہلیہ مولوی عبدالحق صاحب منصف مرحوم مرادآباد (وعدہ)			۲۰
(۵) اہلیہ سید رضا علی صاحب وکیل مرادآباد (وعدہ)			۱۰
(۶) بنت احمد حسن صاحب مرادآباد (وعدہ)			۱۰
(۷) بنت سید نبی اللہ صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ۔			۱۰
(۸) اہلیہ سید مشتاق حسین صاحب مرادآباد۔			۵
(۹) اہلیہ نجف علی صاحب نینی تال۔			۵
(۱۰) اہلیہ مرزا ہادی حسن بیگ صاحب مرادآباد۔			۲
(۱۱) اہلیہ سید ابن علی صاحب (ایڈیٹر نیر اعظم) مرادآباد۔			۲
(۱۲) بنت اشتیاق حسین صاحب سنبھل ضلع مرادآباد۔		۱۲	
(۱۳) شفیق فاطمہ۔		۸	
(۱۴) نصیبن ملازمہ مسز مسعود الحسن۔		۸	

نام چندہ دہندگان	پائی	آنہ	روپیہ
(۱۵) عزیزن (بونی) ملازمہ اہلیہ عبد القیوم صاحب۔		۴	
(۱۶) بنت* حاجی موسیٰ خانصاحب مشرف منزل علیگڑھ۔			۲۵
(۱۷) اہلیہ حاجی موسیٰ خاں معرفت بنت موسیٰ خانصاحب علیگڑھ (وعدہ)			۲۰۰
(۱۸) دختر کلان نواب آل اللہ خانصاحب معرفت بنت موسیٰ خانصاحب			۲۵
(۱۹) دختر خورد نواب آل اللہ خانصاحب معرفت بنت موسیٰ خانصاحب			۲۵
(۲۰) دختر کلاں مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب معرفت بنت موسیٰ خانصاحب			۲۰
(۲۱) اہلیہ ضمیر الحسن خانصاحب معرفت بنت موسیٰ خانصاحب			۵
(۲۲) ہمشیرہ خورد حافظ عبد الحلیم خانصاحب معرفت۔			
(۲۳) بنت حاجی موسیٰ خانصاحب علی گڑھ۔			۴
(۲۴) مسنز امیر احمدؐ صاحب آگرہ۔			۱۰
(۲۵) مسز برکت اللہ صاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۵
(۲۶) مسنز محمود حسن صاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۵
(۲۷) مسنز اعجاز احمدؐ خانصاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۵
(۲۸) دادی صاحبہ حشمت اللہ صاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۲
(۲۹) نانی صاحبہ حشمت اللہ صاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۱
(۳۰) حمیدہ بیگم بنت رحمت اللہ صاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۵
(۳۱) اقبال جہاں بنت واجد علی صاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۳
(۳۲) بارقہ بیگم بنت برکت اللہ صاحب معرفت مسنز امیر احمدؐ آگرہ۔			۱

* یہ کل رقم یعنی ۳۰۴ روپیہ (وصول شدہ ۱۰۴ موعودہ ۲۰۰) بنت حاجی موسیٰ خانصاحب کے پاس علیگڑھ سے

نام چندہ دہندگان	رقم چندہ روپیہ	آنہ	پائی
(۳۳) نانی صاحبہ شوکت اللہ صاحب معرفت مسز امیر احمد آگرہ	۱	۰	۰
(۳۴) بیگم صاحبہ حامد علی خانصاحب 〃 〃 〃	۲	۰	۰
(۳۵) مسز صادق علی خانصاحب 〃 〃 〃	۱	۰	۰
(۳۶) مسز ظہیر الدین صاحب 〃 〃 〃	۱	۰	۰
(۳۷) مسز شرافت حسین صاحب 〃 〃 〃	۱	۸	۰
(۳۸) مسز لیاقت علیخانصاحب 〃 〃 〃	۲	۰	۰
(۳۹) مسز عمر دراز خانصاحب 〃 〃 〃	۱	۰	۰
(۴۰) والدہ محمد حسین صاحب 〃 〃 〃	۱	۰	۰
(۴۱) مسز امیر علی صاحب 〃 〃 〃	۰	۴	۰
(۴۲) مسز حامد علی صاحب 〃 〃 〃	۰	۲	۰
(۴۳) اہلیہ* جہانگیر خانصاحب 〃 〃 〃	۰	۰	۶
(۴۴) تنظام علی عابد علی و زبیدہ - - - - - - - - -	۰	۲	۰
(۴۵) کریما ملازمہ - - - - - - - - -	۰	۴	۰
(۴۶) اہلیہ اکرام اللہ صاحب مرحوم معرفت مسز امیر احمد آگرہ	۲	۰	۰
(۴۷) فتح اللہ صاحب 〃 〃 〃	۱	۰	۰
(۴۸) ایک لڑکی 〃 〃 〃	۰	۰	۶
(۴۹) مسز مولوی لئیق احمد صاحب وکیل سنبھل ضلع مراد آباد - -	۲۰	۰	۰
(۵۰) خاکسار رضیہ مسعود الحسن - - - - - - - - -	۲۰	۰	۰
رقم وصول شدہ - - - - - - - - -	۲۴۳	۸	۰
رقم موعودہ - - - - - - - - -	۴۹۰	۰	۰
میزان کل - - - - - - - - -	۷۳۳	۸	۰

رقم جمع شدہ میں سے بیس ۲۰ روپیہ مسز لئیق احمد سنبھل کے چندہ کے اور بیس ۲۰ روپیہ میرے چندہ کے کل چالیس ۴۰ روپیہ مس نذر الباقر صاحبہ کی خدمت میں بھیجے اب باقی وصول شدہ ۲۰۳ رہے۔

* اس بڑھیا (اہلیہ جہانگیر خاں) نے سلائی سی کر ۰ر دیئے ہیں۔

خاکسار

رضیہ مسعود الحسن

مراد آباد

رجسٹرڈ نمبر ۲۷۱

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء | نمبر ۹

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوئی

پرنٹر محمد عنایت خاں

شیخ عبداللہ بی اے پبلشر نے علیگڑھ سے شایع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (ع ۱
اور ششماہی ۱۲ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جب تک مرد اسطرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال و ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بیبہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور با محاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیئے۔

"ترجمہ از نیر الیسٹ"

حسن سیرت

سمندر کے کنارے ہم دونوں آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اور اس کی کرنیں بلغاریہ کے جنگل کے درختوں کی پتیوں میں سے چھن کر ہماری آنکھوں کو چکا چوند کر رہی تھیں۔ سفید بادلوں کے دل کے دل ہوا میں ادھر ادھر جا رہے تھے اور باسفورس کا گہرا نیلگوں رنگ اس منظر کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔

مبین۔ میرا بازو پکڑے ہوئے تھا اور اس سین سے متاثر ہو کر بے اختیار چلا اٹھا۔ اُف حسن! حسن!

پھر باسفورس کی طرف للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میری بیوی کتنی ہی تنک مزاج اور بدخو کیوں نہو مگر میری دلی آرزو ہی کہ وہ نہایت حسین ہو"

میں۔ "خواب! یہ سب خواب ہی! یہ خیالی باتیں ہیں انکا کہیں وجود نہیں۔ کیا مشرقی ممالک کے نوجوانوں کی بھی انتہائی خوشی اور بھی سب سے بڑی خواہش ہی کہ انکی بیویاں خوبصورت ہوں؟"

مبین۔ "میں تمہاری اس بیہودہ منطق کو نہیں سننا چاہتا۔ میری بات سنو میری آیندہ بیوی چاہے غیر مذہب اور تیز مزاج ہی کیوں نہو مگر اُسکو خوبصورت ہونا چاہیئے" پھر کچھ سوچ کر کہا "صرف ایک حسین۔ نہایت حسین عورت محبت کے قابل ہے۔ لیکن شاید تم میرا مطلب نہیں سمجھتے"

میں۔ "اوہ! میں تمہارا مطلب خوب سمجھتا ہوں۔ تم خواب دیکھ رہے ہو۔ اس دنیا میں نہیں ہو"

مبین ایک نرم دل اور عالم خیال میں مستغرق رہنے والا نوجوان تھا جب ہم دونوں علحدہ ہونے لگے تو مبین نے کہا "میری شادی عنقریب ہونے والی ہی اور میری بیوی بے انتہا حسین ہوگی"

۲۰ دن کے بعد میں یونان چلا گیا۔ میرے ایک خط کے جواب میں اُسنے لکھا۔ "دو ماہ بعد۔ جبکہ تم بحر یونان کے ساحلوں کے کنارے اپنی تنہائی پر افسوس کرتے ہوگے۔ میں ایک حسن کی دیوی کی پرستش میں مشغول ہونگا۔

بدقسمت نوجوان! جب کبھی میں حسن کی تعریف میں اشعار لکھا کرتا تھا تو تو مجھ پر ہنسا کرتا تھا۔ اور کیا عجب کہ تم میرے اس خط پر بھی ہنسو۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں تمکو بھی اپنی خوشی میں شریک کروں۔ سنو۔ میری شادی کی تاریخ عنقریب مقرر ہو جائیگی۔ میری والدہ نے مجھے اطلاع دی ہی کہ میری آیندہ

بیوی بیحد حسین ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔"میں اُس لڑکی کی بیحد مداح ہوں۔ اُسکے خوش سلیقگی نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے"

دوسرے خط میں مبین نے لکھا۔"ایک حسین۔ نازک اندام لڑکی کو اپنے آغوش میں خیال کرو۔ اُس کے ریشمی لانبے بال۔ اُسکی نرم نرم اُنگلیاں اُسکا گلابی چہرہ۔ اُسکے پتلے پتلے ہونٹھ۔ اُف!۔ اُسکے تمام اعضا کو غور کرو۔ سب سے زیادہ اُس خوشی کا اندازہ کرو جو کہ ایک پریوش بیوی کے ملنے سے ہوتی ہے۔ یہ خوشی تمام دنیا کے خزانے ملجانے کی خوشی سے بڑھکر ہے۔"

یہ مبین کا آخری خط تھا جس میں اُس نے حسن پر گل افشانی کی تھی۔ اسکے بعد کوئی سال بھر کے عرصہ میں مجھے مبین کے دو خط ملے۔ مگر اُن میں علاوہ معمولی حالات کے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مجھے مبین کی شادی کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہوئی۔

کچھ دنوں بعد میں رخصت لیکر قسطنطنیہ واپس آیا۔ سب سے زیادہ مجھے مبین سے ملاقات کرنے کا شوق تھا۔ دوسرے دن مبین خود میرے پاس آیا اور تھوڑی دیر کے غپ شپ کے بعد خود ہی کہنے لگا۔"تم شاید جانتے ہو کہ یہ میرا صرف خیال ہی خیال تھا کہ میں ایک خوبصورت عورت سے شادی کروں۔ چونکہ میرے جان پہچان میں کوئی لڑکی نہیں تھی۔ لہذا میں گارڈنوں اور باغوں میں تلاش کرتا رہا۔ وہ گاڑیاں! اُن گاڑیوں نے مجھے سخت دھوکا دیا۔ جب کبھی میں کسی عورت کو دیکھتا تھا تو مجھے خیال ہوتا تھا کہ اس ریشمی نقاب کے پیچھے چاند سے زیادہ منور چہرہ چھپا ہوا ہے اور گویا کہ نقاب مثل ابر کے اسکو میری نظروں سے بچانے کے لئے بیچ میں حائل ہے۔ لیکن جب پنجشنبہ کی

شام کو میں اپنی بیوی سے پہلی مرتبہ ملا - اور معمولی رسوم کے بعد میں نے
اس سے نقاب اٹھانے کی خواہش ظاہر کی تو پہلے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شرمائی
ہوئی ہے - اُسکے زنانہ کپڑوں پر دھیمی روشنی کا اثر واقعی بہت خوشنما
تھا - اور معلوم ہوتا تھا کہ اُس گلابی نقاب کے آڑ میں ایک خوبصورت
چہرا ہے جسپر کہ کچھ فکر و تردد کے آثار بھی تھے جو کہ اسکی خوبصورتی کو اور بڑھا
رہے تھے - یہ سب میں اپنے دل میں خیال کر رہا تھا - میری اُسوقت ایک
عجیب حالت تھی - اُس عاشقانہ نظم کو جو میں نے ہفتوں بیشتر اس موقعہ کے
لئے طیار کرکے برزبان کر لیا تھا دل ہی دل میں دہرائے گیا - اور اس
بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ اُسکا اثر اسپر کیا پڑے گا - میں اُس سے اور
قریب ہو گیا - کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے کیا دیکھا ! میری بیوی بدصورت تھی !
اسکا اثر جو کچھ میرے دل پر ہوا ہوگا اسکا تم بخوبی اندازہ کر سکتے ہو - ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ دنیا آنکھوں میں اندھیری ہو گئی ہے - لیکن میں نے اپنی طبیعت
سنبھالی اور دل ہی دل میں کہنے لگا -

"مبین ! کیا تمہاری بیوی واقعی بدصورت ہے ؟ اور میں نے خود ہی جواب دیا
"ہاں" - یہ "ہاں" کا لفظ مبین نے اس طرز سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ
نہایت شکستہ خاطر ہے اور اپنی شادی سے نہایت پریشان ہے - میرے
منہ سے بیساختہ "غریب مبین" نکل گیا مبین نے فوراً ہی جواب دیا "نہیں
ایسا مت کہو - میں بہت خوش ہوں" اس جواب نے مجھے اسقدر متعجب
کیا کہ میں کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش ہو گیا - مبین پھر کہنے لگا - "شروع میں
میں نے بھی ایسا ہی خیال کیا تھا - مگر اب میرا یہ خیال نہیں ہے - میری
سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے اُس لڑکی سے اُسوقت وہ باتیں کس طرح

سے کہیں جتلا کہ مجھے اپنا نہایت افسوس ہی - خیر - انکا ماحصل یہ تھا
کہ میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں بسر کرسکتا - اسکے ساتھ ہی میں نے
یہ بھی کہا - اُس واقعہ کا کل الزام ہمارے والدین پر ہی جو کہ ہماری
کمزوریوں سے اچھی طرح سے واقف ہیں - اس میں کوئی شک نہیں کہ
وہ جان بوجھکر ہمکو تکلیف نہیں دیتے مگر اسکے کیا معنی ہیں کہ وہ شادی
سے پیشتر ایک دوسرے کو دیکھنے نہیں دیتے ؛

جسوقت کہ میں اس طرح سے اُس لڑکی سے کہ رہا تھا - واقعی مجھے بالکل
خبر نہیں تھی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں - اسوقت مجھے اس قدر رنج تھا کہ اگر مجھے
موقعہ ملتا تو یقیناً میں خودکشی کرلیتا - اُسوقت کا سین جب میں خیال کرتا ہوں
تو میری عجیب حالت ہو جاتی ہی - وہ لڑکی میرے سامنے - سفید کپڑے پہنے
ہوئے کھڑی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا عالم ارواح کی ایک مخلوق ہی
تھوڑی دیر کے بعد ایک دھیمی آواز میں اُس نے کہا - اچھا جناب -
میں نہیں یعنی آپ مجھے اپنی بیوی بنانا نہیں پسند کرتے - کیوں اسکی کیا وجہ ؟
اسلئے کہ .... میں کچھ اور نہ کہ سکا - مجھے ایک بارگی خیال ہوا کہ
میں نے اُس اٹھارہ برس کی نازک اندام لڑکی کے ساتھ کیسا بُرا برتاؤ کیا
ہی - اور اس خیال کے آتے ہی میرا تمام غصہ غائب ہوگیا - اور میرے سمجھ
میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں - وہ سوفا پر بیٹھ گئی اور کہا - بہت اچھا
جیسا آپ کا جی چاہے کیجئے - میں پریشان ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا - میرا سر
چکرایا جاتا تھا - آخر میں نے ارادہ کیا کہ میں کمرے کے باہر چلا جاؤں مگر
جوں ہی میں دروازہ کے قریب پہونچا - میری بیوی سوفا سے اُٹھ کھڑی
ہوئی اور دوڑ کر میرے پاس آکر کہنے لگی - ذرا ٹھریئے برائے مہربانی میری

بھی دو باتیں سُننے جائیے؛

میں نے چاہا کہ میں جواب دوں کہ بحث مباحثہ سے کچھ فائدہ نہیں مگر فوراً ہی اُسنے کہا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ سے یہ استدعا نہیں کروں گی کہ آپ مجھے قبول کیجئے، میں نے کہا۔ تو پھر ہکو الگ ہوجانا چاہیئے، اُگر آپ کی یہی خواہش ہے تو بسر وچشم منظور ہے لیکن مہربانی کرکے میری ایک ادنیٰ درخواست قبول کیجئے؛

ذرا غور کرو کہ جو نازک اندام لڑکی آدہ گھنٹہ پیشتر غرور اور خوشی سے پھولی ہوئی تھی۔ وہ اب ایک اجنبی سے رحم کے لئے لجاجت کر رہی تھی۔ اُسکے ہونٹھ خشک ہوگئے تھے اور وہ میرے قدموں پر جھکی ہوئی تھی۔ اُسکی یہ حالت دیکھکر مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید وہ ان حیلوں سے چاہتی ہے کہ میرے دلمیں رحم آجائے اور میرے خیالات تبدیل ہوجائیں اس پر مجھے ذرا غصہ معلوم ہوا۔ اور میرے دل میں اُن نقاب پوش خاتونوں کا خیال آیا جنھوں نے مجھے اس قدر سخت دہوکا دیا تھا۔ مگر مجھے اسکی اس عاجزی پر بہت ترس آیا۔ میں نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا۔ میں آپکا مطلب نہیں سمجھتا؛

وہ کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی۔ اگر آپ آج ہی مجھ سے علیحدہ ہوجائینگے تو نہ معلوم میری کیا حالت ہوجائیگی۔ ذرا میرے بوڑھے والدین پر رحم کیجئے اُنکی تکلیف کا خیال کیجئے؛

میں۔ تو پھر میں کیا کروں؛

بیشک آپ کیا کیجئے؟ آپ مجھ پر مہربانی کیجئے اور مجھے ایک ہفتہ کی مہلت دیجئے۔ اس درمیان میں میں اس طرح رہونگی کہ لوگ یہ خیال کریں کہ مجھے آپکی پرواہ نہیں ہے۔ اور میں اپنے والدین کو اس معاملہ سے آگاہ

کردونگی- دیکھئے اسمیں آپکا کچھ حرج نہیں ہوگا- کیوں کیا اسمیں کچھ خرابی ہے؟ اسطرح سے میں لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچ جاؤنگی- مبین بے ا- خدا کے واسطے میری مدد کرو- مجھے اس طعن وتشنیع سے نجات دو؛

میں اپنے خیالات میں اسقدر مستغرق تھا کہ میں اسکا کچھ مطلب نہ سمجھ سکا میں نے پھر کہا-

آپکا کیا مطلب ہے- میں نہیں سمجھتا؛

جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ میں تمھارے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی تو وہ اُسکا کچھ خیال نہ کرینگے- وہ مجھ پر ہنسی نہ اُڑاوینگے- کیوں- آپ سمجھے؟ وہ صرف یہی کہیں گے کہ میں بدمزاج ہوں؛

اسطرح سے وہ بہت دیر تک کہتی رہی- آخر میں رو کر کہنے لگی- اُن لوگوں کو دیکھئے جو اپنی جان دوسروں کو بچانے کے لئے خطرے میں ڈالتے ہیں- مجھے بھی ایسا ہی خیال کیجئے- میں خطرے میں ہوں اور اپنا ہاتھ آپکے طرف مدد کے لئے بڑھاتی ہوں- کیوں کیا آپ میری مدد نہ کیجئے گا؟ آپ کو صرف ایک ہفتہ کی تکلیف ہوگی- خدا کے واسطے مجھے اس ذلت سے نجات دیجئے- مجھے تمام عمر کی طعن وتشنیع سے بچا لیجئے- عورت دنیا بھر کی کل مصیبتوں کو برداشت کر سکتی ہے مگر ذلت ہرگز گوارا نہیں کر سکتی؛

مجھے اسوقت بہت افسوس ہوا- اور اُسکی اس حالت پر بہت ترس آیا- میں نے کہا- بہت اچھا جو آپکی رائے ہو- میں وہی کرونگا؛

اس نے کہا- جزاک اللہ- پنجشنبہ کو میں آپ سے علیحدہ ہوجاؤں گی اسکا میں قطعی وعدہ کرتی ہوں؛

دوسرے دن جب میں اپنے والدہ سے ملاقات کو گیا تو میں نے

اپنی بیوی کی بدصورتی کی بہت شکایت کی۔ میں نے کہا۔
"اماں - آپ نے مجھے زندہ درگور کر دیا۔ میں ہمیشہ ان دنوں کا انتظار کرتا رہا جبکہ مجھے ایک خوبصورت بیوی ملیگی اور میں نہایت خوشی سے زندگی بسر کرونگا۔ آپ کی اس غلطی نے اُن تمام خوشیوں پر پانی پھیر دیا۔ خدایا! میں کیسا بدقسمت ہوں"! -

(۲)

ایک دن میں اپنے کمرے کے زینہ پر سے اُتر رہا تھا۔ میری گردن خود بخود اوپر کی طرف پھر گئی۔ گویا کہ ایک مقناطیسی کشش تھی کہ اُس نے میری گردن کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور میں نے اپنی بیوی کو سب سے اوپر کے زینہ پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ اُسکا رنجیدہ اور غمگین چہرا دیکھکر میرے تمام بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی۔ میں فوراً وہاں سے چلا گیا اور استنبول جانے کے لئے دس بجے کے اسٹیمر پر سوار ہوا۔ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں رات کو گھر لوٹ کر نہ جاؤنگا۔ لیکن اس لڑکی کے غمزدہ چہرے کا میرے دلپر ایسا اثر پڑا۔ اور اُسکو دیکھنے کا مجھے اسقدر شوق ہوا کہ میں مجبوراً ۲ بجے کی اسیٹمر سے واپس آ گیا۔
میرے واپس آجانے پر وہ خوش ہوئی۔ میں وقت ٹالنے کے خیال سے اور نیز اُسوقت کی گھبراہٹ کو چھپانے کے لئے پیانو بجانے لگا۔
میں یوں ہی لاپرواہی سے ادھر اُدھر اُنگلیاں چلا رہا تھا کہ میری بیوی نے کہا "اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو کچھ سناؤں"۔
میں نے بہت خوشی سے کہا "ہاں"۔
وہ پیانو کے قریب بیٹھ گئی اور بجانے سے پہلے یہ قصہ بیان کیا
"چوپن اور اُسکی بیوی اس ارادہ سے کہ آدمیوں سے الگ جنگل میں زندگی

بسر کریں - پیرس سے چلے گئے - کچھ دنوں کے بعد اسکی بیوی نے پھر شہر میں رہنے کی خواہش ظاہر کی اور گوکہ چوپن نے بہت سمجھایا کہ مجھکو اس بیابان میں اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ - مگر اُس کی بیوی نہ مانی اور اسکو چھوڑ کر چلی گئی - دوسرے دن اُس عاشق زار نے یہ اشعار لکھے تھے جوکہ میں اس وقت بجا رہی ہوں ۔ یہ کہکر اس نے بجانا شروع کیا - میں نہیں بیان کر سکتا کہ اسوقت میری کیا حالت تھی - میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے - اور میں خوب جی بھر کر رویا - میں چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر چلا جاؤں نہیں بلکہ گھر ہی بھاگ جاؤں مگر اُس لڑکی کے سحر آمیز اثر نے مجھے جگہہ سے ہلنے نہ دیا - وہ برابر بجاتی رہی اور جوں جوں وہ بجاتی جاتی تھی ویسی ہی مجھے اُس کا چہرہ زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا جاتا تھا - ایک پردہ تھا جو کہ رفتہ رفتہ میری آنکھوں سے اُٹھ گیا اور میں نے اُسکے باطنی کمالات کو پورے آب و تاب سے دیکھا

دو دن تک میں برابر غور کرتا رہا کہ میں اس لڑکی سے علٰحدہ ہو جاؤں یا نہیں - چہارشنبہ کا دن آگیا اور میرے وہ تمام جوشیلے خیالات رفتہ رفتہ زائل ہو گئے - میں نے اس سے پھر پیانو بجانے کی خواہش کی - وہ ذرا سا رُکی میں نے اُسکے چہرہ کو دیکھا تو اس پر رنج کے آثار نمایاں تھے - پھر گویا کہ اپنے آپ ہی کہنے لگی -

"آج رات کو تو میں نہیں بجا سکتی کیونکہ ہماری علٰحدگی اب مقرر ہو چکی ہے میں نے اپنے والدہ کو بھی اس کی اطلاع کر دی تھی"

میں - "خیر کچھ بھی ہو - مہربانی کرکے پھر بجایئے"

اُسنے گھبرا کر کہا "تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہم اپنے وعدے پر قایم نہیں ہیں - ہم میں پھر میل ہو گیا"

میں با جا سُننے کے لئے نہایت بیقرار ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔
چاہے اسکے معنی میل ہی کے لئے جائیں مگر برائے خدا پھر بجائیے۔ یہ کہتے
کہتے میں اُسکے قریب پہونچ گیا۔ اور اُسکے پیروں پر گر پڑا۔ اور رونے لگا۔
پہلے تو وہ بہت گھبرائی مگر پھر محبت سے میرے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔
یہ ہی میری شادی کی داستان۔ میری وہ حسن کی تمنا جس نے مجھے دیوانہ
بنا رکھا تھا۔ ایک خیال خام معلوم ہوا۔ اور اب میں اس لڑکی پر۔ جس سے
میں نے پہلے اس قدر نفرت کی تھی دل وجاں سے فدا ہوں۔ وہ اعلیٰ درجہ کی
تعلیم یافتہ اور نہایت ذہین ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ رحم دل ہے
اتنے دنوں کے خواب غفلت کے بعد مجھے عورت کے اصلی جوہر سے آگاہی ہوئی

محمد عون جعفری

از الہ آباد

راما بائی

(طبقۂ نسواں کی ہمدرد اور سنسکرت کی مشہور عالم)

ہندوستان کی اُن مشہور عورتوں کے کارنامے جنھوں نے ملک و اہل
ملک کیلئے بہت سے فائدہ مند کام کئے۔ اگرچہ بالکل معدوم نہیں لیکن کمیاب
ہیں۔ ان حالات کو بڑی بڑی تاریخوں کے مصنف یا مشہور اشخاص کی سوانح
عمریاں لکھنے والوں نے اس اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے مفصل کیفیت
تو درکنار نفسِ مطلب کے سمجھنے میں بھی بڑی دقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ کسی ملک
یا قوم میں اس کے قومی لٹریچر (علم ادب) اور ارکین قوم کی حالات کا کمیاب

ہونا ملک کی بدقسمتی نہیں ۔ بلکہ تعلیم کی کمی ہے! ہندوستان جب تک (یورپ
امریکہ کی طرح) تعلیم یافتہ ملک نہ بنجائے گا ۔ یہ شکایت برابر جاری رہے گی ۔
اور زمانۂ گذشتہ کے کارنامے تو درکنار اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے کے حالات
کا ملنا بھی بڑی تلاش و جستجو سے ممکن ہوگا ۔

جاہل اور گنوار لوگوں کو چھوڑکر تعلیم یافتہ جماعت میں ایک بڑی تعداد ایسے
لوگوں کی موجود ہے ۔ جن کو نہ قدیم تاریخ کی ورق گردانی کا شوق نہ اپنے
ملک کے (مشہور اشخاص کے) حالات تلاش کرنے کی ضرورت! اس سستی اور
اور غفلت کو دیکھتے ہوئے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ دان اصحاب اور سوانح
نگار مصنف ایسے مشہور مرد اور عورتوں کے حالات کو جن کے مطالعہ سے دلوں
میں ترقی کا شوق پیدا ہو" مختلف رسالوں ۔ اور چھوٹی چھوٹی کتابوں کیصورت
میں پیش کر کے ملک اور اہل ملک کے دلوں میں ترقی کا شوق پیدا کریں ۔

اس مختصر تمہید کے بعد مجھے جس تعلیم یافتہ اور طبقۂ نسواں کی مددگار" خاتون
کا حال بیان کرنا ہے ۔ اس کا نام راما بائی تھا ۔ پنڈت اننتا شاستری کی
بیٹی راما بائی غدر ۱۸۵۷ء کے ٹھیک ایک سال بعد بنگلور میں پیدا ہوئی! اگرچہ
اہل ہنود اس زمانہ میں عورتوں کی تعلیم کو برا سمجھتے تھے ۔ لیکن راما بائی کی ماں
لکشمی بائی کو اننتا نے تعلیم کے فوائد سے محروم نہ رکھا تھا ۔ اور باوجود اپنے
دوست اور عزیزوں کی تنبیہ کے بیوی کو سنسکرت کی عمدہ تعلیم دلائی تھی جب
راما بائی جوان ہوئی ۔ تو اپنی تعلیم یافتہ ماں کے سایۂ عاطفت میں اس ذہین
تحصیل علم کی طرف توجہ کی ۔ اور لکشمی بائی نے کچھ ہی دنوں میں اپنی اس عقلمند
اور ذہین لڑکی کو ابتدائی تعلیم سے بہرہ ور کر دیا ۔ راما بائی سترہ برس کی عمر
سے پہلے علاوہ سنسکرت کے ہندوستانی ۔ بنگالی ۔ اور مرہٹی زبانوں سے بھی

واقف ہوگئی تھی۔ راما بائی نے اونیس ۱۹ سال کی عمر میں اپنی قوم کے ایک معزز شخص سے شادی کی۔ اور خاوند کے ساتھ کلکتہ کے مشہور (سنسکرت داں) لوگوں کی فرمایش پر امتحان دینے آکھڑی ہوئی۔ یہ لوگ جو راما بائی کے ممتحن مقرر ہوئے وہ چیدہ اور مشہور پنڈت تھے جن کے آگے بڑے بڑے عالموں نے سر جھکا لیا تھا، لیکن راما بائی نے اسکی ذرا بھی پروانہ کی اور نہایت استقلال کے ساتھ اس طویل اور مشکل امتحان میں کامیابی حاصل کرکے سرسوتی کا لقب پایا۔ اس نے مختلف شہروں کا دورہ کرکے ہندو عورتوں کی اصلاح پر بڑی بڑی تقریریں کیں۔ اور پونا میں ایک انجمن اس غرض سے قایم کی کہ وہ عورتوں کو تعلیم دینے اور صغرسنی کی شادی کو روکنے کی کوشش کرے۔ ان تقریروں نے بڑی کامیابی حاصل کی اور بمبئی کا تمام احاطہ اس سے علم و فضل کا قائل ہوگیا۔ راما بائی کی تعلیم کے اصول (اس زمانہ کی تعلیم سے) نرالے تھے۔ وہ کہتی تھی کہ ذات کی تفریق فضول ہے اور سب انسان برابر ہیں۔ جہانتک ہوسکے مظلوم عورتوں کی امداد کرنا چاہیئے۔ اور اُن کو بہ نسبت دوسرے کاموں کے تعلیم کی طرف توجہ دلانا زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس نے خود بھی ہندوؤں کے قدیم مراسم کا خیال نہیں کیا۔ اور اپنے پہلے خاوند کے مرجانے پر تمام اقربا سے بحث و مباحثہ کرنے کے بعد ایک غیر مذہب کے آدمی سے بیاہ کر لیا۔ اگرچہ وہ سنسکرت کی بڑی عالم اور اپنے زمانہ کی پنڈت تھی لیکن ۱۸۸۳ء میں اپنا مذہب چھوڑ دیا اور عیسائی ہوکر ولایت چلی گئی۔

انگلستان پہونچکر اس نے انگریزی سیکھی اور ریلیڈیز کالج میں سنسکرت کی پروفیسر بنکر دوسروں کو تعلیم دینی شروع کی۔

فروری ۱۸۸۶ء میں اُس نے انگلستان کو بھی خیرباد کہا۔ اور امریکہ پہونچکر

وہاں کی طرز تعلیم کو بہت غور سے دیکھا۔ امریکہ کے زنانہ مدرسے اور تعلیم کی ارزانی دیکھکر اسے اپنے وطن کی جاہل عورتوں کا خیال آیا، چنانچہ انکی اصلاح کے لئے امریکہ ہی میں ساٹھ ستر ہزار روپیہ چندہ جمع کر کے ہندوستان کا کوچ کر دیا۔ ہندوستان پہنچکر اس نے کوشش کی کہ جگہہ جگہہ ایسے مدرسہ قایم ہوں جہاں غریب اور مظلوم لڑکیوں کو تعلیم دینے کے علاوہ بیوہ عورتوں کو بھی پڑھایا جاوے۔ ۱۸۸۹ء میں اُس نے شردوسادن جاری کر کے اس کام کو عملی صورت میں پیش کیا۔ اور ہزاروں لاکھوں بیوہ عورتوں اور کنواری لڑکیوں کے دلوں سے جہالت دور کر کے اُن کو قابل اور ہونہار بنا دیا۔

راما بائی کا غیر مذہب شخص سے شادی کرنا یا اپنا مذہب بدل کر عیسائی اختیار کر لینا کسی خاص مصلحت پر مبنی ہو یا عام اہل مذہب کے فائدہ کیغرض سے ہم کو اس سے بحث نہیں، لیکن وہ ہمت کی دھنی اور استقلال کی پکی تھی اس نے ہندو عورتوں کے حق میں مسیحائی کا کام کیا۔ اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ پُردرد تقریروں اور ہمجنسوں کی اصلاح میں صرف کر کے اپنے نام کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئی۔

سید مظہر حسین اختر میرٹھی

زنانہ حاضر جوابیاں

طرازہا لقوم انثیٰ مثل ھذا		وما لتانیث لا سم الشمس عیبا
اس قسم کی عورتیں اپنی جنس کی زیور ہوتی ہیں		اور مونث ہونا سورج کیواسطے بذاتہ کوئی عیب نہیں

چند دن ہوئے کہ خاکسار نے اتفاقاً آپ کے عزیز پرچہ خاتون کو دیکھا اسمیں مضمون متضمنہ بالا عنوان تھا حسب ذائقہ پاکر پھڑک اُٹھا۔ فوراً قلم

فرسائی کرنے لگا۔ میرے ایک دوست نے اعتراض کیا کہ باوجود مرد ہونے کے فرقہ اُناث کی تعریف کسرشان ہے۔ میں نے جواب دیا کہ بھائی جان مردوں کی حاضر جوابیاں بہت سی ہیں اور صنفِ لطیف کی نادر ہیں اور نادر عزیز تر ہوتی ہیں لہذا یہ کیا گیا۔

مضامین ماقبل میں ز۔ خ۔ ش۔ صاحبہ کا اعلیٰ ترین ہے۔ مجھکو باوجود تلاش بسیار بھی مسز محسن صاحبہ کا مضمون نہ ملا۔ بنا برین اگر کوئی عدد دھرا جائے تو کمال ذرہ نوازی سے معاف کیا جاؤں۔

میں تائید کرتا ہوں کہ جب مضامین کافی طور پر سلک تحریر میں آکر مجتمع ہوجائیں تو ضرور احاطۂ اشاعت میں لائے جائیں۔

(۱) ایک روز زیب النسا کی شان میں اسکے ہم عصر شاعر ناصر علی نے ایک ایک گستاخانہ شعر لکھا لیکن اس نیک خاتون نے کمال تحلم و تحمل سے کام لیکر اسکو اتنا سمجھانے پر اکتفا کیا۔

ناصر علی بنام علی برده پناه
ورنہ بذوالفقار علی سر بریدمت

(۲) امیر بیگم اسیر دھلوی کے سامنے کسی نے یہ مصرعہ ایک دفعہ پڑھا۔ "بیقراری قرار ہے اپنا" اس نے فی البدیہہ اسکو رباعی بنا دیا۔

عشق دارومدار ہے اپنا	بیقراری قرار ہے اپنا
خاک میں ملگئی ہو جسپہ اسیر	ان کے دل میں غبار ہے اپنا

(۳) ایک شخص الف نامی نے انتقال فرمایا اس کی بی بی جمیلہ نامی کو سخت صدمہ ہوا اور اس نے یہ اشعار بنا کر گانا شروع کیا۔

اِنَّمَا اَبْکِیْ لِاَلِفٍ - خَانَہُ الدَّھْرُ فَمَاتَ - قُلْتُ لِلدَّھْرِ بِشَجْوٍ -

میں الف پر روتی ہوں - زمانہ نے اس سے خیانت کی اور وہ مر گیا - میں نے زمانہ سے اندوہگیں ہو کر کہا

اَیُّھَا الدَّھْرُ اَسَاتَ - لِمَ تَرَکْتَ الْاُمَّ وَالْاَبَ - وَبِالْاَلِفِ بَدَاْتَ -

اے زمانہ تونے بُرا کیا - تونے اماں ابا کو کیوں چھوڑ دیا - اور الف سے شروع کیا -

اِنَّہٗ کَانَ اَحْسَنُ خُلْقٍ

وہ تو تھا فرخندہ خصلت

کَانَ لِیْ لِیْ فِی الْخَلْوَۃِ

تھا واسطے میرے تنہائی میں

وہ یہ کہہ ہی رہی تھی کہ اس کا باپ آتا معلوم ہوا تو اس نے اپنے اشعار کا رویہ بدل کر اس طرح گانا شروع کیا -

اِنَّمَا اَبْکِیْ لِنَخْلٍ - خَانَہُ الْمَاءُ فَمَاتَ - قُلْتُ لِلْمَاءِ بِشَجْوٍ -

میں درخت خرما پہ روتی ہوں - اس سے پانی نے خیانت کی اور وہ مرجھا گیا - میں نے رنجیدہ ہو کر پانی سے کہا

اَیُّھَا الْمَاءُ اَسَاتَ - لِمَ تَرَکْتَ الزَّرْعَ وَالْکَرْمَ - وَبِالنَّخْلِ بَدَاْتَ

اے پانی تونے بُرا کیا - تونے کھیتی اور درخت انگور - کو کیوں چھوڑ دیا

اِنَّہٗ کَانَ اَحْسَنُ شَیْءٍ

وہ تو بہت اچھی چیز تھی

کَانَ لِیْ لِیْ فِی الثَّمَرَۃِ

تھا واسطے میرے میووں میں

(۴) ایک دفعہ کسی نے زیب النسا کے سامنے یہ مصرعہ پڑھا - ع
"صبا را شرم می آید بروئے گل نگہ کردن" - اس نے فوراً یہ مصرعہ لگا کر اسکو کامل اور احسن کر دیا -

صبا را شرم می آید بروئے گل نگہ کردن
کہ رخت غنچہ را وا کرد نتوانست تہ کردن

(۵) ایک روز نورجہاں یادِ شیر افگن کر کر رو رہی تھی کہ جہانگیر آگیا اور سبب اسکے گریہ کا پوچھکر تسلی دی اور کہا "گو ہر ز چشم اشک تو غلطیدہ میرود"۔ نورجہاں سے کب تاب تھی فوراً کہا۔ "آئے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ میرود"

(۶) ایک دفعہ سلیم شاعرِ دربارِ نورجہاں نے اسکے سامنے یہ شعر پڑھا۔

زشرم آب شدم کاب را شکستی نیست	بحیر تم کہ مرا روزگار چوں بشکست

نورجہاں نے بالبدیہ کہا اور خوب کہا "یخ بستہ بشکست"

(۷) ایک دفعہ بہرام گور شکار کھیل رہا تھا کہ ناگہاں ایک شیر بغران نظر آیا اُس پیل پیلتن نے اسکا کان پکڑ اسکی گردن میں رسی ڈالی اور اسوقت اسکی زبان سے بے اختیار نکلا "منم آن پیل دہان و منم آن شیر یلہ" اسیوقت پیچھے سے اسکی چیدہ بی بی دلارام نے کہا "نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ"

(۸) دنانیز ایک جاریہ تھی محمد بن کناسہ شاعر عباسی کی وہ ایک روز علی بن عثمان کلابی سے باتیں کر رہی تھی کہ اسکے بشرہ سے فکر و اندوہ کے آثار پاکر سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میرا بھتیجا مرگیا ہی تو اس نے فی البدیہ یہ درد انگیز و حسرت بھرے اشعار پڑھے۔

بَکیتَ عَلی ابنِ الاَخِ مِنْ قُرَیْشٍ	فَاَبکَانَا بُکَاءُکَ یَا عَلِیّ
فَمَاتَ وَمَاخَبَرْنَاہُ وَلٰکِنْ	طَهَارَةُ صَحْبِهِ الخَبَرُ الجَلِیّ

(ترجمہ۔ تو اپنے قریشی بھتیجے پر رویا تیرے رونے نے اے علی ہمکو بھی رُلایا مرگیا اور ہمیں اس کی خبر تک بھی نہیں ہوئی لیکن اس کے ساتھیوں کا تقدس اسکا آئینہ ہی)

(۹) بغداد میں ایک جوان لڑکی تھی مسماۃ بہ صدقہ وشخصے از ہاشمین اسپہ عاشق تھا وہ ایک روز آیا اور یہہ اشعار پڑہے (پشت دروازہ پر صدقہ اور اہل خانہ بیٹھے تھے)

یَا اَهْلَ هٰذِا الْحَلْقَة	هَلْ عِنْدَ كُمْ مِنْ شَفَقَة
مِنْ سَائِلِ اَنَا كُمْ	يُرْتَجِيْ مِنْكُمْ صَدَقَة

(اہل اس حلقے سے! آیا تم میں مہربانی بھی ہے واسطے ایک سائل کے جو آیا ہے اور مانگتا ہے صدقہ) (صدقہ یعنی دارد ۱ = خیرات ۲ = اسمہام-

اس نے برجستہ جواب دیا-

يَا مَنْ اَتَا نَا سَرَقَه	اَحْشَاءُ لَا مُحْتَرِقَه
اے وہ شخص کہ ہم پر چور بن کر آیا ہے	کہ جگر اسکا جلا ہوا ہے
جَدُّكَ يَا هٰذَا الْفَتٰى	حَرَّمَ عَلَيْكَ صَدَقَه
دادا تیرے نے اے جوان	حرام کیا ہے تجھپر صدقہ

(اس میں بھی دو مطلب ظاہر ہوتے ہیں (۱) یہ شخص ہاشمی تھا اور آل رسول پر خیرات حرام ہے - جد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ الامجاد ہیں (۲) صدقہ سے مطلب نام اس عورت کا ہو)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

عاصی

احمد المزمل شیروانی

جاپان

دسواں باب

جاپانی کھیل

جاپان کے بچوں میں بہت سے کھیل رائج ہیں - ان میں سے بعض کھیل

ایسے ہیں جن میں ان بچوں کے ماں باپ اور بلکہ ان کے دادا دادی اور نانا نانی بھی شریک ہوتے ہیں۔ جاپان میں ایک بڑی عمر کا بوڑھا بھی اُسی شوق و دلچسپی کے ساتھ پتنگ اُڑاتا ہے جس طرح اس کا ننھا پوتا۔ لڑکیاں اور لڑکے گیند بلے اور لٹوؤں وغیرہ کے علاوہ انواع واقسام کے کھیل کھیلتے ہیں۔ لٹو لڑانے کی یہ شکل ہوتی ہے کہ جب ایک لڑکا اپنے لٹو کو زمین پر گھماتا ہے تو دوسرا لڑکا اس انداز سے اپنا لٹو زمین پر چھوڑتا ہے کہ وہ پہلے لٹو کو دور ڈھکیل دے اور اس کی جگہ خود گھومنے لگے۔ مصنوعی ہتیاروں سے جنگ کرنے کو بھی جاپانی بچے بہت پسند کرتے ہیں۔ ٹڈیوں اور جگنوؤں کو پکڑنا بھی ایک بڑا کھیل ہے۔ خصوصًا جگنو پکڑنے کا کھیل صرف بچوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر عمر کے جاپانی رات کے وقت بہت شوق سے جگنو کا تعاقب کرتے اور اپنے نازک پنکھوں سے ان کو پکڑتے ہیں۔

پانی کے کنارے بھی بعض بہت پُرلطف کھیل ہوتے ہیں۔ اکثر لڑکے نہروں کے کم عمیق پانی میں پن چکی لگاتے ہیں جس کے زور سے چھوٹی چھوٹی مشینیں جو کنارے پر رکھی ہوئی ہوتی ہیں چلنے لگتی ہیں۔ یہ مشینیں اور گڑیاں لڑکوں ہی کی ایجاد ہوتی ہیں اور بچے ہی بہت چالاکی کے ساتھ ان کو تیار کرتے ہیں۔

اکثر اوقات بہت سے بچے کسی چیز کو گھیرے ہوئے اور بہت غور و خوض کے ساتھ اس کو نہایت خاموشی سے دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں انکی اس مشغولیت اور محویت کی وجہ ایک دلچسپ تماشہ ہوتا ہے جس کو یہ ننھے بچے اس طرح دیکھتے ہیں۔ کوئی لڑکا آدھے درجن بھونروں کی ایک ننھی پلٹن

بنا کر ان کے ذریعہ چانول کا ایک چھوٹا سا ذخیرہ ایک بہت صاف اور
ڈھلواں تختہ پر چڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کاغذ کی ایک بہت چھوٹی
سی گاڑیاں بنا کر اس کو چانولوں سے بھر دیا جاتا ہے۔ اس گاڑی کو ریشم
کے ذریعہ گوند سے بھونروں کی پیٹھ کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد
بھونرے حرکت کرتے ہیں اور تختہ پر چڑھنے لگتے ہیں۔ گاڑی بھی ان کے پیچھے
ساتھ ساتھ کھنچنے لگتی ہے۔ تماشبین بچوں کے ننھے چہرے مارے خوشی کے
دمکنے لگتے ہیں۔ بے انتہا دلچسپی اور محویت کے ساتھ بے حس و حرکت بنکر وہ
اس تماشہ کو دیکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی اس کو ہاتھ لگانے کی خواہش
نہیں ہوتی۔ "اس کو مت چھوؤ" کہنے کی تو وہاں کبھی ضرورت ہی نہیں
پڑتی۔ خواب میں بھی وہ اس کا خیال نہیں کرتے۔ ایسا کرنا بہت بڑی
بد تھذیبی اور وحشیانہ حرکت سمجھی جاتی ہے۔ جاپان کے بچے اپنے کھیلوں
میں اس قسم کی حرکتیں نہیں کرتے اور نہ اپنے بزرگوں کے پاس کوئی شکایت
لیجانے کے عادی ہوتے ہیں۔ بہت کم کبھی آپس میں کوئی جھگڑا ہوتا ہے
مگر جب کبھی ایسا ہو فوراً ہی اسکا تصفیہ وہیں ہو جاتا ہے۔ جھگڑے کے وقت
جو لڑکا وہاں سب سے بڑی عمر کا موجود ہوتا ہے وہ فوراً ایک لفظ میں
اس کا تصفیہ کر دیتا ہے اور اس کا فیصلہ بلا کسی پس و پیش کے بخوشی تمام
منظور کر لیا جاتا ہے اور پھر کھیل شروع ہو جاتا ہے۔

دوسرا کھیل جس کا جاپان کے بچوں کو بہت شوق ہے لڑکوں پر ریت
کی تصویریں بنانا ہے۔ اس میں ہمیشہ بچوں کی جماعتیں اس بات کا مقابلہ
کرتی ہیں کہ ان میں کون سب سے کم وقت میں عمدہ تصویر بنا سکتا ہے۔ ہر ایک
کے پاس رنگین ریت کی چار تھیلیاں ہوتی ہیں۔ چار قسم کی ریت کے رنگ

یہ ہوتے ہیں :-

سیاہ - سُرخ - زرد - اور نیلی -

ان کے سوا ایک تھیلی سفید ریت کی بھی ہوتی ہے - سفید ریت پہلے زمین پر ایک مربع شکل میں پھیلا دی جاتی ہے - اسکے بعد سیاہ ریت سے اس پر آدمی یا چڑیا یا جانور وغیرہ کی شکل کا ایک خاکہ بنایا جاتا ہے - دوسرے رنگ کی ریت سے اس خاکہ کو مکمل کیا جاتا ہے، اور بسا اوقات یہ ننھے ننھے مصور ایسی عمدہ تصویریں بنا دیتے ہیں کہ بہت حیرت ہوتی ہے - لیکن سب سے زیادہ عجیب وغریب کمال تو استاد لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنے شاگردوں کے لئے مختلف رنگوں کی ریت سے آن کی آن میں بہتر سے بہتر تصویر بنا دیتے ہیں - ان کا ہاتھ کچھ اس بلا کی پھرتی سے کام کرتا ہے اور پھر اس طرح بے خطا کہ سخت تعجب معلوم ہوتا ہے -

گھر کے اندر بیٹھ کر کھیلنے کے بھی بہت کھیل جاپان میں رائج ہیں - ان میں سب سے زیادہ حروف تہجی کے تاش کو پسند کیا جاتا ہے - حروف تہجی کے تاش میں بعض پتوں پر ضرب الامثال تحریر ہوتی ہیں اور بعض پر ان امثال کی توضیحی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں - بچے ایک حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور تاش تقسیم کرتے ہیں - ان میں سے ایک لڑکا اپنے پتوں کو دیکھ کر ان میں سے کوئی ایک ضرب المثل پڑھتا جاتا ہے - دوسرے لڑکوں میں سے جس کے پاس اس ضرب المثل کی تصویر ہوتی ہے وہ فوراً اس تصویر کو پیش کرتا ہے اس طرح جسکے پاس اس کے حصہ کے پتے سب سے اول ختم ہو جاتے ہیں وہ گویا بازی جیت جاتا ہے اور جس کے پاس سب سے اخیر پتہ باقی رہجاتا ہے وہ بازی ہار جاتا ہے - جو لڑکا بازی ہارتا ہے اس کے منہ پر سیاہی لگادی

جاتی ہے۔ اور اگر ہارنے والی لڑکی ہوئی تو اس کے بالوں میں گھانس کے تنکے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس کھیل کو حروف تہجی کے تاش کہنے کی یہ وجہ ہی کہ اس کے پتوں میں کے ضرب الامثال جاپان کے حروف تہجی کے ایک ایک حروف سے شروع ہوتی ہیں۔

جاپانی بچوں کے لئے عید اور چھٹیوں کی کثرت ہی۔ ان موقعوں پر یہ بچے بہت ہی کھول کر خوشی کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں خوبصورت ریشمی لباسوں میں جو آفتاب کی روشنی میں چمکتے رہتے ہیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ ایک بڑا تختہ پھولوں کا کھلا ہوا ہی۔ مسٹر من پس نے ایک ایسے ہی خوشی کے موقعہ کو بچشم خود دیکھنے کا حال یوں بیان کیا ہی:۔

"دس سال سے کم عمر والی لڑکیوں کی کوئی عید تھی۔ سیکڑوں لڑکیاں جمع "تھیں جن کے خوبصورت" کی موتو" اور جن کے قرمزی رنگ کے کرتے عجب بہار "دے رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ خشخاش کے درختوں کا ایک جھنڈ ہی۔ ایک" "زمرد ین میدان میں ان لڑکیوں کی دو قطاریں بنا کر چند گز کے فاصلہ سے آمنے" "سامنے کھڑا کیا گیا تھا۔ درمیان میں جو جگہ خالی تھی اُس میں دو آدمی بڑے بڑے" "لانبے دو بانس لئے ہوئے کھڑے تھے۔ ہر بانس کی انی سے ایک خالی ڈھول" "بندھا ہوا تھا جو اوپر کاغذ سے منڈھا ہوا تھا"۔

"دو اُستاد ایک ایک ٹوکری لئے ہوئے لڑکیوں کی قطار کے بیچ میں" "آئے اور اپنی ٹوکریوں میں سے چھوٹے چھوٹے گیند جو کئی کئی رنگ کے تھے دونوں" "کے درمیان گھانس پر پھینکنے لگے۔ اس کے بعد ایک اشارہ کیا گیا۔ اشارہ کے" "ساتھ ہی تمام لڑکیاں میدان میں ایک دوسرے کی طرف دوڑنے لگیں اور جلدی" "جلدی زمین پر پڑے ہوئے گیندوں کو اٹھا کر ڈھول کیطرف اپنی پوری طاقت سے پھینکنے لگیں"۔

"تھوڑی دیر کے بعد جبکہ گیندوں کی ایک خاصی بارش نے ان ڈھولوں کو بالکل
توڑ پھوڑ دیا تو پھر ان میں سے رنگین کاغذوں۔ چھوٹی چھوٹی کاغذی قندیلوں۔ کاغذ
کی چھتریوں اور خوبصورت جھنڈیوں کی ایک دوسری بارش ہونے لگی۔ یہ چیزیں آہستہ
آہستہ ان بچوں کے سیاہ اُچکتے ہوئے سروں پر اور نہایت دلی اشتیاق کیساتھ پھیلائے
ہوئے ہاتھوں میں عجب دلفریب انداز کے ساتھ گرتی تھیں۔ میں نے کبھی عمر بھر میں
ایسی ننھی جانوں کا اس قدر زرق برق لباس میں اس خوبصورتی کے ساتھ ایک
دوسرے سے ملے ہوئے بالکل پھولوں کے گچھوں کی طرح آفتاب کی چمکدار پُر نور
شعاعوں میں اپنے دلفریب چھروں کو اوپر اُٹھائے ہوئے رنگین کھلونوں کے
برسنے کو ایک دلکش انداز سے دیکھنے کا تماشہ اس سے زیادہ دلچسپ نہیں دیکھا"

سید خورشید علی

حیدرآباد۔ دکن

کرشمۂ فطرت

ہوا۔ بادل۔ مینہہ۔ بجلی وغیرہ تو ایسے فطرت کے کرشمے ہیں۔ جن کو ہم اپنی آنکھ
سے دیکھتے ہیں۔ اسلئے اُن کے اسباب سمجھنے میں زیادہ دقت نہیں پڑتی ہی
مگر زمین کے متعلق جو کرشمے ہر وقت جاری ہیں۔ اُن کا سمجھنا بہت مشکل ہی۔ کیونکہ
اُن کو ہم اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ جو کچھ دیکھتے بھی ہیں وہ ہمکو اور مُغالطے
میں ڈالتا ہے۔ مثلاً ہم روزمرّہ دیکھتے ہیں کہ سورج صبح کو مشرق سے نکلتا ہی
اور آسمان کا دورہ کرتا ہوا شام کو مغرب میں جا چھپتا ہے۔ اور زمین کو
جنبش کرتے ہوئے ہم دیکھتے نہیں ہیں۔ اس سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ
سورج گردش کرتا ہی اور زمین ساکن ہی۔ مگر جیسا میں نے بیان کیا یہ مُغالطہ

اُسکو بالکل ہی اپنی طرف کھینچ لے - مگر زمین پر عمل ضرور کرتی رہتی ہے - اور تمام اجرام کی کشش سے پھر بھی زیادہ ہوتی ہے - اس لئے زمین پر سورج کی ہی کشش کا اثر زیادہ ہوتا ہے - اور وہ اسی کے گرد گھومتی ہی - اور اگر یہی موجودہ صورت قایم رہے تو ہمیشہ ہمیش اسی طور پر سورج ہی کے گرد حرکت کرتی رہیگی - یہ بہت آسان طریقوں سے ثابت ہو سکتا ہی (آیندہ)

سیّد صغیر علی پروفیسر ہُلکر کالج اندور

اسلم کا پہلا روزہ

درد دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھی کروبیان

امانجان بیٹی پھر بتاؤ نہ تم نے کس کس کو بلایا ہے ؟ میں اُسی قدر کھانیکا اہتمام کروں -

رعنا - ہاں امانجان میں اپنی کُل سہیلیوں کو بلاؤں گی - کرسچن اور ہندو لیڈیز کو بھی شریک دعوت کرونگی - یہ بھی تو کچھ ہمارے ماہ مبارک کی رونق و عظمت کو دیکھیں -

امانجان - خیر کرسچن لیڈیوں کا تو کچھ نہیں - ہندوستانی اور انگریزی کھانے تیار ہی ہونگے - وہ بھی کھا لینگی - لیکن ہندو سہیلیوں کے لئے پکوانے کا بندوبست کرو -

رعنا- وہ میں نے کر لیا ہے۔ میرے دوست مسز ہرکشن داس نے وعدہ کیا ہی۔ کہ میں اپنے دونوں باورچیوں کو بھیجدونگی اور اوپر کے کام کے لئے ہماری مایا دیوی مشرانی آجائیگی۔

امانجان- یہ سب کچھ تو ہوا لیکن دادی جان کی بھی خبر ہے وہ ویسے ہی ان لوگوں کے کھانے پینے سے چڑھا کرتی ہیں۔ وہ یہ کہیں گی کہ تم نے روزے نماز میں بھی اپنی سہیلیوں کو دخیل کر لیا۔

رعنا- میں نے اُن سے بھی اجازت لے لی ہی۔ اُنہیں اپنا مطلب اچھی طرح سمجھا کر دادی جان نے کہدیا ہے کہ تم اپنی سہیلیوں کو باغیچے میں کھانا کھلانا۔ اور بڑی بیبیاں ہمارے ساتھ مکانیں کھائیں گی۔

امانجان- خیر تو تم سب کچھ طے کر چکی ہو۔ جاؤ تو پھر باغیچے میں صفائی اور درستی کرالو۔

رعنا- مینے سوسن اور گلچہرہ کو اُدھر بھیجدیا ہی۔ اور شعبانہ درستی کرا رہی ہیں۔"

شام ہو گئی اور یہ دونوں ماں بیٹیاں نماز مغرب کے لئے اوٹھ کھڑی ہوئیں۔ دوسرے دن چودھواں روزہ تھا۔ تمام دن اس بڑی دعوت کا انتظام ہوتا رہا۔ علاوہ امیروں کے سیکڑوں غریب مساکین کو بھی کھانا تقسیم کرنا تھا۔ اور چونکہ گرمی کا رمضان ہی۔ برف اور پنکھے کا بھی خاص انتظام کرنا تھا۔ پانچ بجے سے گھر میں مہمان بیبیاں آنے لگیں۔ چبوترے پر تختوں کا فرش کیا گیا تھا۔ صدر میں والدہ صاحبہ محمد اکرام یعنی رعنا کی دادی جان بیٹھی تھیں۔ اور اُن کے اردگرد بہت سی مہمان بیبیاں باتیں ہو رہی تھیں۔

ایک بیگم - اے ہے کیسی گرمی کے روزے ہیں - پیاس کے مارے - جان نکلی جاتی ہے -

والدہ محمد اکرم - اے بیوی کچھ نہ پوچھو - گرمی سے کیا حال ہے - ہماری تو پھر خیر بیچارے بچے تو بلک بلک جاتے ہیں - انا کی لڑکیوں نے تین چار روزے رکھے - اُن کا تو بہت ہی بُرا حال ہو گیا ہے - آج میرے اسلم کا بھی اللہ رکھے پہلا روزہ تھا - پر بیوی اس نے بڑے حوصلے سے کام لیا - ایک دفعہ نہیں کہا کہ بھوک یا پیاس لگی ہے بارہ بجے تک مدرسے کا کام کرتا رہا - بہت مشکل سے دوپہر کو سُلایا - تیسرے پہر کو نہا دھو کر کپڑے پہنے اور کھیلنے لگا -

وہی بیگم - اے آپا پیاس تو کیوں نہ لگی ہو گی - یہ کہو کہ آجکل کے بچے بڑے حوصلے والے اور ضد کے پورے ہیں - اوس نے اپنی خوشی سے جو روزہ رکھا تھا - اسلئے کوئی شکایت نہ کی - بلواؤ تو میں اُسے دیکھوں -

والدہ محمد اکرم - بھلا پیاس کیوں نہیں لگی - چہرا کمُلا کر ذرا سا نکل آیا ہے - ابھی عمر ہی کیا ہے - (دسواں برس شروع ہے - اری بہار افزا جاؤ باہر سے صاحبزادے کو بُلا لاؤ" چند منٹ بعد بہار افزا کے ساتھ ایک نہایت خوبصورت لڑکا گھٹنوں تک کی بادامی ریشمی پتلون اور نیلی دھاری دار قمیص پہنے ہوئے آیا - جس کے سر پر ٹوپی تو نہ تھی لیکن سیاہ لمبے موزے اور بوٹ پہن رہا تھا - سب کو سلام کیا اور مودب بیٹھ گیا -

والدہ محمد اکرم - (پیار کرکے) میرے بچے اب تو تمام دن کٹ گیا - تھوڑی دیر

میں شربت پی کے کھانا کھاؤ گے۔

وہی بیگم۔ کیوں میاں اسلم روزہ کیسے کٹا۔

محمد اسلم۔ جناب بہت اچھی طرح۔ مجھے تو اتنی تکلیف نہیں ہوئی۔ اتنا جبکی لڑکیاں تو گھبرایا کرتی تھیں۔

ایک اور بیگم۔ میاں تکلیف تو کیوں نہیں ہوئی۔ یہ کہو کہ تم حوصلے والے ہو۔ یہ موئی گرم جراب آج ہی نہ پہنی ہوتی۔ اوس پر بوٹ چڑھے ہیں تلووں سے گرمی چڑھتی ہوگی۔

تیسری بیگم۔ اے ہاں آج بوٹ کوٹ کا کیا ذکر تھا۔ روزے نماز میں تو ان باتوں کو الگ کیا کرو۔ آج سیدھا پاجامہ اور اچکن پہن لیتے ان چیزوں سے روزے کا ثواب نہیں ہوتا۔

والدہ محمد اکرم۔ بیوی میں کیا کروں آج کل کی ہوا ہی یہ ہے۔ میری پوتیاں تو الگ رہیں۔ خود بہو کو یہی طریق پسند ہے پیدا ہوتے ہی بیٹے کو بھی انگریزی لباس میں جکڑ دیا۔

اتنے میں روزے افطار کا وقت ہو گیا۔ سب کے آگے دسترخوان بچھے اور پرتکلف افطاریاں چنی گئیں۔ محمد اسلم نے دادی کے ساتھ روزہ کھولا۔ اور پھر باہر بلا لیا گیا۔ وہاں بھی محمد اکرم صاحب کے بیسیوں معزز دوست شریک دعوت تھے۔ دوسری طرف سیکڑوں غربا کو کھانا تقسیم کیا جا رہا تھا۔ آؤ اب ہم دیکھیں باغیچہ میں کیا ہو رہا ہے؟ وسط باغ میں جو گلاب اور چنبیلی و رابیل کی برابر برابر کیاریاں ہیں۔ اُن کے دونوں طرف میزیں لگی ہیں جن پر انواع و اقسام کی پرتکلف چیزیں چُنی ہیں۔ کرسیوں پر مہمان لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ رعنا اور شعبانہ دونوں بہنیں ہر ایک چیز کی دیکھ بھال میں ادھر

اودھر پھر رہی ہیں۔ ایک طرف کی میزیں ہندو لیڈیوں کے واسطے ہیں۔
اور طرف مسلمان و کرسچن۔

جب افطار کا وقت ہوگیا تو رعنا اور شعبانہ نے ایک ایک خرمے سے
روزہ افطار کیا۔ یہ دونوں ابھی کسی طرف بیٹھی نہ تھیں۔ کہ ندر قیہ ایک ہندو
لیڈی نے کہا۔ مس کندن لال۔ مس محمد اکرام آپ کس طرف تشریف رکھینگی
ہماری شریک ہونگی یا اُدھر؟

رعنا محمد اکرام۔ ہم دو جو ہیں۔ ایک طرف میں اور دوسری طرف شعبانہ۔
مس کندن لعل۔ میں تو صرف آپ کی نسبت پوچھتی ہوں کہ شرکت سے کس
پارٹی کو عزت بخشیں گی۔

رعنا۔ (ہنسکر بے تکلفی سے) دونوں پارٹیوں کو۔
مس کندن لعل۔ اچھا تو یہ مطلب کہ آدھا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گی۔ اور
آدھا اُن کے۔

رعنا۔ نہیں بلکہ ایک طرف میں اور دوسری طرف شعبانہ۔
مس کندن لعل۔ پھر تو جس طرف آپ ہونگی۔ اُس پارٹی کو عزت حاصل نہ ہوگی۔
رعنا۔ ہائیں۔ تو کیا آپ میری بہن کو مجھ سے کچھ کم خیال کرتی ہیں"
اب تو مس کندن لال خاموش ہوگئیں۔ اور یہ دونوں بہنیں بھی
بیٹھ گئیں۔ مسلمان لڑکیاں جو روزہ افطار کرنے کے بعد رعنا
کے انتظار میں جو ان کی گفتگو سن رہی تھیں۔ اُن میں سے
ایک نے کہا۔

زھرہ۔ بہن ہم تو اب اوٹھنے کو تھیں۔ گھڑیاں گن گن کر یہ وقت آیا۔
اور خدا کا روزہ کھلا۔ تو آپ نے دوسرا رکھوا دیا۔ اور ہمارے

ساتھ ہماری یورپین بہنیں بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔

رعنا۔ آپ نے بسم اللہ کی ہوتی۔

مس ویلز۔ میں تو کہتی تھی۔کہ آپ شروع کریں۔کیونکہ آپ لوگ دن بھر کی بھوکی پیاسی ہیں۔ہم تو ابھی چار بجے آئے ہیں۔

مس الفریڈ۔ اوہو آجکل گرمی سے آپ سب کا کیا حال ہوتا ہوگا۔تھوڑی پیر بغیر سرد پانی کے گذارنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔

رعنا۔ ہاں تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔لیکن مذہبی فرض جو ہو۔اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔

مس کندن لعل۔ بھئی ایسے مذہبی فرض کو سلام ہے۔جس سے جان جائے۔

زھرہ۔ اب پھر انکی زبان کھلی۔

رعنا۔ ہاں میں جواب دونگی۔ انہیں بولنے دو۔ کیا کہا آپ نے مس کندن ؟

مس کندن۔ میں نے کہا۔کہ ایسے مذھبی فرض کو سلام ہے۔جس سے اسقدر تکلیف ہو۔

رعنا۔ انسانی فرائض میں سے کوئی ایک فرض بھی ایسا ہے۔بلا تکلف جسکی ادائیگی ممکن ہو۔ مذہبی فرایض کو تو ہم نے تکلیف کے خیال سے ادا نہ کیا۔ تو نہ سہی۔لیکن انسانی فرایض کی ادائیگی بغیر ہم کس طرح مہذب کہلا سکتے ہیں۔ اور کس طرح دنیا میں جی سکتے ؟

مس کندن۔ بھئی ہمیں کھا لینے دو یہ بحث کا وقت نہیں ہے۔

زھرہ۔ تو بیچاری پھر چپ ہو گئیں۔

رعنا۔ طبیعت تو پُر مذاق پائی ہے۔ لیکن جلدی ہی خاموش ہوجاتی ہیں

شکیلہ۔ مس محمد اکرم میں اعتراض کے طور پر نہیں کہتی۔ لیکن مجھے معاف کریں۔ اتنا ضرور کہوں گی کہ یہ روزہ رکھنا بڑا ہی سخت تکلیف دہ ہے۔ علاوہ معمولی بھوک پیاس کے صحت کا بھی سخت نقصان ہی۔ آپ ہی غور کریں کہ دن میں تو بالکل نہ کھانا۔ اور رات میں دوبارہ پیٹ بھر لینا۔ اس طرز عمل سے صحت جسمانی پر کیا اثر پڑسکتا ہی۔ آپ تو تعلیم یافتہ ہیں۔

شوشیلہ۔ میں تو یہ کہتی ہوں۔ کہ مسلمانوں کو روزے اب ترک کر دینے چاہئیں۔ جس زمانے میں یہ حکم اُترا تھا وہ وقت اور تھا۔ اب اور ہی صحتیں خراب ہوگئیں ہیں۔ طبیعتیں کمزور۔ علاوہ اسکے عقل اور روشنی کا زمانہ ہی اہل عقل سمجھدار ملکر غور کریں۔ کہ جو امر صحت کے لئے مضر ہو۔ اُس کا روا رکھنا کہاں تک دُرست ہے؟ اور میں خیال کرتی ہوں کہ سوائے اس نقصان کے روزے سے اور تو کوئی بھی فائدہ نہیں۔ چونکہ ایک مذہبی بات ہے۔ آپ لوگ اُسکو لکیر کے فقیر بنکر ادا کرتے ہیں۔ جاہل ایسا کریں۔ تو کوئی بات نہیں۔ لیکن آپ جیسے مہذبوں کو اصلاح کرنی چاہئے

رعنا۔ (مسکراکے) روزے کی بابت مجھے آپ دونوں کے خیالات معلوم ہوئے۔

پیاری بہن شکیلہ نے اول یہ کہدیا ہی۔ کہ میں اعتراض کے طور پر نہیں کہتی۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ کہ آپکے ان خیالات کو اعتراض پر ہی محمول کرنا پڑتا ہی۔ ہر مذہب کے تمام احکام تقریباً ایسے ہی سخت ہیں۔ جن کا ادا کرنا مشکل ہی

لیکن جو دیندار لوگ ہیں - وہ سب برداشت کرتے ہیں - بعض مہذب قومیں دنیا میں ایسی بھی ہیں جنہوں نے اپنے آرام کے خیال سے مذہب میں ترمیم واصلاح کرلی ہی - لیکن اونہیں کے بزرگ اور پیشوا یانِ دین بھی ان کے اس طرزِ عمل سے خائف ہیں - اور گناہ کا فتویٰ دیتے ہیں - اور بعض قومیں وہ بھی ہیں - جو تکلیف سے بچنے کی غرض سے احکام مذہبی کی پابندی تو نہیں کرتیں لیکن اُس میں اصلاح اور ترمیم کرنی بھی گناہ سمجھتی ہیں - چنانچہ اونہیں میں سے ہم بھی ہیں ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان ہونگے - جو نماز اور روزے کے پابند نہ ہونگے - لیکن وہ اسکی پابندی کو دل سے مانتے ہیں - اور خود بجا آوری احکام مذہبی نہ کرکے اپنے آپ کو سخت گناہ گار خیال کرتے ہیں ہمارے خیال میں ہمارے اصول دین میں سے کوئی ایک اصول بھی نقصان دہ اور فضول نہیں - خواہ ہم کسی قدر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب کیوں نہ ہو جائیں - بلکہ جتنے زیادہ روشن دماغ ہونگے - اوتنے ہی احکام مذہبی کے زیادہ پابند -

روزہ صحت کیلئے مُضر نہیں اگر احتیاط سے کام لیا جائے - کسی مذہب کا کوئی اصول بھی خالی از حکمت نہیں ہوتا - بیشک دن میں پانی بھی نہ پینا اور رات میں دو بار کھانا عام طور پر مُضر صحت کہا جا سکتا ہی - لیکن دراصل یہ نہیں روزہ نقصان دہ نہ ہونے اور اس کے فطرت کے مطابق ہونے کا اس سی بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے چودہ سو سال قبل بحکم خدا روزہ رکھنے کا حکم دیا - اور اب بیسویں صدی عیسوی کی شروع میں زبردست ڈاکٹران یورپ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ فاقہ کشی یا دوسرے معنوں میں روزہ تمام جسمانی درد دُکھ کو دُور

کرتا ہی- جس طرح مُسل ہمارے معدے کی صفائی کیلئے کار آمد ہی- اسی طرح روزہ بھی بیکار نہیں- کیونکہ یہ ہمارا سالانہ بڑا مسہل ہے- جس سے تمام مادہ فاسد خشک اور جذب ہوکر ہاضمہ درست ہو جاتا ہے- اگر ثقیل غذائیں مثلاً افطاری کے وقت طرح طرح کے پکوان اور سحری کے وقت سیویاں پراٹھے وغیرہ نہ کھائے جائیں اور ہلکی زُود ہضم اور طاقتور غذا مثلاً دودھ انڈا - گوشت چاول ڈبل روٹی وغیرہ پر اکتفا کی جائے تو ذرا بھی ہاضمہ میں خلل نہیں آتا- سخت سے سخت گرمی میں پابند لوگ روزہ نماز قضا نہیں کرتے- لیکن یہ بالکل ہی سُننے میں نہیں آیا کہ روزے کی وجہ سے سوئے ہضمی یا شدت گرمی کی وجہ سے روزے دار ہلاک ہوا-

اور جو کبھی روزے داروں کو بیماری کی شکایات ہو بھی جاتی ہیں وہ بھی اُن کی ناداستگی اور ثقالت غذا کا سبب ہوتا ہے- کیونکہ بعض جاہل لوگ خرابی صحت و حالت کمزوری میں ہی ثواب سمجھکر روزہ رکھ لیتے ہیں- دراصل یہ اُن کی سخت غلطی اور نادانی ہی-

کیونکہ جس طرح ہمیں تندرستی میں روزہ رکھنا ضروری ہی- اُسی طرح ذراسی بیماری میں گناہ- ہمارے خیال میں ایک تو روزہ کا بڑا فائدہ یہ ہی کہ اگر احتیاط سے کام لیا جائے تو سالانہ مُسہل کا کام دیتا ہی- اور دوسرا یہ کہ غریبوں ناداروں فاقہ کشوں کی سخت مصیبت اور حالت کا پورا پورا اندازہ ہوجاتا ہے- امیر لوگ جو گیارہ مہینے اچھی سے اچھی نعمتیں کھاتے اور ہر طرح کا سامان دل بستگی یعنی ناچ رنگ وغیرہ وغیرہ سے دل بہلاتے ہیں اسی پاک اور مبارک مہینے میں روزوں کے سبب اُنکی بھوکوں کی کیفیت معلوم ہوجاتی ہی- حالانکہ ان لوگوں کو سب کچھ میسر ہے- صرف دن بھر کی ہی

تکلیف بر داشت کرنی پڑتی ہے - اور خیال کیا جائے اُن محتاجون کی حالت پر جنکو پیٹ بھر کھانا کبھی بہی نہیں ملتا - اور چونکہ روزے دارونکو حتی المقدور اس تمام مہینے میں تمام گناہوں سے احتراز کرنا واجبی ہے اسلئے راگ رنگ اور اسی قسم کے سامان عیش و طرب اور بدی غیبت چوری جھوٹ دو سروپر ظلم وستم وغیرہ وغیرہ چھوڑکر پابندی کے ساتھ عبادت خدامیں اوقات صرف کئے جاتے ہیں - مگر چونکہ ہمیشہ سب لوگ اسی طرح نہیں گذار سکتے - رمضان شریف نکلتے ہی عام طور پر لکھوکھا انسان ان باتوں کو بھول کر پھر بحر گناہ میں غوطے لگانے لگتے ہیں - تو پھر عبادت الٰہی اور اپنے فرایض کو یاد دلانے کے لئے بارھواں مہینہ رمضان آموجود ہوتا ہے - گویا بارگاہ خدامیں یہ ہماری سالانہ حاضری ہے جس سے محتاجوں کی مدد اپنے معبود کی اطاعت واپنے گناہوں سے احتراز اور اپنے فرایض کو ادا کرنا سیکھتے ہیں شوشبلہ آپ تو ہمہ تن میری طرف ہی متوجہ ہوگئیں - بہت دیر سے خالی چمچہ ہاتھ میں ہے - کھاتی بھی جائیں -

شوشبلہ - ہاں کھا رہی ہوں مجھے آپ کی باتیں بہت اچھی معلوم ہوئیں - میں اپنے پچھلے الفاظ کو واپس مانگ کر اپنی اُس کمزور رائے کی معافی چاہتی ہوں -

رعنا - اوہ کوئی بات نہیں آپ چونکہ ناواقف ہیں میں آپ کی اظہار رائے کا ذرا بُرا نہیں مانتی -

شکیلہ - اچھی پیاری رعنا آپ میرے بھی دخل درمعقولات والے الفاظ کو واپس کرکے مجھے معاف کریں - دراصل میں نے کوئی اعتراضًا نہ کہا تھا - کسی کے مذہب پر حملہ کرنا میں سخت ناپسند

بلکہ گناہ سمجھتی ہوں۔ چونکہ آپ بے تکلف دوست ہیں یونہی کہدیا۔

رعنا۔ پیاری شکیلہ آپ اس قدر افسوس نہ کریں کوئی بات نہیں میں ان باتوں کو آپ صاحبان کی ناواقفیت پر محمول کرتی ہوں اور یہ کوئی مناظرے کا وقت نہیں یہ تو کھانے پر دل بہلانے کے لئے ہماری آپس کی بے تکلف گفتگو ہے۔ یعنی ٹاک ٹیبل۔

شکیلہ۔ میں بہت خوش ہوئی آپ کی اس اعلیٰ حوصلگی پر۔

مس گرانٹ رعنا ہمیں پیارا اسلم دکھاؤ وہ کہاں ہے؟ دیکھیں وہ آج کیسا خوش ہی؟"

چنانچہ رعنا نے ایک ملازمہ بھیجکر محمد اسلم کو بلوایا۔ اور سب سے پہلے مس گرانٹ صاحبہ سے ملوایا۔ کیونکہ وہ مشن کی افسر اور رعنا کی اُستاد تہیں پھر سب سے ملایا۔

مس گرانٹ۔ بتاؤ پیارے اسلم دن کیسا گذرا تمہیں کچھ تکلیف تو نہیں ہوئی؟

اسلم۔ پیاس تھوڑی لگی تھی۔ پر میں نے اس تکلیف کو کچھ زیادہ نہیں جانا۔

مس گرانٹ۔ شاباش پیارے بچے اپنے مذہب کی ایسی ہی پابندی کرنی چاہیئے۔ آفریں ہے تمہارے حوصلے پر۔

کشور۔ لیکن اتنے بچوں پر شاید روزہ فرض نہیں ہی۔ اس بیچارے نے تو یونہی تکلیف اُٹھائی۔

رعنا۔ بیشک فرض تو نہیں۔ لیکن جس بات کو بزرگ اچھا سمجھتے ہیں۔ عموماً بچوں کو اسی عمر سے اُس کا عادی بنایا جاتا ہے۔ بچپن ہی سے تعلیم و تربیت شروع کیجاتی ہے۔ اگر اسی عمر میں

انہیں ان باتوں کا خوگر نہ کیا جائے۔ تو بڑے ہو کر یہ کب
مانتے لگے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ گرمیوں کی تکلیف بچہ برداشت
نہ کرسکیگا۔ اسوجہ سے اس سے زیادہ روزے نہ رکھوائے
جائیں گے بس ایک یا دو آخر میں اور رکھ لیگا۔

کشور۔ خیر یہ تو ہوا لیکن آپ نے اس قدر یہ دھوم دھام اور صرف
کیثر کیوں کیا ؟ آپ تو کفایت شعاری پر لکچر دیا کرتی ہیں۔

رعنا۔ یہ درست ہے لیکن میں نے فضول خرچ تو کچھ بھی نہیں کیا۔
ایسی دعوتوں کا اب عام رواج ہو گیا ہے۔ آئے دن بن بات
ہوا کرتی ہیں۔
آج میں نے بھی اس خوشی میں کہ میرا اکلوتا بھائی اس قابل ہوا کہ
اُس نے پہلا روزہ رکھا۔ والدین نے اور میں نے اپنے دوستوں کو ایک
دعوت دیدی۔ اور چونکہ ہمارے خیال میں روزے افطار کرانا کارِثواب
ہے۔ محتاجوں کو کھانا کھلا دیا۔
اس شکریئے میں خیرات بھی تو کرنی چاہیئے تھی۔ ہمیں خدا نے اسی لئے
دیا ہے کہ غریبوں کی مدد کریں۔ خالی عبادت سے ہم بخشے نہیں جا سکتے۔
جب تک کہ اُسکی محتاج و نادار مخلوق کی امداد نہ کریں۔

	دردِ دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں	

مس گرانٹ۔ بیشک پیاری رعنا بالکل درست ہے۔ خدا ہماری تب ہی مدد
کریگا کہ جب ہم دوسرے محتاجوں کی مدد کریں گے۔ اور اُنکا
دُکھ درد بٹائیں گے۔ پیارے اسلم کے پہلے روزے کی خوشی

میں تم نے جو کچھ کیا بہت خوب کیا۔ یہ بیچارے محتاج جنکو ٹکڑا بھی نہیں جڑتا۔ آج پلاؤ زردہ کھاکر کس قدر خوش ہونگے اور دعائیں دینگے۔

جن میں بہت سے روزہ دار بھی ہونگے۔

رعنا۔ میں نے نہایت کوشش سے چُن چُن کر بالکل غریب اور اصل مستحقین کو بُلوایا ہی۔

علاوہ اس کے کچھ روپیہ اپنے یونیورسٹی فنڈ کیلئے بھی بھیجونگی۔

مس گرانٹ۔ اس خوشی میں کہ میرے عزیز اسلم نے پہلا روزہ رکھا۔ یہ پانچ روپیہ میں بھی آپ کی یونیورسٹی فنڈ کے لئے دیتی ہوں۔

مس کندن لعل۔ اس خوشی میں کسی کار خیر کے لئے کچھ چندہ تو میں بھی دونگی لیکن یونیورسٹی فنڈ میں تو نہ دونگی۔ کیونکہ رعنا نے ہمارے یونیورسٹی فنڈ میں اب تک کچھ نہیں دیا۔

رعنا۔ (ہنسکر) آپ اپنی یونیورسٹی فنڈ کے لئے فہرست چندہ کھول دیکھیں۔ سب سے اوّل میں اپنا چندہ نہ درج کراؤں تو کہیں۔

مس کندن۔ اچھا تو لیجئے میں پانچ دیتی ہوں۔ لیکن ان کے عوض دس لے لونگی۔

رعنا۔ دس کیسے میں پندرہ دونگی۔" ایسی ہی ہنسی مذاق کی گفتگو ہوتی رہی۔

خاکسار

بنت سید نذر الباقر

عید کی خوشی

مبارک آپ کو عید الفطر با شان و شوکت ہو
خوشی ہو راحتِ دارین ہو ہر دم فلاحت ہو

آج قیصری باغ لکھنؤ کی بارہ دری میں عجیب چہل پہل نظر آتی ہے اسی باغ کے ایک دوسرے حصے میں دو عورتیں کھڑی کچھ باتیں کر رہی ہیں

بشیرن۔ بہن آج یہ کیا بات ہے؟ یہاں تو بڑی رونق ہو رہی ہے؟ شاید کسی کا بیاہ ہے۔

نظیرن۔ نہیں بُوا بیاہ نہیں ہے تم نے نہیں سُنا ڈپٹی محمد اکرم صاحب کے گھر سے سب لوگ عید کی خوشی منانے یہاں آئے ہیں۔ اُنکے ساتھ بہت سی نواب زادیاں اور بیگمیں بھی ہیں۔ ہماری سرکار بھی تو تشریف لائی ہیں۔

بشیرن۔ نواب محمد علی خاں کے گھر سے بھی آئی ہیں؟

نظیرن۔ ہاں سب لوگ ہیں۔ ان ڈپٹی صاحب کی بیگم نے یہ دستور ٹھہرا رکھا ہے کہ عید اور بقرا عید کو گھر کے کھانے پکانے سے نمٹ کر اپنی سہیلیوں کو لیکر عید کی خوشی کرنے باغ میں آیا کرتی ہیں۔ اور شام کی چائے سب مہمانوں کو یہیں پلاتی ہیں۔

بشیرن۔ اچھا تو بُوا مجھے کسی طرح وہاں لے چل میں بھی تو بہار دیکھوں۔

نظیرن۔ اے چل میرے ساتھ کیا بات ہے۔ میں اپنی بیگم سے کہدونگی

کہ یہ میری بہناپن ہو"۔

آئیے ہم بھی دیکھیں عید کی کیا کیا خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ اوہو یہاں تو عجیب بہار ہے زرق برق لباس پہنے بیگمات کرسیوں پر تمکن ہیں۔ ایک طرف کو میزوں پر اعلیٰ سے اعلیٰ فواکہات چنے ہیں۔ ایلو ایک گاڑی کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ کوئی بیگم صاحبہ تشریف لائیں۔ یہ سب اُن کے استقبال کو کھڑی ہوگئیں۔ اور جب سب بیٹھ چکیں تو خوش اخلاق میزبانہ رعنا محمد اکرم نے درمیان میں کھڑے ہو کر یوں کہا "میں آپ سب کی تشریف آوری کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اور پھر یہ عرض ہو کہ یہ تو ہمارا ہمیشہ کا دستور ہے کہ عید منانے ہم لوگ یہاں آیا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اس جلسے کو آپ صاحبان اپنی شرکت سے عزت بخشتی ہیں۔ لیکن آج خاص طور پر آپ سب روشن خیال بیگمات سے ایک التجا کرتی ہوں کہ اس تقریب کی خوشی میں بھی یونیورسٹی فنڈ کی مدد کی جائے۔ یوں تو آپ سب اس فنڈ میں اپنا اپنا چندہ عنایت کر چکی ہیں لیکن آج بھی جس طرح عید سعید کی خوشی میں اپنے بچوں اور ملازمین کو عیدیاں دیں اور دوستوں میں تحائف تقسیم کئے تو اپنے اس سب سے نہایت ضروری قومی فنڈ کو بھی اس موقع پر یاد کر کے اس کا حصہ نکالنا چاہیئے۔ سب سے اوّل اپنی والدہ صاحبہ کی طرف سے فنڈ کو عیدی (جیسے کہ اونہوں نے ہم سب کو دی ہے) اور اپنی عیدی تمام اپنے چھوٹے بہن بھائی کی عیدیوں کا آدھا حصہ یونیورسٹی کی نذر کرتی ہوں۔ اور آپ سب سے اُمیدوار ہوں فنڈ کے لئے عیدی کی اور لڑکیوں کی طرف سے اُن کے عیدیوں کے آدھے حصے کی۔

اُمید ہے میری خواستگاری خالی نہ جائیگی"۔

کئی بیگمات یک زبان ہو کر۔ بڑی خوشی سے ہم اپنے فنڈ کو عیدی دینگے اور ہماری لڑکیاں بھی۔

بیگم نواب محمد علی۔ لیکن پہلے ہم باجہ سُنیں گے۔ تاکہ عید کی رونق دوبالا معلوم ہو۔

بیگم افسر جنگ۔ ہاں یہ بہت ٹھیک ہے پہلے ہمیں رعنا پیانو سُنادیں پھر فہرست چندہ کھولیں۔

رعنا۔ بہت خوشی سے۔ ہم دونوں بہنیں سُنانے کو حاضر ہیں اور میری چند اور دوست بھی سُنائیں گی۔ شعبانہ پہلے تم اُٹھو۔

شعبانہ۔ میرے تو کچھ خیال میں نہیں لیکن بجا آوری حکم سے انحراف بھی نہیں"۔ پیانو کے قریب کرسی پر بیٹھکر

مبارک آپ کو عید الفطر باشان وشوکت ہو
خوشی ہو راحتِ دارین ہو ھر دم فلاحت ہو

آج بدلا ہے رنگ عالم کا
جا بجا شور ہے مبارک ہو
بلبلوں کو چمن چمن کو گلُ
گلُ کو رنگ فضا مبارک ہو
سال کو ماہ ماہ کو یہ دن
دن کو صبح ومسا مبارک ہو

دارالعلوم ہم کو جو لیجائے اب کے عید
تو پھر زمانہ علم افزاء مبارک ہو

یہ شعر ختم کرکے شعبانہ کھڑی ہوگئیں۔ تو رعنا نے اپنی چچا زاد بہن خورشید آرا کو پیانو پر بٹھایا۔

خورشید آرا

آنکھ میں ہردم تیری تصویر یونیورسٹی	لب پہ ہے ہردم تیری تقریر یونیورسٹی
پاؤں تیری سعی میں ہیں سر میں سودا ہے تیرا	تو نے سر تا پا کیا تسخیر یونیورسٹی
جان پہ قبضہ تیرا دل پر حکومت ہے تیری	جان و دل ہیں سب تیری جاگیر یونیورسٹی
عہد ہے سارے مسلمانوں کو تیرا افتتاح	ہاں خوشی تیری ہے عالمگیر یونیورسٹی

بیگم محمد علی۔ واہ واہ کیا خوب لڑکیاں باجے پر بھی اپنا ہی مطلب لے بیٹھیں۔

رعنا۔ آپ جانتی ہیں غزل وغیرہ تو ہم گایا نہیں کرتے اسوقت بجائے نعتوں کے یہ مناسب حال نظمیں زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہیں۔ جو خدا کرے مؤثر ثابت ہوں۔

بیگم نواب افسر جنگ بہت ٹھیک یہی نظمیں ضروری ہیں۔ اچھا اب کسی اور کو منتخب کرو

رعنا۔ میں ہی جو حاضر ہوں"

اور باجے پر بیٹھکر

نالۂ بلبل و قمری تو سُنا ہنس ہنسکر	اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

بیگم افسر جنگ۔ بلکہ یوں کہو۔ کہ

اب گرہ کھول کے بیٹھو میری باری آئی

رعنا۔ (مُسکرا کے) آپ کی مہربانی ہے۔

پھر باجے پر

اے فخر قوم بہنوں عصمت شعار بہنوں	تم دین مصطفےٰ کی ہو پاسدار بہنوں

در پیش ہی ہمیں اک دشوار کار بہنوں
ہی اپنی قوم بیٹھی ہمت کو ہار بہنوں

تکمیل کا ہی تم پر اب انحصار بہنوں
کبتک رکھیں دلوں کو ہم اپنے سر بہنوں

کبتک نہ قوم کا ہو محسوس درد بہنوں
اس دشت میں ہوں ہم بھی اب رہ نورد بہنوں

انگشت در دہاں ہوں حیرت سے سرد بہنوں
کبتک نہ قوم میں ہو اپنا شمار بہنوں

اس کار نا مکمل کو ہم تمام کر دیں
زندہ دلی کو اپنی مشہور عام کر دیں

دنیا کی ہسٹری میں ہم اپنا نام کر دیں
مردوں کی پختہ مغزی کو آؤ خام کر دیں

ہم عید یوں سے اپنی کاسہ فنڈ کو بھر دیں
آفاق میں رہیں گے ہم یادگار بہنوں

ایثار کا دکھاؤ مردانہ وار جوہر
ہر ایک ہم میں نکلے اپنی لبنٹ بنکر

بھوپال کی رئیسہ ہی آپ کی مددپر
وہ حال کی زبیدہ خاتون نام آور

زر یونیورسٹی پر کر دو نثار بہنوں

مردوں کی ہم مدد کا گر حق ادا کرینگے
آج انکے درد دکھ کی گر ہم دوا کرینگے

تعلیم کا جب اپنی ہم تذکرہ کرینگے
امداد وہ ہماری اس سے سوا کرینگے

ڈھرا مفید ہی یہ ہنستا اُدھار بہنوں

(از۔ ز۔ خ۔ ش علیگڑھ)

بیگم بلند اختر۔ بیشک درست ہی لو میری طرف سے یہ پچاس روپیہ فنڈ میں عیدی کا اور دس میری لڑکی اختر آرا کی آدھی عیدی۔"

یہ سنتے ہی رعنا خوشی سے اُٹھیں اور شکریے کے ساتھ اُن کا عطیہ مع اپنے گھر کے چندے کے میز پر رکھدیا۔ اسکے بعد اور کئی بیگمات نے چندہ دیا یہ سماں دیکھکر چھوٹی چھوٹی بچیاں اپنے اپنے بٹوے کھول کر جمیں عیدیاں بھری تھیں۔ اُچک اُچک کر میز پر رکھنے لگیں۔ رعنا نہایت خوشی اور شکریے کے ساتھ لیتی جاتی تھیں۔ وہ دونوں ناسمجھ عورتیں بھی ایک طرف کو

کھڑی تماشا دیکھ رہی تھیں اُن پر بھی ایسا اثر ہوا کہ نہ رہ سکیں۔ نظیرن خادمہ بیگم نواب محمد علی نے اپنی عیدی میں سے ایک روپیہ نہایت ادب کیساتھ پیش کیا۔ بشیرن بیچاری کیا کرتی وہ نہ تو کسی کی خادمہ تھی اور نہ اسوقت اُسکے پاس کوئی پیسہ۔ لیکن دل سے مجبور تھی کہ بے کچھ دیئے رہ بھی نہ سکتی تھی چنانچہ نہایت حوصلہ سے کام لیکر آگے بڑھی۔ اور اپنے ہاتھ سے دونوں چوڑیاں اُتار کر پیش کیں جو نہایت قدر کے ساتھ رعنا نے لیکر داخل چندہ کیں۔ اور اُسی روز غریب بشیرن* کو اپنی خادماؤں میں داخل کر لیا۔ چندے کے بعد سب نے چاء پی۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہل کر سب خوش و خرم اپنے اپنے گھر روانہ ہوئیں۔

سوئیاں پکا کر گھر گھر بانٹنے اور ڈومنیاں بُلا کر گانا سُنکر دل خوش کرنے سے تو یہ کہیں بہتر ہے کہ سب ملکر عید کی خوشی میں کوئی اچھا کام کریں۔

خاکسار

بنت سید نذر الباقر

* دراصل بشیرن کون تھی؟ اور یہاں کس طرح آئی۔ اور کس طرح ترقی پائی۔ اس کا مفصل حال کبھی پھر لکھا جائیگا۔

اگر آپ بہترین برقعہ چاہتے ہیں تو **برقعہ نوایجاد** تو خاتون اسٹور دھلی سے طلب فرمائیں
جس کی موجدہ سعیدہ احمد بیگم دھلوی کو نمایش صنعت و حرفت نسواں لکھنؤ ۱۹۰۴ء میں

سب سے بڑا انعام ملا

یہ وہی برقعہ ہے جسکو ممبران نمائش صنعت و حرفت نسواں متعلقہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ نے

بہترین برقعہ قرار دیا

اسی برقعہ کو عالیجناب ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال نے **پسند فرمایا** اور ایک برقعہ اپنے استعمال کے لئے منظور فرمایا
خوش وضع و آرام دہ ہونیکے باعث اور اسکے ساتھ ہی اسوجہ سے کہ **پردہ کا پورا محافظ ہے**
سیکڑوں برقعہ فروخت ہو چکے ہیں اور ہندوستان کے ہر صوبہ میں **پسند کئے جاتے ہیں**

جناب عزیز الدین احمد صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس شاہجہانپور تحریر فرماتے ہیں

آپ کا مرسلہ برقعہ پہونچا جسے **یہاں سب لوگوں نے پسند کیا** فی الحال میری خوشدامن صاحبہ
ایک ایسی ہی برقعہ کی فرمایش کرتی ہیں۔ برقعہ میرے خسر نواب صاحب بہادر دالئی گڈھ کے نام روانہ کریں۔ آپکو دو ایک فرمایشیں اور بھیج سکونگا

جناب محمد اسحاق صاحب نائب افسر بندوبست ڈھاکہ مشرق بنگال ۲۸ مارچ ۱۹۱۱ء کو تحریر فرماتے ہیں

مرسلہ برقعہ پہونچا جس کو دیکھکر میں **نہایت خوش ہوا** واقعی عجیب چیز ہے بہترین نمونہ ہونیکے علاوہ
نہایت آرام دہ ہے اور اسکے ساتھ ہی جس مطلب کے لئے بنایا گیا ہے اسکو بخوبی پورا کرتا ہے یعنی **پردہ کا پورا محافظ**
میرے دوست ..... اسکو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور **جلد اور برقعہ منگاوینگے** مجھکو امید ہے کہ ہندوستانی مسلمان ضرور اسکی قدر کرینگے
خاتون اسٹور دھلی سے اعلیٰ قسم کے تین سکہ کا برقعہ **دس روپیہ میں ملتا ہے**

برقعہ کی فرمایش میں مندرجہ ذیل ناپ ضرور تحریر کریں

(۱) کندھے سے لیکر پانوں کی ایڑی تک کی لمبائی (۲) گردن کا دور
(۳) کندھے سے لیکر ہاتھ کے پہونچے تک کی لمبائی (۴) سر کا دور

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۷۲

خاتون

نمبر ۱۰	بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء	جلد

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے. ایل ایل. بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری پرنٹر
مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوئی

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علی گڈھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (سے)
اور ششماہی عـ/۱۲ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے
ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا
کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات
کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم
رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان
میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے
کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے
تیار کیا جائے گا۔

(۷) تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

ملکہ سیمیرامس

سیمرامس کو اکثر مورخین نے فرضی ملکہ تصور کیا ہی، لیکن بعض اُسکے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہی کہ جن مورخوں نے اسکے حالات لکھے ہیں اُن میں کس قدر واقعات صحیح ہیں اور کتنی روایتیں محض فرضی فسانے۔ ہیروڈوٹس اور ڈایوڈورس نے جو قدیم مورخ گزرے ہیں سیمیرامس کا بابل میں پیدا ہونا اور عمارتوں سے اُس کی دلچسپی ظاہر کی ہی۔ لیکن جب سیمیرامس کا اُنھوں نے تذکرہ لکھا ہی اسکا زمانہ اس زمانہ سے کسی قدر پہلے معلوم ہوتا ہی۔ بہرحال جب تواریخ سے پتہ چلتا ہی تو ہم کو اُسکے وجود سے انکار نہیں، البتہ اس کی بابت ہم صحت سے نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کی سب سے پہلے حملہ آور یہی ملکہ سیمیرامس تھی اور نیز یہ کہ جو واقعات اُس سے ظہور میں آئے وہ کس حدتک قابل اطمینان ہیں۔

اڈیٹر

عراق عرب کے پرانے قصے اور مصر کی قدیم روایتیں زمانہ مسیح سے دو ہزار سال[1] قبل کی جس مشہور اور حکمراں عورت کا حال ظاہر کرتی ہیں وہ ہندوستان کی سب سے پہلی حملہ آور ملکہ **سیمیرامس** ہے۔

دیبی ڈرسیٹو کی اکلوتی بیٹی سیمیرامس طوفانِ نوح سے ۲-۳ سو سال بعد سرزمین اسیریا میں پیدا ہوئی۔ اگرچہ شکیل وجمیل تھی، لیکن نہ معلوم ایرانی اُس زمانے میں لڑکی کا پیدا ہونا منحوس خیال کرتے تھے یا اُن کی اور کسی مذہبی رسم میں خلل پڑتا تھا (عام ایرانیوں کی طرح) ڈرسیٹو[2] نے بھی بدنامی سے بچنے کے لیے سیمیرامس کو جنگل بیابان میں پھکوا دیا اور اُس کی طرف سے کلیجہ پر پتھر رکھ کر قطعی غافل ہوگیا۔ ایسی حالت میں اس معصوم بچّی کا سوائے خدا کے اگر کوئی دوسرا مددگار تھا تو چند گڈریے (گلہ بان) تھے جنھوں نے سیمیرامس کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔ اور ہر حال میں اُسکے نگران و مددگار رہے۔

سیمیرامس کو خدا نے جیسا حُسن دیا تھا اُس سے کہیں زیادہ عقل و شعور بھی عطا کیا تھا گڈریوں کے یہاں اپنی زندگی کے چودہ پندرہ سال ختم کرنے کے بعد اُس نے **نینوا** کا رُخ کیا اور شاہ **نینوس** کے ماتحت کپتان اونس کی خواہش پر (جو اُسکے حُسن کا دلدادہ تھا) اس سے شادی کرلی۔ نینوس[3] اس زمانے میں مصروف پیکار تھا اور متواتر شکستوں کی وجہ سے اُس کی سپاہ سخت پریشانی کی حالت میں گھری ہوئی تھی۔ سیمیرامس نے جب اپنے آقا کا یہ حال سُنا تو وہ خود مردانہ وار میدان جنگ میں آئی اور اپنی بہادری سے سپاہیوں کے ایسے حوصلے بڑھائے کہ بادشاہ نے ملک فتح کرلیا۔

---

[1] سیمیرامس کے عہد حکومت کی نسبت مصنفوں میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض اسکے زمانہ کو حضرت مسیح سے پانسو سال قبل۔ بعض نوسو سال اور بعض دو ہزار سال قبل بتاتے ہیں۔

[2] ایرانیوں کا یہ خیال ہے کہ جو بچّے لاوارث پڑے اُٹھائے گئے وہ بعد میں صاحب اقبال ہوئے۔ چنانچہ کیکاوس وغیرہ کی نسبت ایسی ہی روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ڈرسیٹو نے اسی خیال سے سیمیرامس کو جنگل میں ڈلوا دیا ہو کہ وہ آئندہ کسی وقت صاحب اقبال کہلائے۔ [3] بعض مصنفوں نے اس بادشاہ کا نام بائی نس لکھا ہے۔

کپتان اونس نے یہ حال دیکھا تو عقل کے طوطے اُڑ گئے اور اس خیال سے کہ ایسی بہادر اور غیر معمولی حسین و جمیل عورت کا قابو میں رہنا محال ہے اس نے فوراً خودکشی کر لی۔ کپتان اونس کے مرنے کے بعد ملکہ سیمیرامس شاہ نینوس کی ملکہ بن کر شاہی حرم میں داخل ہو گئی۔

شاہ نینوس اس شادی کے کچھ دنوں بعد مر گیا[1] اور کوئی جانشین نہ ہونے کی وجہ سے سیمیرامس ہی تاج و تخت کی مالک کہلائی۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اُسے اپنے حوصلے پورا کرنے کا موقع ملا۔ اوّلاً شہر بابل کو اُس نے بڑی آب و تاب سے تعمیر کرایا۔ متعدد باغات عالیشان محل۔ حوض۔ کنوئیں اور نہ معلوم کیا کیا قابل دید منظر بنوانے کے علاوہ اکباتنا میں عالیشان عمارتوں کے ایک وسیع سلسلہ کو تکمیل دی۔ مصر اور حبش کا بڑا حصہ تسخیر کیا لبنا پر فوج کشی کی اور جب تک ارد گرد کے ملکوں کو تسخیر نہ کر لیا تخت عراق پر چین سے نہیں بیٹھی۔

سیمیرامس صرف خوبصورت یا عیش پسند ملکہ نہ تھی بلکہ اُس کی زندگی بڑے بہادرانہ واقعات سے پُر ہے، اسکا قول تھا کہ "میدان کارزار کے مقابلہ میں عالیشان محل اور تیغ و تبر کے سامنے ہیرے جواہرات کے قیمتی زیور کوئی حقیقت نہیں رکھتے"، چنانچہ گھر کی پُرامن زندگی سے تنگ آکر اُس نے دوبارہ لڑائی کا بیڑا اُٹھایا اور ہندوستان کی دولتمندی کا حال سُنکر سفر کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اگرچہ ارکین دولت اور بہادران لشکر نے ملکہ کی اس تجویز کو بڑی مخالفت کی نظر سے دیکھا اور مختلف مصائب و آلام کے بھیانک مرقعے اُسکے سامنے پیش کیے لیکن اُس نے ذرا بھی پروا نہ کی اور نہایت دلیری کے ساتھ شہر باختر میں (تین سال کی کوشش سے)

---

[1] نینوس کی نسبت مختلف بیانات ہیں، کوئی لکھتا ہے کہ وہ لڑائی میں مارا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو جانے کے باعث وہ (دریا میں گر کر ہلاک ہو گیا۔

تیس لاکھ پیادے ۔ بیس لاکھ سوار ۔ ایک لاکھ رتھ اور دو ہزار جہاز فراہم کرکے چڑھائی کی تیاریاں شروع کردیں ۔

چونکہ ہندوستان کے ہاتھیوں کی کثرت کا حال اُسے معلوم تھا اسلیے عراق عرب کے چھوٹے چھوٹے گھوڑوں کو ان کوہ پیکر جانوروں کے مقابلہ میں جمائے رکھنے کا بہتر طریقہ اُس نے یہ کیا کہ کاٹھ کے بڑے بڑے ہاتھی بنواکر سیاہ بھینس کی کھالیں منڈھوائیں اور اپنے گھوڑوں کو اُن کی صورت کا خوب عادی کردیا ۔ الغرض سب سامان فراہم کرکے اُس کثیر التعداد لشکر اور اسباب سمیت ہندوستان[1] کا رُخ کیا اور اثناء سفر میں متعدد تکلیفیں اُٹھانے کے بعد دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گئی ۔

ہندوستان میں اُسوقت راجہ ستابرابت[2] کا پھریرا اُڑ رہا تھا ۔ اُس نے لڑائی کی خبر سُن کر (ملکہ سے کہیں زیادہ سامان فراہم کرکے) دریای سندھ کے دوسرے کنارے چھاونی چھادی ۔ اور اس بات کا منتظر رہا کہ ملکہ کو اُس کی بلاوجہ یورش اور بیجا پیش دستی پر ملامت کرکے واپس بھگادے ۔

اگرچہ ستابرابت کا لشکر سیمیرامس کی فوج سے کہیں زیادہ تھا ۔ لیکن ملکہ کی دلیری اور سامان کی کثرت دیکھ کر اُس کے ہوش اُڑ گئے ۔ تاہم اُس نے ملکہ کو بہت بُرا بھلا کہا اور دھمکی دی کہ اگر وہ آمادۂ جنگ ہو تو اُسکو معہ فوج کے گرفتار کرکے پھانسی دیدیجائے ۔

ستابرابت کی ان بیہودہ باتوں کا ملکہ نے کچھ خیال نہیں کیا اور دریای سندہ پر جہازوں کا پل باندھکر عراق عرب کے لاتعداد بہادروں کے ساتھ ایسی جان توڑ کر لڑی کہ ہندوستان والوں کے کئی ہزار جہاز غرق ہوجانے کے علاوہ لاکھوں سپاہی و افسر گرفتار ہوگئے ۔ ایک لڑائی میں غنیم کے بے شمار ہاتھیوں نے اُسے بہت تنگ کیا تو

---

[1] غالباً کسی مصنف نے راستہ کی کیفیت قلمبند نہیں کی ۔ صرف یہ پتہ چلتا ہو کہ سیمیرامس باختر سے روانہ ہوئی اور ہندوستان پہنچ گئی

[2] بعض نے ستابرابت کو سٹابز ولٹ بھی لکھا ہو ۔ جو کسی ہندوستانی کا نام نہیں ہو سکتا ۔

اُس نے اپنے مصنوعی ہاتھی لا کھڑے کیے اور جب تک مخالفین پر یہ بھید نہ کھل گیا تمام ہندوستانی سورما ہاتھیوں کی اس غیر معمولی تعداد سے پریشان رہے۔ تیسرے حملہ میں سیمیرامس کا شاہ ہند سے مقابلہ ہوگیا جس میں دونوں کے خفیف زخم آجانے کی وجہ سے سخت خوں ریزی ہوئی لیکن اُس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے سواروں سمیت مصنوعی پُل پر عبور کرلیا۔ اور جب بادشاہ کی بے شمار فوج اُس کے بنائے ہوئے پُل کو پار کرنے کی نیت سے چڑھی تو یک لخت جہازوں کی زنجیریں کاٹ کر اُن کو غرق کرادیا۔

راقم
سید مظہر حسین اختر میرٹھی

زنانہ حاضر جوابیاں
نمبر ۶

یوں لائے واں سے ہم دل صدپارہ ڈھونڈکر　　دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اٹھا لیا

(۱) ملک ایران میں **جہاں خاتون** نامی ایک نہایت طباع عورت مولانا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمعصر گزری ہے۔ ایک روز اتفاقیہ مولانا موصوف کی ملاقات کو گئی۔ حافظ شیرازی نے اپنی غزل

دردم از یار است درماں نیز ہم　　دل فدائے او شدہ جاں نیز ہم

پڑھکر سنانی شروع کی۔ جب اس شعر پر پہونچے۔

اعتمادے نیست بر کارِ جہاں　　بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم

تو جہاں خاتون سمجھی کہ مجھ پر چوٹ کی گئی فوراً برافروختہ ہوکر جواب دیا۔

حافظا ایں مے پرستی تا بکے — مے زتو بیزار مستاں نیز ہم

(۲) زیب النساء بیگم مخفی دختر شاہ عالمگیر کی کنیز امانی نہایت ذہین و حاضر جواب گزری ہے۔ ایک روز برسات کے موسم میں جبکہ مکھیوں کی کثرت تھی بیگم صاحبہ نے دق ہو کر امانی سے کہا۔ اے امانی مگساں می آیند۔ امانی نے معاً کہا ؏ ناکساں پیش کساں می آیند

(۳) اسماء۔ ایک شخص عبد اللہ کی بیٹی تھی جو قبیلہ بنی عذرہ سے تھا اسکا قول لاعطر بعد عروس عرب میں ضرب المثل ہو گیا ہے اور ایسے موقع پر بولا جاتا ہے کہ پہلے حاجت ہو اور پھر چیز کا ذخیرہ کیا جائے۔ اصلیت اس کی یہ ہے کہ اسماء کی پہلی شادی اُسکے چچا زاد بھائی عروس سے ہوئی تھی لیکن جب وہ مرگیا تو ایک ایسے شخص سے اسکا عقد ہوا جو بخیل گندہ دہن۔ اور کج خلق تھا۔ چنانچہ جب رخصت کا وقت آیا تو اسماء نے اپنے خاوند سے اجازت چاہی کہ ذرا عروس کی قبر پر ہو آئے۔ شوہر بھی ہمراہ گیا جب وہاں پہونچی تو اسنے بیساختہ یہ مرثیہ کہا۔

ابکیک یا عروس الاعراس	یا ثعلبا فی اھلہ واسدا عند الباس
اے دولہوں کے دولہا میں تجکو روتی ہوں	اے گھر والوں کے لومڑی (یعنی نرم دل) اور اے لڑائی کے شیر

مع اشیاء لا یعلمہا الناس

معہ اُن اوصاف کے جنہیں لوگ نہیں جانتے

شوہر نے کہا وہ کونسی اعلیٰ صفات تھیں کہ اُسے کوئی اور جانتا بھی نہیں۔ اسماء نے فی البدیہہ کہا۔

کان عن الھمۃ غیر نعاس	ویعمل السیف صبیحات باس
اس کی ہمت میں تغافل نہ تھا	شمشیر زنی کرتا تھا لڑائیوں میں

اسکے بعد یہ مرثیہ شعر کہے۔

یا عروس الاغر الازھر	الطیب الخیم الکریم المحضر
اے روشن طلعت دولہا	پاک سیرت۔ نیک صورت

مع اشیاء کا تذکرہ

معہ اُن اوصاف کے جنکا اب ذکر بھی نہیں ہوتا

شوہر نے کہا کہ وہ کونسے اچھے اوصاف ہیں جنکا اب ذکر بھی نہیں ہوتا۔
اسماء نے پھر کہا۔

کان عیوفاً للخنا والمنکر　　طیب النکھۃ غیر الجالسر غیر اعسر

کراہیت کرتا تھا بُری باتوں سے۔ بوی خوش رکھتا تھا گندہ دہن نہ تھا۔ نرم دل تھا درشت مزاج نہ تھا

اب شوہر بالکل سمجھ گیا کہ یہ اشارہ خاص اسکی طرف ہی شرمندہ ہوکر چپ ہورہا۔
جب روانگی کا وقت آیا تو شوہر نے بہ اصرار کہا کہ اپنا عطر دان لیتی چل۔ اسماء نے جو اُس سے اُکتائی ہوئی تھی قطعاً انکار کردیا۔ اور کہا "لا عطر بعد عروس"

والسلام
بہنوں کی خادمہ

ا۔ ب۔ ن

مُغل کا لال

اس نظم میں اس واقعہ کا ذکر ہی کہ ایک مرتبہ حضرت صاحبقران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں شہنشاہ ہندوستان طاب اللہ ثراہ۔ لال قلعہ دہلی کے جھروکے میں سے ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے کہ ایک ہاتھی دوسرے پر غالب آیا اور مغلوب ہاتھی شکست پاکر بھاگ گیا۔ عین اُسی وقت شاہزادہ محمد اورنگزیب (جو بعد میں محمد عالمگیر بادشاہ غازی کے نام سے مشہور ہوئے) موقع واردات پر فتحیاب ہاتھی سے دوچار ہوگئے اور باوجودیکہ ہاتھی نے بڑھکر اُن پر حملہ کیا لیکن وہ نہایت جوانمردی اور استقلال سے اپنے گھوڑے کو وہیں روک کر کھڑے ہوگئے

اور ہاتھی کو طعن نیزہ و ضرب شمشیر سے پسپا کر دیا۔ نیزہ کا زخم کھا کر ہاتھی نے
اُن کو معہ اسپ سونڈ میں لپیٹ کر اُٹھا لیا اور چاہتا تھا کہ زمین پر پٹک کر پاؤں
سے کچل دے کہ شاہزادہ نے نہایت پھرتی کے ساتھ جست کر کے اپنے آپ کو
ہاتھی کی گرفت سے بچا لیا اور تلوار کھینچکر ہاتھی پر دوڑے اور وہ مست ہاتھی
زورِ دست و بازو اور شجاعت خداداد سے بتائید ایزدی زیر ہو کر بھاگ گیا،،

اشعار کی روانی اور شاعر کی جادو بیانی قابل دید ہے۔ اڈیٹر

شاہ بیٹھا تھا جھروکے میں زمیں کا سورج — نور سے جس کے خجل چرخ بریں کا سورج
چاند تاروں کی طرح اُس کے امیر اور وزیر — تھے کھڑے اپنے قرینے سے مثال تصویر
کام جب مملکت و عدل کے سب ہو گئے طے — حکم ابرو کے اشارے سے ہوا "ہاں کوئی ہے"
لاکے حاضر کرو تفریح کا سامان ذرا — کثرتِ کار سے خاطر ہے پریشان ذرا
چاہتا ہوں کہ بہل جائے ذرا اِن کا بھی جی — یہ جو فدوی میرے حاضر ہیں یلانِ جنگی
اور کیا سیر دلیروں کو دکھائی جائے — اِک جھپٹ فیل کی شیروں کو دکھائی جائے
حکم کے ساتھ ہی حاضر ہوئے دو فیل مہیب — مست و قد آور و خونخوار۔ باندازِ عجیب
سختی و زور و بلندی میں تھے وہ پیکرِ کوہ — مثل بدلی کے سیہ فام تھے دونو اوفوہ!
گاؤ دُم سونڈیں تھیں اور لاؤ سے بھی موٹی تھیں — آنکھیں اس ڈیل پہ جگنو کی طرح چھوٹی تھیں
چھاج سے کان، ہر اک ڈھال سی پیشانی تھی — جس پہ سیندور کی رنگت سے گل افشانی تھی
اُنکے سر تھے وہ مئی نخوت و مستی کے گھڑے — جیسے نقارے بڑے دو ہوں برابر رکھے
پاؤں کیا تھے کہ کہو راجہ اشوکا کے ستون — اور دُمیں اُن کی چنور تھے جو لٹکتے ہوں نگوں
پوپلے جبڑوں سے گو بوڑھے نظر آتے تھے — اُن کی چنگھاڑ سے ایوان لرز جاتے تھے
دانت جبڑوں میں سے سنگین و سفید و مصقول — دو دو نکلے ہوئے تھے جنکا تھا اک اک گز طول
سُرمئی رنگ پہ دانتوں کی سفیدی اُن کی — صاف کہتی تھی کہ ہے کالی گھٹا میں بجلی

جھومتے ایسے تھے گویا ہی چڑھا اُن کو نشا | پر سمجھتے تھے وہ خوب اپنے مہاوت کا کہا
اِک اشارہ یہ ادہر اور اُدہر گھومتے تھے | شہ کو تسلیم بجا لاکے زمیں چومتے تھے
سب تماشائی جھروکوں میں تھے اوپر بیٹھے | اور ریتی میں تھے جمنا کے یہ ہاتھی نیچے
بیچ میں اُنکے تھی اِک مٹّی کی کچّی دیوار | جسکے اوپر سے تھا سونڈوں کا فقط انکے گزار
آمنے سامنے جب آئے یہ ہاتھی دونوں | کرکے کچھ کان میں بات اُنکے وہ ساتھی دونوں
یعنی وہ اُنکے مہاوت تو درختوں پہ چڑھے | اور یہ سونڈیں اُٹھا واسطے لڑنے کے بڑھے
لیکے اِک دوسرے پر زور سے کرتے شوں شول | جا ملے۔ لڑگئیں پیشانیاں، دہم دہم، دھول
ایک ہی حملے میں دیوار تو باقی نہ رہی | اور وہ ٹکر ہوئی گونج اُٹھا سب ایوان شہی
ایسی مڈھ بھیڑ ہوئی اُن میں کہ خالق کی پناہ | ہو کے حیرت میں کہا سب نے کہ اللہ اللہ
یوں نہ لڑ سکتے اگر رستم و بہمن لڑتے | ہاں اگر لڑتے تو کچھ میل کے انجن لڑتے
دیر تک اُن میں اسی طرح رہا زور ڈھکیل | ریلا اِس نے کبھی، اور وہ کبھی لایا اسے پیل
آخر اِک پھسلا۔ گرا۔ مار کے بھاگا چنگھاڑ | ہوگئی آنکھ جھپکتے میں وہاں مار پچھاڑ
بھاگا یوں ہارنے والا تو کہ دم بھی نہ لیا | دور تک سانس کہیں ایک قدم بھی نہ لیا
وہ جو جیتا تھا وہیں رہ گیا میداں میں کھڑا | اور لگا سونڈ گھمانے کہ ہوں میں کیسا بڑا
اتنے میں کھیل کے آیا تھا کہیں سے جو شکار | شاہزادے کا ہوا خاص اُسی جا سے گزار
دیکھ آتا اُسے۔ ہاتھی اُسی جانب لپکا | کھینچ لی اُس نے بھی باگ اور فرس کو تھپکا
اک ذرا اپنی جگہ سے نہیں سرکا وہ دلیر | جانتا تھا کہ وہ ہاتھی ہے تو میں بھی تو ہوں شیر
منتظر فیل کا بے خوف و خطر کو ماسنے | اپنے گھوڑے پہ وہ بیٹھا رہا نیزہ تانے
تھا حمیت میں بڑا اگرچہ وہ کم سن تھا ابھی | گو ابھی عمر لڑکپن سے زیادہ تو نہ تھی
آزمایش کا مگر وقت وہی تھا اُس کی | استقامت میں بڑا کوہ سے وہ سرو سہی
ڈالدی پاؤں میں غیرت نے یہ کہکر بیڑی | دیکھتے ہیں تجھے ہر ملک کے مردان جری

بھاگ کر فیل سے عزت نہ بچے گی ہرگز | جاں بچی بھی تو یہ دولت نہ بچے گی ہرگز

اسلیے فیل کی ہیبت کو نہ آنے دیا پاس | پشت رہوار پہ بیٹھا رہا بے خوف و ہراس

گویا خود موت کو اپنی وہ بُلا بیٹھا تھا | جاں شیریں کی حلاوت کو بھُلا بیٹھا تھا

تیغ عریاں کی طرح زد میں کھُلا بیٹھا تھا | مارنے مرنے پہ تیار۔ تُلا بیٹھا تھا

جوش دو تھے اُسے اور تھا اُسے بل دونوں کا | کہ لہو اُس میں تھا رجپوت[1] و مغل دونوں کا

بول اُٹھا جس کو نظر آئی یہ بانکی غیرت | بچۂ شیر میں ہے شیر جواں کی غیرت

وقت وہ تھا کہ دعا اپنا تو کیا، غیر کرے | سب کے موٗنھ سے یہی نکلا کہ خدا خیر کرے

طرفۃ العین میں ہاتھی بھی وہاں آ پہونچا | اس نے نیزے کو گھما تان کے جبڑے میں دیا

برق ساں ہاتھ وہ اُس کالی گھٹا میں چمکا | کوہ کی کان میں داخل ہوا ابھر کے لوہا

خون اس طرح بہا۔ بھال جو برچھے کی بھُکی | رات میں جیسے دہکتا ہو سر جوالا مکھی

لال ایسا نظر آنے لگا اُس زخم کا شق | جیسے پہلو میں پہاڑی کے ہو مغرب کی شفق

گویا فرہاد نے تہ لعل کی دے کے انمول | نہر شیریں کو دیا قلۂ البرز سے کھول

یا کوئی ایسا لگا سنگ میں تیشہ بے قصد | کھُل گئی کان کے اندر رگ یاقوت کی فصد

یوں نظر آیا لہو بہتا وہ فیل جنگی | جیسے لڑتا ہو کوئی پان چبائے زنگی

زخم کھانے سے بڑھا اور بھی غصہ اُسکا | چیل کی طرح سے ایک اُس نے جھپیٹا مارا

چھا گیا جیسے کہ ساون کی گھٹا اُٹھی ہو جھوم | اسپ و اسوار پہ دی پھینک کمند خرطوم

مثل رسّی کے لیا سونڈ میں دونوں کو لپیٹ | کرلیا اُن کو معلق دہیں دیکر البیٹ

چاہتا تھا وہ کہ اونچے سے پٹک دے اُن کو | ایک دو جھٹکوں میں روئی سا دُھنک دے اُن کو

سوچ کر جی میں کہ ہر طرح سے ڈالے گا کچل | مثل طائر کے اُڑا زین سے فرزند مغل

گیس جس طرح سے اُڑ جاتی ہے بوتل میں بھری | صاف شیشے میں سے جس طرح نکل جائے پری

---

[1] اس کی دادی جودہ بائی راجپوت رانی تھی۔

جس طرح جست کرے آگ سے سیماب و سپند
یا شرارہ سے پتنگ کر نہ لگائی ہو زقند

اُسکے چنگل سے وہ اس طرح گرا کود کے دُو
کہ چھُٹے باز کے پنجے سے تڑپ کر عصفور

یا کسی حور کو لاحق ہو تپ غیرت و رشک
سرمگیں آنکھ سے ہو اسکے گرا گوہر اشک

جس طرح چھُٹ کے کماں سے ہو گیا۔ تیر نکل
وہ گرا بھی جو زمیں پر تو گرا پاؤں کے بل

جست کرکے جو یہ ہاتھی کے دہن سے چھوٹا
نکلا ہر موںھ سے کہ وہ چاند گہن سے چھوٹا

پیل بند سے وہ جب بن کے پیادہ نکلا
اسپ شہ زور کے دل کا بھی ارادہ نکلا

نعل اِدہر سُم کی ضرورت سے زیادہ نکلا
اور اُدہر دانت سے ہاتھی کے برادہ نکلا

رُخ پہ ہاتھی نے دولتی جو عرب کی کھائی
ایک ہی لات میں کیا مات غضب کی کھائی

ہوکے تکلیف سے بیتاب دیا اسپ کو چھوڑ
اور سُن ہوکے کھڑا رہ گیا وہ سونڈ مڑوڑ

راکب اسپ نے لیکن اُسے وقفہ نہ دیا
پیترا کاٹ کے پھر اُس کے مقابل پہونچا

وار اِک اور کیا فیل پہ یوں۔ تیغ نکال
جس طرح گنبد کہنہ پہ چمکتا ہو ہلال

پہلے ہی وار نے تھا اسکے سکت کو توڑا
تیغ کے سامنے جی اور بھی اُس نے چھوڑا

جیسے بوڑھے کو کرے زیر لڑائی میں جوان
روس کی فوج پہ غالب رہا جیسے جاپان

جیسے جھونکے سے ہوا کے ہو پراگندہ دھواں
نہ رہے رات کا سورج کے نکلنے پہ نشاں

جز گریز اور نہ کچھ فیل کو اوسان رہا
ہاتھ شہزادے کے آخر کو وہ میدان رہا

شاہ مسرور ہوا دیکھ پسر کا جوہر
اُس کے ہم وزن منگایا زر و سیم و گوہر

فقرا اور مساکین کو بانٹی خیرات
تاکہ دیتے رہیں خوش ہوکے دعائیں دن رات

انتظام الدین حسن (علیگ)

نیوز نانہ سکول حیدر آباد دکن کی دعوت

۳۰۔ جون روز شنبہ کو جناب مسز کیسن ڈاکر صاحبہ نے خود اپنے دولت خانے پر نیوز نانہ سکول کی کل لڑکیوں اور تمام اسٹاف کو الوداعی ٹی پارٹی دی۔ اس جلسہ میں صرف سکول کی لڑکیاں ہی نہیں تھیں بلکہ اُن کی مائیں بھی مدعو تھیں۔ اس موقع پر لڑکیوں کی طرف سے ایڈرس اور گُل پوشی کی رسم ادا ہونی قرار پائی تھی۔

تقریباً ساڑھے چار بجے بیگمات آنی شروع ہوئیں۔ پانچ بجے چائے نوشی ہوئی چائے نوشی کے بعد گُل پوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے دالان میں ایک سنگ مرمر کی کُرسی بچھائی گئی۔ اور اس پر ایک سُنہری پوشش ڈالدی گئی۔ کُرسی کے قریب ایک پُر تکلف میز پر ایک کشتی رکھی گئی جس میں عطر۔ پھول۔ ایڈرس اور سلور بول رکھا گیا سب سے پہلے خلیق ممتاز یاور الدولہ نے انگریزی میں ایڈرس پڑھا۔ اس کے بعد لیلیٰ حیدری نے اُردو ایڈرس پڑھا جو دوسرے صفحوں پر درج کیا جاتا ہے۔ پھر قدسیہ سربلند جنگ نے اُردو نظم پڑھی۔ اب گُل پوشی شروع ہوئی۔ ایک ہار خورشید سربلند جنگ اور دوسرا ہار حبیب الدین نے پہنایا۔ م معتمد الدولہ نے بازو بند باندھے۔ اور لئیق ممتاز نے پہنچیاں پہنائیں۔ مریم حیدری نے عطر لگایا۔ س ذوالقدر جنگ نے گلدستہ پیش کیا۔ اور لیلامنی نائڈو نے عطر کی شیشی پیش کی۔ ر حبیب الدین نے گلاب پاشی کی۔ اور ع عثمان یاور الدولہ نے سلور بول جو سکول کی طرف سے تھا پیش کیا۔ میری نندی نے اُردو اور انگریزی دونوں ایڈرس جو خریطہ میں رکھے ہوئے تھے پیش کیے۔ سب سے آخر میں زینت معز الدین نے دست بوسی کی یعنی سب کی طرف سے خدا حافظ کہا۔

دست بوسی کے بعد مس نصیر الدین حیدر صاحبہ نے ایک اسپیچ پڑھی جو دوسرے صفحہ پر لکھی جاتی ہے۔ پھر مسز کیبن واکر صاحبہ نے چند نصیحتیں لڑکیوں کو فرمائیں۔ آپنے کہا کہ تم سب کو دل لگا کر پڑھنا اور ترقی کرنا چاہیے اور اپنی حاضری کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ پھر آپنے فرمایا کہ میں اپنی زندگی بھر ہر سال دو انعامات تمہارے لیے مقرر کرتی ہوں۔ ایک بڑی جماعت کے لیے اور ایک چھوٹی جماعت کے لیے۔ جو سب سے اول اسکول میں آئیگا وہ حسب درجہ اُن انعاموں کے لینے کا مستحق ہوگا۔ اس کے بعد چند بیبیاں تو چلی گئیں لیکن بہت سی بیٹھی رہیں۔ اسکول کی چند لڑکیوں نے پیانو پر انگریزی اور مغلئی گیتیں بجا کر ان کا دل خوش کیا۔ ساڑھے سات کے قریب سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

ی حبیب الدین
طالبعلمہ جماعت اعلیٰ مدرسہ ہذا

ایڈریس بخدمت عالیجناب مس کیبن واکر صاحبہ مدظلہا

دام حشمتہا

جناب عالیہ

ہم تمام طلباۃ نیو زنانہ سکول نہایت ادب سے اُن علمی فوائد و احسانات کے عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں، جو آپ کی علمی سرپرستی اور زنانہ ہمدردی کی بدولت ہم کو حاصل ہوئے۔ اگرچہ ہم شکرگزار ہیں کہ ہماری ریاست عالیہ حیدرآباد میں خانگی و سرکاری دونوں طریقوں سے تعلیم نسواں کا کچھ نہ کچھ سلسلہ ایک معقول مدت سے چلا آتا ہے تاہم اس وسیع مملکت کی جو ہر نوع یادگار سلف ہے پُرشان و شکوہ طبقہ رعایا کے لیے ایک ایسی زنانہ تعلیم گاہ کی ضرورت باقی تھی جو اس مہذب و مساوات حقوق تعلیم کی تلافی کا

پورا جواب دہ ہو. نیز جس میں اعلیٰ حیثیت . شریف خون اور اخص الخاص طبقہ کی لڑکیاں بغیر کسی کسرِ شان کے خیال کیے بے تکلف شریک ہوسکیں . جناب عالیہ! یہ بالکل درست ہے کہ علم اگر غریب کا سرمایۂ عمر ہی تو امیر کا آرایش و بناؤ . اور دونوں کا تمسک انسانیت . آپ کی بالغ نظر اور علم دوست طبیعت نے اس کمی کو محسوس کرلیا . اور ہمارے اعلیحضرت قوی شوکت خلد اللہ ملکہ و ادام اللہ حشمتہ کے رشح کرم کی برکت سے آخر اپنی کشت آرزو کو سرسبز و شاداب کر ہی لیا .

آپ نے اس اسکول کے قیام اور اُس کے اغراض و مقاصد کی نوک جھوک میں جو جو تکلیفیں اور شاقہ محنتیں برداشت فرمائیں . ہم اُن کا شکریہ نوک قلم سے کیونکر ادا کرسکتے ہیں آپ خوب سمجھتی تھیں کہ آپنے اعلیحضرت سے صرف سکول ہی نہیں حاصل کیا ہی . بلکہ درحقیقت طبقہ اعلیٰ کی آیندہ نسلیں اپنے ہاتھ میں لی ہیں . جہانتک ہمارے چھوٹے چھوٹے ادراک اور ننھی ننھی عقلیں مدد دے سکتی ہیں ، ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آپنے اس اہم ذمہ داری کو کماینبغی نبھایا . اور شروع قیام مدرسہ سے یہ مقصد نصب العین رکھا . کہ یہاں کی طلباء صرف علم ہی حاصل نہ کریں . بلکہ درستگی اخلاق و عادات و خیالات بھی اُن کی تعلیم کا جزو اعظم رہے . چونکہ شاگرد و اُستاد میں پرتو اوصاف کا باہم وہی تعلق ہی . جو چاند سورج میں کسب ضیا کا ہی اس لیے آپنے اپنی توجہ بیش از بیش اسپر مبذول رکھی کہ ہمارے واسطے ان تمام عوارض کے موزوں تعلیمی سٹاف بہم پہونچایا جائے جس سے آپ ہمیشہ باتکلف و بے تکلف ملت رکھکر ذاتی واقفیت و اطمینان حاصل کرتی رہیں .

آپنے نہایت شد و مد کے ساتھ ہماری تعلیم میں مذہبی جزو یعنی قرآن خوانی اور نماز پڑھنے کا قاعدہ مقرر فرمایا . ہماری مجال نہیں کہ مدرسہ میں ہم ایک دن بھی نماز قضا کرسکیں .

ہمارے مدرسہ کے سامان تعلیم . پردہ سرا اور پہرہ چوکی وغیرہ کا جو بندوبست

آپ نے فرمایا۔ اور باوجود خود علائق خانہ داری میں مصروف ہونے کے ہر بات کی حسب طرح ذاتی نگرانی کی اُس کی نسبت کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ عیاں راچہ بیان مذکورۂ بالا انتظامی معاملات میں جہاں کوئی نقص دیکھا وہیں اصلاح فرمادی۔ اور اگر سب حسب دلخواہ پایا تو ہم کو دیکھ دیکھ کر اس طرح خوش ہوئیں جیسے کوئی مالی اپنے لگائے ہوئے باغ کو پھلا پھولا دیکھ کر باغ باغ ہوتا ہے۔ کیا کوئی شفیق و دانشمند ماں بھی اس سے بڑھ کر لڑکیوں کے معاملات میں تن دہی و جانفشانی کرسکتی ہے؟ آپ کو خداوند تعالیٰ نے چار بچے عنایت کیے۔ آپ نے اپنی شفقت عام کے اقتضا سے بیسیوں بچے سمیٹ لیے اور اُن پر اپنا دل و دماغ کھپانا پسند فرمایا۔

تعلیم و تربیت کے ساتھ ہمارے کھیل کود اور ورزش جسمانی پر بھی توجہ مبذول فرمائی تاکہ ہم شاداب و تندرست و چست و چالاک رہیں۔ کبھی ہمارے تھکے ہوئے دماغوں کو معطر و تازہ کرنے کے لیے اپنے چمن کے پھول عنایت کیے۔ اور کبھی ہمارے کھانے کے لیے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹھائیوں کے تحفے ہمیں بھیجے۔ آپ کی عنایتوں کا کہاں تک شکریہ ادا کریں۔ ؎

شکر را نہایت تو، چندانکہ را نہایت تو

آپ نے ہم کو صرف کتاب کا ہی کیڑا نہیں بنانا چاہا بلکہ سینا پرونا۔ پکانا رِیندھنا اور انتظام خانہ داری کی عملی تعلیم ہمارے لیے لازمی کی۔ چنانچہ سب سے پہلے پکانے کا سبق خود ہم کو ادا کردیا۔ اور ہمارے سامنے اپنے ہاتھ آٹے لہسن پیاز میں بھر کر۔ اور خود آنچ کے آگے کھڑے رہکر ہم کو بتایا کہ ایک بیگم یا لیڈی کو کیسا ہونا چاہیے۔ اکثر اپنی زنانہ پارٹیوں میں ہمارے ہاتھوں چائے وغیرہ بنواکر ہم کو مہمانوں کی تواضع کا ڈھنگ سکھایا۔

آپ نے یہ اسکول قائم فرماکر نہ صرف ہماری صنف نسواں کو اپنا مرہون منت فرمایا

بلکہ ہماری موجودہ نسلوں کی جس قدر ذریات پھیلتی جاوے گی وہ سب آپ کی معترف احسان رہے گی۔ جب تک کرۂ ارض پر ہندوستان۔ ہندوستان میں دکن، اور دکن میں علم و تہذیب کی روشنی جلوہ گر ہے اُس وقت تک آپ کے اس فیض علم کا سلسلہ جنبش ہوا کی طرح جاری و ساری رہے گا۔ ؎

جب تک ہند آباد رہے گا　　نام تمھارا یاد رہے گا

اب ہم اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اُٹھا کر معبود حقیقی کے حضور میں تہ دل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کی اس علمی یادگار کو منتہائے مقصد و عظمت تک پہونچائے اور آپ کو معہ متعلقین آپ کے وطن مالوف کو بخیر و عافیت لے جائے اور ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ گو آپ ہم میں تشریف فرما نہوں گی مگر آپ کی یاد ہر وقت ہمارے دلوں میں موجود رہے گی ؎

آپ کی وقعت ہمارے دل میں ہے　　آپ کی الفت ہمارے دل میں ہے

ہم ہیں آپ کے ادنیٰ فرماں دار
طلباۂ نیو زنانہ سکول حیدرآباد دکن

ذیل کا مضمون مس نصیر الدین حید صاحبہ نے پڑھا

غالباً یہ کہنا عجیب نہ معلوم ہوگا کہ ہمارا حیدرآباد تعلیم نسواں کے اعتبار سے دنیا کے ترقی یافتہ مقامات سے جتنا پیچھے ہے۔ اتنا ہی ہندوستان کے دیگر شہروں سے آگے ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہاں تعلیم نسواں آٹے میں نمک کی برابر ہے۔ مگر مقابلۃً دوسرے قدامت پسند شہروں سے جہاں جہالت عورتوں کا فطرتی حصہ کر دیا گیا ہے یہ غنیمت ہے۔ حیدرآباد کے اکثر شریف و اعلیٰ گھرانوں میں لڑکیوں کے پڑھانے لکھانے کا کچھ نہ کچھ چرچا ضرور ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اُسی پُرانے گھرانے کے اندازو پیمانہ پر ہے

جو اب زیادہ فائدہ مند نہیں۔ اکثر شرفا و امیرزادیوں کو بلکہ اُن مختلف اقوام کی غریب لڑکیوں تک کو بھی جو بیگمات کی آغوش میں آکر پالکڑیاں کہلاتی ہیں۔ آتونوں اور گھریلو اُستانیوں یا اُستادوں کے ذریعہ سے اس قابل ضرور بنا دیا جاتا ہی کہ ٹوٹا پھوٹا حساب کتاب کریں بُرا بھلا خط پڑھ لکھ لیں اور چھوٹی موٹی کتابیں پڑھکر اپنا دل بہلالیں۔ امرا و شرفا کے محلات میں تعلیمی سلسلہ کچھ عیب کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ لازمہ شرافت و امارت سمجھا جاتا ہے برخلاف دوسرے شہروں کے جہاں اسکا بھی کال ہو گیا۔ یہ خیال بالکل سچ ہی کہ اسلامی تمدن میں اگر کم سے کم شاہجہانی و عالمگیری زمانے کی بچی کھچی جھلک دیکھنی چاہو تو حیدرآباد کے اندرونی تمدن اور محلات پر نظر ڈالنی چاہیے۔ چنانچہ مذکورہ بالا طریقہ تعلیم نسواں اسی قدیم زمانہ پر روشنی ڈالتا ہی جبکہ مردوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی اعلیٰ ضروریات زندگی میں داخل تھا۔

حیدرآباد نے منجملہ دوسری باتوں کے اس قدیم طرز کے نباہ کا حق تو پورا ادا کر دیا۔ اور شکستہ در و دیوار دیکھ کر عالیشان عمارتوں کے کھوج نکالنے والوں پر یہ تو احسان کیا کہ وہ ان خفیف نشانات سے پوری سراغ رسانی کر سکتے ہیں۔ مگر طبقہ نسواں کو وہ قابل قدر فائدہ نہیں پہنچایا جو تعلیم کا اصلی منشا ہے۔ اس سے نہ ان کے دل و دماغ میں کسی قسم کی روشنی پیدا ہوئی۔ نہ اخلاق و عادات میں درستگی اور نہ تمدن و معاشرت۔ اور نہ مراسم و خیالات میں کوئی اصلاح ہوئی۔ بلکہ ایک انجمادی کیفیت پیدا کر دی۔

جب زمانہ نے کروٹ لی۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی خوش قسمتی نے اعلیحضرت قوی شوکت حضور نظام نواب میر محبوب علیخاں بہادر کی فرماں دائی کا افتخار حاصل کیا۔ اور حضور کی قدردانی اور ملک کی خوش طالعی سے صیغہ تعلیمات اُن عالی دماغ حضرات کے ہاتھوں میں پہونچا جو سمجھ چکے تھے کہ بغیر عورتوں کی تعلیم کے مردوں کی تعلیم مکمل نہیں ہو سکتی تو تعلیم نسواں کی انجمادی حالت میں بھی ایک گونہ حرکت پیدا ہوئی۔ اس نئی حرکت

کا ابتدائی بانی مبانی اگر نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی کو قرار دیا جائے
تو انصاف سے بعید نہیں۔ جنکے زمانہ ڈائرکٹری پبلک انسٹرکشن میں زنانہ تعلیم کا ہونگی
باقاعدہ بنیاد پڑی۔ ان سے کچھ طبقہ ادنیٰ۔ زیادہ تر طبقہ اوسط۔ اور کسی قدر طبقہ اعلیٰ کو فائدہ
پہونچا۔ تاہم اس صیغہ میں ابھی بہت کچھ کرنے کی وسعت باقی تھی۔ کیونکہ زیادہ تر طبقہ اعلیٰ
اور خصوصاً اخص الخاص طبقہ سکولی تعلیم سے الگ تھلگ رہا۔ چونکہ اہل دکن میں ایک خاص
صفت یہ ہی کہ جس طرح وہ بے انتہا قدامت پسند ہیں۔ اُسی طرح وہ کسی نئی مفید بات سے
اس طرح دست و گریباں نہیں ہوتے۔ جیسے شمالی ہندوستان کے شہروں میں اُسے
باوے گاؤں کا اونٹ بنا دیا جاتا ہی۔ اور بجائے سمجھنے اور عمل کرنے کے اُس کی دشکن
مخالفت کی جاتی ہی۔ اگر میرا تجربہ اور علم غلطی نہیں کرتا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ حیدرآباد یونے
لڑکیوں کی جدید یعنی انگریزی تعلیم کا دوسرے اونچے نیچے شہروں سے بہتر خیر مقدم کیا۔
امرائے اگرچہ لڑکیوں کو مدرسے تو نہیں بھیجا۔ مگر بعض بعض نے گھر پر گورنشین رکھکر اپنی توجہ کا
کسی قدر ثبوت دیا۔ ظاہر ہی کہ خانگی تعلیم خواہ کسی پیمانہ پر ہو مدارس کی تعلیم کی برابری نہیں
کر سکتی۔ یہ طریقہ گو قدیم ہی مگر پے در پے تجربے نے اب اسکو من سمجھوتی ثابت کر دیا ہی
جو سمجھداری، روشن خیالی اور اپنے اوپر آپ بھروسا کرنا سکول کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے،
وہ خانگی تعلیم میں کہاں۔ گھریلو پڑھائی میں بچے اُستادوں سے نہیں دبتے۔ بلکہ اُستادونکو
بچوں سے مغلوب ہونا پڑتا ہی کیونکہ اکثر اساتذہ اس پوزیشن و قابلیت کے نہیں ہوتے
جیسے سکولوں میں حاصل کیے جاتے ہیں۔ چونکہ تعلیم و تعلم میں قوت ارادی کو بہت دخل
ہی۔ اسلیے اُن اساتذہ کے شاگرد جو زبردست قوت ارادی اپنے میں نہیں رکھتے کبھی
وہ لیاقت حاصل نہیں کر سکتے جو تعلیم کا موضوع ہی۔ نسوان طبقہ اعلیٰ کی تعلیم میں اس
زبردست کمی کو جنہوں نے جانچا وہ عالیجناب مسٹر و مسز کیسن واکر صاحبہ ہیں۔ محمد حسین
نے اس ضمن میں جو کچھ کیا وہ کل اتنا بیان کیا جا چکا ہی کہ اب کوئی پوئنٹ محتاج بیان نہیں رہا

اور اُس کی مزید خلاصہ فہرست خود زنانہ سکول کی لڑکیاں اور اُن کا اڈرس ہے۔

ہماری ریاست عالیہ نے ایک حد تک تعلیم نسواں سے کبھی لاپروائی ظاہر نہیں کی
چنانچہ ادنیٰ و اوسط تعلیم گاہوں سے قطع نظر کرکے اعلیٰ تعلیم کی امداد میں بھی مسس نائیڈو
جیسی قابل قدر مثال موجود ہے۔ جن کی ذات سے ملکی بہنوں کو کچھ کم نفع نہیں پہنچ رہا ہے
نیز تعلیم ولایت کا زنانہ وظیفہ اس سُنہری زمانہ کی ایک اور روشن مثال ہے۔ اگر
اہل ملک نے اس سے فائدہ لیا تو وہ ضرور ایک بیش بہا امداد ہے۔ تیسرا گرانقدر خلعت
جو تعلیم نسواں کو سرکار سے مسس کیبن واکر صاحبہ کے ہاتھوں عنایت ہوا نیو زنانہ سکول
ہے۔ سرکار عالی نے خلعت عنایت کیا۔ مسس کیبن واکر صاحبہ نے لاثانی محنتوں
سے نہ صرف اسکو حاصل کیا۔ بلکہ سخت دیدہ ریزی سے ہمارے مناسب و موزوں قطع برید
کرکے ہمارے لیے اسکو تیار کیا۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اسکو پہن کر یعنی اس سے فائدہ لیکر
مفتخر و ممتاز ہوں۔

اس اسکول کے قیام سے مسس کیبن واکر صاحبہ کا یہ مدعا نہیں ہے کہ یہاں کی طلبات
صرف یونیورسٹی کی ڈگریاں لینے کے لیے علم حاصل کریں، یا انگریزی تعلیم پاکر اپنی ملکی
و قومی خوبیوں سے بے بہرہ ہو جائیں۔ بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ بہترین افراد بنیں۔ وہ
ماں باپ کی اچھی بیٹیاں، بھائیوں کی مایۂ فخر و ناز بہنیں۔ اور آنے والی نسلوں کی سمجھدار
مائیں ہوں۔ وہ عملی اور ایثار نفسی کی مایہ دار زندگی رکھتی ہوں۔ انکا وجود انکے لوگوں
کے لیے رحمت الٰہی ہو نہ کہ عذاب الیم۔ وہ اپنی نسلوں میں ملکی و قومی خصوصیات کی
حفاظت کرنے والی ہوں۔ اور اُن میں خود وہ خصوصیات جلوہ نما ہوں۔ وہ نئی یا پرانی
ہر طرز زندگی کے میدان میں "خذ ما صفا و دع ما کدر" کی عامل ہوں۔ وہ نئی تعلیم حاصل کرکے
ہوا میں نہ اُڑیں بلکہ کرہ ارض پر رہکر اس کی کثافت و مصیبت کو دور کریں اور انسان کے دردِ
دل کی دوا بنیں۔

اے طلباۃ نیوز نانہ سکول تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی محترمہ بانیہ سکول کے ان تمام مقاصد و آرزوؤں کو اپنی زندگی کا چراغ ہدایت بناؤ۔ اور اپنے مستقبل میں جسکی طرف بہت سی آنکھیں لگی ہوئی ہیں یہ ثابت کردو کہ نیک ہاتھوں کے بوئے ہوئے بیج کبھی ناقص پھل نہیں لاتے۔ یہ جنابہ موصوفہ کی ایک بھاری ذمہ داری تم پر ہے۔ جس سے تم کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتیں۔

اے پیاری لڑکیو! خونزہ ہمایوں، مخدومۂ جہاں، چاند بی بی۔ اور رانی درگاوتی تمہارے ہی ملک یعنی دکن ہی کی تو تھیں۔ تم بھی دنیا کو دکھادو کہ افق دکن سے اب بھی ایسے ستارے طلوع ہوسکتے ہیں۔ جن کی ضیاے علم و عمل دنیاے ہند کو منور کرسکتی ہے۔ اور تمہاری اصلی مربیہ مسس کیبن واکر صاحبہ کے حسب مدعا مشرق کا آسمان مغرب کے آسمان سے آنکھ نہیں چھپا سکتا۔

نوحۂ وفات حسرت آیات جناب شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی

وہ سید ذیشان و روان تن بیجاں ،	نظروں سے ہے پنہاں
کیا خلد کا آرام سے ساکن ہوا ہی ہے ،	گھر کر دیا ویراں
در ہجر تو صد چاک شدہ ما دل غمگیں ،	با نالہ و افغاں
آہوں نے ہلا ڈالا ہے فرش زمیں کو	ہے چرخ بھی نالاں
پروانہ صفت در تب فرقت بطپیدم	با حالت گریاں
تم قوم کی اک روح تھے اور قوم تھی اک جسم	اب ہوگئی بیجاں
بے یار و مددگار شدہ قوم دریغا	سید ہوا پنہاں
سرسبز و شاداب چمن ہوگیا تاراج	گلچیں نہ گلستاں

تاریک جہان ست کہ در بُرج لحد رفت — آں شمس درخشاں
گو شرق کے معدن سے تھا وہ گوہر یکتا — تھا ہند بھی نازاں
کی غرب نے بھی عزت و توقیر ہمیشہ — اور دل سے قدرداں
کیا مالک و قابض رہا اٹھارہ زباں کا — وہ غیرت سحباں
پہلو میں نہو دل تو کرے صبر کوئی کیا — مجبور ہے انساں
اے وائے چھپا خاک میں کیا عالم یکتا — ہر قوم ہے نالاں
نایاب کتابوں کا خزانہ وہ تمہارا — کیا ہو گیا ویراں
تھا فکر مدام اُن کو فرماتے تھے اکثر — کیا اس کا ہی ساماں
کون اسکا بھلا بعد میرے ہو گا محافظ — اس غم سے ہوں حیراں
بے قدر ہوا ہائے وہ مرنے سے تمہارے — اب کون ہی پرساں
ہر لفظ کے نکتے سے ٹپکتا ہے لہو آج — قرطاس ہی گریاں
ہیہات نہ تھے دن ابھی رحلت کے تمہارے — اے قوم کے درماں
محبوب تھے تم خلق کے کیوں دل نہ ہمارا — فرقت میں ہو نالاں
مہمانوں پہ کرتے تھے کرم آپ ہمیشہ — اے حاتم دوراں
مہمانوں سے اپنے یہ کہا کرتے تھے اکثر — مانوں گا میں احساں
انگلنڈ میں موجود ہوں یا ملک دکن میں — ہونا مرے مہماں
حاضر ہے تمہارے لیے ہر وقت مرا گھر — ہر لحظہ ہر اک آں
وہ لطف و کرم جود و احسان و عنایت — سب ہو گئے پنہاں
مہمانوں کی کثرت ہی چلے آتے ہیں دور سے — از چین و خراساں
کثرت سے بشر عالم امکاں میں ہیں موجود — کم ہیں مگر انساں
اے خاک بزیر تو ستدہ آں دُر مکنوں — رکھنا تو ذرا دھیاں

آتی ہیں نظر حوریں بھی خوش خلد بریں میں — بشاش ہیں غلماں
حوران بہشتی تمہیں زیبا ہے مسرت — تم کیوں ہو نازاں
شبنم بھی ذرا اشک بہاتی ہی چمن میں — ماتم میں ہے گریاں
پھرتی ہی صبا خاک اُڑاتی ہوئی در در — باحال پریشاں
بے باک تھا بے خوف تھا آقا کا وفادار — کرتا تھا فدا جان
ذی علم تھا ذی فہم تھا دل اُسکا قوی تھا — پھر کیوں ہو پریشاں
منظورِ نظر رہتا تھا خوفِ شہِ والا — تھا دل سے ثنا خواں
کیا ظاہر و باطن میں تھا وہ شہ کا فدائی — حاضر تھے دل و جاں
آصف کے نمک خواروں میں بے مثل تھا یکتا — وہ صاحب ایماں
بتلائیے سید کوئی جینے کا سہارا — ہم ہوتے ہیں ہلکاں
بے قافلہ سالار ہوا قافلہ سارا — اے قافلہ کی جاں
بیوہ پہ تو اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا ہے — فرقت میں ہیں نالاں
لولو[۱] کی وہ حالت ہے کہ پھٹتا ہی کلیجہ — ہے چاک گریباں
کیا آئی یتیمی کی بلا حسرت و دردا — ہی حال پریشاں
کیا اشک بہاتے ہیں سید ترے بھیا — مثل شمع سوزاں
دو اُن کو تسلی کہ یہ صدمہ ہی بہت سخت — بھیا کے دل و جاں
فرزند جواں ہائے کھڑے کرتے ہیں زاری — کیا ہو کے پریشاں
ڈھارس دو اُنہیں اُٹھ کے ذرا پیار سے سید — ہیں چاک گریباں
ماں جائی بہن صورت تصویر کھڑی ہی — ہے قالب بیجاں
تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کر — کیوں آج ہو انجاں

[۱] مرحوم پیار سے اپنی صاحبزادی کو لولو فرمایا کرتے تھے۔

کیا پیار و اخلاص تھا صاحب سے ہمارے | اے سید ذیشاں
وہ تیر افدائی ہے بہت مضطر و گریاں | بے طرح پریشاں
اب دہیان بھی کرتے نہیں تم رونے پہ اُنکے | کیوں آج ہوا انجاں
دلداری ذرا کیجیے مہجور کی اپنے | دل اسکا ہے بریاں
ماں جائی کا نوحہ ہے کہ دیکھو مرے بھیّا | کیا ہوتا ہے ساماں
جس گھر میں کہ دن رات خوشی ہوتی تھی پیہم | ہے آج وہ سنساں
اے بھائی سُنو کیسا یہ کہرام مچا ہے | کیسے ہیں یہ مہماں
کیوں رشک نہو چاندنی پہ ہم کو کہ اسکا | تربت پہ ہی داماں
کس طرح سے چین آئے کہ ہم دور پڑے ہیں | با حال پریشاں
کچھ حد بھی ہے عبّاسی ترے رنج و الم کی | جائے گی تری جان
بہتر ہے قلم روک خدا سے یہ دعا کر | اے خالقِ یزداں
کر ہم کو عطا صبر تو اور خلد بریں میں | سیّد ہو خراماں

دیگر عباسی بیگم اہلیہ سید محمد اسمٰعیل
سابق مددگار تعمیرات حیدرآباد دکن

جشن تاجپوشی

حضور ملک معظم ہز مجسٹی جارج پنجم خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کا جشن تاجپوشی جس کیوجہ سے عروس البلاد لندن جون کے آخری ہفتہ میں گوناگوں دلچسپیوں کا مجموعہ بنا ہوا تھا زمانۂ حال کے اُن اہم واقعات میں سے ہے جو اپنے معاشرتی و تمدنی نتائج کے لحاظ سے تاریخ عالم میں نمایاں درجہ حاصل کرنے کے مستحق سمجھے جا سکتے ہیں اور اس کی مسرت آمیز

یادگار صفحۂ دنیا پر مدت مدید تک موجودہ و آیندہ نسلوں کی دلبستگی کا ذریعہ ثابت ہوتی رہے گی۔

سلطنت برطانیہ کے ساتھ چشم بد دور آج جو ملکی و تجارتی خصوصیات وابستہ ہیں وہ باخبر اشخاص سے پوشیدہ نہیں۔ جو حکومت روے زمین کے پانچویں اور بنی نوع آدم کے چوتھائی حصہ کی مالک ہو۔ جس سلطنت میں کبھی آفتاب غروب نہوتا ہو اور جس کی انصاف پسندی اور معدلت شعاری نے چالیس کروڑ نفوس انسانی کے قلوب کو مسخر کر رکھے ہوں اُس کے جاہ و جلال اور عظمت و اقتدار کا اندازہ ناممکنات سے ہے۔ ضروری تھا کہ ایسے ذی مرتبت فرماں روا کا جشن تاجپوشی اُسی تزک و احتشام سے منایا جاے جو اُس کے شایان شان ہو۔ مراسم جشن جس اعلیٰ پیمانے پر ادا کی گئی ہیں اور اُن کے اہتمام و انصرام میں جو گرانقدر اخراجات برداشت کیے گئے ہیں اُنکی کیفیت سُن کر دل سے بزم کیانی و جشن جمشیدی کے نقشے اُتر جاتے ہیں اور انگریزی سلطنت کی صولت و عظمت کا نقش اور گہرا ہو جاتا ہے۔

جون کی ۲۲ تاریخ اس مبارک رسم کے لیے مقرر تھی۔ مسلسل کئی مہینوں کی کوشش اور لاکھوں کے صرف سے وقت مقررہ تک جشن کی تیاریاں ہوائیں۔ اس کے مبسوط حالات کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہوگی۔ لیکن مختصراً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس موقع پر لندن کی آرایش و زیبایش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔ شاہی مہمانوں کی آمد اور عام نظارگیوں کی کثرت سے لندن کی آبادی میں غیر متوقع اضافہ ہو گیا تھا اور جیسے جیسے تاریخ قریب آتی جاتی تھی ویسے ویسے شہر کی دلبستگیوں کے ساتھ آدمیوں کا ہجوم بھی روزافزوں تھا۔

عام گذرگاہیں، شاہی محلات، سرکاری اماکن اور پرائیویٹ مکانات اور دکانیں غرض ہر چیز دل آویزی میں بجاے خود نمونۂ بہشت بنی ہوئی تھی۔ ایک طرف گورمنٹ نے

موقع کی اہمیت کا خیال کر کے اہتمام جشن میں پوری پوری ہمت دکھائی تھی۔ اور دوسری جانب رعایا نے اپنے ہر دلعزیز بادشاہ کے نام پر ہزاروں اور لاکھوں خرچ کر کے اپنی فرماں پذیری اور وفاداری کے حوصلے نکالے تھے اور تاریخ مقررہ سے پہلے ہی پہلے لندن میں وہ چہل پہل پیدا ہو گئی تھی جسکا اندازہ کچھ وہی خوش نصیب کر سکتے ہیں جنھیں بذات خود شرکت جشن کی عزت ملی تھی۔

جشن کا پروگرام پہلے سے مرتب ہو گیا تھا۔ اور جملہ کارروائی اُسی کے مطابق عمل میں لائی گئی تھی۔ ۲۱ جون کو شاہی محل میں غیر ملک کے سفیروں کی دعوت کی گئی اس میں ہندوستان کے بعض والیان ریاست کے ماسوا اکثر سلطنتوں کے ولی عہد اور شاہی خاندان کے اراکین بھی مدعو تھے۔ مہمانوں کو حضور ڈیوک آف کناٹ کی میزبانی کا شرف حاصل تھا۔ اُسی دن انگریزی نوآبادیوں کے وزرا، اور قائم مقاموں کو ملک معظم کے حضور میں باریابی کا فخر عطا ہوا۔ اِسی تاریخ میں شب کو نہایت وسیع پیمانے پر شہر میں روشنی کی گئی اور رات بھر لوگ سڑکوں پر گشت لگاتے اور تماشا دیکھتے رہے۔ خلقت کا بے حد ہجوم تھا۔ راستوں پر کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ یہ رات گزرنے پر وہ صبح نمودار ہونے والی تھی، جس کے دل خوش کن انتظار نے لوگوں کی آنکھوں سے نیند اُڑا رکھی تھی۔ تماشائیوں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی اور ان کی منتظرانہ حالت اس وقت تک قائم رہی جسوقت تک کہ لنڈن ٹاور سے توپوں کی آواز نے نعرۂ مبارکباد کی طرح اُٹھکر یہ نہ بتا دیا کہ جشن کی ساعت سعید آپہونچی۔ جلوس کے راستے پر صبح ہی سے پولیس و فوج کا انتظام ہو گیا تھا۔ گذرگاہ کے دونوں جانب خلقت کا ہجوم تھا۔ ۴۵ ہزار فوج لارڈ کچنر کی نگرانی میں مصروف انتظام تھی۔ اور اس کے علاوہ کثیر تعداد میں پولیس تھی۔ ان کی متحدہ کوشش سے کسی قسم کا فساد نہیں پیدا ہونے پایا۔ تماشائیوں نے اپنی اپنی جگہ سویرے ہی سے سنبھال لی تھی۔ مطلع ابرآلود تھا، اور جلوس کی روانگی کے وقت ترشح بھی ہو رہا تھا۔

بموجب قرارداد بکنگھم پیلیس سے جلوس روانہ ہوا۔ پہلے غیر ملکوں کے شاہزادے اور سفیر تھے پھر انگلستان کے شاہی خاندان کے نوجوان ارکین۔ آخری گاڑی میں حضور پرنس آف ویلز شاہزادی میری۔ اور شاہزادہ البرٹ تھے۔ ان کو دیکھکر لوگوں نے چاروں طرف سے نعرہ ہائے مسرت بلند کیے۔ اس حصہ کے گزرنے کے بعد کچھ وقفے سے توپیں دغنا شروع ہوئیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شاہی جلوس اب محل سے روانہ ہوتا ہی۔ اُس وقت تماشائیوں کے ذوق و شوق کی عجیب کیفیت تھی جسکا اظہار زبان قلم سے ناممکن ہی۔ حضور ملک معظم کی سواری کا دلفریب نظارہ کرنے کے لیے آفتاب عالمتاب بھی جو اب تک ابر میں چھپا ہوا تھا اب نکل آیا تھا۔ اور اہل جلوس کی مُطلّا وردیوں اور صاف شفاف ہتیاروں کی چمک دمک نے اس کی سُنہری کرنوں کے ساتھ ملکر عجیب لطف پیدا کر دیا تھا۔

سب سے آگے شاہی گارڈ کا بینڈ بج رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک گاڑی میں شاہی خاندان انگلستان کے محترم اراکین تھے اور ان کے پیچھے حضور ملک معظم کی بحری و بری فوجی مصاحبین جن کی زرق برق پوشاکیں نظارگیوں کی آنکھیں خیرہ کر رہی تھیں۔ ان سب کے بعد ہز مجسٹی کی خاص گاڑی تھی جس میں خود بدولت اور ملکہ معظمہ رونق افروز تھیں۔ بگھی میں آٹھ سبزہ گھوڑے لگے تھے۔ اس بگھی سے بعض تاریخی دلچسپیاں وابستہ ہیں۔ یہ شاہ جارج سوم کی جشن تاجپوشی کے لیے ۱۷۶۱ء میں تیار کی گئی تھی۔ اسکا وزن چار ٹن سے کسی قدر زیادہ ہی اور اس کی تیاری پر ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیے کی لاگت آئی تھی۔ گل کاری اور بیچے کاری کا کام اس پر اس درجہ پختہ کیا گیا ہی کہ آج بھی وہ بالکل نئی معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہ و ملکہ کی سواری کے گذرتے وقت ہر طرف سے شور مبارکباد بلند تھا کہ توپوں اور گھنٹوں کی آواز بھی ماند پڑ گئی تھی۔ رعایا کے اظہار شادمانی پر بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ دونوں زیرلب مسکراہٹ سے اپنی دلی خوشی کا اظہار فرماتے جاتے تھے

اور بار بار سر اقدس کی حرکت سے اُس کے جوش و خروش اور خلوص کا گویا شکریہ ادا فرماتے تھے۔

شاہی بگھی کے پیچھے لارڈ کچنر اور لارڈ رابرٹس گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے عقب میں ہندوستان اور نوآبادیوں کی فوجیں تھیں۔ اول الذکر کی موجودگی سے جلوس میں اور ہی لطف پیدا ہو گیا تھا۔ ہر شخص کی توجہ انہیں کے جانب تھی اور تماشائیوں نے عام طور پر ان کے لیے نہایت گرمجوشی سے چیرز دیئے اور نعرے بلند کیے۔ جلوس کے آخری حصہ میں شاہی گارڈ کی ایک پلٹن تھی۔ جسوقت جلوس لندن کے مشہور و معروف گرجے ویسٹ منسٹر ایبے کے قریب پہونچا تو آفتاب پھر چھپ گیا تھا لیکن بارش نہیں ہوئی۔

ایبے پر اس وقت عجیب سماں برس رہا تھا۔ اس کی آرایش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔ ہر طرف رنگ برنگ کے پھولوں سے زینت دی گئی تھی۔ اور جگہ جگہ عالیشان خوش وضع محرابیں بنائی گئی تھیں۔ جابجا سفید ستونوں کی خوبصورت قطاریں تھیں جنکے اوپر ایک سرے سے دوسرے تک جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ ستونوں میں پھولوں کے ہار لپیٹے گئے تھے اور انکے اوپر برٹش نوآبادیوں اور دیگر مقبوضات شاہی کے نشانات نصب تھے آرایش میں اگرچہ سادگی کا زیادہ خیال رکھا گیا تھا لیکن اس سادگی میں بھی ہزاروں طرح کی دل آویزیاں پیدا تھیں۔

ایبے کے داخلہ کا وقت ۵ ½ بجے صبح سے تھا اور ۶ بجے تک تمام نشستگاہیں معمور ہو گئی تھیں۔ سات ہزار معززین ایبے کے اندر وقت موعودہ پر موجود تھے۔ اور اس تعداد کو ممتاز سرکاری حکام۔ ممبران پارلیمنٹ اور مذہبی رہنماؤں کے علاوہ ہر علم و فن کے قائم مقاموں پر مشتمل سمجھنا چاہیے۔

شاہی جلوس کے پہنچنے پر سابقہ ترتیب کے مطابق پہلے سفرا وغیرہ پھر حضور ولیعہد بہادر اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ حضور ممدوح کے دستِ مبارک

میں ایک چھوٹا سا تاج بھی تھا۔ آپ ایک نمایاں جگہ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضور ملکہ معظم اور ملکہ میری کی تشریف آوری کے وقت تمام حاضرین تعظیماً سرو قد کھڑے ہو گئے۔ پیشوایان مذہب کے گذرنے کے بعد حضور ملکہ معظمہ داخل ہوئیں۔ دو بشپ صاحبان اور اکثر خواتین آپ کے ہمراہ تھیں۔ پھر لوازمات تاجپوشی لائے گئے۔ آخر میں اعلیحضرت ملک معظم تشریف لائے آپ کے دونوں جانب بشپ صاحبان تھے۔ ممتاز افسرانِ فوج جلو میں تھے۔ آپ کو دیکھ کر حاضرین نے نعرۂ سلامتی بلند کیا کہ

"خدا بادشاہ و ملکہ کی عمر دراز کرے"

بادشاہ سلامت کا تخت قربان گاہ کے سامنے رکھا گیا تھا۔ اس کے داہنے طرف کمیونین سروس[۱] کا سامان ایک لانبی میز پر رکھا تھا۔ چبوترے پر نیلے رنگ کا قالین بچھا تھا جس پر دو نفیس کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ہز مجسٹی اور ملکہ معظمہ نے پہلے اپنے تخت کے قریب پہونچکر اور سر جھکا کر خاموشی کے ساتھ کچھ دعا پڑھی اور پھر کرسیوں پر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد آرچ بشپ آف کنٹربری نے حضور ملک معظم کا تعارف حاضرین سے کرایا اور بیان کیا کہ

"آپ بلا ریب و شک اس سلطنت کے حکمراں ہیں"

حاضرین نے جواب میں "خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے" کا شور بلند کیا آرچ بشپ آف یارک نے دعا پڑھی۔ حضور ملک معظم نے حلف لیا اور جسم مبارک پر تیل[۲] کی مالش کی گئی۔ آرچ بشپ آف کنٹربری نے فرق اقدس پر تاج رکھا۔ اسپر حاضرین نے نہایت جوش و خروش سے مسرت کا اظہار کیا۔ بگل بجے۔ توپیں دغیں اور خوشی کے گھنٹوں نے اپنی بلند آواز سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔

---

[۱] یہ ایک مسیحی مذہبی رسم ہے۔ اردو میں اسکو "عشاء ربانی" کہتے ہیں۔ [۲] انگلستان کی یہ ایک قدیمی رسم ہے کہ تخت نشینی کے وقت بادشاہ کے جسم پر تیل ملا جاتا ہے۔

انگلستان میں ہر تاجپوشی کے موقع پر نیا تاج تیار کیا جاتا ہے۔ ہز مجسٹی جارج پنجم کے تاج میں آپ کے نامور والد ماجد کے تاج کی بہ نسبت ۲ نیلم، ۵۲ ہیرے اور ۵۶ دیگر جواہرات زیادہ ہیں۔ ہندوستان کے مشہور عالم ہیرے کوہ نور کو اب علیا حضرت ملکہ معظمہ کے تاج میں جگہ دی گئی ہے۔

تاجپوشی کے بعد ہز مجسٹی تخت پر جلوہ بخش ہوئے حاضرین نے اظہار وفاداری کے طور پر سر تسلیم خم کیے اور کلیسا، رعایاے انگلستان اور خاندان شاہی کی جانب سے اقرار اطاعت و فرماں برداری عمل میں آیا۔ اس کے بعد ملکہ معظمہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی۔ آپ کنٹربری اور یارک کے لاٹ پادری صاحبان کے ہمراہ قربان گاہ کے روبرو تشریف لائیں اور آپ کو تاج پنھایا گیا۔ تخت شاہی کے سامنے سے گزرتے ہوئے آپ نے بھی اظہار وفاداری کی غرض سے سر مبارک خم کیا۔ اس کے بعد دیر مجسٹیز ایک دوسرے چھوٹے سے گرجے میں لیجا کر خلعت شاہی سے مزین کیا گیا۔ اور واپسی پر حاضرین نے آوازۂ مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

ان تمام مراسم کے ادا ہونے پر واپسی شروع ہوئی اور شاہی جلوس اسی تزک و احتشام سے دوسرے راستے سے ہوتا ہوا واپس آیا

۲۲۔ جون کی شب کو آتشبازی اور روشنی کا اہتمام قابل دید تھا۔ دوسرے روز جلوس شاہی ایک دوسری گذرگاہ سے نکالا گیا تاکہ وہ لوگ جو پہلے دن شاہنشاہ کے دیدار سے محروم رہ گئے ہوں آج بہرہ اندوز ہو سکیں۔ آج کسی قدر ترشح ہو رہا تھا لیکن حضور ملک معظم نے گاڑی کھلی رکھی تاکہ رعایا کو خداماں والا کی زیارت بسہولت ہو سکے۔

جشن کے موقع کو دلچسپ بنانے کے لیے جہاں سیر و تفریح کے اور سامان مہیا کیے گئے تھے وہاں دو ایک باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ گھوڑوں کی

ایک نمائش المپیا میں منعقد ہوئی تھی۔ اور ۲۴ جون کو جنگی بیڑہ جہازات کا ملاحظہ کیا گیا۔
اس قسم کا دلفریب نظارہ دنیا کی نظر سے آجتک نہیں گذرا۔ تقریباً چارسو جنگی جہازات
جمع کیے گئے تھے۔ حضور ملک معظم نے ملکہ معظمہ کے ہمراہ شاہی بجرے میں جلوہ افروز
ہوکر جہازات کے گرد چکر لگایا۔ اور جہاز والوں نے نعرہ ہاے مسرت سے خیر مقدم کیا
رات کو ان جہازات پر برقی روشنی کی گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سمندر میں گویا آگ لگی ہوئی ہے
۳۰ جون کو کرسٹل پیلیس میں مدارس کے ایک لاکھ بچّوں کی دعوت اپنی نوعیت کے
لحاظ سے بالکل عجیب چیز تھی جس کی تحریک ملک معظم نے فرمائی تھی۔

اس اجمال سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کس خوش اسلوبی و شان و شوکت سے رسم
تاجپوشی ادا کی گئی۔ حضور ایڈورڈ ہفتم آنجہانی کے عہد میں بھی اسی موقع پر نہایت دھوم دہام
ہوئی تھی لیکن آپکے عالی منزلت جانشین کی تاجپوشی جس پیمانے پر کی گئی ہے اسکا قیاس
صرف اسی ایک بات سے ہوسکتا ہے کہ اب کی مرتبہ تمام اخراجات کا تخمینہ ۴۵ لاکھ روپیہ
نقد کیا گیا ہے۔ بحالیکہ گذشتہ مرتبہ ساڑھے تین لاکھ کے قریب صرف ہوا تھا۔ ذیل میں بعض
اخراجات کی جداگانہ تفصیل شمار اعداد کے ذریعہ دیجاتی ہے امید کہ ناظرین دلچسپی سے دیکھیں گے

عام اخراجات .. .. ۵۰۰۰۰ پونڈ
اخراجات متعلق فوج .. .. ۸۰۰۰۰ پونڈ
اخراجات افواج بحری .. .. ۲۰۰۰۰ پونڈ
ہندوستانی مہمان اور ہندوستانی فوج .. ۳۷۰۰۰ پونڈ
اخراجات متعلق تعمیرات .. .. .. ۳۳۰۰۰ پونڈ
بیرونی سفراء کی مہمانداری .. .. .. ۹۰۰۰ پونڈ
روشنی .. .. ۲۰۰۰۰ پونڈ

(از ادیب) سید محمد فاروق (شاہپوری)

احادیثِ متفرقہ

بسلسلۂ سابق

مسلم بن عُبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ فرمایا محبوب خدا نے کہ جو گواہی دے اس بات کی کہ سوائے خدا کے کوئی بندگی کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہی اللہ کا تو اللہ تعالیٰ نے اُس پر دوزخ حرام کی۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا کہ جو مجھپر ایک بار درود پڑھیگا خداوند تعالیٰ اُس پر دس بار رحمت کریگا۔ درود پڑھنے کا ثواب بحساب ہی اور حدیث میں حضرت نے فرمایا ہی کہ قیامت کی مصیبتوں میں جب لوگ گرفتار ہونگے تو میں اوّل اُن کو بخشاؤنگا جو مجھ پر بہت درود پڑھا کرتے تھے۔

مسلم میں عبادہ بن صامت سے روایت ہی کہ فرمایا سردار کائنات نے کہ جو گواہی دے اس دنل بات کی کہ سوائے خدا کے کوئی لائق بندگی کے نہیں اکیلا ہی کوئی اسکا شریک نہیں اور گواہی دے کہ محمد اُسکا بندہ ہی اور اُسکا پیغمبر۔ اور گواہی دے کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ ہے اور اسکا پیغمبر، اور اللہ کی بات سے بنا ہی جو مریم کی طرف ڈالی تھی یعنی صرف حکم خدا سے بنا ہی کوئی اسکا باپ نہیں اور عیسیٰ اللہ کی بنائی روح ہی۔ اور گواہی دے کہ بہشت دوزخ سچ مچ ہی۔ خدا اسکو جنت میں لیجائیگا کیسے ہی اسکے کام ہوں۔

یعنی جس مسلمان کے عقیدے قرآن و حدیث کے موافق درست ہوئے وہ مقرر بہشتی ہی نیک کام اُسکے ہوں یا بد۔ خواہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے یا حضرت کی شفاعت سے اُسکے سب گناہ معاف کردے۔ خواہ بقدر گناہ دوزخ میں پڑے پھر بہشت میں جائے مسلمان سدا دوزخ میں نہ رہیگا۔ آخر اسکو نجات ہی بباعث برکت کلمے کے۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا ہادی برحق نے کہ جو اپنے بھائی
مسلمان کی مشکل آسان کردے دنیا کی مشکلوں سے تو اللہ تعالیٰ اُس کی مشکل آسان
کردیگا قیامت کی مشکلوں سے۔

بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ جو صبح شام سبحان اللہ وبحمدہ سو بار پڑھا کریگا تو قیامت کے دن اس سے
بہتر کوئی عبادت نہ لائیگا مگر وہی شخص جو پڑھا کیا ہو اسی طرح یا اسپر کچھ بڑھ کے۔ یعنی
اسکے پڑھنے والے کی برابر وہی شخص ہی جو سبحان اللہ بحمدہ کو سوبار یا زیادہ پڑھتا ہوگا
اسکے سوا اور کوئی اس کی برابر نہیں۔ سبحان اللہ کیا رُتبہ ہی سبحان اللہ بحمدہ
کے پڑھنے کا۔

بخاری اور مسلم میں ابو ایوب سے روایت ہی کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ جو
لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر دس بار پڑھیگا
تو اسکا ثواب اُس کی برابر ہوگا جس نے چار غلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی
اولاد سے آزاد کیے۔

غلام کوئی ہو اُسکے آزاد کرنے میں ثواب ہی لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ذات
میں سب سے افضل ہی لہذا اُن کے آزاد کرنے میں زیادہ تر ثواب ہی۔ اس حدیث سے
کلمۂ توحید کی فضیلت اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد یعنی عرب کی شرافت ثابت ہوئی۔

بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا مقبول خدا نے کہ جو کلمۂ توحید کو
ایک دن سو بار پڑھے اسکو دس غلام آزاد کرنے کی برابر ثواب ملیگا اور سو نیکیاں اُسکے واسطے
لکھی جائینگی۔ اور سو برائیاں اُس کی مٹائی جائینگی اور اُس دن شام تک اُسکو شیطان سے پناہ
رہیگی اس سے بہتر کوئی نہیں مگر جسنے کہ اس سے زیادہ پڑھا۔ اور جو سبحان اللہ وبحمدہ
ایک دن میں سو بار پڑھیگا اُسکے گناہ چھیل ڈالے جائینگے اگر سمندر کی پھین برابر ہوں

یعنی اگرچہ بہت ہوں معاف ہونگے ۔

بخاری میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت صلعم نے کہ جو ایمان سے ثواب کے واسطے شب قدر میں جاگیگا اور نماز پڑہیگا تو اُس کے قبل کے گناہ معاف ہوجائینگے اور ایمان سے اور ثواب کے واسطے رمضان کے روزے رکھے گا تو اُس کے قبل کے گناہ بخشے جائینگے ۔

بخاری و مسلم میں ربیع سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا جس نے صبح سے روزہ کھا ہو وہ اپنا روزہ پورا رکھے ۔ اور جسنے صبح سے روزہ توڑا ہو باقی دن کو تمام کرے یعنی کچھ نہ کھائے ۔ قریش مکے میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے حضرت بھی رکھتے تھے ۔ جب مدینہ میں حضرت آئے تو عاشورے کے روزہ کا حکم کیا لوگوں کو اور یہ حدیث فرمائی پھر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ فرض نہ رہا ۔ بعض رکھتے تھے سنت جان کر اور بعض نہ رکھتے تھے ۔

بخاری و مسلم میں روایت ہی ابوسعید سے کہ فرمایا محمد مصطفےٰ نے کہ جو اعتکاف بیٹھا ہو وہ پھر آوے اپنے اعتکاف کے مقام پر پس میں نے مقرر شب قدر کو خواب میں دیکھا ہی اور مجکو دکھادیا ہی کہ میں سجدہ کرتا ہوں پانی اور مٹی میں یعنی شب قدر وہ رات ہی کہ جس میں پانی برسیگا اور میں کیچڑ میں سجدہ کرونگا ۔

صحیح بخاری میں اسکا پورا قصہ ابوسعید سے یوں مروی ہی کہ ہم ایک سال رمضان شریف میں شب قدر کے واسطے دسویں تاریخ سے اُنیسویں تک حضرت کے ساتھ مسجد میں اعتکاف بیٹھے تو حضرت نے بیسویں کی صبح کو فرمایا کہ شب قدر مجکو معلوم ہوئی تھی میں بھول گیا اب پچھلے دہے میں تلاش کرو طاق راتوں میں اور میں نے خواب میں شب قدر کو دیکھا ہی کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کرتا ہوں ۔ پس جسنے اعتکاف توڑا ہو وہ پھر مسجد میں آکر اعتکاف کرے ۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ اُسوقت آسمان پر کہیں بدلی کا ٹکڑا بھی نہ تھا پھر بدلی ہوئی اور یہانتک بارش ہوئی کہ حضرت

کی چھت ٹپکی پھر حضرت نے اُس کیچڑ میں نماز پڑھی - اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب قدر اکیسویں رات کو ہوئی تھی -

مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہی کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ عاشورہ کے دن یعنی محرم کی دسویں تاریخ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے -

اول عاشورہ کا روزہ فرض تھا جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو عاشورے کا نہ رہا مستحب ہے - حدیث میں آیا ہی کہ اسکے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں (عاشورہ کا روزہ اسلیے رکھاجاتا تھا کہ دسویں محرم کو حضرت موسیٰ اور اُن کی قوم نے فرعون کے پنجہ سے رہائی پائی تھی)

مسلم میں ابوہریرہ اور ایوب سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت نے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر عید کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے جسکو شش عید کہتے ہیں تو اُس نے گویا برس روز کے روزے رکھے -

سبب اسکا یہ ہی کہ برس کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور شرع میں ایک نیکی کا ثواب دس گُنا ہی تو چھتیس دن کا دس گُنا تین سو ساٹھ ہوتے ہیں -

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت پیغمبر خدا نے کہ جو شخص مرجائے اور اُسپر روزے ہوں قضا نہ کرسکا ہو تو اس کی طرف سے اُسکا وارث روزہ رکھے -

امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام اعظم کے مذہب میں ہر روزے کے عوض صدقہ فطر کی برابر وارث مردے کی طرف سے ادا کرے چنانچہ امام اعظم کی اور حدیث دلیل ہے -

بخاری میں ابوہریرہ سے مروی ہی کہ فرمایا حضرت نے کہ جو روزے میں بہتان کرنا اور جھوٹی واہی تباہی باتیں نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اُسکے کھانا پینا چھوڑنے کی کچھ پروا نہیں -

یعنی روزہ رکھنے سے یہ غرض ہی کہ آدمی کا ظاہر باطن پاک ہو اور جب واہی تباہی قول فعل کرتا رہا تو کھانے پینے کے چھوڑنے سے وہ غرض حاصل نہوئی اگرچہ فرض گردن ادا ہوا لیکن بے لطف

. بخاری و مسلم میں سہیل بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ بہشت میں ایک دروازہ ہے جسکو ریّان کہتے ہیں یعنی پیاس بجھانے والا اُس میں سے روزہ دار جائینگے قیامت کے روز کوئی اور اُس سے نہ جائیگا اُنکے سوائے - کہا جائیگا کہ کہاں ہیں روزہ دار بس وے اُٹھ کھڑے ہونگے - نجائیگا کوئی اُس سے انکے سوائے جب وہ جا چکیں گے تو دروازہ بند کیا جائیگا -

. بخاری و مسلم میں روایت ہی عبداللہ بن عمر سے کہ فرمایا حضرت نے کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجکو دن میں کھانا پینا ملتا ہی یعنی جس طرح آدمی کو کھانے سے طاقت ہوتی ہی مجکو بدون اس کے خدا طاقت دیتا ہی - یا درصل کھانا خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو کھلایا ہو -

حضرت نے اصحاب کو طے کے روزے سے منع فرمایا یعنی دو روز یا زیادہ برابر روزہ رکھنا اور رات کو بھی نہ کھانا کسی کو درست نہیں - اصحاب نے پوچھا کہ آپ جو طے کا روزہ رکھتے ہیں اسکا کیا سبب ہے - پس حضرت نے یہ حدیث فرمائی یعنی مجکو اپنی طرح نہ سمجھو - مجکو درست ہی تم کو درست نہیں -

. بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہ پیشوائی کوئی کرے رمضان کے ایک دن یا دو دن کا روزہ رکھکر مگر وہ مرد جو اپنی عادت سے کوئی روزہ رکھا کرتا ہو روزہ رکھے -

یعنی جیسے بطور سنت کسی کو دوشنبہ یا پنجشنبہ کے روزے کی عادت ہو اور وہ دن رمضان سے متصل پڑے تو اسکو روزہ رکھنا درست ہی لیکن صرف رمضان کے پیشوائی کا ایک دو روزے رکھنا درست نہیں -

. بخاری میں سہیل بن سعد سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ خیر سے رہیں گے جبتک روزہ جلد کھولا کرینگے - سورج ڈوبتے اوّل وقت روزہ کھولنا مستحب ہی اور سبب ہی خیر کا اسواسطے کہ حضرت کی سنت ہی -

مسلم میں ابوسعید سے روایت ہی کہ حضرت نے فرمایا کہ روزہ رکھنا درست نہیں

دو دنوں میں ایک تو عید قربانی کے دن دوسرے عید الفطر میں۔

دونوں عیدوں میں روزہ رکھنا حرام ہی سب مجتہدوں کے نزدیک۔

بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت صلعم نے کہ جب کوئی صبح کرے کسی دن اس حال میں کہ روزہ دار ہو تو بیہودہ نہ بکے اور نہ جہالت کرے اور اگر کوئی مرد اسکو گالی دے یا اسکو کوسے اُسپر لعنت کرے تو چاہیئے کہ یوں کہے کہ میں تو روزہ دار ہوں۔

یہ بات یا زبان سے کہے کہ شاید وہ شخص شرما کر چُپ رہے یا اپنے دل میں کہے کہ میں تو روزہ دار ہوں مجکو مناسب نہیں کہ اسکا جواب دے کر جاہل بنوں اور اپنے روزے کا لطف کھوؤں۔

بخاری و مسلم میں روایت ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب سامنے آئے سیاہی رات کی پورب سے اور جائے دن اور ڈوبے آفتاب پس روزہ دار روزہ کھولے۔

مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت محبوب خدا نے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہی تو بہشت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کیے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں باندھے جاتے ہیں۔

اس حدیث میں رمضان کی برکت اور فضیلت کا بیان ہی اسواسطے کہ جب آدمی نے روزہ رکھا اور پیٹ خالی ہوا۔ اکثر گناہوں سے بچے رحمت الٰہی کا جوش ہوا جنت کے دروازے کھُلے۔ دوزخ بیکار ہوئے شیطان بند ہوئے اسواسطے کہ اکثر شیطان کا قابو آدمی پر پیٹ بھرے میں ہوتا ہی۔ اور اکثر بے نمازی لوگ بھی رمضان میں روزہ رکھتے ہیں اور نماز شروع کرتے ہیں۔ یہ دلیل ہی شیطان کے قید ہونے کی۔ غرض رمضان کی برکت میں کچھ شبہ نہیں۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا پیغمبر خدا نے کہ جب تم رمضان کا چاند دیکھو روزہ رکھو۔ اور جب اُسکو دیکھو یعنی عید کے چاند کو تو روزہ کھولو اور اگر بدلی گھری تم پر تو تیس رمضان کے دن روزہ رکھو۔

بخاری و مسلم میں زید بن ثابت سے روایت ہی کہ فرمایا حضرت نے کہ ہمیشہ رہا تمہارے ساتھ تمہارا عمل یعنی تراویح کے واسطے جمع ہونا یہانتک کہ مینے گمان کیا کہ وہ تم پر قریب ہی کہ فرض ہو جائے سو لازم کرو نماز کو اپنے مکانوں میں اسواسطے کہ بہتر نماز مرد کی اپنے گھر میں ہی۔ مگر فرض نماز یعنی فرض نماز مسجد میں۔

حضرت نے ایک سال رمضان میں مسجد کے اندر چٹائی کا حجرہ بنایا عبادت و اعتکاف کے واسطے۔ حضرت اسکے اندر رات کو تراویح کی نماز پڑھتے چند اصحاب بھی ساتھ ہوتے ایک شب بہت لوگ مسجد میں جمع ہوئے حضرت نے اُس شب کو نماز نہ پڑھی اصحاب سمجھے کہ حضرت سو گئے۔ بعضے اصحاب کھانسنے لگے تاکہ حضرت بیدار ہوں اور نماز پڑھا دیں۔ پس حضرت نے اُسوقت یہ حدیث فرمائی کہ یعنی میں ڈرتا ہوں کہ تراویح کی نماز تم پر فرض ہو جائے پھر اگر نہو سکے گی تو گنہگار ہو گے۔ اپنے گھروں میں پڑھو۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے خلافت میں تراویح کی نماز مسجد میں جاری کی اسواسطے کہ نماز کی خوبی حضرت کے فعل سے ثابت تھی۔ صرف فرض ہونے کے خوف سے حضرت نے موقوف کرادی تھی اور حضرت کے بعد وحی موقوف ہوئی فرض ہونے کا خوف نہ رہا۔

بخاری و مسلم میں جابر سے روایت ہی کہ فرمایا آنحضرت علیہ الصلوۃ و السلام نے کہ سفر میں روزہ رکھنا کچھ نیک کام نہیں۔ حضرت سفر میں تھے ایک شخص کو دیکھا کہ غش میں پڑا ہے اور لوگوں نے اُسپر سایہ کیا ہی۔ حضرت نے پوچھا کہ اسکو کیا ہوا ہی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص روزہ دار ہی۔ پس حضرت نے یہ حدیث فرمائی یعنی جب ایسی تکلیف ہو تو سفر میں روزہ رکھنا خواہ مخواہ ضرور نہیں۔ سب علما کا یہی مذہب ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں درست ہے

لیکن اگر طاقت ہو اور مضرت نہو تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔ خیال کیا چاہیے کہ وہ سفر بھی اُس
زمانہ کا کس قدر دشوار تھا کہ اونٹ و گھوڑے کی سواری وغیرہ کے سوا اور کیا تھی وہ بھی کیسے
کیسے ریگستان اور پہاڑی گذرگاہ تھے۔ بیشک ایسے حال میں روزہ دار شخص نہایت
سختی برداشت کریگا جسکے واسطے روزہ نہ رکھنے کی حدیث ہے۔ نہ کہ آجکل یہاں کے سفر
کیواسطے۔ ریل یا جہاز پر باآرام تمام بیٹھے رہے درحالیکہ تفریح و مذاق میں مشغول و مصروف
گویا اپنے مکان میں ہیں۔ سامان آرایش و آسایش بقدر ضرورت بلکہ ضرورت سے بھی زیادہ
ہرآن موجود۔ ایسے حال میں بھی اپنے فرض روزہ سے چشم پوشی کر گذرتے ہیں اور دیل اسی
حدیث شریف سے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث انہیں پر ہے کہ جو ایسی ایسی سختی میں مصیبت
کھینچنے والے تھے اور خواب و خورش کے سامان بھی کافی طور سے رکھنے والے نہیں تھے
اور دشت و کوہ سے گاہ پیادہ یا خواہ سوار چلنے والے تھے۔ اُس سفر کے مقابلہ میں آجکل
کا سفر بھی کوئی شمار میں ہے۔ خیر روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جبکہ درست کیا گیا ہے۔ پس
بحالت سختی سزاوار ہے کہ نہ رکھے مگر دوسری حالت میں رکھنا افضل ہے روزہ رکھنا چاہیے۔
کیونکہ جائے آرام و راحت میں طاقت زائل نہیں ہوتی بوجہ اسکے کہ دشت و ویراں کے
گشت سے محفوظ ہے اور خواب و خور کے مناسب سامان بھی موجود ہیں نہ حدت آفتاب کی طپش
ہے اور نہ سرگرانی و خلش۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر
تیرا جی چاہے تو روزہ رکھ اور اگر تیرا جی چاہے روزہ نہ رکھ۔ یہ حضرت نے حمزہ بن عمرو اسلمی
سے فرمایا اُس نے سفر میں روزہ رکھنے کا مسئلہ پوچھا تھا اور اُس کی عادت تھی کہ برابر
روزہ رکھتا تھا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں درست ہے۔
مسلم میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر میں آیندہ سال

تک زندہ رہا تو نویں تاریخ کا بھی ضرور رکھونگا ۔
حضرت مکے میں عاشورے کا یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے تھے جب مدینے میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی پھر مستحب جانکر رکھتے تھے اصحاب نے کہا کہ یہود بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں ۔ حضرت نے یہ حدیث فرمائی کہ اگر میں زندہ رہا تو اگلے محرم میں نویں اور دسویں دو تاریخ کا روزہ رکھونگا تاکہ یہود کی مشابہت نہ ہو پھر اس سال قبل محرم کے حضرت سرور کائنات کا انتقال ہوا ۔ اسی حدیث سے بعضے علمانے کہا ہے کہ نفل کا ایک روزہ رکھنا مکروہ ہے ۔
بخاری میں عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم علیہ الصلوۃ السلام نے کہ نہایت عزیز روزہ خدا کے نزدیک وہ روزہ ہے کہ ایک دن رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے اور نہایت عزیز نماز خدا کے نزدیک داؤد علیہ السلام کی نماز ہے کہ آدھی رات تک وہ سوتے تھے اور تہائی رات وہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور جب چھٹا حصہ رات کا باقی رہتا تھا پھر سو رہتے تھے
ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا اسواسطے پسند ہوا کہ برابر متصل رکھنے سے آدمی کو عادت ہو جاتی ہے اور روزہ کی کیفیت باقی نہیں رہتی ۔ اور تہجد کی نماز تہائی رات میں اسواسطے پسند ہوئی کہ اس میں جسم کا حق اور خدا کا حق دونوں بخوبی ادا ہوتا ہے نہ رات بھر کا سونا بہتر کہ سراسر غفلت ہے نہ جاگنا بہتر کہ سراسر مشقت اور جاگنا ہے ۔ اور آخر کو بسبب بیماری اور نقاہت کے بالکل تہجد نہیں ہو سکتی ۔ معلوم ہوا کہ پیغمبروں کا طریق اعتدال ہے تو عبادت میں زیادتی نہ نہایت کمی ۔ اور یہی راہ خدا کو پسند ہے کہ اسکا نباہ ہمیشہ ہو سکتا ہے ۔ اور معلوم ہوا کہ بعد تہجد کے سو رہنا مستحب ہے ۔ تاکہ نماز فجر بخوبی ادا ہو اور رات کے جاگنے کی مشقت سو رہنے سے دور ہو جائے ۔
روایت ہے بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ سے کہ فرمایا پیغمبر خدا نے کہ جو بیوہ عورت اور محتاج آدمی کی حاجت روائی میں کوشش کرتا ہے وہ ثواب میں اُس کی برابر ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے ۔ یا وہ کوشش کرنے والا ثواب میں ایسا ہے جیسے تہجد کی نماز پڑھنے والا جس کی کبھی نماز

نہ چھوٹے اور جیسے روزہ رکھنے والا جسکا کبھی روزہ نہ ٹوٹے۔

یعنی جو زکوٰۃ کا مال بیوہ عورت اور محتاج کے لیے جمع کرتا ہی یا خود اپنی کمائی سے اُن کی خبرگیری کرے اور اُن کا کام کردے اسکو غازی اور ہمیشہ تہجد پڑھنے والے اور مدامی روزہ دار کی برابر ثواب ہی۔ اس حدیث سے محتاجوں کی حاجت روائی کی عمدہ فضیلت ثابت ہوئی۔

حضرت نے دونوں دست مبارک کی دس اُنگلیاں اُٹھا کر تین اشارے کر کے فرمایا کہ مہینہ کبھی اُنتیس[۲۹] دن کا ہوتا ہی کبھی تیس[۳۰] دن کا۔ مسلم کی روایت میں اُنتیس ہیں اور بخاری کی روایت میں اُنتیس بھی ہیں۔ تیس بھی ہیں۔ شاید بعضے لوگوں نے کہا کہ رمضان کے مہینے کا روزہ ہم پر فرض ہوا اور کبھی رمضان اُنتیس دن کا ہوتا ہی تو چاہیے کہ پورے مہینے کا ثواب نہو پس حضرت نے یہ حدیث فرمائی اور کمال تصریح سے اشارہ کر کے فرمایا کہ ہر دو صورت میں ثواب برابر ہے۔

مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہی کہ فرمایا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان کے گناہوں کا اُتار ہیں جبکہ گناہ کبیرہ سے بچے۔

معلوم ہوا کہ نیکی صغیرہ گناہوں کو دور کرتی ہی اور کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور جس گناہ میں حق العبد ہو۔ یعنی آدمی کی تقصیر کی ہو تو اُس کے معاف کرنے پر اُس کی بخشش موقوف ہی۔

(باقی آیندہ)

کمترین
ح خ

مسلم یونیورسٹی فنڈ

اپریل سے جون تک کا وصول شدہ روپیہ رجسٹرار صاحب کے پاس علیگڈھ بھیجدیا گیا ہی
اسکے بعد جن بہنوں نے اپنا اپنا جمع کیا ہوا چندہ معہ رسید بکز کے عنایت کیا ہی اُسکا حساب
آج لکھا جاتا ہی - میں شکریہ ادا نہیں کرسکتی اپنی بہن بنت سید محمد حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ
ضلع سیالکوٹ کا جنھوں نے اپنی بڑی ہمشیرہ بیگم سید نذیر حیدر صاحب سے تین رسید بہیاں
لیکر تین ہفتے کے اندر اندر چندہ وصول کرکے بہیجدیا - جن دقتوں سے اُنھوں نے یہ سو
روپیہ وصول کیا ہی اسکا اندازہ کچھ وہی خوب کرسکتے ہیں جنھوں نے یہ کام کیا ہو - ایک کم عمر
لڑکی اور جسکو کنبہ برادری میں بھی آنے جانے کی اجازت نہو اسکے لیے یہ کام کسقدر مشکل ہی
لیکن صرف گھر کی آنے جانے والیوں اور چند رشتہ دار مستورات سے نہایت کوشش سے
اس قدر کرلیا - اور اُن کی کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ چند غریب مستورات نے اپنی کان کی بالیاں
اُتار کر اُن کے حوالے کردیں جنکو فروخت کردیا گیا -

اسی طرح میری عزیز بہن بنت خواجہ احمد حسن صاحب دہلی نے ڈیڑھ سو روپیے سے
ایک رسید بہی پُر کرکے عنایت کی - چونکہ انہیں دہلی رہتے تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہی - اہل شہر سے
کچھ واقفیت نہیں ہی لیکن اس قومی خدمت نے مجبور کیا بیگمات شہر سے واقفیت پیدا کرنے
بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ اور میں مشکور ہیں اُن بیگمات کی جنھوں نے اُنہیں مدد دی - اور
ساتھ ہی افسوس ہی اُن ایک ہمدرد قوم بہن صاحبہ کے حوصلے پر کہ جنکے شوہر نامدار نے اپنی
ایک تحریر اخبار میں شائع کرکے ہمارے چلتے ہوئے کام میں روڑا اٹکا دیا - لیکن اُنکے اس
اختلاف کا بھی شکریہ ہی کہ اُس تحریر کو پڑھکر بہت سی خواتین کو ہم سے ہمدردی ہوگئی -
مشکور ہوں بہن مسز غلام حسن جان صاحبہ مہو کی جنھوں نے اپنے گھر کے اور اپنے ملازمین کے

چندے سے ایک رسید بُک پُر کی۔

مہوبیں نہ تو تعلیم نسواں کا رواج اور نہ بہن صاحبہ موصوفہ کی اہل شہر سے واقفیت کیونکہ اُنہیں مہو گئے ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا۔ اُنھوں نے لکھا ہی کہ مجھے یہ تھوڑی رقم بھیجتے شرم آتی ہی۔ لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ وہاں کی حالت پر خیال کرتے ہوئے مجھے یہی رقم قابل قدر نظر آتی ہی۔ علاوہ اسکے ان بہنوں کا بھی شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ بیگم عزیز الدین صاحبہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے جھٹ پٹ کوئٹہ سے چندہ کرنے کے لیے مجھ سے رسید بُک طلب کی اور بنت شفقت علی میر منشی حضور ولی عہد صاحب بہادر بھوپال نے میری درخواست منظور کر کے وہاں کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اسوقت تک کے وصول شدہ چندے کا حساب درج ذیل ہے۔

بذریعہ رسید بُک نمبر ۴۰۹۷ وصول ہوئے للعہ ۱۴ ر
(معرفت بنت سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹ)

بیگم سید محمد ذکی صاحبہ ...... صہ ا
بیگم سید محمد احمد صاحبہ ..... عـہ
بیگم سید محمد عبد السلام صاحبہ عـہ
بنت سید محمد حامد شاہ صاحبہ سے ا
بنت سید محمد حامد شاہ صاحبہ عـعا ا
بیگم سید عبد الرشید صاحبہ عـصہ ر
بیگم شیخ عبد الرحمن صاحبہ عـصہ ر
بنت شیخ عبد الرحمن صاحبہ عـصہ ر
بیگم چودہری محمد بخش صاحبہ صہ ا
والدہ سید اکبر علی صاحبہ عـصہ

ہمشیرہ سید اکبر علی صاحبہ عـصہ ر
بیگم شیخ عبد اللہ صاحبہ عـصہ ر
بیگم کریم بخش صاحبہ عـصہ ر
بیگم عبد العزیز صاحبہ عـصہ ۴ ر
بیگم محمد شریف صاحبہ عـصہ ا
بیگم فضل الدین صاحبہ عـصہ ر
بیگم شرف الدین صاحبہ عـصہ ر
بیگم فضل الدین صاحبہ عـصہ ر
والدہ محمد الدین صاحبہ عـصہ ا
بیگم محمد شفیع صاحبہ ۸ ر
بیگم عبد المجید صاحبہ ۱۲ ر
بیگم محمد ظفر صاحبہ ۸ ر

ہمشیرہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے
بیرسٹر ایٹ لا ۶/
بیگم الہ دیا صاحبہ ۴/ ایک عورت ۴/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۸۹ وصول ہوئے ۱۴
(معرفت بنت سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹ)
بیگم سید فضیلت علی مرحوم عـ/
بیگم غلام محی الدین صاحبہ عـہ/
بیگم اللہ رکھا صاحب ڈاکٹر عـہ/
بیگم جلال خانصاحب ۸/ بیگم غلام محمد صاحبہ ۸/
والدہ فقیر محمد صاحبہ ۴/
ایک نادار بی بی صاحبہ ۶/
بیگم عبد الغنی صاحبہ ۱۴/
بیگم تاج الدین صاحبہ ۶/
والدہ تاج الدین صاحبہ ۴/
والدہ ظہور الٰہی صاحبہ ۲/
ایک غریب بی بی صاحبہ ۲/
بیگم شیخ مولا بخش صاحبہ ۸/
بیگم نظام الدین صاحبہ عـ۸/
والدہ محمد اسمٰعیل صاحبہ ۱۰/
رحی دائی ماجن عـ/ والدہ الٰہی بخش ۹/
ایک غریب بی بی ۴/

ہمشیرہ حکیم محمد عبد العزیز صاحبہ عـ/
غریب بی بی ۱۲/
بیگم محمد عبد العزیز صاحبہ عـہ/
والدہ عبد العزیز صاحبہ عـہ/
بیگم محمد شاہ ۶/ بیگم نور محمد صاحبہ ۵/
والدہ فضل حق صاحبہ ۶/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۹۱ وصول ہوئے ۱۴
(معرفت بنت سید حامد شاہ صاحبہ سیالکوٹ)
والدہ غلام محمد صاحبہ عـہ/
بنت غلام محمد صاحبہ للعہ/
بیگم سید حامد شاہ صاحبہ صـ/
بیگم عبد العزیز صاحبہ صـ/
بنت عبد العزیز صاحبہ سے/
بیگم عبد الحمید صاحبہ عـ/
بیگم سید حسام الدین صاحبہ عـ/
بہو سید حسام الدین صاحبہ عـ/
ہمشیرہ سید حامد شاہ صاحبہ عـہ/
خالہ صاحبہ سید حامد شاہ صاحبہ عـ/
بیگم فضل الدین صاحبہ عـہ/
بیگم محمد شفیع صاحبہ عـہ/
بیگم نور احمد صاحبہ ۸/

بیگم غلام محمد صاحبہ عـہ/
بنت نواب الدین صاحبہ عـہ/
بنت چراغ دین صاحبہ ۱۱/
بیگم محمد سلطان صاحبہ عـہ/
بیگم محمد اسمعیل صاحبہ ۴/
بیگم قمر الدین صاحبہ ۲/
بیگم قطب الدین صاحبہ عـہ/
ہمشیرہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے
بیرسٹر ایٹ لا عـہ/
میزانکل ما/
فیس منی آرڈر عـہ/
باقی ۹۹ /
بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۸۹۴ وصول ہوئے مالغہ ۱۴۶
۱۴/
(معرفت بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ دہلی)
بیگم عبد الرزاق صاحبہ پشاور ۳۰
و ۔ ح بنت نواب فیض احمد صاحبہ ۱۰
بیگم نواب رستم علیخانصاحبہ رئیس کرنال ۱۰
بیگم نواب ارشاد علیخانصاحبہ ۱۰
بیگم محمد سمیع صاحبہ ۱۰
حامد بیگم صاحبہ سردھنہ ۱۰
بیگم اسلم خان صاحبہ ۱۰

بیگم حبیب اللہ صاحبہ ۵/
والدہ صاحبہ قاضی عبد المجید ۵/
بیگم شریف احمد صاحبہ ۵/
بیگم غلام محمد صاحبہ ۵/
حوّا بی حبیب اللہ صاحبہ للعہ/
بیگم محمد فضل الدین صاحبہ عـہ/
بیگم نور الدین صاحبہ عـہ/
شریفن اللہ داد خانصاحبہ عـہ/
بیگم عبد اللطیف صاحبہ عـہ/
بنت سید سجاد حسین صاحبہ عـہ/
بیگم تہور حسین صاحبہ عـہ/
بیگم صدر الدین صاحبہ عـہ/
بیگم عبد القیوم صاحبہ عـہ/
فضل النساء بیگم صاحبہ عـہ/
بیگم منشی نذیر حسن صاحبہ عـہ/
خورشید النساء صاحبہ ۲/
کریم النساء بیگم صاحبہ ۲/
بیگم عبد الواحد صاحبہ ۴/
بیگم سید نظام علی صاحبہ ۲/
بیگم خواجہ احمد حسن صاحبہ ۵/
خواجہ بشیر حسین صاحب عـہ/

بنت خواجہ احمد حسن صاحبہ ۵ ر

خادمہ نواب فیض احمد صاحب ۲ ر

محصول منی آرڈر ۸ عہ

باقی ماللعہ

بذریعہ رسید بی نمبر ۴۰۹۳ وصول ہوئے

(معرفت بیگم محمد غلام حسن خانصاحبہ مہو)

والدہ بدر الدین صاحبہ صہ ر

بیگم فقیر محمد صاحبہ صہ ر

بیگم غلام حسن خانصاحبہ صہ ر

بنت فقیر محمد صاحبہ صہ ر

بنت دوئم فقیر محمد صاحبہ صہ ر

بنت عطا محمد صاحبہ عمہ ر

بنت دوئم عطا محمد صاحبہ عمہ ر

بیگم نتھو ماسٹر ٹیلر عمہ ر

بیگم نبی بخش صاحبہ خیاط عمہ ر

ہمشیرہ شکر اللہ صاحبہ صہ ر

بیگم پیر بخش صاحبہ خیاطہ عمہ ر

بیگم نانک صاحبہ عمہ ر

محمد حسین غلام حسن صاحب عمہ ر

یعقوب جان بنت بدر الدین صاحب عمہ ر

محمد نثار الحسن جان عمہ ر

بیگم غلام حسن جان صاحب صہ ر

ملازمہ بیگم غلام حسن صاحب ۴ ر

بیگم غلام رسول عمہ ر

بیگم فقیر محمد صاحبہ صہ ر

بیگم غلام حسن جان صاحبہ صہ ر

بیگم نتھو ماسٹر ٹیلر عمہ ر

بیگم نبی بخش خیاط عمہ ر

بیگم غلام حسن جان صاحب صہ ر

بذریعہ پھول وصول ہوئے ۱۴ ر

میزان کل ۳۱۵

میزان سابق معہ

میزان کل الـ ۱۰۹۸

خاکسار

بنت سید نذر الباقر

غزل نعتیہ

عشق احمد ہی سے کچھ لُطفِ طبیعت پایا
دردکی پائی دوا سایۂ رحمت پایا

گنج قاروں کو مِلا ہم کو نبیؐ کی اُلفت
حِصّہ ہر شخص نے یاں حسبِ لیاقت پایا

لامکاں پر شبِ معراج میں پہونچے حضرت
حق سے باتیں ہوئیں اور تاجِ شفاعت پایا

رنج دنیا سے چھُٹے فکر سے عقبیٰ کے بچے
پایا جو کچھ اِسی دولت کی بدولت پایا

زندگی میں جو کہا کرتے تھے ہم صلِّ علےٰ
یہی سایہ تھا جو ہم نے سرِ تُربت پایا

اور کیا چاہیے اس سے تجھے بہتر اے دل
داغِ دِل مِل گئے عریانی کا خلعت پایا

رآبعہ خواب میں کہہ جاتے ہیں مرنے والے
قبر کو ہم نے عجب گوشۂ راحت پایا

رابعہ سلطان بیگم

اڈیٹوریل

سنگ بنیاد۔ لیڈی پورٹر صاحبہ نے جو ہمارے موجودہ لفٹنٹ گورنر بہادر
ہز آنر مسٹر پورٹر صاحب کی لیڈی صاحبہ ہیں ازراہ نوازش ہمارے مدرسہ نسواں کے
بورڈنگ ہوس کا سنگ بنیاد رکھنا منظور فرمایا ہی۔ جسکا انتظام کیا جارہا ہی۔ کیونکہ
۷۔ نومبر ۱۹۱۱ء کو بوقت تین بجے سہ پہر کو یہ رسم ادا کی جائیگی۔ دو شامیانے الگ الگ
نصب کیے جارہے ہیں۔ ایک میں پردہ کا پورا انتظام ہوگا۔ اور اس میں بجز بیبیوں کے
اور کوئی نہیں جا سکیگا۔ دوسرے میں مردوں کی نشست ہوگی۔ جناب لیڈی پورٹر
صاحبہ پردہ کے اندر ہی بیبیوں کی مدد سے سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے
رکھیں گی۔ تعلیم نسواں ایسوسی ایشن کی طرف سے ایڈرس بھی بیبیاں ہی پڑھینگی

واپسی۔ حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال مورخہ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو سفر یورپ سے
معہ ہمراہیوں اور صاحبزادگان بلند اقبال کے بخیر و عافیت واپس ہوکر اپنے پایۂ تخت
بھوپال میں داخل ہوگئیں۔ اس سفر میں یورپ کے مشہور ملکوں کے علاوہ مصر میں بھی
جنابہ عالیہ نے ورود فرماکر وہاں کے مشہور مقامات دیکھے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حضور
عالیہ اپنے اس سفر کے واقعات بھی سفرنامہ کی صورت میں مرتب فرمائینگے جیسا کہ
اس سے پہلے سفر حج کا سفرنامہ لکھا گیا ہی۔

جناب منشی پیارے لال صاحب شاکر اڈیٹر ادیب الہ آباد تحریر فرماتے ہیں کہ
ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء کے **خاتون** میں سید مظہر حسین صاحب اختر میرٹھی نے پنڈتہ رامابائی

کے جو مختصر حالات تحریر کیے ہیں اس میں پنڈتہ موصوفہ کے متعلق بعض باتیں غلط لکھی گئی ہیں۔ لہذا ان کی تردید ضروری ہے۔

(۱) آپ کے طرز تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ گویا (خدانخواستہ) پنڈتہ موصوفہ انتقال فرما چکی ہیں۔ حالانکہ خدا کے فضل و کرم سے پنڈتہ راما بائی صحیح و سلامت ہیں۔ اور نہایت تندہی کے ساتھ اپنے فرائض زندگی ادائگی میں منہمک ہیں۔

(۲) "اپنے پہلے خاوند کے مرجانے پر...... ایک غیر مذہب کے آدمی سے بیاہ کرلیا" یہ صریح غلطی ہے۔ پنڈتہ راما بائی اپنی شادی کے اُنیسویں ماہ میں، جبکہ آپ کی عمر ۲۲ برس کی تھی، بیوہ ہوئیں۔ اس کے بعد آپ نے کبھی عقد ثانی کا نام نہیں لیا۔

(۳) "۱۸۸۳ء میں اپنا مذہب چھوڑ دیا اور عیسائی ہو کر ولایت چلی گئیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ جس وقت آپ ۱۸۸۲ء میں انگلستان تشریف لے گئیں۔ اُس وقت ہندو تھیں۔ مسیحی مذہب کو آپ نے انگلستان ہی میں (ستمبر ۱۸۸۳ء) قبول کیا۔ نہ کہ ہندوستان میں۔

اتالیق بی بی۔ یہ کتاب ایک انگریزی کتاب "کرٹین لکچرز" سے عالی جناب چودہری محمد علی صاحب تعلقدار رئیس ردولی ضلع بارہ بنکی نے ماخوذ کرکے ہندوستانی طرز میں نہایت عمدگی کے ساتھ لکھی ہے۔ مصنف کی لطافت طبع اور خوش بیانی سے یہ کتاب اسقدر دلکش اور خوش آیند ہے کہ اس کی دلچسپی کا اندازہ بلا اسکے دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتا اس کتاب کا ایک ایک فقرہ لطافت اور ظرافت کا مخزن ہے۔ اور نہایت دلفریب ہے۔ زبان بہت پیاری اور مناسب ہے۔ اسکو پڑھنے کے بعد تسلی نہیں ہوتی۔ اور دل چاہتا ہے کہ دو چار باب اور ہوتے۔
ہم ایسے جادو نگار قلم سے امید رکھتے ہیں کہ صنف نازک کے لیے اسی قسم کے نازک اور

لطیف لٹریچر پیدا کرکے اس کمی کو پورا کریگا جو ابتک زنانہ لٹریچر میں ہے۔
اسکا حجم چار جزو ہی۔ قیمت درج نہیں ہی۔ مینجر صاحب دلگداز پریس لکھنؤ سے ملیگی۔

اپیل۔ بخدمت خاتونانِ ہند متعلق تکمیل مجوزہ مسلم یونیورسٹی جس میں علیگڈھ کی زنانہ سنٹرل کمیٹی متعلق فراہمی چندہ مسلم یونیورسٹی کی مکمل رُوداد چھپی ہی خریداران خاتون کی خدمت میں ہم اس نمبر کے ہمراہ بھیجتے ہیں۔ تمام ناظرین و ناظرات سے التماس ہی کہ وہ اپیل کو غور سے پڑہیں خود چندہ دیں اور جن سے دلا سکتے ہیں دلائیں۔ اگر تھوڑا تھوڑا سا بھی چندہ جمع ہو جائیگا تو مجموعہ ایک بڑی رقم ہو جائے گی۔

جنگ اٹلی و ٹرکی

جب سے اٹلی نے طرابلس غرب پر ناجائز اور غاصبانہ حملہ کیا ہی اسوقت سے تمام دنیائے اسلام میں ایک عام ہل چل اور جوش ہی۔ تقریباً دنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں نے اٹلی کے بنے ہوئے مال کا استعمال ترک کر دیا ہی۔ ہزاروں مسلمانوں نے وہاں کی بنی ہوئی ترکی ٹوپیاں جو جنگ سے پہلے خریدی تھیں سر سے اُتار کر پھینک دیں اور جلا دیں۔ اور ہر طرف سے مجروحین عربوں اور ترکوں کے لیے چندے ہونے لگے۔ مصر میں بے حد جوش ہی وہاں چندوں کی تعداد لاکھوں پونڈ تک پہنچ چکی ہی۔ عورتیں بھی اسمیں بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہی ہیں وہاں کے پندرہ سولہ ڈاکٹر بہت سی دوائیاں اور سیکڑوں ڈولیاں لیکر میدان جنگ کو گئے ہیں۔

ہندوستان میں بھی مختلف مقامات میں چندے ہوئے۔ ہمارے کالج کے طلبا نے بھی اپنے اپنے جیب خرچ سے تقریباً تیرہ سو روپیہ اس کام کے لیے جمع کیا ہی۔ اور اُن کو کالج سے ہر ہفتہ میں جو پلاؤ زردہ اور فیرنی ملا کرتی تھی اسکو اُنھوں نے تا اختتام جنگ بند رکھا ہی اور اسکی آمدنی مجروحین مسلمانوں کی امداد میں دیجائیگی۔ اسلامی خصوصیت یہی ہی کہ ملک نسل۔ اور زبان پر اسکی اخوت محدود نہیں ہی بلکہ تمام مسلمان خواہ کسی ملک کے ہوں، کسی نسل کے ہوں، کوئی زبان بولتے ہوں آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک کے درد سے دوسرا دردمند ہوتا ہی۔ امید کہ ناظرات خاتون بھی اسکے ثواب میں حصہ لینگی۔

شاہِ دکن کی وفات حسرت آیات

۲۹۔ اگست سنہ ۱۹۱۱ء کی وہ منحوس تاریخ تھی جس میں حضور جنت آرام گاہ آصف جم جاہ نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ حضور کی ناگہانی وفات سے مسلمانان ہند کا بہت بڑا سرپرست اور اسلامی علوم و فنون کا عظیم الشان مربی اُٹھ گیا ایسے عالی دماغ علم پرور رعایا نواز بادشاہ کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ حضور کا یہ شعر اُن کی قلبی رحم دلی کی تصویر کھینچتا ہے۔

آصف کو جان و مال سے اپنے نہیں دریغ　　گر کام آئے میری رعایا کے واسطے

اللہ تعالیٰ جنت میں اس روحِ معظم کو اسکے حسب مرتبہ مقام عطا فرمائے۔ اور جدید حضور نظام سے اس نقصان عظیم کی تلافی فرمائے۔

حادثۂ جانگزا

حضور نظام اعلی اللہ مقامہ کے ٹھیک دو مہینے کے بعد ۲۹۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء کو حضور نواب صاحب بہادر والی رامپور کے فرزند اکبر ولی عہد ریاست صاحبزادہ محمد حسن علیخاں بہادر نے ۱۲ سال کی عمر میں مرض اسہال و بخار سے وفات پائی۔ تمام قوم اس حادثہ جانکاہ میں ہز ہائنس کے ساتھ رنج و غم میں شریک ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نواب صاحب کو توفیق صبر عطا فرمائے۔ اور معصوم روح کو اپنے دامن رحمت میں لے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد	بابت ماہ نومبر ۱۹۱۱ء	نمبر ۱۱

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے، ایل، ایل، بی، سکرٹری تعلیم نسواں اسکشن

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری
مطبع احمدی علی گڑہ میں طبع ہوا
شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڈہ سے شائع کیا

خاتُون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (ؔعہ)
اور ششماہی عہ۱۲ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال و ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے
ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا
کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات
کے پڑہنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تا کہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم
رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان
میں لکھے جایں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی مدنی سے
کچھ بچے گا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے
تیار کیا جائے گا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈھ ہونی چاہیے۔

رانی درگاوتی

شاہنشاہ جلال الدین محمد اکبر غازی کا زمانہ تھا۔ مغلیہ سلطنت کا پرچم اقبال تمام ہندوستان میں لہرا رہا تھا۔ اکبری سرداروں نے بڑے بڑے سرکش راجوں مہاراجوں کے چتر کو سرنگوں کر دیا تھا لیکن ابھی تک گڑھ منڈل[1] کی چھوٹی سی ریاست جس پر بہادر و شجیع رانی درگاوتی حکمراں تھی اس تیز نظر شہباز سے پوشیدہ و مامون تھی۔

رانی درگاوتی۔ راجہ جندان والی قنوج کی لڑکی تھی۔ اس کی شادی دولایت راجہ گڑھ منڈل سے ہوئی تھی۔ لیکن شادی کو تین ہی برس کا زمانہ گزرا تھا کہ رانی کو رنڈاپا نصیب ہوگیا۔ اس مصیبت کو برداشت کرکے رانی اپنے تین برس کے بچے بیر نارائن کی پرورش اور ریاست کے انتظام میں مصروف ہوئی۔ سر تاج کا سر سے اُٹھ جانا گویا جیتے جی موت کا آنا ہی اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مال و دولت بھی موجود ہو لیکن رانی

---

[1] گڑھ منڈل ممالک متوسط میں ایک ریاست تھی۔

نے نہایت استقلال و دور اندیشی سے سب باتوں کو سوچا اور کمرِ ہمت مضبوط باندھ کر
تمام آنے والی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کو طیار ہو گئی۔ اُس نے اپنے رنج و ملال کو سب سے
چھپایا اور مثل اپنے جوانمرد خاوند (مہاراجہ متوفی) کے تمام کاموں کو انجام دیا۔

آجکل اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صنفِ نازک صرف اسی واسطے ہی کہ مرد کا دل
بہلائے اور گھر کا انتظام کرے مگر وہ اشخاص کس قدر غلطی پر ہیں اور ذرا بھی اپنے دماغوں کو
عورتوں کی قابلیت پر متوجہ نہیں کرتے۔ گھر کا انتظام وہ عورت کیا کر سکتی ہی جسکے مرد کے
ایسے پست خیالات ہوں۔ دل کا بہلانا کیسے ممکن ہی جب تک عورت میں کسی قسم کی
قابلیت نہو۔ بعض اصحاب شکایت کرتے ہیں کہ ہماری بیویاں پھوہڑ اور سوائے فرمائشیں
کرنے کے کسی کام کی نہیں۔ لیکن اُن کو اپنے عیب پر اطلاع نہیں۔ اپنی بیویوں کو خود
تعلیم و تربیت سے ایسا درست کیوں نہیں کرتے کہ بُری عادتیں اُن میں سے نکلجائیں
رانی درگاوتی بھی ایک عورت تھی اور اُس وقت میں وہ پیدا ہوئی جب نہ تعلیم عام تھی
اور نہ تربیت کا کوئی مدرسہ تھا نہ کوئی مصلح قوم اس طرف متوجہ تھا۔ ایسی حالت میں
اُس نے خود دماغ پر زور دیکر اپنی ریاست کو شاہنشاہ اکبر جیسے باجبروت شخص سے محفوظ
رکھا۔ پس اگر وہ تعلیم یافتہ ہوتی اور اسکو ابتدا سے ہر قسم کی تربیت سے واسطہ پڑتا تو غالباً اور
زیادہ عمدگی سے انتظام کر سکتی۔

ممالک متوسط کا ہر صوبہ دار شاہنشاہ اکبر کی خدمت میں گڑھ منڈل کی ریاست کو
فتح کرنے کے واسطے ضرور عرض کرتا تھا لیکن اکبر ایسا حکمراں تھا جس کے دل میں قابلیت اور
بہادری اور علم کی قدر تھی۔ اسی لیے وہ گڑھ منڈل کی ریاست کی بابت اجازت
نہیں دیتا تھا۔

رانی نے اپنی ریاست میں رعایا کے واسطے تالاب تیار کرائے تھے۔ سیکڑوں محتاج خانے
جاری تھے۔ عالیشان مندر تعمیر کیے تھے۔ انکے علاوہ اور بہت سے مفید عام کام جاری کیے

تھے۔ ملک حکمراں کی نیت بخیر اور دور اندیشی سے سرسبز و مالامال تھا۔

آخر وہ وقت آگیا جسکا کھٹکا رانی کو تھا یعنی آصف خاں صوبہ دار ممالک متوسط بحکم شاہنشاہ اکبر معقول فوج کے ساتھ چڑھ آیا۔ اکبری مصلحت کا بیان ذرا مشکل ہے کہ کیوں گڑھ منڈل فتح کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس کی بابت خیال کرلیا جائے۔ ع

اُمور مملکت خویش خسرواں دانند

بھلا یہ چھوٹی سی ریاست مغلیہ فوج کا کیا مقابلہ کرسکتی تھی۔ لیکن بہادر رانی نے گڑھ منڈل کی آزادی قائم رکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آصف خاں کو دو مرتبہ شکست نصیب ہوئی۔ ابتدا میں خیال تھا کہ رانی کی فوج غالباً تاب مقابلہ نہ لاسکیگی لیکن بہادر رانی کی عقلمندی اور نبرد آزمائی نے آصف خاں کے چھکّے چھڑا دیے۔ دو مرتبہ شکست اُٹھانے کے بعد آصف خاں کو فتح کرنے کی ضد ہوگئی اور تیسری مرتبہ اُس نے وہ تدبیر کی کہ آخر کار ریاست قبضہ میں آگئی۔

قاعدہ ہے کہ ہر ایک سلطنت و ریاست میں نمک حرام ملازم بھی ہوتے ہیں اسکے علاوہ رشوت ایسی چیز ہے کہ جو بڑے بڑے لوگوں کو بھی بعض دفعہ سیدھے راستہ سے ہٹا دیتی ہے چنانچہ فوج کے افسروں کو بڑے بڑے نذرانے دیے گئے ملک میں فساد برپا کرایا گیا۔ جب یہ سارے کام ہوگئے تو اکبری فوج تیسری دفعہ گڑھ منڈل پر نظر آئی۔ رانی سمجھ چکی تھی کہ ریاست کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتی لیکن اُس نے آخر وقت تک آزاد رہنے کا ارادہ کرلیا اور اُنھیں لوگوں کو مقابلہ پر لیکر نکلی جو قابل اعتبار تھے۔ اُسکے ساتھ وارث سلطنت بیر نراین بھی تھا۔ کنور کی عمر صرف ۱۴ برس کی تھی لیکن اُس کی رگوں میں راجپوتی خون تھا۔ چھتری برن کی عزت رکھنے کو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ لڑنے آیا تھا۔

آخر وہ گھڑی آگئی اور لڑائی کی صورت میں گڑھ منڈل کی تباہی نظر آنے لگی۔ بیر نراین اپنی ماں کے سامنے زخموں سے چور ہوکر گر پڑا اور ماں کی صورت دیکھتے دیکھتے اُس کی

روح نکل گئی۔ یہ بڑا سخت وقت تھا اور رانی کا پاؤں اگر میدان سے اُکھڑ جاتا تو تعجب کی بات نہ تھی لیکن اُسنے صرف اتنا کہا "بیر نرائن بہادر کی موت مراہی میں آخر وقت تک یہاں ٹھہرونگی ورنہ میری فوج بددل ہوجائے گی" اسی درمیان میں ایک تیر رانی کی آنکھ میں آکر لگا اور اس کی فوج کے چند آدمی باقی رہ گئے۔ باقی فوج تلوار کے گھاٹ اُتر گئی۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہوگئی تو اُس نے ایک آہ بھر کر گڑھ منڈل کی طرف دیکھا اور تلوار مار کر مرگئی۔

آصف خاں کو کُل حال معلوم ہوا۔ وہ بہادر افسر تھا اور بہادری کی قدر جانتا تھا اُسنے رانی کی لاش کی عزت کی اور اعزاز کے ساتھ تجہیز و تکفین کراکر ہندو قاعدہ کے بموجب جلا دیا

محمد شفیع الدین خاں

از مراد آباد

جاپان

گیارھواں باب

گُڑیوں کی اور جھنڈیوں کی عید

سال کے ہر تیسرے مہینے کے تیسرے دن جاپان کے اُن گھروں میں جہاں لڑکیاں ہوتی ہیں بہت غیر معمولی جوش و خروش ہوتا ہے۔ اس کی وجہ گڑیوں کی سب سے بڑی عید ہوتی ہے اس روز کوٹھوں اور گوداموں میں سے جہاں گھر کا اسباب بحفاظت رکھا ہوتا ہے سب سے عمدہ گڑیوں اور گڑیوں کے مکانوں کو نکالا جاتا ہے اور اُن کو سرخ کپڑا منڈھے ہوئے کٹہروں پر خوبصورتی کے ساتھ جمایا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر تک اُن کی ایک دلچسپ نمایش قائم کی جاتی ہے۔

ان گڑیوں کو اوحینا کہتے ہیں جسکے معنی ہیں معزز گڑیاں۔ ان گڑیوں کی بہت

حفاظت کی جاتی ہی اور اس قدر احتیاط سے ان کو رکھا جاتا ہی کہ بعض خاندانوں میں کئی کئی سو
برس کی پرانی گڑیاں موجود ہیں۔ کیونکہ ہر گڑیا کو بالکل وہی لباس پہنایا جاتا ہی جو اُسوقت
مروّج ہی اور اُس کے گھر کو اُسی قسم کے نمونوں سے آراستہ کیا جاتا ہی جو اس زمانہ میں رائج
ہوتا ہی اسلیے ان قدیم گڑیوں کو بہت بڑی تاریخی اہمیت اور وقعت حاصل ہی۔ اس سے
جاپان کے لڑکوں کو اس بات کا علم حاصل ہوتا ہی کہ انکے آبا و اجداد کیسے تھے۔ کس قسم کی
ان کی رہائش تھی اور اب اُس میں کیا فرق ہی۔

روزانہ کھیلنے کے لیے لڑکیوں کے پاس معمولی گڑیاں ہوتی ہیں۔ ان گڑیوں سے
وہ روزمرہ کھیلتی ہیں۔ اور "معزز گڑیاں" بہت حفاظت کے ساتھ بند رکھی رہتی ہیں۔ یہ
معزز گڑیاں اکثر بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ ان گڑیوں کو نہ صرف عمدگی و نفاست کے ساتھ بنایا اور
لباس سے آراستہ کیا جاتا ہی بلکہ ان کے مکانوں میں ہر قسم کے خانگی سامان کے بہترین
نمونوں کو مہیا کیا جاتا ہی اور کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑا جاتا۔ متمول خاندانوں میں سامان کے
یہ کھلونے خالص سونے یا چاندی یا اعلیٰ درجہ کی چینی کے ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی چیزوں کے
نمونے خواہ وہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہوں یا نمائشی برابر موجود ہوتے ہیں۔ اور
جاپان کی لڑکیوں کو اُسوقت بے انتہا مسرت ہوتی ہی جب وہ ان گڑیوں کے چھوٹے چھوٹے
باورچیخانوں میں کھانا پکا کر "گڑیوں کی عید" کے موقعہ پر ان معزز گڑیوں کے سامنے دسترخوان
پر چُنتی ہیں۔

جیسے ہی کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہی اس قسم کی گڑیوں کا ذخیرہ جمع کیا جانا شروع
ہو جاتا ہی۔ ہر لڑکی کو گڑیوں کا ایک جوڑا ضرور دیا جاتا ہی اور وہ اپنے طور پر رفتہ رفتہ تمام
دوسرا سامان خود جمع کرتی جاتی ہی۔ یہ گڑیاں ہمیشہ اُسی کی رہتی ہیں یہانتک کہ جب اُس کی
شادی ہوتی ہی تو وہ ان گڑیوں اور اس ساز و سامان کو میکے سے اپنے ساتھ لیجاتی ہے۔
جب اوحینا فاتوری یعنی گڑیوں کی عید کا زمانہ قریب آجاتا ہی تو جاپانی دکانیں

گڑیوں سے جو اس زمانہ میں بکثرت استعمال کی جاتی ہیں بھری رہتی ہیں۔ادنیٰ قسم کی گڑیوں کے ساتھ مٹی کا سامان ہوتا ہی جو بہت خوبصورتی سے رنگا ہوا ہوتا ہی اور اوسط قسم کی گڑیوں کا سامان لکڑی کا ہوتا ہی اور انکا لباس بہت اعلیٰ ہوتا ہی۔یہی گڑیاں اور انکے ساتھ کے چھوٹے چھوٹے پیالے۔لوٹے۔چولھے۔کشتیاں اور دوسرے برتن وغیرہ ہوتے ہیں جو گڑیوں کی عید میں دکانوں کی زینت ہوتے ہیں۔ان کی قیمتوں میں بہت فرق ہوتا ہی۔قلیوں کے درجہ کی گڑیاں معہ اُن کے ضروری ساز و سامان کے چند آنوں میں خریدی جاسکتی ہیں۔کسی بڑے امیر کبیر کے قابل کی گڑیاں جنکے مکانات میں انواع واقسام کا سامان ہوتا ہی خود شہنشاہ و شہنشاہ بیگم جاپان اور انکے دربار کے تمام امرا و عہدہ داروں کے نمونے ہوتے ہیں اور وہ تمام چیزیں رہتی ہیں جو ان سب کے روزمرہ استعمال کی ہوتی ہیں اور وہ جن سے دربار وغیرہ کے موقعہ پر کام لیا جاتا ہی بہت بیش قیمت ہوتی ہیں۔بعض دفعہ ان کی قیمت اتنی ہوتی ہے کہ ایک غریب آدمی کی اس میں بآسانی گزر ہوسکے۔جاپان کی تاریخ میں جو بڑے بڑے مشاہیر گزرے ہیں انکے نام کی بھی گڑیاں ہوتی ہیں جو بالکل اُس زمانہ کے لباس اور اس زمانہ کے سامان اور اُس زمانہ کی وضع قطع کا پورا پورا نمونہ ہوتی ہیں۔

لڑکوں کی بڑی عید "جھنڈیوں کی عید" کہلاتی ہی یہ عید پانچویں مہینے کی پانچویں تاریخ کو منائی جاتی ہی۔اس عید کے قریب ہونے کا عجب انداز سے اعلان کیا جاتا ہی۔ہر اُس مکان کے سامنے جس میں لڑکے موجود ہوتے ہیں ایک لمبی بانس کھڑی کیجاتی ہی جسکے بالائی سرے پر بہت خوبصورت رنگ کے کاغذ کی ایک مچھلی جو کارپ (مچھلی کا نام) کے شکل کی ہوتی ہی لٹکا دی جاتی ہی۔اگر اس سال کوئی لڑکا مکان میں پیدا ہوا ہو تو زیادہ بڑی مچھلی آویزاں کی جاتی ہی اس مچھلی کے جسم میں خول ہوتا ہی اور جب ہوا چلتی ہی اور اس میں بھر جاتی ہے تو اس کی دُم اور اس کے پکھ ہلنے لگتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ مچھلی گویا پانی میں تیر رہی ہے جاپانیوں نے کارپ مچھلی کو اس غرض کے لیے اسواسطے منتخب کیا ہی کہ اس مچھلی میں پانی کے

بہاؤ کے خلاف جانے کی بہت قوت ہوتی ہی اور بڑے بڑے آبشاروں میں بھی وہ اُلٹی چلتی ہی اور اپنی مرضی کے مطابق جدہر چاہتی ہی جاتی ہی۔ اسلیے خیال کیا جاتا ہی کہ اس تمثیل سے اس گھرانے کے لڑکے اپنی زندگی کے سمندر میں سینہ سپر ہو کر آگے بڑہیں گے اور جو مشکلات ان کی ترقی کے راستہ میں حائل ہوں اُن کو دور کرنے میں کامیاب ہونگے۔

جب لڑکوں کی بڑی عید کے دن قریب آتے ہیں تو دُکانیں کھلونوں سے بھر جاتی ہیں۔ لڑکیوں کی طرح لڑکوں کے واسطے بھی گڑیاں بنائی جاتی ہیں لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ انکے لیے سپاہیوں، بہادروں، سپہ سالاروں، مشہور قدیم جنگی لوگوں، پہلوانوں وغیرہ کی شکلیں تیار ہوتی ہیں۔ پُرانے زمانہ سے جاپانیوں کی قوم بہت جنگجو ہی اس لیے جاپان کے لڑکوں کو ہمیشہ "جھنڈیوں کی عید" کے موقعہ پر جھنڈیاں، تلواریں۔ تیر و کمان۔ خود۔ زرہ بکتر برچھیوں وغیرہ کی قسم کے کھلونے دیئے جانے کا قاعدہ ہی۔ خود یہ عید بھی ہاچی ما کی یادگار میں منائی جاتی ہی جو جاپانیوں کا خداے جنگ ہے۔ اس عید کے دن جو کھیل سب سے زیادہ پسند کیا جاتا ہی وہ مصنوعی جنگ ہے۔

لڑکوں کی دو ٹکڑیاں بنائی جاتی ہیں جن میں سے ایک کا نام ھئی کی رکھا جاتا ہی اور دوسری کا جن جی یہ نام اُن دو مشہور گروہوں کے ہیں جن میں جبکہ وہاں طوائف الملوکی تھی سخت باہمی رقابت قائم تھی۔ لڑکوں کی اِن دو جماعتوں کے پاس الگ الگ نشان ہوتے ہیں "ہئی کی" گروہ کا ہر لڑکا سُرخ جھنڈی لیے ہوتا ہی اور "جن جی" جماعت کے ہر لڑکے کے پاس سفید جھنڈی ہوتی ہی۔ ہر لڑکا ایک عجیب قسم کا خود پہنے ہوئے ہوتا ہی جو ایک قسم کا گویا مٹی کا لوٹا ہوتا ہی۔ جب لڑائی شروع ہوتی ہی تو یہ ننھے ننھے بہادر بانس کی تلواروں سے ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں۔ مقابلہ کے وقت اس بات کی کوشش کی جاتی ہی کہ اپنے حریف کے سر پر کی خود کو اپنی بانس کی تلوار سے توڑ دیں۔ جسکا خود اس طرح ٹوٹ جاتا ہی اسکو فوراً اطاعت قبول کرلینی پڑتی ہی۔ اسی طرح جس گروہ کے خود زیادہ ٹوٹتے ہیں اور

جس جماعت کی جھنڈیاں زیادہ چھن جاتی ہیں اُسکو ہزیمت ہوتی ہے اور دوسری ٹکڑی فاتح شمار کی جاتی ہے۔

اس کھیل سے جس میں مصنوعی ہتیاروں اور جنگی باجوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک غرض بھی ہوتی ہے۔ جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر سال کے پانچویں مہینے کے پانچویں دن اونی جواُن کا ایک ظلم پسند خدا ہے آسمان سے اُترتا ہے اور لڑکوں کو نگل جاتا ہے یا اُن کو دوسری قسم کی مصیبتوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔ لیکن ہتیاروں سے وہ بہت ڈرتا ہے اسلیے اس روز جو عید کا دن ہوتا ہے مختلف قسم کے مصنوعی ہتیار ہر طرف لگا دیے جاتے ہیں تاکہ اُنکے خوف سے خونخوار اونی گھروں میں گھسنے نہ پائے۔ ایک جاپانی مصنف نے لکھا ہے۔

"اونی ہوگلا نامی پودے کے پتّوں سے جو خنجر کی شکل کے ہوتے ہیں بہت ڈرتا ہے اسلیے ہوگلا کے پتّے ہر جگہ رکھے جاتے ہیں۔ کوئی جگہ ان سے خالی نہیں چھوڑی جاتی۔ کھانے کی میز پر ان کو رکھا جاتا ہے۔ بیرقوں میں ان کو لٹکایا جاتا ہے۔ گھروں کی چھتوں سے ان کو باندھا جاتا ہے۔ لڑکے ان کو اپنے سروں سے اس طرح باندھے رکھتے ہیں کہ ان کے دو سینگ نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں پس ان پتّوں سے اور نیز بانس کی بنی ہوئی قرنا کی آوازوں سے اس بدصفت خدا کو گھبرا دیا جاتا ہے، اونی سینگ والے آدمیوں سے بھی خوف کرتا ہے اسلیے اور نیز اُن ہتیاروں کے باعث جو ہر طرف چھتوں سے آویزاں رہتے ہیں وہ گھروں کے اندر گھسنے کی جرات نہیں کرسکتا۔

سید خورشید علی
(حیدرآباد دکن)

ورسٹی اور ماں بیٹی

ورسٹی کیا چیز ہے اماں بتاؤ
پاتی ہوں ہر ایک دل میں جسکی چاؤ

جسکو دیکھو کرتا ہے اسکا ہی ذکر
رات دن مردوں کو ہے اسکا ہی فکر

بیگمیں جتنی ہیں کچھ لکھی پڑھی
رٹتی ہی رہتی ہیں وہ سب ورسٹی

میرے ابّا اور بھائی جان بھی
کرتے ہیں آپس میں اب باتیں یہی

ورسٹی اِمسال بن جائے خدا
ہر مسلماں کی یہی ہے التجا،،

ماں

لاڈلی! ہے ورسٹی علموں کا گھر
دین و دنیا دونوں کی ہے راہبر

جو پڑھے گا اس میں ہوگا دیندار
اور دنیا میں بھی ہوگا ہوشیار

مونھ میں اسکے سیٹی۔ فیٹی۔ فنڑو
دل میں ہو اللہ ہو۔ اللہ ہو

ہو نمونہ دین اور اسلام کا
اور دنیا میں بھی ہو وہ کام کا

دل میں ہو خوفِ خدا۔ خوفِ رسول
اپنی ہستی کو کبھی جائے نہ بھول

دل میں اُسکے چوٹ ہو اور درد ہو
آڑے وقتوں میں وہ پورا مرد ہو

پڑھ کے انگریزی نہو وحشی موا
دھوبی کا کُتّا نہ گھر نے گھاٹ کا

بیٹی

اچھی امّاں! یہ تو بتلاؤ مجھے
آجتک تھے مردوے کیا کر رہے

پہلے ہی سے کیوں نہ ڈالا ایسا ڈھنگ
دین کا اُڑنے نہ پاتا جس سے رنگ

ماں

پہلے انگریزی کا پڑھنا کفر تھا
اسکا چرچا بھی نہ تھا ہم میں ذرا

نیند میں غفلت کی سوتے تھے پڑے — اپنی پہلی ضد پہ تھے اکثر اڑے
جب زمانہ سے ہوئی حالت ردی — آخر انگریزی پڑھانا ہی پڑی
تھی مگر تعلیم یہاں غیروں کے ہاتھ — تھے مسلماں پڑھتے بد دینوں کے ساتھ
اُن کی خو بو ان میں کرتی تھی اثر — اور طرّہ یہ کہ دین سے بے خبر
دیکھ کر اسکو ہوئے بے چین سب — دُور کرنے کی ہے اس کی فکر اب

بیٹی

ہاں میری اماں! یہی ہوگا سبب — ورنہ کیوں بے چین ہوتے سب کے سب
دین جاتا دیکھ کر بے چین ہیں — اس کی ہی خاطر یہ شور و شین ہیں
دیں پہ صدقے ساری جان و مال ہے — ہائے دین! تیرا ہی اتنا کال ہے
ڈگمگاتی ناؤ اور منجدھار ہے — دین رہ جائے تو بیڑا پار ہے
دین ہی ہم میں نہ جب باقی رہا — لیکے دنیا کو بھلا چاٹیں گے کیا
دین ہی ہے ہم مسلمانوں کی جان — دیں چلا جائے تو پھر ہم ہیں کہاں

ماں

پیاری بہنو! ایسی ہی تو بات ہے — دین ہی کا سوگ اب دن رات ہے
آنکھ سے میں دیکھتی ہوں صبح شام — دین کا ہے صرف اب دنیا میں نام
جو نگوڑے اب پڑھے لکھے ہیں یہاں — دین کا ان میں نہیں نام و نشاں
ہے نماز اور روزہ سب ان پر حرام — ہیں حلال انکے لیے اکثر حرام
جانے انگریزی میں کیا پڑھتے ہیں یہ — دین اپنا آپ ہی گڑھتے ہیں یہ
نہ نبی سے کوئی ان کو واسطہ — نہ خدا سے اِن کو کوئی واسطہ
جتنے ہیں دنیا کے کاموں میں یہ چست — اُس سے زیادہ دینی کاموں میں ہیں سست
یہ کسر ان کی نکل جائے تو واہ — دین اور دنیا کے ہوں یہ بادشاہ

بیٹی

درستی سے کیا نکل جائیں گے بل | دین کے سانچے میں سب جائینگے ڈھل

ماں

جو خرابی ہو چکی وہ ہو چکی | فکر آیندہ کی ہے سب کو لگی
جب مسلمانوں کی ہوگی درستی | دین اور دنیا کی ہوگی اک گتھی
بی اے۔ ایم۔ اے نکلیں گے دیندار بھی | شکل بھی مسلم کی اور کردار بھی

بیٹی

پیاری اماں! ایسا ہو تو واہ وا | خوش رہیں ہم اور ہم سے خوش خدا
اب میں سمجھی کیوں ہے گھر گھر اسکا ذکر | ہر کسی کو آجکل ہے اس کی فکر

ماں

ہاں مگر یہ کام ہے ایسا کٹھن | سب لگا دیں اس میں اپنی جان و تن
ایڑی چوٹی کا لگائیں زور سب | کام خاطر خواہ پورا ہو یہ تب
جمع ہو کر اک کرور اس کے لیے | بیل تب جا کر کہیں منڈھے چڑھے

بیٹی

اوئی! آئے گا کہاں سے اس قدر | کیا خدا دیدے گا چھپر پھاڑ کر

ماں

سن لو بیٹی سوچ کر باتیں کرو | سرسری یونہیں نہ اسکو ٹال دو
کام یہ دو چار یا دس کا نہیں | ایک دو شاہو نکے بھی بس کا نہیں
ہاں اگر ایکا کریں سب مرد و زن | ویسا ہی آساں ہو جیسا ہو کٹھن
پھتیاں پھتیاں بھرتے دیکھا ہی تلاؤ | بیٹھ کر اب تم حساب اسکا لگاؤ
سات ملکر ایک اک روپیہ جو دیں | اک کرور آسانی سے جمع کریں

بیٹی

سب سے لینا بھی تو کچھ آساں نہیں
کس طرح پہونچے گا انساں ہر کہیں

ماں

تم جو کہتی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے
دل کے سمجھانے کو وہ اِک لیک ہے
اس سے یہ مطلب کہ ہو جائے یقیں
کام اُن ہونا تو یہ ہرگز نہیں
چھ نہ دیں اور ساتواں ہی ایک دے
ورسٹی تب بھی یہاں کے واں چڑھے

بیٹی

اب میں سمجھی کام یہ مشکل نہیں
جی یہ اپنے رکھ لیں گر سب اہل دیں

ماں

جو سمجھتے بوجھتے ہیں دیں ضرور
بال بھر اس میں نہو اصلا قصور
یہ سمجھ کر دیں کہ خوش ہوگا خدا
دین اور دنیا میں ہوئے گا بھلا
جو نہ دیگا اُس سے پوچھینگے رسول
میری اُمت کو گیا تھا کیوں تو بھول
دین کی میرے حفاظت کیوں نہ کی
میری اُمت کی اعانت کیوں نہ کی
کیا گناہوں کے لیے تھا تیرا مال
کیا چھپا تھا میرے دیں کا تجھ سے حال
دین جاتا تھا خبر تو نے نہ لی
مانگنے پر بھی تو اِک جنبش نہ دی

بیٹی

میں تو دوں گی کام سارے چھوڑ کر
عید تیوہاروں کے پیسے جوڑ کر
جتنا زیادہ ہو سکیگا دونگی میں
دین کا التزام کیونکر لوں گی میں
دین سب کے آگے بھلا سب کی موہ
سب کے دل کی لینا ہے اللہ تو ہ

(عظیم آبادی)

زنانہ حاضر جوابیاں

اس عنوان پر ا۔ ب۔ ن صاحبہ کا مضمون گزشتہ نمبر خاتون میں شائع ہو چکا ہے،
اُنھوں نے پھر اس عنوان پر مندرجۂ ذیل مضمون لکھ کر بھیجا ہے۔ اسکے ساتھ جون نمبر
خاتون میں سہروردیہ بیگم صاحبہ کا اس عنوان پر جو مضمون چھپا تھا تین لطیفے اور
اُنھوں نے بطور ضمیمہ کے بھیجے تھے جو اُسوقت شائع نہ ہو سکے۔ اب ہم اسی کے
ساتھ اسکو بھی شائع کرتے ہیں۔

اڈیٹر

میری رائے میں ایک کتاب بعنوان "زنانہ حاضر جوابیاں ضرور شائع ہونی چاہیے
میں بھی ز۔ خ۔ ش۔ صاحبہ اور احمد المزمل صاحب کی پُر زور تائید کرتی ہوں۔ اور
ساتھ ہی اڈیٹر صاحب خاتون اور رابعہ سلطان بیگم صاحبہ کو ادہر متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔
بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ سے استدعا کرنا تو غالباً بیکار ثابت ہو گا۔ کیونکہ آجکل
ہم اخباری بہنوں کی بدقسمتی سے اُنھوں نے مضامین خاتون میں حصہ لینا چھوڑ دیا ہے
رہا "عذرِ غم" اس کی بابت عرض یہ ہے کہ پیاری غمزدہ بہن رابعہ سلطان بیگم سے زیادہ
غم نصیب اور کون ہو گا۔ مگر آخر حبِّ قومی انکے ذاتی رنج و غم پر ہمیشہ غالب آتی ہے اور
کچھ نہ کچھ لکھتی ہی رہتی ہیں۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا
اور اگر مولوی محمد اسلم صاحب جیراج پوری کی چشمِ عنایت ادہر ہو جائے تو پھر کیا
کہنے ہیں ؎

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند   آیا شود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

دیگر ناظرین سے بھی التجا ہے کہ براہ کرم خاتون کو پڑھکر طاقِ نسیاں کے سپرد نہ کیجیے
بلکہ قلم اُٹھا کر دو ایک مضامین اسی سلسلے کے لیے اور تحریر فرمائیے۔

(۱)

شاہ شجاع کا بیٹا منوچہر نہایت حسین اور بہت ہی خوبصورت تھا۔ شاہ شجاع کی بیوی جہاں ملک جو نہایت عاقلہ اور فاضلہ گزری ہے فنون شاعری میں بھی طاق تھی۔ اور اپنے اس بیٹے کو بہت چاہتی تھی اور اسکے لیے ۳۰ ہزار دینار کا گھوڑا منگوایا تھا۔ ایک دن شاہ شجاع اور جہاں ملک دونوں گھوڑوں پر سوار شاہزادے کی چوگان بازی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اتفاقاً منوچہر گھوڑے سے گرا اس کے مونھ پر چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔

بیٹے کا خون دیکھ کر باپ کا دل بیتاب ہوگیا۔ حکم دیا کہ گھوڑے کو ذبح کرو۔ جہاں ملک کو بیٹے سے زیادہ گھوڑے پر ترس آیا فی الفور یہ رباعی کہی۔

شاہا تو ادب دہ فلک بدخو را
کو بہ چشم رسانید رخ نیکو را
گر گوی غلط رفت بچوگانش زن
در اسپ خطا کرد ببخش او را

شاہ نے جہاں ملک کو گھوڑا معہ ایک لاکھ درہم کے بخش دیا۔

(۲)

ایک مرتبہ اماں نے زیب النسا بیگم سے کہا کہ مردانے مشاعرہ میں ایک طرح ہوئی ہے۔ آپ بھی کچھ کہیں۔ طرح یہ تھی۔

لخت لختِ جگرم مضمحل آید بیروں

بیگم نے معاً کہا

گرم ا شعلۂ آہے ز دل آید بیروں
لخت لختِ جگرم مضمحل آید بیروں

یہ زمانہ زیب النسا بیگم کی ابتدائی شاعری کا تھا۔

(۳)

ایک بار ایک لونڈی کو مامون الرشید کے دربار میں ایک شخص بغرض فروخت

لایا اور اُس کے علم و فضل۔ فصاحت ادبیت سخن سنجی کی وجہ سے دو ہزار دینار سرخ قیمت بیان کی۔ خلیفہ ماموں نے کہا کہ میں ایک شعر پڑھتا ہوں اگر یہ اسکا جواب فی البدیہ دے تو میں اس کی قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں۔ شعر یہ تھا۔

ماذا تقولین فی من شفّہ ارق — من جھد حبّک حتّی صار حیرانا

کیا کہتے ہو تم اُس شخص کی نسبت جو دُبلا ہو گیا ہو اور بیدار رہا ہو ٭ سختیوں سے تیری محبت کی یہانتک کہ حیران ہو گیا ہو

کنیز نے برجستہ کہا

اذا وجدنا محبًّا قد اضرّ بہ — داء الصبابۃ اولیناہ احسانا

جسوقت کہ پایا ہم نے ایسے دوست کو کہ نقصان پہنچایا ہو اسکو ٭ مرض محبت نے ہم اس کے ساتھ بہت اچھا احسان کرینگے

ا۔ ب۔ ن

قطعہ

چلتے پھرتے۔ بیٹھتے اُٹھتے بناؤ قوم کو
اپنا فرضِ منصبی ہر دم ادا کرتے رہو
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد، سچ ہے یہ بات
پیر بننا ہو تو اپنی قوم پر مرتے رہو

رُباعی

بیدار ہی مغز گر تو آؤ جھٹ پٹ — سوتی ہوئی قوم کو جگاؤ جھٹ پٹ
اے پیش روانِ قوم پیچھے دیکھو — گھٹتی ہوئی قوم کو بڑھاؤ جھٹ پٹ

اختر (میرٹھی)

بقیہ زنانہ حاضر جوابیاں

(۱)

خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں بغداد کے کسی بازار میں ایک عرب کا گزر ہوا۔ ایک دُکان پر ایک طرف رنگ برنگ کے میوہ جات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اور ایک طرف قسم قسم کے پرندوں کے کباب بھُن رہے تھے۔ اور ایک صاحب جمال عورت خرید و فروخت میں مشغول تھی۔ عرب نے یہ نظر فریب نظارہ کاہیکو دیکھا ہوگا۔ ایک لحظہ تک بیخود ٹھٹک کر رہ گیا پھر کہا

وفاکھۃ مما یتخیرون، ولحم طیر مما یشتھون، وحور عین کامثال اللولوء المکنون۔

عورت نے بیساختہ جواب دیا۔

جزاء بما کانوا یعملون۔

(۲)

کسی امیرزادے نے ایک عورت کو دیکھا کہ سر کے بال دھو کر نچوڑ رہی ہے اور پانی کے قطرات مثل موتی کے گر گر کر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اُس نے فوراً یہ مصرعہ موزوں کیا۔ ع

کونسی وہ چیز ہی گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

اور گھر میں آکر اپنی دونوں بیبیوں سے مصرعۂ ثانی موزوں کرنے کی فرمایش کی ایک نے کہا۔ ع

قطرہ شبنم کا ہی جو گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

دوسری نے یہ شعر موزوں کیا۔

جب نچوڑے دھو کے اپنے بال پانی طشت میں	آتے آتے طشت تک گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

(۳)

شیخ سعدی اور اُن کی بیٹی کے نام سے سیکڑوں بے سر و پا نقلیں مشہور ہیں۔ اُن میں جو سنجیدہ ہیں اس موقع پر لکھتی ہوں۔ شیخ سعدی کے کلام کی شہرت جب وطن سے باہر ملکوں میں پہونچی لوگ اکثر اُن کا نام سُنکر دُور دُور سے آتے اور اُنکے کلام فیض التیام سے اپنی روحانی پیاس بجھا جاتے۔ اتفاقاً چند اہل عراق بھی شائق ہوکر شیخ کے یہاں پہونچے۔ شیخ علیہ الرحمۃ کا حسن پوشش مکان اور ظاہری ساز و سامان میں ابتری دیکھ کر سخت بیدل اور بدعقیدہ ہوگئے۔ شیخ مکان میں نہ تھے۔ اُن کی بیٹی کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجدیا کہ وہ آئیں تو دینا ؎

شعر یا شیراز یا نامت لبس است	چوں بدیدم خانہ از خار و خس است

لڑکی نے جواب لکھکر بھیجدیا۔

قافلہ رفتند و ما ہم میرویم	از برائے چند روزہ ایں بس است

راقمہ
سہروردیہ

ہندوستانی عورتوں کی سیوا کرنے والی سبھا

تحریک کی ابتدا

ایک جلسہ میں ایک ایسی عورت دیکھی گئی جو ایک تحریک کے خیال، خواہش اور شوق میں سرتاپا غرق تھی۔ اسے اسوقت نہ تو اُس غپ شپ، خوشی اور کھیل کھلاہٹ کا خیال تھا جس میں عورتیں فرصت کا وقت نہایت لاپرواہی سے گزارتی ہیں، نہ اُسے

اُن کی چٹ پٹی باتوں کا خیال تھا۔ نہ اُسے اُن جھرجھراتی ہوئی آوازوں کا خیال تھا جو تھالیوں، رکابیوں، کٹوروں کے آپس میں گھر کے دھندے کے وقت کھٹکنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور نہ اُسے اپنی بہنوں کی ریشمی ساڑھیوں کی اس سرسراہٹ کا خیال تھا جو چلنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے دل و دماغ ان تمام خیالات سے بالکل خالی تھے۔ اس کے بعد جو لمحہ آیا اس میں مس کینارڈ کی زوردار آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ یہ آواز ان کارناموں کو ایک ایک کرکے تفصیل وار بیان کر رہی تھی۔ جو نوجوان عیسائی عورتوں کی سبھا نے انجام دیئے تھے۔ اس آواز کو اس عورت نے نہایت شوق سے سُنا اور اس کے دل میں نہایت زور کے ساتھ یہ امید پیدا ہوئی کہ عورتوں نے جو نمایاں کام مسیحی دنیا میں کیے ہیں۔ اُن کو ہندوستانی عورتیں بھی ہندوستان میں کرسکتی ہیں۔ اس وقت اس عورت کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہندوستانی عورتوں کی ایک ایسی سبھا قائم کی جائے جس میں کل ہندوستان کی عورتیں شریک ہوکر اپنی بہنوں کی خدمت کریں۔ ان کی بہبودی کے کاموں کو انجام دیں۔ اور ان کی خدمت کے ذریعے انسانوں کی خدمت کریں۔ اس باہمت عورت کے دل میں اس زبردست خواہش نے قدم جمائے کہ عورتوں کی ایک ایسی سبھا ضرور قائم کی جائے جو تمام ہندوستانی عورتوں کی کوشش کا مرجع ہو۔ تاکہ ان کوششوں کو قوت دینے کے لیے ختم نہ ہونے والی طاقت کا ذخیرہ بھی ہو۔

یہ عورت ایک عرصہ تک عورتوں کی سبھا قائم کرنے کے خیال کو اپنے دل میں لیے ہوئے مختلف مقامات میں پھرتی رہی۔ آخر ڈیرہ دون کی سرزمین میں پہنچ کر اس کی خواہش میں اسی کی مانند ایک اور بہن شریک ہوگئی۔ اس کے چند ماہ بعد یعنی دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء میں اس خواہش کی ایک تصویر عورتوں کے جلسے میں ایک ریزولیوشن کی شکل میں پیش کی گئی جو لاہور میں رانی صاحبہ پرتاب گڑھ کی صدارت میں اور سوشل کانفرنس کے اہتمام سے منعقد ہوا

ریزولیوشن کا منشا یہ تھا کہ "بھارت استری مہامنڈل" کے نام سے ہندوستانی عورتوں کی ایک سبھا قائم کی جائے۔ جو ہندوستانی عورتوں کی حالت سدھارنے کی کوشش کرے۔ اور جسکا سالانہ جلسہ ہر سال بڑے دن کی تعطیلوں میں منعقد کیا جائے۔ جو منشار ریزولیوشن کا تھا اس کے ساتھ تمام سمجھدار ہندوستانیوں نے اتفاق کیا۔ اور اسے نہ صرف عام پبلک ہی نے پسند کیا۔ بلکہ اخبارات میں بھی اس کی بڑی تعریف کی گئی۔ مدراس ہائی کورٹ کے جج سنکران نائر صاحب اور اسی پایہ کے اور بہت سے ہندوستانیوں نے "بھارت استری مہامنڈل" کے محرک کو خط لکھے جن میں اسکے مدعا سے نہ صرف گرم جوشی سے اتفاق کیا گیا۔ نہ صرف اس تحریک کی حمایت کرنے کا اتفاق کیا گیا۔ بلکہ اس میں عملی طور سے ہر طرح سے اسکا ہاتھ بٹانے کی آمادگی بھی ظاہر کی گئی۔ تاہم نومبر ۱۹۱۰ء تک استری مہامنڈل کی تحریک عملی صورت نہ اختیار کر سکی۔ نومبر ۱۹۱۰ء میں عورتوں کے ایک پرائیویٹ جلسہ میں جو بمقام لاہور مسز سین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مہامنڈل کی تحریک کو عملی جامہ پہنانے کی کارروائی کی گئی۔ اور کمیٹی بنا کر میں محرک و بانی (شریمتی سرلا دیوی چودھرانی) کمیٹی کی جنرل سکرٹری مقرر کی گئی اور مجھے ختیار دیا گیا کہ میں مہامنڈل کی ایک مستقل اور پختہ بنیاد ڈالوں۔ مہامنڈل کے قواعد وضوابط بناؤں اس کے اغراض و مقاصد قرار دوں۔ اور تمام ملک میں اس کی شاخیں جاری کرنے کی کوشش کروں۔ اسی کمیٹی نے مجھ سے یہ بھی خواہش کی کہ میں ماہ دسمبر کی تعطیلوں میں بمقام الہ آباد عورتوں کا ایک جلسہ منعقد کروں۔ جہاں ہندوستان کے مختلف حصوں سے بہت سی استریوں کے جمع ہونے کی امید کی جاتی تھی۔ بابو انباش چندر موزمدار کی صاحبزادی اس کمیٹی کی اسسٹنٹ سکرٹری بنائی گئیں۔

بھارت استری مہامنڈل کا ابتدائی جلسہ

کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق میں الہ آباد گئی۔ وہاں کی معزز عورتوں سے اس بارہ میں ملاقات کی۔ اور ان سے وعدہ لیا کہ جسقدر عورتیں مہامنڈل کے جلسہ میں شریک ہونے کے لیے

بطور ڈلیگیٹ کے آئیں گی۔ اگر ضرورت پڑے تو انکے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کیا جائیگا۔ یہ وعدہ میں نے آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی جی سے بھی لیا۔ اور اخباروں میں ایک چٹھی چھپوا کر ہندوستان کے مختلف حصوں سے عورتوں کو "بھارت کی استریوں کی کانفرنس" میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ جو الہ آباد میں "بھارت استری مہامنڈل" کے اہتمام سے منعقد ہونے والی تھی۔ اس کے بعد میں چند روز کے لیے لاہور چلی آئی۔ مگر جب میں وسط دسمبر میں الہ آباد گئی تو وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا پایا۔ دیکھا کہ وہاں کے مرد۔ عورتوں کی اس مبارک تحریک کی مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوشل ریفارمر ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو عورتوں کا حامی مشہور کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو سالانہ جلسوں میں عورتوں کی بہبودی پر فصیح لیکچر دیتے ہیں۔ الہ آباد میں عورتوں کی تحریک کے مخالف وہی لوگ تھے۔ جو ان کی بھلائی کے متعلق بڑھ چڑھ کر باتیں بنایا کرتے ہیں یہ لوگ بعض اوقات تعلیم یافتہ عورتوں کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہو کر اپنی بہبودی کے مسائل پر لیکچر دیں۔

مخالفت کی اصل وجہ

چند سال سے سوشل کانفرنس کی زیر سرپرستی عورتوں کے جلسے ہوتے رہے ہیں جو مردوں نے منعقد کرائے ہیں۔ ان جلسوں میں سے ایک جلسہ میں میں نے بھی ایک رزولیوشن پیش کیا تھا جس کی تمام حاضر الوقت عورتوں نے تائید کی تھی۔ رزولیوشن کا منشا یہ تھا کہ "بھارت استری مہامنڈل" کے نام سے عورتوں کی ایک مستقل اور علیحدہ سبھا قائم کی جائے۔ جو اپنے کام کا پروگرام تیار کر کے کام کو تمام سال بڑی مستعدی سے انجام دیتی رہے۔ اور یہ مہامنڈل ہر سال بڑے دن کی تعطیلوں میں تمام ہندوستان کی عورتوں کا جلسہ منعقد کیا کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہامنڈل کی تحریک سوشل کانفرنس کا ایک بچہ ہے۔ مگر افسوس کہ ممبران سوشل کانفرنس کے علاوہ تو اور لوگوں نے اس خیال پر خوشی ظاہر کی۔ کہ عورتیں اپنی علیحدہ کانفرنس منعقد کریں۔ لیکن

سوشل کانفرنس کے ممبروں نے جو اپنا مقصد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دیکر اُن کا درجہ بلند کیا جائے۔ اور سر میدان سینہ کو ٹھوک کر کہا کرتے ہیں۔ کہ وہ عورتوں کے سچے خیر خواہ ہیں۔ ان کو ہماری تحریک ایک آنکھ نہ بھائی۔ بلکہ انھوں نے اس کی مخالفت میں اڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا۔ اور بمبئی سے اس تحریک کے خلاف ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں عورتوں کے آپ اپنی سبھا بنانے کی کوشش کی سخت مخالفت کی۔ مگر مردوں کی طرف سے عورتوں کے لیے سبھا بدستور منعقد کرنے کی کوشش پر زور ڈالا۔ اور اس کوشش کی خوب تعریف کی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ عورتوں کی بہتری کی کوشش کے متعلق جو روایات مشہور ہیں انکا ہندوستان کے سوشل ریفارمر مطلق لحاظ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی خوب دُرگت بناتے ہیں۔ اسلیے اگر منوجی مہاراج کی روح ان لوگوں کو اس غلط عقیدے پر قائم رکھے۔ کہ ہندوستان کی عورتیں نا قابل ہیں۔ یا ان کو اس رسم کی پیروی میں مضبوط رکھے۔ جو مدت سے عورتوں کو غلام بنا کر رکھنے کے متعلق رائج ہے۔ تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔

دو کانفرنسیں منعقد کی گئیں

لیکن عورتیں میدان میں آچکی تھیں جس کانفرنس کو وہ منعقد کرنا چاہتی تھیں۔ اسکا نوٹس اخبارات میں شائع ہو چکا تھا۔ اور جو کام اُنھوں نے شروع کیا تھا اس سے باعزت دست بردار ہونے کا کوئی طریقہ نظر نہ آتا تھا۔ اس لیے بیچاریوں نے سوشل کانفرنس کے ممتاز ممبروں سے مدد کی اپیل کی جو افسوس کہ رائیگاں گئی۔ آخر بیچاریوں کو مخالفوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانی پڑی۔ اسکا یہ انجام ہوا کہ کچھ عورتیں مخالفوں کی طرف چلی گئیں۔ اور کچھ ان کے مقابلہ میں ڈٹی رہیں اور ان باتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سنہ ۱۹۱۰ء میں الہ آباد میں عورتوں کی دو کانفرنسیں منعقد کی گئیں اُن میں سے ایک کانفرنس نے کٹ پتلیوں کا سوانگ دکھایا۔ جو کچھ مردوں نے عورتوں کو سمجھایا وہی اُنھوں نے سٹیج پر آکر بیان کر دیا۔ یعنی وہ کٹ پتلیوں کی طرح تار کے سہارے سے ناچ دکھلاتی رہیں جو پس پردہ مردوں کے ہاتھ میں تھا۔

ہماری کانفرنس کی کامیابی

دوسری کانفرنس اُن عورتوں نے منعقد کی۔ جنکے دل ناکامی اور مایوسی سے دھڑک رہے تھے۔ اور جن کے جسم کانپ رہے تھے۔ لیکن چند سورما مدد دیکر جنکا حوصلہ بڑھا رہے تھے گو اُن عورتوں کی حالت مذبذب تھی۔ گو اُن کو کامیابی کا یقین نہ تھا۔ اور گو اُن کو اپنی ذات پر پورا اعتماد نہ تھا۔ تاہم اُنھوں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے کا پختہ ارادہ کرکے کام کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ والنٹیر مقرر کیے۔ اور کانفرنس کے دنوں میں صبح سے لیکر شام تک پنڈال کے دروازے پر کھڑی رہیں۔ اور کام پر سے یا تو چند منٹ کھانا کھانے کے لیے یا کپڑے بدلنے کے لیے غیر حاضر ہوتی تھیں۔ ان بیچاریوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ گو اُن کو تکلیف ہو۔ گو اُن کو نقصان پہنچے۔ لیکن وہ اپنے مدعا کو ضرور کامیاب بنائینگی۔ اس کانفرنس کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جن مردوں نے بمبئی والوں کے فرمان کے سامنے سر جھکایا تھا۔ اُن میں سے بعض مردوں نے جبکہ اُن کو آزادی کے ساتھ ہماری کانفرنس میں کام کرنے کا موقع ملا۔ نیکدل ترکوں کا سا نمونہ دکھایا اور نہایت فراخ دلی سے بیچاری عورتوں کی بہبودی کی تحریک میں مدد دیتے رہے۔ مہامنڈل کی استقبالیہ کمیٹی کی پردھان رانی صاحبہ پرتاب گڑھ تھیں۔ اور سکرٹری مسز دیپ نراین سنگھ۔ مسز سچدانند سنہا۔ مسز موتی لال نہرو۔ مسز للت موہن بنرجی۔ مسز جوتی سروپ۔ اور اور بہت سی معزز استریاں کمیٹی کی ممبر تھیں۔ کمیٹی نے اپنا کام نہایت سرگرمی سے شروع کیا۔ اور خوش قسمتی سے بیگم صاحبہ جنجیرہ نے مہامنڈل کی پہلی کانفرنس کو اپنی صدارت کا اعزاز بخشا۔

بیگم صاحبہ کی صدارت کا اثر بہت خوشگوار ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ پہلا ہی موقع تھا جبکہ ایک پبلک جلسہ کو ایک خود مختار مسلمان والی ریاست کی بیگم نے صدارت کا فخر بخشا تھا۔ کانفرنس کی کامیابی کا اندازہ اس امر سے اچھی طرح ہوسکتا ہے کہ بیگم صاحبہ بھوپال جو ہندوستان میں ایک بڑی ریاست کی حکمراں ہیں۔ اور جن کی انتظامیہ قابلیت کا تمام ملک میں شہرہ ہے۔ جلسہ میں شریک تھیں۔ آپنے ایک تقریر بھی کی جس میں "بھارت استری مہامنڈل" کے مقاصد سے ہمدردی

ظاہر کر کے اسکے کارکنوں کا حوصلہ بڑھایا۔ اس کانفرنس کے متعلق عام طور پر یہ رائے قائم کی گئی تھی کہ وہ ہندوستانی عورتوں کی تمام کانفرنسوں سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی ہی جو کبھی اس ملک میں قائم کی گئی تھیں۔ اس کی کارروائی کی رپورٹ تمام ممتاز اخبارات میں شائع کی گئی۔ اور بہت سی سربرآوردہ ہندوستانی دیویوں کی طرف سے جو کسی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہ ہو سکی تھیں۔ ہمدردی کے تار آئے۔ ان میں سے ایک مہارانی صاحبہ بڑودہ تھیں۔ اور دوسری حیدرآباد کی مشہور دیوی سروجنی نیڈو۔ آپکے تار کی عبارت یہ ہی "یہ کانفرنس ایک نئے زمانہ کی ابتدا کرنے والی ثابت ہو" ہندوستانی دیویوں کے علاوہ کانفرنس میں کئی یورپین لیڈیاں بھی شامل تھیں جن میں سے ایک صوبجات متحدہ کے قائم مقام لاٹ صاحب اور دوسری الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جج کی بیوی تھیں۔ کانفرنس میں ہندوستانی دیویوں نے جس شائستگی، دانائی، لیاقت، انتظامی قابلیت اور سلیقہ کا اظہار کیا۔ اس کی حاضر الوقت یورپین لیڈیوں میں سے اکثر نے تعریف کی۔

اس تمام کامیابی کی خاص وجہ یہ تھی کہ کانفرنس کو بہت سی ہندوستانی دیویوں نے باقاعدہ کوشش اور اتفاق سے انجام دیا تھا۔ مجھ جنرل سیکرٹری نے جو خاص خاص خیالات اپنی تقریر میں ظاہر کیے تھے۔ ان سے تمام دیویوں نے اتفاق رائے کیا۔ اور ان کو مختلف ریزولیوشنوں کی شکل میں ہندوستان کے مختلف حصوں سے شریک ہونے والی دیویوں نے پیش کر کے اتفاق رائے سے پاس کیا۔

بھارت استری مہامنڈل کے ریزولیوشن

(۱) بھارت استری مہامنڈل کی اس کانفرنس کی رائے ہی کہ منڈل کی مرکزی کمیٹی لاہور کی نگرانی اور رہنمائی میں ہندوستان کے تمام شہروں میں منڈل کی شاخیں کھولی جائیں۔

(۲) کانفرنس کی رائے ہی کہ رسم پردہ اور بچپن کی شادی کے باعث تعلیم پانے کی عمر والی لڑکیوں میں سے بہت ہی کم لڑکیاں اسکولوں میں تعلیم پاتی ہیں۔ اسلیے مختلف شہروں میں بیاہی عورتوں کو گھروں کے اندر تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

(۳) منڈل کی طرف سے بڑے بڑے شہروں میں علمی کمیٹیاں قائم کی جائیں جو دیسی لٹریچر کو ترقی دیں۔ اور اُسے پھیلائیں تا کہ زمانۂ حال کے خیالات، واقفیت تہذیب اور علوم وغیرہ کے متعلق جن سے ہندوستانی عورتوں کی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی عورت کو ایسی کتابیں مطالعہ کرنے کے لیے مل سکیں جو آسانی سے اُن کی سمجھ میں آسکتی ہوں۔

(۴) غریب ہندوستانی عورتوں کو اپنی گذر اوقات کے لیے جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہی۔ اُن کے لحاظ سے بڑے بڑے شہروں میں منڈل کی طرف سے ڈپو یعنی دُکانیں کھولی جائیں اور اسی قسم کے اور کام جاری کیے جائیں۔ اور غریب عورتوں سے ان میں ایسے فائدہ بخش کام کرائے جائیں۔ جن سے وہ اپنی ذات کو اور اپنے خاندان کو نفع پہنچا سکیں۔ اور جن سے ان عورتوں کے نہ تو ذاتی وقار و عزت کو کوئی صدمہ پہنچے۔ اور نہ اِن کے خاندان کی عزت میں کوئی فرق آئے۔

(۵) اسوقت ہندوستانی عورتوں کو طبی امداد دینے کے جو کام جاری ہیں۔ اُنکے متعلق تحقیقات کرکے معلوم کیا جائے کہ ان سے ہندوستانی عورتیں کس قدر فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ اور وہ کونسی رُکاٹیں ہیں جنکے باعث ان امدادی کاموں سے ہندوستانی عورتوں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور کہ ان کاموں کو کس طرح زیادہ ہر دلعزیز بنایا جاسکتا ہی۔

(۶) ہر سال ہندوستان کی کسی رانی یا بیگم سے سالانہ کانفرنس کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی جائے۔ ایسی دیویوں کو ان کی اس صدارت کی بنا پر آیندہ سال کے لیے جنرل کمیٹی کا پردھان مقرر کیا جائے۔ اسی طرح دوسری معزز استریوں کو مہامنڈل کی جنرل کمیٹی کا وائس پریزیڈنٹ مقرر کیا جائے۔

(۷) ملکہ معظمہ ہندوستان سے درخواست کیجائے کہ وہ بھارت استری مہامنڈل کی مربی کا عہدہ قبول فرمائیں۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد (۷) بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء نمبر (۱۲)

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڈھ میں طبع ہوا

شیخ عبداللہ بی اے پبلشر نے علیگڈھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۱ر ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پہیلانا اور پڑہی لکہی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پہیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اسکی طرف ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکی ضرورت محسوس ہوتا کہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکہنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکہے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اسکی آمدنی سے کچہہ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

خاتون

حضرت بلقیس

ملک یمن کے شہر سبا میں ایک ہُدہُد جسکا نام عنفیر ہی ڈالی پر پھدکتا پھرتا ہی کبھی صحن میں چرتا ہی۔ کبھی گردن اُٹھا کے اپنی کلغی کی بہار دیکھتا ہی۔ یہ چمن ملکہ سبا حضرت بلقیس کا ہی اور یہ ہدہد بھی اُنہیں کا پالتو ہی۔

ایک پہر دن چڑھا تھا کہ وہاں ایک دوسرا ہُدہُد بھی آن پہنچا جسکا نام یعفور ہی۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہُدہُد ہی جو سیر کرتا ہوا اس چمن میں پہونچگیا ہی۔

عنیفر اپنے ایک ہم جنس کو دیکھکر بہت خوش ہوا اور اُسکو اپنا مہمان سمجھکر نہایت تواضع کیسا تھہ استقبال کرنے کے لیے بڑھا۔

عنفیر۔ آئیے آئیے۔ کدھر سے تشریف لانا ہوا۔

یعفور۔ میرے مالک حضرت سلیمان ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ ہیں اور نبی بھی ہیں وہ اس ملک میں آئے ہیں۔ انسان کی اور جنات کی اسقدر فوج اُنکے

پاس ہی کہ اسکے دونوں سرے ایک مہینہ کے رستہ کے فاصلہ پر ہیں نہ صرف زمین اور پانی پر انکی حکومت ہی بلکہ ہوا بھی انکے قبضہ میں ہی۔ تمام چرندوں پرندوں اور درندوں پر انکی حکومت ہی۔ میں بھی انہیں کے ہمراہ ذوالجناح افواج میں ہوں اسوقت فرصت کا موقع دیکھکر اسطرف سیر کے لیے نکل آیا۔

عنفیر۔ حضرت سلیمان تو ملک شام کے بادشاہ ہیں وہ اسطرف کیوں آئے ؟

یعفور۔ انکو اللہ تعالی نے حکم دیا تھا کہ میرے لیے ایک مکان بناؤ جس میں صرف میری عبادت کی جاے جب اس مسجد کو وہ بنا چکے تو اُنھوں نے بہت بڑی ضیافت کی سات دن تک کہانا کہلاتے رہے۔ اور خیرات بانٹی پہر اُنکو اللہ نے حکم دیا کہ اے سلیمان تم جاکر اس گھر کا حج کرو جو میری عبادت کے لیے میرے خلیل حضرت ابراہیم نے بنایا ہی۔ اور جو دنیا میں سب سے معزز گھر ہی اور میری برکت اور رحمت کا سرچشمہ ہی۔ میں بمقابلہ اس گھر کے اُسکو دس گُنا برکت دونگا اور جو ایکبار اس کی زیارت کریگا میں اُسکے تمام گناہ معاف کر دونگا۔ اس حکم کے مطابق وہ صحاری راہیں حج کرنے کے لیے آئے اور پہر سیر کرتے ہوے اسطرف نکل آئے ہیں۔

عنفیر۔ میرے عرب کی مسجد کو تمہارے ملک شام کی مسجد پر بلاشبہ فوقیت ہی۔

یعفور۔ شام اور عرب کی اس میں کچھہ تخصیص نہیں ہی۔ بلکہ اللہ کے نام کو فوقیت ہی۔ اگر تم کو اس مسجد پر اسلیے ناز ہی کہ وہ تمہارے ملک کی ہی تو بجا ہی لیکن شام کو کمتر سمجھنا دانائی سے بعید ہی۔ کیونکہ آخر یہ تو سوچو کہ اس مسجد کو حضرت خلیل اللہ نے بنایا جو شام ہی کے رہنے والے تھے۔

عنفیر۔ نہیں۔ شام پر بھی میرا فخر بجا ہی کیونکہ میں عرب کا ہوں۔ اس سرزمین کی تمام چیزوں کو عالم میں برتری حاصل ہی۔ تم حضرت سلیمان کی سلطنت کی تعریف

کرتے ہو لیکن اگر ہماری ملکہ بلقیس ہے جو ملک یمن کی حکمران ہے جاہ وجلال کو دیکھو تو سلیمان کو بھول جاؤ اسکے بارہ سپہ سالار ہیں۔ اور ہر ایک کے پاس ایک ایک لاکھ فوج ہے چلو میں تم کو اپنی ملکہ کا محل اور اُسکا سامان دکھلاؤں۔

یعفور۔ باتوں میں مجکو دیر بہت ہو گئی یقیناً دوپہر کے وقت میری جستجو ہو گی اب میں بالکل نہیں ٹھر سکتا مجھے جانے دو۔

عنیفر۔ نہیں کچھہ دیر نہیں ہوئی ہے اور اگر تم میری ملکہ کو دیکھہ لو گے اور اُسکے حالات جاکر اپنے پادشاہ سے بیان کرو گے تو یہ انکے لیے ایک دلچسپ قصہ ہو گا اور وہ نہیں کچھہ نہ کہینگے یعفور عنیفر کے ساتھہ شہر سبا میں جاتا ہے اور ملکہ بلقیس کو اور اُسکے جاہ وجلال کو دیکھتا ہے۔

ظہر کے وقت حضرت سلیمان معہ اپنے لاتعداد لشکر کے جس میں انسان جنات اور ہر قسم کے حیوانات شامل ہیں صنعاء کے ریگستان میں پہونچے اور سب سے پہلے پانی کی تلاش ہوئی۔

پانی کا تلاش کرنا یہ ہدہد کا کام تہا اسلیے اسکی جستجو ہوئی مگر وہ نہ ملا کیونکہ وہ اُسوقت ملکہ سبا کا محل دیکھہ رہا تہا۔

پانی میں دیر ہوئی حضرت سلیمان خفا ہوئے کہ ہُدہُد کو تلاش کرو میں اسے سخت سزا دونگا بشرطیکہ وہ کوئی معقول عذر نہ پیش کرے اور چڑیوں کے جلاد عقاب کو حکم ہوا کہ اسکی سزا کے لیے تیار ہو جاے۔ اور گدہ کو جو تمام پرندوں کا نقیب تہا فرمان دیا گیا کہ اُسکو گرفتار کرکے لائے۔

گدہ نے اوپر اُڑکر ہوا میں چکر لگانے شروع کیے اور زمین کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہ اتنے میں اُسکو سبا کی طرف سے ہدہد آتا ہوا دکہائی دیا۔ اُسنے پیچہے اگر عقاب

کو اشارہ کیا کہ مجرم آرہا ہے۔ عقاب تیر خدنگ فوراً لپکا۔ ہدہد یہ دیکھکر ڈر گیا اور اُسنے کہا کہ تجھے سلیمان کی قسم ہے مجھپر رحم کر اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچا۔ عقاب نے کہا کہ اللہ کا نبی آج تجھپر بہت برافروختہ ہے اور اسنے بھرے دربار میں یہ کہا ہے کہ میں ہدہد کو سزا دونگا ہدہد نے کہا کہ کوئی شرط بھی لگائی ہے اُسنے کہا ہاں شرط یہ لگائی ہے کہ جبکہ وہ کوئی معقول عذر پیش نہ کر سکے۔ ہدہد نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے میرے پاس نہایت معقول عذر ہے اور میری سزا نہیں ہو سکتی۔

ہدہد دربار میں حاضر ہوا اور سر نیچا کرکے نہایت ادب سے اُسنے اپنے دیر میں آنیکی وجہ بیان کی اور کہا کہ میں سبا میں پہنچا وہاں ایک ملکہ ہے جسکے پاس بارہ سپہ سالار ہیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک لاکھ فوج ہے۔ وہ پردہ کی آڑ میں بیٹھکر ہفتہ میں ایک بار دربار کرتی ہے۔ اسکے سامنے کسی کی مجال نہیں ہے کہ بیٹھ جاوے لوگ جب کچھ کہنا چاہتے ہیں تو پہلے سجدہ کرتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ وہ جس تخت پر بیٹھتی ہے وہ سات بیٹر ہونگا ہے اور ہر قسم کے بیش بہا جواہرات اس میں جڑے ہوئے ہیں اور اسکے پایے یاقوت اور زمرد کے بنے ہوئے ہیں اس کی تمام قوم مجوسی ہے اور وہ لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔

ہدہد جب یہ باتیں بیان کر چکا تو حضرت سلیمان نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ اگر کوئی اسطرح کی ملکہ ہے جیسی کہ تونے بیان کی تو یہ میرا خط لیجا کر اسکے پاس پہنچا اور اُسیوقت یہ خط لکھکر دیا۔

از جانب سلیمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تم لوگ مجھ سے سرکشی نہ کرو۔ اور میرے پاس مسلمان ہو کر آجاؤ۔

ہدہد جو پہنچ نہیں یہ خط لیکر اُڑا۔ سبا کی ملکہ اُسوقت اپنے بالا خانہ پر سوئی ہوئی

تہی اسنے جاکر اسکے سینہ پر خط گرا یا جس سے وہ فوراً چونک پڑی اور اُٹھ بیٹھی۔ دیکھا تو ایک خط ہے اُسکو کہولکر پڑہنے لگی۔ ہُدہُد بھی حالات دیکہنے کے لیے چھجے کے کونے پر بیٹھ گیا۔ بلقیس یہ خط پڑہکر بہت گھبرائی اور اُسکو بڑا تعجب ہوا کہ کیونکر یہ آیا۔ اسنے اُسیوقت تمام اُمرا اور اراکین کو جمع کیا اور پوچھا کہ میرے پاس یہ ایک خط نہ معلوم کسطرح پُہنچگیا ہے تم لوگوں کی اس کی بابت کیا راے ہے۔؟

سرداروں نے جواب دیا کہ ہم جنگ آور اور بہادر لوگ ہیں اور اختیار تمہارے ہاتہہ میں ہے تم جو حکم دو گی اُسکے لیے ہم تیار ہیں۔

بلقیس نے کہا کہ بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی آبادی میں گُھستے ہیں تو اُسکو اُجاڑ دیتے ہیں اور معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اسلیے پہلے ہمکو اچھی طرح اسکا اندازہ سمجھہ لیسنا چاہیے پھر کسی کام میں ہاتہہ ڈالنا چاہیے۔ میری راے تو یہ ہے کہ ہم انکے پاس تحفے بہیجیں دیکہیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

بیگم کا مطلب یہ تہا کہ اگر وہ ہمارے تحفے قبول کرلینگے تو ہم سمجھہ جائینگے کہ وہ دنیاوی بادشاہ ہیں اسلیے اُنسے لڑینگے۔ لیکن اگر اُنھوں نے تحفے قبول نہ کیے اور اسی بات پر جمے رہے کہ ہم انکی شریعت پر ایمان لائیں تو سمجھہ لیسنا چاہیے کہ وہ سچے نبی ہیں اور پہر اُنسے لڑنا فضول ہے۔

تحفہ جات بہیجے جانے کا سامان کیا جانے لگا۔ طرح طرح کے بیش قیمت جواہرات سونے اور چاندی کی اینٹیں دیبا اور حریر کے لباس عنبر اور مُشک مختلف نسل کے عمدہ گھوڑے اور قسم قسم کے ساز و سامان بہیجنے کے لیے تیار کیے گئے حضرت سلیمان کی فراست کا امتحان لینے کے لیے پانچسو خوبصورت لونڈیوں کو مردانہ لباس پہنا کر اور پانچسو خوبصورت لڑکوں کو زنانہ لباس اور طرح طرح کے زیورات پہنا کر

بھیجے کہ دیکھیں حضرت سلیمان انکو پہچانتے ہیں یا نہیں۔ یہ تمام تحفے منذر بن عمر کے ہمراہ جو یمن کا ایک نہایت معزز سردار تھا حضرت سلیمان کی خدمت میں روانہ کیے گئے۔ منذر سے بلقیس نے یہ بھی کہدیا تھا کہ اگر وہ تکبر کے ساتھ ملیں تو سمجھنا کہ بادشاہ ہیں ورنہ نبی ہیں۔ ہُدہُد نے یہ تمام باتیں آکر حضرت سلیمان سے کہیں۔

حضرت سلیمان نے انکے استقبال کے لیے اپنا دربار سجایا۔ سات کوس تک جنات نے سونے اور چاندی کی اینٹیں بچھا دیں۔ تمام صحرا سُرخ و سپید ہو گیا۔ گنگا جمنی لہروں پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ بیچ میں تخت سلیمانی بچھایا گیا۔ داہنے بائیں چار چار ہزار کرسیاں لگائی گئیں اور ہر قوم کے سردار اور امیر اسپر آکر بیٹھ گئے۔ دو رویہ پرندوں۔ چرندوں درندوں جنات اور بہرالنسان کی فوجیں صف بستہ کھڑی ہوئیں

منذر جسوقت تحفے لیکر پہنچا تو اس نئے لشکر اور ساز و سامان کو دیکھکر حیران ہو گیا۔ سونے اور چاندی کی اینٹیں جنکو وہ تحفہ میں لایا تھا اس کثرت سے یہاں دیکھیں تو وہ دل میں بہت شرمایا۔ آخر ایک جگہ چند اینٹیں جنات نے خالی چھوڑ دی تھیں۔ منذر نے اس خیال سے کہ کہیں ہمارے اوپر چوری کا الزام نہ لگے فوراً اُن اینٹوں کو جنکو وہ تحفے میں لایا تھا وہیں رکھ دیا۔

تخت کے سامنے پہونچکر سجدہ کیا لیکن قبل اسکے کہ اسکا سر زمین پر پہونچے اُٹھا لیا گیا۔ حضرت سلیمان اسطرح اس سے ملے جسطرح دوست سے دوست بے تکلف ملتا ہے اور ذرا بھی شاہانہ ناز و غرور کی بو اسنے ان میں نہ پائی۔

پھر منذر نے وہ تحفے پیش کیے جنکو وہ بیگم کی طرف سے لایا تھا۔ لیکن حضرت سلیمان نے اُنکو قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہمکو اس سے بہت زیادہ اللہ نے دے رکھا ہے۔ ہم ان باتوں سے خوش نہیں ہوتے شاید یہ چیزیں تمھاری خوشی کا سامان ہونگی۔

تم واپس جاؤ اور اپنی قوم سے کہدو کہ ہم ایسی فوج لیکر چڑہینگے کہ جسکے مقابلہ کی اُنکو کبھی طاقت نہو گی اور ہم ذلت کے ساتھہ اُنکو اس ملک سے نکال دینگے۔

اُس روز وہ لوگ حضرت سلیمان کے مہمان رہے۔ بلقیس کے بھیجے ہوئے غلام اور لونڈیوں کو اُنہوں نے دیکھا کہ جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھیں وہ جب مُنہہ دہوتی ہیں تو پہلے ایک ہاتھہ میں پانی لیکر دوسرے ہاتھہ میں لیتی ہیں پہر مُنہہ پر ڈالتی ہیں تب اُنہوں نے کہا کہ یہ لڑکے نہیں ہیں بلکہ لڑکیاں ہیں اور زنانہ لباس والونکو بتایا کہ یہ لڑکے ہیں کیونکہ یہ ہاتھہ میں پانی لیکر دوسرے ہاتھہ میں نہیں ڈالتے بلکہ منہہ پر ڈالتے ہیں۔

منذر اپنے تمام تحفہ جات لیکر واپس گیا اور ساری کیفیت بلقیس سے بیان کی بلقیس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ دنیا پرست پادشاہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی ہیں۔ انسے لڑائی کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ آؤ میں اور تمام اُمرا اور سردار ملکر انکے پاس چلیں اور دیکہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور اُنکا مقصد کیا ہے۔

چنانچہ تمام امیروں سرداروں اور ارکان سلطنت کو لیکر ملکہ بلقیس حضرت سلیمان سے ملنے کو روانہ ہوئی۔

حضرت سلیمان کو بھی یہ خبر ملی اُنہوں نے اس بات کا تجزیہ کرنے کے لیے کہ دیکہیں اس ملکہ میں سمجھہ اور امتیاز کا مادہ ہے کہ نہیں اپنے اُمرا کی طرف آنکھہ اُٹھا کر فرمایا کہ تم میں سے کون ایسا ہے کہ اسکے آنے سے پہلے اسکا تخت یہاں لادے ایک جن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپکے دربار برخاست کرنے سے پہلے یہاں لاسکتا ہوں۔ دوسرے نے جسکو اسم اعظم معلوم تھا کہا کہ میں پلک جھپکانے سے پہلے اسکو حاضر کرسکتا ہوں۔ چنانچہ جو حضرت سلیمان نے دیکھا کہ وہ تخت موجود ہے تو اللہ کا شکر بہ ادا کیا۔ پھر حکم دیا کہ اس تخت میں بہت تغیر و تبدل کردو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ اپنا تخت پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

اسیوقت جنات نے سبز کی جگہ سرخ - سرخ کی جگہ سبز اس پائے کی جگہ وہ پایہ اور اُسکے بجای یہ اور اسی طرح کی بہت سی تبدیلیاں کردیں -

---

دوسرے روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک غبار دیکھا اُنھوں نے سمجھ لیا کہ بلقیس کا قافلہ آرہا ہے - تھوڑی دیر میں وہ لوگ آ گئے اور بلقیس مع امرا کے دربار میں آئی - سلام وکلام کے بعد حضرت سلیمان نے اس تخت کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اسی قسم کا تمہارا تخت ہے - بلقیس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہی ہے - تب حضرت سلیمان اور درباری مسکرائے - حضرت بلقیس فوراً سمجھ گئیں کہ یہ میرا ہی تخت ہے اور اُنھوں نے اپنی نبوت کے زور سے اُسکو منگا لیا ہے - تب اُنھوں نے کہا کہ ہم اس بات کو پہلے ہی جان چکے کہ آپ نبی ہیں اور اُسیوقت سے ہم آپ پر ایمان لائے -

حضرت سلیمان نے اُنکو توحید سکھائی - اور اللہ کے سوا اور جن جن چیزوں کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے سب چھڑوا دی - اور اُنکی تمام قوم مسلمان ہوگئی -

---

حضرت بلقیس اپنے آپ کو اسقدر معزز سمجھتی تھیں کہ اُنھوں نے اسیوجہ سے کسی کے ساتھ شادی نہیں کی تھی اسلام لانے کے بعد وزرا اور امرا نے یہ چاہا کہ انکی شادی حضرت سلیمان کے ساتھ کردی جائے - حضرت سلیمان سے کسی نے کہا کہ اس عورت کی پنڈلیوں میں بال ہیں اور یہ منحوس ہے - اُنھوں نے اُسیوقت جنات کو حکم دیا کہ ایک محل تیار کرو اور اُس میں صحن شیشہ کا اسطرح بناؤ جسپر بالکل پانی کا دہوکا ہو چنانچہ تیار کیا گیا - حضرت سلیمان نے اس میں دربار کیا - حضرت بلقیس جب وہاں گئیں تو انھوں نے یہ خیال کیا کہ پانی کا حوض ہے - پائینچے چڑہائے - تب اُنسے یہ کہا گیا کہ یہ پانی نہیں ہے - وہ بہت ہی حیران ہوئیں اور اُنھوں نے کہا کہ بیشک حضرت سلیمان

نبی ہیں اور انکو اللہ نے بڑی طاقت دی ہے۔ میں انکی نبوت پر ایمان رکھتی ہوں۔
حقیقت میں انکی پنڈلی میں بال تھے لیکن ایک جن نے کہا کہ میں اس کی ایک دوا جانتا ہوں یعنی چونہ اور ہڑتال۔ اس دوا سے وہ بال جھڑ گئے۔ اور حضرت سلیمان نے اسلئے شادی کی سات سال کے بعد حضرت بلقیس نے وفات پائی۔
انکی قبر نامعلوم تھی لیکن سنہ ھ میں شام کے شہر تدمر میں ایک مرتبہ ایک سیلاب آیا جس سے ایک تابوت کھلا۔ اسپر حضرت بلقیس کا نام لکھا ہوا تھا اُس زمانہ میں بنی اُمیہ کے ہاتھ میں خلافت تھی اور ولید خلیفہ تھا اُسنے وہیں دفن کرا دیا اور سنگِ سرخ سے قبر بنوادی۔

از گمنام

"ایک جن کا قصہ"

ثریا بیگم اپنے توشک خانہ کی موجودات میں مصروف تھیں اور ایک بلبے چوڑے صندوق پر کھڑی کپڑے نکال نکال کر ایک طرف رکھتی جاتی تھیں! سورج ابھی نہیں چھپا تھا لیکن اس تیرہ و تاریک کوٹھری میں شمع کی ضرورت تھی۔ کوٹھری تو بڑی ساری تھی لیکن جب سے بنی تھی اُس میں سورج کی کرن نہ آئی تھی۔ آتی کہاں سے چاروں سمت سے دالانوں اور کمروں نے تو بیچاری کو گھونٹ رکھا تھا۔ حتیٰ کہ سر پر بھی ایک صاحب سوار تھے۔
کوٹھری میں بیسیوں بڑے بڑے صندوق مالک کے متمول کا نشان تھے ایک طرف یہ جید مچان بنا ہوا تھا جسپر جہازاں چاندی کے برتن بھرے تھے۔

انھیں میں ثریا بیگم کے میاں کی بندوق پڑی سڑ رہی تھی اور دو ٹوٹی ہوئی گڑگڑیاں بھی جھانکتی نظر آتی تھیں پچھلے حصہ کی خبر نہیں کہ اس میں کیا کیا اڑم سڑم بھرا پڑا تھا۔
کپڑے دیکھتے دیکھتے ثریا بیگم کی نگاہ ایک اطلس کے پھولدار پیجامے پر پڑی تو سینے پر ہاتھ مار کے بولیں "ہے ہے یہ یہاں کہاں سے آیا؟ (جیسے کچھ یاد کر کے) بی منجو سے خدا ہی سمجھے یہ انھیں کی کارستانی ہے۔ تو یہ ہی میرا تو ناک میں دم آگیا...... بھلا ایسی بھول بھی کس کام کی؟"
بی منجو ثریا بیگم کی دو اکا نام تھا جو اب تک انکے گھر پڑی رفاقت کا حق ادا کر رہی تھیں وہ بیچاری ستر بہتر برس کی آدمی آنکھوں سے سوجھے نہیں ہاتھ پاؤں میں رعشہ بھلا انکا حافظہ کیا خاک باقی رہتا۔ دو تین دفعہ تو بیچارے دسترخوان کے جانماز میں روٹیاں لپیٹ دیں۔ ایک مرتبہ صابون کی بٹیا کو آپنے حلوا سوہن سمجھکر بڑے اہتمام سے تراشا اور کھانے میں پھیکا سیٹھا بے مزہ معلوم ہوا تو کہنے لگیں "اے ہے بیگم دیکھنا اس میں تم نے مٹھاس بہت ہی کم ڈالی!"
یہی بھول تھی جسنے اطلس کا پیجامہ اس صندوق میں رکھوا دیا تھا اور ثریا بیگم اسوقت بے مزہ ہوئیں کیونکہ یہ **پیجامہ چوری کا تھا!** چوری کا؟ کیا؟ ثریا بیگم ایسی متین ایسی مہذب بہو سب سے زیادہ ایسی معقول اور چوری کا پیجامہ اپنے ہاں رکھے؟؟؟ ہاں مناو ان پڑھنے والی تجھے خبر نہیں کہ شرفا میں چوری بھی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ مال اپنی بہن کا۔ خاص سگی بہن کا۔ ہو!
ثریا بیگم نے ایک تاریک بخاری کو جس میں تین تین قفل پڑے ہوئے تھے کھولا اُن بیش قیمت کرتوں دوپٹوں لبیبوں اور تو یہ ٹکو جو چرا چرا کے اس میں رکھی گئی تھیں بنظر اطمینان دیکھا اور یہ اطلسی پیجامہ بھی تہ کر کے وہیں رکھدیا۔
اپنے منصرفہ مال پر نگاہ سرسری ڈالتے وقت انکا چہرہ شمع کی پژمردہ روشنی میں

چمکا اور میری آنکھوں میں خباثت باطنی کی تصویر پھر گئی!

(۲)

ثریا بیگم نقل لگا کے باہر آئیں تو گھر میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا اُنکے صاحبزادے میاں نعیم و فہیم اپنے خالہ زاد بھائی علی سے لڑے اور دونوں نے ملکر ایسا چہ بچہ میں پٹخا کہ معصوم بچے کا سر پھٹ گیا۔

میاں علی معمولی طور پر بھی رونے میں کسی سے کمزور نہ تھے اور یہ موقع تو قدرتی آواز آزمائی کا ملگیا تھا بے ارادے منہ پھاڑ پھاڑ کے جو روئے ہیں تو گھر سر پر اُٹھالیا۔ اور وہاں تک آواز گئی جہاں انکے بڑے بھائی ولی مرزا "گیلی بارہ" لونڈوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

ولی بہت پیارا اور ہشیار بچہ تھا ثریا بیگم کی بدسلوکیاں ہی وہ خوب جانتا تھا اور اسی لیے ماں کے کہنے سننے کے باوجود ان خالہ کے ہاں وہ کبھی نہ گھستا تھا۔ بھائی کی آواز سنتے ہی سمجھا کہ شاید خالہ نے حسب عادت علی پر اپنا غصہ اُتارا جھٹ دوڑ کے گھر میں خبر کی اور وہاں سے ایک لشکر ماما اصیلوں چھوکریوں اور "خیر خواہوں" کا نکل پڑا۔

شہزادہ ولی کی اماں نے کہا کہ اری کمبخت سنو تو سہی۔ ٹھہرو تو سہی۔ دیکھو خبر دار جو وہاں جا کے زبان درازی..... اری او سوسن تو کہاں چلی رہ تو سہی مُردار — نہیں باز آئی — ......

مگر ہمارے ہاں کا یہ دستور ہے کہ ایسے موقعوں پر نوکریں بیویوں کی نہیں سُنا کرتیں بلکہ ہمیشہ تو بچے کے معاملہ میں ایسی ایسی باتیں دیکھی ہیں کہ تعجب آتا ہے مثلاً ایک بی بی نے اپنے صاحبزادے کو کسی شرارت پر مارنا شروع کیا تو انکی نوکر چاہے اپنے کام (جس کی وہ تنخواہ پاتی ہے) کبھی اچھی طرح نہ کرتی ہو اور چاہے وہ بیوی کے

ماں ہیں سے کہ یہ گہ خود بُو کر لینا عین ثواب اور دانائی جانتی ہو لیکن اسوقت وہ خود بیوی سے زیادہ بچے کی رفیق بنجائیگی۔ اب اماں ہیں کہ بچے پر پلی پڑتی ہیں اور "اری تو ہٹ تو سہی۔ خدا کی قسم اسوقت مجھے اچھی طرح اس موذی کا کچلا بنا لینے دے" اور کبھی کبھی "واہ مجھے یہ خیر خواہی اچھی نہیں لگتی"۔ یہی ہوتا جاتا ہی مگر نوکر صاحب بیوی کے دست ناتوان سے بچے کو کسی نہ کسی طرح تڑا ہی لیتی ہیں اور پھر "بیوی ہم نے تو ایسا کٹر کسی ماں کو نہیں دیکھا۔ توبہ ہے تم نے تو بچے کو مار مار کے ادہ موا کر دیا۔ واہ واہ ایسا ہی تو کسی دن سنکھیا کیوں نہ دیدو" وغیرہ وغیرہ

یہ بیہودہ سوانگ روز اُن گھروں میں ہوتا ہی جنکے مرد تہذیب اور شائستگی کا عمدہ نمونہ ہیں اور حقوق نسواں و تربیت نسواں کی مخالفت میں کئی کئی دن بحث کرسکتے ہیں۔

ولی کی اماں چنختی رہیں مگر چھوکریوں اور جاہل عورتوں کو لڑائی جھگڑے کا بڑا شوق ہوتا ہے کام دھندا چھوڑ کر تفریح کو جی چاہتا ہی غرض کسی نے کچھ نہیں سنا اور اب یہ راون کی سینائیں ثریا بیگم کے گھر پہونچیں۔

پہلے تو میاں علی "اے ہے میرے بچے کو کس نے مارا۔ ہوے قصائی بھی ایسا سلوک تو نہیں کرتے ـــــ بس اماں چپ ہو جا (چمکار کے) میں واری زیادہ ہلکان نہو ـــــ" اور اسی قسم کی باتوں کے ساتھ اٹھائے گئے۔ وہ بھی خوب ہی پہیلے مگر اُن کو تو پکڑ دھکڑ کے گھر پہنچا دیا گیا اور اب ثریا بیگم والیوں میں اور انکی بہن کی نوکروں میں لڑائی شروع ہوئی۔

کلثوم (علی کی ماں) "مگر شاباش ہی اس گھر والوں کو۔ صد رحمت ہی! نگوڑے جانور بھی تو ایسے بیرحم نہیں ہوتے کہ بچے کا سر پھٹ جائے اور بیٹھے مزے سے سیر دیکھا کریں۔"

شبو (ثریا بیگم کی چھوکری) "اے بی تو بچے لڑا ہی کرتے ہیں۔ چوٹ پھینٹ بھی آجاتی ہے اب کونسا ایسا۔"

کلثوم (بات کاٹ کے) "وی۔ اے بی سر پھٹ گئے لہو بہ گئے اور ابھی تک چوٹ پھینٹ ہی رہی۔ خیر بوا جان نکلنے کی کسر رہ گئی تھی۔"

اس مختصر سی تمہید کے بعد ایک طویل جنگ آغاز ہو گئی جس میں کوسنے بددعائیں گالیاں اور دنیا بھر کی خرافات شامل تھی۔

ثریا بیگم کی نوکریں انکی بہن تک پر شیر تھیں بھلا انکی خادمات کو کیا گردانتیں۔ انہوں نے خوب ہی برا بھلا کہا اور اگر اُسی وقت ثریا بیگم کوٹھری سے باہر تشریف نہ لے آتیں تو شاید جوتی پیزار کی نوبت آجاتی۔

ثریا بیگم کی جرنیلی آواز نے سب کو خاموش تو کر دیا مگر جب اُنہوں نے لڑائی کی وجہ دریافت کی تو پھر ایک غوغا بلند ہوا۔ بڑی مشکلوں سے اُنہوں نے ساری حقیقت سنی اور پھر نہایت سرد مہری سے اپنی بہن کی عورتوں کو کھڑے کھڑے گھر سے باہر کیا۔ ساتھ ہی یہ حکم دیکر کہ "بی کٹری کیا ہوا ان کمبخت بچوں کو کچھ کھانے کو بھی دو گی یا نہیں" نماز کی چوکی پر تشریف لے گئیں اور شبو کو آواز دی کہ گرم پانی وضو کے لیے لا۔

شبو (وضو کراتے ہیں) "اور بیوی کلثوم کہتی تھی کہ ہم اپنے بچوں کو اب تمہارے ہاں کے حاجی (حافظ جی) پاس سے اُٹھا لیں گے یوں کہ تمہاری بیوی نے حاجی کو منا (منع) کر دیا ہے کہ وہ علی اور میاں ولی کو دل لگا کر سبق نہ دیا کریں۔"

ثریا بیگم یہ اُس فطّامہ سے کس نے کہا؟"

شبو "اے ہے خود حاجی نے — مُوا نمکحرام کہیں کا بھلا سرکاروں کی باتیں اس طرح کھولا کرتے ہیں۔"

ثریا بیگم (غصے کو گھونٹ کے) "ہوں ں ں! اچھا اٹھا لیں پیزار سے ہیں نے

بیٹے انہیں کے فائدہ کے واسطے استاد رکھا تھا۔"

یہ ایسا جھوٹ تھا جیسا شبو کو بھی یقین نہیں آیا کیونکہ وہ خوب جانتی تھی کہ واقعی جانجی کو بیگم صاحب نے سنگسار دیا ہی کہ علی اور ولی کو سبق کم دیا کرو تاکہ وہ میرے بچوں سے ہمیشہ پیچھے رہیں، اگرچہ وہ سبق ہی ایسا ہوتا حدیث فقہ کا تھا کہ جس میں سبق کم ملنے سے کچھ بہت حرج ہو جاتا مگر حسد ہالی حال اس میں بھی بھانجوں کی بدخواہی سے نہ چوکتی تھی۔

ثریا بیگم نے وضو کیا اور نماز مغرب کی نیت باندھی تو دل میں مکر و فریب کے صدہا منصوبے تھے اور زبان پر متبرک آیتوں کے الفاظ!

(۳)

پچھلی باتیں جو ہم نے لکھیں ۱۸۹۸ء کی ہیں اور اب کہانی کا آخری حصہ ہم ۱۹۱۰ء میں لکھتے ہیں اس بارہ برس کے عرصے میں جانے کیا کیا ہو گیا بہت سے بچے جنہیں ہمنے نہالچہ پر پڑے ہمکتے دیکھا تھا اب قلانچے مارتے پھرتے ہیں۔ بہت سے لڑکے جو فراغت سے چینڈے اڑایا کرتے تھے جوانی کی سخت آزمایش گاہ میں داخل ہو چکے بہت سے کہ جوان عمر تھے اب آئینہ میں اپنی سفید ڈاڑھی کا نظارہ کیا کرتے ہیں اور بہت سی زندہ دل بڈھوں کی صورتیں نظر سے غائب ہیں اُنکی ہنسی کی آوازیں کانوں میں بھری ہوئی ہیں مگر اُنکے اجسام خاکی کا پتہ نہیں۔ اور اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ کا یہ زبردست قاعدہ انسان تک ہی محدود نہیں۔ حیوانات۔ جمادات نباتات تک اسکے اثر میں ہیں۔ خیال تک کہ بیجان اور غیر مادی شے ہی متغیر ہے۔ بارہ برس میں کتنی ناممکن باتیں ممکن ہو گئیں۔ کتنی باتیں عملی صورت میں جلوہ گر ہیں۔ یہی پہلے ناممکن العمل تھیں۔ اللہ اللہ! زمین آسمان تو بیشک وہی ہیں جو بارہ برس پیشتر تھے لیکن دنیا کی مخلوق میں کتنا فرق پڑ گیا:۔ جاپان نے روس کو شکست دی ایران والوں نے دستور چھینا، ترکوں نے پارلیمنٹ لی۔ ہندوستان میں بھی شورشیں اٹھیں اور دب گئیں

لیکن آؤ دیکھیں تو سہی ثریا بیگم کے مکان میں بھی کچھ فرق پڑا۔

وہی گھر ہے اور وہی گھر والے، بی منجو تک حضرت عزرائیل کو دھوکا دینے میں کامیاب ہیں۔ ثریا بیگم کی عمر اُس سرحد میں داخل ہوچکی ہے جسکو بڑھاپا کہتے ہیں اور جس میں سے پھر کے کوئی نہیں آتا۔

اُنکے بچّے بھی ماشاء اللہ سیانے ہو گئے ہیں لیکن تعلیم کے معاملہ میں ایک صاحب تو تقریباً صفر ہیں اور دوسرے نے انٹرنس پاس کرنیکی قسم کھالی ہے۔ خیر اگر یہیں تک ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ امیروں کے ناز پروردہ بچے بھلا انہیں یونیورسٹی کی سختیاں سہنے سے کیا تعلق؟ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ اُنکے خالہ زاد بھائی انٹرنس چھوڑ ایف اے سے بھی گذر گئے علی ایف اے میں داخل ہوچکا اور ولیؔ اس مرتبہ بی اے کا امتحان دیگا!!

میں اُس غصّے اور مایوسی کا حال الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا جو ثریا بیگم کو ولیؔ کی اس ترقی پر ہوئی اُنہوں نے ہر امتحان پر جہاں نعیم کے پاس ہونیکے لیے وظیفے پڑھوائے تھے وہیں خود چلہ کشی اسلیے کی تھی کہ خدا کرے "ولیؔ فیل ہوجائے"۔

سچ مچ ایسی عجیب و غریب دشمنی اور اس قسم کی قلبی عداوت کی مثالیں کم ہونگی؟ اور تعجب بڑھ جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ثریا بیگم کو کوئی وجہ اپنی بہن سے ناراض ہونے کی نہ تھی وہ اسقدر نیک اور فرشتہ مزاج بیوی تھیں کہ لڑائی جھگڑا تو درکنار کبھی بہن کی نافرمانی کا خیال بھی انکے دل میں نہ گذرتا ہوگا۔ جب نعیم کے نانا زندہ تھے تو اُنھوں نے دونوں بیٹیونکو برابر برابر جاگیر نقد اور اثاث البیت دینا چاہا تھا لیکن ثریا بیگم اپنے باپ پر بہت حاوی تھیں اور میاں سے جھگڑ کے میکے میں آرہی تھیں اُنھوں نے اپنی مظلومی جتائی کہ خدا رکھے اُنکے تو کمانے والے سر دھرے موجود ہیں میرا آپکے سوا کوئی نہیں یہ بچے ہیں سو انکی زندگی کی کسے خبر ہے۔ دوسرے میں عورت ذات

ان کی تعلیم تربیت کا انتظام کفایت سے کسطرح کرسکونگی"۔
اور اسیطرح کی بہت سی باتیں لکھکر باوا کو راضی کرلیا کہ بہن کو جائداد کے علاوہ نقد وزیورات میں سے کچھ نہ ملے۔ لیکن شرافت حقیقی تو ہم اسکو جانتے ہیں کہ جب ثریا بیگم کی بہن سے انکے والد نے پوچھا کہ بھئی ہمارا یہ ارادہ ہے تو اس خدا کی نیک بندی نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور کہا کہ" بھلا ابا جان یہ مجھ سے پوچھنے کی بات تھی۔ آپا جان اور میں خدانخواستہ الگ الگ تھوڑا ہی ہیں آپ شوق سے جو چاہیں انہیں عنایت کریں میں خوش میرا خدا خوش"
اور اس بات پر کیا منحصر ہے ہمیشہ ثریا بیگم نے اپنی بہن کو زک دینے کی کوشش کی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں خواہ اہم معاملات میں، سدا انکو یہ فکر رہی کہ کسیطرح بہن کو ایذا ہو اور تکلیف پہنچے۔ مگر لطف یہ ہے کہ انکے بغض للّہی کی سزا میں خدا نے انکو بہن ایسی دی تھی جو بدی کا جواب نیکی سے دیتی تھی اور جو ان کی علانیہ عداوت کو محبت سمجھتی تھی۔
ثریا بیگم کا منشا اس قسم کی حاسدانہ کوشش سے یہی ہو سکتا تھا کہ انکی بہن کو رنج پہنچے وہ جلیں انکا دل کڑھے لیکن اس منشا میں ایک دفعہ کے سوا انہیں کبھی کامیابی نہیں ہوئی اور اسی ایک دفعہ کی کامیابی کا ذکر اسوقت ہم لکھنا چاہتے ہیں۔
ولی کی اماں بہت دن سے اپنے ایک دولتمند رشتے کے جیٹھ کے ہاں ولی کا پیوند کرنا چاہتی تھیں لیکن لڑکی کی ماں راضی نہ تھیں اور یہ کہکر ٹالدیتی تھیں کہ ابھی لڑکی کم عمر ہے لیکن جب ولی نے سن کے ساتھ لیاقت میں بھی ترقی کی تو انکے میاں تو بالکل رضامند ہو گئے خود بیوی کو ذراسی ہچک رہ گئی کہ ولی میری اکلوتی بیٹی کے برابر دولتمند نہیں مگر یہ ہچک ایسی تھی جو آسانی دور ہو سکتی تھی۔
اس اثنا میں ثریا بیگم نے ولی کے والد صاحب کو بلا کر بہت سے اتار چڑھاو

(۸) اور حضور وائسرائے ہند کی لیڈی صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ منڈل کے نائب مربی کا عہدہ قبول فرمائیں۔

(۹) مختلف صوبوں کے گورنر اور لفٹننٹ گورنر صاحبان کی لیڈیوں سے درخواست کی جائے کہ منڈل کی اُن کمیٹیوں کی جو انکے صوبوں میں قائم کی جائیں۔ مربی بننا منظور فرمائیں اسی طرح دوسری معزز غیر ہندوستانی دیویوں سے درخواست کی جائے کہ وہ ضلعوں کی کمیٹیوں کی مربی بننا منظور فرمائیں۔

(۱۰) شریمتی سرلا دیوی چودہرانی سے جو بھارت استری مہا منڈل کی بانی اور جنرل سکرٹری ہیں درخواست کی جائے اور نیز اُن کو اختیار دیا جائے کہ وہ ان اصولوں پر جو آج طے پائے ہیں مہا منڈل کا کام شروع کر دیں۔

استری مہا منڈل کی شاخیں

استری مہا منڈل کی پہلی کانفرنس یعنی ابتدائی جلسہ کے بعد الہ آباد میں منڈل کی ایک شاخ قائم کی گئی۔ لیکن چونکہ اسکے سکرٹری کو مجبوراً الہ آباد سے غیر حاضر رہنا پڑا۔ اسلیے عملی کام مئی سے پیشتر شروع نہیں کیا گیا۔ الہ آباد میں شاخ قائم کرکے میں جنرل سکرٹری کلکتہ گئی جہاں ہندوستانی عورتوں کے کئی پرائیویٹ اور پبلک جلسے کئی محلّوں میں منعقد کیے گئے۔ انہیں سے بعض جلسے عورتوں کی موجودہ سبھاؤں کے اہتمام سے ہوئے۔ ان جلسوں میں مہا منڈل کی مقامی شاخ کے قواعد بنائے گئے اور کام کی سکیم تیار کرکے مسز دیوندر ناتھ داس مقامی شاخ کی سکرٹری اور شہر کے مختلف محلّوں میں ان کی کئی اسسٹنٹ سکرٹری مقرر کی گئیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ میرے لاہور واپس آنے سے پیشتر مہا منڈل کا کام کلکتہ میں شروع ہو گیا۔ اور منڈل کی سکیم عملی صورت اختیار کرکے آگے بڑھنے لگی۔ لاہور واپس آکر مقامی شاخ کے ممبروں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ اور ماہ جون سے عورتوں کو اُن کے گھروں میں تعلیم دینے کا کام باضابطہ طور پر شروع کیا گیا۔ مہا منڈل کا صدر دفتر لاہور میں ہے اور اسوقت تک اس کی دو بڑی شاخیں الہ آباد

اور کلکتہ میں بھی قائم ہو چکی ہیں۔ اور لوگوں نے مہامنڈل کی تجویز میں عام طور پر جو دلچسپی لی ہے۔ اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بنگال۔ پنجاب اور صوبجات متحدہ کے مختلف بڑے بڑے شہروں سے وہاں منڈل کی مقامی شاخیں کھولے جانے کے متعلق کئی درخواستیں آچکی ہیں جن میں خواہش ظاہر کی گئی ہے کہ مہامنڈل کا جو کام صوبوں کے صدر مقاموں میں جاری کیا گیا ہے۔ وہی اُن شہروں میں بھی شروع کیا جائے۔ اب مہامنڈل کی جنرل کمیٹی اس امر پر غور کر رہی ہے کہ اگر ممکن ہو تو منڈل کے مقصد کی تکمیل کے لیے مدراس ناگپور اور بمبئی وغیرہ میں اسی سال کے اندر شاخیں کھول دی جائیں۔ اس لیے جنرل سکرٹری صاحبہ جنوبی اور مغربی حصۂ ہندوستان میں جلد دورہ کرنے والی ہیں۔

استری مہامنڈل کا مدعا

منڈل کا خاص مقصد یہ ہے کہ ایک ایسی زبردست اور باقاعدہ سبھا بنائی جائے جس کے ذریعہ سے ہندوستان کی ہر قوم ہر مذہب اور ہر فرقہ کی عورتوں کو ان کی اخلاقی اور مادی ترقی کی مشترکہ غرض کے متعلق ہمخیال بنایا جائے۔ اور اس سبھا کی مدد سے ہندوستانی عورتوں میں اپنی بہنوں کی بہبودی کے لیے باہمی اتحاد۔ ہمدردی اور مدد کا زبردست خیال پیدا کیا جائے۔ اور عورتوں کی بہبودی کے ذریعہ سے نسل انسان کی ترقی میں مدد دیجائے۔

مہامنڈل کے مقاصد کی تکمیل

اس غرض کے انجام دینے کے لیے منڈل نے مفصلۂ ذیل تجاویز پر عملدرآمد کرنا شروع کیا ہے۔

(۱) ہندوستانی عورتوں کو اُن کے گھروں کے اندر ایسے طور پر تعلیم دیجائے۔ جو اہل ہند کی زندگی اور طرز معاشرت کی مختلف حالتوں کے لیے مناسب و موزوں ہو۔

(۲) ہندوستان کی دیسی زبانوں کے لٹریچر کو ترقی دیکر اس قابل بنایا جائے کہ زمانۂ حال کے خیالات، تہذیب۔ واقفیت اور علوم کی اُن خاص خاص باتوں کے متعلق جو ہندوستانی عورتوں کی ترقی میں مدد دینے والی سمجھی جاتی ہیں۔ ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی عورت کو ایسی کتابیں

ملسکیں جو آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔

(۳) مہامنڈل کی طرف سے ایسی دُکانیں کھولی جائیں۔ یا اسی قسم کے اور کام کھولے جائیں جنکے ذریعہ سے ہندوستانی عورتوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں بازار میں فروخت ہوسکیں اور اس طرح عورتوں کو ان مفید کاموں کے کرنے کا حوصلہ دلایا جاوے جن سے وہ اپنی ذات کو اور اپنے خاندان کو فائدہ پہنچاکر دونوں کی عزت قائم رکھ سکیں۔

(۴) ہندوستانی عورتوں کو موجودہ طبی انجمنوں سے فائدہ اُٹھانے۔ اُن انجمنوں کو ہر دلعزیز بنانے اور جہانتک ممکن ہو ان انجمنوں کے راستہ سے رُکاوٹیں دور کرنے کا حوصلہ دلانے کے طریقے اختیار کیے جائیں۔

(۵) مہامنڈل کے لیے سرمایہ جمع کرنے اور اُسے مفید کاموں میں لگانے۔ اس سرمایہ کو اور نیز منڈل کی جائداد اور باقی تمام قیمتی چیزوں کو کام میں لانے اور انکا انتظام کرنیکے طریقے اختیار کیے جائیں۔

(۶) تمام ہندوستان میں منڈل کی شاخیں کھولنے یا دوسری سبھا قائم کرکے اسکے تحت میں لانے کی کوشش کی جائے۔

(۷) دوسری انجمنوں یا عورتوں کی دوسری سبھاؤں کو جنکے تمام مقاصد یا اُن مقاصد کا کوئی حصہ مہامنڈل کے مقاصد کے مشابہ ہوں مہامنڈل میں شامل کرنے یا اُسکے تحت میں لانے کی کوشش کرنا

(۸) ایسے دفتر کھولنا جو تمام دنیا کی عورتوں کی سبھاؤں انکے کاموں اور ان کی ترقی کے متعلق ہندوستانی عورتوں کو واقفیت بہم پہنچائیں۔

(۹) ہر سال ایک ایسا عظیم الشان جلسہ منعقد کرنا جس میں مہامنڈل کے ممبروں کے علاوہ تمام دنیا سے ہندوستانی عورتیں شریک ہوسکیں۔

(۱۰) تمام ایسی باتوں کا جن سے مقاصد مذکور یا اُن میں سے کسی مقصد کے پرچار میں مدد ملتی ہو۔ یا جو ان کی تکمیل کے لیے ضروری ہوں انجام دینا۔

مہامنڈل کی ممبری

بلا لحاظ قومیت ۔ مذہب ۔ ذات یا فرقہ دُنیا کی ہر ایسی عورت درخواست ممبری معہ ایک روپیہ فیس داخلہ دیکر مہامنڈل کی معمولی ممبر بن سکتی ہی ۔ جسے مہامنڈل کے اغراض کے ساتھ ہمدردی ہو ۔ ہر معمولی ممبر کو ایک روپیہ سالانہ چندہ دینا پڑیگا ۔ سردست مہامنڈل کے ممبروں کی تعداد تقریباً پانسو ہے ۔

کلکتہ کی شاخ کا کام

مہامنڈل کی شاخ کلکتہ نے عورتوں کو تعلیم دینے کا کام گزشتہ اپریل میں شروع کیا تھا ۔ اسکے کارکنوں نے ابتدا میں دس خاندانوں کی ۱۸ عورتوں کو تعلیم دینے کے لیے ۶ اُستانیاں مقرر کی تھیں ۔ لیکن چندہی روز بعد ۴ اور خاندانوں کی عورتوں کو تعلیم دینے کا مرحلہ پیش ہوا ۔ اور ۲۹ اپریل تک تعلیم کا کام اسقدر بڑھ گیا کہ ۲۱ خاندانوں کی تعلیم پانے والی عورتوں کی تعداد ۳۸ تک پہنچ گئی اس لیے دو اُستانیاں اور مقرر کی گئیں ۔ یکم سے ۱۵ ۔ اپریل تک اُستانیوں کو گھر گھر پہنچانے کے لیے کرایہ کی ایک گاڑی رکھی گئی ۔ اور چند روز بعد دو گاڑیاں رکھی گئیں ۔ کلکتہ میں عورتوں کی تعلیم کے کام میں مہامنڈل کو ایک دقت پیش آئی ۔ وہاں جن تعلیم یافتہ عورتوں نے پردہ کی رسم توڑدی ہی ۔ وہ بھی کسی کے گھر پیدل یا ٹرام گاڑی میں جانا پسند نہیں کرتیں ۔ اسلیے اُستانیوں کے لیے چار پانچ روپیہ یومیہ خرچ پر گاڑیاں رکھنی پڑتی ہیں اور مختلف محلّوں میں جانے کے لیے گاڑیوں کو مختلف اوقات میں کام پر لگانا پڑتا ہی جس سے اُستانیوں کا بہت سا وقت ضائع جاتا ہی ۔ اپریل میں تعلیم پانے والی عورتوں سے ۱۰۸ روپیہ ۸ رفیس وصول ہوئی ۔ اُستانیوں کو ۱۱۲ روپیہ ۸ آنہ تنخواہ دینا پڑی ۔ گاڑیوں کا کرایہ ۹۳ روپیہ ۱۲ آنہ تھا ۔ اس طرح ۹۷ روپیہ ۱۲ آنہ تعلیمی اخراجات میں مہامنڈل کے فنڈ سے ادا کیے گئے ۔ مئی میں ۲۶ خاندانوں کی ۴۴ عورتوں کو ۹ اُستانیوں نے تعلیم دی ۔ اور جون میں ۹ اُستانیوں نے ۳۰ خاندانوں کی پچاس عورتوں کو تعلیم دی ۔ ماہ جون میں

تعلیم پانے والی عورتوں سے ۱۶۸ روپیہ ۸ رفیس وصول ہوئی۔ اُستانیوں کو ۱۴۲ روپیہ ۸ ر تنخواہ دی گئی۔ کاغذات کی چھپائی ۲۳ روپیہ تھی۔ ڈاک اور تار کا خرچ ۳ روپیہ۔ چپراسی کی تنخواہ ۸ روپیہ اور اس طرح مہامنڈل کو اپنے فنڈ سے اخراجات پورے کرنے کے لیے ۱۵۸ روپیہ دینے پڑے۔ اس ماہ میں مسز نریندر ناتھ متر نے ۱۰۰ روپیہ مہامنڈل کو دان دیا۔

الہ آباد کی شاخ کا کام

الہ آباد میں مہامنڈل کی طرف سے عورتوں کو تعلیم دینے کا کام مئی میں شروع کیا گیا ابتدا میں دو اُستانیاں رکھی گئیں جو ۱۵ خاندانوں کی ۲۲ جوان عورتوں کو تعلیم دیتی رہیں تعلیم پانے والی عورتوں سے کوئی فیس نہیں لی گئی۔ اُستانیوں کو ۱۷ روپیہ ۱۰ آنہ تنخواہ دیگئی۔ اور ۱۴ روپیہ ۱۲ آنہ اُن کی گاڑی کے کرایہ میں خرچ کیے گئے۔ یہ تمام اخراجات الہ آباد شاخ نے اپنے سرمایہ سے ادا کیے۔ جسکا سرمایہ مئی میں ۵۰ روپیہ تھا۔ الہ آباد کی شاخ کی جنرل کمیٹی کے جلسہ میں قرار پایا کہ انگریزی زبان کی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے سے پیشتر ایسی کتابیں چنی جائیں جنھیں دیسی زبان میں پڑھایا جاوے۔ اور جو مختلف درجوں کی تعلیم کے لیے موزوں ہوں۔ جون میں ۳ اُستانیوں نے ۲۵ خاندانوں کی ۴۳ عورتوں کو تعلیم دی۔ اس ماہ میں کل خرچ ۳۹ روپیہ ۲ آنہ تھا۔ اور ۴۴ روپیہ خاص چندونکے ذریعہ سے وصول ہوا تھا۔ انکے علاوہ رانی صاحبہ پرتاب گڑھ نے ۱۰۰ روپیہ دان دیا۔

مہامنڈل کی تعلیم کے طریقے

جس تعلیم کا مہامنڈل کی طرف سے انتظام کیا جائیگا۔ مجھ جنرل سکرٹری نے اسکے چار طریقے اپنے لیکچروں میں بتائے تھے۔ (۱) اُستانیوں کو گھر گھر بھیجکر عورتوں کو تعلیم دیجائے (۲) مختلف محلّوں میں تعلیم کی جماعتیں کھولی جائیں (۳) تعلیم کا ایک نصاب مقرر کیا جائے۔ اور جو عورتیں اس نصاب کے مطابق گھروں میں تعلیم حاصل کریں۔ ان کا مختلف مقامات میں ہر سال امتحان لیا جائے۔ اور جو عورتیں امتحان میں کامیاب ہوں۔ اُن کو مہامنڈل کی طرف سے انعام دیے جائیں (۴) عورتوں سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ دوسری عورتوں کو تعلیم دینگی۔ اور جس کام میں وہ لائق ہیں اُسے گھر بیٹھ کر وہ دوسری عورتوں کو سکھائینگی

لاہور کی شاخ کا کام

مہامنڈل کی طرف سے تعلیم کا کام لاہور میں ماہ جون میں شروع کیا گیا تھا۔ اور شہر کے باہر ایک مقام میں عورتوں کو ہفتہ میں تین بار دو دو گھنٹہ تعلیم دینے کے لیے جماعتیں کھولی گئیں۔ ۶ تعلیم یافتہ عورتوں نے بیاہی اور کنواری عورتوں کو مفت تعلیم دینے کا ذمہ لیا ہے۔ وہ انگریزی۔ سنسکرت ہندی اُردو۔ حساب۔ کشیدہ۔ نقاشی۔ موسیقی وغیرہ کی تعلیم دینگی۔ شہر میں جو زنانے سکول اسوقت ہیں۔ ان کی اُستانیاں ان کلاسوں میں تعلیم پاکر نہ صرف اپنی ہی ذات بلکہ اپنے سکولوں کو بھی بہت فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ان سکولوں کی پانچ اُستانیوں کو جن کی تعلیم بہت تھوڑی تھی۔ ان کلاسوں میں تعلیم دیگئی ان میں سے ایک نے امتحان مڈل کی تیاری کی ہے۔ انکے علاوہ دو اور اُستانیوں نے ان کلاسوں میں داخل ہونے کی درخواست کی ہے۔ دو اُستانیاں جو نارمل سکول سے سند حاصل کر چکی ہیں اِن کو انگریزی اور موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل سکولوں میں سے بعض اُستانیاں یا تو ان کلاسوں میں داخل ہو چکی ہیں۔ یا اُن کی طرف سے داخل ہونے کی درخواست آچکی ہے۔ گورنمنٹ نارمل سکول۔ مشن سکول۔ آریہ پتری پاٹھ شالا۔ برہمو گرل اسکول۔ ہندی پتر پاٹھ شالا۔ کوچہ بائیاں وکٹوریہ گرل اسکول۔

علاوہ اُستانیوں کے ان جماعتوں میں دولتمند خاندانوں کی بہت سی عورتیں اور لڑکیاں بھی تعلیم پا رہی ہیں۔ اور گرمیوں کی سالانہ تعطیلیں ختم ہونے کے بعد اور بہت سی عورتوں اور لڑکیوں نے ان جماعتوں میں داخل ہونے کی درخواست بھیجدی ہے جو دولتمند عورتیں اور لڑکیاں ان جماعتوں میں تعلیم پاتی ہیں وہ جماعتوں کے اخراجات میں امداد دینگی۔ ماہ جون جولائی میں مہامنڈل کی کلاسوں میں ۳۲ عورتیں اور لڑکیاں تعلیم پا رہی تھیں۔

علاوہ اس اسکول کے جسکی جماعتوں کا ذکر ہو چکا۔ اور جو شہر کے باہر کھولا گیا ہے۔ مہامنڈل نے شہر کے اندر بھی کئی سکول اور جماعتیں کھول دی ہیں۔ جنرل سکرٹری مہامنڈل نے مدعا کی تکمیل کے لیے لاہور میں خاص کوشش کرتی رہی ہیں۔ ہر روز لاہور کے گلی کوچوں میں جاکر عورتوں کو لیکچروں اور

بات چیت سے ترغیب دیتی ہیں کہ وہ ان میں کم از کم دو گھنٹے لکھنے پڑھنے میں ضرور لگایا کریں۔
اگر ایشور نے اور ایشور کے بندوں نے ہماری مدد کی تو اس سال کے ختم ہونے تک لاہور کے ایک ایک گلی کوچہ میں بیاہی اور کنواری عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک ایک سکول ضرور کھول دینگے۔

مہامنڈل کی مختلف کمیٹیاں

مہامنڈل کی جو بڑی بڑی شاخیں صوبوں کے صدر مقاموں میں کھولی گئی ہیں۔ انکے متعلق انتظامی کمٹیاں بھی قائم کی گئی ہیں۔ کلکتہ کی انتظامی کمیٹی کی پردہان مسز جے گھوشال ہیں۔ اور پی لیڈی ہوم ڈو۔ جو ہائی کورٹ کے ایک جج کی بیوی ہیں۔ کلکتہ کی شاخ کی نمایاں کامیابی مسز ڈی۔ این داس سکرٹری کی جفاکشی اور گہری دلچسپی اور ان کی باا ثر مددگار عورتوں کی سرگرمی کا نتیجہ ہے۔ اس شاخ کی خزانچی مسز کے۔ بی۔ دت ہیں۔

شاخ الہ آباد کی مربی رانی صاحبہ پرتاب گڑھ ہیں۔ اگر آپ مہامنڈل کے کام میں گہری دلچسپی لیتیں اور اُسے معقول امداد نہ دیتیں تو مہامنڈل کو اپنے مقصد کی تکمیل میں آگے بڑھنے کا یہ شاندار فخر حاصل نہوتا اس شاخ کے پردہان آنریبل پنڈت سندر لال کی دہرم پتنی ہیں اور سکرٹری مسز للت موہن بنیرجی جو الہ آباد ہائیکورٹ کے جج مسٹر بنیرجی کی بہو اور لاہور کے سر پرتول چند چٹیرجی کی صاحبزادی ہیں۔ شاخ لاہور کی پردہان لیڈی چیٹرجی ہیں۔ رائے بہادر رام سرنداس اور آنریبل لالہ شادی لال کی دہرم پتنیاں اُپ پردہان ہیں اور سکرٹری مسز موزندار۔ ڈاکٹر بترا نے لاہور کے سکول مہامنڈل کو اپنا مکان صرف دو ہفتہ کے لیے دیا تھا۔ جو اَب مسز موزندار کی مہربانی سے انکے مکان میں ہیں۔ آپ شاخ لاہور کی روح رواں ہیں۔ اور باوجود اپنے مشاغل کی کثرت کے آپ مہامنڈل سکول کی تعلیم میں لگاتار بہت مدد دیتی رہتی ہیں۔ جن بہنوں نے شاخ لاہور اور اسکے سکول کی کامیابی میں تہ دل سے کوشش کی ہے۔ ان میں شریمتی موہن شیلا ٹھاکر ام بھی شامل ہیں۔

مہامنڈل کی شاخوں کی کمیٹیوں کی کارکن بہنیں اپنے عہدہ کے لحاظ سے جنرل انتظامی کمیٹی کی ممبر ہیں اور رانی صاحبہ پرتاب گڑھ۔ مہارانی صاحبہ وزیانگرم۔ ٹھکرائن صاحبہ کسمنڈا۔ چھوٹی رانی صاحبہ کھیری گڑھ رانی صاحبہ چاندپور۔ رانی صاحبہ مکتھل۔ شہزادی لسبن مرتھا۔ بیگم صاحبہ کمبھات اس کمیٹی کی اپ پردہان

ہیں۔ ان تمام معزز دیویوں نے مہا منڈل کی پہلی کانفرنس میں عملی طور پر نمایاں سرگرمی اور محبت کا اظہار کیا تھا۔

جب ماہ جون میں ہمارے بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ کا جشن تاجپوشی لنڈن میں منایا گیا تو استری مہامنڈل کی تمام موجودہ شاخوں نے اپنے اپنے مقاموں میں اس دن خوشی کے جلسے کیے لاہور کی شاخ کے جلسہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جلسہ بڑی شان سے سیتلا مندر استھان میں کیا گیا جسمیں ہندوستانی عورتیں کثرت سے شریک ہوئیں۔ جو تعداد میں ۳ ہزار سے زیادہ ہونگی۔ جگہ کی کمی کے باعث بہت سی عورتیں جلسہ گاہ سے واپس چلی گئیں۔ لیڈی چھٹرجی جلسہ کی پردھان بنائی گئیں جلسہ کی کارروائی ایک منوہر بھجن سے شروع ہوئی۔ جسکے بعد پردھان نے ایک مختصر تقریر کرکے پرارتھنا کی کہ ایشور بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ پر بیشمار برکتیں نازل کریں اور ان کو لمبی عمر عطا کریں۔ تاکہ وہ اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ مدت دراز تک مہربانی اور شفقت کا سلوک جاری رکھ سکیں پردھان کی پرارتھنا کے بعد راگ تاجپوشی گایا گیا جو پنجابی زبان میں خاص اسی موقع کے لیے بنایا گیا تھا۔ اسکے گانے کے لیے جوان لڑکیوں اور استریوں کی ایک منڈلی بنائی گئی تھی۔ لیکن گیت بذات خود اسقدر دلکش تھا۔ کہ منڈلی کے علاوہ باقی حاضر الوقت استریوں نے بھی لاپنا شروع کیا جلسہ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ چند چھوٹی لڑکیوں نے شکنتلا ناٹک کا ایک سین پنجابی زبان میں دکھایا۔ جو نہایت دلفریب تھا۔

مسز چودھری نے تجویز کیا کہ جلسہ کی طرف سے مبارکباد کا ایک تار بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ کی سیوا میں بھیجا جائے۔ اسوقت جلسہ میں شریک ہونے والی عورتوں نے بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ عقیدت اور وفاداری کا پُرجوش اظہار کیا۔ جلسہ ختم ہونیکے بعد حاضرین کو شیرینی تقسیم کی گئی۔ اسی طرح الہ آباد اور کلکتہ میں بھی۔ استری مہامنڈل کیطرف سے تاجپوشی کے دن مبارکباد اور اظہار مسرت کے جلسے منعقد کیے گئے

عورتوں کی دستکاریوں کی فروخت

استری مہامنڈل کا پہلا عملی کام عورتوں کو تعلیم دینا ہے۔ جو مختلف مقامات میں شروع ہو چکا ہے

دوسرا کام عورتوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزوں کا فروخت کرنا ہے۔ تاکہ اس کی آمدنی سے غریب شریف عورتوں کو مدد ملسکے۔ مہا منڈل کیطرف سے کوشش ہو رہی ہے کہ مختلف مقامات میں دکانیں کھولکر عورتونکے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں فروخت کی جائیں۔ اس غرض کے لیے "ناری نرواہ بھنڈار" کے نام سے ایک سبھا مہا منڈل کی سرپرستی میں قائم کی گئی ہے۔ لاہور کی شاخ نے تو مہا منڈل کی علمی تجویز کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ اور مہا بھارت کے اصل واقعات کا ہندی پنجابی اور اردو زبانوں میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ ہندوستانی گیتوں کی ایک کتاب بھی تیار ہو رہی ہے۔ مسز ایجورتھ صاحبہ نے جو "اخلاقی کہانیاں" بنائی ہیں۔ ان کا ترجمہ بنگالی اور ہندی زبانوں میں ہو رہا ہے۔

عورتوں کے لیے مفید شغل

مہا منڈل نے جن باتوں کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ انسے ظاہر ہے کہ مہا منڈل کا کام کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ دقت طلب ہے جسے انجام دینے کے لیے بیحد کوشش اور روپیہ کی ضرورت ہے۔ مہا منڈل کے کارکنوں کا جنکی تعداد ابھی پانسو تک پہنچی ہے۔ پختہ ارادہ ہے کہ وہ اپنی کئی کروڑ بہنوں کی زندگیوں اور انکے خانگی معاملات میں سلیقہ شعاری۔ روشنی اور دلفریبی کی لہر پیدا کر دیں۔

اعلیٰ طبقہ کی ہندوستانی عورتیں نہایت سست ہیں کیونکہ ان کو کوئی کام نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن استری مہا منڈل نے انکے سامنے کام کرنے کی جسے ملک کی خدمت کہنا چاہیے۔ ایک عمدہ اور مفید تجویز پیش کر دی ہے۔ اور ان میں سے کئی ایک کے لیے عمدہ کام اور خدمت کا ایک میدان کھول دیا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی ہندوستانی عورتیں عموماً فضول شغل اور غپ شپ میں وقت ضائع کرتی ہیں۔ عمدہ پوشاکیں بنوانے اور راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے میں ان کا بہت سا وقت رائگاں جاتا ہے، مہا منڈل نے ان عورتوں کے لیے عمدہ شغل۔ بہتر عادات اور اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کا ایک وسیع میدان پیدا کر دیا ہے جس میں ان کا وقت مفید طریقہ میں صرف ہو گا۔

ہندوستانی عورتوں میں باہم اتحاد و ہمدردی کی ضرورت

ملک میں اور کئی سبھائیں ہیں جنکے مقاصد استری مہا منڈل کے مشابہ ہیں۔ ان میں سے ایک سبھا

کا نام "سیوا ساون" ہے۔ لیکن مہا منڈل کو ان پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ مہا منڈل کی تجویز یہ ہے کہ ملک کے تمام حصوں کی عورتوں میں یگانگت اور محبت پیدا کی جائے۔ ان کو اخلاقی اتحاد کے زبردست رشتہ میں باندھا جائے۔ ان میں بہناپے کا خیال اور جذبہ محبت پختہ کیا جائے۔ ان کو انسانیت کے ایک عام مفید اُصول کا پابند بنایا جائے بلالحاظ قومیت اور مذہب ہندوستان کی تمام عورتوں میں ایک خاص مقصد کی حمایت کا خیال پیدا کر کے اُسے تقویت دیجائے۔ دوسرے ملکوں کی نسبت ہندوستان میں عورتوں کے فوائد کی حمایت اور حفاظت گویا مردوں کے فوائد کی حفاظت اور حمایت ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو لوگ اپنی آپ مدد کرتے ہیں ایشور ہی ان کی مدد کرتا ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ جن مردوں میں سورمائی کی صفت ہے۔ جن میں دوسروں کی رکھشا کا جذبہ ہے۔ جو عورتوں کی مدد اور توقیر کو اپنی زندگی کا خاص مدعا سمجھتے ہیں۔ وہ مہا منڈل کے کارکنوں کی امداد کے لیے ضرور اپنا دست کرم بڑھائینگے۔ اور سر مادھو راؤ مسٹر راناڈے۔ بابو ایشور چندر ودیا ساگر۔ سوامی دیانند اور راجہ رام موہن رائے کی سی ہمدردی۔ مہاشہ دیا رام گڈومل۔ مسٹر نرسیم آئینگر۔ پنڈت شیوناتھ شاستری۔ مہاشہ دیوراج اور مسٹر جوتی سروپ جیسی قربانی اور ملکی سیوا کا اظہار کرینگے اور بیکس عورتوں کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھائینگے۔ تاکہ ہندوستانی عورتیں حقیقی معنوں میں زندگی گزار سکیں۔ ان کو مُردہ دلی کی جگہ زندہ دلی۔ ناتوانی کی جگہ طاقت۔ تکلیف کی جگہ راحت۔ نصیب ہو سکے۔ جو گری ہوئی حالت میں ہیں۔ وہ اُٹھ سکیں۔ اور اچھی حالت میں داخل ہو سکیں غرضکہ عورتیں اپنی زندگی کو نہ صرف اپنے اور اپنی بہنوں کے لیے بلکہ مردوں اور ملک کے لیے مفید بنا سکیں۔

(از ہندوستان)

اٹلی کے خلاف بائیکاٹ

اے بہنو! آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے سلطان المعظم ٹرکی خلیفۃ المسلمین پر ان دنوں کیا گذر رہی ہے

یوں تو آئے دن مسیحی سلطنتوں کی زیادتی اور بیجا دباؤ ٹرکی کو مشکلات میں مبتلا کیے رہتے ہیں۔ مگر اب تو غالباً یورپ بھر نے باری باری سے ٹرکی کے علاقے دبا لینے کا فیصلہ کر لیا ہی۔ بلغاریہ آسٹریا۔ مسلہ کریٹ کے بعد آجکل اٹلی نے اپنا قزاقانہ ڈاکہ ایسی بے رحمی سے طرابلس پر ڈالا ہی کہ سینکڑوں مسلمان عربوں اور ترکوں کے خون بہا دیئے۔ سلطانی قلعوں کو مسمار کر دیا۔ اسلامی جھنڈا گرا دیا۔ اٹلی والے چاہتے ہیں کہ ترک خوشی سے طرابلس کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ترک اپنی برسوں کی خونریزی سے حاصل کیے ہوئے ملک کو کیسے دے بیٹھیں۔ تمام عثمانی سلطنت میں اٹلی کے خلاف جوش پھیل رہا ہی۔ ساری قلمرو کے مسلمان جان دینے کو تیار ہیں۔ اٹلی کی غلامی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ابھی ترکوں کی طرف سے اعلان جنگ نہیں ہوا اسپر اتنی خوں ریزی ہی۔ اگر ٹرکی نے جنگ کا اعلان کر دیا تو دیکھیے اس لڑائی کا سلسلہ کہاں تک پہونچے۔ اور کتنے مسلمان شہید ہوں۔ اور فتح نہ معلوم کس کی قسمت میں ہو۔ اگرچہ خدا سے ٹرکی کی فتح کی امید ہی۔ مگر ظاہر میں اٹلی کی بحری طاقت کو دیکھتے ہوئے افسوس کرنا پڑتا ہی کہ کہاں مسلمانوں کے پاس اتنا روپیہ کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ جنگ کا سامان مہیا کریں کہاں ان کو اپنی غفلت اور خانہ جنگیوں سے فرصت۔ کہ دشمن کے مقابلہ کو تیار ہوں۔

مسلمانوں کی کمزوری سے مسیحی سلطنتوں نے فائدہ اٹھانے کا موقع سمجھ لیا ہی (مراکش جو ایک پرانی افریقی اسلامی سلطنت ہی۔ اس پر فرانس نے قبضہ کر لیا ہی) اگرچہ اٹلی کی بحری طاقت کا مقابلہ ٹرکی نہیں کر سکتی مگر یقین ہی کہ جسوقت خشکی پر لڑائی ہوگی تو کوئی طاقت ٹرکی کی بّری فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیگی۔ خدا اپنے دین کا ساتھ دے اور ٹرکی کو فتح نصیب ہو۔ چاروں طرف سے ٹرکی سے ہمدردی اور اٹلی کی زیادتی پر نفرت کا اظہار ہو رہا ہی۔ سب جگہ مسلمانوں کے جلسے ہو رہے ہیں۔

لندن میں مسلمانوں کا عام جلسہ ہوا جس میں ممبران پارلیمنٹ بھی شریک ہوئے۔ اور ٹرکی سے ہمدردی ظاہر کی۔ زبانی ہمدردی تو ٹرکی کے لیے سب طرف سے ہو رہی ہی

اگر مسلمان بھی خالی خولی ہمدردی کر کے بیٹھ رہے تو ہم میں اور غیر مسلم میں کیا فرق ہوگا۔ ہم کو چاہیے
کہ گھر بیٹھے اٹلی کے خلاف جنگ کریں۔ اور صرف اٹلی ہی نہیں بلکہ اٹلی کے دوست آسٹریا
اور جرمنی بھی جو کہ اتحاد ثلاثہ کر کے ایک دوسرے کے زعم میں ہیں اور ٹرکی کو پلیسے ڈالتے
ہیں۔ آسٹریا نے پچھلے سال ہرزیگونیا اور بوسینا دبالیا۔ جرمنی نے ابھی باقاعدہ اعلان
جنگ نہیں کیا۔ مگر لومڑی کی چالیں اُسکو آتی ہیں۔ خود نہیں بولتا کہ ٹرکی میں اسکے بہت سے
تجارتی کارخانے ہیں اندرونی کارروائی میں سب کا مشیر کار ہے۔ ہم کو چاہیے کہ
ان تینوں سلطنتوں کی بنی ہوئی چیزوں کی خریداری چھوڑ دیں۔ انکو "بائی کاٹ" کے برے
لقب سے پکاریں۔

بہنو! آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان بھر میں بلیں فیتے کس کثرت سے خریدے
جاتے ہیں۔ اس کی ترقی کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔ یہ سب اٹلی اور جرمنی آسٹریا فرانس
کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ جتنی ردّی اور سستی کمزور چیزیں بن کر بکتی ہیں وہ انہیں ملکوں کا
حصہ ہیں۔ انکے علاوہ اور صدہا چیزیں ہیں۔ طرح طرح کی کریب۔ سب سے جلدی خراب
ہونے والے ریشمی ململ کے فیتے جو ایک دفعہ سے دوسری دفعہ کام نہیں آسکتے۔ گلاس
چینیاں، صندوقچیاں بچوں کے کھلونے اور صدہا قسم کی چیزیں ہیں جو اسوقت یاد نہیں
سب کو ایک قلم چھوڑ دیں۔ ریشمی کپڑا انگلنڈ جاپان اور چین کا پہنیں۔

چینی کپڑا مہنگا ہے۔ مگر اتنا ہی مضبوط ہے۔ جاپانی ریشم سستا بھی اور مضبوط بھی ہے
ان شہروں میں خالص ریشم لگایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بہت چلتا ہے۔ سب سے بہتر اپنا
دیسی کپڑا ہے۔ مگر افسوس کہ دیسی کپڑا سب جگہ نہیں ہوتا۔ اس کی خریداری کے لیے بڑی
دقت ہوتی ہے۔ ہر چیز پر مُہر اور ملک کا نام ہوتا ہے اسکو پڑھکر خریدیں اور پہچان رکھیں کہ
فلاں چیز فلاں شہر کی ہے۔ کیونکہ جب بائی کاٹ کا بازار گرم ہوتا ہے تو اکثر سوداگر نام اور
مُہر کو اُڑا دیتے ہیں اور خریدار کو یقین دلاتے ہیں کہ مخالف شہر کا نہیں ہے۔ اگر ہم مال

خریدنا نہیں چھوڑینگے تو سوداگر منگوانا بھی کم نہیں کرینگے کیونکہ بکری ہوئی جائیگی۔ پہلے مال کے بہانے نئی ایجاد کی بکری سے فائدہ اُٹھائینگے۔

اٹلی کی بنی ہوئی ترکی ٹوپیاں تو مردوں نے اُتار کر آیندہ سے خریداری کا عہد کیا ہے اب ہم کو اٹلی سے نفرت اور بے زاری کرنی چاہیے جس نے ہماری سینکڑوں بے گناہ مسلم بہنوں کو اپنی ملکی ہوس کے پیچھے ظلم کر کے بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا ہے۔ ان کی ہمدردی کی عملی نشانی یہی ہے کہ قسم کھائیں کہ آیندہ سے اٹلی جرمنی اور آسٹریا فرانس کی کوئی چیز نہ خریدیں۔ ہم کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ایک ہم نہ خریدار ہونگے تو اُن کو کیا نقصان ہوسکے گا۔ نہیں۔ دس بارہ کروڑ مسلمانوں کا ایک دم اٹلی کو "بائی کاٹ" کر دینا کوئی آسان بات نہیں ہے قلمرو عثمانیہ نے بھی یہ عہد کر لیا ہے کہ اٹلی کا سامان نہ لینگے۔ جسکے سبب اتنے تھوڑے عرصہ میں ہی اٹلی کے کئی کارخانے ٹوٹ گئے۔ اسکے بنکوں کا اعتبار کم ہو گیا۔ مالی نقصان پہونچانے کے لیے یہ بہت ہی آسان لڑائی ہے۔ تجارتی نفع کی بدولت ہی ان سلطنتوں نے اپنی جنگی طاقتیں بڑھائی ہیں۔ اور اس کی کمی کی وجہ سے آج اسلامی سلطنتیں کمزور اور دوسروں کی دست نگر ہیں۔ اگر آپ اسوقت فیتے خریدنا چھوڑ دیں تو فوراً کارخانے میں کام بند ہو جائیگا کیونکہ سوداگر مال کی نکاس نہ پا کر منگوانا چھوڑ دینگے۔ یہ یقین کر لینا چاہیے کہ جو چیزیں ہندوستان میں اور خاصکر مسلمانوں میں اٹلی اور جرمنی کی خریدی جاتی ہیں وہ کسی اور جگہ نہیں لی جاتیں یورپین بیبیاں ہمارے جیسے کم قیمت اور ریشمی کپڑے نہیں پہنتیں اور ایسی ارزان بیلیں اور فیتے بھی نہیں لگاتیں۔ وہ کریب اور ریشمی ململ کا اور ساٹن اور اطلس کا استعمال نہیں کرتیں یہ صرف ہمارے لباس کے نمونے منگوا کر اسکے موافق کپڑے تیار کر کے بھیجتے ہیں۔ آئے دن دیسی ساخت کی چیزیں اور ملکوں کے کارخانے والے منگواتے رہتے ہیں اور اُس نمونہ پر سستی چیزیں بنا کر بھیجتے ہیں۔

حال ہیں ہم نے بازار سے فیتے منگوائے تو اس میں بنارسی کناروں کے نمونے پر بنے

ہوئے فیتے دیکھے اور وہ سب جرمنی کے بنے ہوئے ہیں اور شاید ابھی ایجاد ہوئے ہونگے کیونکہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ یہ جرمنی کا نقلی فیتہ دو روپیہ کا تھا۔ اور اصلی بنارسی فیتہ اسی قسم کا کم سے کم ساڑھے تین روپیہ میں نو گز آتا ہے۔ اب بیبیاں ڈیڑہ روپیہ کی کمی کو اصلی اور دیرپا فیتہ پر ترجیح دینگی۔ مگر اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اگر ہے تو سوداگروں کا۔ کہ دیسی چیزیں نہ رکھیں اور پردیسی رکھیں۔ (میں نے جرمنی فیتے کے بدلے یہاں بنارسی فیتہ تلاش کیا مگر نہ ملا)

ہم کو ہر حال میں اسلامی حمیت اور انسانی ہمدردی کا خیال کرکے فوراً ہی "بائی کاٹ" "بائی کاٹ" پکارنا چاہیے۔ اسکا ذکر اپنے عزیزوں میں محفلوں میں۔ محلّوں میں، آئی گئی عورتوں میں کرکے اس تجویز کو ترقی دینی چاہیے۔ سُنکر اور پڑھ کر خاموش ہو رہنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ رنگ برنگی چیزوں کے سامنے اسلامی اخوت کی بہت وقعت ہے۔

امید ہے کہ بیبیاں اس مضمون کو پڑھکر اپنی راے سے مطلع فرمائینگے۔ ہم کو دیکھنا ہے کہ کتنی بیبیاں اس "بائی کاٹ" میں حصہ لیتی ہیں اور اس اثر کو جو سات سمندر پار کرکے ہم تک آیا ہے۔ کتنا محسوس کرتی ہیں۔

خاکسار
سلطان بیگم — از بہاولپور

اڈیٹوریل

سنگ بنیاد۔ یہ باسرت موقع جسکا جملہ بہی خواہان وحامیان تعلیم نسواں کو انتظار تھا ۷۔ نومبر ۱۹۱۱ء کو حاصل ہوا۔ ہز آنر معہ لیڈی صاحبہ وممبران اسٹاف تاریخ مذکور کو دوپہر کے وقت علیگڈہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور اس ضلع کے کلکٹر مسٹر ایس۔ ڈبلو میرس صاحب

کے یہاں فروکش ہوئے ۔ تین بجے کے وقت صاحب ممدوح کے بنگلہ سے مسز لویر ٹر صاحبہ معہ خان بہادر نواب مزمل اللہ خاں صاحب و مسٹر شیخ عبد اللہ صاحب ٹرسٹی کالج و سکرٹری صیغۂ تعلیم نسواں کے زنانہ اسکول کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے روانہ ہوئیں کالج کے رائڈنگ اسکواڈ کی ایک جماعت حضور ممدوحہ کے ہم کاب تھی ۔

جب ممدوحہ سنگ بنیاد کے موقع پر پہونچیں تو احاطہ کے اندر داخل ہوتے ہی تمام وہ اصحاب جو پردہ کے شامیانے کے باہر جمع تھے تعظیم بجالائے ۔ اور حضور ممدوحہ پردہ کی قنات کے اندر تشریف لیگئیں ۔

پردے کا انتظام یہ تھا کہ ایک شامیانہ نصب کیا گیا تھا جو سوائے دروازہ کے چاروں طرف سے بلند تھا ۔ اسکے باہر تقریباً دس دس گز کے فاصلہ سے قنات کھڑی کیگئی تھی جو قدِ آدم سے بھی زیادہ اونچی تھی ۔ اور اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ کوئی مرد قنات سے اتنے فاصلہ پر نہ ٹھہر سکے جہاں خواتین کی آواز پہنچ سکتی ہو ۔ قنات کے دروازہ پر مسز ٹول ، مسز ہار وٹز ، اور مس ہیرس نے اور شامیانہ کے اندر دروازہ پر مسز محمود ، مسز مشتاق حسین ، مسز عبد اللہ ، مسز احمد حسین ، مسز آفتاب احمد خاں ، مسز موسیٰ خاں سکندر جہاں بیگم ، مسز محمد حسین اور سعید بیگم صاحبات نے حضور ممدوحہ کا خیر مقدم کیا ۔ اور تمام دوسری خواتین جن کی تعداد غیر متوقع طور پر زیادہ تھی تعظیماً سروقد کھڑی ہوگئیں ۔

جب حضور ممدوحہ نشست فرما چکیں تو مسز موسیٰ خاں صاحبہ نے حضور ممدوحہ سے منجانب خواتین ممبران انجمن تعلیم نسواں ایڈریس پڑھے جانے کی اجازت طلب کی ۔ جسکے عطا ہونے پر مسز محمود نے ایڈریس پڑھا ۔

ایڈریس پڑھے جانے کے دوران میں جملہ خواتین ممبر کھڑی رہیں ۔ ختم ہونے پر مسز مشتاق حسین صاحبہ نے اسکو زرین خریطہ میں رکھ کر حضور ممدوحہ کی خدمت میں پیش کیا بعد ازیں حضور ممدوحہ نے بامداد بعض دیگر خواتین کے سنگ بنیاد رکھا ۔ اور پھر اپنی جگہ پر

تشریف لاکر ایڈریس کا جواب ارشاد فرمایا۔

ذیل میں ایڈریس اور اسکا جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں۔

بحضور جناب مسز ایل۔ اے۔ ایس۔ پورٹر صاحبہ

حضور عالیہ!

ہم ممبران محمڈن فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن علیگڈھ نہایت ادب کے ساتھ حضور عالیہ کے اول مرتبہ اس انسٹیٹیوشن میں قدم رنجہ فرمانے پر نہایت گرم جوشی کے ساتھ حضور عالیہ کا خیر مقدم کرتے اور بے حد مخلصانہ شکریہ بجا لاتے ہیں کہ حضور عالیہ نے ہماری درخواست کو شرف قبول بخش کر اس اسکول کے پہلے ہوسٹل کا سنگ بنیاد نصب کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ ہم حضور عالیہ کو یقین دلاتے ہیں کہ آج اس رسم کے ادا کرنے سے حضور عالیہ اُس تحریک کی بنیاد کو مضبوط کر رہی ہیں جو اس ملک میں حضور عالیہ کی ہمجنسوں کی اصلاح کریگی اور ان کی نجات کا موجب ہوگی۔

یہ بے ضرورت ہے کہ اس بات پر کچھ تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے کہ اس ملک اور علی الخصوص ہماری قوم میں تعلیم نسواں کا ہونا کیسا سخت ضروری اور لابدی ہے جس شخص نے بھی ہماری موجودہ حالت کو غور سے دیکھا ہے اسکو ضرور معلوم ہوگا کہ ہماری تمام قومی تحریکوں کی حقیقی اور مستقل کامیابی بالآخر ہماری عورتوں کی حالت اور تربیت پر منحصر ہے جو ہمارے خیالات اور افعال کی اصلی بانی اور ہماری زندگی اور اخلاق کی ابتدائی معمار ہوتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ انگلستان کے فیاضانہ اور دانشمندانہ عہد میں رعایائے ہند کے مردوں نے بہت کچھ ترقی کی ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ باوجود اس تمام ترقی کے جو ہوئی ہے ہماری تعلیمی اور ذہنی قابلیت میں ابتک وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جو اُسوقت تک دور نہیں ہوسکتیں جبتک

ہماری قوم کی عورتوں میں بھی علم اور روشنخیالی کا رواج نہ ہو۔

جس قوم کی مائیں اور بہنیں جاہل اور زمانہ کی رفتار سے ناآشنا ہوں وہ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی اُن اقوام کے ساتھ کامیابی سے مقابلہ نہیں کرسکتی جس کی عورتیں اس قابل ہیں کہ اپنا مناسب حصہ اور اپنی قوم کی قسمت کے سنوارنے میں لے سکیں۔

ہم یہ عرض کرنے کی بھی اجازت چاہتے ہیں کہ اگرچہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کی گورنمنٹوں اور تعلیمی صیغوں نے ہمارے لڑکوں کے اندر تعلیم کو ترقی دینے میں بہت کچھ کیا ہے، لیکن اس ملک کی زنانہ تعلیم کے متعلق اُن کے رویہ کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ درست ہی کہ گزشتہ چند سال کے اندر گورنمنٹ نے اس معاملہ میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا ہی، لیکن جو کچھ لڑکوں کے لیے ہوا ہی اُس کے مقابلہ میں یہ بہت تھوڑا ہی۔ تعلیم پر ہر سال جس قدر رقم صرف ہوتی ہی اُسکا لڑکیوں کی تعلیم پر ۱۲ فیصدی سے زیادہ صرف نہیں ہوتا جو اس مقصد عظم کی روز افزوں ضروریات کے لحاظ سے نہایت ہی قلیل ہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہماری دوسری قوموں کی بہنیں اتنے ہی موقعوں سے بھی بخوبی فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔ لیکن بعض خاص وجوہ سے ہماری خواتین نے ابتک اُن آسانیوں سے بہت کم فائدہ اُٹھایا ہے جو گورنمنٹ نے مہیا کی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ گزارش کرنا بھی ضروری ہی کہ ہمارے مردوں کی طرح جب تک ہماری عورتوں کے لیے بھی ہماری خاص ضروریات کے مناسب انتظام نہ کیا جائیگا۔ اس تحریک میں بہت زیادہ کامیابی کی توقع نہیں ہوسکتی۔ سخت پردے کا ایسا معقول انتظام اور مذہبی تعلیم و تربیت کا اتنا کافی اہتمام جس پر ہمارے معزز طبقوں کو بھروسا ہو ہمارے ملک میں تعلیم نسواں کو مقبول عام بنانے کے لیے ضروری ہیں، اور یہی بنیادی اصول ہیں جن پر یہ اسکول جاری کیا گیا ہی جو باقی ملک کے لیے ایک مرکزی اور نمونہ کا انسٹی ٹیوشن ہوگا۔

اس اسکول کا پہلا مقصد یہ ہے کہ تعلیم و تربیت یافتہ مسلمان اُستانیاں بہم پہنچائے جن کی کل ملک میں بڑی مانگ ہے۔ معزز مسلمانوں کا اکثر حصہ اپنی لڑکیوں کو تعلیم دلانا چاہتا ہے مگر وہ ابھی اس بات کے لیے تیار نہیں ہے کہ ان کو اسکولوں میں بھیجے۔ اور ایسے تمام لوگوں کے لیے اُستانیوں کا ہونا لابدی ہے۔ تقریباً ۵ سال ہوئے کہ یہ اسکول اس غرض سے جاری ہوا تھا کہ تعلیم و تربیت یافتہ اُستانیاں تیار کرے اور معزز خاندان کی لڑکیوں کے لیے بورڈنگ ہاؤس کا بھی کام دے۔ اس عرصہ میں علیگڈھ کے معزز باشندوں کی تقریباً ۲۵ لڑکیاں اسکول میں شامل ہوئیں جو روزمرہ اپنے گھروں سے اسکول کو پردہ کی ڈولیوں میں آتی جاتی ہیں۔ اُن میں سے ۱۰، ۱۲ لڑکیاں چوتھے یا تیسرے درجہ تک ابتدائی تعلیم حاصل کر چکی ہیں، اور اُن کے اسکول چھوڑنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُن کے والدین نہیں چاہتے کہ جب وہ بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو اسکول جانے کے لیے پردے کی ڈولیوں میں بھی بیٹھ کر شہر کے بازاروں اور کوچوں سے گزریں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا اسکول ہو جس میں ہر قسم کا ضروری انتظام خاطر خواہ ہو تو اس قسم کے اعتراضات بہت کچھ دور ہو سکتے ہیں۔

ہمارے مربیوں میں سب سے پہلے حضور ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال ہیں۔ ان کی چودہ سو سالانہ کی بروقت امداد نے اُن ابتدائی مشکلات کے حل کرنے میں ہمیں بڑی مدد دی جو ہمارے ایک زنانہ اسکول جاری کرنے کے راستے میں حائل تھیں۔ ریاستہائے بھاولپور، خیرپور (سندھ) اور ٹونک نے بھی چھ چھ سو روپیہ سالانہ کے بیش قیمت عطیوں سے ہماری امداد کی ہے۔ صوبجات ہذا کی گورمنٹ نے بھی ازراہ فیاضی مبلغ ۱۵ ہزار رُپیے کی رقم عمارت کے لیے اور اصلی اخراجات کے نصف حصہ کے لیے ۲۵۰ روپیے ماہوار تک کی دوامی رقم مرحمت فرمائی۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری فراخ دل گورمنٹ اپنی فیاضی کے ہاتھ کو اور زیادہ وسعت بخشے گی، تاکہ ہم اپنی ضروری عمارتوں کو

انگریزی قوم میں ہماری تعلیم اور اصلاح کے لیے ان لیڈیوں کے دلوں میں دلچسپی اور ہمدردی پیدا کریں گی جو آپ کے بعد ہندوستان آئیں گی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم بہت دنوں تک آپ کی احسانمندی کے خیال کو اپنے دل سے محو نہ کرینگے اور جب تک مسلمانوں کی قوم ہندوستان میں زندہ ہے اور جب تک اس کی تعلیم گاہیں قائم اور برقرار رہیں گی آپ کا اسم مبارک صرف اس سنگ مرمر کی خوشنما سِل پر ہی قائم نہ رہے گا، بلکہ ہمارے بعد کی آنے والی نسلوں کے دلوں میں بھی اس نام کی ایک وقعت اور عزت ہوگی۔

اس کے بعد حضور ممدوحہ و دیگر خواتین کو ہار پہنائے گئے اور عطر و پان تقسیم کیے گئے۔ اس کے بعد حضور ممدوحہ خواتین سے رخصت ہو کر کالج کو روانہ ہوگئیں حضور ممدوحہ جلسہ کی شرکت اور مسلمان خواتین کی ملاقات سے نہایت درجہ محظوظ ہوئیں اور اس پر اظہار تاسف کیا کہ ایسے ذہین و فطین طبقے میں جیسا کہ مسلمان خواتین کا ہے تعلیم کا رواج نہیں ہے۔ مگر آیندہ کے لیے امید افزا اثر کا اعتراف فرمایا۔ جلسہ میں جو خواتین شریک تھیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بیگم صاحبہ و دختران جناب نواب ممتاز یار الدولہ بہادر (حیدرآباد دکن) معہ گورنس صاحبہ، بیگم صاحبہ جناب خان بہادر شیخ صادق علی صاحب وزیر خیرپور (سندھ) معہ دختران، بیگم صاحبہ جناب مولوی محمد حسین صاحب سب جج میرٹھ معہ دختران، مدرسہ ہذا کی کل اُستانیاں اور جماعت اعلیٰ کی ۱۲ منتخب لڑکیاں۔ اسٹیشن کی کل یورپین لیڈیاں، اور شہر و نواح علیگڈھ کی ۷۰ مسلمان خواتین،،

اٹلی و ٹرکی۔ ۳۱۔ اکتوبر کو طرابلس میں جو لڑائی ہوئی اُس میں پانچ چھ ہزار اٹلی والے قتل اور سات ہزار گرفتار ہوگئے۔ ان کا سپہ سالار بھی قید ہوگیا۔

چین میں انقلاب۔ چین میں وہاں کی رعایا نے سخت انقلاب مچا رکھا ہے۔ وہ لوگ شخصی حکومت سے تنگ آگئے ہیں اسلیے دستوری حکومت کے خواہاں ہیں۔ بہت سے صوبوں پر اُنھوں نے فتح پالی ہے اور امید ہے کہ عنقریب اُن کو دستوری سلطنت ملجائیگی۔

شاہی تحفے۔ حضور ملک معظم بیشمار تحفے ہندوستان کے لیے لارہے ہیں۔ چنانچہ شاہی باورچی خانہ میں ایک ہزار پڈنگ تیار کرائے گئے ہیں۔ ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا پڈنگ فٹ بال کی برابر ہے۔ اس کے علاوہ کپڑوں کے تھان، چاندی و ہاتھی دانت کے بہت سے تحفے ہیں۔ جو قیصر ہند یہاں عطا فرمائینگے۔

کوئین میریز کالج کا سنگ بنیاد۔ یہ خبر نہایت مسرّت کے ساتھ سُنی جائے گی کہ لاہور کا وکٹوریہ سٹی گرلز ہائی اسکول ترقی دیکر اب زنانہ کالج کر دیا گیا ہے۔ ۱۶۔ نومبر کی شام کو عالی جناب لیڈی ڈین صاحبہ نے اسکے سنگ بنیاد رکھے جانے کی رسم ادا فرمائی۔ علاوہ حکام و معززین کے پردہ دار خواتین کا بھی ایک باپردہ جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ امید ہے کہ یہ کالج شرفاے پنجاب میں زنانہ تعلیم کو بہت ترقی دیگا۔

حبس دوام۔ حیدرآباد سندہ میں ایک عورت نے اپنے خاوند کو زہر دیدیا۔ اُس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اسکو حبس دوام بعبور دریای شور کی سزا دی گئی۔

میری نام کی عورتوں کی نذر۔ چونکہ ملکہ معظمہ کا نام گرامی میری ہے اسلیے دربار تاجپوشی لندن کے موقع پر اس نام کی تمام عورتوں نے ملکہ کی خدمت میں نذر گزرانی تھی اس نذر سے حضور عالیہ لندن میں ایک مکان تعمیر کرائینگی جن میں وہ عورتیں رخصت کے زمانوں میں آکر رہا کرینگی جنکے پاس مکان نہیں ہے۔

الوداعی جلسہ۔ ہر اکسیلنسی لیڈی لالی کو مدراس کی ہندوستانی خواتین کی طرف سے ۲۷۔ اکتوبر کو ایک الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا۔ اور ایک نقرئی صندوقچہ بطور تحفہ کے نذر دیا گیا ہر اکسیلنسی نے ایڈریس کے جواب میں ایک مناسب تقریر فرمائی۔

دربار دہلی۔ دہلی کے دربار میں ہندوستان کے ۱۳۵ با اختیار حکمران یعنی راجہ و نواب شریک ہونگے۔

بنارس میں اسکول پارچہ بافی۔ بنارس میں کپڑا بننے کا ایک مدرسہ سرکار بہت جلد کھولنے والی ہے۔ اس میں ہر قسم کے کپڑے بنانے کا ڈھنگ لڑکوں کو سکھلایا جائیگا۔ عمارت تیار ہوگئی ہے۔ ایک ہیڈ ماسٹر ولایت سے بلایا گیا ہے۔

ہمدردی۔ بیگم صاحبہ صاحبزادہ عبدالواحد خانصاحب مجسٹریٹ اجمیر نے ازراہ ہمدردی غریب بیواؤں اور بوڑھی عورتوں کے لیے اپنے پرانے پارچہ جات

عبداللہ بیگم کے پاس بھیجے ہیں کہ وہ مستحقین کو تقسیم کردیں۔ یہ پارچہ جات ایسی ایسی بیکس اور غریب عورتوں کو پہونچے ہیں جو اس جاڑے میں سخت مصیبت اُٹھاتیں۔ جن بیگمات کو اللہ تعالیٰ نے مقدرت دے رکھی ہے وہ اگر اسی طرح خیال کریں تو بہت غریبوں کا نفع ہو۔ اور اُن کو اجر ملے۔

عطیہ۔ مسیز عبدالکریم خاں صاحبہ نے گوالیار سے للعہ ایک مشت غریب لڑکیوں کی امداد کے لیے بھیجے ہیں اور آیندہ کے لیے عصہ ماہوار کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہم نہایت شکریہ کے ساتھ اسکا اعلان کرتے ہیں۔ مسیز حشمت اللہ صاحبہ بدستور عصہ ماہوار بھیجتی رہتی ہیں۔

مکمل کرسکیں۔

ہم نے ایک ایسوسی ایشن بھی قائم کی ہے جس میں مرد اور مسلمان خواتین دونوں شامل ہیں، جسکا مقصد یہ ہے کہ اپنے اس پہلے قومی زنانہ اسکول کے متعلق کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنی کوشش کو ایک مرکز پر لائیں۔ ہماری بعض ممبر خواتین نہایت جوش کے ساتھ کام کررہی ہیں اور یہ اُنہیں کی سچی ہمدردی اور دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ ہماری یہ ہمت پڑی کہ اپنے اسکول کے ساتھ ایک بورڈنگ ہاؤس بھی شامل کرکے اپنے فائدہ رسانی کے دائرہ کو وسعت دیں۔

ہم احسان مندی کے ساتھ اس امداد کا بھی اعتراف کرتے ہیں جو ہمیں زنانہ مدارس کے انسپکٹنگ اسٹاف سے مل رہی ہے۔ سال رواں کے آغاز میں چیف انسپکٹرس صاحبہ نے ہمارے اسکول کا معائنہ فرمایا اور سرکل انسپکٹرس مس چیمبرس اب تک پانچ مرتبہ تشریف لاچکی ہیں۔

آخر میں ہم حضور عالیہ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہیں کہ حضور عالیہ نے یہاں تشریف لانے اور سنگ بنیاد رکھ کر ہماری ہمت افزائی فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

(دستخط)

ممبران محمدن فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن

٭

مسز پورٹر صاحبہ کا جواب

خواتین!

میں سمجھتی ہوں کہ مسلمانوں کو اپنی عورتوں کی تعلیم کے مسئلہ سے زیادہ کسی او

مشکل کے حل کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ سے
ہندو مسلمان دونوں کے خاندانوں میں اپنی لڑکیوں کی تعلیم کی ایک زبردست
خواہش پیدا ہو گئی ہے جیتنی زیادہ تعلیم آپ کے بیٹوں کو ملے اُسی قدر زیادہ
تعلیم کی ضرورت آپ کی بیٹیوں کو ہے۔ ورنہ بیٹے بیٹیوں سے آگے نکل جائینگے اور
آگے چل کر زندگی میں آپ کے بیٹوں کے لیے کوئی سامان رفاقت نہ ہوگا۔

مجھے ہندوستانی عورتوں کی تعلیم سے گہری دلچسپی ہے۔ اور مجھے یہ سُن کر
مسرت ہوئی ہے کہ ایک ایسے ہوسٹل جاری کرنے کے لیے بہت سی مسلمان خواتین
آپ کی اسکیم کی مدد کر رہی ہیں جہاں لڑکیاں رہ سکیں اور زنانہ تعلیم میں اُن کی
نگرانی ہو سکے۔

یہ نہایت ضروری ہے کہ اس اسکیم کے اجرا کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور
کر لیا جائے۔

مجھے یقین ہے کہ اس ہوسٹل کا چارج لینے کے لیے آپ کو کوئی پوری تجربہ کار
لیڈی سپرنٹنڈنٹ مل جائے گی۔ اُسی پر ہوسٹل کی کامیابی یا ناکامیابی کا زیادہ تر
انحصار ہوگا۔

ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال مجھے یقین ہے کہ
ہمیشہ تمام معاملات پر اور اگر کچھ مشکلات پیدا ہوں تو اُس وقت خوشی سے
مشورہ دینگی۔ تعلیمی معاملات کے ساتھ انکی دلچسپی معروف عام ہے۔ اور جو
فیاضانہ امداد اُنھوں نے آپ کو دی ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ آپ کی اسکیم کو کامل طور
پر پسند کرتی ہیں۔

چند ماہ ہوئے مجھے بھوپال جانے کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اور ہر ہائنس
مہربانی سے مجھے اپنے زنانہ مدارس میں لے گئیں۔ مجھے اُن کے طلبار کی تعداد اور

ان کی ترقی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔
مجھے اس زنانہ ہوسٹل سے ہمیشہ بہت دلچسپی رہے گی اور میں اُس کی ہر ایک کامیابی کی متمنی ہوں۔

+

اس جواب کا ترجمہ سُنایا گیا۔
بعد ازیں مسز عبداللہ صاحبہ نے پردہ نشین خواتین کو ازراہ الطاف شرف ملاقات بخشنے اور سنگ بنیاد نصب فرمانے پر حضور ممدوحہ کا شکریہ بدیں الفاظ ادا فرمایا۔

مسز عبداللہ صاحبہ کی تقریر

حضور عالیہ!

میں حضور عالیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے آج ہم سب پردہ نشین بیبیوں کو اپنی تشریف آوری سے ممنون فرمایا۔ ہمارے لیے یہ بہت مبارک دن ہے اور ہم سب آج کی تقریب کو اپنی ہندوستانی بہنوں کے حق میں ایک نیک فال تصور کرتے ہیں۔ یہ پہلا ہی موقع ہے کہ ایک انگریز معزز لیڈی نے پردہ کے اندر پردہ نشین بیبیوں کے جلسہ میں ایک زنانہ تعلیم گاہ کی بنیاد رکھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ایک جانب یہ موقع دیگر انگریز معزز و با اثر لیڈیوں کے دلوں میں ہماری تعلیم کا خیال اور دلچسپی پیدا کرے گا اور دوسری جانب اس سے ہندوستانی پردہ نشین خواتین کو اپنی مدد آپ کرنے اور اپنی تعلیم کے کاموں میں پورا حصہ لینے کی ترغیب اور ہمت پیدا ہوگی۔

میں حضور عالیہ کو یقین دلاتی ہوں کہ اب ہم میں بکثرت ایسی بیبیاں موجود ہیں جن کو اپنی اور اپنی بچیوں کی تعلیم کا از حد شوق ہے۔ وہ متمنی ہیں کہ مردوں کی طرح وہ بھی اعلیٰ اور عمدہ تعلیم حاصل کریں۔ مگر اسوقت بہت سی دقتیں ہمارے راستے میں حائل ہیں جو ہم کو اپنے مقصد تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ مگر ہمکو اطمینان ہے کہ جیسے کل دنیا کے فرقہ نسواں کے صبر اور تحمل اور برداشت نے اُن کی بہت سی مشکلیں حل کردی ہیں۔ اسی طور پر ہمارا صبر اور تحمل بھی ہماری اس مشکل کو حل کردیگا خود مردوں میں ایسے بہت سے لوگ پیدا ہوگئے ہیں۔ جو لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کو یکساں ضروری سمجھنے لگے ہیں اور اُن کے دلوں میں یہ خیال بلا کسی کوشش کے پیدا ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس خیال سے جہانتک ہوسکے فائدہ اُٹھائیں۔ اور اپنی حالت کی اصلاح کریں۔

حضور عالیہ! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ شکر گزاری اور احسانمندی ہمارے فرقے کے بہت زیادہ نمایاں اوصاف ہیں اور ہم کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ سرکار انگریزی ہمارے لیے بہت کچھ کررہی ہے۔ ہم سرکار کے دل سے شکرگزار ہیں۔ مگر خود سرکار کو بھی ہماری تعلیم کے بارے میں بہت کچھ دقتیں درپیش ہیں۔ تاہم ان دقتوں کا رفع کرنا آپ جیسی ہمدرد لیڈیوں کا کام ہے۔ اگر انگریزی قوم کی معزز لیڈیاں ہماری تعلیم کی طرف توجہ کریں تو ہم کو یقین ہے کہ ہم میں تعلیم اور تربیت پھیلانے میں کچھ بھی دقت نہ ہو۔ حضور عالیہ نے ایک عمدہ مثال قائم کی ہے اور جب حضور عالیہ اس ملک سے رخصت ہوکر اپنے وطن مالوف کو تشریف لیجائیں گی تو ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری تعلیم کا خیال اپنے ساتھ لے جائیں گی اور

دیے اور کہا "جب تمہاری بہاوج تمکو ایسا ذلیل جانتی ہیں تو تم اُنکی خوشامد میں خواہ مخواہ مری جاتے ہو شہر میں لڑکیوں کا توڑا تھوڑی ہی۔ دور کیوں جاؤ خود تمہاری برابر ہی احمد مرزا شہزادہ فریدوں کے بیٹے رہتے ہیں شریف خاندانی آبرو دار ذات میں کسی سے ہیٹے نہیں روپے پیسے کی پوچھو تو سفید پوش ہیں آٹھ آدمیوں کو دستر خوان پر ساتھ بٹھا کے کھاتے ہیں اور انکی بیٹی۔ بس میں کیا کہوں، چندے آفتاب چندے ماہتاب اور سگھڑ ایسی کہ جب سے مرزا کی بیوی مری اُس فلتی نے گھر سنبھال لیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائیوں کو پالا اور باوا کو ایسا خوش رکھا کہ انہیں دوسری شادی کا خیال تک نہ آیا۔ تمہیں ایسی بیٹی کہاں ملے۔ میری دانست میں تو دیر نہ کرو اور فوراً طرح ڈالدو۔ نکاح ابھی ہو جائے۔ اور نہیں ابھا نشان چڑھ جائے شادی بعد میں کرتے رہنا۔ اور احمد مرزا تو ایسے باوضع آدمی ہیں کہ جہیز جٹہا وا بہ وہ کچھ زیادہ نہ مانگیں گے۔ تمہارے بھائی صاحب کی طرح نہیں کہ سونے کا چھپر کھٹ اور پچاس جوڑے اور پندرہ رقمیں ہی ہوں تو بیاہ رچے (منہ اور ناک سکیڑ کے) جیسے موئے لالچ خورے بیٹے ہوتے ہیں۔ اے ہاں میرا تو صاف کہدوں ایسی باتوں سے جی جلتا ہی!"

غرض بہنوئی کو ایسا شیشہ میں اُتارا کہ وہ احمد مرزا کے ہاں رشتہ کرنے پر آمادہ ہو گئے واضح رہی کہ ثریا بیگم کو اُن کے بہنوئی کچھ اپنا خیر سگال یا بہی خواہ نہیں جانتے تھے لیکن جب اُنہوں نے دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ احمد مرزا کی بیٹی واقعی نہایت سلیقہ مند اور صورت دار ہے شرافت میں بھی اُن لوگوں کی کچھ کلام نہ تھا، بس وہ ثریا بیگم کے جھانسے میں آگئے اور اُنکے کہنے کے بموجب اپنی بیوی سے اس بات کا کچھ تذکرہ نہیں کیا بلکہ چپ چاپ خود احمد مرزا صاحب سے سلسلہ جنبانی شروع کردی۔ انکی بیوی نے ایک آدہ مرتبہ پچھلے رشتہ کا ذکر کیا تو اُنہیں ٹال ٹال دیا کہ صاحب

بھلا وہ بڑے امیر آدمی اور ہم ہیں غریب، بھلا وہ ہم سے رشتہ کیوں کرنے لگے؟"

ولی کی اماں "نہیں اب تو ہمارے جیٹھ راضی ہوتے جاتے ہیں"

میاں "خیر تو مارے باندھے سے راضی ہوئے ہی تو کیا۔ یہ رشتے تو خوشی کے ہوتے ہیں، دوسرے انکی بیوی ہمیں خاطر میں ہی نہیں لاتیں تو ہمیں ایسی کیا غرض ہے کہ ان کی چاپلوسی کریں۔"

ولی کی اماں کچھ اور کہتیں مگر انکے میاں نے گفتگو مختصر کرنے کے لیے ٹوپی سر پر اور گلوری منہ میں رکھی اور باہر چلے گئے!

میاں کی اس بے التفاتی کا دلی کی اماں کو زیادہ خیال نہیں ہوا اُنہوں نے دل میں سوچا کہ جب معاملہ پختہ ہو جائیگا تو وقت کے وقت اُن سے کہہ سن لونگی اُن بیچاری کو یہ خبر نہ تھی کہ ثریا بیگم صاحبہ اس معاملہ میں ہی اُنکی مخالف اور اُنکی کوششوں کو خاک میں ملانے کے درپے ہیں۔

غرض دو تین مہینہ تک ادھر بیوی اپنی جٹھانی کی تالیف قلوب کرتی رہیں۔ اُدھر میاں دوسرے رشتہ کا انتظام کرتے رہے یہانتک کہ احمد مرزا صاحب نے ایک دن حامی بھرلی اور وعدہ کرلیا کہ کل وہ رقعہ بھجوائیں ہم رسمی طور پر انہیں جواب باصواب دیدینگے۔

اتفاق یہ کہ عین اُسی شام کو دلی کی والدہ اپنی جٹھانی کے ہاں جاکر طویل گفت وشنید کے بعد انہیں نیم راضی کر آئیں اور رات ہی سے تیاری شروع کردی کہ صبح کو انکے ہاں شیرینی وغیرہ لے کر جائیں اور باقاعدہ منگنی کا اعلان ہو جائے۔ لیکن اس معاملہ میں میاں کی اجازت لینی لازمی تھی چنانچہ وہ منتظر رہیں کہ شام کو ولی کے ابا گھر میں آئیں تو انکو اس خوشخبری کی اطلاع دیدیجائے ثریا بیگم کے بھی جاسوس لگے ہوئے تھے اور لحظہ لحظہ کی خبریں اُنہیں پہنچ رہی

بھیں جونہی اپنی بہن کی کامیابی سنی جھٹ بہنوئی کو اپنے ہاں بلوالیا اور پوچھنے لگیں کہ کہو تم نے اس عرصے میں کیا کیا ؟ "

بہنوئی "جی وہ احمد مرزا صاحب الحمد للہ کہ بالکل رضامند ہیں رقعہ تیار ہی اور کل علی الصبح انکے ہاں بھیجا جائیگا لیکن بیوی کو بھی اس معاملہ میں اطلاع دیدینا مقدم ہی۔

ثریا بیگم " بیشک بلکہ میرا تو یہ خیال ہی کہ رقعہ کے ساتھہ ہی شیرینی وغیرہ تیار کرالو کہ ان کے ہاں سے جواب آتے ہی بھیجدیجاے (جھوٹ موٹ سوچکر) اور رقعہ میں تمہاری بیوی کی صلاح تو لی ہی نہیں جائیگی میں کہتی ہوں اسکو تو اسیوقت روانہ کرو۔ کیوں دیر کی ؟ جب کرنے پر آئے تو انسان تاخیر کیوں کرے"

بہنوئی " لیکن اب تک بیوی کو اس معاملہ کی اطلاع آپکے کہنے کے مطابق نہیں دی ہے، رقعہ انکی مرضی لیے بغیر بھیجا جائیگا تو وہ خواہ مخواہ بُرا مانینگی۔ اگرچہ رشتہ میں اُنکو کوئی اعتراض نہو گا۔ پھر بھی اُنکے علم بغیر رقعہ بھیجنا درست نہیں معلوم ہوتا"

ثریا بیگم " اور جو تمہاری بیوی اسپر راضی نہوئیں ؟ "

اس سوال پر انکے بہنوئی ذرا سٹپٹاے۔ معاملہ اس حد تک پہونچ چکا تھا کہ وہ احمد مرزا صاحب کے ہاں رقعہ بھیجنے پر گویا مجبور ہو چکے تھے کیونکہ دراصل وہ ایک رسمی بات تھی ورنہ اپنی خواہش کا اظہار اور اسکا جواب انکو ملچکا تھا۔

ثریا بیگم (سمجھانے کے لہجے میں) " دیکھو اگر رقعہ اسوقت بھیجدوگے تو اسکے بعد تمہاری بیوی بھی کچھہ عذر و انکار نہیں کرسکیں گی۔ اور آخر اس میں تمہیں تامل ہی کیا ہی۔ تم وہاں رشتہ کرنا چاہتے ہو فریق ثانی کو آمادہ کرچکے ہو۔ پھر اب رقعہ جانے میں ہی کیا رہ گیا ہی"

دلی کے والد سمجھہ تو گئے کہ میری سالی نے دھوکا دیا لیکن اسوقت کچھہ کرتے دھرتے بھی نہ بن پڑی اور اُنہوں نے چپ چاپ ثریا بیگم کی خادمہ کے

ہا تھنہی رقعہ احمد مرزا صاحب کے ہاں بھجوا دیا۔

(۴)

دلی کے والد صاحب رات کو گھر میں ہی نہیں گئے اور اسی شش و پنج میں رہے کہ کہیں انکی بیوی کو یہ خفیہ کارروائی ابھی نہ معلوم ہو۔ اُدھر انکی بیوی بہت حیران رہیں کہ آج کیا بات ہے جو میاں گھر میں نہیں آتے۔ مگر ثریا بیگم کو اس قسم کی کوئی تشویش کوئی فکر نہ تھی وہ صبحدم اُٹھیں اور ڈولی میں چڑھ کے اپنی بہن کے ہاں پہنچیں۔

ثریا بیگم (بہن سے) اے بی یہ الگ ہی الگ توڑ جوڑ کر تی پھرتی ہو۔ مجھے تو رات کو خبر ہوئی کہ دلی کی الدین کے نسبت ہونیوالی ہے۔ اللہ ہم ایسے غیر تھے کہ خبر ہی نہیں کی۔"

بہن "آپا واقعی میں نے آپکو اطلاع نہیں کی مگر کیا کہوں اس سے پہلے کوئی بات پکی نہیں ہوئی تھی اور میں نے یہ سوچکر کہ پہلے جتھالی ان جائیں انکو (یعنی اپنے میاں کو) بھی خبر نہیں کی۔"

ثریا بیگم "خیر اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے خفیہ ہی خفیہ احمد مرزا تمہارے پڑوسی کو پیغام دیدیا۔"

بہن۔ (نہایت سراسیمہ ہو کے) "اے ہے یہ کب؟ خدا کے لیے آپا سچ بتاؤ وہاں انکو پیغام دینے کی کس نے صلاح دی اور یہ بغیر مجھ سے مشورہ لیے انہوں نے پیغام کیسے دیدیا۔؟"

جواب سوال اور رنج و آزردگی کے بیان کو ہم چھوڑے دیتے ہیں۔ اتنا لکھنا البتہ باقی ہے کہ ثریا بیگم کے ذریعے احمد مرزا صاحب کو یہ خبر پہونچی کہ دلی کی اماں کہیں اور رشتہ کرنا چاہتی ہیں اور طرف ثانی بھی آمادہ ہو چکے ہیں تو وہ بہت ناراض ہوئے رقعہ واپس بھیجدیا اور آیندہ کے لیے سب رسم ہمسائیگی ترک کر دیے ادھر رقعہ کا حال

سُنکر ولی کی اماں کو انکی جٹھانی کا یہ مایوس کن پیام ملا کہ اب ہمارے ہاں نسبت و سبت کا کبھی خیال بھی دل میں نہ لانا ورنہ بہت بُرا ہوگا۔"

از "گمنام"

اسلامی جزیہ

جزیہ جسکے اصطلاحی معنی غیر مذاہب کی لوگوں کی حفاظت کرنیکا معاوضہ یا ٹیکس ہیں دراصل عربی زبان کا لفظ' فارسی لفظ گزیہ کا معرب ہی۔ جزیہ کا موجد اسلام نہیں بلکہ اول اول نوشیروان عادل نے اُسکو رواج دیا تھا اور اُسی کی کوششوں سے ترقی کرتے کرتے ایران۔ روم اور تمام بلاد اسلامیہ میں جزیہ کا رواج زور پکڑ گیا۔

اسلام نے جزیہ کے لیے جو چند خاص شرطیں مقدم رکھی ہیں اُنہیں نظرامد کرتے ہوے جاہل سے جاہل شخص اس بات کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں کرسکتا کہ اسلامی جزیہ کوئی ظلم یا گناہ نہیں بلکہ رعیت کی حفاظت کا معاوضہ ہی۔ غور کرنے کی بات ہی کہ جو سلطنت غیر مذہب رعایا کے ساتھ ہمدردانہ اور برادرانہ سلوک رکھے۔ اُسے ہر طرح کی تکلیفوں سے بچاے اور اُسکے جان و مال کو اپنے سے زیادہ امن دے اگر اُسنے اس گروہ کے چند متمول لوگوں سے دس بیس روپیہ سالانہ بطور جزیہ وصول کرلیا تو کونسی بُرائی یا تکلیف دی ہی۔ کوئی سلطنت اپنے نظم و نسق اور فوج و سپاہ میں اُسوقت تک نمایاں ترقی نہیں کرسکتی جب تک اُسکی رعایا مالی اور جنگی ضرورتوں میں اُسکا ہاتھ نہ بٹاے چنانچہ ابتداے آفرینش سے اب تک جتنے سلاطین گذرے ہیں سب نے کسی نہ کسی (اچھے خواہ بُرے) طریقے سے رعیت کی امداد حاصل کی اور جس طرح بن پڑا لوٹ کھسوٹ ڈال کر یا لگان خراج وصول کرکے خزانہ شاہی کو

ملکی ضرورتوں کا کفیل قرار دیا۔

دوسرے مذہب کے لوگوں کا یہ اعتراض کہ سلاطین اسلام مسلمانوں سے جزیہ کیوں نہیں لیتے تھے، بعض ناواقف دلوں کے لیے قابل افسوس بات ہو لیکن جس شخص نے تاریخ اسلام کی ورق گردانی کی ہے اُس سے پوشیدہ نہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کے لیے زکوۃ دینا ویسا ہی فرض قرار دیا ہے جیسا غیر مذاہب سے جزیہ وصول کرنیکو۔ بڑا تعجب ہے کہ اہل اسلام جو زکوۃ دینے کے علاوہ ہر وقت میدان جنگ میں سر کٹانے کے لیے تیار رہتے اور رعایا کی حفاظت کے مقابلہ میں دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھتے تھے ظالم خیال کیے جائیں اور دوسری قومیں جو بہت قلیل معاوضہ دیکر مزے سے عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں مظلوم اور ستم رسیدہ بنائی جائیں۔

مبصرانہ نگاہوں میں اسلام کی بے تعصبی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ اور کم سے کم تین روپیہ فی آدمی سالانہ رکھی تھی اور اس حالت میں بھی اشخاص ذیل سے جزیہ وصول کرنے کی سخت ممانعت تھی۔

(۱) جسکے پاس سو درہم سے کم سرمایہ ہو۔

(۲) بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر کا آدمی۔

(۳) عورت۔

(۴) اندھا۔ اپاہج اور فاتر العقل مرد۔

سید منظر حسین اختر
میرٹھی

جاپان

بارہواں باب

پاؤ آنہ میں بیسیوں لطف

صرف ایک پاؤ آنہ لیکر کسی محلہ میں جانا اور وہاں محض اس ایک پاؤ آنہ سے مختلف قسم کے تماشے دیکھنا اور بیسیوں لطف حاصل کرنا ضرور ناممکن خیال کیا جائیگا۔ کیونکہ روپیہ دو روپیہ میں جب میلہ کا پورا لطف حاصل نہیں کیا جا سکتا تو پاؤ آنہ کس شمار میں ہی مگر جاپان میں برابر ایسا ہوتا ہی۔ جاپان میں مزدوری وغیرہ کا نرخ بہت سستا ہی اکثر لوگ وہاں روزانہ چھ آنہ سے زیادہ نہیں کماتے اور جس شخص کی آمدنی بارہ آنہ روز ہو وہ خوشحال سمجھا جاتا ہی۔ چھوٹی آمدنی کے اخراجات بھی چھوٹے ہونے چاہئیں اسلیے جاپان میں اسبات کا ہمیشہ لحاظ کیا جاتا ہی کہ کم آمدنی کا آدمی بھی اپنی تمام خواہشوں کو اپنے درجہ اور اپنی بساط کے مطابق پورا کرنے کا موقع حاصل کر سکے۔

ہمارا اس موقع پر یہ بتانا کہ ایک دن ناگہ ساگی کے میلہ میں اوہاراسان یعنی بی شگوفہ بیگم اور انکے بھائی تاروسان یعنی میاں خلف اکبر نے کیا کیا کام کیے خالی از دلچسپی نہوگا۔ علی الصباح وہ بہت خوشی کے ساتھ اپنے بچھونوں پر اٹھہ بیٹھے۔ انکی دلی مسرت بہت غیر معمولی تھی کیونکہ وہ کئی روز سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے لیکن اُنھوں نے اُچکنا کودنا اور شور وغل کرنا جیسا دوسرے ممالک کے بچوں کا قاعدہ ہی بالکل نہیں اختیار کیا بلکہ انکی سیاہ چمکدار آنکھیں

مسرت کے جوش سے کچھ اور روشن ہو گئیں اور یہی انکی خوشی کا اظہار تھا۔

جلدی جلدی کھانا کھانے کے بعد وہ میلہ کی طرف چلے جو ایک بڑی ویول کے صحن میں قائم تھا۔ ان دونوں کو انکی عمدہ ترین پوشاک سے آراستہ کیا گیا تھا۔ دونوں کی "کی مولو" سے کے تھے۔ اوہاراسان کی "اوبی" بہت اچھی تھی۔ اس "اوبی" کے خریدنے کے لیے اسکے والدین کو اپنے اوپر جبر کرکے بہت سی اپنی خواہشوں کو مسترد کرنا اور تھوڑا تھوڑا جمع کرنا پڑا تھا۔ ان دونوں بھائی بہن کے ساتھ ان کا باپ اور انکی دادی بھی چلے لیکن انکی ماں اپنے شیرخوار بچہ کے ساتھ گھر ہی پر رہی۔ ان کا باپ اسوقت ایک دُھلی ہوئی صاف "کی مولو" پہنے ہوئے تھا۔ جب وہ میلہ میں پہونچے تو بڑے ہی دلی شوق سے اس کی ہر چیز کو دیکھنے لگے۔ بیشمار دلچسپیاں وہاں موجود تھیں یکایک ایک مٹھائی کی دکان سے باجہ کی آواز آئی اور اوہاراسان اور تارو دونوں اس کی طرف بڑے ہی شوق کے ساتھ لپکے۔

ہر ایک کے پاس پانچ رِن تھے۔ پانچ رِن ہمارے پاؤ آنہ سے بھی کم ہوتے ہیں لیکن ہم اسکو حساب کی آسانی کی غرض سے پاؤ آنہ ہی تصور کرلینگے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے پاس سے ایک رِن اس دکان میں صرف کیا۔ دُکان کے دو حصے تھے ایک میں تو لذیذ شربت کے چھوٹے چھوٹے شیشے رکھے تھے اور دوسرے میں نیلے اور سُرخ اور سبز وغیرہ مختلف رنگوں کی مصری کی ڈلیاں تھیں۔ بی شگوفہ بیگم تو شربت کی طرف متوجہ ہوئیں اور انکے بھائی صاحب مصری کی ڈلیوں کی طرف جھکے لیکن کچھ خریدنے کے پہلے میاں خلف اکبر نے دوکاندار سے خواہش ظاہر کی کہ انکو بھی قسمت آزمانے کی اجازت دیجائے۔ اجازت ملنے پر تارو نے کانٹے کو گھمایا جو ایک سطح تختہ پر بیچ میں لگا ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے کانٹا ایک ایسے عدد پر جاکر ٹھیرا جو گھمانے والے کو کامیاب بناتا تھا۔ پھر تو تارو کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کامیابی کے صلہ میں اس کو

ایک اور مصری کی ڈلی مفت ہاتھ آئی اور اس نے بڑی مسرت کے ساتھ خیال کیا کہ میلہ کی تنہا اسکے حق میں نہایت مبارک ہوئی ہے۔

شربت پینے اور مصری کی ڈلیوں کا لطف حاصل کرنیکے بعد وہ بہٹر بہاڑ میں ادہر اُدہر گھومنے لگے۔ کبھی کسی جگہ ٹھیرتے اور تماشہ دیکھتے کبھی کسی طرف کوئی کرتب دیکھتے میلہ میں تماشوں کی کمی نہ تھی۔ کہیں مداری کا کھیل ہو رہا تہا۔ کہیں نٹ اپنے کرتب کر رہے تھے کہیں ناچ اور گانا ہو رہا تہا کہیں سرکس کا بازار گرم تہا۔ کہیں کوئی عورت اپنے گردن کو اتنی دور کھینچتی ہے جہاں تک اس کا ہاتھ بلند ہو سکے۔ کہیں کوئی شخص اپنے ہونٹھ کو اپنی آنکھوں سے ملاتا تہا۔ غرض مختلف قسم کے عجیب و غریب سیکڑوں کھیل تماشے ہو رہے تھے اور ہر جگہ داخلہ کے لیے ایک پن فی بچہ مقرر تہا۔ بہت دیر تک سیر کرنے کے بعد آخر کار دونوں بچوں نے مداری کے تماشہ کو پسند کیا اور اسکے خیمہ میں داخل ہوئے۔ وہاں انکو بڑی حیرت ہوئی جب اُنہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی نے اپنے مُنہ سے آگ نکالنی شروع کی اور ایک لمبی تلوار ساری کی ساری نگل گیا۔ ایسے ہی بہت سے عجیب و غریب کمالوں کے بعد ایک بہت بڑا پانی کا سانپ بنایا گیا جو اصل میں مصنوعی تہا۔

اس تماشہ کو دیکھکر جب وہ دونوں باہر نکلے تو سیدھے اُس دکان پر پہونچے جو جاپانی میلوں کی جان ہے۔ اس دکان میں ایک آدمی چولھا لیے بیٹھا تہا اور اسکے اطراف بچوں کا ایسا انبوہ تہا جیسے شہد پر مکھیاں جمع رہتی ہیں۔ صرف ایک پیسہ کا پانچواں حصہ ادا کرنے پر گُندھے ہوئے آٹے کی ایک ٹکیہ یا انڈے دودھ اور آٹے کی تھوڑی سی لپسی کے ساتھ چولھے کو استعمال کرنے کی اجازت ملجاتی ہے۔ بچے بڑی خوشی سے اپنے ہاتھوں کیک تیار کرنے اسکو پکانے اور کھانے کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ اگر کیک تیار کرنے میں دو گھنٹے بھی صرف ہو جائیں تو بیچارا چولھے والا کوئی شکایت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں کیک بنانے اور آگ سے کھیلنے کے دونوں لطف اکھٹے حاصل ہو جاتے ہیں اسیلئے جاپانی

کے بچے اسکے بڑے دیوانے ہوتے ہیں تاروُ نے بھی اس کھیل میں حصہ لیا لیکن شگوفہ بیگم الگ کھڑی تماشہ دیکھتی رہیں کیونکہ وہ اب اپنے تئیں اس قسم کے طفلانہ کھیلوں میں شریک ہونیوالے بچوں سے بالا سمجھتی تھیں۔

جب تک تارو کیک تیار کرتا رہا اس لڑکی نے اپنا تیسرا رِن ایک شعبدہ باز کا تماشہ دیکھنے میں صرف کیا۔ یہاں کاغذ اور مقوے کی تپلیاں نچائی جاتی تھیں۔ اسکے بعد وہ سب آگے بڑھے۔ تھوڑی دور چلکر دونوں نے ایک ایک رِن کی مٹھائی خریدی اور ایک تماشہ گاہ کے دروازہ پر پہونچکر اپنے باپ اور دادی کا انتظار کرنے لگے جو تھوڑی دیر کے لیے الگ جدا ہوگئے تھے۔ تماشہ گاہ میں لوگ کثرت سے جمع ہو رہے تھے۔ بوڑھے جوان بچے۔ مرد۔ عورت ہر قسم کے آدمی آرہے تھے۔ ایک بہت دلچسپ تاریخی تماشہ ہونیوالا تھا اور اسکے شروع ہونے میں بہت کم وقت باقی رہگیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ان کا باپ اور انکی دادی آگئے اور ان دونوں کے پاس جو ایک ایک رِن باقی رہگیا تھا اسکو وصول کرکے ناٹک کے ٹکٹ کی قیمت میں بھرتی کیا گیا۔

اسکے بعد یہ سب اندر داخل ہوئے اور ایک جگہ بیٹھ گئے تماشہ گاہ کی نشستیں چھوٹے چھوٹے کٹہروں کے ذریعے جو تقریباً ڈیڑھ بالشت اونچے ہونگے متعدد حصوں میں منقسم تھیں۔ ان مربع جگھوں میں سے ایک پر ان لوگوں نے قبضہ کیا۔ ہر ایک بے تکلفی کیساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور بڑھیا نے اس گٹھری کو کھولنا شروع کیا جو وہ اسوقت تک لیے پھرتی تھی۔ اس گٹھری میں کھانے پکانے کا سامان اور بہت سے چاول وغیرہ تھے جاپان کے قاعدہ کے مطابق یہ لوگ چاہتے تھے کہ تماشہ ختم ہونے تک جسکو کئی گھنٹے درکار تھے خوب کھائیں پئیں اور اچھی طرح خوشی حاصل کریں۔

باپ نے انگیٹھی کو تمباکو سے بھر کر سلگایا اور سیکڑوں آدمیوں کی طرح جو وہاں چاروں طرف جمع تھے پینا شروع کیا۔ تماشہ گاہ کے ہر حصہ میں ایک ایک خاندان سمایا۔

ہوا تہا اور ہر خاندان اپنا اپنا چٹنت وپز کا سامان وغیرہ لیتا آیا تہا۔ اسکے علاوہ مختلف خوانچہ والے کہانے پینے کی چیزیں۔ دمیاں۔ تماکو۔ ساکی وغیرہ بیسیوں اشیاء وہیں بیچتے پہرتے تھے۔

تماشہ شروع ہونے کے ساتہہ ہی تمام لوگ اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ ایک بہت دلچسپ معرکۃ الآرا تاریخی تماشہ تہا۔ جاپانی عموماً ناٹکوں میں اسیلیے جاتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی لیجاتے ہیں کہ وہاں تاریخ سیکھیں۔ ناٹکوں میں ہمیشہ قدیم بڑی جنگیں پُرانے امیروں کے باہمی مقابلے وغیرہ بالمختصر یہ کہ قدیم جاپان کی تاریخ بتلائی جاتی ہے۔ تماشے میں ایک بازیگر نے حاضرین کو بہت مسرور کیا اور لوگوں نے اسکے سوانگ سے محظوظ ہوکر اپنی ٹوپیاں چبوترہ پر اُسکے پاس پہینکدیں ایک ناٹک والے نے ان سب ٹوپیونکو اکٹھا کر کے اپنے ہاں رکھ چھوڑا۔ تماشہ کے خاتمہ پر لوگ اسکے پاس گئے اور کچھہ کچھہ انعام دیکر اپنی ٹوپیاں واپس لیں۔ تماشہ ہونے تک کامل چھہ گھنٹے اوہارا سان اور تارو اپنے مختصر دائرہ میں بیٹھے۔ ہنستے۔ قہقہے لگاتے۔ کہاتے پیتے اور تماشہ دیکھتے رہے چھہ گھنٹوں تک تماشہ جاری رہا۔ اسکے بعد وہ ختم ہوگیا۔ کیونکہ وہ ایک چھوٹا کھیل تہا اور تماشہ گاہ بھی سستا سا معمولی تہا۔ جب تماشے کے اختتام پر وہ سب اٹھنے لگے تو باپ نے کہا کہ:۔

"افسوس! اصلی اور قابل دید تماشے تو اُسوقت ہوتے تھے جب میں بچہ"
"تہا۔ ہم لوگ صبح سویرے اُٹھکر چھہ بجے کے پہلے تماشہ گاہ میں داخل ہوجایا"
"کرتے تھے وہاں گیارہ بجے رات تک ہم تماشے کے لطف و مسرت"
"میں محو رہتے تھے مگر اب سرکار کا یہ حکم ہے کہ نو گھنٹوں سے زیادہ"
"کوئی تماشا جاری نہ رکہا جاے۔ یہ بہت ہی تھوڑا وقت ہے!"۔

بچوں نے اپنے باپ کی راے کے ساتہہ اتفاق کیا اور دونوں ملکر کابیو

پیالوں وغیرہ کو جو وہاں پھیلے ہوئے تھے جمع کرنے میں اپنی دادی کا ہاتھ بٹانے لگے۔ اسکے بعد ہر ایک نے اپنے ہاتھ میں اپنا اپنا چوبی نشان لیلیا تاکہ دروازہ پر پہونچکر اسکے ذریعے اپنا جوتہ واپس لیں۔ جوتے پہن چکنے کے بعد بی شگوفہ بیگم اور میاں خلف اکبر نے آہستہ آہستہ میلہ کی بھیڑ بھاڑ میں سے اپنے گھر کی طرف چلنا شروع کیا۔ اب انکے پاس خرچ کرنے کے لیے کوئی رقم باقی نہ رہا تھا۔ لیکن پاو آنہ میں اُنھوں نے بیسیوں لُطف حاصل کر لیے تھے۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

زنانہ حاضر جوابی

نومبر کے رسالہ خاتون میں زنانہ لطائف کے متعلق جو فرمایش کی گئی ہے اس کی تعمیل میں اسوقت زنانہ حاضر جوابی کا ایک بہت دلچسپ اور تازہ ترین نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے امید ہے کہ اسکو پڑھکر خواتین بہت محظوظ ہونگی۔

انگلستان کے ایک سربرآوردہ اخبار کے نامور اڈیٹر ایک مشہور و معروف خاتون سے "حقوق نسوان" کے متعلق بڑے جوش و خروش کے ساتھ بحث کر رہے تھے۔ مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہونے کے بعد اڈیٹر صاحب نے خاص تبختر کے لہجہ میں کہا "لیکن عورتیں ہرگز مردوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔ مثال کے طور پر"

"جنگ ہی کو لیا جائے۔ فرض کیجیے انگلستان اور جرمنی میں جنگ چھڑ گئی۔"

"ایسی حالت میں بتلائیے کہ آپ کیا کرینگی ؟"

بذلہ سنج خاتون نے بڑی ہی متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا کہ :-

" میں بھی بالکل وہی کرونگی جو اگر ایسا موقع آپڑا تو تم کروگے۔ میں اپنے لکھنے کی"
" میز پر بیٹھ جاؤنگی اور دھڑلے کے مضامین تحریر کرنے شروع کردوں گی "
" جن میں غیرت و شرم کو جوش میں لانے اور دوسرے تمام لوگوں کو جنگ"
" میں جانے اور لڑنے مرنے کی ترغیب و تحریص دینے میں کوئی دقیقہ"
" فروگذاشت نہ کیا جائیگا "

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

" ساس اور بہو "

مفروضات اور واقعات میں فرق ہوتا ہے چار دن کا ذکر ہے بیچاری فاطمہ اپنی ساس کے ہر وقت طعنوں سے تنگ آکر ہمیشہ کے لیے خاکی چپرکٹ میں جا سوئی ہم تو پھر کہینگے کہ یہ رشید کی قسمت کی خوبی ہے۔ پہلی بیوی کے مرنے کے غم کا گھاؤ بھرا نہ تھا کہ یہ اور چرکا لگا۔

گھر پر رہ کر آپس کے برتاؤ کو دیکھیے تو گھر کا خرچ کیونکر چلے اکیلا دم اور اللہ رکھے سات آدمی کھانیوالے۔

سولہ برس کی عمر میں پہلی شادی ہوئی باوا کے لاڈ پیار نے ننھی سی کونپل کے مرجھانیکا سامان کردیا۔ چار برس کے بعد پہلی بیوی مری دوسری آئی یہ بھی دو برس دنیا کی ہوا

ہوا کھا کر سدہاری - اب تیسری کی باری ہے - زندگی اور موت خدا کے حکم پر ہے - لیکن مرے نہیں تو کھاٹ پڑے گنواری مثل ہے یہ دو موتیں ہمارے خیال میں شہیدان مظالم خوشدامن کہلائی جائینگی - پر جہاں یہ تمام باتیں ہیں وہاں ہم رشید کی والدہ کو بھی قصور وار نہیں ٹھیرا سکتے بعض بعض برتاؤ دانستہ سختی سے کیے گئے تو بعض باتیں جہالت سے بھی ہوئیں -

رشید کی بدنصیبی - تیسری شادی بھی ہوئی - لڑکے کی سعادت اور نیک بختی میں کیا کلام ہوسکتا ہے - دو شادیوں کے بعد تیسری شادی ہندوستان میں ہونی دشوار ہے لیکن یہ خصوصیت رشید کو حاصل ہے -

سکینہ - (رشید کی تیسری بیوی) تعلیم یافتہ - ساس دقیانوسی خیال بنے تو کیونکر بنے ؛ میاں روزگار پیشہ ہمیشہ باہر رہنے والا - دودن کے لیے گھر پر آگیا آگیا علیحدہ گھر بنا ئے تو ماں کا گنہگار - غرض کہ ہر طرح مشکل -

انسان کے ساتھ بیماری لگی ہوئی ہے - سکینہ بیمار ہوئی - ساس کے خیالات بدستور قائم - لاکھ سمجھایا - ہر پہلو سے غریب سکینہ نے بنانے کی کوشش کی کہ آپ کے خیالات درست نہیں - بیماری میں مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے - تاہم سکینہ کے صبر و تحمل کی تعریف کرنی چاہئے - جو اس حالت میں متانت کو ہاتھ سے نہ دیا - عادت طبیعت ثانیہ ہے - حالانکہ انکے گھر میں دو دل دہلانے والے واقعات ہو چکے تھے لیکن عادت میں فرق نہ آیا پرنا آیا دشمنی نہ تھی عداوت سے سروکار نہ تھا - عادت سے مجبور - جاہلانہ خصلت کا اثر اسکو دشمنی نہیں کہتے -

سکینہ بیمار ہے - ساس ہیں کہ حکیم کو دکھانا گناہ سمجھتی ہیں - ہے ہے - غیر مردوے کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑادیں - نامحرم ہمارا ہاتھ دیکھے - ہماری شرافت سے تو بعید ہے آجکل کی لڑکیوں میں تو اسکا ذرا خیال نہیں - بی عائشہ ہم نے تو کبھی غیر مردوے کو اپنا آنچل بھی نہیں دکھایا - . . . .

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امینہ نے دوڑ کر دونوں بیبیوں کو اطلاع دی کہ پھوپی سلمہ آتی ہیں۔

سکینہ کی ساس ”آہا۔ عائشہ اب تم دیکھنا انکے خیال بھی سکینہ جیسے ہیں۔ ایسے بیہودہ خیال کہ پناہ بخدا اسپر دعویٰ یہ کہ ہم روشن خیال ہیں۔ سنتے ہیں ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو پرانی رسموں کو مٹاتا جاتا ہے۔ بہلا نیا نام ہے توبہ بھولتی ہوں نیچر.....ی

ابھی پورے طور سے لفظ نیچری ادا نہ ہو چکا تھا کہ سلمہ جسکے آنیکی اطلاع دی گئی تھی پہونچگئی۔

”ہاں فرمایئے کہتے کہتے رُک کیوں گیئں نیچری نیچریوں نے کیا قصور کیا جو آپ اُنکا ذکر فرما رہی ہیں۔ شاید کسی پُرانی رسم کا خیال آگیا ہوگا۔

یہ کہکر آپس میں رسم سلام و دعا ادا کی گئی اور سکینہ کی ساس جنکا نام اُم کلثوم تہا سلمہ سے مخاطب ہوئیں۔

”بہلا آپ طرفداری نہ کرینگی تو اور کون کریگا۔ آپ بھی تو نیچرن ہیں۔

سلمہ (قہقہہ لگاکر) سُبحان اللہ۔ بیشک اگر نیچری یا نیچرن آپ کی مُراد وہی لوگ ہیں جو بیہودہ رسموں کو مٹا رہے ہیں تو میں سب سے پہلے نیچرن ہوں۔

اُم کلثوم ”مانا کہ بعض رسمیں بیہودہ ہیں لیکن کیا ہمارے باپ دادا بیوقوف تھے اُن کو بھی اسبات کا خیال نہ آیا۔

سلمہ۔ یہ بھی ایک کہی روحی فداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب توحید کی منادی فرمائی تو جو لوگ آپکے مخالف تھے یہی کہتے تھے کہ کیا ہمارے باپ دادا بیہودہ تھے ہم کیوں اُنکے آئین کو چھوڑ کر دین جدید اختیار کریں۔ تم نے عرب کی جہالت کا مرقع آنکھوں کے سامنے کہنچدیا۔ باوجودیکہ تمہارے گھر میں ایک جان چھوڑ دو جانیں جاہلیت کا شکار ہو چکی ہیں پھر بھی خیال نہیں ہوتا۔ مُلّا سیانے تو

گھر میں آ جائیں ڈاکٹروں حکیموں کو دکھانا کفر رشید بے مُنہ کا آدمی کوئی اور ہوتا تو زمین آسمان ایک کر دیتا پر سکینہ کی بُردباری آجتک زبان سے اُف نہیں نکالی۔ کیا ستم ہے کہ حکما کے علاج سے ہمیں احتراز ہو اور مُلّا سیانے کی بات کا اعتبار۔ کل کی بات ہے ہمارے محلہ میں بی ہمسائی کے بچہ کو سرسام ہوا۔ گیارہ برس کا کھیلتا بچہ باتیں ایسی بھولی اور پیاری کہ گھنٹوں سُننے کو جی چاہے۔ بخارات دماغ میں چڑھتے ہی ہذیان بکنے لگا۔ تو چل میں چل۔ کوئی کہتا ہے دادے نورالدین سر پر آ گئے۔ کوئی میران شیخ سدو کا نام لیتا ہے۔ اصلی علاج سے سب غافل۔ مُلّا سیانے آئے مٹھی گرم کی۔ مرض کو زیادتی ہوئی تو کہنے لگے۔ میرانجی بکرا مانگتے ہیں کالا مُرغا چاہئے سفید کبوتر کا خون بہاؤ۔ حکیم کو نہ بُلانا تھا نہ بُلایا۔ چوتھی دن وہ کھیلتی مورت مٹی کی مورت بنکر مٹی میں مل گئی اسی طرح کے اور صدہا واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے گذرتے ہیں۔

آپ خود اپنے گھر میں دیکھیں، فاطمہ (رشید کی پہلی بیوی) کس چیز کا شکار ہوئیں معاف کیجئے آپ کی توہم پرستی اور جہالت کا اور غریب سکینہ مبتلائے آفات ہیں تو آپ کی جہالت کی خدا ہزاروں برس تک انہیں زندہ رکھے لیکن آثار اسکے خلاف ہیں اگر یہی آپ کے بیہودہ اور جاہلانہ خیالات اور ایسی ہی حکیم کو ہاتھ نہ دکھانے کی پابندی ہے تو یہ بھی آپ کی پردہ پرستی کا شکار ہو جائینگی۔ میرا اس سے مطلب فال بدمُنہ سے نکالنا یا آپ کے دل کو دکھانا نہیں تاہم میں اسقدر تنگدل بھی نہیں کہ کسی کے نقصان کو دیکھتے ہوئے اپنی زبان بند رکھوں اور اُس کی تردید کے خوف سے مرعوب ہو کر اپنے فرض کو بھول جاؤں۔

میرا منشا پردہ پرستی کے طعن سے یہ نہیں کہ میں پردہ کی مخالف ہوں ہاں اتنے شدید پردہ کو جس کی ایک شاخ ہاتھ کا حکیم کو نہ دکھانا ہو نفرت کی نگاہ سے بھی ضرور دیکھتی ہوں بہرحال آپ یاد رکھیے کہ اگر یہی آپ کے خیالات ہیں تو ایکدن آئیگا جبکہ آپ کا کوئی نقصان نہ ہوگا اور بیچاری سکینہ ہاتھ سے جاتی رہیگی۔

اُم کلثوم (سکینہ کی ساس) بس بس آپ اپنی تقریر رہنے دیں ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔
آپ اپنے خیال پر نازاں ہم اپنی پُرانی روشنی پر شاداں۔
احکام قضا و قدر سے بندہ مجبور ہے۔ حکم الٰہی کے خلاف ذرہ جنبش نہیں کرتا۔
سلمہ۔ ہاں یہ تو فرمایئے کہ وہ واوے نورالدین جو روں پر چڑھ جاتے ہیں اُن پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔ کیا مرنے کے بعد وہ خدائی حوالات میں جہاں اُنہیں اپنے کردارِ زشت کی سزا بھگتنی چاہیئے تھی نہیں بند کیے گئے یا وہاں کے دربانوں کو بھی رشوت دیکر نکل آئے۔ آخر یہ آزادی کیوں ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جن لوگوں نے زندگی میں بُرے افعال کیے ہیں اُنکو مرنیکے بعد اتنی آزادی کیوں دی گئی اور اگر کہا جائے کہ انکا لوگوں کے سروں پر چڑھنا ہی اُنکے لیے ایک قسم کا عذاب ہے۔ جیسا کہ بعض جہلا کا خیال ہے تو یہ فرمایئے کہ اُن غریبوں نے کیا قصور کیا ہے جنکے سر و ہ آتے ہیں۔ مجرم تو ہوں وہ! اور عذاب اُٹھائیں دوسرے ان کے لیے عذاب کیا ہوا وہ خود تکلیف اور عذاب دینے پر قادر ہو گئے۔ جب چاہیں اُترجائیں۔ محض ڈھکوسلے اور بیہودہ خیال رہا یہ کہ جو کچھ حکم الٰہی ہوگا ایک وحشیانہ خیال ہے۔ خدا کا قانون عام ہے انسان بُرا فعل کریگا بُرے نتائج ہونگے اچھے کام کریگا اچھے۔

خیر یہ ایک طویل بحث ہے جسکا یہاں موقع نہیں بالفعل مجھے محض اسباب پر آپکو متوجہ کرنا ہے کہ ان جاہلانہ خیالات سے باز آیئے جنسے سکینہ کے مرض کو دن بدن ترقی ہے اور اسکی جان بچایئے۔ ورنہ یاد رکھیے کہ قیامت کے روز اُس کی تکلیف پہونچانے کی جواب دہ آپ ہونگی۔

• دو مہینہ گذر گئے اور پھر یہ بیبیاں ایک جگہ جمع ہیں وہی مکان ہے لیکن آج ان سب کے

چہرے غمگین ہیں۔ سکینہ کا ساس کے مظالم سہتے سہتے انتقال ہوچکا ہی اور آج اُسکے پھولوں کا دن ہی۔ عائشہ وہ پرانے خیال والی عائشہ جو سکینہ کی ساس کی اندہی اور سخت مؤیدتھی آج اُسکے جاہلانہ اور لغوخیالات پر اپنے دل ہیں لفرین کررہی ہی اور عہد کرتی ہی کہ سلمہ کی صحبت حاصل کرکے اُن ہدایتوں اور تجویزوں پر دل سے عمل کریگی جو آجکل کی روشن خیال بیبیوں کا دستورالعمل ہیں اور جس کی تائیدکرنا ہرایک سمجھدار بی بی کا فرض ہی

رشید حسرت نصیب رشید جاہل ماں کے ہاتھوں ستم رسیدہ رشید عہد کرچکا ہی کہ اپنی باقیماندہ زندگی عالم تجرد و تفرید میں بسر کریگا اور آیندہ اپنی آنکھوں سے ایسے جاہلانہ شکاروں کے درد انگیز نظارے نہ دیکھے گا جو اُس کی جاہل ماں کی زندگی تک لازمی ہیں۔

راقمہ

"سلمہ"

بقلم مقبول احمد نظامی سیوہاری

اڈیٹوریل

اجلاس کانفرنس

معمولاً بڑے دن کی تعطیلوں میں کانفرنس کے اجلاس ہوتے رہے ہیں مگر امسال دربار کی وجہ سے شروع دسمبر کا زمانہ کانفرنس کے اجلاس کے انعقاد کے لیے تجویز کیا۔

اور شروع دسمبر کا وہ وقت تھا جبکہ اول کچہریوں وغیرہ کی تعطیل نہ تھی۔ دوسرے معمولاً کانفرنس کے حامیان ایسے وقت میں شرکت جلسہ کے عادی نہ تھے اور تیسرے لوگ دربار میں شرکت کی تیاری میں مشغول تھے ان وجوہات سے امسال کانفرنس میں باہر کے بزرگوں میں سے بہت کم اصحاب شامل ہو سکے۔ تاہم منجملہ ان اجلاس کے ایک جلسہ یعنی جلسہ صیغہ تعلیم نسواں جس کی صدر نشین علیا حضرت جناب بیگم صاحبہ والی بھوپال تھیں اس میں کم و بیش پانچ ہزار مسلمان مرد اور دو سو سے زائد پردہ نشین خواتین شریک ہوئیں۔ امسال کانفرنس کی صدارت ہز ہائنس جناب سر آغا خاں نے منظور فرمائی تھی مگر وہ وقت پر پہونچ نہ سکے اسلیے نواب عماد الملک سید حسین صاحب بلگرامی نے صدارت فرمائی اور ایک نہایت عالمانہ اور قابلانہ اڈریس پڑھا۔

ایک لکچر جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل لاہور کا تھا آجکل عام طور پر انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انکے مذہبی اعتقادات بہت ضعیف ہیں مگر خواجہ صاحب موصوف کا لکچر سننے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی تعلیم یافتہ جماعت کو اپنے اعتقادات میں پختہ کر سکتا ہے تو وہ خود تعلیم یافتہ جماعت کے اشخاص ہیں۔ بڑا اعتراض اسلام پر یہ کیا جاتا ہے کہ وہ نیچرل سائنس کے مطابق نہیں ہے۔ مگر خواجہ صاحب نے نہایت فصاحت اور بلاغت سے یہ ثابت کیا کہ خود قرآن ایک نیچرل سائنس ہے اور مذہب اسلام فطرتی ذریعہ نجات ہے۔

خواجہ صاحب کے لکچر کے اوپر ڈاکٹر اقبال صاحب پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا لاہور جو اس خاص جلسہ کے پریزیڈنٹ تھے انکی رائے سونے پر سہاگہ ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے تاریخی طور پر یہ ثابت کیا کہ کسی یورپ کے مصنف کا یہ خیال کہ اسلام نعوذ باللہ ایک شجر بے ثمر ہے اور اس سے دنیا کو کوئی نفع نہیں پہنچا اسکی غلط فہمی پر مبنی ہے جس انتہائی خیال کو یورپ کے لوگ اب پہونچے ہیں اسلامی دماغ پندرہ صدی سے قبل یعنی آج

سے چار سو برس پہلے اس انتہا کو پہونچ چکے تھے۔

صیغہ تعلیم نسوان کا اجلاس پانچ دسمبر کو ۸ بجے شب کے وقت شروع ہوا چونکہ ہماری مخدومہ جناب بیگم صاحبہ کی آمد آمد تھی اسلیے سات ہی بجے سے لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے اور آٹھ بجے تک کل پنڈال بھر گیا۔ آنریری سکرٹری صیغہ کی جانب سے دہلی کی بیگمات کو اس شرط کے ساتھ دعوت دی گئی تھی کہ پنڈال میں پردہ کا نہایت سخت انتظام ہوگا اسلیے دہلی کے تمام معزز خاندانوں کی بیگمات جنکی تعداد دو سو سے زائد ہوگی آٹھ بجے تک وہ بھی پردہ والے پنڈال کے حصہ میں آکر جمع ہوگئیں۔ پردہ کا انتظام پنڈال کے چبوترہ پر کیا گیا تھا۔ یعنی نصف چبوترہ پردہ میں لے لیا گیا تھا اور باقی نصف صدر نشین کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا اور اس حصہ میں سوائے صدر نشین اور چند کارکنان کانفرنس کے اور کسیکو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

دربار کے کیمپوں میں جسقدر معزز مسلمان موجود تھے وہ سب اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ بالخصوص جناب شیخ صادق علیصاحب وزیر ریاست خیرپور و مولوی رحیم بخش صاحب پریذیڈنٹ کونسل ریجنسی بہاول پور۔ مرزا سلطان احمد صاحب خان بہادر و دیگر ممبران کونسل۔ نواب ممتاز یار الدولہ صاحب رئیس حیدر آباد۔ مسٹر حیدری صاحب وزیر خزانہ حیدر آباد اور اسیطرح کے اور بہت معززین بمبئی و کلکتہ و دیگر مقامات کے تشریف لائے۔

باہر کی معزز بیگمات میں وزیر صاحب خیرپور کی بیگم صاحبہ۔ بیگم صاحبہ نواب ممتاز یار الدولہ بیگم صاحبہ نواب پاٹودی۔ ہز ہائنس جناب بیگم صاحبہ جنجیرہ۔ جناب زہرہ فیضی صاحبہ و عطیہ فیضی صاحبہ۔ جناب بیگم صاحبہ نواب سربلند جنگ۔ مسز حیدری صاحبہ۔ جناب مسز وچھی نائیڈو صاحبہ۔ وسرلاہوی چودھرانی صاحبہ وغیرہ شریک تھیں۔ حضور عالیہ چہرہ مبارک پر نقاب ڈالے تقریباً پونے ۹ بجے پنڈال کے دروازہ پر رونق افروز ہوئیں

جملہ حاضرین جو پنڈال میں تھے وہ حضور عالیہ کے خیر مقدم کے لیے سرو قد کھڑے ہو گئے۔ حضور عالیہ آکر ایک زرین کرسی پر تشریف فرما ہوئیں۔ اسکے بعد نواب وقار الملک بہادر سکرٹری کانفرنس نے یہ تجویز پیش کی کہ حضور عالیہ کرسی صدارت کو رونق بخشیں اور چند مختصر الفاظ میں حضور کے ان شاہانہ احسانات کی طرف حاضرین کو توجہ دلائی جنسے اسوقت تک کالج اور مدرسہ النسوان علی گڈہ بہرہ ور ہوا ہے۔ اس کی تائید جناب شیخ صادق علی صاحب وزیر خیر پور نے فرمائی اور حضور عالیہ نے کرسی صدارت کی رونق افزائی فرمائی۔ اور کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

اسپیچ

علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بر لاور اعظم طے اعلیٰ ہند سٹار ہند

جی سی۔ آئی۔ ای۔ فرمان روائے بھوپال دام سلطنتہا

بہ اجلاس بست و پنجم آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صیغۂ تعلیم النسوان

پنجم دسمبر ۱۹۱۱ء وقت شب

صاحبان! سب سے پہلے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپنے مجھے اس

شاندار جلسہ کے صدر انجمن ہونیکے واسطے انتخاب کیا اور مجھے ایک قومی و علمی خدمت کی انجام دہی کا موقع ملا۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ اسوقت شہنشاہ عالیجاہ کی تاجپوشی کی مبارک تقریب پر میں بھی یہاں موجود ہوں۔ ورنہ ریاست کی ذمہ داریاں باوجودیکہ تعلیم سے مجھے دلچسپی ہے اس جلسہ کی شرکت سے مجکو معذور رکھتیں۔

الحمد للہ آج میری یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور میں اس عظیم الشان اسلامی جلسہ میں شریک ہوں جو کہ ایک چوتھائی صدی سے چار اطراف ہند میں منادی تعلیم کر رہا ہے۔ اس کانفرنس نے حقیقتاً قومی تعلیم کی ترقی و نگہداشت میں نمایاں حصہ لیا ہے لیکن آپ صاحبان کی حسن تدبیر پر اب اور بھی زیادہ بار پڑنے والا ہے کیونکہ وہ مبارک وقت انشاءاللہ بہت قریب ہے جبکہ ایک طرف مردوں کی تعلیم مسلم یونیورسٹی کے قیام سے اپنی معراج کمال کو پہونچیگی اور دوسری جانب تعلیم اناث کا سنگ بنیاد استحکام سے نصیب ہوگا۔

مردوں کے مسئلہ تعلیم کو چھیڑنے کی اسوقت مجھے ضرورت نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ فرقہ اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے قابل ہے اور رہنمائی کے لیے مجھ سے زیادہ قابل اصحاب الرائے موجود ہیں لیکن میری جنس میں نہ اپنی ضروریات پر غور کرنیکی قابلیت ہے نہ اپنے حقوق کو دوسروں کے سامنے مناسب طور پر پیش کرنے کی لیاقت ہے۔ اور نہ اپنی مدد آپ کرنیکی طاقت۔

یہی سبب ہے کہ اسوقت تک اسکو تعلیم سے اسقدر کم حصہ ملا ہے کہ گویا کچھ ملا ہی نہیں۔

حضرات! یہ ظاہر ہے کہ آج جو لڑکیاں ہیں وہی ایک دن آیندہ آنیوالی نسلوں کی مائیں ہونگی اور یہی کمزور ہاتھ ہیں جو کل تمام قوم کی تربیت کے معاون ہونگے۔ لیکن کسقدر افسوس کی بات ہے کہ انہیں کی تعلیم اسوقت نہایت پست حالت میں ہے۔

میں جسکو اس ضعیف فریق کے ایک فرد ہونے کا فخر حاصل ہے آج اس عظیم الشان

جلسہ میں اپنی جنس کی قائم مقام ہوکر پہلے ان تمام مساعی جمیلہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو آپ صاحبان نے تعلیم اناث کے متعلق کی ہیں اور ساتھ ہی آپ سے یہ بھی کہتی ہوں کہ رہرو بہت ضعیف اور منزل مقصود ابھی بہت دور ہے اور مردوں کی قوی امداد اور سرگرم کوشش کی احتیاج ہے۔

قومی تاریخ اور روزمرہ کے تجربات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف مردوں کی کم توجہی اس کمی تعلیم کا باعث ہے۔ اور یہ امر جسطرح کہ عورتوں کے لیے نقصان رساں ثابت ہوا ہے اسیطرح بلکہ اس سے زائد مردوں کے لیے مضر ہوا تاہم خدا کا شکر ہے کہ اس نقصان کی تلافی کی کوشش ہونے لگی ہے اور آپ صاحبان کی مساعی جمیلہ کا یہ نتیجہ نہایت امید افزا اور قابل شکریہ ہے کہ اب تعلیم نسواں کی بہت سی دقتیں دور ہوگئی ہیں اگرچہ ان دقتوں کا اکثر حصہ خود کردہ تھا۔ لیکن میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ ابھی دقتوں کا حصہ بہت سا باقی ہے اور وہ نہایت سخت ہیں اگر آپنے ان سے ہمت ہاردی تو نہ صرف ہمت مردانہ کے خلاف ہوگا بلکہ وہ انصاف کے حق میں ظلم سمجھا جائیگا۔ گو آثار زمانہ اور حالات قومی اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ جب تک اس فریق ضعیف کو آپ ایسا نہ بنا لینگے کہ وہ آپ کی کامل معاونت کے قابل ہو جاے اسوقت تک آپ دم نہ لینگے اور انشاءاللہ آپ کا عزم بالجزم اس یقین کو پورا کرکے دکھلائیگا۔

گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کی تعلیم جو پردہ کی چار دیواری میں دنیا کی آفتوں سے محفوظ اور صرف اپنے خانگی انتظامات اور بچوں کی غور و پرداخت میں مصروف رہنا ان کا کام ہے اتنی پیچیدہ نہیں ہوگی جسقدر کہ مردوں کی تعلیم ہے مگر پھر بھی تعلیم نسواں کے متعلق بہت سے مسائل غور اور توجہ کے قابل ہیں۔ مثلاً نصاب تعلیم کی تیاری۔ قابل اُستانیوں کا انتظام۔ طریقہ تربیت وغیرہ اور یہی وہ امور ابتدائی ہیں جن پر لڑکیوں کی تعلیم کا انحصار ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے حقیقت میں افسوس ہوتا ہے کہ باوجود کوشش ابھی تک کوئی عمدہ نصاب بھی تجویز نہیں ہوا۔ اسلیے مینے اپنے کچھ خیالات ایک چھوٹے سے رسالہ

کی صورت میں شائع کردیے ہیں تاکہ آپ صاحبان اسپر غور وفکر کریں اور مجکو مدد دیں کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہی کہ جب تک یہ ابتدائی مرحلہ طے نہ ہوجاے دوسرے مراحل کا طے کرنا ناممکن ہی۔

اُردو میں بالخصوص لڑکیوں کے مناسب حال کتابوں کی بہت کمی ہی لیکن انگریزی میں انتظام خانہ داری۔ حفظان صحت۔ تربیت اطفال۔ صنعت وحرفت وغیرہ کی بہت سی کتابیں مستورات کے لیے مفید وبکارآمد ہیں۔ اگر ہماری قوم کے ہونہار اور تعلیم یافتہ لوگ اپنا تہوڑا سا وقت اس پر صرف کریں کہ انکے ترجمے کر کے مناسب حال بنا دیں تو بہت کچھہ امداد پہونچ سکتی ہی۔

صاحبان! میرے خیال میں جب تک تعلیمی کتابوں کا سلسلہ اپنی مادری زبان میں نہو کسی قوم کی تعلیم کا مکمل ہونا مشکل ہی اور بالخصوص عورتوں کی جن کی کم عمری میں شادی ہوجانیکا عام رواج ہو غیر زبان میں باقاعدہ تکمیل تعلیم کرنا مشکل ترین امر ہی۔

اسیطرح قابل اُستانیاں بہی بہت کمیاب ہیں اور جب تک اچھی کتابوں کے ساتھہ اچھی پڑہانیوالیاں نہوں تب تک لڑکیوں کی تعلیم کا کام ناتمام رہیگا۔ یہ تمام امور آپ کی صرف ہمت سرگرم کوشش۔ اور ایثار قابلیت پر منحصر ہیں اور میں صاف کہے دیتی ہوں کہ جب تک قوم کے قابل اصحاب ان اوصاف کے ساتھہ متوجہ نہونگے یہ تعلیمی مقصد کبہی انجام کو نہیں پہنچیگا۔ اور کامیابی ہمیشہ موہوم رہیگی۔

اب میں اپنے اس اڈریس کو اس دعا پر ختم کرتی ہوں کہ جس زور شور سے اس مسئلہ پر غور کیا جارہا ہی خداوند تعالی مدد عطا فرماے اور اپنی خیر وبرکت اس میں شامل کرے اور یہ مسئلہ تکمیل کو پہونچکر قوم کی بہبودی کا سرچشمہ بنے۔

صاحبان! میں یہ بہی ضروری تصور کرتی ہوں کہ ہم سب برٹش گورمنٹ کا شکریہ ادا کریں جسکے سایہ عاطفت میں ہم اپنی ضروریات کو سمجہنے اور انکے متعلق غور وخوض کرنیکے

قابل ہوئے ہیں اور جسکو اس ملک کے ہر طبقہ کی تعلیم سے ایکساں دلچسپی ہی۔
ایسے سعید وقت پرجبکہ ہمارے شہنشاہ معظم و ملکہ معظمہ کی رسم تاجپوشی ادا ہونیوالی ہی آپکی تشریف آوری بہت سی برکات کا باعث ہی۔ ہمارا اس مسئلہ کے حل کرنے کے لیے جمع ہونا اور اسپر غور و فکر کرنا ضرور کامیابی کے واسطے عمدہ فال اور مبارک شگون ہی اور میں یقین کرتی ہوں کہ یہ نادر مجمع جسمیں ہماری قوم کی دونوں جنسیں موجود ہیں برٹش گورنمنٹ کی استحکام اور شہنشاہ معظم و ملکہ معظمہ کی درازی عمر و اقبال کی دعا کریگا۔ جن کی شاہانہ سرپرستی میں تعلیم کو فروغ اور ملک کو بہبودی حاصل ہی اور جنہوں نے پچھلے سیاحت ہند میں ہمارے قومی دارالعلوم میں تشریف لیجاکر ایک خاص اور قابل افتخار اعزاز عطا کیا ہی۔

حضور عالیہ جب اپنی تقریر ختم کر چکیں تو حضور عالیہ کے ارشاد کے موافق آنریری سکرٹری صیغہ نے اپنی سالانہ رپورٹ پڑہی۔ اسکے بعد جناب مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ نے انگریزی میں ایک برجستہ فصیح و بلیغ تقریر تعلیم نسوان کی حمایت میں فرمائی۔
مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ کے نام سے ہندوستان میں بہت سے لوگ واقف ہونگے اور ہندوستان کیا بلکہ انگلستان میں بھی بہت سے لوگ انکی قابلیت کو مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعلیٰ درجہ کی شاعر ہیں اور انگریزی زبان کے اوپر انکو پوری قدرت حاصل ہی۔ علاوہ بریں وہ فارسی بھی بہت اعلیٰ درجہ کی جانتی ہیں انکی تقریر کے متعلق یہ کہنا بالکل درست ہی کہ "در گفتن نمی آید" دوسرا کوئی شخص نہ اسکو اپنے الفاظ میں لکھ سکتا ہی نہ بول سکتا ہی۔ جتنی دیر تک وہ تقریر فرماتی رہیں سامعین کے اوپر ایک طلسمات کا سماں تہا اُنہوں نے اس بات کے اوپر بہت زیادہ زور دیا کہ صرف مردوں کو تعلیم دینا مسلمانوں کے لیے بالکل بے سود ہوگا۔ ایک یونیورسٹی کے بجائے اگر بیس یونیورسٹیاں بھی بناؤ تو مقصد حاصل نہوگا اصل یونیورسٹی بچہ کے لیے اس کی ماں کی گود ہی جبتک اس یونیورسٹی میں کوئی بچہ

تعلیم نہ پائیگا اسوقت تک تمہاری ان بڑی یونیورسٹیوں سے اسکو گوہر مقصود نہ حاصل ہوگا
مقررہ موصوفہ نے دوران تقریر میں حضور نظام مرحوم و مغفور کا ذکر بھی نہایت دردانگیز
الفاظ میں کیا خود انکے اوپر بھی ایک رقت طاری ہوئی اور سامعین کے دلوں کو بھی
اپنے درد بھرے خیالات سے بہت کچھ پگھلایا۔

مسز موصوفہ کی تقریر کے بعد چودہرانی سرلادیوی صاحبہ نے حضور عالیہ کی اجازت
سے ایک لکھی ہوئی تقریر پڑہی۔ اُنہوں نے بھی تعلیم اناث پر بہت زور دیا گو انکے چند الفاظ
ہندو اور مسلمانوں کے مناقشہ کے متعلق ناموزوں اور بے محل تھے۔ اور اسپر ہمارے
بعض احباب کو اعتراض بھی ہوا کہ جبکہ مسلمانوں کے خلاف وہ اپنے خیالات کو روک نہیں
قدرت نہیں رکھتی تہیں تو انکو مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع میں تقریر کی اجازت کیوں دیگئی
مگر ہمکو اپنے ان احباب سے اتفاق نہیں ہے اسلیے کہ مقصد ہمارا تعلیم اناث پر تقریر کرانا تہا اور اسی
کا سکرٹری سے وعدہ بھی ہوا تہا لیکن اگر اُنہوں نے چند الفاظ خارجی بھی فرمادیے تو اس سے
ہمارا کچہ نقصان نہیں ہوا بلکہ ہمکو معلوم ہوگیا کہ آجکل ہمارے برادران وطن کے بعض حلقوں
میں اسدرجہ سخت مخالفت ہے کہ عورتیں اور بچے بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ بہرحال
ہم ان دونوں نامی ہندو لیڈیوں کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے اتنے
بڑے جلسہ میں آکر لکچر دیے اور سامعین کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا بالخصوص نائڈو صاحبہ
کی تقریر نے سامعین کو بہت محظوظ کیا۔ چودہرانی صاحبہ کی تقریر کے بعد جناب شمس العلماء
مولانا شبلی صاحب نعمانی نے اپنی سحر طراز تقریر شروع کی۔

عورت اور اسلام

علامہ شبلی نعمانی کی تقریر کانفرنس کے موقع پر"

ذیل میں اُس تقریر کا ماحصل درج کرتے ہیں جو جناب شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے

کانفرنس کے صیغہ تعلیم نسوان کے جلسہ کے موقع پر بمقام دہلی فرمائی تھی۔

بعض محاورات زبانوں پر اس قسم کے چڑھ جاتے ہیں جو محض بطور رسم کے استعمال ہوتے ہیں اور اُنسے کوئی حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ ازاں جملہ ایک "عزت" کا لفظ ہی جو اکثر مقرر استعمال کرتے ہیں کہ "اسوقت مجھے یہ کہنے کی یا یہ تحریک کرنے کی عزت حاصل ہوئی ہی" لیکن اسوقت کے جلسہ میں جبکہ ایک ایسی والیہ ملک جو نہ صرف جان و مال پر حکومت کر رہی ہیں بلکہ دلوں کی مالک ہیں، یہاں تشریف فرما ہیں، تو اس موقع پر تقریر کرنا درحقیقت ایک عزت ہوگی۔ اسلام تفرقے مٹانے کے لیے دنیا میں آیا تھا۔ آنحضرت صلعم کو یہ صاف کہدینے کا حکم ہوا تھا کہ "انما انا بشر مثلکم یوحی الی" (یعنی میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، فرق یہ ہی کہ مجھپر وحی آتی ہی) آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدین من حیث الانسان اپنے آپ میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے۔

ایکبار ایک شخص آنحضرت صلعم کو دیکھکر مرعوب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھہ سے کیوں ڈرتے ہو، بحالیکہ میں ایک بیوہ قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ حضرت عمرؓ کو دیکھا جاتا ہی کہ کبھی آپ خارشتی اونٹوں کے جسم پر اپنے ہاتھہ سے تیل مل رہے ہیں، کبھی کچی اینٹ سر کے نیچے رکھے ہوئے زمین پر پڑے سو رہے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک یہودی کے مقابلہ میں عدالت میں جاکر ایک معمولی فریق کی حیثیت سے شہادت دی تھی۔ مگر بعد میں تفرقے پڑ گئے۔ ہم اُس مساوات کے لیے ترس رہے تھے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہی۔ اور آج جو سماں پیش نظر ہی وہ صدیوں بعد دیکھنے میں آیا ہی جبکہ ایک والیہ ریاست اُن لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہیں جو اُنکی رعایا اور خادم کے طور پر ہیں۔

یہی تفرقہ وجہ ہی عورتوں کی تعلیم کے سوال کے پیدا ہونیکی ورنہ مردوں کو کیا حق ہی کہ وہ عورتوں

کی نسبت یہ طے کریں کہ انکی اس قسم کی تعلیم ہونی چاہیئے اور اس قسم کی نہیں چاہیے۔
دنیا کے ہر حصہ میں اور ہر زمانہ میں عورتوں کا درجہ نہایت پست رہا ہے۔ ہندوستان
میں دختر کشی کی ناگوار رسم اب تک رہی ہے۔ افلاطون کا قول تھا کہ رسم ورواج
ازدواج پر مجبور کرتے ہیں، ورنہ عورتیں ہرگز اس قابل نہیں کہ انکو مردوں کے ہم پایہ اور
برابر جگہ دیجائے۔ انگلستان میں انیسویں صدی تک یہ قاعدہ تھا کہ شادی کے بعد عورت
کو اپنے مال پر کچھ اختیار نہیں رہتا تھا۔ عرب میں عورتوں کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تھا
کہ "واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجہہ مسودا وھو کظیم" (یعنی جب اُن میں سے
کسیکو لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر دیجاتی تھی تو اسکا چہرہ (بوجہ غم کے) سیاہ پڑجاتا تھا اور وہ
دل میں پیچ وتاب کھاتا تھا۔ لیکن اسلام نے مرد عورت کے درمیان مساوات قائم کی اور
حکم دیا کہ "ولھن مثل الذی علیھن" (انکے وہی حقوق ہیں جو اُنپر ہیں) اور "للرجال
نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن" جو مرد کمائیں وہ اُن (مردوں) کا
ہے اور جو عورتیں کمائیں وہ ان (عورتوں) کا ہے اور یہ کہ "وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"
(تمہارے درمیان محبت اور رحم کا سلسلہ قائم کیا)۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ "خیرکم
خیرکم للنساء کم" (تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے اچھے ہیں) آپنے یہ بھی فرمایا
ہے کہ "رفقاً بالقواریر" (ان آبگینوں کو ٹھیس نہ لگ جائے) آنحضرت صلعم پر سب سے
پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں سب سے پہلی شہید ایک صحابیہ عورت تھیں جو ابوجہل کیساتھ لڑائی میں شہید ہوئی تھیں۔
احد میں ایک صحابیہ رضؓ کو اپنے بیٹے اور شوہر کے قتل کی پیاپے خبریں ملنے
کے باوجود جب انکو آنحضرت صلعم کی سلامتی کی اطلاع ملی (جسکا انکو سخت انتظار تھا) تو
اُنکی زبان سے بیساختہ یہی نکلا کہ "لا ھم بعد رویتک یا محمد" (اے محمد! آپکے دیدار کے
بعد بیٹے اور شوہر کے قتل کا کیا غم ہوسکتا ہے) تین سو سال تک عورتوں کی مردوں کے
ساتھ مساوات قائم رہی ہندوستان کے زریں عہد میں گلبدن بیگم کا "ہمایوں نامہ" (سوانح

ہمایوں) اور جہان آرا کی "مونس الارواح" (سوانح حضرت معین الدین چشتی رح) بینظیر کتابیں ہیں۔ پردہ مانع تعلیم نہیں ہے، اور نہ پردہ خارج از اسلام شئے ہے۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوا کہ مسلمان عورتیں بے پردہ دربار وغیرہ میں شریک ہوتی رہی ہوں۔ اسکے خلاف کہنا اسلام پر سخت اتہام لگانا ہے۔ فرض کیجئے کہ عورتونکو تعلیم دلانیکی ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ مردوں کی تعلیم ہی کے لیے عورتونکو تعلیم دلائیں، کیونکہ بچہ کی تعلیم اُسکے وجود میں آنیکے وقت ہی سے شروع ہو جانی چاہئے، اور یہ بغیر عورتوں کی تعلیم یافتہ ہونے کے ممکن نہیں۔

شمس العلماء کی تقریر کے بعد آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب جو کانفرنس کے روح رواں ہیں، اور جن کی وجہ سے کئی سال سے کانفرنس اسقدر کامیاب ہوئی ہے اور جو مسلمانوں کے تعلیمی معاملات سے نہایت دلچسپی رکھتے ہیں اُنہوں نے حضور عالیہ کا ایک نہایت فصیح و بلیغ تقریر میں شکریہ ادا کیا۔ اور سامعین پر یہ ثابت کیا کہ یہ قومی پودی جو آگے چلکر تناور درخت ہونے والے ہیں اور جنسے پھل پھول کی ہمکو توقع ہے بچپن ہی سے اگر انکی جڑ مضبوط نہ کیجائیگی تو آگے چلکر نہ ان میں پھول آئیگا نہ وہ پھل دے سکینگے بلکہ مرجھا کر خشک ہو جائینگے اور سوائے جلا دینے کے اور کسی کام نہ آئینگے۔

جناب صاحبزادہ صاحب کی تقریر کے ختم ہونیکے بعد حضور عالیہ پردہ کے اندر تشریف لے گئیں۔ وہاں پر پردہ نشین خواتین سے ملاقات فرمائی۔ مسز عبداللہ نے حضور عالیہ و نیز دیگر معزز حاضرات کو ہار پہنائے۔ حضور عالیہ قریب بیس منٹ کے بیٹھکر بیگمات سے تلطف آمیز الفاظ میں گفتگو فرماتی رہیں اسکے بعد پھر باہر تشریف لائیں۔

حضور عالیہ کے لیے تین چیرز دیے گئے۔ جسکی صدا سے تمام پنڈال گونج اُٹھا۔ کارکنان کانفرنس نے حضور عالیہ کی مشایعت کر کے موٹر پر سوار کرایا اسکے بعد پردہ نشین خواتین کو چائے دیگئی اور اسکے ساتھ مختلف قسم کی مٹھائیاں۔ کیک اور فواکھ رکھے گئے۔

ایک بجے کے بعد تک پردہ نشین بیگمات کی روانگی کا سلسلہ جاری رہا اور تقریباً دو بجے تعلیم نسواں کا اجلاس ختم ہوا۔

الحمد للہ کہ حضور عالیہ کی توجہ کی وجہ سے یہ جلسہ نہایت شاندار اور بے نظیر جلسہ تھا اور تاریخ میں ہمیشہ کے لیے بطور یادگار کے رہیگا کہ ایک مسلمان حکمران بیگم نے تعلیم نسواں کی حمایت میں ایک جلسہ کی صدر نشینی منظور فرمائی اور اُسکو خیر و خوبی سے انجام دیا

رپورٹ صیغہ تعلیم نسواں جو سکرٹری نے اجلاس کانفرنس میں پڑہی تہی وہ آیندہ شائع کی جائیگی۔

مدرسہ نسواں علیگڈہ کی تعمیر شروع ہو گئی ہے۔ اب روپیہ کی ضرورت ہے ناظرات سے التجا ہے کہ وہ اپنی اس پہلی قومی درسگاہ کی طرف خاص طور سے توجہ کریں۔

آجکل بعض اردو و انگریزی اخبارات میں لوگ مدرسہ نسواں علیگڈہ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ گو اس مخالفت کی ابتدا کسی دوسری وجہ پر مبنی ہے جسکو ہم کسی موقع پر پبلک میں ظاہر کرینگے مگر جو لوگ مدرسہ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ ایک بڑے قومی کام کو کسی کی ذاتی مخالفت کی وجہ سے صدمہ پہنچا رہے ہیں۔ ناظرین و ناظرات خاتون جو ہمیشہ سے مدرسہ نسواں کے حامی ہیں اور جن کی وجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا ہے اُن کا فرض ہے کہ وہ پبلک پر یہ ظاہر کریں کہ اگر اسکے لگائے ہوئے پودے کو کوئی اُکھاڑنے کی کوشش کریگا تو وہ قوم پر ایک بڑے ظلم کا مرتکب ہوگا۔ ہم مخالفت کے مضامین کو انشاء اللہ خاتون میں شائع کرینگے جنسے ناظرین و ناظرات خود اندازہ کر سکیں گے کہ وہ کیسی مخالفت ہے۔

ہمکو یہ بات دیکھکر نہایت درجہ کی مسرت ہوئی ہی کہ ایک بیگم صاحبہ نے اخبارات میں اس مدرسہ کی حمایت کی ہی اور ایک اردو کے اخبار کے مخالفانہ مضمون کا جواب خود بخود دیا ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ بیگمات میں احساس پیدا ہو گیا ہی کہ جو کوئی انکے فائدہ کے کاموں میں حارج ہوتا ہی وہ انکے اپنا دوست نہیں سمجھتیں۔ اسیطور پر سب ناظرات کا فرض ہی کہ وہ خود تعلیم کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور جو لوگ انکو مدد دے رہے ہیں انکی تائید کریں اور جو مخالفت کرتے ہیں انکی مخالفت کریں۔ وہ لوگ یقیناً خواتین کے سچے خیرخواہ نہیں ہیں جو علیگڈہ کے مدرسہ نسوان جیسی ضروری چیز کی مخالفت کرتے ہیں۔

مراعات شاہی۔ دربار دھلی کے موقع پر حضور ملک معظم نے جن مراعات خسروانہ کا اعلان فرمایا وہ تاریخ ہند میں بے نظیر سمجھی جاینگی۔ حضور جم جاہ نے کمال ہمدردی سے رعایا کی تعلیم کے لیے سر دست پچاس لاکھ روپیہ کی منظوری عطا فرمائی ہی اور آیندہ سالوں میں بجٹ میں اور بھی گنجایش اسکے لیے نکالی جاویگی تاکہ عام طبقہ رعایا تعلیم یافتہ ہو جائے۔

سرکاری ملازمان سول و ملٹری کو جن کی تنخواہ پچاس روپیہ ماہوار سے کم ہی نصف تنخواہ بطور انعام کے ملیگی۔

والیان ملک سے گدی نشینی کے وقت جو نذرانہ لیا جاتا تھا وہ یکقلم موقوف ہو گیا۔

شمس العلما اور مہامہوپادہیا کے خطابات والے کچھ وظیفہ کے بھی مستحق ہونگے تاکہ وہ مشرقی علوم کی بغرض [illegible] بہت کرسکیں۔

فوجی ملازمان کی و[illegible] تین برس تک وظیفہ دیا جاتا تھا اب تاحیات ملا کریگا۔

سب سے عجیب [illegible] خر ہو گئی اور کلکتہ کے بجاے دہلی پایہ تخت قرار دیا گیا۔ وہاں نئی عمار[illegible] ۱۵ - ایکڑ زمین خریدنے والی ہی اور عمارات کے لیے [illegible]

۱۸- دسمبر کو پردہ کلب لکھنؤ کی خواتین کو اپنے کلب میں لیڈی کلارک صاحبہ کے خیر مقدم کرنیکا افتخار حاصل ہوا- بہت سی بیگیات اُس روز کلب میں جمع تھیں- شام کے وقت لیڈی کلارک صاحبہ مع اور چند معزز لیڈیوں کے کلب میں تشریف لائیں اور رانی صاحبہ دریا بیگم اور اُنکی والدہ اور چچازاد بہن دنیپال کی اور چند معزز رانیوں اور دیگر خواتین سے ملاقات فرمائی مسز فیاض حسین صاحبہ نے انگریزی میں کلب کی طرف سے لیڈی صاحبہ ممدوحہ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا- لیڈی کلارک صاحبہ نے اسکا مناسب الفاظ میں جواب دیا اور کلب کی سرپرستی منظور فرمائی-

---

ریویو

الفرائض- فرائض عربی میں علم وراثت کو کہتے ہیں مسلمانوں کا فن وراثت اسقدر مرتب علم ہے کہ دنیا کی کسی دوسری قوم میں ایسا اعلیٰ درجہ کا قانون وراثت نہیں ہے اور یہ فن بلحاظ اپنی لطافت اور دلچسپی کے اس قابل ہے کہ نہ صرف ضرورت بلکہ محض دلچسپی کے خیال سے بھی اسکا پڑھنا لطف سے خالی نہیں-

اس فن کی عام طور پر مسلمانوں کو ضرورت پڑا کرتی ہے لیکن یہ بات بڑی کمی تھی کہ ابتک اُردو زبان میں اس فن کی کوئی مکمل کتاب نہیں لکھی گئی [illegible] جو لوگوں نے لکھے تھے وہ یا تو قدیمی طرز بیان میں تھے یا نامکمل تھے-

ہمارے مہربان مولوی محبوب [illegible] علیگڈہ جو فنون مغربی کے ساتھ مشرقی علوم میں بھی [illegible] کمی کو پورا کردیا- اب یہ کتاب اعلیٰ درجہ [illegible] اردو زبان میں آگیا-

مصنف ممدوح نے نہایت [illegible] کیساتھ بہت سلیس اور عمدہ زبان میں نہایت آسان پیرایہ سے اس مشکل فن کے مسائل اور اصول بیان کر دیے ہیں اور یہ مختصر سی کتاب اسقدر مکمل ہی کہ وراثت کے متعلق عام ضروریات اس سے پوری ہو سکتی ہیں۔ نہ صرف طلبا ر قانون یا وکلا و متعلقین عدالت ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں بلکہ ہر ارد و پڑھا ہوا مسلمان اس کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہی اور اپنی ضرورت پر کام لے سکتا ہی۔

اس کتاب کی چھپائی لکھائی نہایت عمدہ ہی۔ اور کاغذ اعلیٰ درجہ کا ولائتی لگایا گیا ہی۔ اسکی قیمت ۸ر ہی۔

ملنے کا پتہ یہ ہی

جناب مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری علیگڈہ کالج

حیات جامی۔ مولانا جامی ایران کے سب سے بڑے آخری شاعر اور بہت بڑے عالم اور مقدس صوفی گذرے ہیں۔ انکی کتابیں بہارستان یوسف زلیخا اور شرح جامی وغیرہ بہت مشہور ہیں اور عام طور پر مدرسوں اور مکتبوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔

ایسے مشہور مصنف کی ابتک کسی نے سوانحعمری نہیں لکھی تھی مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے حال میں حیات جامی کے نام سے انکی زندگی کے کارنامے انکے لطائف و ظرائف۔ زہد و تقدس کی کیفیت۔ و شاعری کے حالات وغیرہ لکھکر شائع کی ہی۔ یورپ اور ایشیا کی تمام تصانیف سے جو مولانا جامی کے متعلق ہوئی تھیں مدد لی ہی اسیلیے یہ کتاب نہایت مفید اور دلچسپ ہی۔ چھپائی لکھائی نہایت عمدہ۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا قیمت ۸ر ہی۔ مصنف سے مل سکتی ہی۔